تحسینِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پروفیسر
محمد اقبال جاوید

تحسینِ رسالت ﷺ

(نعتیہ مضامین)

پروفیسر محمد اقبال جاوید

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : تحسین رسالت ﷺ
مصنف : پروفیسر محمد اقبال جاوید
اشاعت : ۲۰۱۹ء
تعداد : پانچ سو
سرورق : سجاد محمود
کمپوزنگ : سجاد کمپوزنگ سنٹر دین پلازا گوجرانوالا

قیمت : **2000** روپے

ISBN 978.969.8918.52.1

ناشر

نعت ریسرچ سینٹر

B-306، بلاک 14، گلستانِ جوہر۔ کراچی 75290

فون: 0332-2668266

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

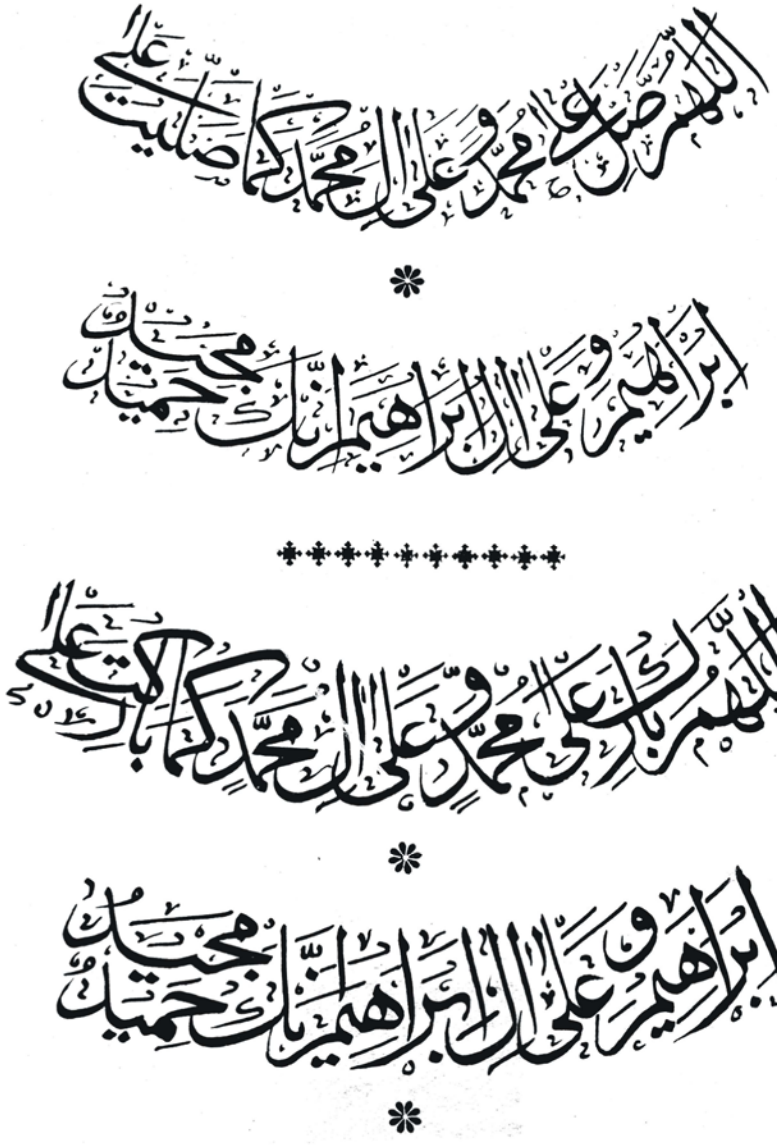
اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

فہرست

گدازِ یک نوا	۷
نعت کیا ہے؟	۸
نعت کہیے، مگر احتیاط کے ساتھ	۱۵
نعت نگاری اور اہتزازِ نفس	۲۰
حبّ و ہوس میں چاہیے کچھ فرق و امتیاز	۳۸
ظہورِ قدسی۔ پس منظر (اردو نعت کے آئینے میں)	۵۳
ظہورِ قدسی (اردو نعت کے آئینے میں)	۸۶
اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (اردو نعت کے آئینے میں)	۱۰۳
جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اردو نعت	۱۳۹
اسوۂ حسنہ ﷺ (اردو نعت کے آئینے میں)	۱۶۰
نعت میں ذوقِ آرزو	۱۹۶
اردو نعت میں تاریخی صداقتیں	۲۱۱
نعتیہ تبرکات (اردو) ماہنامہ صوفی کے آئینے میں	۲۳۸
نعتیہ تبرکات (فارسی) ماہنامہ صوفی کے آئینے میں	۳۱۳
غالبؔ کی ایک نعتیہ غزل	۳۴۵
بانگ درا کی نعتیہ تاب و تب	۳۵۹
جلیل مانک پوری (غزل سے نعت تک)	۳۷۱
نیاز فتح پوری اور ان کی نعت گوئی	۳۸۴
شورش کاشمیری۔ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں	۴۰۵
نظیر لدھیانوی اور اُن کی نعت شناسی	۴۴۴

حضرت مولانا سیّد زوار حسین شاہؒ کی ایک نعت	۴۵۷
رازؔ کاشمیری کا حمدیہ اور نعتیہ آہنگ	۴۷۰
سید ضمیر جعفری کی ایک نعت	۴۸۷
آہنگِ حجاز	۴۹۲
نذیر قیصر۔ایک قابل قدر مسیحی نعت گو	۴۹۸
نعت اور آدابِ نعت گوئی (افادات کشفی کی روشنی میں)	۵۱۱
ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ (حمد و نعت کے آئینے میں)	۵۳۱
محمد علی ننکانوی۔ایک گم نام نعت گو	۵۴۴
محمد افضل طور کا ذوقِ نعت	۵۵۰
خالد شفیق کی نعتیہ خدمات	۵۶۳
''جانِ جہاں'' کی کیف آفرینیاں	۵۷۳
التفاتِ سیّد سادات ﷺ	۵۸۱
کیفِ مسلسل	۵۹۰
صدیق شاہد کا نعتیہ تغزل	۵۹۶
بسمل صابری کی ایک نعت	۶۰۳
غلام رسول عدیم کی نعت گوئی	۶۰۸
نعتیہ ہائیکو اور اقبال نجمی	۶۱۷
بشیر عابد کا نعتیہ تغزل	۶۲۲
ثنائے خواجہ صلی اللہ علیہ وسلم (نعتیہ شاعری، ایک نظر میں)	۶۳۰
پسند اپنی اپنی، خیال اپنا اپنا	۶۵۱
حرفِ اعتذار	۷۰۲

☆

گدازِ یک نوا

نہ سلیقہ مجھ میں کلام کا، نہ قرینہ مجھ میں سلام کا
مرے آنسوؤں کو سخن کہو، مری خامشی کو نوا کہو

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اقدس، اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم احسان اور انعام ہے، اس احسان کا اعتراف تحدیثِ نعمت ہے۔ حضور ﷺ کا ذکر ہر دور میں اور ہر انداز سے ہوتا رہا ہے۔ قدیم صحائف کی پیش گوئیاں، کلامِ الٰہی کی تفاسیر، احادیث نبوی کی توضیحات، تاریخ وتفاسیر کی سچائیاں اور حمد ونعت کے زمزمے، دراصل ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بوقلموں صورتیں ہیں اور یہ وہ مقدس تذکرہ ہے کہ پھلتا، پھولتا اور پھیلتا ہی جارہا ہے۔ یہ نغمہ فصلِ گل ولالہ کا پابند نہیں، بہار ہو کہ خزاں وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کی گونج سنائی دیتی ہے اور یہ گونج فردوسِ گوش بھی ہے اور نشاطِ روح بھی ـــــ ہمارے یہ نغمے اور زمزمے، حضور ﷺ کی شان میں کیا اضافہ کریں گے کہ خود خدا، ان کا ثنا خواں اور کائنات ان کی نعت خواں ہے ـــــ یہ ذکر تو ہم اس لیے کرتے ہیں کہ اس نسبت سے خود ہمیں بلندی ورفعت کا سامان ملتا ہے۔

بارگاہِ رسالت مآب ﷺ، عرش سے بھی کہیں زیادہ نازک ہے۔ وہاں لب کشائی اور خامہ فرسائی کی جرأت کسے ہے؟ وہاں تو جنیدؒ وبایزیدؒ بھی ''نفس گم کردہ'' آتے ہیں اور پھر کون سی زبان اور کون سا قلم ہے جو نعت کا حق ادا کرسکتا ہے؟ وہ مقام جہاں سکوت بولتا، آنسو مسکراتے اور لرزشیں، اوجِ بلاغت کا نشان ہوں، وہاں یارائے سخن کس کو ہے؟ ـــــ ان چند اوراق میں، میں کچھ بھی پیش نہیں کرپایا، حقیقتاً میں اپنی لکنتو ں پہ نادم اور اپنی لغزشوں پہ شرمندہ ہوں۔ کاش ان ''قلمی نواؤں'' کے بجائے مجھے گدازِ روح کی ایک رمق نصیب ہوجاتی تو میرے آنسو بھی موتی بن کر تل جاتے اور میں کہہ سکتا۔

ز چشمم آستیں بردار و گوہر را تماشا کن

اور کیا بعید ہے کہ الطافِ حق کے اس عظیم وجلیل قاسم کی برکت سے مولا کریم میرے دل کو سوز، روح کو لرزش، آنکھ کو موتی، قلم کو نور اور نوا کو گداز عطا کردیں۔

بکوئے تو، گدازِ یک نوا بس
مرا ایں ابتدا ایں انتہا بس

(۱۹۸۰ء)

☆

نعت کیا ہے؟

(۹۲ جملے)

O

حبِّ رسول ﷺ کا دل کی گہرائیوں میں اتر جانا، اساسِ نعت، گنبدِ خضریٰ سے دوری کا احساس، گدازِ نعت اور اسوۂ رسول ﷺ کا چراغِ زندگی بن جانا، مقصودِ نعت ہے۔

O

نعت چونکہ منشائے الٰہی ہے، اس لیے افکار کے آویزے اور اظہار کے سانچے بھی بارگاہِ الٰہی سے عطا ہوا کرتے ہیں۔

O

نعت سے لفظ معتبر ہو جاتے ہیں۔

O

جنیدؒ و بایزیدؒ ایسی ایک دم کشیدہ حاضری پر، شوکتِ الفاظ سے معمور ہزاروں نعتیں قربان۔

O

نعت میں مبالغہ عقیدت کو بدعت اور توصیف کو تنقیص بنا دیتا ہے۔

O

نعت گوئی کے لیے سچے عرفان اور گہرے ادراک کی ضرورت ہے۔

O

نعت..... جیسے صبا، موسمِ گل میں ہو گل بکف۔

O

نعت، کفار کی لسانی گستاخیوں کے جواب کے لیے وجود میں آئی تھی۔

O

نعت میں ممدوحِ بے مثال ﷺ کی رضا بھی شامل ہے اور دعا بھی۔

O

نعت نطقِ جبرئیل بھی ہے اور موجِ سلسبیل بھی۔

O

نعت سے ذہنوں کے آفاق روشن اور دلوں کے اعماق شاداب ہو جایا کرتے ہیں۔

O

نعت کہی نہیں، کہلوائی جاتی ہے۔

O

نعت، خوشبو کا سفر ہے۔

O

نعت، کیفیت کو کیف بنا دیتی ہے۔

O

نعت، سر بیچ کر، متاعِ دل و جاں خریدنے کا نام ہے۔

O

نعت، صد ہا صداقتوں کا صدف ہے۔

O

نعت، بے خزاں، خزانوں کی امین ہے۔

O

نعت گوئی مناسبت اور نعت سازی منافقت ہے۔

O

نعت ازل انوار بھی ہے اور ابد آثار بھی۔

O

نعت، رفعتِ ذکرِ محمد ﷺ کے اعلانِ ربانی کا ایک دلنواز تسلسل ہے۔

O

نعت، ارادت و محبت ہی کا نہیں، شکر و سپاس کا بھی ایک شعری اظہار ہے۔

O

نعت سے گفتار کو نکھار، افکار کو وقار اور کردار کو اعتبار ملتا ہے۔

O

ممدوحِ خدا کی مداحی، توفیقِ خداوندی کے بغیر ممکن نہیں۔

O

نعت، ایک ایسی یاد ہے جو دل کو ہر نقشِ ماسوا سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

O

حضورِ ناز میں پلکوں پر لرزتے ستارے بہترین نعت ہیں۔

O

نعت، اس شفیع المذنبین ﷺ کا ذکرِ جمیل ہے جس کا وسیلہ ہمارے اور دوزخ کے درمیان آڑ ہے۔

O

نعت، ایک نسیم گرہ کشا ہے کہ چاہت کی کلیوں کو چٹکاتی چلی جاتی ہے۔

O

نعت، ہماری زندگی کی تابندگی ہے۔

O

نعت، محبت کے تقدس کی معراج ہے۔

O

نعت، ایک جمالیاتی اسلوب ہے، جو محبت اور احترام کے بہار آفرین سنگم پر لود یتا ہے۔

O

نعت، ہمارا امتیاز بھی ہے اور اعزاز بھی۔

O

نعت، حصولِ سعادت کا ایک نغماتی ذریعہ ہے۔

O

نعت، اُس مکین عظیم و جلیل ﷺ کی توصیف ہے جن کے مکان کی تعظیم خود لامکاں کرتا ہے۔

O

نعت، اُن کی ثنا ہے جو تازہ تر گلبرگ صحرائے وجود بھی ہیں اور قیمتی تر گوہر دریائے جود بھی۔

O

نعت، اُس جانِ مسیحا کا ذکر ہے۔ جس کا لعاب دہن وجہِ شفا ہے۔

O

نعت کی سچائی اور رعنائی، بات کو آیات تک لے جاتی ہے۔

O

نعت سے خود علم بیان نکھرتا اور علم بدیع سنورتا ہے۔

O

نعت، ایک نمازِ نیاز ہے، بے سجدہ و قیام۔

O

نعت، کیفِ وصال بھی ہے اور لذتِ فراق بھی۔

O

نعت، نغمۂ جانفزا بھی ہے اور نوکِ خامہ پر لرزتی دعا بھی۔

O

نعت، سے دل سیراب اور روح شاداب رہتی ہے۔

O

نعت، سے شعور کو چاندنی، شعار کو روشنی اور شعر کو تابانی ملتی ہے۔

O

نعت، دوری میں حضوری کی سعادت عطا کرتی ہے۔

O

نعت سے نگاہوں کو نور اور دلوں کو سرور ملتا ہے۔

O

نعت، ایمان کو بانکپن اور ایثار کو والہانہ پن بخشتی ہے۔

O

نعت، نکہتوں کی سرزمین کا نغماتی تذکرہ ہے۔

O

نعت، اُس صداقت کا بیان ہے جو اپنے تمام راویوں اور زاویوں کے ساتھ محفوظ ہے۔

O

نعت میں الفاظ گنگ اور زبانیں عاجز ہیں کہ بشر، خیر البشر ﷺ کی تعریف کیسے کرے؟

O

نعت، دل کی بے قراریوں اور شریعت کی نزاکتوں کا ایک حسین امتزاج ہے۔

O

نعت گو کے لیے لازم ہے کہ وہ قبلتاً مکی اور قلباً مدنی ہو۔

O

نعت گوئی قلم کو ولولہ، زبان کو حُسن اور دل کو سرور عطا کرتی ہے۔

O

مالک اور ملائک کے ارمغان درُود وسلام کے بعد، ہمارا عجزِ بیان ہی بہترین بیان ہے۔

O

نعت، سنبھل سنبھل کر، لرز لرز کر اور سہم سہم کر، اپنی عظیم نسبت کو شعری شکل دینے کی ایک امکانی کوشش ہے۔

O

نعت سے خود حرف کو حرمت، لفظ کو نکہت اور قلم کو نزہت ملتی ہے۔

O

نعت، ایک صنفِ سخن نہیں بلکہ موضوعِ سخن ہے۔

O

نعت گوئی تغزل کو ایمائیت، جذبے کو رچاؤ اور اظہار کو طرفگی عطا کرتی ہے۔

O

نعت، صدیوں سے ہے اور صدیوں کو محیط رہے گی۔

O

نعت، گنبدِ آبگینہ رنگ، جس کے محیط میں حباب۔

O

نعت، ایک عظیم الشان انسان (ﷺ) کی شان، شایانِ شان انداز سے بیان کرنے کی ایک انسانی کوشش ہے۔

O

نعت، حکم ربانی بھی ہے اور شعارِ یزدانی بھی۔

O

نعت، گنبدِ خضریٰ سے اُبھرنے اور نکھرنے والے جمالیاتی تسلسل کا شعری تذکرہ ہے۔

O

نعت، فکر و نظر کا افتخار اور اظہار و بیان کا انکسار ہے۔

O

نعت میں حسنِ کلام اور حسنِ نظر، منتہائے کمال پر پہنچ کر ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔

O

نعت، سوچ کو پاکیزگی، دل کو تازگی اور اسلوب کو بالیدگی عطا کرتی ہے۔

O

نعت، نبضِ تقدس بھی ہے اور روحِ حرم بھی۔

نعت، محبتوں، نسبتوں اور وفاؤں کا ایک لافانی سلسلہ ہے۔

O

نعت، وہ حقیقت ہے جو حسن کے پیرہن میں مسکراتی ہے۔

O

نعت، صبحِ ازل کی لو اور شامِ ابد کی ضو ہے۔

O

نعت، فکر و خیال کا کمال بھی ہے اور عقل و خرد کا جمال بھی۔

O

نعت، کسی شخص کی نہیں بلکہ ایک اکمل، اجمل اور احسن شخصیت کی ثنا ہے۔

O

نعت، عظمتِ رفتہ کی بازیافت کا ایک سچا ذریعہ ہے۔

O

نعت، رنگ، خوشبو اور روشنی کا ایک نظر افروز اور دل آویز استعارہ ہے۔

O

نعت، دل کی زندگی، روح کی تابندگی، فکر کی رخشندگی اور بیان کی شگفتگی کی مظہر ہے۔

O

نعت، قلبِ مومن کی آرزو اور حیاتِ مومن کی آبرو ہے۔

O

نعت سے خرد کو ثروت اور جنوں کو رفعت عطا ہوتی ہے۔

O

نعت، ارض و سما کی ہم کلامی ہے۔

O

نعت، ذہن، ذوق اور ظرف کا ایک عرفانی سفر ہے۔

O

نعت میں اکثر حسرتِ حاضری، لطفِ حضوری سے نوازی جاتی ہے۔

O

نعت گوئی میں رہ رہ کر اپنی کوتاہیِ فن یاد آتی ہے۔

O

نعت، جہاں ہر فکر نارسا اور ہر قلم آبلہ پا ہے۔

O

نعت، سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے۔

O

نعت نے قلم اور زبان کو حق اور سچ کی عظمتوں سے آشنا کیا ہے۔

O

نعت کی تجلیوں سے عہدِ گزشتہ مستنیر، عصرِ رواں معمور اور دورِ آئندہ، تابندہ ہے۔

O

نعت نے دنیائے سخن میں اظہار کو انوار عطا کیے ہیں۔

O

قرآن پاک میں ''قل'' کا لفظ جہاں جہاں ہے وہ نعت ہی تو ہے..... میں ترا حسن، ترے حسنِ بیاں تک دیکھوں۔

O

ہر دور نعت ہی کا دور رہا ہے کہ..... یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند۔

O

نعت گوئی، عالمِ یاس میں آس کے پھول کھلاتی چلی جاتی ہے۔

O

نعت نے دعا کو ایک اجتماعی انداز دیا ہے، نعت گو ذات کے ساتھ کائنات لے کر چلتا ہے۔

O

نعت حکمِ خداوندی بھی ہے اور ایک مومن کی خلقی افتاد کا ابدی اظہار بھی۔

O

نعت نے چاہت کے تناظر کو وسعت اور رفعت عطا کی ہے۔

اور

نعت اُس ذات والا صفات کی توصیف ہے جو
مسکرائی، تو چمنستانِ کونین کی کلیوں نے چٹکنا سیکھا۔
اُٹھی، تو آسمان کو سربلندی ملی۔
چلی، تو ریت کے ذروں کو ریشم کا لوچ عطا ہوا۔
بیٹھی، تو زمین کو جنت بننے کا شرف ملا۔

(۲۰۰۹ء)

☆

نعت کہیے، مگر احتیاط کے ساتھ

دورِ حاضر کو نعت کا دور کہا جاتا ہے۔ نعت نے اِس دور میں جو وسعت حاصل کی ہے وہ یقیناً قابلِ قدر ہے۔ ویسے ہر دور نعت ہی کا دور رہا ہے۔ نعت تو ایسی بہار ہے جو بے خزاں ہے، ایک ایسا نغمہ ہے جو فصلِ بہار کا محتاج نہیں، بلکہ لالہ و گل، رعنائیوں کی بھیک اُس سے مانگتے ہیں۔ حضور ﷺ کا ذکر تو بلند و بالا تھا، ہے اور رہے گا۔ اگر یوں کہا جائے تو شاید بہتر ہو کہ ہمارے دور نے اپنے تشخص کو پالیا ہے اور بھٹکتی ہوئی انسانیت کو یہ احساس ہو گیا ہے کہ وہی ایک در ہے جہاں تمناؤں کے اضطراب کو آسودگی نصیب ہوتی ہے۔ وہی ایک دیوار ہے جو آبلہ پائی کا واحد سہارا ہے اور وہی ایک راستہ ہے جہاں شوق ہی راہرو، شوق ہی رہبر اور شوق ہی منزل ہوتا ہے۔ آج کے قلم اگر نعت سرا ہیں تو یہ اسی احساس کی شدّت کا نتیجہ ہے۔ اِس دور نے اگر آفتاب کو پہچان لیا ہے تو احسان، آفتاب پر نہیں ہے۔ یہ تو ثبوت ہے اس بات کا کہ دیکھنے والے کی نگاہ سالم اور سمت درست ہے اور یہ بھی محبوب کی عطا ہے، محبّ کا فخر نہیں۔

آنکھوں میں نور، دل میں بصیرت ہے آپ سے
میں خود تو کچھ نہیں، مری قیمت ہے آپ سے

مجھے کچھ یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاعروں میں ایک دوڑ شروع ہو گئی ہے اور ہر ''صاحبِ تخلّص'' نعت گو بننے کی سعی کر رہا ہے۔ گویا، ہر بوالہوس نے حسن پرستی کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک اُس ذاتِ والا صفات سے قلبی تعلق نہ ہو، بات بنتی نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اکثر نعتیں یا تو بے کیف ہیں یا غزل کا چربہ۔ غزل مبالغہ آفرینیوں کا دوسرا نام ہے، جبکہ نعت ایک ایسی احتیاط ہے جو تلوار کی دھار پر چلنے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس نے حضور ﷺ کے بارے میں مبالغے سے کام لیا۔ اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ نعت میں ادبیت اور حسنِ ادا کو اپنے کمال پر ہونا چاہیے۔ مگر غزل کی مجاز آفرینیوں اور مبالغہ آمیزیوں سے دامن بچانا چاہیے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ اِس پاکیزہ صنفِ سخن اور غزل میں امتیاز مشکل ہو جائے اور پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ مستقبل میں اس دور کی نعت کی تطہیر کے لیے کسی مجتہد کو اٹھنا پڑے اور کہنا پڑے کہ ؎

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اِسے اور ذرا تھام ابھی

اور بقول ڈاکٹر سیّد عبداللہ ''کوئی ایسا شخص عشقِ رسول ﷺ کی شاعری نہیں کر سکتا جو محبت کے کرب و درد، انہماک اور مرکزیتِ توجہ سے باخبر نہ ہو۔'' سچی بات یہ ہے کہ نعت کی دنیا میں محو ہونے والا انسان، کُوئے مجاز کا رُخ کر ہی نہیں سکتا، کیونکہ جب حقیقت دل میں سما جائے تو افسانے خود بخود بکھر جایا کرتے ہیں:

عشق اک کفر ہے جب تک ہے وہ محدودِ مجاز
اور اِس حد سے گزر جائے تو ایماں ہو جائے

ایک نعت گو کے نزدیک حضور ﷺ کی محبت کے مقابلے میں باقی تمام محبتیں فروتر ہو جاتی ہیں، یہاں تک کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا مومن بیٹا حضور ﷺ سے عرض کرتا ہے کہ اجازت ہو تو اپنے منافق باپ کی گردن اتار کر آپ کے قدموں میں رکھ دوں۔ پاسِ ناموسِ عشق اور تکمیلِ ایمان کا تقاضا یہی ہوا کرتا ہے:

وفا کا سوز تو کندن بنا دیتا ہے انساں کو
محبت جس کو خاکستر کرے گی کیمیا ہوگا

ضرورت اس امر کی ہے کہ غزل باوضو ہو کر نعت بن جائے۔ مگر غزل باوضو ہو نہیں سکتی جب تک کہ شاعر خود باوضو نہ ہو۔ چنانچہ ضروری ہے کہ شاعر نعت کہنے سے پہلے، حضور ﷺ سے تعلق کی کوئی صورت پیدا کرے اور اِس صورت کی اوّلین منزل اتباعِ رسول ﷺ ہے جس میں اہم ترین چیز اہتمامِ نماز ہے کہ وہ مومن و کافر میں حدِّ امتیاز ہے۔ نماز، حمد و ثنا اور درود و سلام کا ایک شرعی انداز ہے اور نعت اسی درود و سلام کا غنائی اظہار اور مترنم شکل ہے، گویا جب تک دل کا آئینہ شفاف نہ ہو، اُس میں جمالِ رسالت جھلک نہیں سکتا اور مکدّر آئینہ نہ کوئی عکس سمیٹ سکتا ہے اور نہ کوئی جھلک دکھا سکتا ہے۔

عارض و رخسار اور گیسو و کاکل کے تذکروں نے بھی نعت کو غزل بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے لیے معشوق، نازنین، طرح دار، خوبرو، ایسے الفاظ نعت میں در آئے ہیں۔ رسولِ پاک ﷺ، یقیناً حسنِ سراپا تھے کہ سورج اُن کی ضیائے رُخ سے تاب و تب لیتا، راستے اُن کے قدموں کی چاپ سے جھوم اُٹھتے، کہسار اُن کے قدِ دل نواز سے سربلندی پاتے اور فضائیں اُن کے نفس کی مہک سے عنبر فشاں رہتی تھیں۔ مگر اصل شے غازۂ جاں تھا جس سے رُخِ رسول ﷺ کا ہر خط نکھر گیا تھا اور اسی غازۂ جاں کا دوسرا نام سیرتِ رسول ﷺ ہے جس کی آگہی، شناسائی، تعلق اور محبت کے بغیر، ایمان ہی مبہم ہے اور ایمان ہی مشکوک ہو تو نعت کے لیے اگر قلم اُٹھے گا تو وہ تخلیقِ مجاز سے بلند نہ ہو سکے گی۔

میں بصد توبہ و استغفار لکھتا ہوں کہ قرآنِ مجید میں موسیقیت کی جو شان، ترنم کا جو انداز، آہنگ کی جو کیفیت اور دل نشینی کی جو خصوصیت ہے، اُسے ہم شعری جمال و کمال کے جملہ محاسن کے باوجود شعر کا نام بھی نہیں دے سکتے اور قرآن نے شعرا کی تکذیب بھی، غالباً، اِسی لیے کی کہ اس دور کے لوگ نبی کریم ﷺ کو شاعر اور قرآن کو شعر کہتے تھے، گویا قرآن اپنی تمام تر ترنم ریزیوں کے باوجود شعر نہیں ہے۔ اسی طرح نعت میں اسلوب و ادا کی تمام تر رعنائیوں کے باوجود غزل کا رنگ اور ڈھنگ نہیں ہونا چاہیے اور نہ اُن اصطلاحات و تشبیہات کو نعت کے عظیم و جلیل ممدوح کے لیے استعمال کرنا چاہیے، جو غزل کی مجازی فضا کے لیے مخصوص ہیں۔

قدیم شاعر جب نعت کہتے تھے تو اُن کے پیشِ نظر عرفی کا دیا ہوا کڑا معیار ہوتا تھا:

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا
آہستہ کہ رہ بردم تیغِ است قدم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سُرودن
نعتِ شہِ کونین و مدیحِ کے و جم را

نتیجہ معلوم کہ وہ لوگ اپنے دل کی پاکیزگی، عقائد کے خلوص، روح کے گداز اور جملہ شعری صلاحیتوں کے باوجود نعت کہنے سے لرزتے تھے کہ کہیں توہین کے مرتکب نہ ہو جائیں، کیونکہ ممدوح وہ ذاتِ گرامی تھی جس کے حضور میں جنیدؒ و بایزیدؒ بھی سانس روک کر آتے تھے اور اُن شعرا کے پیشِ نظر قرآنِ پاک کی یہ تنبیہ بھی تھی کہ رسول کی آواز سے اپنی آواز بھی اُونچی نہ کرو، بصورتِ دیگر اعمال یوں سلب ہو جائیں گے کہ احساس تک نہ ہوگا۔ آج ہر کہ ومہ نعت کہنے کی دوڑ میں شریک ہے۔ اس دوڑ نے نعت کو بے کیف، بے سوز اور محض بیت بازی بنا کر رکھ دیا ہے۔ دل میں منافقت کے بُت چھپا کر نعت نہیں کہی جاسکتی، جب تک نعت گو سراپا نالہ نہیں بنے گا، اس کی نوا بے تاثیر رہے گی۔ جب تک سوزِ دل، سازِ رگِ جاں نہیں ہوگا، نعت، منافقت ہی کی ایک صدائے بازگشت ہوگی۔ ''چونکہ یہ دورِ نعت کا ہے، اس لیے نعت کہنی چاہیے'' یہ منافقت کا ایک انداز ہے اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ منافق ہر شب کا چراغ ہوتا ہے۔

نعت خود بولتی ہے۔ اس کا خلوص قاری کے دل میں خود بخود اتر تا ہے۔ شعر کے پیراہن میں لہراتے ہوئے آنسوؤں کی تپش اور مچلتے ہوئے گداز کی لَو از خود دل کی طہارت اور قلم کی پاکیزگی کا پتا دیتی ہے۔ مگر آج کی اکثر نعتیں، علیل جذبوں، اپاہج عقیدتوں اور وقتی مصلحتوں کی ترجمان ہیں۔ انداز کی خوش نمائی کے لاکھ پردوں کے باوجود اعمال کی سیاہی نمایاں ہے اور ریشمی الفاظ کی بہتات اور شبنمی تراکیب کا شکوہ بھی ابتذالِ کردار کو چھپا نہیں پاتا..... نتیجہ یہ ہے کہ نعت میں الفاظ کا بانکپن تو ہے مگر اخلاص کا جمال نہیں اور محض لفظوں کا حُسن ہر دور میں گفتار کے غازیوں کی منافقت کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ صورتِ حال یہ ہے کہ آج کی بیشتر نعتوں کو اگر حضور ﷺ کے اسمِ گرامی کے بغیر پڑھا جائے تو اُن میں اور ایک عام غزل میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا اور بعض تو توہین تک جا پہنچتی ہیں اور لوگ انھیں جدید دور کا جدید انداز سمجھ کر گوارا کر رہے ہیں۔

گزشتہ دنوں ایک اخباری مبصر نے ٹھیک لکھا تھا کہ آج کے بعض شاعر پہلے ایک غزل کہتے ہیں، پھر وہی غزل قائداعظم کی شان میں نظم بن جاتی ہے اور بوقتِ ضرورت وہی نظم، نعت کا روپ دھار لیتی ہے..... نعت کو نہ اس روپ کی ضرورت ہے نہ بہروپ کی، اور ڈر ہے کہ کہیں ایسی ثنا وجہِ ناراضی نہ ہو جائے اور رحمتِ عالم ﷺ کی خشمگیں نگاہوں کا کون سامنا کر سکے گا؟ شاعر کے لیے بہترین 'حَکَم' اس کا اپنا ضمیر ہے۔ اگر اُس کا ضمیر نعت گوئی پر مطمئن ہے تو ٹھیک، بصورتِ دیگر اُسے اپنے گستاخ قلم کو لگام دینی چاہیے اور توبہ کرنی چاہیے۔ غیر مطمئن ضمیر، دھندلے دل اور آلودہ قلم کے ساتھ نعت گوئی ایک خوفناک جسارت ہے۔

خیال رہے کہ نعت ذرا سی بے احتیاطی (بزعمِ خویش عقیدت) سے حمد بن جاتی ہے اور اکثر نعتیں ایسی ہیں کہ حضور ﷺ کے تصور کے بغیر انھیں پڑھا جائے تو وہ حمد لگتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور کو اُن کے مرتبے سے گرا دینا، اپنے ایمان کو ختم کر لینا ہے اور مرتبے سے بڑھا دینا شرک ہے۔ احتیاط کے انھی تقاضوں کی وجہ سے بڑے بڑے قادرالکلام نعت کے میدان میں خود کو عاجز محسوس کرتے ہیں۔ یہ شعر حضور ﷺ کے اعجاز اور غالب کے عجز ہی کا آئینہ دار ہے:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد ﷺ است

نعت گوئی جہاں ایک شاعر کے لیے سعادت ہے، وہاں آزمائش بھی ہے۔ شاعرانہ صلاحیتیں تو ہر قلم کو اللہ تعالیٰ کی

طرف سے ملتی ہیں۔ شاعر ذاتی طور پر اُس وہبی ذوق کو محض جلا دیتا ہے۔ اِسی طرح حبِ رسول ﷺ ہر مسلمان کا سرمایۂ افتخار ہے۔ 'ظرف' اور 'عطا' کے مطابق دل کی اِس کیفیت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ یہ دونوں صلاحیتیں فطرت کی دین ہیں۔ انسان کے بس کی بات نہیں ہیں۔ ایک نعت گو کے لیے بس کی بات اگر کوئی ہے تو وہ یہی کہ اس نے نعت کو نعت کے دائرے میں رکھنے کے لیے کیا کیا ہے؟ وہ اس کے لیے ذمہ دار بھی ہے اور جواب دہ بھی اور کسوٹی ایک ہی ہے کہ نعت کہتے کہتے، توحید کے تقاضے تو مجروح نہیں ہو گئے، وہ پیمانِ وفا ٹوٹ تو نہیں گیا جو ''الست'' والی رات کو ہر ذی روح سے باندھا بھی گیا تھا اور مانا بھی کہ اللہ، اللہ ہے۔ اس کی ذات میں، اس کی صفات میں، اس کے اختیارات میں اور اس کے حقوق میں کسی کو شریک نہیں کیا جائے گا۔ گویا جوہر الوہیت میں اس جیسا کوئی نہیں، اُس ایسی صفات بھی کسی میں نہیں، اُس جیسا دینے والا اور چھیننے والا بھی کوئی اور نہیں۔ رکوع و سجود بھی اسی کے لیے وقف، دعا و پکار بھی اُسی بارگاہ میں، اور اس پر ہر روح نے ہاں بھی کہی اور شہادت بھی دی۔ یہ پیمانِ وفا جب بھی ذہنوں میں دھندلایا، اللہ تعالیٰ نے اُسے تازہ کرنے کے لیے نبی بھیجے۔ ہر نبی کے پہلے اور آخری سبق میں توحید ہی کی خوشبو اور توحید ہی کی تازگی ہے۔ رنگ اور خوشبو کے یہ قافلے، ہزاروں کی تعداد میں، پے بہ پے اِسی لیے آتے رہے اور پھر آخر میں وہ آئے جنھیں اقبال نے آیۂ کائنات کا معنیِ دیریاب کہا اور ظفر علی خاں نے الست والی تاریک رات کو باندھے جانے عہد (توحید) کو نورِ اوّلین قرار دیتے ہوئے، حضور ﷺ کو اُس نور کا اُجالا سمجھا۔

پھوٹا جو سینۂ شبِ تارِ الست سے
اُس نورِ اوّلیں کا اجالا تمھی تو ہو!

اب، چونکہ اس آخری آنے والے کے بعد، کسی اور نے نہیں آنا، اس لیے امتِ محمدی کے ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ اِس چراغ کی لَو کو اونچا رکھے۔

نعت گوئی آزمائش اسی لیے ہے کہ حمد میں انسان جتنی بھی تعریف کرے، اتنی ہی کم ہے، جبکہ نعت میں شاعر کو انتہائی چوکنا اور باشعور رہنا پڑتا ہے۔ بزعم خویش ارادت و محبت کی رو میں بہہ جائے تو ''الست'' والا عہدِ وفا ٹوٹ جائے گا اور اگر شایانِ شان بات نہ بن سکے تو قلم توہینِ رسالت کا مرتکب ہوگا۔ دونوں صورتوں میں ایمان کا جملہ حسن و کمال سلب ہو جائے گا اور شاعر کی بے شعوری کو شعور اس وقت آئے گا جب میدانِ حشر میں خود ممدوحِ عظیم و جلیل ﷺ اپنے ہی نعت گو کے خلاف، حضورِ کبریائی میں استغاثہ دائر کر رہے ہوں گے۔ نعت سرائی میں خدا کو خدا کے اور رسول ﷺ کو رسول (ﷺ) کے مقام پر رکھنا ہی نعت گو کی آزمائش ہے۔ یہ منزل جتنی بڑی ہے، اتنی ہی کڑی بھی ہے۔

سچی نعت گوئی کے لیے مقامِ نبوت اور شانِ رسالت سے واقف ہونا بھی ضروری ہے۔ توحید کے تقاضوں سے مکمل آگاہی بھی چاہیے اور یہ بھی لازم ہے کہ مدحت نگار، نعت کو غزل کی آشفتہ مزاجی اور قصیدے کی مبالغہ آرائی سے بچا لے جائے، کیونکہ غزل اور قصیدے کی کوئی مذہبی حیثیت نہیں، یہاں ہر مبالغہ، خیال آفرینی اور ہر مستانہ لغزش حسن ہے جبکہ نعت کی ایک دینی حیثیت ہے، اس لیے یہاں قلم قلم پہرے ہیں اور دیکھنے والی نظروں کو دیکھنا بھی چاہیے اور ٹوکنا بھی کہ کہاں کہاں عقیدت نے عقیدے کے آبگینے کو مجروح کیا ہے، کیونکہ عقیدہ بہر نوع بالاتر ہے۔ حضور ﷺ ہم مسلمانوں سے

صرف خراجِ عقیدت نہیں، بلکہ خراجِ اطاعت بھی لینے کے لیے تشریف لائے تھے۔ یاد رہے کہ سچا اتباع ہی محبت کی واحد دلیل ہے۔

دورِ حاضر کے ایک عظیم نعت گو جناب حفیظ تائب کے الفاظ میں:

''نعت اِس کیفیت کا نام ہے جب فکرِ شاعر، ذاتِ رسالت مآب ﷺ کی طرف پورے انہماک و اخلاص کے ساتھ رجوع کرتا ہے۔'' اس کیفیت کے اظہار کے لیے اس سے بہتر لفظ نہیں مل رہے:

شان اُن کی سوچیے اور سوچ میں کھو جائیے
نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہو جائیے

یہ کیفیت خدائے کریم کی خصوصی عنایت میں سے ہے۔ اس کیفیت کے الفاظ میں ڈھلنے کا عمل بھی تائیدِ ایزدی کے بغیر ممکن نہیں، یہاں قدرتِ فن ساتھ دینے سے قاصر رہتی ہے:

کیا فکر کی جولانی کیا عرضِ ہنر مندی
توصیفِ پیمبر ﷺ ہے توفیقِ خداوندی

میں نعت گوئی کے موجودہ رجحان کو روکنا نہیں چاہتا، محض سنبھلنے کی تلقین کر رہا ہوں۔ نعت کے لیے جس پاکیزہ سوچ اور کمالِ محویت کی ضرورت ہے اس کا احساس ہر نعت گو کو ہونا چاہیے۔ بارگاہِ لطف و کرم سے یہ طہارت و نظافت نصیب ہو جائے تو خاص کرم ہے، ورنہ طلب اور آرزو تو ہونی چاہیے، معلوم نہیں نصیب کب کُھل جائیں۔

فیضِ حق ناگاہ می رسد
و لیکن بر دلِ آگاہ می رسد

اور سچی طلب کی پزیرائی یقیناً ہوتی ہے۔ اگر وہاں سے توفیق مل گئی تو پھر فکر کے عقدے خود بخود کھل جائیں گے اور قلم میں بھی پرہُما کی جنبش پیدا ہو جائے گی۔

نعت میں کیسے کہوں اُن کی رضا سے پہلے
میرے ماتھے پہ پسینا ہے ثنا سے پہلے

(۲۰۰۹ء)

☆

نعت نگاری اور اہتزازِ نفس

(تقدیم و تحسین کا تملّقانہ آہنگ)

دیباچہ نگاری

تقریظ، تقدیم، دیباچہ اور پیش لفظ کے بارے میں ۴ ستمبر ۱۹۹۸ء کو ''نوائے وقت'' کے ادبی صفحے پر عزیز مکرم عمران نقوی کے اہتمام سے چند اہل فکر و نظر کی آرا شائع ہوئی تھیں، بعد میں جناب پروفیسر سیف اللہ خالد نے دسمبر ۱۹۹۸ء میں ''دیباچے سے فلیپ'' تک ایک مختصر مگر وقیع تالیف شائع کی جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ قابلِ قدر ادبی روایت کن مراحل سے گزرتی ہوئی نقد و نظر سے ستائش و نیائش تک پہنچی اور کن کن مدارج سے گزر کر یہ اندازِ تعارف، روایت سے رواج اور تنقید سے تزئین تک جا پہنچا۔[1] حق یہ ہے کہ آج یہ تقدیم و تقریظ تعارف سے کہیں زیادہ تعریف بن چکی ہے اور اس کی آڑ میں بونے بزعمِ خود قد آور، خود غلط، املا غلط، انشا غلط، اپنی نظر میں ابوالکلام اور رگِ گل سے بلبل کے پر باندھنے والے باتخلص حضرات اپنے خیال میں میر تقی میرؔ بنے ہوئے ہیں اور ہر ایک کہہ رہا ہے کہ

ساختہ ام خامہ زبالِ پری

اور ہر قلم کار کو یقین ہے کہ

نہم غازہ بر رخِ مہر و ماہ

اس معکوس اسلوبِ تحسین نے شعر و ادب کے ارتقائی حسن کو کچلا اور سنولا دیا ہے۔ آج کا ادیب و شاعر مشورہ اور اصلاح کو شخصی توہین سمجھتا ہے۔ نتیجہ معلوم (الا ماشاء اللہ) کہ نہ کسی ذہن کی فکر دل کشا ہے، نہ کسی قلم کا خرامِ ناز گلفشاں اور نہ کسی قاری کا شوقِ مطالعہ رواں دواں:

جسے سن کے روح مہک اٹھے، جسے پی کے درد چہک اٹھے
ترے ساز میں وہ صدا نہیں، ترے مے کدے میں وہ مے نہیں
کہاں اب وہ موسمِ رنگ و بو کہ رگوں میں بول اٹھے لہو!
یوں ہی ناگوار چبھن سی ہے کہ جو شاملِ رگ و پے نہیں

وقت کی سوچ یہی ہے کہ دورِ حاضر کے دیباچے:

☆ کسی تصنیف کی حیثیت و وقعت متعین نہیں کر رہے۔
☆ صرف تعریف و تحسین ہے اور وہ بھی خیالی انداز میں۔
☆ پوری کتاب پڑھ کر رہنما انداز کا فکری دیباچہ لکھنے کے لیے نہ کسی کے پاس وقت ہے نہ اس کی کوئی ضرورت ہے۔

☆ دیباچے محض ''ڈنگ ٹپاؤ'' اور فلیپ ''کام چلاؤ'' ہیں۔
☆ ان میں صرف مداحی ہے اور وہ بھی کم و بیش غیر مدلل۔
☆ یہ دیباچہ نگاری ''ادبی کمرشلزم'' ہے۔
☆ یہ تحسین طلبی کا مکروہ کاروبار ہے۔
☆ یہ ذرّے کو خورشید اور زیرو کو ہیرو بنانے کی قلمی کوشش ہے۔
☆ یہ کارِ ثواب نہیں بلکہ ادبی گناہ ہے۔
☆ قاری کی ذہنی صلاحیتوں کو جکڑنے اور تجزیاتی خوبیوں کو زنجیر کرنے کی ایک شعوری کوشش ہے۔
☆ بعض دیباچے خود بولتے ہیں کہ یہ زور و زر سے لکھوائے گئے ہیں۔
☆ یہ ''سفارشی رقعے'' ہیں اور دیباچہ نگار ''ادبی منڈی کے ٹھیکے دار''
☆ دیباچہ نگاری کا کاروبار ایک ''وائرس'' کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

نتیجہ معلوم کہ

☆ دیباچہ نویس حرف و حکایت کا سارا حسن بھی جمع کر لے اور ممکن ہو تو آفتاب کے اوراق پر کرنوں کے الفاظ سے مدح و ستائش کی عبارتیں بھی لکھ لے، یا ماہتاب کی لوح پر تعریف و توصیف کے نگینے بھی جڑ لے، تب بھی نفسِ ممدوح مطمئن نہیں ہوگا۔

جب کہ

☆ تخلیق خود بولتی اور اپنا مقام متعین کراتی ہے۔

حق یہ ہے کہ

دیباچہ نگاری انتہائی محنت طلب کام ہے، اس میں حوالوں کے ساتھ خوبیوں کا اظہار اور دلیلوں کے ساتھ خامیوں کی نشان دہی مطلوب و مقصود ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی میں جن لوگوں نے مخلصانہ اور محققانہ اسلوب کے ساتھ دیباچہ نگاری کی آج ان کی تحریریں خود تنقیدی مقالے اور ادبی شاہ پارے بن چکی ہیں... جس طرح قوتِ نمو سے سرشار پودا، کسی بیساکھی کے بغیر اپنی نمود کا سفر آغاز کرتا اور پہاڑی چشمہ اپنا رستہ خود تراشتا ہے اسی طرح اعلیٰ اور مصفّا تخلیق کو بھی اپنے سبھاؤ اور بہاؤ کے سلسلے میں آزاد ہونا چاہیے... چناں چہ معقول تر روش یہ ہے کہ اسے دیباچے اور فلیپ کے لاحقوں سے نجات دلائی جائے۔[۲]

اللہ تعالیٰ نے جن شخصیات کو ذوقِ سلیم سے نوازا ہے، جن کے قلم کو حق نویسی کی توفیق دی ہے اور جن کے ضمیر کو احساس کی لو بخشی ہے وہ حتی الامکان دیباچہ نگاری سے بچتے ہیں، چنانچہ ۱۸۴۸ء میں منشی ہرگوپال تفتہ کے دیوان کی تعارفی سطور میں، غالبؔ، مطلوبہ توصیف کا حق ادا نہ کر سکے تو منشی ہرگوپال تفتہ نے اپنے مکتوب میں شکوہ کیا اور غالبؔ نے جو جواب دیا وہ جواب بھی ادب کی تاریخ میں محفوظ ہے۔ غالبؔ لکھتے ہیں:

کیا کروں، اپنا شیوہ ترک نہیں کیا جاتا، وہ روش، ہندوستانی فارسی لکھنے والوں کی مجھ کو نہیں آتی

کہ بالکل بھاٹوں کی طرح بکنا شروع کر دیں، میرے قصیدے دیکھو، تشبیب کے شعر بہت پاؤ گئے اور مدح کے شعر کم تر۔ نثر میں بھی یہی حال ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں کے تذکرے کی تقریظ کو ملاحظہ کرو کہ ان کی مدح کتنی ہے؟ مرزا رحیم الدین بہادر حیا تخلص کے دیوان کے دیباچے دیکھو، وہ جو تقریظ دیوانِ حافظ کی بہ موجب فرمائش جان جا کوب بہادر کے لکھی ہے اسی کو دیکھو کہ فقط ایک بیت میں ان کا نام اور ان کی مدح آئی ہے اور باقی ساری نثر میں کچھ اور ہی مطالب ہیں۔ واللہ باللہ! اگر کسی شہزادے یا امیرزادے کے دیوان کا دیباچہ لکھتا تو اس کی اتنی مدح نہ کرتا، جتنی تمہاری کی ہے۔[۳]

ماضی قریب میں جب جناب محمد طفیل نے اپنی کتاب ''صاحب'' کے لیے پطرس بخاری سے دیباچہ نگاری کے لیے کہا تو انھوں نے جواب دیا:

آپ کا پیغام ملا، مگر یہ میرے لیے بہت بڑا سوالیہ نشان ہے۔ ہاں کرتا ہوں تو ڈر ہے کہ میری تحریر کی جنبش سے اگر آپ کی دل آزاری ہوئی تو مجھے کتنے نفلوں کا ثواب ملے گا، انکار کرتا ہوں تو نہ یہ خوش مذاقی کی ذیل میں آتا ہے اور نہ شرافت کی ذیل میں۔ اگر آپ دل کو کڑا کر لیں اور میں جو کچھ آپ کی کتاب پر لکھ دوں، اسے قبول کر لیں تو بے شک پروف بھیج دیں۔[۴]

مگر المیہ یہ ہے کہ آج کوئی بھی دل کی بات زبان پر نہیں لاتا۔ کم و بیش ہر صاحبِ قلم بوجوہ یہ ''ادبی گناہ'' کیے جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیباچے خوب صورت ہیں مگر کتابیں نہیں:

بے چہرہ لوگ چہرہ دکھانے کے شوق میں
آئینے ڈھونڈ لائے ہیں حیرت کہاں سے لائیں؟

یوں دیباچہ نگاری کا یہ سارا کاروبار محض خوشامد اور تملّق تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ لکھنے والا خوب جانتا ہے (الا ماشاء اللہ) کہ وہ جو لکھ رہا ہے جھوٹ ہے مگر سننے والا اسے سچ سمجھتا ہے۔ یوں کانوں اور آنکھوں کے ذریعہ فریب ہونے کا مرض متعدی ہو چکا ہے خوشامد میں گھر جاتا ہے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور اپنے کانوں سے سننے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے اور.... دل کی جس قدر بیماریاں ہیں ان میں سب سے زیادہ مہلک خوشامد کا اچھا لگنا ہے، جس وقت کہ انسان کے بدن میں ایسا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جو وبائی آب و ہوا کے اثر کو جلد قبول کر لیتا ہے تو اسی وقت انسان مرضِ مہلک میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب کہ خوشامد کے اچھا لگنے کی بیماری انسان کو لگ جاتی ہے تو اس کے دل میں ایسا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جو ہمیشہ زہریلی باتوں کے زہر کو چوس لینے کی خواہش رکھتا ہے جس طرح کہ خوش گلو گانے والے کا راگ اور خوش آیند باجے کی آواز انسان کے دل کو نرم کر دیتی ہے۔ اسی طرح خوشامد بھی انسان کے دل کو ایسا پگھلا دیتی ہے کہ ہر ایک کانٹے کے چبھنے کی جگہ اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ [۵]

یہ عیاں ہے کہ دیباچہ نگار بھی احساسِ تفاخر کا شکار ہیں گویا وہ خود خوشامد کرانے میں مصروف ہیں اور'' دیباچہ طالبان''، تحسین طلبی کے مرض میں مبتلا... دیباچہ نگاروں کو کون سمجھائے کہ

قصیدوں پر قصیدے لکھ رہے ہو بے دماغوں کے

اور کون انھیں بتائے کہ کتاب دیکھ کر یا پڑھ کر خود دیباچہ نگار کا ''مبلغِ علم'' مشکوک ہو کر رہ جاتا ہے اور اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ اکثر دیباچہ نگار خلوت میں اپنی ہی تحریر کو ایک ''معاشرتی مجبوری'' قرار دے کر کتاب اور صاحبِ کتاب کی خامیاں گنواتے ہیں۔ قول و فعل کا یہ بعد، شائستگیٔ اخلاق کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے جب کہ قلب اور قلم کی ہم آہنگی ہی شخصی وقار اور ادبی اعتبار کی علامت ہے:

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

میرے ایک فاضل دوست دیباچے تو لکھ رہے ہیں مگر ایک الگ کاغذ پر ''ذاتی توجہ'' کے عنوان سے خامیوں کی نشان دہی بھی فرماتے ہیں۔ یوں مداہنت اور منافقت کا ادبی دھندا ساتھ ساتھ رواں دواں ہے:

عجب غبار کے سائے میں آ گئی دنیا
نہ روشنی سے نبھائے، نہ تیرگی چاہے

دورِ حاضر کے دیباچے ''فی البدیہہ'' نوعیت کے ہوتے ہیں۔ اس مصروف ترین زندگی میں کس ''عظیم ادیب'' کے پاس کسی نو آموز اور مبتدی کی تخلیقات پڑھنے، جانچنے اور پرکھنے کی فرصت ہے؟ جبکہ دیباچہ نگاری نقد و نظر کی دنیا کی ایسی صنف ہے جس میں کتاب کو ڈوب کر پڑھنا بھی پڑتا ہے، جانچنا بھی اور پرکھنا بھی۔ محض ستائشی نثر پارے، کسی بے جان تحریر کو کب تک آکسیجن مہیا کر سکتے ہیں؟... نہ حرف موتی ہو سکتے ہیں، نہ ڈھیلے کندن بن سکتے ہیں۔ اگر قصیدے کسی انسان کو سہارا دے سکتے تو بہادر شاہ ظفرؔ کے متعلق ذوقؔ نے جو قصیدے لکھے ہیں ان کے الفاظ اتنے پرشکوہ اور عظیم ہیں کہ واقعی بہادر شاہ ظفرؔ جہاں پناہ ہوتے لیکن تاریخ نے ثابت کر دیا کہ وہ خود پناہ ڈھونڈتے پھرتے تھے۔[۶]

تحسین و توصیف اور تقدیم و تقریظ کا یہ انداز حرمتِ حرف کی جان کنی ہے۔ یہ فریبِ نفس ہے۔ یہ معصیتِ ضمیر کا چلتا پھرتا اشتہار ہے۔ یہ ادبی سرطان اور فکری طاعون ہے اور یہ ایک بے غبار صداقت ہے کہ اسلام اس نوع کے متعفن ادبی دھندے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اس لیے نعت نگاری اس نوع کے تملّقانہ رویوں کی ہرگز متحمل نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ رسالت مآب ﷺ کی زبانِ صدق اظہار نے واضح طور پر فرما دیا کہ

☆ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے کہا کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو دوسرے کی تعریف کرتے ہوئے سنا۔ وہ تعریف میں بڑا مبالغہ کر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ''تم نے اسے ہلاک کر ڈالا یا یہ فرمایا کہ تم نے اس شخص کی گردن توڑ دی۔'' (متفق علیہ)

☆ حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کا ذکر نبی ﷺ کے سامنے کیا گیا۔ ایک دوسرے شخص نے اس کے بارے میں بڑی اچھی اچھی باتیں کر کے تعریف کی۔ نبی ﷺ نے فرمایا، ''تیرا ستیاناس ہو جائے تو نے اپنے ساتھی کی گردن توڑ کر رکھ دی'' اور یہ بات آپ ﷺ کئی مرتبہ فرماتے رہے کہ اگر کوئی کسی کی لامحالہ تعریف ہی کرے تو اسے کہنا چاہیے کہ میرا ایسا ایسا خیال ہے۔ اگر وہ اسے ویسا ہی دیکھے اور اللہ خوب جانچنے والا ہے اور اللہ کے

مقابلے میں کسی کی پاکیزگی کا اظہار نہیں کیا جاسکتا۔ (متفق علیہ)

☆ حضرت ہمام بن حارثؒ، حضرت مقدادؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عثمانؓ کی تعریف کرنے لگا۔ پھر مقداد اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھے اور اس کے منھ میں کنکریاں بھر کر ڈالنے لگے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا یہ کیا ہوا؟ انھوں نے کہا کہ رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ جب تم بڑے ہی تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں مٹی ڈال دو۔ (مسلم)

☆ حضرت جندبؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے نیک کام لوگوں کو سناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کی نیتِ فاسدہ لوگوں کو سنائے گا اور جو اپنی نیکیاں لوگوں کو دکھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا عذاب (روزِ قیامت) لوگوں کو دکھائے گا۔ (بخاری)

''منہ میں مٹی ڈالنا'' نبی کریم ﷺ نے محاورتاً استعمال فرمایا ہوگا مگر بھلا ہو حضرت مقداد بن اسودؓ کا کہ انھوں نے اتباعِ رسول ﷺ میں محاورے کو ''روزمرہ'' بنا دیا کہ منہ پر تعریف، ممدوح کو مغرور و متکبر بنا دیتی ہے جب کہ کبریائی ایک ہی ذات کے لیے اور اسی کو زیب دیتی ہے... علما نے کسی شخص کی تعریف کرنے کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی کے منہ پر اس کی تعریف کی جائے یہ قسم وہ ہے جس کی ممانعت منقول ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی کی غائبانہ تعریف کی جائے لیکن خواہش یہ ہو اس کو اس تعریف کی خبر ہو جائے۔ یہ قسم بھی ایسی ہے جس سے منع کیا گیا ہے اور تیسرے یہ کہ کسی کی غائبانہ تعریف کی جائے اور اس کی مطلق پروا نہ ہو کہ اس کو اس تعریف کی خبر پہنچے گی یا نہیں، نیز تعریف بھی ایسی کی جائے جس کا وہ واقعتاً مستحق ہے۔ یہ قسم ایسی ہے جس کی اجازت دی گئی ہے اور کسی شخص کی اس طرح کی تعریف میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ؎

اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔ راقم الحروف بھی دیباچہ نگاری اور تقریظ نویسی میں خوبصورت لفظوں، مرصع جملوں اور برمحل شعروں کی توصیفی شطرنج بچھاتا رہا ہے، جب اسے صورتِ حال اور فرامینِ رسالت ﷺ کا علم ہوا تو وہ محتاط ہوا اور حتی الوسع ایسے تقاضوں کو ٹالنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس ضمن میں ایک حقیقی واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ میرے ایک قابلِ احترام دوست ہیں۔ ان سے تعلق بہت پرانا ہے:

نصف صدی کا قصہ ہے، دو چار برس کی بات نہیں

وہ قابلِ قدر شاعر اور خوش فکر نعت گو ہیں۔ انھوں نے اپنے نعتیہ کلام کے لیے دیباچے کی فرمائش کی۔ میں نے نبی کریم ﷺ کے فرمودات کی روشنی میں معذرت کی۔ انھوں نے اس قدر زچ کیا کہ میرے اعصاب جواب دے گئے۔ میں نے بارہا عرض کیا کہ ''خود ایک دو صفحے لکھ لیں اور نبی کریم ﷺ کے ارشادِ مبارک پر عمل کریں کہ یہ عمل خود ایک بہترین نعت ہے اور دیباچہ نگاری فی الواقع تحسین طلبی ہی کی ایک شکل ہے کیوں کہ وہ دیباچہ قابلِ قبول نہیں ہوتا جس میں نقائص اور لغزشوں کی نشان دہی کی گئی ہو اور دنیا ''خود پذیرائی'' میں اس قدر آگے بڑھ گئی ہے کہ انتہائی درجے کے ستائشی جملے بھی انھیں اپنے مقابلے میں فروتر لگتے ہیں۔ مگر وہ نہ سمجھے، ان کا اصرار میرے انکار پر غالب آ گیا، مجھے سپر ڈالنا پڑی اور قلم اٹھانا پڑا۔ میں نے ارادتاً ضرورت سے زیادہ توصیف سے کام لیا کہ اردو زبان وصف بیانی میں خاصی فیاض اور سرمایہ دار ہے... اور آپ حیران ہوں گے کہ میری وہ تحریر دیگر دیباچوں کے ساتھ اشاعت پذیر نہ ہو سکی اور ستائش طلب مزاج نے اس تحریر کو

درخورِ اعتنا نہ سمجھا کہ اس میں نبی کریم ﷺ کے ارشادات کا اشاراتاً ذکر تھا۔ نتیجہ معلوم کہ نصف صدی کے مخلصانہ، برادرانہ اور بے تکلفانہ تعلقات پہلے انتہائی کشیدہ ہوئے اور پھر انتہائی سنجیدہ ہو کر سمٹ گئے اور

اس جرم میں پہنچے ہیں سردار، کہ ہم لوگ
اس قامت زیبا ﷺ کو بھلا کیوں نہیں دیتے

کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج کا ''مسودہ در بغل'' نعت گو، چند معروف ادبی شخصیتوں کے دروازوں پر بار بار دستک دیتا ہے، وہ ایک نگہِ غلط انداز کے بعد چند بندھے ٹکے جملوں کے ساتھ وقت ٹال دیتے ہیں، اس کے بعد کتاب دوسرے درجے کی ادبی شخصیتوں کو اصرار کے ساتھ عطا کی جاتی ہے اور چند ہفتوں کے بعد انھیں فون پر بار بار پوچھا جاتا ہے کہ آپ نے کتاب پڑھی ہے، کیسی ہے؟ اس پر ایک مضمون تو لکھ دیں۔ یہ اصرار بسا اوقات اہلِ قلم کے لیے ایک بوجھ بن جاتا ہے اور انھیں تعلق نبھانے کی خاطر دروغ کو فروغ کا رنگ دینا پڑتا ہے، جب کہ نعت ایک ایسی پاکیزہ اور نازک صنفِ سخن ہے کہ اس میں قلبی آمادگی اور بے ساختگی مطلوب ہے، ضرورتاً، رسماً اور مجبوراً نہ نعت لکھنا چاہیے اور نہ کسی کو اس کے پڑھنے اور اس کے بارے میں کچھ لکھنے پر مجبور کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں اصرار اور انکار دونوں انسب نہیں ہیں۔ سچ یہ ہے کہ عزت انھیں ملتی ہے جن سے قبلِ اشاعت ''پیشوائیاں'' لکھوائی جاتی ہیں۔ کتاب چھپنے کے بعد اس پر کچھ لکھوانا، دراصل لکھنے والے کی توہین ہے کہ اسے قبل ازیں اس قابل نہیں سمجھا گیا تھا۔ مگر شاعر ہے کہ کتاب کی طباعت سے قبل اور بعد محض تعریف و توصیف سمیٹنے ہی کے جنوں میں مبتلا ہے:

اس عہدِ خود سپاس کا پوچھو ہو ماجرا
مصروف آپ اپنی پذیرائیوں میں ہے

مولانا ابوالکلام آزاد نے اصغر گونڈوی کے مجموعۂ کلام ''سرودِ زندگی'' کے دیباچے کی ابتدا ہی درج ذیل سطور سے کی ہے:

''احباب میری کوتاہ قلمی سے بے خبر نہیں، خصوصاً تقریظ کے معاملہ میں۔ لیکن بعض تقاضے ایسے ہوتے ہیں جن کی تعمیل کرنی پڑتی ہے۔ ایسا ہی ایک تقاضا ان سطور کی نگارش کا باعث ہوا۔ یہ اگر صاحبِ کلام کا ہوتا تو میں حسبِ معمول معذرت کر دیتا، مگر خود کلام کا تقاضا ہے اور اس کے لیے میرے پاس کوئی معذرت نہیں۔''

اور علامہ اقبالؒ، ''دیباچہ طالبان'' کو بقول چراغ حسن حسرتؔ ''یوں سزا'' دیا کرتے تھے:

کوئی شخص ان سے سند یا کسی تصنیف پر ان کی رائے لینے آتا تو کہتے تھے خود لکھ لاؤ، میں دستخط کر دوں گا اور یہ بات صرف ٹالنے کی غرض سے نہیں کہتے تھے بلکہ جو کچھ کوئی لکھ لاتا اس پر دستخط کر دیتے تھے۔

واضح رہے کہ خوشبو کو کسی سفارش و ستائش اور اعلان و اشتہار کی ضرورت نہیں ہوتی وہ تو خود درزوں اور دروازوں سے در آتی اور مشامِ جاں کو معطر کر جاتی ہے۔ دورِ حاضر کی یہ کیسی خوشبوئیں ہیں کہ ساتھ ساتھ نقارے لیے پھرتی ہیں کہ ''میں خوشبو ہوں۔''

دامنِ خوشبو پہ کیا کیا داغِ رسوائی نہیں
اب تو کوئی شاخ پھولوں کی تمنائی نہیں

رونمائیاں

کتاب کی اشاعت کے بعد اہتزازِ نفس اور شوکتِ ذات کا ایک اور مظاہرہ ابھی باقی ہوتا ہے اور وہ ہے کتاب اور صاحبِ کتاب کی شہر بہ شہر اور کوچہ بہ کوچہ رونمائی کا، ایک لامتناہی سلسلہ، میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ شاعر اپنے بارے میں خود ہی مضمون لکھ کر، دوسروں سے پڑھواتا ہے اور خود ہی مہمانِ خصوصی بن کر انھیں سنتا ہے اور ایک بار تو یہ بھی دیکھا کہ صاحبِ کلام اپنے گلے میں ڈلوانے کے لیے ہار بھی اپنے ساتھ لائے تھے اور ساتھ ہی لے گئے تھے کہ

داشتہ آید بہ کار

یہ خود کو منوانے ہی کا جنون ہے جس نے کتابوں کی رخ نمائیوں اور خصوصی مجلوں کی اشاعت کو جنم دیا ہے یہ ذاتی نمود و نمائش ہی ہے جس نے دوسروں سے اپنی تعریف سننے کی آرزو کو غذا مہیا کی ہے اور شہرت کا تمنائی، خوشامدی کے منہ میں مٹی ڈالنے کے بجائے اس کا منہ گھی اور شکر سے بھر رہا ہے اور خود بذریعہ گوش فربہ ہو رہا ہے۔ نقد و نظر کی دنیا میں ان رونمائیوں کا کوئی مقام نہیں اور ستائشِ باہمی کی انجمنیں بے حقیقت ہیں۔ ایسی تقاریب ''ادبی سہرا بندیوں'' سے زیادہ وقیع نہیں ہیں ایسے نعت گو حضرات بھول جاتے ہیں کہ ''لوگوں سے تعریف کرانے کا شوق انسان کو اندھا اور بہرہ بنا دیتا ہے'' غالباً یہی مفہوم ہے۔

اس فرمانِ واجب الاذعان کا، جو اس مبارک زبان سے نکلا ہے جو کھلتی ہی صداقتوں کے لیے تھی۔ افسوس یہ ہے کہ دورِ حاضر خلوص سے تہی ہے اور المیہ یہ ہے کہ ہم لوگ ''دوہرے معیاروں'' کا شکار ہیں:

معنی میں معدوم، تحریریں بہت
ہے عمل مفقود، تقریریں بہت
بغض دل میں، منہ پہ تعریفیں بہت
کفر دل میں، لب پہ تکبیریں بہت
ایک اہلِ درد ہی ملتا نہیں
ورنہ دردِ دل کی تدبیریں بہت

اچھی تحریر کی حوصلہ افزائی ضروری ہے اس کے لیے مضمون لکھیے کہ ان کی اشاعت کے لیے اخبارات و رسائل موجود ہیں۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ آج مصنف یا شاعر اپنی کتاب پر اپنے ہی قلم سے ستائشی تبصرے لکھتا اور انھیں چھپوانے کے لیے در بہ در رسوا ہوتا ہے۔ البتہ مرحوم شخصیات کے نام اور کام کو جس قدر خراجِ تحسین پیش کیا جائے وہ کم ہے مگر ہم تو ''سانس لینے والے مُردوں'' کی پرستش میں اس قدر از خود رفتہ ہیں کہ ویران مزاروں کے لیے ہمارے پاس دو آنسو بھی نہیں ہیں:

سرا بے کہ رخشد بہ ویرانہ خوشتر
ز چشمے کہ پیرایۂ نم نہ دارد

کسی کتاب پر حقیقی تبصرہ بسا اوقات کتاب لکھنے سے بھی کہیں زیادہ جانکاہ ہوا کرتا ہے، معتدل تحسین اور نقد ونظر سے قاری اور مصنف ہر دو کے لیے فکر و دانش کے ایوان کھلا کرتے ہیں اور جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ ماضی کے دانش وروں کے تبصرے خود ایک مستقل کتاب اور قابلِ قدر حوالہ بن جایا کرتے تھے۔ اگر عوام میں کسی کتاب کا تعارف ضروری ہی ہو تو اس موقع پر خود مصنف اور شاعر کو بلا کر شرمسار، زیر بار اور گنہ گار نہیں کرنا چاہیے۔ خلوص کا یہی تقاضا ہے، ویسے بھی اچھی کتاب خود بولتی ہے اور اسے کسی ترجمانی کی ضرورت نہیں ہوتی، کتنی ہی کتابیں ہیں جن کی روز رونمائیاں ہوتی ہیں اور ان میں سے کتنی ہیں جن کے نام ہمیں یاد ہیں؟ دوسری طرف اقبالؔ کی کس کتاب کی رونمائی ہوئی تھی جب کہ پطرسؔ کی ایک مختصر سی کتاب کسی بھی رونمائی کے بغیر زندہ و پائندہ ہے۔ مولانا ابوالکلام آزادؔ نے ایک مقام پر ''الہلال'' میں لکھا تھا:

> ''انسان پرستی کا یہ نتیجہ ہے کہ بالعموم طبیعتیں مدح و تحسین کی عادی ہوگئی ہیں، نکتہ چینی اور نقد و اعراض کی متحمل نہیں ہوسکتیں، ہر شخص مخاطب سے اگر کوئی قدرتی امید رکھتا ہے تو وہ یہی ہے کہ مدح ومنقبت کا ترانہ اور بادۂ تحسین وآفرین کی پے در پے بخشش سے ساقی کا ہاتھ کبھی نہ تھکے۔''

تعریف وتحسین کے ضمن میں، درج بالا فرامینِ رسالت ﷺ کی روشنی میں رونمائیوں کی تقاریب رچانے اور ان میں شامل ہونے کے بارے میں ہمیں اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کرنا چاہیے کہ نبیِ کریم ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلنے والے جملوں کی صداقت ابدی ہے کہ نبی، روزِ آغاز ہی سے عملی اور فکری طور پر مقامِ تکمیل پر ہوتا ہے اس لیے اس کا طرزِ عمل شرفِ انسانی کے لیے آخری معیار قرار پاتا ہے... اور پھر صداقت نام ہے، صادق ﷺ تک پہنچ جانے کا اس ذات تک انسان پہنچ جائے تو جملہ صداقتیں خود بخود راستے کا نور بن جاتی ہیں اور صادق کے خلاف جانے والا ہر راستہ گمراہی پر منتج ہوتا ہے کہ صادق ﷺ سراپا الہام ہے اور ہم سراپا ابہام۔ اگر ہم سچے مسلمان بننا چاہتے ہیں تو ہمیں خود ستائی اور خود فریبی کے یہ انداز چھوڑنا ہوں گے اور پندار و تفاخر کے سبھی بت کدوں کو ویران کرنا ہوگا، خواہ اس میں نفسِ انسانی کو کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو کہ بت کدے سے اذان کی آواز... بغیر اس کے ڈھائے ہوئے، آج تک کسی نے سنی ہے؟ نفس کی چاہتیں اور لذتیں ہمیں انتہائی مرغوب ہیں اور ہم ان سے اس حد تک مرعوب کہ ان کے مقابل نصوصِ قرآنی اور احادیثِ نبوی ﷺ بھی (خاکم بدہن) غیر معتبر ہیں اور یہ نتیجہ ہے اس امر کا کہ نفسانی حلاوتیں دلوں میں جڑ پکڑ چکی ہیں، اہلِ نظر کہتے ہیں کہ اگر ان لذتوں نے ابھی دل میں گھر نہ کیا ہو تو ایمان واطاعت اور توبہ واستغفار سے نجات مل سکتی ہے مگر جب یہ پختہ تر ہو جائیں تو فضلِ الٰہی ہی دلوں کو بدل سکتا ہے۔ الوہی التفات کا رخ ہماری طرف تبھی مڑے گا جب ہم بھی کچھ نہ کچھ مائل بہ اصلاح ہوں گے۔ سوئی کے اندر قرب کی آرزو ہوگی تو مقناطیس خود اسے آغوش میں لے لے گا۔ ''تو'' کے لیے ''میں'' کی قربانی ضروری ہے اور... سب سے زیادہ خوش قسمت انسان وہ ہے جو بے نیازِ آرزو ہو اور جس کی اپنی منشا، منشائے ایزدی کے تابع ہو:

مجھے خاک میں ملا کر، مری خاک بھی اڑا دے
ترے نام پر مٹا ہوں، مجھے کیا غرض نشاں سے

باتصویر تحریر وتقریر

دورِ حاضر کے نعتیہ مشاعروں میں نہ صرف باجماعت نمازیں قضا ہوتی ہیں بلکہ تصویر کشی کا بھی بطورِ خاص اہتمام کیا

جاتا ہے اور پھر ان محفلوں کو خوشنودیٔ رسول ﷺ کا نام دیا جاتا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ آج کل رسالوں کے نعت نمبر نعتوں کے ساتھ ساتھ نعت نگاروں کی تصاویر سے ''مزین'' ہونے بھی شروع ہو گئے ہیں جن میں خواتین نعت نگاروں کی تصاویر بھی ہوتی ہیں۔ تصویر اور بے پردگی کے عام ہو جانے کا یہ مطلب نہیں کہ احکامِ ربانی اور فرامینِ رسالت مآب ﷺ ''آؤٹ آف ڈیٹ'' ہو چکے اور اپنی آفاقیت کھو چکے ہیں۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ ایک تاریخی واقعہ یوں نظم کرتے ہیں۔ نہیں معلوم کہ لوگ بے حجابی کا جواز کہاں سے لے آتے ہیں:

در مصافے پیش آں گردوں سریر
دخترِ سردارِ طے آمد اسیر
پائے در زنجیر و ہم بے پردہ بود
گردن از شرم و حیا خم کردہ بود
دخترک راچوں نبی ﷺ بے پردہ دید
چادرِ خود پیش روئے او کشید
ما ازاں خاتونِ طے عریاں تریم
پیش اقوامِ جہاں بے چادریم

تصویر اشد اور ناگزیر ضرورت کے لیے ہے۔ اگر آج حرمِ کعبہ اور حرمِ نبوی ﷺ کے مناظرِ قیام وقعود اور رکوع وسجود، ہوائی لہریں گھر گھر دکھا رہی ہیں تو اس سے تصویر کا جواز پیدا نہیں ہوتا اور نہ اس سے نبی کریم ﷺ کی تصویر کے بارے میں ناپسندیدگی کو پسندیدگی کی سند مل سکتی ہے۔ پوری کائنات مل کر بھی حضور ﷺ کی زبان مبارک سے نکلنے والے درج ذیل فرمودات کا مفہوم اور مقاصد بدلنے کی جسارت نہیں کر سکتی:

☆ حضرت ابوطلحہؓ کہتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا، فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو اور نہ اس گھر میں داخل ہوتے ہیں جس میں کتا ہو۔'' (بخاریؒ ومسلمؒ)

☆ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ اپنے گھر میں ایسی کوئی چیز نہ چھوڑتے تھے جس پر تصویر ہو اور آپ ﷺ اس کو توڑ نہ ڈالتے ہوں۔'' (بخاریؒ)

☆ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے (ایک مرتبہ) ایک ایسا تکیہ خریدا جس پر تصویر تھی۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے جب اس تکیہ کو دیکھا تو دروازے پر رک گئے اور حجرہ میں داخل نہیں ہوئے۔ حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر ناگواری کے اثرات کو بھانپ گئیں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا، ''یا رسول اللہ ﷺ میں نافرمانی چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کی طرف متوجہ ہوتی ہوں، میں نے کون سا گناہ کیا ہے کہ آپ ﷺ میرے حجرے میں داخل نہیں ہو رہے؟'' رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ تکیہ کیسا ہے؟ اور تم اس کو کہاں سے لائی ہو؟ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے جواب دیا، ''میں نے اس تکیہ کو آپ ﷺ کے لیے خریدا ہے کہ اس کا سہارا لے کر بیٹھیں اور جس وقت چاہیں اس کو سر کے نیچے رکھ لیں۔ رسول کریم ﷺ

نے فرمایا کہ (یاد رکھو) تصویر بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تصویریں تم نے بنائی ہیں ان میں جان ڈالو اور ان کو زندہ کرو، نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس گھر میں تصویر ہوتی ہے اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے، (اسی طرح انبیاء و اولیاء کے لیے بھی یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ تصویر والے گھر میں داخل ہوں) (بخاریؒ و مسلمؒ)

☆ حضرت عائشہؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، ''قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔'' (بخاریؒ و مسلمؒ)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''خدا کے ہاں سخت ترین عذاب کا مستوجب، مصور ہے۔'' (بخاریؒ و مسلمؒ)

☆ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر تمہیں تصویر بنانے کی ضرورت ہی ہو تو درختوں یا کسی غیر ذی روح کی تصویر بنا لو۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

آج کل ٹیلی ویژن پر بن سنور کر آنے والے فضلا اور خواتین، کیا اس یقین کے ساتھ اپنی اپنی رونمائی فرما رہے ہیں کہ ان کو دیکھنے والیوں اور دیکھنے والوں نے اپنی آنکھوں کو بند اور صرف کانوں کو کھول رکھا ہے۔

نعت کو سیکولر بنانے کی کاوشوں ہی کا نتیجہ ہے کہ ایسے نعتیہ مجموعے بھی عام ہیں جن میں گنبدِ خضریٰ کی تصویر کے مقابل نعت گو کی اپنی ''جگمگاتی تصویر'' دیکھنے والے کو ایک عجیب الجھن میں ڈال دیتی ہے۔ بقول داغؔ:

رخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے

جناب حفیظ صدیقی کے خودنوشت دیباچے کا ایک اقتباس، جملہ نعت گو حضرات کے لیے ''لمحۂ فکر'' مہیا کر رہا ہے:

سو میں اپنے آپ کو ''خاک پائے محمد ﷺ'' سمجھتا اور دیکھتا اور اس تعلق کی پاسداری کے لیے قدم قدم پر اپنی بساط کی حد تک محتاط رہنے کی کوشش کرتا ہوں اور زندگی میں ایسی ہر بات سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہتا ہوں جس سے تفاخر کا ذرا سا بھی پہلو نکلتا ہو یا اس کا معمولی سا امکان بھی دکھائی دیتا ہو۔ اسی جذبے کے تحت میں نعت کے حوالے سے بھی امکانی حد تک محتاط رہنے کی کوشش کرتا ہوں اور یہ احتیاطیں بطورِ خاص رکھتا ہوں۔

☆ میں نعت لکھتے ہوئے (اور سنتے ہوئے بھی) سراپا عجز رہنے کی سعی کرتا ہوں۔

☆ نعت میں کبھی اپنا تخلص استعمال نہیں کرتا اور ہر ممکن طریقے سے شاعرانہ تعلّی سے بچنے کی پوری کوشش کرتا ہوں۔

☆ میں اپنی نعت کی کسی بھی کتاب میں اپنی تصویر یا اپنے شخصی تعارف کی شمولیت روا نہیں سمجھتا۔

☆ میں اپنی نعت کی کتاب کے لیے کسی بھی صورت میں کوئی دیباچہ، پیش لفظ، تقریظ، تعارف یا

فلیپ وغیرہ لکھوانے اور کتاب میں شامل کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ ۸

حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث کہ ''مومن کی مدح اس کے منہ پر کی جائے تو اس کا ایمان ترقی کرتا ہے۔''مومن'' کے لیے کہ وہ مدح کا فی الواقع اہل ہوتا ہے۔

یہ کہنا غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ثنا پسند فرماتے ہیں اس لیے بندے کو بھی ''مدح جو'' ہونا چاہیے ضروری نہیں کہ ہر خصوصیتِ ربانی، بندے کے لیے بھی خاص ہو۔ایک حدیثِ قدسی کا مفہوم یوں ہے کہ:

تکبر میری چادر ہے اور بزرگی میرا ازار ہے، جو بندہ ان دونوں کو مجھ سے چھیننا چاہے گا میں اسے توڑ ڈالوں گا۔

گویا کبریائی اللہ تعالیٰ ہی کو زیب دیتی ہے۔ مدح وستائش ایک عام انسان کو بھٹکاتی، ایک سالک کو بہکاتی اور ایک صاحبِ دل اور پختہ فکر انسان کو یقین وطمانیت کی دولت سے سرشار کرتی ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ زیادہ دل سوزی کے ساتھ خود بھی رفعتوں کی طرف لپکتا ہے اور گرے ہوؤں کی دست گیری بھی کرتا ہے۔ گویا مدح کا اہل، مدح سن کر ایک سالم مشک کے مانند معمور اور مُشک فشاں ہوتا ہے اور کم ظرف پھٹی ہوئی مشک ہے کہ اسے ''بادِ دروغ'' بھی فروغ آشنا نہیں کر سکتی۔

انکسار، افتخارِ نعت گوئی

نعت کو مدح وستائش کی قباحتوں سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد، حضور ﷺ ہر تعریف کے مستحق ہیں وہاں تو مدحت کا حق ادا ہی نہیں ہوسکتا کہ آپ ﷺ کی مدح سرائی سے تو خود خوشبو اور نکہت کو بال و پر ملتے ہیں جس قلم سے اس حسن دوعالم کی توصیف نکلتی ہے تو خود جلوے اس قلم کا طواف کرتے ہیں۔نعت بہار آفرین کیفیتوں کی امین ہے۔ اس ذکرِ حسین کے فیض سے شبِ غم کی سحر ہوتی ہے۔اسی باعث صبحیں، غبارِ نور میں ملبوس آتی، شامیں شفق کے پیرہن میں مسکراتی اور راتیں ستاروں کی ضو میں جگمگاتی ہیں۔

نعت سرائی کی دنیا میں قلم اپنی تمام اڑانوں، زبان اپنی تمام مدرتوں، اظہار اپنی تمام رعنائیوں اور خیال اپنی تمام رفعتوں کے باوجود حق مدحت کی ادائی سے قاصر ہے وہاں تو جبرئیل کی تائید ہی سے بات بنتی ہے جہاں حق ہی ادا نہ ہو رہا ہو وہاں فخر و کبر کا گزر کیسے ہوگا؟...اور پھر نعت تو وہ پاکیزہ صنفِ سخن ہے جس نے قلم اور زبان کو سچ کی عظمتوں سے آشنا کیا ہے۔ یہ خیال غلط ہے کہ شعر میں مبالغے ہی سے تاثر پیدا ہوتا ہے حق یہ ہے کہ سچ اور تاثر لازم وملزوم ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ دل سے ابھرنے والی بات، دل میں نہ اترے۔

زبانِ رسالت ﷺ نے خوشامدانہ اندازِ تخاطب، مبالغہ آمیز طریقِ مدحت، لاطائل حسرتوں کی شاعرانہ عکاسی اور تعلّیانہ خودنمائیوں سے منع فرمایا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی مدحت کے شاعرانہ اظہار کے لیے حضرت حسانؓ اور دوسرے مومن شعرا کو نہ صرف ترغیب وتشویق دی بلکہ ان کے فکر کی بلند پروازی اور اظہار کی جامعیت کے لیے دعا بھی فرمائی کہ انھیں اس میدانِ سخن میں روح القدس کی تائید حاصل رہے۔ یہ مدحت جسے ہم اصطلاحاً نعت کہتے ہیں اس کی سماعت کا اہتمام ممدوح خود فرماتے رہے۔نعت، قصیدہ نہیں ہے قصیدے سے ممدوح میں کبر وغرور ایسی احمقانہ خصوصیات ابھرتی ہیں کیوں کہ وہ ان خوبیوں سے تہی ہوتا ہے جن کی عکاسی قصیدہ نگار کا قلم کرتا ہے۔نعت میں اس ذاتِ

اقدس کی ثنا مقصود ہوتی ہے جو ہر نوع سے اکمل، ہر لحاظ سے احسن اور ہر اعتبار سے اجمل ہے جس میں صوری اور معنوی جمال حدِ کمال پر پہنچ کر ہم آہنگ ہیں۔ جو علمی گہرائیوں اور عملی رفعتوں کی ایک ایسی کہکشاں ہے کہ اس کے انوار، جملہ ادوار کی ہر ظلمت کو اجالنے پر قادر ہیں۔ خدا کے بعد ہر تعریف انھی کے لیے ہے۔ چونکہ اللہ نے ان کے ذکر کو بلند کر رکھا ہے اس لیے نعت کا پھلنا، پھولنا اور پھیلنا، منشائے فطرت ہے۔ حضور ﷺ جب اپنی تعریف سماعت فرماتے تو اللہ تعالیٰ کے اکرام و عنایات کے لیے ان کی ہر سانس، عجز و نیاز کے سانچے میں ڈھل کر، سراپا عبادت بن جایا کرتی تھی۔ جب ہر آن عطا کرنے والی ذات بے ہمتا کا تصور روبرو ہو تو کسی ذاتی فخر و ناز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ نعت سرائی کفار شعرا کی گستاخانہ اتہام طرازیوں کے روکنے لیے لازم تھی اور دین حق کی اشاعت اور داعی حق کی عظمت کے اعلان کا ایک پاکیزہ ذریعہ تھی کہ وہ دور شخصی کارناموں کو جمالیاتی دل پذیریوں کے ساتھ شعر بنا کر کعبے میں لٹکانے کا تھا شاعر، زمین کو جتنا زیادہ آسمان بنانے کی سعی کرتا تھا اتنا ہی مستحق ستائش قرار پاتا تھا، حضور ﷺ نے نعت گوئی کی ترغیب دے کر ایک طرف کفار کی شاعرانہ شرارتوں کا رد فرمایا تو دوسری طرف نوائے شعر کو واقعیت کا وہ حسن دیا کہ آج بھی نعت کہتے شاعر لرزتا ہے کہ کہیں قلم کی ہلکی سی لغزش، خیال کی ادنیٰ سی چوک اور الفاظ کے انتخاب کی غیر محسوس سی بے احتیاطی بھی، ایمان کے لیے خطرہ نہ بن جائے۔ نعت گوئی کے چشمے حبِ رسول ﷺ سے پھوٹتے ہیں اور یہ محبت دلیل ایمان ہے اور آج نعت گوئی کی دورِ رسالت مآب ﷺ سے کہیں زیادہ ضرورت ہے کہ اس وقت تو خود شارعِ اسلام ﷺ کی ذات پر انوار تمام تر فیوض و برکات کے ساتھ علم و حکمت اور تاثر و تزکیے کے لیے ہمہ وقت موجود و آمادہ تھی۔ صرف کچھ پا لینے اور عطا کرنے والے تک پہنچ جانے کی ہلکی سی آرزو مقصود تھی۔ پھر طالب مطلوب کی طرف خود کھنچ کے رہ جاتا تھا... آج وقت اور دلوں کے فاصلے بڑھ گئے ہیں آج غیر تو غیر ہیں، اپنے بھی دریدہ دہنی، گستاخ بیانی اور نکتہ چینی سے خود کو ہنود و یہود کی معنوی اولاد ثابت کرنے کی سعی کرتے رہتے ہیں اور یوں اپنی قلبی خباثتوں اور ننگِ ہی کثافتوں کے افشائے عام کو اپنا نشانِ امتیاز بنائے ہوئے ہیں، حال یہ ہے کہ:

رات کے تاریک سناٹوں کی پیداوار لوگ
مے کدوں میں سیرتِ خیر البشر ﷺ پر نکتہ چیں

ایسے میں نعت سرائی وقت کی ایک اہم ضرورت ہو جاتی ہے مگر اس میں احتیاط کی ضرورت اس لیے ہے کہ کہیں ہماری بے لگام عقیدت، بے سند نغمہ سرائی اور بدعت آمیز وصف گوئی، خود گستاخانِ رسول ﷺ کے لیے حوالے کی چیز نہ بن جائے۔ بقولِ عرفیؔ نعت گوئی تلوار کی دھار پر چلنا ہے اس لیے قلم قلم اور لفظ لفظ احتیاط کی متقاضی ہے:

نعت میں کیسے کہوں ان کی رضا سے پہلے
میرے ماتھے پہ پسینا ہے، ثنا سے پہلے

لفظی خوش نمائی اور اعمال کی سیہ دلی

محبت اور غیرت لازم و ملزوم ہیں۔ محبت اگر غیرت سے تہی ہے تو وہ ایک لفظ ہے بے معنی، ایک جسم ہے بے روح اور ایک خاکہ ہے بے رنگ۔ اگر ہم لفظی اور شعری طور پر حبِ رسول ﷺ کا دعویٰ کرتے ہیں مگر جب ناموسِ رسالت مآب ﷺ کے تحفظ کے لیے سر کٹانے اور جان دینے کا وقت آتا ہے تو پہلو تہی کر جاتے ہیں تو یہ دعویٰ، منافقت ہی کی ایک

شکل ہوگا۔صحابہ کرامؓ کہ وہ ہماری زندگی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں روشن ستاروں کے مانند ہیں...زبانی دعووں سے نہیں بلکہ اپنے لہو سے عرب کی تپتی ہوئی ریت پر نعت کے مقطعے لکھا کرتے تھے کہ نبیٔ کریم ﷺ صرف خراجِ عقیدت نہیں بلکہ خراجِ اطاعت لینے کے لیے تشریف لائے تھے۔محبت کی غیرت، سر کا نذرانہ، پہلے قدم پر پیش کیا کرتی ہے:

سر بیچ کر متاعِ دل و جاں خریدنا
سودا ہے وہ کہ جس میں خسارہ کوئی نہیں

اطاعت کے بغیر محبت اور عمل کے بغیر ایمان کا ہر تصور فریبِ نفس ہے۔خود کو مسلمان، مسلمان کہنے سے انسان مسلمان نہیں بنتا، جب تک اس کا عمل، اس کے ایمان کی تائید نہیں کرتا۔محض لفظوں کی خوش نمائی سے حبِ رسول ﷺ کے تقاضے پورے نہیں ہوا کرتے۔کہنے والے کہتے ہیں کہ آج نعت کا دور ہے مگر وہ بھول جاتے ہیں کہ ہر دور ہی نعت کا دور رہا ہے کہ یہ صنفِ سخن ازل انوار بھی ہے اور ابد آثار بھی۔حقیقت یہ ہے کہ نعت، مخالفینِ اسلام کی لسانی گستاخیوں کے جواب کے لیے وجود میں آئی تھی۔خود حضور ﷺ کی مبارک رضا اس میں شامل تھی اور اس کے خال و خط اور اسلوب و اصول بھی زبانِ رسالت ﷺ ہی نے متعین فرمائے تھے۔مگر یہ ایک عجیب ستم ظریفی کی دل آزار تحریریں بھی لکھی جاتی رہیں۔وقت کے راجپال نئے نئے لبادوں میں سامنے بھی آتے رہیں اور عصرِ نو کے رشدی، ہنود و یہود کی سرپرستی میں دندناتے بھی رہیں اور حبِ رسول ﷺ کے دعوے دار محض نعت سرائی میں مصروف رہیں، ایسی نعت گوئی، قلم قلم اور حرف حرف منافقت ہے کہ اس میں محبت کا ادعا، غیرت کی چنگاری سے محروم ہے:

محبت خوب ہے غیرت مگر اس سے فزوں تر ہے

جناب واصف علی واصفؔ کے الفاظ میں:

نعت Pure محبت کا تحفہ ہے۔یہاں پر بھی ملاوٹ ہوگئی ہے۔نعت میں بھی ملاوٹ ہوگئی ہے جامیؒ محبت میں نعت کہے گا رومیؒ محبت میں نعت کہے گا کچھ اور لوگ بھی محبت میں کہیں گے، باقی لوگ الفاظ کی بھرتی کرتے جائیں گے۔ایسا ہوا ہے کہ ایک آدمی ایک دور میں نعت کے خلاف تھا اور جب کوئی اسلامی زمانہ آیا تو نعت لکھنی شروع کر دی۔لوگ حاکم وقت کے مطابق چلتے ہیں، نعت کا زمانہ آجائے تو نعت کہنا شروع کر دیتے ہیں۔اصل بات یہ ہے کہ جن لوگوں پر حضورِ پاک ﷺ کا فیض ہو، جب وہ نعت کہتے ہیں تو وہ اور ہی نعت ہوتی ہے۔شیخ سعدیؒ تین دن تک یہ تین مصرعے لے کر پھرتے رہے:

بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ

اس سے آگے کوئی مصرع نہیں آتا تھا۔وہ روتے رہے اور پھرتے رہے۔پھر آپ کو حضور پاک ﷺ کا مشاہدہ ہوا، دیدار ہوا۔آپ ﷺ نے فرمایا آگے لکھو:

صلوا علیہ و آلہ

تو یہ ہوتی ہے محبت کی بات۔یہ الگ بات ہوتی ہے۔ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔یہ عطا ہوتی ہے۔[9]

لمحۂ فکریہ ہے کہ جب ذرائع ابلاغ نہ ہونے کے برابر تھے تب تبلیغ دلوں میں اترتی تھی۔تب نگاہیں پرتاثیر تھیں تب الفاظ انتہائی کم تھے مگر انتہائی قیمتی۔اصولاً تقاریر ومواعظ کے اس دورِ پُرزور میں سامعین کی غالب اکثریت کو قلباً مومن اور قالباً نمونۂ اسلاف ہونا چاہیے مگر جوں جوں تبلیغ وتلقین بڑھتی جارہی ہے توں توں اندھیرے اور گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔کیا اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ چپ رہنے کی نعمت ہم سے چھن گئی ہے۔اظہار وبیان میں دوسرے روبرو ہوتے ہیں اور عالمِ سکوت میں انسان کو خود اپنے روبرو ہونا پڑتا ہے اور ہم اس قیامت آفریں لمحے کا سامنا کرنے سے کتراتے ہیں۔آج الفاظ پھیلتے جارہے ہیں اور معانی کی دنیا سکڑتی جارہی ہے۔زبانیں تیز وطرار، دل زار ونزار اور سامعین بے نیاز وبیزار:

دل ز پر گفتن بمیرد در بدن
گرچہ گفتارش بود درِّ عدن

کاش ہم سمجھ لیں کہ...آواز حجاب ہے اور خاموشی کاشفِ راز ہے...کاش ہم جان لیں کہ کائنات کا ہر حسن خاموش ہے اور خود خالقِ کائنات بھی خاموش،مگر جب کبھی وہ زبان بے زبانی سے اپنے برگزیدہ بندوں سے بولتا ہے تو ان اللہ کے بندوں کے مختصر بول،دلوں کی کائنات بدل دیتے ہیں کہ ان کی زبانوں پر ان کا دل بول رہا ہوتا ہے اور...انھیں غازۂ جاں بھی نصیب ہوتا ہے اور رقصِ جاں بھی...نفس کے بندوں اور اللہ کے بندوں میں زمین،آسمان کا فرق ہوتا ہے:

ہم وہ تھے جن کو خندۂ گل نے جگا دیا
ہم وہ ہیں جو خروشِ سلاسل میں سو گئے

آج خود پسندی اور شوکتِ نفس کی صورت یہ ہے کہ ہم نعتیں لکھتے ہیں مگر انھیں سنانے کی سعی نہیں کرتے،جن کے لیے لکھی گئی ہیں بلکہ ''بیاض بردوش''،محفل محفل،لوگوں کو مخاطب کرکر کے سناتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ حضرت بوصیریؒ نے بھی ایک نعت کہی تھی جس کے طفیل بوصیریؒ،زیارتِ رسول ﷺ سے بہرہ ور بھی ہوئے اور فالج کے مرض سے صحت یاب بھی۔اسی شب کی صبح وہ گھر سے باہر گئے تو ایک اللہ والے نے ان سے فرمائش کی کہ وہ نعت سنایئے جس کا مطلع یہ ہے، بوصیریؒ حیرت زدہ رہ گئے کہ یہ تو رات ہی کہی گئی ہے۔انھیں مطلع کا علم کیسے ہوا؟ یہ ایک صداقت ہے کہ اگر نعت کو مکینِ گنبدِ خضریٰ ﷺ کی پسندیدگی کا شرف مل جائے تو سننے والے خود زنجیر در کھٹکھٹائیں گے اور نعت گو کو در بدر اور محفل بہ محفل جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی:

نغمے سے جب پھول کھلیں گے، چننے والے چن لیں گے
سننے والے سن لیں گے، تو اپنی دھن میں گاتا جاتا

تعلّیانہ خودنمائی

آج کل اپنے نعتیہ دیوان اور نعتوں کی تعداد شمار کرنے کی روش بھی چل نکلی ہے۔کمپیوٹر کے اس دور میں لفظوں، نقطوں اور مصرعوں کی تعداد بھی بآسانی محفوظ ہوجائے گی۔اس شمار وقطار کا اشتہار بھی دیا جارہا ہے۔اس عاجز کے نزدیک یہ بھی اہتزازِ نفس کے ایسے مظاہرے ہیں جو ریاکاری کے زمرے میں آتے ہیں۔اللہ تعالیٰ معطی بھی ہیں اور محسن بھی۔ان کا

سب سے بڑا احسان اور سب سے بڑی عطا نبی کریم ﷺ کی صورت میں ہمارے پاس ہے۔ اگر عطا کا یہ سلسلہ نہ ہوتا تو ہم اللہ تعالیٰ کے نام سے بھی نا آشنا، اس کی حمد وثنا سے بھی بے بہرہ اور اس کی عطاؤں کے اعتراف سے بھی بے توفیق ہوتے:

کس کے لطفِ خاص سے نغمہ فشاں ہے سانس کی
دھیمی دھیمی، دھیری دھیری یہ نفیری سوچیے
کس کی شانِ کن فکاں سے پھوٹتا ہے خاک سے
یہ گیاہِ سبز کا فرشِ حریری سوچیے
ہر دلِ بے مہر پر مہریں لگا دیتا ہے کون
کون کرتا ہے عطا روشن ضمیری سوچیے
وادیٔ بطحا میں اک امی پیمبر ﷺ بھیج کر
کس نے کی انسانیت کی دست گیری سوچیے

وہ ذاتِ پاک خوب جانتی ہے کہ نیت کی کیفیت اور توصیف کی نوعیت کیا ہے؟ کہ وہ علیم بھی ہے، خبیر بھی، سمیع بھی اور بصیر بھی۔ تو پھر شمار وقطار کا اشتہار کس کے لیے دیا جا رہا ہے؟ صرف سامعین وقارئین کو یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ ''میں دورِ حاضر کا سب سے بڑا نعت گو ہوں'' نعت گوئی کے ضمن میں اس نوع کی خودستائی سے بھی احتراز ضروری ہے۔ کیوں کہ یہ وہ بارگاہِ ناز ہے جہاں کمیت نہیں، کیفیت دیکھی جاتی ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ طوفانِ نوح کے مقابل، دل کی گہرائیوں سے ابھر کر پلکوں پر لرزنے والے دو آنسو بھی کافی وشافی ہوا کرتے ہیں، افسوس! تعلّیانہ خودنمائی کے یہ سارے مظاہرے ''ورفعنا لک ذکرک'' کی آڑ میں ہو رہے ہیں:

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نگہ ، آئینۂ دل ہے مکدر

مختصر یہ کہ

آج نعتیہ مجموعوں کی اکثریت اور بہتات ہے۔ کم وبیش سبھی مجموعے دیباچوں، تقریظوں اور فلیپوں سے آراستہ ہیں۔ میری نظر سے ایک مجموعہ بھی ایسا نہیں گزرا جس میں دیباچہ نگار (جو یقیناً نعت گو سے علمی، فکری اور نظری اعتبار سے برتر ہوتا ہے) نے، نعت نگار کی لفظی، شرعی اور فنی لکنتوں اور لغزشوں کی نشان دہی کی ہو اور اسے سنبھلنے کی تلقین کی ہو۔ نعت نگار تو بہر کیف تحسین طلب ہی ہے جب کہ دیباچہ نگار بہر اعتبار پیشہ ور اور وہ ایک ہی بات کو لہجہ بدل کر لکھ رہا ہے۔ اس کے نزدیک ہر ''باتخلص'' دورِ حاضر کا نمائندہ نعت گو ہے۔ اس کی نعت کا ہر شعر جہت نما اور ہر نعت منزل نشاں ہے۔ ہر قلم کی جنبشِ ادنیٰ، لولوئے لالا ڈھال رہی ہے۔ ہر ایک کا کلام عہد ساز ہے۔ ہر ایک سوزِ دل کو سازِ رگِ جاں بنا رہا ہے۔ ہر ایک رخِ وقت پر الہام کی افشاں چن رہا ہے۔ ہر ایک خضرِ ادب ہے۔ ہر ایک کا نام لہروں نے بطور ایک عظیم نعت گو، سطحِ بحر پر لکھ رکھا ہے۔ ہر زمین، آسمان کے لیے ستارے ڈھال رہی ہے۔ ہر جگہ خونِ جگر کی رعنائیاں پائی جا رہی ہیں اور ہر صریرِ خامہ نوائے سروش ہے۔ دیباچوں سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ سبھی نعت گو قرآنی بصیرتوں، شرعی بصارتوں اور شعری نزاکتوں سے کما

حقہ آشنا ہیں اور سبھی فی الحقیقت نعت ہی کہہ رہے ہیں۔کوئی بھی غزل کو نعت بنانے کی کوشش نہیں کر رہا اور سبھی تلوار کی دھار پر بخیر وخوبی رواں دواں ہیں...نتیجہ معلوم کہ دیباچے بے کیف، کلام بے سوز اور قاری بے تعلق ہو کر رہ گیا ہے۔جب کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ شعر اور نثر دونوں کے لیے آمد کی ضرورت ہے۔طبعی اور قلبی آمادگی کے بغیر ''خرامِ خامہ'' نہ نظر افروز ہے نہ فکر کشا۔رسماً نعت نویسی اور جبراً دیباچہ نگاری، گنبدِ خضریٰ کی خوشنودی نہیں، ناراضی کا باعث ہے۔نعت اگر درود کی نغماتی شکل ہے تو درودِ پاک کے بارے میں شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ کا خیال یہ ہے:

چوں بنامِ مصطفیٰ ﷺ خوانم درود
از خجالت آب می گردد وجود
چوں نداری از محمد ﷺ رنگ و بو
از درودِ خود میالا نامِ او

ضروری ہے کہ دیباچہ نگار کو مجبور نہ کیا جائے اور اس کی معذرت کو بطیّب خاطر قبول کر لیا جائے اور کلام کو کھلی فضا میں خود سانس لینے کا موقع دیا جائے کیوں کہ کتاب اپنی حیثیت اور وقعت کے اعتبار سے زندہ رہتی ہے۔دیباچوں کے بل بوتے پر نہیں:

اب ہوائیں ہی کریں گی روشنی کا فیصلہ
جس دیے میں جان ہوگی وہ دیا رہ جائے گا

نعت انتہائی نازک صنفِ سخن ہے۔دیباچہ نگار کے لیے لازم ہے کہ وہ فنی، صوری اور معنوی لغزشوں کی نشان دہی کرے۔ایک دینی بھائی کا فرض ہے کہ وہ دوسرے کی اصلاح کرے اور دوسرا اس کی اصلاح کو قبول کرے۔جوں جوں نعت پھل پھول رہی ہے توں توں احتساب اور گرفت کی ضرورت بھی بڑھ رہی ہے۔کوئی انسانی کلام، ہر نوع سے مکمل نہیں ہوتا، غلطیوں کی نشان دہی ضروری ہے تا کہ صاحبِ کلام کے ذوقِ سخن کو جلا اور قاری کے شوقِ مطالعہ کو ضیا نصیب ہو، بنا بریں لازم ہے کہ نعت میں تحسینی دیباچوں سے بچا جائے۔

یاد رہے کہ

اصل نعت، حضور ﷺ کی پسندیدگیوں کو اپنانا ہے۔ان کے نقوشِ پا کی چاندنی سے اپنے ظاہر و باطن کو منور کرنا ہے۔اپنے رخ کو چہرۂ رسول ﷺ کے مطابق بنا کر، رخِ کردار کے سنورنے کی التجا کرنا ہے۔اول الذکر خود اختیاری عمل ہے جب کہ ثانی الذکر سراسر عطا، یہود و نصاریٰ سے ظاہری تشابہ، اُخروی رسوائی کا باعث ہے۔ہم کیسے مسلمان ہیں کہ ''بے چہرگی'' کو رعنائی رخ بنائے پھرتے ہیں، حق یہ ہے کہ عبادات و معاملات میں اسوۂ رسول ﷺ کو رہنما بنانا ہی سب سے بڑی نعت ہے۔بیدلؔ کتنی بڑی صداقت کو بیان کر گیا ہے:

زلافِ حمد و نعت اولیٰ است، بر خاک ادب خفتن
سجودے می تواں کردن، درودے می تواں گفتن

اور دورِ حاضر کے محترم خورشید رضوی کیا خدا لگتی کہہ گئے ہیں:

شان ان ﷺ کی سوچیے اور سوچ میں کھو جایئے
نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہو جایئے

اعتذار واعتراف

اس تحریر میں روئے سخن کسی کی طرف بھی نہیں ہے جو آنکھ نے دیکھا اور جو دل نے محسوس کیا وہی قلم کی نوک پر آ گیا ہے اور اس اظہار و بیان کا مقصود یہ بھی نہیں کہ راقم الحروف پارسائی اور اتقا کے کسی بلند مقام پر فائز ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس کا اپنا باطن بھی نفس کی گھاتوں اور باتوں کے نرغے میں ہے۔ ہوس اس کے سینے میں بھی چھپ چھپ کے تصویریں بنا رہی ہے۔ وہ بھی اس عہد خود سپاس میں، ''اعتباری'' بننے کے بجائے ''اشتہاری'' کے شوق میں مبتلا ہے۔ چنانچہ انھی دنوں جب اس نے اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے سے رجوع کیا کہ وہ نمود و نمائش اور توصیف وستائش کی وبا سے کیسے محفوظ رہے تو انھوں نے درج ذیل اصول بتائے جو قابلِ قدر بھی ہیں، قابلِ تحسین بھی اور قابلِ تقلید بھی۔

☆ لوگ بہ سبب ان اوصافِ حمیدہ کے جو تجھ میں گمان کرتے ہیں، تیری توصیف کرتے ہیں تو بہ سبب ان بری خصلتوں کے جو تو اپنے اندر جانتا ہے۔ اپنے نفس کی مذمت کر۔

☆ مومن حقیقی کی جب مدح ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس پر شرماتا ہے کہ اس کی ایسے وصف پر تعریف ہوتی ہے جس کا مشاہدہ اپنے نفس میں نہیں کرتا۔

☆ سب سے زیادہ جاہل وہ شخص ہے جو اپنی نسبت لوگوں کے خیالی اوصاف گمان کرنے پر اپنے یقینی عیوب کا خیال چھوڑ دے۔

☆ جب تیرا مولیٰ تیری ایسی تعریف میں خلقت کی زبان کو گویا کر دے جس کے تو لائق نہیں ہے تو تُو اپنے مولیٰ کی تعریف میں جو اس کے لائق ہے، تر زبان ہو۔

☆ مومن کو اللہ کی حمد و ثنا اپنے نفس کی شکر گزاری اور تعظیم و تکریم سے روک دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کی بجا آوری کا خیال اپنے حظوظِ نفسانی کی یادداشت سے باز رکھتا ہے اور آخر میں دو شعر:

تو گر باحق بہ شب در راز گوئی
دگر روز آں بہ فخر و ناز گوئی
ریا و عجب کوہ آتشین است
نمی دانی کہ کوہ دوزخ این است

(اگر تو ساری رات اللہ تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول رہا اور دوسرے دن فخر و ناز کے ساتھ لوگوں سے کہتا پھرا تو یقیناً یہی ریا و عجب کا آتشیں پہاڑ ہے تو نہیں جانتا کہ دوزخ کا آتشیں پہاڑ یہی ہے)

☆

حوالہ جات

۱۔ محمد سعید شیخ

۲۔ پروفیسر سیف اللہ خالد... ''دیباچے سے فلیپ تک'' صفحہ ۱۴۴، سٹینڈرڈ بک سینٹر، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۹ء

۳۔ ''غالب کے خطوط'' جلد اول، خلیق انجم، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی ۱۹۸۴ء

۴۔ ''دیباچے سے فلیپ تک'' صفحہ ۵۴

۵۔ سرسید، مضمون خوشامد

۶۔ آغا شورش کاشمیری ''نگارشاتِ شورش'' پروفیسر محمد اقبال جاوید، صفحہ ۳۳۲

۷۔ ''مظاہر حق جدید'' شرح مشکوٰۃ شریف اردو، علامہ محمد قطب الدین، دارالاشاعت، کراچی ۱۹۸۳ء

۸۔ مجموعۂ نعت ''لامثال'' حفیظ صدیقی، ۱۹۹۵ء

۹۔ گفتگو ۳، واصف علی واصف، صفحہ ۲۵۴

(۲۰۰۴ء)

☆

حُبّ وہوس میں چاہیے کچھ فرق وامتیاز

عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے حبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لفظی ترکیب انسب ہے۔

''حب'' کا لفظ اللہ تعالیٰ کو اس قدر محبوب ہے کہ قرآن پاک میں قلبی تعلق کے لیے جتنے بھی الفاظ آئے ہیں وہ اسی سے مشتق ہیں۔ چند مثالیں دیکھیے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ o (۱)

لوگوں کے لیے مرغوب چیزوں کی محبت مزین کر دی گئی، (مثلاً) عورتیں، اولاد، سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے ڈھیر، نشان زدہ گھوڑے، مویشی اور کھیت، یہ سب دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور اچھا ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

دنیاوی ترغیبات میں خواتین ہیں، بیٹے ہیں، سونے چاندی کی خزانے ہیں، گھوڑے، چوپائے اور کھیتیاں ہیں۔ ان مرغوب چیزوں سے قلبی لگاؤ ناپسندیدہ نہیں بہ شرطے کہ وہ شریعت کے دائرے میں رہے، یہ سامان زندگی بہ ہر نوع فانی ہے اور بہترین ٹھکانا تو اخروی سکون وراحت ہے، اس دنیاوی رغبت کو واضح کرنے کے لیے قرآن پاک نے لفظ ''حب'' ہی کا انتخاب کیا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (۲)

وہ لوگ جو غیر اللہ کو قبلۂ حاجات بنا کر ان سے اللہ تعالیٰ جیسی محبت کرتے ہیں، انہیں سرزنش کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ مومن وہ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے شدید ترین محبت کرتے ہیں اس محبت کی شدت اور حدت کے مقابلے میں ہر محبت ہیچ ہے، اس مقام پر بھی اللہ تعالیٰ نے لفظ ''حبًا'' کو پسند فرمایا۔

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ o وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ o وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا o وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا o (۳)

ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم یتیم کی قدر نہیں کرتے اور نہ تم مسکین کو کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب دیتے ہو اور میراث کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے بہت محبت رکھتے ہو۔

وہ جو مسکینوں اور یتیموں کا خیال نہیں رکھتے، جو مال ودولت جمع کرنے میں مگن رہتے ہیں۔ خواہ وہ دولت کیسے ہی

ملے۔ یہاں تک وہ مُردوں کی میراث بھی کھا جاتے ہیں، مال و دولت سے ان کی اس چاہت کو بھی اللہ تعالیٰ نے لفظ ''حُباً'' سے واضح فرمایا۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰه ُ (۴)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو (اس کے نتیجے میں) اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

اس آیت میں آنے والے دو افعال کی اصل لفظ ''حب'' ہی ہے، کہ اگر تم محبت کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ (۵)

یقیناً وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے۔

وہ جو دنیاوی مال و دولت کی چکا چوند میں اس قدر اندھے ہو جاتے ہیں کہ وہ آخرت کی حقیقتوں سے بے پروا سے ہو جاتے ہیں، ان کی اس مالی گم گشتگی کے لیے بھی قرآن نے ''حب'' ہی کا لفظ استعمال فرمایا۔

اِذْ عُرِضَ عَلَیْهِ بِالْعَشِیِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ o فَقَالَ اِنِّیْ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِکْرِ رَبِّیْ حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ O (۶)

جب ان کے سامنے شام کے وقت نہایت تیز رو اور عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے۔ تو کہنے لگے کہ (افسوس) میں نے مال کی محبت کو یادِ الٰہی سے عزیز سمجھا، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔

حضرت سلیمانؑ جہاد کے لیے پالے ہوئے تیز رفتار گھوڑوں کے معاینے میں اس قدر مگن ہو گئے کہ ان کی نماز عصر فوت ہو گئی، جس پر انہیں تاسف ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس وارفتگی کو بھی ''اَحْبَبْتُ'' سے تعبیر فرمایا۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِیْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ج قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا (۷)

اور شہر میں عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام (یوسف) کو اپنی خواہش کی طرف مائل کرنا چاہتی ہے، اس کا دل اس کی محبت میں فریفتہ ہو گیا ہے۔

جب محبت، خوش بو کے مانند پھیلی اور زنانِ مصر میں چرچا ہوا کہ عزیزِ مصر کی بیوی حضرت یوسفؑ کو دل دے بیٹھی ہے تو نص قرآنی نے اس فریفتگی کو بھی لفظ ''حُبّا'' سے واضح فرمایا:

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ O (۸)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا ہونے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جس کو تم پسند کرتے ہو تمہیں اللہ اور اس

کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو تم انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اہل وعیال، مال ومنال اور مساکن، اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو یہ ''فسق'' ہے قرآن پاک نے یہاں بھی قلوبِ انسانی کے طبعی لگاؤ کے لیے ''احبّ'' کا لفظ استعمال کیا۔

اللہ تعالیٰ ہی کو نہیں، نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لفظ ''حب'' سے انتہائی محبت رہی ہے، چند مثالیں دیکھیے:

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (۹)

یہ واضح کرنے کے لیے کہ ہر شخص کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کا قلبی میلان ہے۔

درج بالا حدیث پاک میں بھی ''احبّ'' ہی کا لفظ آیا ہے۔

لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ (۱۱)

تم جنت میں نہیں جاؤ گے یہاں تک کہ ایمان لاؤ اور تم مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ تم ایک دوسرے سے محبت کرو، کیا تمہیں ایسی چیز نہ بتلاؤں کہ جب اسے اختیار کرو گے آپس میں محبت کرنے لگو گے (وہ یہ ہے کہ) تم آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔

یہاں بھی ''تَحَابُّوْا'' لفظ حب سے مشتق ہے۔

اَحِبُّوْنِیْ لِحُبِّ اللّٰهِ، وَاَحِبُّوْا اَهْلَ بَيْتِیْ لِحُبِّیْ (۱۲)

اللہ کی محبت کی بنا پر مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کی بنا پر میرے اہل بیت سے محبت کرو۔

هٰذَانِ اَبْنَای ، و ابنا ابنتی اللّٰهم انی احبها فاحبهما و احب من یحبهما (۱۳)

اس حدیث پاک میں کتنے ہی لفظ ہیں جن کی اصل ''حب'' ہے۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حسنؓ اور حسینؓ میرے بیٹے ہیں، میری بیٹی کے بیٹے ہیں، اے اللہ میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان کو اپنا محبوب بنالے اور جو ان سے محبت کرے تو بھی اس سے محبت کر۔

محبت: ہماری اردو دنیا کا یہ لفظ عرب سے آیا ہے لیکن محبت کو محبت کیوں کہا گیا؟ جس طرح اس جذبے کی حکایت طولانی ہے، اسی طرح لفظ کی تشریح بھی طولانی ہے۔ لغتِ عرب کا محرم بتاتا ہے کہ ''محبتہ'' کا استعمال اس معنی میں اس لیے ہوا کہ لفظ کی اصل حبب ہے جس کے معنی ہیں، صاف، شفاف، دانتوں کی چمک کو عربی میں کہتے ہیں ''حبب الاسنان'' جذبہ محبت بھی سراسر پاک، صاف اور شفاف ہوتا ہے، اس لیے یہ لفظ اس کے اظہار کے لیے نہایت مناسب ہے۔ یا اصل حب ہے، حباب تیز بارش میں پانی کی سطح پر آجانے والے بلبلوں کو کہتے ہیں، محبت میں بھی محبّ کا دل محبوب کے لیے جوش کھاتا ہے۔ یا ثبات ولزوم کے معنی پیش نظر رکھے گئے ہیں کہ جب اونٹ بیٹھ جاتا ہے اور اٹھنے کا نام نہیں لیتا تو کہتے ہیں ''احب البعیر'' گویا محبّ کا دل بھی محبوب کا پابند ہو جاتا ہے اور اس سے الگ نہیں ہو سکتا، اس لیے اس جذبے کو محبت کہا گیا ہے، یا وجہِ استعمال بے چینی واضطراب ہے۔ عربی میں کان کی بالی کو ''حب'' کہتے ہیں کہ وہ مسلسل ہلتی رہتی ہے، یا یہ وجہ ہے

کہ یہ جذبہ روح کا خلاصہ و جوہر ہے ایسی صورت میں اصل ''حب'' ہوگی جس کے معنی ہیں کسی نبات کا خلاصہ اور جڑ۔ یا اصل ''حب'' ہے اور حب ایسا وسیع ظرف ہے جس میں کوئی چیز اس طرح بھر دی جائے کہ پھر اس میں مطلق گنجائش باقی نہ رہے، انسان کا وسیع دل بھی جب محبت سے بھرتا ہے تو کسی اور چیز کے لیے اس میں کوئی جگہ نہیں ہوتی اور یا پھر اسی اصل کے ایک دوسرے معنی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ''حب'' اس چوکی کو بھی کہتے ہیں جس پر گھڑا رکھا جاتا ہے، چونکہ محبّ کا دل بھی محبت کا بوجھ سنبھالتا ہے اس لیے یہ لفظ اس معنی میں منتقل ہوا اور یا مناسبت ''حب القلب'' سے ہے یعنی دل کے اندر کا مغز اور محبت بھی دل کی گہرائیوں میں پہنچ جاتی ہے۔

محبت میں ایک ایسا وقت بھی آتا ہے انساں پر
ستاروں کی دمک سے چوٹ پڑتی ہے رگِ جاں پر

الغرض محبت دلِ یزداں سے نکلی ہوئی ایک تجلی کا نام ہے یہ تجلی جب انسان کے قلب پر پڑتی ہے تو اسے اپنی فطرت میں ڈھال لیتی ہے، نور ظلمت سے ہم آغوش ہونے کے بعد اسے اپنی طلعتیں عطا کرتا اور اپنی تابانیاں بخشتا ہے۔ برقِ محبت کسی وادی اور صحرا میں کوند کر ختم بھی ہو جائے تو اس کے آثار و نقوش کو زمانے کی گردشیں اور لیل و نہار کے تغیرات نہیں مٹا سکتے، فانی کا اثر فانی ہوتا ہے اور باقی جو اثر چھوڑتا ہے، اسے ثبات و دوام حاصل ہو جاتا ہے۔

جبکہ ''عشق'' عربی لفظ تو ہے مگر رغبت، چاہت اور پسندیدگی کے لیے یہ لفظ نہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے نہ اللہ تعالیٰ کے نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو، بنا بریں ''عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کی جگہ ''محبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بہ جائے حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا استعمال بہر اعتبار، معتبر ہے، نثر ہو یا نظم ہو یا تقریر۔

کیونکہ قاموس کے مطابق جنون کی بہت سی اقسام ہیں، عشق بھی جنون کی ایک قسم ہے، اس مرض کو انسان اپنے نفس پر بعض صورتوں یا خصلتوں کے اچھا سمجھ لینے سے خود وارد کر لیا کرتا ہے۔

علامہ سمرقندیؒ کا قول ہے:

مالیخولیا (پاگل پن) کی قسموں کے قریب قریب عشق بھی ہے۔ عشق ایک وسواسی مرض ہے۔

ارسطو کا قول ہے:

عشق دراصل معشوق کے عیوب معلوم کرنے سے آنکھوں کا اندھا ہو جانا ہے۔

غیاث اللغات کے مطابق:

نزد بعض اطباء مرضی است از قسم جنوں کہ از دیدنِ صورت حسین پیدا می شود۔ وعبدالرزاق شارح ظہوری از شرح اسباب وفتوحات الحکم نقل کردہ است کہ عشق ماخوذ از ''عشقہ'' وآں نباتی است کہ آن را لبلاب گویند چوں بر درخت بہ پیچد آن را خشک کند ہمیں حالت عشق است، بر ہر دلے طاری شود صاحبش را خشک وزرد کند۔

مولانا محمد عظیم حاصل پوری نے اپنی کتاب ''میں محبت کس سے کروں؟'' میں یہ عربی شعر بھی لکھا ہے:

فذ العشق ماخوذ من العشق الذی
اذا التفت بالقضبان جفف رطبها

گویا یہ لفظ عشق اس عشق پیچاں (آکاس بیل) سے مناسبت رکھتا ہے جو تر شاخوں کو خشک کر دیتا ہے، اسی طرح یہ مرض عشق بھی عاشق کے قلب پر لپٹ جاتا ہے حتیٰ کہ اسے اپنے معشوق کے سوا دوسری چیزوں کی طرف نظر کرنے سے اندھا کر دیتا ہے۔ یہ مرض جس انسان کو لگ جاتا ہے اس کو خشک کر دیتا ہے اور زندگی کی رونق زائل کر دیتا ہے۔ گویا:

عشق نے غالبؔ نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

عشق کے مقابلے میں محبت ایک ایسا جامع لفظ ہے کہ اس میں قلب و نظر کی بہترین چاہتوں کی جملہ وسعتیں سمٹی ہوئی ہیں۔ اس لفظ میں تقدس اور پاکیزگی ہے اور دور دور تک ہوا و ہوس کو کوئی شائبہ بھی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قلبی لگاؤ کے ضمن میں اسی لفظ کو پسند فرمایا، کیونکہ جامعیت کے اعتبار سے کوئی اور لفظ نہ اس کا مترادف ہے نہ مرادف، نہ مقابل ہے، نہ متقابل:

کہا میں نے محبت کیا ہے؟ اے دل!
کہا دل نے ''محبت کیا نہیں ہے؟'

محبت ایک ایسا آسمانی تحفہ ہے جو زیرِ آسمان انسانوں کو عطا کیا گیا، محبوب کی رضا کو اپنی رضا بنا لینے کا نام محبت ہے۔ محبت آزمائشوں کے نرغے میں نکھرتی ہے، اس کی ساری رعنائی، اس کی سچائی میں مضمر ہے۔ یہ یقین کی معراج ہے۔ شاعرِ مشرقؒ نے اسے فاتحِ عالم کہا ہے اور اسے ایک ایسا جذبہ قرار دیا ہے جس سے بیمار قوموں میں شفا پاتیں اور بختِ خفتہ بیدار ہوتا ہے، حق تو یہ ہے کہ اسی سے نگاہوں کو تابندگی اور دلوں کو زندگی ملتی ہے، جذبات و احساسات کا تقدس، محبت ہی کے گرد گھومتا ہے۔ جذبہ اس تقدس سے محروم ہو جائے تو انسانیت پر حیوانیت غالب آجاتی ہے۔ یہ روحانی زندگی کی وہ پائندگی ہے جسے قبر کی گہرائی بھی افسردہ نہیں کر سکتی:

لحد میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے
اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہے
فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

محبت موت سے بکھرتی نہیں بلکہ نکھرتی ہے کہ محبت کا راز موت کے راز سے کہیں عظیم تر ہے، محبت کی حقیقی ترجمانی کا حق الفاظ نہیں بلکہ آنسو بیان کیا کرتے ہیں:

اب دل کے فسانے کو بیاں کرتے ہیں آنسو
اب ہم سے ترے غم کی حفاظت نہیں ہوتی

لفظ بے کیف ہو سکتے ہیں، وہ ابہام و ایہام سے بات کو الجھا سکتے ہیں مگر آنسوؤں کا اظہار ہمیشہ جامعیت کے حسن کا حامل رہا ہے کہ وہ منافقت کے ساتھ پلکوں پر لرز ہی نہیں سکتے، یہ ایک فطری امر ہے کہ دل میں درد پیدا ہوگا تو وہ درد آنسو بنے گا، غم کی گھٹا امڈے گی نہیں تو برسے گی کیسے؟ آنسو، رک جائے تو انگارا ہے، بہہ جائے تو دریا ہے:

یہ پانی ہے مگر مژگاں کی شاخوں پر سلگتا ہے
یہ موتی ہے مگر دامانِ دریا میں نہیں رہتا

جس طرح ایک دانے کو اگنے، پھلنے اور پھولنے کے لیے زرخیز زمین کی ضرورت ہے، اسی طرح جذبۂ محبت کو ابھرنے، سنورنے اور نکھرنے کے لیے ایک پرخلوص دل چاہیے، ایک ایسا دل جس میں دوئی کا کوئی سا نقش بھی نہ ہو، بیج کو پانی کی ضرورت ہے اور محبت کو آنسو تازہ تر رکھتے ہیں۔ بیج کا مقام زمین کی گہرائیوں میں ہوتا ہے، جب کہ محبت بھی اعماق قلب میں جاگزیں ہوتی ہے۔ بیج پودا بنتا ہے، پودے کو آبیاری اور شادابی کے بعد پھلنے کے لیے حرارت کی ضرورت ہے اور محبت بھی سوزِ دل ہی سے سازِ رگ جاں بنتی ہے۔ بیج مٹی میں چھپتا ہے مگر اظہار کے لیے بے چین رہتا ہے۔ اسی طور محبت بے قرار رہتی ہے کہ وہ اپنی صداقت کو اپنے عمل سے ثابت کرے۔ وہ وقت آنے پر آگ میں کودنے، گردن کٹانے، پتھر کھانے، مچھلی کے پیٹ کی تاریکیوں میں رہنے، آرے سے دونیم ہونے اور دار و رسن کا مضحکہ اڑانے کے لیے بھی تیار رہتی ہے۔ گویا محبت ہی شوق کو ایثار کی عظمتیں عطا کرتی ہے۔ محبت، ہوا و ہوس سے کلیتاً بے نیاز ہوتی ہے۔ وہ سچی بھی ہوتی ہے اور سچی بھی۔ وہ ہر آن رفعتوں کی طرف لپکتی ہے، وہ ایک ایسی کیفیت ہے جس کا کیف سنگینیٔ گردشِ ایام اور رفعتِ عقدِ ثریا پر خندہ زن رہتا ہے:

محبت کے گلوں کو کھل کے مرجھانا نہیں آتا
انہیں جورِ خزاں کا کوئی افسانہ نہیں آتا

محبت کے مقابلے میں عشق کا استعمال اور یہ سمجھنا کہ عشق، محبت کی معراج ہے، ایک لغوی لاعلمی اور فکری مغالطہ ہے۔ محبت کی معراج عشق نہیں خُلّت ہے، جب محبت محبّ کے دل کی دھڑکنوں اور روح کی لرزشوں میں سما جائے تو اسے خلۃ کہتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو اپنی انتہائی چاہت یعنی خلۃ سے نوازتے ہیں، ابراہیمؑ خلیل اللہ ہیں، اور فرمانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

بے شک اللہ نے مجھے اپنا خلیل بنالیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو اپنا خلیل بنایا تھا۔

یاد رہے کہ عشق، شہوت اور ہوس کے گرد دیوانہ وار گھومنے والا ایک بازاری لفظ ہے۔ غالبؔ نے اسے دماغ کا خلل قرار دیا تھا، محبت کی انتہا کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اَشَدُّ حُبًّا کی ترکیب استعمال فرمائی، اگر عشق کوئی قابل قدر لفظ ہوتا تو اللہ پاک اسے استعمال فرماتے۔ یہ لفظ نہ قرآن پاک میں ہے اور نہ احادیث میں، یہ ایرانی شاعری سے اردو میں آیا اور اردو بولنے والوں نے اسے محبت کا اعلیٰ ترین درجہ سمجھ کر اللہ تعالیٰ اور نبی پاک ﷺ کے لیے بے تحاشا استعمال کرنا شروع کر دیا، جب کہ محبت ایک روحانی جذبہ ہے، ایک نور ہے اور یہ نور روح میں تب بھی جلوہ گر تھا، جب ابھی وہ جسم انسانی میں داخل نہیں ہوئی تھی۔

دوسری طرف عشق ایک مرض ہے جو ہوا و ہوس کے جلو میں پروان چڑھتا ہے۔ محبوب بہر نوع اور بہر کیف محبوب ہے خواہ کوئی محبّ ہو یا نہ، جبکہ عاشق کے بغیر معشوق کا کوئی تصور بھی نہیں ہے:

بخشا ہے تم کو حسن ہماری نگاہ نے
ہم لے کے آئے ہیں تمہیں حدِّ غرور تک

عشق صرف معشوق تک محدود ہے، جب کہ محبت کا دائرہ ویسے ہی وسیع ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رافت پوری کائنات کو محیط ہے۔ محبّ، پوری کائنات کو دل ونگاہ کی بہترین چاہتوں کے ساتھ دیکھتا اور ہر ایک کے لیے سکون وطمانیت اور عفو وعافیت کا آرزومند رہتا ہے اور عاشق صرف نفسانی تسکین کا طلبگار رہتا ہے۔ ہم اپنی ماں، بہن اور بیٹی کے لیے عشق اور عاشق کا لفظ ایک لمحے کے لیے بھی گوارا نہیں کرتے بلکہ سنتے ہی ہمارے رگ وپے میں غیرت کی بجلیاں کوندنے لگ جاتی ہیں۔ نہیں معلوم کیوں؟ یہ بازاری لفظ ہم اللہ پاک اور نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بے دریغ استعمال کرتے چلے جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ لفظ محبت کا نقطۂ کمال ہے۔ ماں، بہن اور بیٹی کے ساتھ محبت ہوتی ہے عشق نہیں، رہ گئی اہلیہ کی بات، وہاں بھی عشق کی ہوسنا کی کا کوئی گزر نہیں، محبت ہی ہے جواز دواجی زندگی کو سکون وراحت عطا کرتی ہے۔ قرآن پاک کے مطابق سکون، مودت اور رحمت کے بغیر خانگی زندگی میں اطمینان اور خوش حالی نہیں آتی۔ مودۃ کا لفظ محبت کے معنوں میں ہے، ''الودود'' اللہ پاک کی صفت ہے یعنی بہت زیادہ محبت کرنے والا، محبت ہی وہ صفت جو سکون اور رحمت کو آواز دیتی ہے۔ جبکہ رحمت کا جذبہ، خود غرضانہ محبت کو فیاضانہ محبت کی شکل دے دیتا ہے، ایک خود غرض محبت کرنے والا صرف اپنی ہی ہستی کو اپنے سامنے رکھتا ہے لیکن رحیمانہ محبت کرنے والا اپنی ہستی کو بھول جاتا ہے اور دوسرے کی ہستی کو مقدم رکھتا ہے:

رکھتے ہیں جو اوروں کے لیے پیار کا جذبہ
وہ لوگ کبھی ٹوٹ کے بکھرا نہیں کرتے

عشق صرف جسم اور صورت کا پرستار ہے جب کہ محبت، حسن صورت سے کہیں زیادہ حسن سیرت سے متاثر ہوتی اور متاثر رہتی ہے، زوال آمادہ اور فنا پذیر اجسام واشیاء سے لگاؤ ہمیشہ عارضی نوعیت کا ہوا کرتا ہے، جبکہ دل ایک پھول ہے اور محبت اس پھول کی خوش بو، پھول مرجھا جاتا ہے مگر اس کی خوشبو مستقل نوعیت کی ہوتی ہے۔ خوش بو کا سفر جاری رہا کرتا ہے۔ انسان منوں مٹی کے نیچے اترتے ہیں مگر ان کا حسن کردار، ان کی قبروں کو بھی زندہ رکھتا ہے:

ان کو گئے تو ایک زمانہ ہوا مگر
خوش بو ہے آج بھی مرے قرب و جوار میں

اللہ تعالیٰ ہی محبت کا مرکز ومحور ہیں۔ وہیں سے محبت کی خوشبو، انسانی دلوں کو عطا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ماں سے کہیں زیادہ رحیم ہیں۔ ماں باپ کی اولاد کے لیے، دوستوں کی دوستوں کے لیے محبت، بہنوں اور بھائیوں کی باہمی الفت اور زوجین کی مودت وسکینت، اللہ تعالیٰ ہی کی عطا ہے۔ مگر یہ تمام تعلقات اپنے اپنے وقت پر ختم ہونے والے ہیں، فانی کی فانی سے محبت، طبعی اور فطری تو ہے مگر غیر فانی نہیں، اسلام نے اس فانی جذبے کو ابدیت عطا کی کہ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک پیش نظر ہو تو ذات اور کائنات کی ساری محبتیں فروتر ہو جائیں اور یہ ایک محبت بہر طور برتر نظر آئے، زبان سے بھی اور عمل سے بھی، تب یہ محبت ایمان کے سانچے میں ڈھل کر غیر فانی ہو جائے گی، یہ بھی یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا تقاضا اپنے اندر شدت کی انتہائی کیفیت لیے ہوئے ہے، حقیقت یہ ہے کہ پہاڑوں کی سنگینی موم ہو سکتی ہے مگر مومن کے دل سے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کی شدت کم نہیں ہو سکتی کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بھی لازوال ہے

اورنبیٔ پاک ﷺ کی رسالت بھی دائمی، اس لیے اس کی محبت بھی غیر فانی ہے اور وقت پڑنے پر یہ محبت، جان کو ایک ادنیٰ نذرانہ سمجھ کر محبوب کے قدموں پر نچھاور کر دیا کرتی ہے:

سر بیچ کر متاعِ دل و جاں خریدنا
سودا ہے وہ کہ جس میں خسارہ کوئی نہیں

اللہ اور اس کے نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے، جس کسی سے محبت کرتے ہیں اللہ ہی کے لیے اور جس کسی سے نفرت کرتے ہیں، وہ بھی اللہ ہی کے لیے کہ:

ہر راہ پہنچتی ہے تری چاہ کے در تک

اللہ تعالیٰ کی محبت ثمر آور تب ہو سکتی ہے جب اللہ تعالیٰ کے پیغمبر آخریں صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جان، مال اور اولاد سے بھی بڑھ کر ہو۔ اس محبت کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خود بندہ خالق کا محبوب بن جاتا ہے۔ یہی دل کی زندگی ہے اور اسی زندگی کی تابندگی کو ایمان کہتے ہیں۔ یہ محبت طبعی بھی ہے اور اختیاری بھی کہ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کے لیے والد کی جگہ ہیں، روحانی اعتبار سے تب، جب انسان سوچتا ہے کہ یہ محبت، دنیا اور آخرت ہر دو کی کامیابی کا باعث ہے، اس محبت کے لیے لازم ہے کہ زندگی کے ہر مرحلے میں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیش نظر رہے، اطاعت کے بغیر محبت بے معنی ہے۔ نصِ قرآنی کے مطابق مطیعِ رسول پاک ہی محبوب ربانی ہوتا ہے، نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے صرف خراج عقیدت نہیں بلکہ خراج اطاعت لینے کے لیے تشریف لائے تھے۔

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ عشق کا لفظ ''عشقہ'' سے ملتا جلتا ہے، جس طرح عشق پیچاں کی بیل جس درخت سے چمٹ جائے اسے خشک کر دیتی ہے، بعینہٖ عشق کا مرض جسے لاحق ہو جائے وہ جسمانی اور عقلی اعتبار سے ماؤف ہو کر رہ جاتا ہے، اکبرالہٰ آبادی نے اپنے انداز میں کہا ہے:

اللہ بچائے مرضِ عشق سے دل کو
سنتے ہیں کہ یہ عارضہ اچھا نہیں ہے

عاشق بے نور ہوتا ہے اور محبّ، اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، عاشق ماؤف ہوتا ہے اور محبّ معمور، عاشق بے کار ہوتا ہے اور محبّ مشغول، عاشق بھوکا ہوتا ہے اور محبّ لبریز، مومن کو نہ کوئی خوف ہوتا ہے نہ حزن، خوف مستقبل کے خدشوں سے ہوا کرتا ہے اور حزن ماضی کے بارے میں فضول کڑھنے کا نام ہے۔ ایک کا نام Anxiety ہے اور دوسرے کا Depression اور دورِ حاضر کا ہر ذہنی مرض انھی دو وجوہات کے گرد گھومتا ہے جبکہ اللہ اور نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا کسی نوع سے بھی ذہنی مریض نہیں ہوتا۔ دوسری طرف عشق بصری کج روی، فکری افسردگی اور قلبی بے بسی سے شروع ہوتا اور جسمانی پژمردگی پر ختم ہوتا ہے:

قہر ہے، موت ہے، قضا ہے عشق
سچ تو یہ ہے بری بلا ہے عشق

عشق نفسانی پراگندگی کا نام ہے جب کہ محبت، دل کی پاکیزگی کا ایک خوبصورت انداز ہے، محبّ نفسانی

ترغیبات کا تابع نہیں ہوتا بلکہ اپنے دل کی جملہ دھڑکنوں، روح کی جملہ لرزشوں اور ہونٹوں کی جملہ حکایتوں کو محبوب کی رضا کے تابع رکھتا ہے:

سلام ان پہ، تہہِ تیغ بھی جنہوں نے کہا
جو تیرا حکم، جو تیری رضا، جو تو چاہے

عشق خواہشاتِ نفس کے سائے میں ابھرتا اور پروان چڑھتا ہے اور قرآن پاک نے واضح کر دیا:

وَاتَّبَعَ هَوٰهُ ج فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۔ (۱۴)

جس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اس کی مثال کتے کی طرح ہے۔

اور سچ یہ ہے کہ اپنی خواہشات کو خدا بنا لینے والے ہی، فی الواقع بھٹکے ہوئے لوگ ہوتے ہیں جب کہ ایک محبّ کا راستہ بھی متعین ہے اور منزل بھی واضح کہ یہ عطائے ربانی ہے۔ یہ یقین سے نکھرتی اور شک سے بکھرتی ہے۔ اسی کے فیض سے آگ گلزار بنتی ہے، محبت میں آزمائشیں اسی لیے آتی ہے کہ ہر سفلہ محبت کا دعویٰ نہ کر سکے۔ محبت روحانی عظمت کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ زندگی کے تاریک بادلوں میں قوسِ قزح ہے۔ یہ زندگی کی بے کیفیوں کو کیف عطا کرتی ہے۔ یہ انسانیت کی رعنائی اور شرافت کی سچائی ہے۔ محبت کا سکوت بھی تکلّم بلیغ ہے اور اس کی آہ و فغاں بھی خوش نوائی، یہ ایک تپش نا تمام ہے۔ آنکھ میں آنسو، جگر میں داغ اور دل میں غم ان کیفیاتِ محبت کو لفظ بیان ہی نہیں کر سکتے کیونکہ زبان دل کے لیے ہے اور نہ دل زبان کے لیے۔ نظر میں کیسے پھول مہکتے ہیں اور سینے میں کیسے شمعیں فروزاں ہوتی ہیں، طاقتِ شرحِ بیاں نہیں کہ زبان بے نگہ ہے اور نگاہ بے زباں... اقبال کہاں یاد آ گئے:

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاضِ طور ہوتا ہے

اور ہم خوش نصیب ہیں کہ ہمیں محبت اس ذات والا صفات (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہے، جس سے خود خدا محبت کرتا ہے کہ:

اُس دل کی آرزوئے محبت کو کیا کہوں
جس دل کو آرزوئے محبت ہے آپ سے

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صانع ازل کا بہترین شاہکار ہیں۔
☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وجہِ وجود کائنات ہیں۔
☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرورِ دنیا و دیں، سید الاولین و آخرین اور حبیبِ رب العالمین ہیں۔
☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، رخِ جمال الٰہی کا آئینہ ہیں، حسنِ روئے حیات بھی ہیں اور دلیلِ راہِ نجات بھی۔
☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا، قرآن کی آیتوں میں ڈھلا ہوا ہے۔
☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار، تمثیل بے مثال ہے۔
☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازل انوار بھی ہیں اور ابد آثار بھی۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چشمۂ صدق وصفا بھی ہیں اور منبعِ جود وسخا بھی۔
☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیاء ہیں کہ آپ ﷺ ہی کی تصدیق کا عہد جملہ انبیاء سے لیا گیا۔
☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے ''مقامِ محمود'' مخصوص ومختص ہے۔
☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنہ کے انوار سے مستنیر ہیں۔
☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمال، کمال اور نوال میں بے مثال ہیں، بہر نوع اجمل، اکمل اور احسن۔
☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ ناز، عرش سے بھی نازک تر ہے کہ وہاں جنیدؒ وبایزیدؒ بھی نفس گم کردہ آتے ہیں۔
☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر رفیع وعظیم ہے۔
☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے مقابل ہر محبت ہیچ ہے کہ وہی محبت، وجہِ تکمیلِ ایمان ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم محبوبِ رب العٰلمین ہیں، معشوق رب العٰلمین نہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی محبوبیت اور خلت کے لیے چن لیا، چاہت کی انتہاء یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر لحظہ رب العٰلمین کی نگاہوں میں بستے ہیں ،اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیائے کرام کو ذاتی ناموں سے پکارا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں، کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چادر کے حوالے سے یاد فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر سے لپٹی ہوئی تھی اور گاہے اس لحاف کو شرف بخشا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لپیٹ رکھا تھا۔ تفہیم مطالب کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کی قسم کھائی گئی۔ وہ زندگی جس کی دیانت وصداقت کی خود کفار شہادت دیتے تھے۔ جس کے دامنِ عفت پر فرشتے نماز پڑھتے تھے اور وہ چادر جس کا ایک ایک تار ہزاروں سعادتوں کا امین تھا اور یہی نہیں، ان گلی کوچوں کی بھی قسم کھائی گئی جو محبوب کی گزرگاہ تھے۔ اسی نسبت سے وہ بستی بھی محترم ٹھہری جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہائش کا شرف حاصل تھا کہ مکان اس لیے محبوب ہوتا ہے کہ وہ محبوب کا مکان رہ چکا ہوتا ہے ورنہ مکان تو سبھی اینٹ پتھروں ہی سے بنے ہوتے ہیں۔ کعبہ مکرمہ میں نصب وہ پتھر بھی اسی لیے بوسہ گاہِ عالم ٹھہرا کہ اس سے وہ مبارک لب مس کر چکے تھے جو کھلتے ہی صداقتوں کے لیے تھے اور ہم گناہ گاروں کے لیے یہی فخر وناز کافی ہے کہ ہم حبیب رب العٰلمین سے محبت کرتے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں کہ ان کی محبت دلوں اور روحوں کی غذا ہے اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، ان کی محبت زندگی کا سرچشمہ ہے، جو اس سے محروم رہا اس کا شمار مُردوں میں ہونا چاہیے، وہ محبت ایک اجالا ہے جو اسے کھو بیٹھا ہے وہ جہالت کے اندھیروں میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ یہی وہ اکسیر ہے کہ جو اس سے محروم رہا اس کے دل پر بیماریوں کا ہجوم رہا۔

زمین کا وہ ٹکڑا جو آج جسم اطہر سے مس کر رہا ہے فی الواقع فضیلت مآب ہے۔ اسی روضۂ اقدس کی بنا پر زمین ارجمند اور اسی گنبدِ اخضر کو بوسہ دے کر آسمان سربلند ہے۔ حافظ ابن قیمؒ کے الفاظ میں:

''خدا کی قسم، روضۂ اطہر کعبے سے افضل ہے، عرش اور حاملین عرش سے افضل، وہ جنت عدن سے افضل، وہ آسمانوں سے افضل، اس لیے کہ روضہ مبارک میں ایسا جسد اطہر ہے کہ اگر دونوں جہانوں کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور ان کا جسم مبارک دوسرے پلڑے میں تو ان کا جسم مبارک دونوں جہانوں سے زیادہ وزنی اور قیمتی رہے گا۔''

مواجہہ شریف ہی نہیں، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی آواز کی بلندی گوارا نہیں ہے کہ اس سے اعمال کا سارا

حسن مٹی ہو جاتا ہے اور پتا بھی نہیں چلتا، ایسی بارگاہِ ناز میں لب کشائی اور خامہ فرسائی کی توفیق بارگاہِ الٰہی سے ارزانی ہوا کرتی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ:

چہرہ زباں بنایئے، آنکھوں سے بولیے

کہیں انسب ہے:

سجودے می تواں بردن، درودے می تواں گفتن

اس سے بہتر حمد کیا ہے کہ سر نیاز بحضورِ ناز جھکا رہے اور فریادوں کا جواب عرش سے آتا رہے اور اس سے بہتر نعت کون سی ہے کہ درود پاک دل کی دھڑکنوں میں بسا اور لبوں پر سجا رہے اور گنبدِ اخضر سے تعلق خاطر استوار رہے۔

مست الست شاعر ساغر صدیقی مقام رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نزاکتوں سے کس قدر آگاہ تھا کہ اس نے اپنے مجموعۂ نعت سبز گنبد کے آغاز میں صرف ان ہی سطور پر اکتفا کی۔

''نعت میرے نزدیک تعریف رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طریقہ ہے جس میں الفاظ زبان سے نہیں پلکوں سے ترتیب دیئے جاتے ہیں، منصورؒ و شمسؒ سے مجھ تک یہ نعمتِ عظمیٰ کیسے پہنچی، چشم عقیدت کے لیے اس کا جواب سرمدؒ کے قطرۂ خوں اور شہبازؒ کا نعرۂ مستانہ ہی دے سکتے ہیں، میں نعت کہتے ہوئے اپنے جسم اور روح کو جہنم کے شعلوں سے ڈرا لیتا ہوں۔''

جنیدؒ و بایزیدؒ ایسی ایک ''نفس گم کردہ'' حاضری پر، شوکتِ الفاظ سے معمور ہزاروں نعتیں قربان۔ لفظی چناؤ میں کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے، خود اللہ تعالیٰ (کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد ﷺ است) نے تنبیہ فرما دی کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر راعنا نہ کہا کرو بلکہ انظرنا کہا کرو۔

عربی میں تو راعنا کا مطلب ہے ہماری رعایت فرمایئے۔ مگر مدینہ کے بعض یہودی راعنا اپنی مذہبی زبان عبرانی کی رو سے کہتے ہیں کہ وہاں یہ لفظ بد دعا کے معنوں میں مستعمل ہے اور پھر وہ راعنا کے حرف عین کو ذرا کھینچ کر بولتے اور راعینا کہتے جس کا مطلب ہے ''ہمارے چرواہے'' یہود کے تتبع میں بعض مسلمانوں نے بھی دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں خطاب کے طور پر راعنا کو استعمال کرنا شروع کر دیا، یہودی خوش ہوئے کہ ان کی شرارت کو فروغ ملا۔ اللہ تعالیٰ نے فوری طور پر اس لفظ کی جگہ انظرنا کے استعمال کی تلقین فرمائی جس کا مطلب ہے ''دیکھیے تو'' گویا توجہ فرمایئے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کسی ایسے لفظ کو بھی پسند نہیں فرماتے جس میں کسی غلط مفہوم کا احتمال اور اشتباہ ہو، اللہ تعالیٰ کو صوتی اعتبار سے لفظ میں ہلکی سی تبدیلی بھی گوارا نہیں، کوئی ایسا کلمہ بھی پسند نہیں جو توہین کا موہم ہو، چہ جائے کہ ملہمانہ فضیلتوں کے حامل لفظ حب کے ہوتے ہوئے، عشق کا لفظ استعمال کیا جائے جس کے بارے میں کوئی دور کی کوڑی لانے سے بھی تحسین کا پہلو بہ مشکل نکلتا ہو۔

حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا حسن، اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مضمر ہے، اسی اتباع سے قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے اور انسان الوہی محبتوں کے ہالے میں آ جاتا ہے۔ بس نبیِ پاک ﷺ کے نقوشِ پا سے چاندنی سمیٹنا مقصود ہے:

شاید اسی کا نام ہے توہینِ جستجو
منزل کی ہو تلاش ترے نقشِ پا کے بعد

یہ غور طلب بات ہے کہ جس کی پیروی سے پیروکار محبوب رب العلمین بن جائیں، خود اس کی محبوبیت کا عالم کیا ہوگا؟ جو فرما دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے، بس اس کی پیروی مقصود ہے، نہ شک، نہ شبہ، نہ تردد، نہ تامل، نہ تذبذب، نہ ہچکچاہٹ، شک کی ہلکی سی آمیزش سے گم راہی کو غذا ملتی ہے اور انسان بے نام وادیوں میں بھٹک کے رہ جاتا ہے۔ اسلام، نام ہے سر تسلیم خم کر دینے کا، اس ذات پاک ﷺ کے پیچھے پیچھے چلنے کا، جس کی بصارت کو، اللہ تعالیٰ نے علم وحکمت کی بصیرتوں سے نواز رکھا ہے۔ اتباع، بلا حکم وفرمان، صرف ''محبا بہ جذبوں'' سے پروان چڑھتا ہے، جب کہ اطاعت میں فرمان بھی چاہئے اور اس کی روشنی میں فرماں برداری بھی، قلب ونظر کی بہترین چاہت کے بغیر نہ اتباع میں رعنائی آتی ہے نہ اطاعت میں زیبائی، اتباع دھندلا جائے تو سرکشی ابھرتی ہے، اور اطاعت میں کبیدگی آجائے تو کراہت جنم لیتی ہے، اتباع سنت، قرب الٰہی کی دلیل اور سنت سے دوری، اللہ تعالیٰ سے دوری ہے۔ نبیٔ پاک ﷺ کی سنت سے محبت ہی حضور ﷺ سے محبت ہے اور یہی محبت، کلید جنت ہے۔

یہ شانِ محبوبیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ قل ان کنتم الخ میں اتباع سنت کو اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے درمیان رکھا اور اس کو اپنی محبت اور اپنے پاک رسول ﷺ کی محبت کا معیار اور اس کی علامت قرار دیا۔

اس آیت میں محبتِ الٰہی کے دعوے داروں کو اطاعتِ رسول ﷺ اور اتباعِ سید الابرار کی جانب دعوت دی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے بجز اطاعتِ رسول ﷺ کے اور کوئی طریق نہیں۔ قیامت تک کے لیے ''محبوبیت اور مقبولیت'' کا تاج فرق اقدس کے سوا اور کسی کے سر پر زیب نہیں دیتا۔ وہ جو تقرب وتالف کے مدارج طے کرنا چاہتے ہیں وہ آئیں اور اطاعت رسول ﷺ کی راہوں پر گامزن ہوں کہ اس کے سوا منزل تک پہنچنے کے لیے کوئی راہ نہیں۔ خدارسی کے تمام ذرائع باطل ہیں اگر ان میں مشکوٰۃ نبوت کی روشنی نظر نہیں آتی۔ اگر اطاعتِ رسول ﷺ کا جذبہ دلوں میں موجزن ہے تو پھر اللہ کی محبت ومغفرت بہر حال شامل حال ہے۔

گویا پہلی منزل معرفت کی ہے، آپ ﷺ کے محاسن اور شمائل کی معرفت، آپ ﷺ کے فضائل اور مراتب کی معرفت، آپ ﷺ کی عظمتوں کی معرفت، آپ ﷺ کی رعنائیوں کی معرفت، آپ ﷺ کی عبقریت کی معرفت، جتنی معرفت زیادہ ہوگی، محبت اسی قدر مستحکم اور پائیدار ہوگی اور محبت جس قدر پائیدار اور شدید ہوگی، اطاعت اسی قدر مستحکم بنیادوں پر قائم ہوگی۔

محبّ بے بصر اور ارادت بے ثمر ہے جب تک وہ اطاعت کے سانچے میں ڈھل کر سراپا ایثار نہ بن جائے ــــــ اور ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں۔

ماضی میں اس امر پر زور دیا جاتا رہا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صیغہ واحد غائب اور واحد حاضر کے بجائے تعظیمی صیغے استعمال کیے جائیں، یہ بھی کہ مدینۃ النبی کو یثرب نہ کہا جائے، مگر اس امر کی طرف کما حقہ، توجہ نہیں دی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ''عشق'' ایسا مذموم اور رکیک لفظ استعمال نہ کیا جائے بلکہ ''حب'' کا لفظ استعمال کیا جائے جس میں تقدس کے انوار جلوہ گر ہیں کہ یہی لفظ اللہ تعالیٰ کو بھی عزیز ہے اور نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی، اگر کسی دنیاوی شخصیت نے عشق یا عاشق کا لفظ استعمال کیا ہے تو قرآن وحدیث کے مقابل یہ استعمال کسی طور پر بھی حجت

نہیں ہے۔

حق یہ ہے کہ ادب کے بغیر محبت ایک لفظ ہے بے معنی، ایک جسم ہے بے روح، ایک خاکہ ہے بے رنگ اور ایک پھول ہے بے بو، رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام اور توصیف وثنا کے تقاضے اتنے کڑے ہیں کہ بہترین سے بہترین پیرایہ اظہار بھی حق ادا نہیں کرسکتا۔

نعت گوئی میں صرف وہی لوگ کامیاب ہوئے ہیں جنھوں نے اپنے دلوں میں محبت رسول ﷺ کی باقاعدہ پرورش کی ہے، اپنی فکر ونظر کی تربیت کی ہے اور قلب وروح کو احتیاط واحترام کا خوگر بنایا ہے، ورنہ جذبات ہمیشہ دامنِ احتیاط چھوڑ کے ادھر ادھر نکل جانے کے عادی ہیں۔

نعتِ شہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم شیفتگی چاہتی ہے، آشفتگی نہیں، سپردگی چاہتی ہے، شوریدہ سری نہیں، ہوش چاہتی ہے، بے ہوشی نہیں، تہذیب چاہتی ہے، وحشت نہیں یاد رہے کہ محبت میں اگر وفاداری و جانثاری، تسلیم ورضا، صبر وتحمل، تمکنت ووقار، ادب واحتیاط، حفظِ مراتب اور شعورِ مقامات نہ ہو تو محبت، محبت نہیں رہتی، کچھ اور چیز ہو جاتی ہے، اسی نکتے کو سمجھ کر عرفی نے کہا تھا:

عرفی مشتاب، ایں رہِ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است، قدم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعتِ شہِ کونین ﷺ و مدیح کے وجم را

نعت کیا ہے؟ مدح کا دوسرا نام۔ لیکن مدحِ شہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں بڑا فرق ہے، ایک مدح صاحبِ تخت و تاج کی ہے، ایک مدح صاحبِ شرع وکتاب کی، ایک کی تعریف طلاقت لسانی کی طالب ہے اور ایک کی تعریف حق بیانی کی، ایک جگہ مبالغہ ہنر ہے، دوسری جگہ سراسر عیب، ایک جگہ ضرورت سے زیادہ تعریف، شان بڑھا سکتی ہے، دوسری جگہ خلافِ شان ہو جاتی ہے، عرفی کی زبان میں صاحب تخت وتاج کی مدح، صحرا کا گشت ہے، جدھر چاہو بے محابا نکل جاؤ لیکن صاحبِ شرع وکتاب کی مدح گویا تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ غالب ہوش مند تھا جو یہ کہہ کر خاموش ہو گیا:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد ﷺ است

یعنی اصل چیز مرتبہ دانی ہے۔

گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

آخر میں حضرت قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ کی تصنیف رحمۃ للعالمین ﷺ سے ایک اقتباس کہ اس کی بلیغانہ دل پذیریوں میں موضوعِ زیر بحث کی جملہ وسعتیں سمٹ گئی ہیں۔

''غزلیات وابیات کے شیدا لفظ عشق اکثر استعمال کیا کرتے ہیں، قرآن مجید اور احادیث پاک کے ماہرین سے یہ امر مخفی نہیں ہے کہ ہر دو کلام پاک میں لفظ عشق استعمال نہیں ہوا ہے۔ (۱۵)

جب عشق کے معنی ''قسمے از جنون'' ہوئے تو ضروری تھا کہ خدا اور رسول ﷺ کے پاک کلام میں اس لفظ کا استعمال نہ کیا جاتا اور اسے فضائل محمودہ یا محاسن جمیلہ سے شمار نہ کیا جاتا، بے شک قرآن پاک اور احادیثِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں لفظ محبت کا استعمال ہوا ہے اور اس سے ثابت ہوا کہ محبت ہی صفتِ کمالِ انسانی ہے، محبت اور عشق میں یہ بھی فرق ہے کہ محبت روح کے میلانِ صحیحہ کا نام ہے اور عشق میں اس شرط کا پایا جانا ضروری نہیں، محبوب وہ ہے جو فی الواقع اپنے کمالات علیہ کی وجہ سے محبت کئے جانے کے شایاں ہو معشوق وہ ہے جسے کسی نے اچھا سمجھ لیا ہو، محبوب، محبوب ہی ہے خواہ کوئی محبّ پیدا ہو یا نہ ہو، مگر معشوق، معشوق نہیں جب تک اس کا عاشق موجود نہ ہو۔

محبت کے مدارج، محبوب کے مدارج پر منحصر ہوتے ہیں، محبوب جتنا زیادہ ارفع اور اعلیٰ ہوگا محبت کا درجہ بھی اسی قدر ارفع اور دائمی ہوگا، محبّ کو ذات و صفات محبوب سے جس قدر زیادہ عرفان ہوگا اسی قدر زیادہ استحکام سے اس کا اس کی جانب میلان ہوگا۔

محبت ہی یاس کو دھکیل دینے والی اور مصائب کو خندہ پیشانی کے ساتھ جھیل لینے والی ہے۔ محبت ہی دل کی زندگی اور زندگی کی کامیابی ہے۔

محبت ہی کامیابی کو دوام و بقا کا تاج پہناتی اور پھر اس بقاء کو تختِ ارتقاء پر بٹھاتی ہے۔

ہمارا اعتقاد ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف محبوب بلکہ حبیب ہیں، یعنی حضور ﷺ کے وہ صفات عالیہ، فضائل متکاثرہ، محاسن جمیلہ اور نعوتِ رفیعہ، جنھوں نے حضور ﷺ کو حبیبِ خدا اور محبوب خلق خدا بنا دیا ہے، ثبات و استقرار رکھتے اور دوام و بقا سے متمکن ہیں ____ کیا کوئی صاحبِ بصر، صاحبِ دل، ایسے محبوب، ایسے محمود، ایسے مصطفیٰ، ایسے محمد ﷺ پر دل و جان سے فدا نہ ہوگا اور اس فدا ہونے کو اپنے لیے غایت شرف اور انتہائی کمال انسانیت نہ سمجھے گا۔'' (۱۶)

دعا ہے کہ ہمیں توفیق ملے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کریں اور ان کی پسند کو اپنی پسند بنا لیں کہ اسی میں دنیاوی اور اُخروی سرخروئی مضمر ہے۔ آمین

راقم الحروف کو اپنی فکری کم مائیگی اور علمی لاعلمی کا کماحقہٗ اعتراف ہے، وہ کسی بحث کا دروازہ نہیں کھولنا چاہتا، جو یثرب، عشق، عاشق ایسے الفاظ اور صیغہ واحد حاضر و واحد غائب کی ضمیریں استعمال کرنا چاہتے ہیں، وہ ان کی اپنی پسند ہے۔

☆

حوالہ جات

۱۔ آل عمران:۱۴

۲۔ البقرۃ:۱۶۵

۳۔ الفجر:۱۷۔۲۰

۴۔ آل عمران:۳۱

۵۔ العٰدیٰت:۸

۶۔ ص:۳۱۔۳۲

۷۔ یوسف:۳۰

۸۔ التوبہ:۲۴

۹۔ صحیح البخاری

۱۰۔ صحیح البخاری

۱۱۔ صحیح مسلم

۱۲۔ بحرالفوائد

۱۳۔ سنن الترمذی

۱۴۔ الاعراف:۱۷۶

۱۵۔ ولا یحفظ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لفظ العشق فی حدیث صحیح البتۃ، زاد المعاد، جلد۲، ص ۹۶، واضح ہو کہ حدیث، من عشق فعف فمات فھو شھید اور حدیث من عشق وکتم وعف وصبر الخ، ہر دو صحیح نہیں، ابن جوزی نے موضوعات میں ان کا ذکر کیا ہے ان کا راوی صرف سوید بن سعید ہے اور ائمہ حدیث نے اس کی نسبت سخت ترین الفاظ کا استعمال کیا ہے۔

۱۶۔ رحمۃ للعالمین ﷺ۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ، جلد دوم، باب ہفتم۔

(۲۰۱۱ء)

☆

ظہورِ قدسی: پس منظر

(اُردو نعت کے آئینے میں)

رسولِ پاک ﷺ کی تشریف آوری اس کائنات کا ایک ایسا عظیم ترین واقعہ ہے جو اپنے دور ہی کے لیے نہیں بلکہ ہر دور کے لیے انقلاب آفرین ثابت ہوا کہ آپ ﷺ ہی وجہِ وجودِ کائنات تھے۔ آپ ﷺ ہی ازل انوار بھی تھے اور ابد آثار بھی اور آپ ﷺ ہی کے لیے رنگ و نور کے قافلے صدیوں سے مصروفِ سفر بھی تھے اور شہیدِ جستجو بھی۔ یہ حقیقت ہے کہ جہاں جہاں روشنی ہے وہ حضور ﷺ ہی کے دم قدم سے ہے اور جہاں جہاں تاریکی ہے وہ اجالے کے لیے اسی نور کی طرف لپک رہی ہے کہ آپ ﷺ ہی کی محفل تجلی کی روشن سحر ہے۔ آپ ﷺ کا وجودِ پاک الوہی انوار کا پرتو، آپ ﷺ ہی کے فرمودات، سعادت و ہدایت کی مشعل، آپ ﷺ ہی کی کتاب انسانیت کے لیے آخری ضابطۂ حیات اور آپ ﷺ ہی کی اطاعت اخروی سرخ روئی کی واحد ضمانت ہے۔ آپ ﷺ ہی کی سیرت نے ہمیں نورِ بصیرت بخشا، آپ ﷺ ہی کے نقشِ پا کی چاندنی سے دنیا کا غم کدہ تابندہ ہوا، آپ ﷺ ہی سے قلبِ مضطر کو سوز کی دولت ملی، آپ ﷺ ہی کے طفیل انسان کو خود آگہی اور خدا شناسی کی نعمت عطا ہوئی۔ حق یہ ہے کہ آپ ﷺ ہی ہمارے درد کا درماں اور ہماری زیست کا عنواں ہیں:

جو آپ ﷺ آ گئے ہیں تو نور آ گیا ہے
وگرنہ چراغوں سے لو جا رہی تھی

حق یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ تشریف نہ لاتے تو فکر و نظر کی دنیا ویران، علم و عمل کے سلسلے افسردہ، اخلاق و کردار کے گلزار پژمردہ اور بصارت و بصیرت کی کائنات تاریک ہوتی اور حالات کی وہ دبیز تاریکی اور گہری ہوتی جاتی جو ظہورِ قدسی سے قبل کائنات پر مسلط تھی۔ ظہورِ قدسی سے قبل کا غبار اور بعد کا نکھار خود بولتا ہے کہ آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی قدر ہمارے لیے ایک عظیم احسانِ ربی ہے اور آپ ﷺ سے زیادہ اجمل، احسن اور اکمل انسان پر آج تک سورج طلوع نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ اردو نعت کے آئینے میں یہ حقیقت یوں جھلکتی ہے:

ترے آستاں سے پہلے کوئی آستاں نہیں تھا
وہ زمیں تھا میں، کہ جس کا کوئی آسماں نہیں تھا

سفرِ سما سے پہلے، ترے نقشِ پا سے پہلے
یہ تبسمِ کواکب سرِ کہکشاں نہیں تھا

نہ خرد کی روشنی تھی، نہ جنوں کی آگہی تھی
تری رہبری سے پہلے، یہ جہاں، جہاں نہیں تھا
کئی آنسوؤں کے قلزم ترے در پہ بہہ چکے ہیں
غم دل کا تجھ سے پہلے کوئی راز داں نہیں تھا
تو جوازِ دو جہاں ہے، تو ہی رازِ کن فکاں ہے
تو کہاں کہاں نہیں ہے، تو کہاں کہاں نہیں تھا

(سلیم گیلانی)

اک وہم و گماں ہوتے، اگر آپ ﷺ نہ ہوتے
ہم لوگ کہاں ہوتے، اگر آپ ﷺ نہ ہوتے
کعبے کو صنم خانہ بنائے ہوئے اب تک
ہم سجدہ کناں ہوتے اگر آپ ﷺ نہ ہوتے
یہ کوثر و تسنیم، یہ جنت کے نظارے
مانندِ خزاں ہوتے اگر آپ ﷺ نہ ہوتے
ہر جلوۂ کثرت میں یہ وحدت کے قرینے
کس طرح بیاں ہوتے اگر آپ ﷺ نہ ہوتے
ہم آج ہیں کعبہ کی اذاں دہر میں اے شاذؔ
صحرا کی اذاں ہوتے، اگرآپ ﷺ نہ ہوتے

(شاذ تمکنت)

رنگِ ہستی آپ ﷺ کے فیضان سے نکھرا حضور ﷺ
آپ ﷺ کی آمد سے پہلے کب تھا یہ نقشہ حضور ﷺ
آپ ﷺ کا دینِ حیات آموز جب پھیلا حضور ﷺ
مٹ گئی یکسر تمیزِ بندہ و آقا حضور ﷺ
دیدۂ خورشید نے دیکھا نہ دیکھے گا حضور ﷺ
آپ ﷺ سا خلوت گزین و انجمن آرا حضور ﷺ

(حفیظ تائب)

فروغِ آدمِ خاکی تری دعوت کی تابانی
چراغِ بزمِ انسانی ترا درسِ رواداری

ہدایت سے تری بالیدگی ہے آرزوؤں میں
تری آمد سے پہلے ذہن تھا وحشت کا زناری

(محمد صادق)

آنکھوں میں نور، دل میں بصیرت ہے آپ ﷺ سے
میں خود تو کچھ نہیں مری قیمت ہے آپ ﷺ سے
ہے آپ ﷺ ہی کے دم سے یہ ایمان کی زمیں
اور دین کی یہ چھت بھی سلامت ہے آپ ﷺ سے
یہ آپ ﷺ ہی کا فیض دلوں کا گداز ہے
ان برف کی سلوں میں حرارت ہے آپ ﷺ سے
اس خاک کو کیا ہے ستاروں سے بھی بلند
انسانیت کی شوکت و عظمت ہے آپ ﷺ سے

(شہزاد احمد)

تھا ان سے قبل فروغِ بہار نامفہوم
ریاضِ دہر تھا اک دفترِ خزاں کی طرح

(حفیظ احسن)

جب تو نہ تھا، ذلیل تھا دنیا میں آدمی
بخشی ہے موت کو تری حکمت نے زندگی

(احسان دانش)

دنیا میں تھے ہم خوار اگر آپ ﷺ نہ آتے
یہ زیست تھی بے کار اگر آپ ﷺ نہ آتے
گلشن کی یہ رونق ہے فقط آپ ﷺ کے باعث
ویران تھے گلزار، اگر آپ ﷺ نہ آتے
ہرگز کبھی دنیا میں شفایاب نہ ہوتے
اخلاق کے بیمار، اگر آپ ﷺ نہ آتے
اب بھی نظر آتا ہمیں حیواں کے برابر
انسان کا معیار، اگر آپ ﷺ نے آتے
یہ چاند، یہ سورج، یہ ستارے بھی نہ ہوتے
اس طرح ضیا بار، اگر آپ ﷺ نہ آتے

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم آج بھی ہوتے
باطل کے پرستار، اگر آپ ﷺ نہ آتے

(خالد بزمی)

کہا جاتا ہے کہ چونکہ حضور ﷺ کی تشریف آوری اور بعثت سے قبل، جزیرۃ العرب کی اخلاقی، فکری، سماجی اور مذہبی صورتِ حال انتہائی دگرگوں تھی، بنا بریں نبیٔ آخر الزماں ﷺ وہاں تشریف لائے۔ تاریخی کتب میں بھی عموماً ظہورِ قدسی کے پس منظر کے طور پر عموماً عرب ہی کی پریشاں حالیوں کو پیش کیا جاتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کی ضرورت غالباً اور اولاً عرب ہی کو تھی مگر حقیقت یہ ہے کہ صرف عرب ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کم وبیش ہر اعتبار سے گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی، روشنی کی کسی کرن کے لیے ترس رہی تھی۔ چونکہ رب العالمین کو ایک وجودِ ذی جود ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجنا مقصود تھا۔ اس لیے لازم تھا کہ اس ذریعۂ رشد و ہدایت کی طلب کسی ایک خطے کو نہ ہو بلکہ پوری کائنات اس کی منتظر ہو اور زبانِ حال سے اسے پکار رہی ہو۔ اس دور کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ یہود و ہنود، نصاریٰ اور پارسی بالخصوص اور اہلِ عرب بالعموم، جہل و گمراہی کے اس مقام تک پہنچ چکے تھے جسے قرآن کی بلیغ زبان لپکتے ہوئے الاؤ کے گڑھے کے کنارے سے تعبیر کرتی ہے۔ الغرض:

دیار و دشت میں سایوں کی حکمرانی تھی
کوئی کرن تھی نہ گردوں پہ کوئی تارا تھا
حقیقتیں بھی جہالت کی اوٹ میں گم تھیں
بتوں کے نام پہ مذہب اک استعارا تھا

(راسخ عرفانی)

جدھر دیکھو ادھر بے چارگی تھی آپ ﷺ سے پہلے
بہت مجبور ہر سو زندگی تھی آپ ﷺ سے پہلے
بظاہر پھول کھلتے تھے مگر خوشبو سے عاری تھے
گلستاں میں کہاں یہ تازگی تھی آپ ﷺ سے پہلے
جدھر دیکھو ادھر جہل و جنوں کی حکمرانی تھی
بہت خوار و زبوں فرزانگی تھی آپ ﷺ سے پہلے

(خالد بزمی)

زمانے میں پہلے تھے وحشت کے سائے
ہر اک سمت بادل مصائب کے چھائے
کنارے ہلاکت کے دنیا کھڑی تھی
گناہوں کا انبار سر پر اٹھائے

(محمد صادق)

عرب کی سر زمیں پر خیمہ زن گہرا اندھیرا تھا
جہاں تک کام کرتی تھی نظر ظلمت کا ڈیرا تھا
عرب سے مختلف تھا گرچہ کچھ ایران کا عالم
یہاں بھی تھا مگر ناگفتنی ایمان کا عالم
وہی یونان کہلاتا تھا جو تہذیب کی دنیا
وہی روئے زمین پر آج تھا تخریب کی دنیا
یہ تحقیق و تجسّس کا جہاں تھا آج ویرانہ
فلاطوں کی خرد، سقراط کی دانش تھی افسانہ
بہت چمکا زمیں پر چین کی تہذیب کا تارا
مگر اب بجھ کے ٹھنڈا ہو چکا تھا یہ جہاں آرا
غرض دنیا میں چاروں سمت اندھیرا ہی اندھیرا تھا
نشانِ نور گم تھا اور ظلمت کا بسیرا تھا

(جگن ناتھ آزاد)

اک جہالت کی گھٹا تھی چار سو چھائی ہوئی
ہر طرف خلقِ خدا پھرتی تھی گھبرائی ہوئی
شاخِ دیں داری تھی بے طرح مرجھائی ہوئی
لہلہا اٹھی، تری جب جلوہ آرائی ہوئی
تیرے دم سے ہو گئیں تاریکیاں سب منتشر
پا گئی راحت ترے آنے سے چشمِ منتظر

(بشن سنگھ بیکل)

آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے تھا ہر منظر، ہر نقش دو عالم
اجڑا اجڑا، پھیکا پھیکا، ہلکا ہلکا، مدھم مدھم
حسن کا چہرہ اترا اترا، عشق کی رنگت بدلی بدلی
دہر کا نقشہ بگڑا بگڑا، زیست کا مقصد مبہم مبہم
آنکھ کی پتلی سہمی سہمی، دل کی دھڑکن ٹھہری ٹھہری
شوق کا دریا سمٹا سمٹا، جوشِ جنوں کے طوفاں کم کم
چاند کی کرنیں میلی میلی، صبح کے جلوے دھندلے دھندلے
کوچۂ ہستی سونا سونا، محفلِ فطرت برہم برہم

دنیا کی دنیا آزردہ، ہر شے افسردہ، پژمردہ
تارا تارا، ذرہ ذرہ، موتی موتی، شبنم شبنم

(عاصی کرنالی)

یہ جہانِ آب و گل مدت سے تاریکی میں تھا
تھی مسلط ہر طرف ظلم و جہالت کی گھٹا
کاروانِ زندگی بہکا ہوا، بھٹکا ہوا
سارا عالم ایک سکتہ، ساری دنیا اک خلا
اہلِ دانش بھی فریبِ جہل میں آئے ہوئے
بے یقینی کے اندھیرے ذہن پر چھائے ہوئے
خود تراشیدہ بتوں کے سامنے جھکتے تھے سر
آدمی دنیا میں رہ کر اپنے رب سے بے خبر
لوگ اپنی خواہشوں پر صرف رکھتے تھے نظر
مٹ گیا تھا رفتہ رفتہ امتیازِ خیر و شر
راہبر بھی راستوں کے پیچ و خم میں کھو گئے
دیکھتے ہی دیکھتے انسان حیواں ہوگئے

(ماہرالقادری)

ربع مسکوں میں سراسر شیطنت کا تھا چلن
کفر و شرک ایمان کے مفہوم پر تھے خندہ زن
چاند، سورج اور سیاروں کو سمجھے تھے خدا
نورِ حق سے گمرہوں کی آنکھ تھی نا آشنا
تیرگی کا اک مرقع تھی یہ بزمِ رنگ و بو
نورِ ایمان و صداقت کی نہ تھی کچھ آبرو
اک تباہی کا مرقع تھا جہانِ بے سکوں
روحِ اخلاق و شرافت شرم سے تھی سرنگوں

(یزدانی جالندھری)

یہ تھا دنیا کا عالم، عالمِ اسلام سے پہلے
خدا کے نام سے واقف نہ تھے اس نام سے پہلے
سمجھ سکتا نہ تھا انسان رازِ زندگانی کو
کوئی ساحل نہ ملتا تھا جہانِ زندگانی کو

بہ اطمینان مصری تھے نہ شامی تھے نہ یونانی
جدھر دیکھو ستم کیشی، جہاں دیکھو ستم رانی
کہاں تھی عارض یورپ پہ یہ سرخی بہاروں کی
خزاں تھی مہتمم ہندوستاں کے لالہ زاروں کی
چراغِ روح بادِ گمرہی سے بجھنے والا تھا
بساطِ آب و گل پہ دھیما دھیما سا اجالا تھا
وہ دن نزدیک تھا شمس و قمر بے نور ہو جاتے
صدف کے دل میں تابندہ گہر بے نور ہو جاتے

(احسان دانش)

ظہورِ اسلام سے قبل، مصر تہذیب وتمدن اور صنعت وحرفت میں ممتاز ومنفرد تھا اور اس کا یہ معاشرتی اور ثقافتی ارتقا مذہب کے زیرِ اثر تھا مگر ظہورِ قدسی کے وقت، یہ تہذیب آخری سانس لے رہی تھی اور ساتھ ہی ہندوستان، بابل، نینوا، چین اور یونان کا تمدن اپنی ظاہری چمک کے باوجود عملاً بے اثر ہو چکا تھا۔ بعد میں جب اس تہذیب وثقافت اور علم وہنر پر اسلامی اقدار وعلوم کا پرتو پڑا تو نہ صرف اس کا اپنا رخ بدلا بلکہ اس نے اپنے انداز سے دنیا کے دیگر خطوں کو بھی متاثر کیا۔ مصر میں حضرت موسیٰؑ فرعون کے ہاں پرورش پاتے رہے اور انھی کے ہاتھوں اللہ کے فضل سے فرعونیت غرقِ دریا ہوئی، وہ بنی اسرائیل کو لے کر فلسطین میں چلے گئے، وہیں ان کے بعد حضرت عیسیٰؑ کا ظہور ہوا، زرتشتی، مسیحیوں کے ساتھ ایک طویل عرصہ تک محوِ پیکار رہے مگر ایرانیوں اور عیسائیوں نے اس جدل و پیکار میں اپنے مذہب کو ایک دوسرے پر مسلط نہ کیا بلکہ وہ ایک دوسرے کے مذہبی آثار اور اقدار کا احترام کرتے رہے اور انھوں نے اپنے اپنے مذہب کو، اپنے اپنے ملک تک محدود رکھا۔ چھٹی صدی عیسوی کے بعد مسیحیت عقائد کے اعتبار سے مسخ ہوگئی۔ اساسی اصولوں کی جگہ فروعی مسائل نے لے لی، فرقہ بندی نے اجتماعیت کو پارہ پارہ کر دیا۔ ہر فرقہ خود کو حق پر اور دوسرے کو غلط سمجھنے لگا۔ یوں لفظی ہنگامے اور مناظراتی تنازعے گلی کوچوں تک پھیل گئے۔ فکر ونظر کا اختلاف، دست و بازو کے تصادم تک آ پہنچا اور حق یہ ہے کہ یہی مٹنے والی قوموں کا عام پیرایہ ہوا کرتا ہے۔ دوسری طرف شاہِ روم کی طرف سے رعایا کے مذہبی جنون پر کوئی سی پابندی نہ تھی بلکہ وہ اپنی جگہ مصروف ومطمئن اور رعایا اپنی جگہ بے کار بحثوں میں مگن، البتہ مسیحیت مصر اور حبش تک پھیل گئی تھی اور بحیرۂ قلزم سے دریائے روم تک تثلیث چھا چکی تھی۔ ایران کے مجوسی خود مذہبی اعتبار سے لفظی توتکار میں الجھے ہوئے تھے اور وہاں کی ہر حکومت ان مذہبی بکھیڑوں سے بے نیاز اور خود کو مستحکم کرنے کی فکر میں رہتی تھی۔ جب کہ انسانی سکون پر اضطراب کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ عوام شاہی جبر واستبداد کا نشانہ تھے۔ بادشاہ خود کو فوق البشر اور دوسرے انسانوں کو جانور سمجھتے تھے، مظلوموں کی روحیں چیختی تھیں مگر ان کے لب سلے ہوئے تھے ذہنی خلفشار، روحانی کرب اور قلبی اضطراب کسی آنے والے انقلاب کا پیش خیمہ تھا کہ نہ حریتِ ذات باقی رہی تھی نہ آزادیٔ ضمیر، نعت نگار شعرا کے الفاظ میں:

تیری آمد سے قبل، جانِ جہاں!
روحِ عالم تھی مضطر و بے تاب

ہر طرف تیرگی کا عالم تھا
ہر طرف گمرہی کا تھا سیلاب
حق کو پہچانتا نہ تھا کوئی
رحمت ایزدی کے بند تھے باب
سب تھے بے بہرۂ حلال و حرام
سب تھے ناواقفِ عذاب و ثواب

(عابدنظامی)

عالم تمام مطلعِ نور و ضیا نہ تھا
جب تک ظہور ماہِ رسالت ہوا نہ تھا
اپنے خدا سے کوئی بشر آشنا نہ تھا
منزل نہ مل سکی کہ کوئی رہنما نہ تھا
آئے رسول پہلے مسیحؑ و خلیلؑ بھی
لیکن ان انبیا میں کوئی مصطفیٰ ﷺ نہ تھا
بے نور و بے سرور تھی دنیا کی انجمن
کعبے میں بھی چراغِ ہدایت جلا نہ تھا

(حافظ مظہرالدین)

پہلے بھی آچکے تھے رسولانِ ذی وقار
لیکن رکی نہ خلق و مساوات میں بہار
آئی نہ اعتدال پہ رفتارِ روزگار
انساں کو تھا بتوں کے محاسن پہ اعتبار
بدلا وہ تو نے ذہن کو، دل کو، مزاج کو
حیرت شکستہ آئنے لائی، خراج کو

(احسان دانش)

آماجگاہِ کفر تھے سب دشت اور جبل
آفاق میں بتوں کی خدائی کا تھا عمل
پجتے تھے مہر و مہ کہیں مسجود تھے ہبل
دامانِ اہر من میں تھا انسانیت کا پھل
ہر مہرہ پٹ چکا تھا بساطِ حیات کا
عقدہ کھلا کسی سے نہ توحیدِ ذات کا

انجیل نے دیے تھے جو صدق و صفا کے درس
ہمدردیٔ خلائق و لطف و عطا کے درس
احسان و عدل و تزکیہ و اتقا کے درس
حبِ خدا کے درس، حصولِ رضا کے درس
سب رفتہ رفتہ طعمۂ تثلیث ہوگئے
ظلمت میں روشنی کے وہ مینار کھو گئے

☆

توریت نے جلائے تھے نیکی کے جو چراغ
توحید کی شراب سے چھلکے تھے جو ایاغ
انسان کو ملا تھا حقیقت کا جو سراغ
حق کی شمیم سے مہک اٹھے تھے جو دماغ
دنیائے آب و گل میں کسی کا نشاں نہ تھا
باقی کوئی بھی نقش تہہِ آسماں نہ تھا

(محشر رسول نگری)

بزمِ طرب نہ کلبۂ احزاں میں روشنی
گلشن میں روشنی نہ بیاباں میں روشنی
تارے بجھے بجھے تھے قمر تھا اداس اداس
مفقود تھی چراغِ فروزاں میں روشنی
جذبات پہ تھی کہر کی چادر پڑی ہوئی
آتی کہاں سے دیدۂ حیراں میں روشنی
میخوار و بت پرست کا قصہ تو درکنار
موجود تھی نہ عابد یزداں میں روشنی
انساں بھٹک رہا تھا اندھیرے حصار میں
قلبِ حزیں، نہ ذہنِ پریشاں میں روشنی

(عارف سیمابی)

مصطفیٰ ﷺ کے خیر مقدم کو رسول آتے رہے
مکتبِ عصمت کی تعلیمات پھیلاتے رہے
حضرت آدمؑ ادائے لغزش معصوم سے
فیضِ استغفار انسانوں کو سمجھاتے رہے

نوحؑ نے سیلاب سے فرشِ زمیں کو دھو دیا
اور خلیلؑ اللہ زمیں پر پھول برساتے رہے
لحنِ داؤدی نے نغمہ ریز کی ساری فضا
یوسفؑ و یعقوبؑ بزمِ ناز گرماتے رہے
طور پر انوارِ رحمت سے چراغاں ہوگیا
معجزاتِ ابنِ مریمؑ شوق بھڑکاتے رہے
مرسلین و انبیا جذباتِ عز و شوق سے
نعت محبوبِ خدا ہر دور میں گاتے رہے

(افتخار حیدر)

جزیرہ نمائے عرب (عرب کا لغوی مطلب ہے بے آب وگیاہ صحرائی زمین یا قرآن کے الفاظ میں ارض غیر ذی زرع (۱۴/۳۷) کے مغرب میں روم کی سلطنت اور اہلِ روم کے مذہبی ہنگامے تھے جبکہ مشرق میں ایرانی حکومت اور یزدان واہرمن کی داستانیں تھیں، روم اور ایران کی حدوں سے متصل عرب کسی حد تک اس مذہبی نزاع سے اثر پذیر تھے مگر وسطی عرب کا زیادہ تر حصہ، اس مذہبی بحث وجدل سے کلیتاً بے نیاز اور رومی وایرانی حکومتوں کے اثر ونفوذ سے محفوظ تھا۔ گویا عرب تمدنی، ثقافتی اور مذہبی اعتبار سے اپنی وضع پر قائم تھے۔

مشرق ومغرب کے درمیان تاجروں کو عرب سے گزرنا پڑتا تھا۔ تاجر قدرتی چشموں کے کناروں پر اور کھجوروں کے سائے تلے رکتے اور ستاتے تھے اور انھی مقامات پر بعض خوش عقیدہ تاجروں نے اپنے اپنے بت بھی رکھ دیئے تھے اور یوں ایک اعتبار سے یہ مقام سفری نوعیت کے عبادت خانے بن گئے تھے۔ وہ وہاں رکتے اور ان بتوں سے سفری تحفظ اور تجارتی برکت کے طالب ہوا کرتے تھے اور اس طرح صحرائے عرب میں قافلوں کے راستے بھی متعین ہوگئے تھے اور ٹھکانے بھی۔

ظہورِ اسلام کے وقت مکہ ایک تجارتی شہر تھا اور حرم کعبہ کی وجہ سے یہ شہر تب بھی محفوظ، مامون، معتبر اور مقدس سمجھا جاتا تھا جب کہ دیگر عرب صحرائی اور خانہ بدوش تھے۔ جہاں بارش نے سبزہ اگا دیا، وہیں ڈیرے ڈال دیے، سورج کی حدت نے سبزے کو خشک کیا تو کسی اور سبزہ زار کی تلاش میں چل نکلے، ان کی زندگی کا بہترین ساتھی اونٹ ہی تھا جو سفر میں سواری کا کام دیتا اور حضر میں خوراک کے تقاضے پورے کرتا۔ مکے کی تمدنی اور تجارتی ترقی کا ذکر قرآن پاک (سورۂ قریش) میں بھی ہے کہ موسموں کی حدت وشدت میں سفر کے خوگر قریش کو اللہ تعالیٰ نے شکر پر ابھارا اور نئی عبادت کی ترغیب دی کہ اللہ تعالیٰ ہی بھوک میں خوراک مہیا کرتا اور عالمِ خوف کو فضائے امن عطا کرتا ہے۔

صحرائے عرب میں آباد قبیلے بکھری ہوئی چھوٹی آبادیوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ جن میں نہ کوئی حکومتی ضابطہ تھا نہ کوئی اخلاقی اصول اور نہ کوئی مذہبی طرزِ عمل۔ ہر قبیلہ اپنے طور پر آزاد اور اپنے حقوق کا خود محافظ تھا۔ اپنے دشمن سے بدلہ لینے کو عرب ضروری جانتے تھے۔ بدلہ نہ لے سکنے کی صورت میں، غیرت وحمیت سے مجبور ہو کر اور طعنہ زنی سے بچنے کے

لیے وہ علاقہ ہی چھوڑ جایا کرتے تھے۔ان قبیلوں کے قریب سے گزرنے والے قافلوں کے تحفظ کی کوئی ضمانت نہ تھی۔ معمولی باتوں پر رنجشیں پھلتی، پھولتی اور پھیلتی چلی جاتی تھیں اور انسانی خون انتہائی بے قدر ہو چکا تھا۔اس کے باوجود وہ عزتِ ذات اور عزتِ احباب کے انتہائی قائل تھے۔انتقامی جذبات کے ساتھ عفو و درگزر ایسی خصوصیات سے بھی متصف تھے۔''سیرتِ محمد ﷺ'' کے مصنف محمد حسین ہیکل کے الفاظ میں:

> عربوں کی اس مردانگی اور ان کی اپنے شرف و مجد کی حفاظت اور صحرانشینی کی وجہ سے نہ تو روم نے ان کے ساتھ جنگ کرنے میں اپنا اقتصادی اور سیاسی فائدہ دیکھا اور نہ ایران نے ان کو اپنے زیرِ نگیں کرنے میں کوئی مصلحت سمجھی۔ان دونوں (ایران و روم) کو اس قسم کے منافع یمن سے حاصل ہو سکتے تھے جسے دونوں حکومتیں اپنے اپنے قابو میں رکھنے کے لیے مصروفِ عمل رہیں۔اگرچہ بدوی اخلاق ان باشندوں میں بھی سرایت کر چکے تھے جو ملک بھر میں گنتی کے چند شہروں میں بود و باش کیے ہوئے تھے۔ان شہروں میں بیرونِ عرب سے جو تاجر آتے وہ سفر کی کلفت دور کرنے کے لیے ان میں اتر پڑتے اور ان کے عبادت خانوں میں دیوتاؤں سے بیابان کے خطرات میں اپنی حفاظت کے لیے استمداد بھی کرتے، یہ شہر مکہ، طائف اور یثرب وغیرہ ہیں جو کسی زمانے میں پہاڑوں کے مختصر درّوں یا صحرا کے دامن میں کسی بڑے نخلستان کے سہارے آباد ہو گئے۔ان شہروں میں رہنے والے اگرچہ ایک ہی جگہ پر مستقل قیام کر چکے تھے۔مگر بدوی تہذیب و تمدن اور عزتِ نفس و قیامِ حریت وغیرہ جملہ فضائل و عادات میں اپنے بادیہ نشین ہم وطنوں کے ساتھ پوری طرح متشابہ تھے۔(ص ۸۶)

مولانا حالی، مسدس میں انھی حالات و کیفیات کا یوں نقشہ کھینچتے ہیں:

عرب جس کا چرچا ہے یہ کچھ وہ کیا تھا
جہاں سے الگ اک جزیرہ نما تھا
زمانہ سے پیوند جس کا جدا تھا
نہ کشورستاں تھا نہ کشورکشا تھا
تمدن کا اس پر پڑا تھا نہ سایا
ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا

نہ آب و ہوا ایسی تھی روح پرور
کہ قابل ہی پیدا ہوں خود جس سے جوہر
نہ کچھ ایسے سامان تھے واں میسر
کنول جس سے کھل جائیں دل کے سراسر

نہ سبزہ تھا صحرا میں پیدا نہ پانی
فقط آبِ باراں پہ تھی زندگانی

زمیں سنگلاخ اور ہوا آتش افشاں
لوؤں کی لپٹ بادِ صر صر کے طوفاں
پہاڑ اور ٹیلے، سراب اور بیاباں
کھجوروں کے جھنڈ اور خارِ مغیلاں
نہ کھتّوں میں غلہ نہ جنگل میں کھیتی
عرب اور کل کائنات اس کی یہ تھی

عربوں کے چاروں طرف بت پرستی زوروں پر تھی۔ توحید کا نظریہ دھندلا چکا تھا۔ یہ بت پرستی عرب میں، قربِ الٰہی کا ذریعہ بن کر در آئی تھی۔ انسان ویسے بھی ''خوگرِ پیکرِ محسوس'' ہے۔ وہ تو نبیؑ کی موجودگی میں، محض اس کے وقتی طور پر نظروں سے اوجھل ہو جانے پہ گوسالہ سازی اور گوسالہ پرستی شروع کر دیتا ہے۔ عرب میں بتوں کی تین شکلیں تھیں، انسان کی شکل پر بنے ہوئے لکڑی یا دھات کے بت ''صنم'' کہلاتے تھے، پتھر سے تراشے ہوئے اسی نوعیت کے بتوں کو ''وثن'' اور محض پتھروں کو ''نصب'' کہتے تھے۔ بعض پتھروں میں اگر کوئی چمک دمک ملتی، کوئی طبعی ندرت ہوتی تو اسے بھی خدا رسیدہ اور خدا فرستادہ سمجھ لیا جاتا تھا۔ چنانچہ ''ہبل'' نامی بت انسانی شکل کا تھا اور عقیق سے تراشا ہوتا تھا اور یہ خانہ کعبہ کی چھت پر رکھا گیا تھا۔ اس کی پوجا ہوتی تھی اور لڑائیوں میں اس کے نام کے نعرے لگائے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ خانہ کعبہ میں اور بھی بہت سے بت تھے۔ جیسا کہ قبل ازیں لکھا جا چکا ہے کہ مکہ اس دور میں بھی مرجع خلائق تھا اور اس ارادت اور رجوع کی وجہ خانۂ کعبہ تھا۔ اہلِ عرب ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب میں باہمی پیکار و آویزش ختم کر کے اس گھر کی زیارت کے لیے دور دور سے آیا کرتے تھے اور یہ سفر، ذریعۂ تجارت بھی بنا کرتا تھا اور باعثِ عبادت بھی۔

ولادتِ نبوی ﷺ سے چند ہفتے قبل (۵۷۰ء۔۵۷۱ء میں) ابرہہ حاکمِ یمن خانہ کعبہ کو مٹانے کے درپے ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی معجزانہ انداز میں یوں حفاظت فرمائی کہ دیکھنے والے اس رنگِ اعجاز کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اصحابِ فیل کی تباہی و بربادی نے کعبۃ اللہ کے ساتھ ساتھ مکے کی مذہبی عظمت میں بھی اضافہ کیا، اہلِ مکہ شراب نوش بھی تھے اور عیاش بھی۔ ان کے ہاں نکاح کی صرف ایک اور زنا کی کئی شکلیں مروج تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے تمام نکاح ناجائز قرار دیے اور کم و بیش اسلامی طرزِ نکاح کو باقی رکھا۔ اہلِ مکہ چاہتے تھے کہ وہ اور ان کی بستی حملہ آوروں سے محفوظ رہے۔ گو ان کی ان عیاشیانہ بدمستیوں سے حرمِ کعبہ بھی محفوظ نہ تھا۔ وہ کعبۃ اللہ کے سامنے مے نوشی اور جنسی اختلاط کی محفلیں رچاتے تھے۔ ان کی ان حرکات کو بت اپنی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور اہلِ مکہ ان کی اس دید کو تائید اور تحسین سمجھتے اور ان کی سرپرستی میں اپنی بدمستیوں کو جاری و ساری رکھتے کہ ان کے زیرِ سایہ وہ ہر نوع سے امن میں ہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ کعبہ جائے امن ہے اور مکہ مقامِ امن اور بت ان کی عافیت کے ضامن اور آسائش کے محافظ۔

دینِ ابراہیمی کی حقیقی ہیئت کو عربوں کی بت پرستی نے مسخ کر دیا تھا۔ وہ بتوں کے مجاور تھے اور بت ان کے مشکل کشا، حاجت روا اور سفارشی۔ وہ حج اور طواف بھی بتوں ہی کا کرتے اور سجدہ بھی انھی کے حضور میں گزارتے تھے۔ جانوروں کی قربانیوں کے لیے بھی بتوں کے آستانے تھے۔ اسی لیے قرآنِ پاک نے فیصلہ دیا کہ آستانوں پر ذبح کیے گئے جانور حرام ہیں اور ان جانوروں کا گوشت بھی قابلِ استعمال نہیں۔ جنھیں ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ عرب اپنی آمدن اور پیداوار میں اللہ کا بھی حصہ رکھتے تھے اور بتوں کا بھی، ہوتا یہ تھا کہ اللہ کا حصہ بتوں کی طرف منتقل کر دیتے مگر بتوں کے حصے کے ''تقدس'' کو قائم رکھتے اور کسی طور بھی مجروح نہ ہونے دیتے، قرآن پاک نے اہلِ مکہ کے اس طرزِ عمل کو انتہائی برا قرار دیا۔ چوپایوں کے سلسلے میں بھی عجیب وغریب نوعیت کی نذریں مانتے تھے اور تیروں کے ذریعے فالیں نکالتے تھے، جوئے بازی کی مختلف شکلیں رائج تھیں اور کاہنوں اور نجومیوں کی باتوں پر اعتقاد قائم تھا۔ مناسکِ حج بھی گونا گوں بدعتوں کی زد میں تھے۔ یہاں تک کہ عریاں حالت میں طواف کیا جاتا تھا۔ ''مشرکین جن کا دعویٰ تھا کہ ہم دینِ ابراہیمی پر ہیں، شریعتِ ابراہیمی کے اوامر ونواہی سے کوسوں دور تھے۔ اس شریعت نے جن مکارمِ اخلاق کی تعلیم دی تھی، ان سے ان مشرکین کو کوئی واسطہ نہ تھا۔ ان میں گناہوں کی بھرمار تھی اور طولِ زمانہ کے سبب ان میں بت پرستوں کی وہی عادات ورسوم پیدا ہو چلی تھیں جنھیں خرافات کا درجہ حاصل ہے۔ ان عادات ورسوم نے ان کی اجتماعی، سیاسی اور دینی زندگی پر نہایت گہرے اثرات ڈالے تھے۔'' (الرحیق المختوم) گویا:

تمام عالمِ امکاں پہ شب کا پہرہ تھا
طلوعِ صبح سے محروم تھی نگاہِ بشر
نہ کوئی راہ نما اور نہ کوئی منزل تھی
کہ مدتوں سے بجھا تھا چراغِ رہ گزر
ہر ایک شخص تھا ظلماتِ شب کا زندانی
کسی بھی ذہن میں باقی نہ تھا یقینِ سحر
خیال و فکر تھا صدیوں سے زنگ آلودہ
فسردہ دل تھے، نہ باقی تھا زندگی کا شرر
دلوں پہ قفل لگے تھے، نگاہ ویراں تھی
نہ تھی کسی کو بھی اپنی تباہیوں کی خبر

(حافظ لدھیانوی)

جوا، بادہ کشی، غارت گری، ظلم اور بے رحمی
ہر ایسی معصیت اک دل لگی تھی آپ ﷺ سے پہلے
حقیقی بیٹیوں کو باپ زندہ گاڑ دیتے تھے
یہ غیرت بھی عجب بے ہودگی تھی آپ ﷺ سے پہلے

اب اور اس سے زیادہ شرم کی کیا بات ہو بزمؔی
بشر کی زندگی شرمندگی تھی آپ ﷺ سے پہلے

☆

افق تا بہ افق بے کراں اندھیرے تھے
حضورِ پاک ﷺ سے پہلے یہ کب سویرے تھے
جدھر بھی دیکھو وہی جرم کی نمائش تھی
جدھر نگاہ کرو، مجرموں کے ڈیرے تھے

(خالد بزمی)

وحشیوں کا راج تھا شہر خلیلؑ اللہ پر
کوئی بھی حسنِ عمل ان ساربانوں میں نہ تھا
عقل و دانش، علم و حکمت پر تھی چھائی تیرگی
کوئی در، کوئی دریچہ ان مکانوں میں نہ تھا

(سلیم اختر فارانی)

زندگی الجھی ہوئی تھی کفر کے زنار میں
بت پرستی ہو رہی تھی خانۂ غفار میں
کبر و نخوت، قتل و غارت، بغض و کینہ، انتقام
الغرض انسان تھا انسانیت پر اتہام

(خورشید آرا بیگم)

خرد کی زلف پریشاں تھی کہ آپ ﷺ سے پہلے
حیات سر بہ گریباں تھی آپ ﷺ سے پہلے

(لیث قریشی)

بے رنگ تھے حالات اگر آپ ﷺ نہ آتے
بنتی نہ کبھی بات، اگر آپ ﷺ نہ آتے
گم راہ بشر تک نہ پہنچتیں، مرے آقا ﷺ
فطرت کی ہدایات، اگر آپ ﷺ نہ آتے
انسان کو معلوم نہ ہوتی مرے مولا
انسان کی اوقات، اگر آپ ﷺ نہ آتے
اٹھتے نہ سدا پردۂ اسرار کے پردے

یوں بہر ملاقات، اگر آپ ﷺ نہ آتے
بنتی نہ کبھی تیرہ زمانے کا مقدر
انوار کی برسات، اگر آپ ﷺ نہ آتے
مٹ جاتیں زمانے سے کسی نقش کی صورت
تابندہ روایات، اگر آپ ﷺ نہ آتے
اے ابرِ کرم، بحرِ عطا، کون سمجھتا
مفہوم عنایات، اگر آپ ﷺ نہ آتے

(طفیل ہوشیار پوری)

فضا زمانے کی تھی مکدر، ظہورِ خیرالبشر ﷺ سے پہلے
جہاں میں تھا مستقل اندھیرا، نمودِ نورِ سحر سے پہلے

(عبرت صدیقی)

سب سے ابتر تھی عرب کی سر زمیں کی کیفیت
ہو چکا تھا محو سب کے دل سے خوفِ عاقبت
ہو چکا تھا محو ابراہیمؑ کا دینِ حنیف
ربِ دو عالم کے بن بیٹھے تھے کچھ انساں حریف
کر گئی تھی خیرہ آنکھوں کو عجم کی آزری
چار سو تھی بت پرستی، بت فروشی، بت گری
ہو چکے تھے مسخ موسیٰؑ کی شریعت کے اصول
کھو چکے تھے لوگ ایمان و صداقت کے اصول
ہو گیا تھا از سرِ نو زندہ سحر سامری
ہر دماغ و دل پہ حاوی تھا جنونِ زرگری
تھا کہیں تثلیث کا چرچا، کہانت کا کہیں
نام تک باقی نہ تھا صدق و امانت کا کہیں
رشتۂ ملت سے کٹ کر رہ گئی تھی زندگی
کتنے ہی خانوں میں بٹ کر رہ گئی تھی زندگی

(یزدانی جالندھری)

تہی دستوں کو ٹھکرا کر رعونت مسکراتی تھی
شرارت نشے میں تھی خود ستائی گل کھلاتی تھی

عوام الناس میں دختر کشی کی رسم جاری تھی
جفا کا دور دورہ تھا ستم کی شہریاری تھی
بہادر پتھروں کے سامنے سر کو جھکاتے تھے
گرج سے کانپتے تھے، بجلیوں سے خوف کھاتے تھے
حرم میں ہو رہی تھی بت پرستی بے حجابانہ
بنا رکھا تھا بیت اللہ کو یکسر صنم خانہ
ہبل کا کوئی بندہ تھا، صفا کا کوئی شیدائی
حضوری میں کوئی عزیٰ کی کرتا تھا جبیں سائی
درندوں کی طرح بپھرے ہوئے چلتے تھے راہوں میں
لہو میں بجلیوں کی چشمکیں، شعلے نگاہوں میں

کنیزانِ حرم کو زینتِ آغوش کہتے تھے
نشے کی رو میں لغزش کو کمالِ ہوش کہتے تھے
سمجھتے تھے مہذب خود ستاؤں، خود پسندوں کو
غرض یہ ہے خدا کی راہ ملتی تھی نہ بندوں کو

(احسان دانش)

کوئی دور وہ تھا عرب اور عجم کا
کہ شیرازہ بکھرا ہوا تھا امم کا
سراسر جہاں گو کہ ظلمت سرا تھا
مگر حال بدتر تھا ارضِ حرم کا
وہاں رنگ یہ تھا کہ ہر ہر قبیلہ
پرستار تھا اپنے اپنے صنم کا
گزرتی تھیں یوں قتل و غارت میں صدیاں
کہ امکاں نہ تھا صلح کے ایک دم کا

(راجا محمد عبداللہ نیاز)

لسانی رنگینی، طبعی موزونیت، لفظی دروبست اور شعری مناسبت عربوں کو فطری طور پر ودیعت ہوئی تھی۔ نثر خال خال اور شعر روزمرہ تھا، وہ اپنی شاہکار نظموں کو کعبے میں لٹکاتے تھے، میلوں ٹھیلوں میں فخریہ اشعار پڑھے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ بدکاروں کی داستانوں کو شعری پیکروں میں ڈھال کر داد و تحسین طلب کی جاتی تھی۔ عشق کی بدمستیاں ان کی شاعرانہ عظمتوں کا نشانِ امتیاز تھیں۔ اپنے آباؤ اجداد کی بہادری، سخاوت اور برتری کی داستانوں کے ساتھ ساتھ اپنے گھوڑوں،

اونٹوں اور اپنی محبوباؤں کا ذکر بھی ان کی شاعری کے کمال کا جمال تھا۔ باپ کی بیوی، بیٹے کو باپ کی وفات کے بعد وراثت کے طور پر ملتی تھی۔ بیویوں کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔ حقیقی بہنوں تک سے ایک ساتھ شادی تھی۔ عرب کا معروف شاعر امراء القیس اپنے ایک قصیدے میں اپنی پھوپھی زاد بہن سے بدکاری کی داستان جمالیاتی دل پذیریوں کے ساتھ بیان کرتا ہے اور یہ قصیدہ کعبے میں آویزاں کیا جاتا ہے۔ حروف کی حرمت ختم ہو چکی تھی۔ الفاظ کا وقار، اشعار کا افتخار اور افکار کا اعتبار بری طرح کچلا جا چکا تھا۔ فکری، ادبی، اخلاقی اور روحانی پژمردگی کا عالم کچھ یوں تھا:

حق بات پہ کٹتی تھی زباں آپ ﷺ سے پہلے
متروک تھا اخلاصِ بیاں آپ ﷺ سے پہلے
خورشید کی حدت تو کجا، شامِ الم سے
مہتاب بھی تھا شعلہ بجاں آپ ﷺ سے پہلے
بے کیف بہاروں کا تصور ہی عجب تھا
ہر پھول تھا مجبورِ خزاں آپ ﷺ سے پہلے
سینوں میں نہ دھڑکن تھی، نہ سانسوں میں حرارت
محروم تھا احساسِ زیاں آپ ﷺ سے پہلے

☆

فضائے دہر مکدر تھی آپ ﷺ سے پہلے
حیات، موت سے بدتر تھی آپ ﷺ سے پہلے
بنامِ عجز و عبادت ہر اک بشر کی انا
ہلاکِ تیشۂ آزر تھی آپ ﷺ سے پہلے
برہنہ سر تھیں قبائل کی عزتیں راسخ
دریدہ حسن کی چادر تھی آپ ﷺ سے پہلے

(راسخ عرفانی)

وہ دن بھی تھے کہ سرابوں کا نام ساحل تھا
نہ کائنات کی آنکھیں نہ وقت کا دل تھا
بدی کا غلغلہ تھا، ظلم پر جوانی تھی
درندگی و جہالت کی حکمرانی تھی
گمان و وہم کا نام اعتبار رکھا تھا
خدا کو مورتیوں میں اتار رکھا تھا

کوئی نظارہ دل کش نہ تھا نظر کے لیے
ترس رہا تھا جہاں افضل البشر ﷺ کے لیے

(مظفروارثی)

فسق و فجور ہر طرف، جام بدست ہر کوئی
جس کی طرف بھی دیکھیے محوِ خیالِ دلبراں
ناچ رہی تھی ہر طرف بہیمیت، درندگی
گونج رہا تھا ہر طرف شورِ صدائے الاماں
ہوتی تھی روز تار تار چادرِ عصمت و حیا
دامنِ شرف و نام کی بکھری ہوئی تھیں دھجیاں

بیوہ کوئی فگندہ سر، آہ بہ لب کوئی یتیم
کوئی غریب نالہ کش، کوئی ضعیف سرگراں

(زکی کیفی)

بے صدا و بے نوا و بے فغان و بے ستیز
بے کسوں کے سر تھے ہر پائے ستم پر سجدہ ریز
خار و خس کو کھا رہی تھی اک ہوائے شعلہ ریز
ظالموں کو مستقل مظلوم دیتے تھے خراج
درد سارے لا دوا تھے، زخم سارے لاعلاج
اور یہ ساری زمیں خاموش تھی بے احتجاج
روشنی محدود تھی بس وسعتِ افلاک میں
آپ ﷺ سے پہلے اندھیرا تھا فضائے خاک میں
وحشتوں کا رقص تھا، ہر سینۂ سفاک میں
ظلمتوں کو روشنی سے تولتا کوئی نہ تھا
شب اثر وحشت میں آنکھیں کھولتا کوئی نہ تھا
گنگ تھیں ساری زبانیں بولتا کوئی نہ تھا

(صہبااختر)

مختصر یہ کہ

☆ جملہ مذاہب عالم کی حقیقی تعلیمات مسخ ہوچکی تھی اور روایات ورسومات نے مذہب کا درجہ لے لیا تھا۔

☆ نظریۂ توحید، آتش پرستی اور بت پرستی کے نرغے میں اپنی حیثیت اور واقعیت کھو چکا تھا۔

☆ آسمانی ہدایات دھندلا چکی تھیں۔علم ونظر کی دنیا دور دور تک ویران اور جہالت کے سائے انتہائی گہرے ہو چکے تھے۔

☆ مذہبی فرقے، قتل و غارت کے شیدا اور کفر سازی کے شائق تھے۔ قبائلی جنگ و جدل کے سلسلے سال ہا سال رواں دواں رہتے تھے۔خون ریزی کے مناظر، وقتی تفریح مہیا کرتے اور بسمل کی تڑپ جشنِ رقص کا کیف عطا کرتی تھی۔

☆ بت تراشی اور مجسمہ سازی مستقل فن کی حیثیت اختیار کر چکی تھی اور یہ فن ہر لحظہ نت نئی شکلوں سے جلوہ گر ہوتا رہتا تھا۔کہیں پتھر مسجود تھے کہیں شجر معبود۔

☆ چھٹی صدی عیسوی میں ہندوؤں کے بتوں کی تعداد تیس ملین تک پہنچ چکی تھی اور حضرت ابراہیمؑ کے مبارک ہاتھوں سے استوار ہونے والا، خدا کا پہلا گھر ۳۶۰ بتوں میں گھرا ہوا تھا۔

☆ لوگ اعمال کی جواب دہی سے بے نیاز تھے بلکہ ان باتوں کو بے بنیاد سمجھتے تھے۔ آخرت کے تصور کے دھندلا جانے کی وجہ سے ہر اخلاقی شائستگی ختم ہو چکی تھی۔

☆ آگ ، سورج، جن ، فرشتے اور ستارے معبود بن چکے تھے۔ راہبیت اپنی جملہ خرابیوں اور تمام تر غلاظتوں کے ساتھ اپنی انتہا کو چھو رہی تھی۔

☆ عبادت گاہیں، عیاشیوں کے اڈے بن چکی تھیں۔ عورت، عشرت، دولت، غفلت اور زندگی، درندگی کا روپ دھار چکی تھی۔عصمت آوارہ قہقہوں کے نرغے میں، انسانیت ظلم واستبداد کے پنجے میں اور شرافت، خباثت کے احاطے میں دم توڑ رہی تھی۔

☆ معاشرہ، اعتدال کے حسن، توازن کے جمال اور سکون کی سعادت سے کلیتًا تہی تھا۔ قومی فکر، سیاسی شعور اور علمی رسوخ بے حیثیت تھا۔

☆ کہیں عورت کو خاوند کے ساتھ جلا دیا جاتا تھا اور کہیں معصوم مسکراہٹوں کو زندگی کے لبوں سے چھیننے کے لیے انھیں زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔

☆ بادشاہ خدائی صفات کے حامل اور قابلِ پرستش سمجھے جاتے تھے اور انسانی جبینیں حقیقی سجدوں کی تابشوں سے محروم تھیں۔

اس تمام تفصیل کو قرآن پاک اپنی ایک آیت میں سمیٹ دیتا ہے کہ:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ (۳۰/۴۱)

(اس وقت انسانی سیہ کاریوں سے حالت یہ ہو چکی تھی کہ خشکی وتری میں ہر جگہ فساد ہی فساد نظر آتا تھا کوئی شے اپنے صحیح مقام پر نہیں رہی تھی اور قرآن ہی نے یہ حقیقت بھی واضح فرمائی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے تو تخریب تہذیب میں، خزاں بہار میں، کلفت راحت میں، ظلمت نور میں اور پژمردگی شگفتگی میں بدل جایا کرتی ہے۔وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ ۾ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ (۴۲/۲۸) اور یہ اللہ ہی کی ذات ہے جو ایسی ناامیدیوں کے بعد اپنے سحابِ کرم کو بھیجتی اور اس طرح اپنی بساطِ رحمت کو صفحۂ ارضی پر بچھا دیتی ہے۔

الغرض

ہر طرف تھیں جہالت کی تاریکیاں
چار سو تھی فلاکت کی منحوس شب
تین سو ساٹھ بت خانۂ حق میں تھے
بت پرستی میں اتنے بڑھے تھے عرب
عام تھا ان میں آزارِ دختر کشی
ہر کوئی تھا پرستار بنت عنب

(حفیظ تائب)

توحید سے عرب کوئی آشنا نہ تھا
حضرت سے پہلے کوئی یہاں باخدا نہ تھا
مقصودِ زندگی کا تعین ہوا نہ تھا
فکر و عمل کسی کا حقیقت نما نہ تھا

☆

اوہام کا طلسم تھا مذہب ہنود کا
لاکھوں تھے بت کدے تو کروڑوں تھے دیوتا

☆

ایرانیوں کا مرکز فکر رسا تھی آگ
ان کی نظر میں مظہر نورِ خدا تھی آگ

☆

یورپ میں بربریت، و وحشت کا دور تھا
ظلم و ستم کا راج تھا، ظلمت کا دور تھا
یوں ظلمتیں نہ چھائی تھیں آفاق پر کبھی
ڈستی تھی سانپ بن کے نہ یوں رہ گزر کبھی
آوارہ یوں ہوئی تھی نہ پہلے نظر کبھی
ہوتا تھا یہ گماں کہ نہ ہوگی سحر کبھی

(محشر رسول نگری)

زندگی ایک رات، تیرہ و تار
نہ کوئی رہنما، نہ راہ گزار

چار سو اک مہیب تاریکی
ہر طرف مطلعِ جہاں پہ غبار
انتظارِ سحر میں نوعِ بشر
شمعِ ساں اشکبار و زار و نزار

(حفیظ ہوشیار پوری)

جب تک جمالِ شاہ امم جلوہ گر نہ تھا
عالم تمام مطلعِ شمس و قمر نہ تھا
گھر تھا منات و لات کا، اللہ کا گھر نہ تھا
جب کعبہ جلوہ گاہِ شہِ ﷺ بحر و بر نہ تھا

(حافظ مظہرالدین)

اصنام کا سکہ تھا رواں آپ ﷺ سے پہلے
تھی ذاتِ خدا وہم و گماں آپ ﷺ سے پہلے
ہر چند ضیا بار تھے مہر و مہ و انجم
ظلمت تھی کراں تابہ کراں آپ ﷺ سے پہلے
انسان سے بیزار تھا اس دور کا انسان
انسان پہ جینا تھا گراں آپ ﷺ سے پہلے
کر دیتے تھے زندہ ہی اسے دفن زمیں میں
بیٹی تھی ندامت کا نشاں آپ ﷺ سے پہلے
ہر سانس میں تحریص کا روشن تھا الاؤ
ماحول تھا یوں شعلہ فشاں آپ ﷺ سے پہلے

(طفیل ہوشیار پوری)

دنیا پہ چھا رہی تھیں ہر سو سیہ گھٹائیں
تاریکیوں میں انساں رستہ بھلا چکا تھا
توحیدِ حق سے خلقت بیگانہ ہو رہی تھی
سرمایہ کارواں سب اپنا لٹا چکا تھا
دختر کشی وہاں تھی، رسم ستی یہاں تھی
اک معصیت کی بستی انساں بسا چکا تھا
بھولا ہوا تھا انساں، اچھے برے کی پہچاں
انسانیت کا اپنی جوہر مٹا چکا تھا

شرم و حیا کا پردہ چہروں سے اٹھ گیا تھا
شیطان گویا غالب، انساں پہ آچکا تھا

(قاضی عبدالرحمٰن)

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے حضور ﷺ کی بعثت مکہ ہی میں کیوں ہوئی، اصل وجہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ یہ جگہ اس اعزاز و شرف کے لیے کیوں منتخب کی گئی؟ کیوں کہ سورۂ انعام میں یہ واضح اعلان ہے کہ ''اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ'' (اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس کا پیغام کہاں اور کس کے حوالے کیا جائے گا) بظاہر عربوں کے اندر کچھ قابلِ قدر فطری خصوصیات مرورِ زمانہ اور پستیٔ حالات کے باوصف ایسی تھیں جن کا رخ بدلا اور پلٹا جا سکتا تھا، مثلاً سخاوت، مہمان نوازی، وفائے عہد، خودداری و عزتِ نفس، عزم بالجزم، بردباری اور امانت و دیانت، جب کہ فصاحت و بلاغت اور شعر و سخن کی خوبیاں تعلیا نہ خودنمائی کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ دوسرے جغرافیائی اعتبار سے مکہ روئے زمین کے مرکز میں واقع ہے۔

یہی ''ام القریٰ'' ہے۔ جملہ بستیوں کی ماں، ماں وہ ہے جس کے بغیر اولاد کا کوئی سا تصور بھی نہیں ہے اور اولاد ماں ہی کے گرد منڈلایا کرتی ہے۔ حق یہ ہے کہ مکہ کے بغیر دیگر جملہ بستیوں کا وجود موہوم اور بے معنی ہے۔ چونکہ اولاد کی دنیاوی اور دینی تربیت ماں ہی کی آغوشِ شفقت میں ہوا کرتی ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ کائنات کی دنیاوی ہدایت، اُخروی سعادت، روحانی رفعت، نظری عصمت اور قلبی عفت کے سوتے مکہ ہی سے پھوٹیں، رحمت کی گھٹائیں یہیں سے اٹھیں اور دنیا کے گوشے گوشے کو پر بہار اور پر انوار کر جائیں۔ اسی لیے یہیں حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کے اولین گھر کی بنیاد رکھی تھی۔ یہیں بحکمِ الٰہی انھوں نے دنیا بھر کو اس گھر کے حج کی دعوت دی تھی اور ان کے اس صدائے دعوت کو خود اللہ تعالیٰ نے چار دانگِ عالم میں پھیلایا اور پہنچایا تھا یہ ندائے غائبانہ باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے پیٹوں تک بھی پہنچی، سنی گئی اور نسلِ انسانی تعمیل کی پابند قرار پائی اور یہیں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے ایک ایسے پیغمبر ﷺ کی بعثت کی دعا کی تھی جو مکے والوں ہی سے ہو جو اللہ تعالیٰ کی آیتیں سنائے، کتاب پڑھائے، دانائی سکھائے اور دلوں کو تزکیہ بخشے۔ ان دو جلیل القدر پیغمبروں کی ان دعاؤں کے نتیجے کے طور پر مکہ ہی کے مقدر میں تھا کہ وہ دعوتِ اسلامی کا مرکز بنے اور وہیں سے توحید و رسالت کی کرنیں دنیا بھر میں پھیلیں اور یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قبل ازیں جزیرۃ العرب ہی بیشتر الوہی ہدایتوں کا مرکز رہا ہے گویا حالات اس نہج تک آ گئے تھے کہ وہ عظیم و جلیل شخصیت ﷺ ظہور میں آتی جس کی پر نور یادوں سے قدیم صحائف منور ہیں اور ہر مذہب نے جسے ہادیٔ منتظر کے طور پر پیش کیا ہے جو فی الواقع آیۂ کائنات کا معنیٔ دیریاب ہے اور جس کا انتظار، تاریخِ مذاہب کا ایک دل آویز باب ہے۔

گویا حالات ہر اعتبار سے پختہ تر ہو چکے تھے۔ رواں دواں ساعتیں اور داغ داغ فضائیں شدت سے کسی کی راہ تک رہی تھیں اور قیامت تک کے لیے ایک آخری نظام، آخری ہدایت اور آخری تغیر کے برپا ہو جانے کا وقت آ گیا تھا۔ سچ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری، تاریخِ عالم کا ایک انقلاب آفرین اور شاداب ترین واقعہ ہے، اخلاق و کردار کی ناہمواریوں نے کسی آنے والے کا راستہ ہموار کر دیا تھا اور حالات و کیفیات کی ناسازگاریوں نے کسی عظیم الشان انسان کی تشریف آوری کے لیے فضا کو سازگار بنا دیا تھا کہ:

اندھیروں کے مقابل آفتاب آیا ہی کرتا ہے
بشر بے چین ہو تو انقلاب آیا ہی کرتا ہے
پرانے ساغروں میں جب کھنک باقی نہیں رہتی
تو گردش میں نیا جامِ شراب آیا ہی کرتا ہے
یہ آثارِ بہاراں ہیں نہ گھبراؤ چمن والو!
گلوں کے داغ دھونے کو سحاب آیا ہی کرتا ہے
جہاں اہلِ چمن مدت سے بیٹھے ہوں تہی دامن
وہاں تک سایۂ برگِ گلاب آیا ہی کرتا ہے
نئے جب ولولے بیدار ہو جاتے ہیں سینوں میں
پرانی آرزوؤں پر شباب آیا ہی کرتا ہے
بنا لیتے ہیں جس کو منتہائے شوق دیوانے
وہ نظارہ نظر کے ہم رکاب آیا ہی کرتا ہے

اورنظر کے ہم رکاب آنے والے اس نظارے کے انتظار کو اردو نعت کے آئینے میں ایک نظر دیکھیے :

انبیا کو تھی امامِ انبیا کی آرزو
کارواں کو اک امیرِ کارواں درکار تھا
عشق کو مطلوب تھا ایک پیکرِ حسن و جمال
عشق کو قلب و نظر کا امتحاں درکار تھا

(حافظ مظہرالدین)

ایک تباہی کا مرقع تھا جہانِ بے سکوں
روحِ اخلاق و شرافت شرم سے تھی سرنگوں
بربریت کی لکھی تھی ہر قدم پر داستاں
دامنِ صحرا میں پھیلی تھی لہو کی سرخیاں
شامِ استبداد کی تھی زلف لہرائی ہوئی
ہر طرف جبر غلامی کی گھٹا چھائی ہوئی
الغرض تھی ہر قدم پر گمرہی سی گمرہی
سر میں انساں کے سمایا تھا جنونِ خود سری
ذہن و فکرِ آدمیت میں تھا برپا انتشار
تھا زمانے کو پیامِ آخری کا انتظار

(یزدانی جالندھری)

صحرائے روح کو تھی ابر کی تلاش
سایہ زمیں پہ ڈھونڈ رہے تھے ابھی شجر
جذبوں کا کوئی رخ نہ تخیل کی کوئی سمت
پردہ کھنچا نہ تھا ابھی مابینِ خیر و شر
موسم زمیں گرفتہ تھے اشجار کی طرح
انسان برگِ خشک کے مانند، دربدر
تھا ساری کائنات کو بس ان ﷺ کا انتظار
جن کے لیے پلٹتی رہی سوئے شب سحر

(جمشید چشتی)

نقطۂ آغاز بھی اور ارتقا بھی تھا وہی
انتہا بن کر جو آیا ابتدا بھی تھا وہی
وہ نبی جب بھی تھا جب کوئی نبی آیا نہ تھا
اس کے سائے تھے بہت سے جس کا خود سایہ نہ تھا
پیشوائی کو ہزاروں انبیا بھیجے گئے
اس کی خاطر روشنی کے دائرے کھینچے گئے
اس لیے آخر میں آیا وہ حبیبِ کردگار
تاکہ دنیا سیکھ جائے احترامِ انتظار

(صہبا اختر)

تھیں ظلمتیں ہی ظلمتیں ادھر ادھر یہاں وہاں
محیط ابرِ کفر تھا چمک رہی تھیں بجلیاں
لٹک رہی تھی زندگی مثالِ گردِ ناتواں
نہ ہم سفر، نہ رہ گزر، نہ راہبر، نہ کارواں
کلی کلی فگندہ سر، گلوں کے لب پہ ہچکیاں
چمن چمن تھی تیرگی، روش روش دھواں دھواں
بادِ سموم کھیلتی پھرتی تھی برگ و بار سے
فصلِ خزاں کا راج تھا گم تھے بہار کے نشاں
خلقِ تباہ حال پر رحمتِ حق نے کی نظر
بھیجا رسولِ پاک ﷺ کو آئے امامِ انس و جاں

(زکی کیفی)

وہ جو شبنم کی پوشاک پہنے ہوئے
زرد پتوں کے جسموں میں لہرا گئے
جن کے نقشِ کفِ پا کی رعنائیاں
نسلِ آدم کو خاکِ شفا بن گئیں
عرشِ اعظم کی دہلیز کے اس طرف
نام جن کا ازل ہی میں لکھا گیا
جو کتابِ جہاں کے سیاہ حاشیے پر
اجالوں کی رحمت رقم کر گئے
جن سے پہلے تھی ظلمت میں لپٹی ہوئی
غم زدہ زندگی
فکر، جامد، تمدن کے آثار مفقود تھے
نخلِ تہذیب پر ایک وحشی خزاں کا اثر
قلبِ انسانیت
سسکیوں، آنسوؤں اور زخموں کا بے نور گھر
ایسے عالم میں رب تعالیٰ کو پھر
اپنی مخلوق پر رحم آ ہی گیا
تاجِ رحمت کو سر پر سجائے ہوئے
پرچمِ عدل و احساں اٹھائے ہوئے
وہ جو آئے تو عہدِ بہار آ گیا
عشق کو جن کے دل کی شریعت کہیں
ذکر کو جن کے جاں کی عبادت کہیں
وہ حبیبِ خدا
احمدِ مجتبیٰ
ان پہ قرباں ہمارے تمہارے وجود
ان پہ پیہم سلام
ان پر دائم درود

(صبیح رحمانی)

مورخین کے نزدیک ولادتِ باسعادت کے بارے میں، دن، ماہ اور سال کے ضمن میں اختلاف ہے۔ بعض ربیع

الاول کی ۹ اور بعض ۱۲ تاریخ لکھتے ہیں۔ مہینے کے بارے میں بعض نے محرم، صفر، رجب اور رمضان بھی لکھا ہے۔ سال کے بارے میں عام الفیل کا ذکر جا بجا نظر آتا ہے۔ بہر کیف اکثریت کی تحقیق یہی ہے کہ دن دوشنبہ (پیر) مہینہ ربیع الاول اور سال عام الفیل ہے۔ سال کے بارے میں حضور ﷺ کی ایک حدیث اسی خیال کی موید ہے اور پیر کے دن اسی بنا پر روزہ رکھنے کا عمل (حضور ﷺ) بھی روایات میں موجود ہے اور حضرت عباسؓ کی یہ روایت بھی کہ تمہارے نبی دوشنبہ کو پیدا ہوئے۔ دوشنبہ ہی ان کو بعثت ہوئی اور اسی دن ہجرت کی اور اسی دن مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔'' (احمد بن حنبل، بیہقی)

اردو میں عزیزہ شہناز کوثر نے رسالہ ''نعت'' لاہور کے تین شماروں (اپریل، مئی، جون ۱۹۹۲ء) میں پیر کے دن کی اہمیت پر بالتفصیل روشنی ڈالی ہے:

راجا رشید محمود کہتے ہیں:

دن ایک سے خدا نے بنائے سبھی مگر
اک ''روز'' محترم نہ کیوں سارے دنوں سے ہو
یہ دن خدا کا ہم پہ ہے احساں بہت بڑا
تشریف لائے دنیا میں سرکار ﷺ پیر کو

ہلال جعفری، پیر کے دن ہی کو اپنے درج ذیل اشعار کی ردیف بنائے ہوئے ہیں:

حسنِ اکرام کا خلاق بنا پیر کا دن
دونوں عالم کے مقدر کی ضیا پیر کا دن
مرحبا، صل علیٰ، صل علیٰ پیر کا دن
باعثِ عظمتِ کونین بنا پیر کا دن
اپنے دامن میں لیے نورِ خدا کے جلوے
بزمِ عالم میں ہوا جلوہ نما پیر کا دن
وجد میں محفلِ کونین کا ہر ذرہ ہے
ساز فطرت کا ہے تاروں کی صدا پیر کا دن
ہر کلی فرطِ مسرت سے چٹک کر بولی
دوش پر لایا ہے رحمت کی گھٹا پیر کا دن
نارِ نمرود کو گلزار بنانے والا
کشتیِ نوح کی تقدیر بنا پیر کا دن
یدِ بیضا کی قسم ہے، یدِ بیضا کی قسم
جلوۂ طور کی ہے ایک ادا پیر کا دن

مدنی چاند، تری گردِ سفر کے صدقے
سر بسر بقعۂ انوار بنا پیر کا دن
کس نے اپنے رخِ روشن سے ہٹائے گیسو
آج کی رات کو تفویض ہوا پیر کا دن
کس کی بعثت سے یہ کس نور کی آمد ہے ہلالؔ
آج گہوارۂ انوار بنا پیر کا دن

تاریخی اور جغرافیائی اعتبار سے یہ سال بھی اہم ہے۔ خصوصیت کے لحاظ سے یہ مہینہ بھی وقیع اور عظمتوں کے نقطۂ نظر سے یہ دن بھی رفیع۔ یہی وہ سال ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت معجزانہ انداز سے یوں کی کہ عقل انگشت بدنداں اور فکر سر بگریباں ہو کر رہ گیا۔ باطل کے ناپاک عزائم کی دھجیاں فضائے عالم میں بکھر گئیں اور اس عظیم و جلیل آستاں کی طرف نگاہِ بد سے تکنے کی جسارت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مٹی میں مل گئی۔ ننھے ننھے پرندوں کے ذریعے ہاتھیوں اور ان کے سواروں کا کھائے ہوئے چارے کی طرح چورا چورا ہو جانا، قرآن پاک کے اوراق میں محفوظ ہو کر ایک تاریخی صداقت بن گیا۔ مولانا محمد حنیف ندوی کے الفاظ میں:

> جہاں تک اصول و شعائر کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت بہ ذاتِ خود فرماتے ہیں اور مسلمانوں کو جو مکلّف بنایا ہے تو محض ان کی قوتِ ایمانی کی آزمائش کے لیے، ورنہ بغیر اللہ تعالیٰ کی اعانت اور فضل کے حقیر ترین دشمن پر بھی قابو پالینا دشوار ہے۔ اس کا قانون یہ ہے کہ جب تک اس کے ماننے والوں میں غیرت و حمیت کا جذبہ باقی رہتا ہے وہ ان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کے دین کی حفاظت کریں اور حفاظت کے ضمن میں خون کا آخری قطرہ بھی بہا دینے سے دریغ نہ کریں اور جب یہ جذبہ مفقود ہو جائے اور جب ایسی ہمت اور شجاعت والی جماعت باقی نہ رہے جو جان نچھاور کر کے ملت اور اس کے شعائر کی حفاظت کر سکے۔ اس وقت وہ براہِ راست اپنی قدرت اور حکمت کو بروئے کار لاتا ہے اور دین کو اعدائے دین کے چنگل سے چھڑا لیتا ہے۔

جہاں تک ربیع الاوّل کا تعلق ہے، لغوی اعتبار سے ربیع کہتے ہی موسمِ بہار کو ہیں۔ یہ مہینہ انسانوں کے لیے ماحولیاتی اعتدال، موسمی رعنائی، جسمانی آسودگی اور نباتاتی بالیدگی کا پیغام لے کر آتا ہے۔ مذہبی اعتبار سے بعض مہینے ولادت باسعادت سے قبل بھی متبرک اور افضل تھے مگر ربیع الاول میں ظہورِ قدسی نے خود اسی مہینے کو ماحولیاتی شگفتگی کے ساتھ ساتھ روحانی تفضّل کی وہ عظمت عطا کی کہ سال بھر کے باقی مہینے رشک سے تکتے رہ گئے:

اہلِ دل جانتے ہیں شانِ ربیع الاوّل
آنکھ والوں کو ہے عرفانِ ربیع الاوّل
ہر مہینے پر فضلیت ہے مدارج میں اسے
ہر مہینہ ہے ثنا خوانِ ربیع الاوّل

اس کی جو بارھویں تاریخ ہے، تاریخی ہے
یہی دن ہے بہ خدا جانِ ربیع الاوّل
ماہِ طیبہ ہی نے اس ماہ کو چمکایا ہے
نورِ حق، نورِ شبستانِ ربیع الاوّل

(عزیز حاصل پوری)

حیاتِ طیبہ میں بھی یہ مہینہ بہت سے اہم تاریخی واقعات کا مظہر ہے۔اسی طرح پیر کا دن بھی اپنے اندر اس قدر فضائل لیے ہوئے ہے کہ جن کی تفصیل کے لیے دفتر مطلوب ہیں اور حقیقی فضلیت تو اس دن کو ظہورِ قدسی ہی سے نصیب ہوئی ہے، سالوں، مہینوں اور دنوں میں ــــــ یہ مرتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا۔

یہ حاملانِ عرش کا غوغا عجیب ہے
اے خاک تیرا عرش سے بالا نصیب ہے
آتا ہے آج وہ جو خدا کا حبیب ﷺ ہے
جھک جائے تجھ پہ عرش وہ موقع قریب ہے
بالا جو لا مکاں سے ترا افتخار ہے
یہ آمدِ رسول ﷺ خدا کی بہار ہے

(ممتاز جہاں گنگوہی)

قبلِ ولادت پاک اور بوقتِ ولادتِ پاک، حضرت آمنہ سے بہت سی محیرالعقول روایات منقول ہیں اور تاریخ نے بہت سے ایسے واقعات بھی محفوظ رکھے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ اس دن رنگ و نسل کے بہت سے بت بھی زمیں بوس ہوئے، کبر و نخوت کے بہت سے کنگرے بھی مٹی ملے اور کفر و شرک کے بھڑکتے ہوئے شعلے بھی سیاہ پوش ہو کر رہ گئے۔ الغرض دوشنبہ کا دن اپنے اندر سعادتوں اور حیرتوں کا ایک عجیب امتزاج لیے ہوئے ہے جب کہ اس الوہی صداقت کے ظہور کی ساعت کے لیے صبح صادق کو چنا گیا، یوں:

وہ صبحِ نور آ پہنچی، سیاہی چھٹ گئی یکسر
سحر نے نور پھیلایا در و بامِ تمنا پر
زمانہ منتظر تھا جس کا صبحِ عید آ پہنچی
اندھیرا چھا رہا تھا تابشِ خورشید آ پہنچی
کبھی ایسی سحر دیکھی نہ تھی افلاک نے اب تک
نہ پایا تھا سکوں اس دیدۂ نم ناک نے اب تک
کبھی پہنی نہ تھی گل نے قبائے زرنگار ایسی
نہ آئی تھی کبھی گلزارِ ہستی میں بہار ایسی

عطا وسعت ہوئی صحرا کو، نزہت گلستانوں کو
چھپایا دامنِ رحمت میں حق نے خستہ جانوں کو
شرف جس سے ملا ہے اس جہاں کے تاج داروں کو
ملی جس سے قبائے لالہ و گل خار زاروں کو
اسی دن کے لیے تو بزمِ ہستی کو سنوارا تھا
یہی مقصودِ عالم تھا، یہی خالق کا پیارا تھا

(حافظ لدھیانوی)

مبارک ہو جنابِ مصطفیٰ ﷺ کی آمد آمد ہے
زمین پر سربراہِ انبیا کی آمد آمد ہے
خدائی شاد ہوگی مژدۂ اتمامِ نعت سے
سریر آرائے اقلیمِ ہدیٰ کی آمد آمد ہے
سنانے کے لیے آیاتِ قرآں اہلِ عالم کو
رسولِ ہاشمی ﷺ سے خوش نوا کی آمد آمد ہے
خدائے پاک نے فریاد سن لی غم نصیبوں کی
جہاں میں حضرتِ خیر الوریٰ ﷺ کی آمد آمد ہے
دیارِ دل کو خوش بوئے عقیدت سے بسا لیجیے
وفا کی مشعلوں سے جادۂ جاں جگمگا لیجیے

(حفیظ تائب)

خلیلؑ اللہ نے جس کے لیے حق سے دعائیں کیں
ذبیحؑ اللہ نے وقتِ ذبح جس کی التجائیں کیں
جو بن کر روشنی پھر دیدۂ یعقوبؑ میں آیا
جسے یوسفؑ نے اپنے حسن کے نیرنگ میں پایا
کلیمؑ اللہ کا دل روشن ہوا جس ضوفشانی سے
وہ جس کی آرزو بھڑکی جوابِ لن ترانی سے
وہ جس کے نام سے داؤدؑ نے نغمہ سرائی کی
وہ جس کی یاد میں شاہِ سلیمانؑ نے گدائی کی
دلِ یحییٰؑ میں ارماں رہ گئے جس کی زیارت کے
لبِ عیسیٰؑ پہ آئے وعظ جس کی شانِ رحمت کے

وہ دن آیا کہ پورے ہو گئے تو رات کے وعدے
خدا نے آج ایفا کر دیے ہر بات کے وعدے

(حفیظ جالندھری)

آ گئے، جن کے نظارے جستجو کرتے رہے
جن کے بارے میں ستارے گفتگو کرتے رہے
جن کی خاطر پھول شبنم سے وضو کرتے رہے
انبیا بھی جس نبی ﷺ کی آرزو کرتے رہے
ہر خوشی لکھی گئی، ہر بہتری لکھی گئی
آپ ﷺ آئے، تیرگی پر روشنی لکھی گئی

(محمد حنیف نازش قادری)

بھٹکتے دور کو رستہ دکھانے رہنما آیا
سفینے سے تباہی کو بچانے نا خدا آیا
خبر سچائی کی دیتا زمانے کو خبیر آیا
شہنشاہی بھی جس کے پاؤں چومے وہ فقیر آیا
جسے حق نے کیا تسلیم، ختم المرسلیں آیا
جسے دنیا نے مانا، رحمۃ للعالمیں آیا
خلیق آیا، کریم آیا، رؤف آیا، رحیم آیا
کہا قرآں نے جس کو صاحبِ خلقِ عظیم آیا
بشر بن کر زمانے کا جمالِ اولیں آیا
متاعِ صدق لے کر صادق الوعد و امیں آیا
سراپا علم بن کر صاحبِ ام الکتاب آیا
زمینِ تشنہ لب کی زندگی بن کر سحاب آیا
تجلی عام فرماتا ہوا شمس الضحیٰ آیا
امام الانبیاء آیا، محمد مصطفیٰ ﷺ آیا

(جگن ناتھ آزاد)

محمد ﷺ جلوہ فرما ہوگئے ہیں بزمِ امکاں میں
کھلا ہے آج پہلا پھول فطرت کے گلستاں میں
مرا جی چاہتا ہے نعت کی صورت میں ڈھل جائیں
وہ نغمے جو مچلتے ہیں مرے سازِ رگِ جاں میں

گلوں کی انجمن میں تم سے تخلیق بہاراں ہے
تمھی نورِ آفریں ہو چاند تاروں کے شبستاں میں
تمہارے پیکرِ اقدس کی تنویروں کا کیا کہنا
کہ جیسے آیتیں روشن نظر آتی ہیں قرآں میں
تمہاری یاد ہو، ہم ہوں، مسلسل اشکباری ہو
یہی موتی ہوں آنکھوں میں، یہی دولت ہو داماں میں
تمہارے عشق سے آباد کر لے اپنے سینے کو
کوئی نیکی تو کر لے آدمی عمرِ گریزاں میں
ذرا دیوانے کا دستِ جنوں چالاک ہو جائے
کہاں کا فاصلہ ہوتا ہے دامن اور گریباں میں
کسی کے عشق نے وہ نور بخشا ہے مرے دل کو
کہ ہے ہر تار سورج کی کرن میرے گریباں میں
یہ سب شیرازہ بندی ان کے اعجازِ نظر سے ہے
کہاں کا نظم تھا ہستی کے اوراقِ پریشاں میں
یہ میرے شعر اے عاصیؔ، یہ میری بن کھلی کلیاں
مری جرأت تو دیکھو، لے چلا ان کے گلستاں میں

(عاصی کرنالی)

کعبۂ جاں، قبلۂ قلب و نظر پیدا ہوئے
خواجۂ کونین، شاہ بحر و بر پیدا ہوئے
ہر قدم اک مشرق نور و ضیا کا سامنا
ہر نفس امکانِ معراجِ نظر پیدا ہوئے
جس زمیں کو پائے بوسی کا شرف حاصل ہوا
اس زمیں میں لعل و یاقوت و گہر پیدا ہوئے
عارف ارض و سما، میرِ بساطِ کائنات
خیر سے خیر الامم، خیر البشر پیدا ہوئے
اب نہ اتریں گے صحیفے، اب نہ آئیں گے رسول
لے کر قرآں، آخری پیغام بر پیدا ہوئے

جس نے دیکھا پھر نہ دیکھا اور کچھ ان کے سوا
اک نظر میں سینکڑوں حسنِ نظر پیدا ہوئے

(احسان دانش)

جاہلیت کی جہاں سے دور آلائش ہوئی
آپ ﷺ آئے عالمِ امکاں کی زیبائش ہوئی
اس مکاں کے بام و در کے ذرے ذرے پردرود
جس مکاں میں سیدِ والا ﷺ کی پیدائش ہوئی
میری سانسیں آپ ﷺ کی صبحِ ولادت پر نثار
جس کے صدقے میں مری بخشش کی گنجائش ہوئی
کھل اٹھے، صدیوں کے مرجھائے ہوئے دل کھل اٹھے
زندگی کے باغ کی اس طرح آرائش ہوئی
پڑھنے والا آ گیا چہروں کی چپ تحریر کو
بول اٹھی خامشی، جذبوں کی پیمائش ہوئی

(انور جمال)

اب نغمہ نغمہ، نغمۂ تار حیات ہے
اب نشہ نشہ، نشۂ عرفانِ ذات ہے
اب پردہ پردہ، پردۂ سازِ جمال ہے
اب بادہ بادہ، بادۂ عرفانِ حال ہے
اب جرعہ جرعہ، جرعۂ جامِ الست ہے
اب ذرہ ذرہ، ذرۂ خورشیدِ مست ہے
اب قطرہ قطرہ، قطرۂ اشکِ نیاز ہے
اب توبہ توبہ، توبۂ سوز و گداز ہے
اب غنچہ غنچہ، غنچۂ زلفِ نگار ہے
اب لالہ لالہ، لالۂ رخسارِ یار ہے
اب جلوہ جلوہ، جلوۂ سرو و سمن ہوا
اب خندہ خندہ، خندۂ صبحِ چمن ہوا
اب جذبہ جذبہ، جذبۂ عشقِ رسول ﷺ ہے
اب شیوہ شیوہ، شیوۂ عدل و اصول ہے

اب نعرہ نعرہ، نعرۂ توحید بن گیا
اب سجدہ سجدہ، سجدۂ امید بن گیا

(عاصی کرنالی)

آخر میں مولانا ابوالکلام آزاد (البلاغ) کا ایک دل آویز اقتباس کہ الفاظ اس کا حسن سمیٹنے اور اس کی تاثیر بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت نے جس طرح جسم کے لیے زمین کے اندر طرح طرح کے خزانے رکھے ہیں، اس طرح روح کی غذا کے لیے بھی اس کے آسمانوں کی وسعت معمور ہے، جس طرح جسم کی غذا اور زمین کی مادی حیات ونمو کے لیے آسمانوں پر بدلیاں پھیلتیں، بجلیاں چمکتیں اور موسلا دھار پانی برستا ہے۔ ٹھیک اسی طرح اقلیمِ روح وقلب کی فضا میں بھی تغیرات ہوتے ہیں، یہاں اگر زمین کی مٹی پانی کے لیے ترستی ہے تو وہاں انسانیت کی محرومی ہدایت کے لیے تڑپنے لگتی ہے، یہاں پتے جھڑتے ہیں، ٹہنیاں سوکھنے لگتی ہیں اور پھولوں کے رنگین ورق بکھر جاتے ہیں تو تم کہتے ہو کہ آسمان کو رحم کرنا چاہیے۔ وہاں بھی جب سچائی کا درخت مرجھا جاتا ہے، نیکی کی کھیتیاں سوکھ جاتی ہیں، عدالت کا باغ ویران ہو جاتا ہے اور خدا کے کلمۂ حق وصداقت کا شجرۂ طیبہ دنیا کے ہر گوشے اور ہر حصے میں بے برگ و بار نظر آنے لگتا ہے تو اس وقت روحِ انسانیت چیختی ہے کہ خدا کو رحم کرنا چاہیے۔ یہاں زمین پر موت طاری ہوتی ہے تو خدا کی بارش اسے زندگی بخشتی ہے وہاں انسانیت ہلاک ہو جاتی ہے تو خدا کی ہدایت اسے پھر اٹھا کر بٹھا دیتی ہے اور وہ پروردگارِ عالم ہی تو ہے جو بارش سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بارانِ رحمت کے آنے کی خوش خبری سنا دیتی ہیں یہاں تک کہ جب اس کا وقت آجاتا ہے تو وہ وزنی بادلوں کو حرکت دیتی ہیں اور انھیں ایک ایسے شہر کے اوپر لے جا کر پھیلا دیتی ہیں جو ہلاک ہو چکا ہے اور زندگی کے لیے پیاسا ہے۔ پھر پانی برستا ہے اور زمین کی موت کو زندگی سے بدل دیتا ہے اس کی نمو بخشی سے طرح طرح کے پھل پیدا ہوتے ہیں اور مخلوقات اپنی غذا حاصل کر لیتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح ہم مردوں کو بھی اٹھاتے ہیں اور یہ جو کچھ کہا گیا ہے، سو دراصل ایک مثال ہے تاکہ تم دانائی اور سمجھ حاصل کرو۔

عالمِ انسانیت کی فضائے روحانی کا ایسا ہی انقلابِ عظیم تھا جو چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں ظاہر ہوا۔ وہ رحمتِ الٰہی کی بدلیوں کی ایک عالمگیر نمود تھی جس کے فیضانِ عام نے تمام کائنات ہستی کی سرسبزی اور شادابی کی بشارت سنائی اور زمین کی خشک سالیوں اور محرومیوں کی بدحالی کا دور ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ وہ خداوندِ قدوس جس نے سینا کی چوٹیوں پر کہا تھا کہ میں اپنی قدرت کی بدلیوں کے اندر آتشیں بجلیوں کے ساتھ آؤں گا اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ میرے جاہ و جلالِ الٰہی کی نمود ہوگی۔ سو بالآخر وہ آ گیا۔

یہ ہدایتِ الٰہی کی تکمیل تھی۔ یہ شریعتِ ربانی کے ارتقا کا مرتبۂ آخری تھا، یہ سلسلۂ ترسیلِ رسل ونزولِ صحف کا اختتام تھا۔ یہ سعادتِ بشری کا آخری پیام تھا۔ یہ وراثتِ ارضی کی آخری بخشش تھی، یہ امتِ مسلمہ کے ظہور کا پہلا دن تھا اور اس لیے یہ حضرت ختم المرسلین ورحمۃ للعالمین محمد ﷺ بن عبداللہ کی ولادت باسعادت تھی۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم۔

(۲۰۰۳ء)

☆

ظہورِ قدسی

(اردو نعت کے آئینے میں)

اقبال نے کہا تھا:

اے ظہور تو شبابِ زندگی
جلوہ اَت تعبیر خوابِ زندگی
اے زمیں از بارگاہت ارجمند
آسماں از بوسۂ بامت بلند

حضور ﷺ وجہِ وجودِ کائنات ہیں اور سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ، بالواسطہ یا بلاواسطہ کائنات کی جملہ رعنائیاں آپ ﷺ ہی کے حسن سے مستنیر اور جملہ پہنائیاں آپ ﷺ ہی کے ذکر سے معمور ہیں۔ وقت کی ہر ساعت آپ ﷺ ہی کی یاد سے تازگی، شگفتگی اور بالیدگی لے رہی ہے:

ہر لمحہ، ہر صدی کا ازل سے افق افق
صَلِّ علیٰ کا سرمدی نغمہ سنائے ہے

تورات ہو یا زبور، انجیل یوحنا ہو یا برنباس، بدھ کے ملفوظات ہوں یا پران کے اسباق، اتھروید کے منتر ہوں یا دساتیر کے اصول... قدیم صحائف کا ورق ورق کسی نہ کسی طور آپ ﷺ کے ذکر سے تابندہ ہے، کہیں آپ ﷺ کو فارِقلیط کہا گیا، کہیں منحمنا، کہیں میتر یا کہیں بھگت گرو، تحریفات کے باوجود انجیل میں حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بارے میں بشارتیں واضح انداز میں نظر آتی ہیں:

رقم ہیں صحیفوں میں القاب تیرے
تو یٰسین و طٰہٰ میں طلعت نما ہے

گونج ان کی ثنا کی رہی ہے ہر نبی نے خبر ان کی دی ہے
کوئی ایسا صحیفہ نہیں ہے جس میں ان کا حوالہ نہیں ہے

وہ وجودِ پاک جو اعتبارِ اولیں بھی ہو اور افتخارِ آخریں بھی۔ جو تازہ تر گلبرگِ صحرائے وجود بھی ہو اور قیمتی تر گوہرِ دریائے جود بھی، جو مطلعِ دیوانِ نبوت بھی ہو اور مقطعِ نظمِ رسالت بھی۔ جو مظہرِ نورِ کبریا بھی ہو اور حبیبِ خدا بھی۔ جو سید

الثقلین بھی ہو اور امام القبلتین بھی۔ جو ساقیٔ کوثر بھی ہو اور شافعِ محشر بھی جو قبلۂ زاہداں بھی ہو اور کعبۂ قدسیاں بھی۔ جس کا جلوہ صبحِ ازل کی ضو بھی ہو اور شامِ ابد کی لو بھی۔

وہ عظیم الشان انسان ﷺ جس کے خرامِ ناز نے تاریخ کے دھارے کو موڑا اور تمدن کے رخ کو نکھارا ہو۔ جس کے کوچے کے ذروں کو چھو کر گزرنے والی ہوائے مشکبو سے دل کے غنچے نمو پاتے اور روح کے آنگن مسکراتے ہوں جس کے نقوشِ پا کی چمک اور جس کے محاسن کی دھنک آج بھی منزل نشاں ہو۔ ربِ جہاں جس کے مسکن کی قسم کھاتا اور تفہیمِ مطالب کے لیے اسے شاہد بناتا ہو اور جس ذاتِ اقدس کے نعتیہ ترانوں کی آغوش میں ازل نے انگڑائی لی ہو اور ابد انھی نغموں کے لیے گوش بر آواز ہو۔ جس کا ہر قدم تاریخ ساز، ہر بول ہدایت نما، ہر فعل نقشِ جاوداں اور ہر نفس خزاں بخت کائنات کے لیے موجِ بہار ہو اور جس کے فیضِ نگاہ سے عقل، صاحبِ اسرار در عشق تیغِ جوہر دار ہو ___ مجھ ایسا عاجز و درماندہ اور انتہائی گنہ گار و خطار کار انسان، سیاہ رُو سیاہ کار شخص، گندم نما جو فروش اور زنّار دار خرقہ پوش بشر اس خیر البشر ﷺ کے بارے میں اپنی زبان کے سارے اسلوب، اپنے اظہار کے سارے پیرائے اور اپنے انداز کے سارے حسن سمیٹ کر بھی، اپنے عجزِ بیان ہی کو بیان کے طور پر پیش کر سکتا ہے کہ سکوت بھی تکلّمِ بلیغ کی حیثیت رکھتا ہے اور ایسے نغمے بھی ہوا کرتے ہیں جو شرمندۂ آواز نہیں ہوتے:

ترے جلووں کے آگے طاقتِ شرح و بیاں رکھ دی
زبانِ بے نگاہ رکھ دی، نگاہِ بے زباں رکھ دی

ہمت اجازت دیتی تو ظہورِ قدسی سے متعلق نعتیہ انوار کے ساتھ ساتھ کچھ خوب صورت نثر پاروں کو بھی مربوط کرتا جاتا کہ یہ رشحاتِ خامہ بھی میرے نزدیک نثری نعتوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ نثر پارے ان شخصیتوں کے قلمی نوادر ہیں، جو خاصانِ بارگاہ ہی نہیں، صاحبِ اسلوب نثر نگار بھی ہیں جس طرح تامتِ زیبا، کسی سرو روِاں کی قیامت آفرینیوں کا غماز ہوا کرتا ہے اسی طرح صاحبِ اسلوب نثر نگار کی تحریر خود بولتی ہے کہ وہ کس قسم کے خرامِ ناز کا حاصل ہے کہ صاحبِ طرز کہتے ہی اس کو ہیں جو لاکھوں میں ایک ہو اور ہزاروں میں پہچانا جائے اور جسے لٹ جانے کا کوئی خطرہ نہ ہو۔ جس کے پاس جو ہو اس کا اپنا ہو اور جس کا فکری گداز اس کی شخصی بصیرت اور قلمی فضیلت سے ہم آہنگ ہو اور جس کی تحریر کا حسن خود بخود نگاہوں سے لپٹتا اور بے ساختہ دل میں اتر جاتا ہو... ورنہ کتنے ہی ''باتخلص'' ہیں کہ ان کے ''نثر نما اشعار'' پڑھ کر نہ دل کیف پاتا ہے نہ روح وجد کرتی ہے اور دوسری طرف کتنے ہی صاحبِ قلم ہیں کہ ان کے نثری جملوں پر بھی تغزل کی ایمائیت جھومتی ہے، حسن جہاں بھی ہو، کسی بھی رنگ، ڈھنگ اور آہنگ سے ہو، بات بہر نوع حسن آفرین ہی تک جاتی ہے اور ہر راہ، اسی کی چاہ کے در تک پہنچتی ہے، شاعر کا قلم لاکھ تعلّی کرے کہ:

چنتا ہوں رخِ وقت پہ الہام کی افشاں
اپنا بھی قلم حضرت جبریلؑ کا پر ہے
کیوں زندۂ جاوید نہ ہو میرا تغزل
میں خضرِ ادب ہوں مری تخلیق امر ہے

شکر تو اسی ذات بلند و برتر کا ہے جس نے قلم کے ذریعے علم کے ایوان روشن کیے ہیں اور اگر تذکرہ اس ذاتِ

اقدس ﷺ کی ولادت باسعادت کا ہو، جسے ربِ عالم نے رحمتِ عالم بنا کر بھیجا ہو جس کے نطق سے غنچے پھول بنتے ہوں جس کی نگاہوں سے سورج ضیا لیتا ہو، جو اٹھتا ہو تو ستارے فرش راہ ہو جاتے ہوں، بیٹھتا ہو تو زمین عرش بن جاتی ہو، تو قلم میں پرہما کی جنبش خود بخود پیدا ہو جاتی ہے کہ خیال میں زیبائی ہے تو اسی ذات سے، دلوں میں بصیرت ہے تو اسی نام سے، زبانوں میں تاثیر ہے تو اسی یاد سے اور قلم میں حسن ہے تو اسی ظہور سے۔ حق یہ ہے کہ اگر وہ تشریف نہ لاتے تو ہماری پوری کائنات دھواں دھواں ہوتی، نہ فکر و خیال کی دنیا میں کوئی چاندنی ہوتی اور نہ قرطاس و قلم کی وادیوں میں کوئی روشنی...

ظہورِ قدسی کے سلسلے میں اردو شعر و ادب اس قدر نظر افروز اور دل آویز وسعتوں کا حامل ہے کہ نگہِ انتخاب حیران و ششدر ہے کہ کس نثر پارے، کس نظم اور کس نعت کو لیا جائے اور کس کو چھوڑا جائے۔ سیرت نگار جب بھی ولادت باسعادت کے ذکر پر پہنچتے ہیں ان کا دل مسکرا اٹھتا اور قلم گل فشاں ہو جاتا ہے۔ نتیجہ معلوم کہ بعض نثر پاروں کے سامنے شعر بے حیثیت نظر آتے ہیں۔ احقر نے (چند شعروں کے سوا) غزل کی ہیئت میں لکھی جانے والی نعتوں کے ایک مختصر سے انتخاب پر اکتفا کی ہے۔ متعلقہ نظموں کو اردتاً نہیں لیا کہ نظم کا انداز مسلسل ہوتا ہے اور پوری نظم بطور اکائی کے لطف دیتی ہے۔ حق یہ ہے کہ ظہورِ قدسی سے متعلق خوب صورت نثر پاروں، نظموں اور نعتوں کا مکمل احاطہ، کسی مقالے میں ممکن ہی نہیں۔ اس کے لیے ایک مبسوط تالیف مطلوب ہے۔ بہر کیف احقر کے دامانِ نگاہ کی تنگیاں اور کتاب کی ''ضخامتی مجبوریاں'' نثر و نظم کے ان گلہائے حسیں کی فراوانیوں سے معذرت طلب ہیں۔

اب ایک شعری قوسِ قزح دیکھیے کہ ولادت باسعادت کا تذکرہ کس رنگ و آہنگ کے ساتھ جلوے بکھیر رہا ہے۔

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیلؑ اور نویدِ مسیحاؑ

(حالیؔ)

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب

(اقبالؔ)

آگئے حضرت کہ جلووں کو جہاں درکار تھا
ظلمتوں میں آفتابِ ضوفشاں درکار تھا

(حافظ مظہر الدین)

امام الانبیا آئے، حبیبِ کبریا آئے
دلوں کی روشنی لے کر محمد مصطفیٰ ﷺ آئے
نہ جانے کب سے دنیا میں لہو انساں کا ارزاں تھا
نصابِ زندگی لے کر رسولِ ﷺ باصفا آئے
خدا سے ناشنا سا تھا ہر اک انسان دھرتی کا
رہِ وحدت دکھانے کے لیے عقدہ کشا آئے

(آثم فردوسی)

ہوا جب ضوفشاں دنیا میں مہرِ وادیٔ بطحا
رخِ ہستی پہ رنگِ جلوۂ نورِ سحر نکھرا
مشیت نے نظامِ زندگی ترتیب دینے کو
کتابِ زندگی میں بابِ رحمت اک نیا کھولا
جبینِ شوق اس کے آستاں پہ کیوں نہ جھک جائے
کہ جس نے قلبِ مسلم کو مذاقِ آرزو بخشا

(حیرت جلال پوری)

چھائی ہوئی تھی ظلمتِ شب دور دور تک
آتی ہے اب نویدِ سحر دور دور سے
آمد سے ان کی، زیست کی قدریں بدل گئیں
دنیا حسین بن گئی ان کے ظہور سے
آسودہ آ کے منزلِ بطحا میں ہوگیا
جلووں کا کارواں جو چلا کوہِ طور سے

(ذکی کیفی)

ہر سمت جشنِ آمدِ شاہِ ہدیٰ ہے آج
ہر ایک لب پہ نغمۂ صلِ علیٰ ہے آج
زینت فزائے دہر ہے تنویرِ حسن و عشق
ہر سمت نورِ ایزدی جلوہ نما ہے آج
جس کی شمیم سے یہ فضائیں ہیں عطر بار
باغِ جہاں میں وہ گلِ رعنا کھلا ہے آج
آئی حجابِ نور سے دل کش نوائے شوق
ہر سو ضیائے طلعتِ بدرالدجیٰ ہے آج
ارض و سما ہیں حسن سے جس کے فروغ گیر
وہ آفتابِ ہاشمی جلوہ نما ہے آج

(قمر یزدانی)

ہوا جہاں میں تری ذاتِ پاک کا جو ورود
نظر کی حد سے بھی آگے تھے روشنی کے حدود

(احسان دانش)

تاریکیوں پہ چھانے لگا نورِ سرمدی
آفاق پر ظہورِ کمالِ سحر ہوا
ویران بت کدے ہوئے آتش کدے بجھے
کس شان سے وہ نورِ خدا جلوہ گر ہوا
ہر بوند اس کے لطف سے موجِ رواں بنی
ہر ذرہ اس کے فیض سے لعل و گہر ہوا
بطحا کی خاک بن گئی اکسیرِ لازوال
اس کے خرامِ ناز کا ایسا اثر ہوا

(صفی العیشی)

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

(احمد رضا خاں بریلوی)

آج ہے اس نبی ﷺ کی ولادت کا دن
سارے نبیوں کو جس کی امامت ملی
ہر گھڑی اس گھڑی کا قصیدہ پڑھے
خاک کو جب ستاروں کی عظمت ملی
جھوٹی معبودیت منہ کے بل گر پڑی
صحنِ کعبہ کو سچی عبادت ملی

(مظفر وارثی)

فرشتے تھے فضائے قدس میں صرف پرافشانی
خوشی سے جھومتے تھے ان کے پیکر ہائے نورانی
پروں کی جنبشِ لرزاں سے موسیقی کی لے پیدا
لبوں کی لرزشِ پیہم سے طاری کیف روحانی
وفورِ نور کا عالم تھا ایسا آخرِ شب میں
کہ ہر تارے پہ ہوتی تھی فدا خورشید سامانی
پڑیں فاران کی چوٹی پہ بوندیں ابرِ رحمت کی
فزوں تر پارۂ سیماب سے بھی جن کی تابانی

خوشی سے مست تھے سب آسماں والے کہ اتنے میں
یکا یک یہ ہوا روح الامیں کو حکمِ یزدانی
منادی جا کے کر دو خشک و تر میں، بحر میں، بر میں
ہوئے پیدا محمد ﷺ آج عبداللہ کے گھر میں

(عبدالمجید سالک)

پو پھٹی دیدہ و دل منور ہوئے
آپ ﷺ آئے تو سب نقش اجاگر ہوئے
آپ ﷺ آئے تو فصلِ بہار آگئی
سب ورق گل کدوں کے مصور ہوئے
آپ ﷺ آئے تو ایماں ہوا دل نشیں
شک پریشاں ہوئے، وہم ششدر ہوئے
آپ ﷺ آئے تو غم دیدہ انسان کو
سچی خوشیوں کے عنواں میسر ہوئے
آپ ﷺ آئے تو ذرے بھی انجم بنے
آپ ﷺ آئے تو کنکر بھی گوہر ہوئے
آپ ﷺ آئے تو بھٹکے ہوئے قافلے
گامزن خیر کے راستے پر ہوئے

(جعفر بلوچ)

تزئینِ کائنات برنگ دگر ہے آج
جشنِ ولادتِ شہ ﷺ جن و بشر ہے آج
صدیوں سے فرشِ راہ تھے جس کے لیے نجوم
آغوشِ آمنہ میں وہ رشکِ قمر ہے آج
صبحِ ازل کو جس نے دیا حسنِ لازوال
وہ موجِ نور زینتِ دیوار و در ہے آج
کس کے قدم سے چمکی ہے بطحا کی سر زمیں
ظلمت کدوں میں شورِ نویدِ سحر ہے آج
اے چشمِ شوق، شوکتِ نظارہ دیکھنا
ماہِ فلک چراغِ سرِ رہ گزر ہے آج

شوقِ نظارہ نے وہ تراشا ہے آئینہ
جس آئینے میں جلوۂ آئینہ گر ہے آج

(ناصر کاظمی)

بارگاہِ کبریا سے آ گیا
بے نواؤں کی دعاؤں کا جواب
ظلمتِ جہل و ضلالت میں ہوا
ضوفشاں رشد و ہدیٰ کا آفتاب
آ گیا وہ محسنِ انسانیت
جس کی آمد سے کھلے خوشیوں کے باب
سیّد الکونین ہے جس کا لقب
رحمتِ دارین ہے جس کا خطاب
جس کی تعلیمات سے برپا ہوا
ایک عالم گیر فکری انقلاب

(ضیا محمد ضیا)

انساں کو شعورِ گل و لالہ نہ ہوا تھا
جب تک ترے چہرے کا اجالا نہ ہوا تھا
دکھی انسانیت کے چارہ گر تشریف لاتے ہیں
ہے جن کی ذات رحمت سر بسر تشریف لاتے ہیں
کریں گے جو مسخر دہر کو اخلاقِ عالی سے
وہ دل کی سلطنت کے تاجور تشریف لاتے ہیں
خدائی جن کے در سے بھیک پائے گی تمدن کی
زمانہ جن کا ہے دریوزہ گر تشریف لاتے ہیں
دیارِ دل کو خوش بوئے عقیدت سے بسا لیجے
وفا کی مشعلوں سے جادۂ جاں جگمگا لیجے

(حفیظ تائب)

نام تھا لکھا ہوا جن کا سرِ لوحِ ازل
وہ خدا کے آخری پیغامبر پیدا ہوئے
رونما چرخِ رسالت پر ہوا مہرِ عرب

ظلمتِ دنیا میں آثارِ سحر پیدا ہوئے
اس نظر سے بے حسوں کو بھی ملا سوزِ حیات
بادلوں میں برق، پتھر میں شرر پیدا ہوئے
آپ ہی کا آستاں ہے جس پہ خم ہیں دو جہاں
یوں تو دنیا میں ہزاروں سنگِ در پیدا ہوئے

(قمر میرٹھی)

کھلا ہے باغ عالم میں وہ گل بستانِ فطرت کا
کہ خود صناعِ قدرت مدح خواں ہے جس کی نکہت کا
جو وہ پیدا نہ ہوتے، تو نہ ہوتے دو جہاں پیدا
انھی کی ذاتِ اقدس مطلعِ اول ہے خلقت کا
وہ آئے جن کے آنے کی خبر دی ہر پیمبر نے
وہ آئے، تکملہ جن سے ہوا احکامِ قدرت کا
اگر آتی نہ ذاتِ مصطفیٰ ﷺ اس بزمِ ہستی میں
تو رہتا ہم سے مخفی حسنِ صنعت، دستِ قدرت کا

(افق کاظمی)

آئے وہ جن کے دم سے ہے رونقِ بزمِ رنگ و بو
بزمِ رسل کے تاج دار، محرمِ رازِ کن فکاں
صحنِ چمن میں چل پڑی پھر سے نسیمِ عطر بیز
غنچے کھلے، کلی ہنسی، برگ و شجر ہوئے جواں
علم و عمل کی قوتیں بخش دیں کائنات کو
قلب و نظر کو پھر ملی دولتِ سوزِ جاوداں
آئے وہ جن کے فیض نے حسن دیا حیات کو
آئے شفیعِ عاصیاں، آئے پناہِ بے کساں

(ذکی کیفی)

غیر فانی امن کا منشور ہے ان کا ظہور
چھاگئی سارے جہاں پر رحمت عالم کی ذات
گھپ اندھیروں کی صفیں لپٹیں، اجالے ہوگئے
آپ ﷺ جب تشریف لائے جگمگائی چاند رات

جو ازل سے آج تک ہر اک زباں کا ورد ہے
آپ ﷺ کے اسمِ گرامی کو ملا ایسا ثبات
جلتی بجھتی زندگی کی لو فروزاں ہوگئی
آپ ﷺ آئے تو منور ہوگیا روئے حیات

(سلیم اختر فارانی)

قندیلِ نور، شمعِ حرا، زینتِ حرم
نقشِ جمیل صبحِ ازل کا کہیں جسے

(حافظ لدھیانوی)

ہوا کے نرم جھونکوں سے مہ و انجم کو نیند آئی
شفق پھولی، چمن جاگے، کرن پھوٹی، سحر آئی
نقابِ شب عروسِ مہر نے چہرے سے سرکائی
نمودِ صبحِ صادق اک پیامِ جاں فزا لائی
حریم قدس میں محفوظ تھی جو روزِ اول سے
وہ نعمتِ آمنہ کی محترم آغوش نے پائی
جنابِ مصطفیٰ! صل علیٰ تشریف لے آئے
سوادِ طیبہ و بطحا پہ رحمت کی گھٹا چھائی
اجالا ہوگیا ظلمت کدوں میں مہرِ تاباں سے
طلسمِ جہل ٹوٹا، زندگی نے روشنی پائی

(اقبال عظیم)

کیف سا ایک عالم پہ چھانے لگا
قصرِ وہم و گماں ہوگیا منہدم
زندگی کی شکستہ نوائی رکی
مل گیا سازِ ہستی کو پھر زیر و بم
آفتابِ رسالت ہوا جلوہ گر
شب کی تاریکیوں نے دیا توڑ دم
پھر چمن در چمن گل مہکنے لگے
پھر صدف ریزیاں ہوگئیں یم بہ یم

(غلام رسول عدیم)

جوشِ رحمت سے کھلا بابِ اثر آج کے دن
ملی انسان کو معراجِ نظر آج کے دن
کس کے پرتو نے اندھیروں سے تراشے سورج
گمرہوں کو ملی منزل کی خبر آج کے دن
گمرہی گرد ہوئی، نورِ بصیرت چمکا
جگمگانے لگی ہر راہ گزر آج کے دن
قطرے قطرے کو ہوا بحر کا وجدان نصیب
ذرے ذرے کو ملا حسنِ نظر آج کے دن

(طفیل ہوشیارپوری)

کھلیں کلیاں، ہنسے غنچے، چمن میں بھی بہار آئی
شمیم جاں فزا آئی، حسین و دلربا آئے
اُبلتے ہیں ترانے سازِ فطرت کے فضاؤں میں
سحر کے روح پرور کیف میں نورِ ہدیٰ آئے
فلک سے بھی زمیں پر نور کی بارش برستی ہے
جہاں میں رحمتیں لے کر امام الانبیاﷺ آئے

(گوہرملسیانی)

مظہرِ نورِ حق جلوہ بار آگیا
حسنِ عالم پہ گویا نکھار آگیا
نازشِ لطفِ پروردگار آگیا
بزمِ کونین کا تاج دار آگیا
جس کی توصیف ہے برلبِ قدسیاں
دستِ قدرت کا وہ شاہکار آگیا
جس کا کونین میں کوئی ہم سر نہیں
ذاتِ یکتا کا آئینہ دار آگیا
بے سہارو مبارک، سہارا ملا
بے قراروں کو مژدہ، قرار آگیا

(تابش صمدانی)

نظر لالہ و گل پہ اب کیا اٹھے گی
کہ اک حاصلِ لالہ زار آگیا ہے

بجھے گا نہ جس کا چراغِ نبوت
وہ پیغمبرِ ﷺ ذی وقار آگیا ہے
اب انساں کو انساں کا عرفان ہوگا
یقیں ہوگیا، اعتبار آگیا ہے
ازل سے جو تھا باغباں کی نظر میں
وہ گل بن کے جانِ بہار آگیا ہے
جو خیرات میں تاج و اورنگ دے گا
فقیروں میں وہ شہر یار آگیا ہے
زمانے کو اب اپنی منزل مبارک
کہ اک خضرِ صد رہ گزار آگیا ہے
فلک اپنا اسلوبِ گردش بدل دے
کہ اک مصلحِ روزگار آگیا ہے
میں ہوں حق بہ جانب اگر میرے لب پر
کوئی نغمہ بے اختیار آگیا ہے

(احسان دانش)

آپ ﷺ آئے نور کی شمعیں فروزاں ہوگئیں
قوتیں اشرارِ باطل کی پریشاں ہوگئیں
آگئیں جب ساعتیں صبحِ ولادت کی قریب
زندگی کی وسعتیں، گلشن بداماں ہوگئیں
کوہِ فاراں سے جو ابھرا آفتابِ زندگی
بلبلیں بستانِ ہستی کی ثنا خواں ہوگئیں

(محمد اکرم رضا)

راستے صاف بتاتے ہیں کہ آپ آتے ہیں
لوگ محفل کو سجاتے ہیں کہ آپ آتے ہیں
کہکشاں، راہ گزر، چاند ستارے، ذرے
سب چمک کر یہ دکھاتے ہیں کہ آپ آتے ہیں
رہ گزر میں نظر آنے لگے ہر سو جلوے
ذرے رہ رہ کے بتاتے ہیں کہ آپ آتے ہیں

چاند تاروں میں نصیرؔ آج بڑی ہلچل ہے
ہمیں آثار بتاتے ہیں کہ آپ آتے ہیں

(نصیرالدین نصیر گولڑوی)

آمنہ کا لختِ دل، نورِ نظر پیدا ہوا
خاندانِ ہاشمی میں اک گہر پیدا ہوا
اوجِ گردوں پر مقدر کا ستارا آگیا
آمنہ کی گود میں اک ماہ پارا آگیا
ہر نبی کے لب پہ تھی جس کی خبر، پیدا ہوا
راہِ حق میں رہبروں کا راہبر پیدا ہوا

(یزدانی جالندھری)

آج وہ دن ہے جھکی پڑتی ہے رحمت کی گھٹا
بعد مدت آج پھر آسودگی ہر گھر میں ہے
آج وہ دن ہے چھپا پھرتا ہے شیطانِ لعین
اک ہزیمت کا سا نقشہ اس کے کل لشکر میں ہے
آج وہ دن ہے کہ سب درہائے جنت کھل گئے
غلغلہ عیش و طرب کا گنبدِ بے در میں ہے

(مرزا فرحت اللہ بیگ)

اب آفتاب برج سعادت میں آگیا
اب ہو چکی بساطِ شبِ نامراد طے
اب دیدۂ بہار میں ہے سرمۂ غبار
اب ہو رہی ہے بارشِ انوار پے بہ پے
اب تاجدارِ یثرب و بطحا کا ہے ظہور
تاحدِ مصر و شام، بہ اطرافِ روم ورے

(عابد علی عابد)

وادیٔ مکہ میں جب نورِ یقیں روشن ہوا
کفر رخصت ہوگیا، دینِ متیں روشن ہوا
ہوگئیں کافور سب تاریکیاں، مایوسیاں
نورِ ایماں سے ہر اک قلبِ حزیں روشن ہوا

آپ کے آنے سے روشن ہوگئے دشت و جبل
عرش تاباں ہوگیا، فرشِ زمیں روشن ہوا
بندۂ مومن کی دنیا، دین میں شامل ہوئی
آسمانِ حق پہ اک ماہِ مبیں روشن ہوا
جو ہٹا سرکار ﷺ سے دھندلا گیا، کجلا گیا
آگیا جو آپ کے زیرِ نگیں، روشن ہوا

(اکرم علی اختر)

آپ ﷺ سے پہلے جہانِ خشک و تر کچھ اور تھا
آپ ﷺ کی آمد پہ عالم سر بہ سر کچھ اور تھا
نور در آغوش یوں تو روز ہوتی تھی سحر
آپ ﷺ جب آئے تو اندازِ سحر کچھ اور تھا

(رازکاشمیری)

خلقِ خدا کی پیاس بجھانے کے واسطے
سرکار ﷺ بحرِ جود و سخا بن کے آگئے
لُو سے جھلس رہا تھا چمن زار دہر کا
آپ اس چمن میں ٹھنڈی ہوا بن کے آگئے
پھیلیں شعاعیں نورِ نبوت کی چار سو
ظلمت میں آنحضور ﷺ ضیا بن کے آگئے
پیغامِ انقلاب تھی بعثت حضور ﷺ کی
آپ ﷺ ایک دورِ نو کی صدا بن کے آگئے

(ضیامحمدضیا)

کعبۂ جاں، قبلۂ قلب و نظر پیدا ہوئے
خواجۂ کونین، شاہِ بحر و بر پیدا ہوئے
ہر قدم اک مشرقِ نور و ضیا کا سامنا
ہر نفس امکان معراجِ نظر پیدا ہوئے
عارف ارض و سما، میر بساطِ کائنات
خیر سے خیر الامم، خیر البشر پیدا ہوئے

جس نے دیکھا پھر نہ دیکھا اور کچھ ان کے سوا
اک نظر میں سینکڑوں حسنِ نظر پیدا ہوئے
اب نہ اتریں گے صحیفے، اب نہ آئیں گے رسول
لے کے قرآں آخری پیغامبر پیدا ہوئے

(احسان دانش)

رخِ حیات کے جلوے نکھارنے کے لیے
عروسِ دہر کے گیسو سنوارنے کے لیے
حقیر و عاجز و پامال نوعِ انساں کو
وقارِ حدِ بشر تک ابھارنے کے لیے
خدا نے ہادیٔ کامل ﷺ کو دہر میں بھیجا
رہِ نجات پہ انساں کو ڈالنے کے لیے

(بشیر احمد تمنا)

شبِ ظلمت کے ہنگاموں میں گم تھی نسلِ انسانی
یکا یک طاقِ کعبہ پر چراغِ ہاشمی آیا
تبسم کی ادا سیکھی تھی کب گلہائے ہستی نے
جب اک انسانِ کامل لے کے ہونٹوں پر ہنسی آیا
پڑی سوتی رہیں دنیا کی قومیں خوابِ غفلت میں
وہ جب آیا تو انساں کو شعورِ زندگی آیا

(شفیق جونپوری)

دنیائے نعت گوئی میں جب بھی ولادتِ باسعادت کا ذکر ہوا ہے، ساتھ ہی درود وسلام بھی شعری شگفتگی، فکری تازگی، قلبی زندگی اور روحانی بالیدگی کا سبب بنتا رہا ہے۔ محبت، تعلق، انسیت کا یہ سلسلہ پیہم رواں دواں ہے کہ اوقاتِ عالم کا ایک ثانیہ بھی ایسا نہیں گزرتا جب کہ کوئی نہ کوئی مسلمان، کہیں نہ کہیں نماز نہ پڑھ رہا ہو اور اپنے آقا اور محسن حضرت محمد ﷺ کے حضور میں درود وسلام نذر نہ کر رہا ہو۔

ربِ دوجہاں کی ذات بلند و برتر ہے اور اس کی حمد وثنا پیہم رواں اور ہر دم جواں ہے۔ اس کی مشیت تھی کہ اس کے حبیب ﷺ کی ذات کی عظمت کو بھی دوام مل جائے۔ چنانچہ اس نے ذکرِ حبیب ﷺ کو رفعت عطا کر دی ایسی رفعت جس میں پوری کائنات سمٹی ہوئی ہے جس کے محیط میں گنبدِ آبگینہ رنگ بھی حباب آسا ہے جو ہر حد سے بڑھ کر اور ہر جہت سے بالاتر ہے۔ اس ذکر کو ہر نوع سے رفیع الشان رکھنے کا اہتمام یوں کیا گیا کہ خود وہ ذات جو ہر ثنا کی، ہر اعتبار سے مستحق ہے وہ بھی صلوٰۃ وسلام کے ذریعے حضور ﷺ کی سعادات و برکات میں اضافہ کرتی رہے۔ شب و روز فرشتے اس مقامِ ناز پر انوار

کے طبق لے کر اُترتے رہیں جسے گنبد خضریٰ کہتے ہیں اور بندے اپنے ظرف کے مطابق سلام بھیجتے رہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور عطا کے مطابق رحمت وعطوفت کے آرزومند رہیں یہ آرزومندی اللہ کے حکم کی تعمیل بھی ہے، اس کی رضا کے حصول کے ذریعہ بھی اور اس نوع سے دعا بھی کہ اس خزانۂ رحمت پر جتنی زیادہ رحمت نازل ہوگی عالمین پر اتنی ہی زیادہ تقسیم ہوگی کہ وہ ذاتِ پاک ﷺ الطافِ حق کی قاسم ہے اور ہم ہر اعتبار سے محتاجِ لطف وکرم:

میں خاکِ محض، میں انبارِ گل، میں مشت غبار
تری نگاہ جو پڑ جائے کیمیا ہوں میں
درود ہوں تری رحمت مآب کملی پر
ردائے یاس میں لپٹی ہوئی قبا ہوں میں
تو رحمتوں کا تجمل، تو شفقتوں کا جمال
یہ میری سوچ کا محور نہیں کہ کیا ہوں میں

درود وسلام ہمارے لیے وجۂ رحمت ہے۔ زندگی کی ظلمتوں میں نور اور تمازتِ محشر میں عرش کا سایہ ہے یہ قرب کا ایک دلآویز ذریعہ ہے۔ ایک پاکیزہ محرک ہے کہ یاد کا جواب یاد سے ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے بھی، فرشتوں کی جانب سے بھی اور خود ممدوحِ عظیم وجلیل کی طرف سے بھی، یاد کے تسلسل ہی سے تعلق کی بنیاد استوار رہتی ہے۔ یہی وہ تذکرہ ہے جس سے اعمال کا حسن نکھرتا، لحد عنبریں رہتی اور مغفرت کے ایوان کھل جاتے ہیں۔ قبولیتِ دعا کے لیے درود اچک لے جانے والی بجلی سے بھی زیادہ تیز رفتار ہے۔ یہ دعاؤں کا محافظ، رضائے الٰہی کا حاصل اور سعادتوں کا سرچشمہ ہے۔ سلام نعت گوئی کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی اور نعت ثنا وتعظیم اور رحمت وعطوفت کو غم جاں، غم جاناں اور غم دوراں سے ہم آہنگ کر کے اس انداز سے پیش کرتی ہے کہ اس کی لے، کہیں ذات میں گم ہو جاتی ہے، کہیں صفات سے انوار سمیٹتی ہے، گاہے اشکوں کو صوت وصدا بناتی ہے اور کبھی روح کی لرزشوں کو نغمگی عطا کرتی ہے، کہیں دل کی بے چینیوں کا اظہار ہو جاتی ہے اور کہیں زمانے کی کلفتوں کا تذکرہ۔ گویا نعت ذاتی ہوتے ہوئے بھی کائناتی وسعتوں کی آئینہ دار ہے یہ امت کی ایک ایسی فریاد ہے جو اس ذاتِ اقدس کے حضور میں پیش کی جاتی ہے جو فی الواقع ثنا وتعظیم کے قابل ہے جس کی رحمت بے کراں ہے اور جس کی عطوفت ضرب المثل:

اب بھی مجھے سرکار کی رحمت پہ یقیں ہے
کل بھی مجھے سرکار کی رحمت پہ یقیں تھا

درود وسلام حکمِ خداوندی کی تعمیل کا ایک شرعی انداز بھی ہے اور شعرا کی زبان وقلم کا ایک غنائی اظہار بھی، اردو زبان اس اعتبار سے معتبر ہے کہ سلام کے جس قدر نذرانے اس میں ہیں کسی اور زبان کے شعری ادب میں نہیں ہیں اور صلوٰۃ و سلام کی اس نغماتی کہکشاں کے رنگ روپ میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ حق یہ ہے کہ ثنائے رسول ﷺ ہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ، فرشتے اور بندے ایک ہی سطح پر ایک ہی بات کے آرزومند ہوتے ہیں۔ ظرف کے مطابق عطا اور طلب میں فرق ہو سکتا ہے مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ کے بارے میں صلوٰۃ وسلام کے انداز کو

پیہم اپنانا پھر فرشتوں اور بندوں کو بھی اس ثنا و تعظیم میں شریک کر لینا ثبوت ہے اس بات کا کہ درود و سلام ہی وہ شرف اور نعمت ہے جس پر عالم علوی اور عالم سفلی دونوں کا اجماع ہے ورنہ کہاں عرش، کہاں فرش، کہاں خاک، کہاں عالم پاک، اگر کوئی نسبت ہے تو وہ درود ہی کی بنا پر مؤقر اور معتبر ہے:

سازِ دل سے نغمہ کی صورت اٹھی موجِ درود
عظمتِ کردار پر حق کی شہادت دیکھ کر

صلوٰۃ و سلام دراصل تحسین ہے مصورِ حقیقی کے سب سے بڑے شاہکار کی۔ مصورِ حقیقی کی آرزو ہے کہ اس کے نقشِ بہترین کی بہترین تعریف ہو، تعریف کرنے والا اگر صاحبِ نظر ہے تو اس کی قدر شناسی مصور کے نزدیک لعل و جواہر سے بھی گراں سمجھی جائے گی۔ تحسینِ نظر ظرف اور توفیق کے مطابق مختلف ہوا کرتی ہے۔ بعض صرف زبان سے اعتراف کرتے ہیں، بعض تصویر کو دیکھ کر وجد میں آجاتے ہیں، بعض مصور کی عظمتوں کے حضور میں جھک جھک جاتے ہیں اور بعض کا شوقِ دیدار، آنسوؤں میں ڈوب جاتا ہے۔ آنسوؤں کی زبان سے ادا ہونے والی ستائش خود مصور کے دل میں سرخوشی بن کر سما جاتی ہے۔ تصویر دیکھتے دیکھتے اگر مصور بھی مل جائے تو یہ بڑے نصیب کی بات ہے۔ حضور ﷺ نقاشِ ازل کا بہترین نقش ہیں کہ جو دیکھنے والا ان کے حسن کی کما حقہ، تحسین کرتا ہے۔ وہ دراصل مصورِ حقیقی کے جذبۂ رحمت اور لطفِ بے نہایت کو جوش میں لاتا ہے۔ یوں فطرت کی نوازشاتِ بے پایاں اس کا احاطہ کر لیتی ہیں۔

اس رحیم و کریم ذات کی مہربانی ہے کہ اس نے ہمیں دعا کے آداب بھی سکھائے اور طلب کے انداز بھی بتائے اور ہم پر واضح کر دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہے تو اللہ کے حبیب ﷺ کے حضور میں ستائش کے نذرانے پیش کرو یہی منعم کے انعام کی تحسین ہے۔ یہی فن کی داد ہے اور اسی داد کا دوسرا نام صلوٰۃ و سلام ہے۔ گویا سلام بحضور سرورِ کونین ﷺ، رضائے الٰہی کے حصول کا ایک معتبر، مستند اور مبرور ذریعہ ہے اور رضا ہر جزا سے بڑھ کر ہوا کرتی ہے اور آخر میں آغا شورش کاشمیری کے الفاظ میں:

> ''سلام پہنچے آمنہ کے اس لال ﷺ کو جس نے ہمیں اپنی رحمۃ للعالمینی میں پناہ دی، ہمارے بازوؤں کو کشور کشائی کی طاقت بخشی، ہمارے دلوں کو اپنی خندہ جبینی سے آفتاب و ماہتاب کی طرح جگمگایا، ہمیں ایمان کی لافانی دولت سے مالا مال کیا۔ جس پر قرآن کریم جیسی لازوال کتاب نازل ہوئی۔ جو مسکرایا تو چمنستانِ کونین کے پھولوں نے ہنسنا سکھایا۔ جو اٹھا تو پہاڑوں نے سربلندی پائی۔ جس کے خرامِ ناز سے صبا نے ٹہلنا سیکھا، جس نے کائنات کو نورانی کیا... جو نور میں سب سے پہلے اور ظہور میں سب سے آخر تھا۔ جس کی توانائیوں نے ہمیں کائنات کی تسخیر پر قادر کیا۔ جس نے عرب کے بدوؤں اور حجاز کے ساربانوں کو شہنشاہوں کے گریبانوں سے کھیلنا سکھایا۔ جس نے عرب و عجم کی تمیز مٹا ڈالی۔ جس نے انسانوں پر انسانوں کی فوقیت کو ختم کیا اور تقویٰ، دیانت اور فراست کو انسانی شرف و مجد کی دلیل ٹھہرایا۔
> سلام پہنچے اس محسنِ کائنات ﷺ پر جو کائنات کی تخلیق کا باعث ہے۔ جس کا عشق ہمارا قبلۂ مراد اور

کعبۂ ذوق ہے۔ جو تمام نبیوں میں آخری نبی ہے۔ جس کی ختم المرسلینی پر ساڑھے تیرہ سو سال میں کئی رہزنوں نے دست درازی کرنا چاہی لیکن وقت کی غیرت نے انھیں نقشِ آب کی طرح محو کر دیا۔ جو بظاہر گنبدِ خضریٰ میں سو رہا ہے لیکن جس کی چشمِ نگراں ارض و سما کی وسعتوں اور پہنائیوں سے باخبر ہے۔ ہم حقیروں میں اتنی ہمت کہاں کہ حضور ﷺ کی ثنا کر سکیں۔ یہاں قلم عاجز اور زبانیں گُنگ ہو جاتی ہیں۔''

(۲۰۰۴ء)

☆

اسمِ محمد ﷺ ـــــ اُردو نعت کے آئینے میں

جہاں تک نبیٔ کریم ﷺ کے اسمِ گرامی محمد ﷺ کا تعلق ہے، اس کے فیوض و برکات کے بارے میں اہل دل نے بہت کچھ محسوس کیا، ڈھونڈ نے والوں نے بہت کچھ پایا اور اہلِ قلم نے بہت کچھ لکھا اور یہ ایک ایسی لذیذ حکایت ہے کہ روز بروز طویل تر ہوتی جارہی ہے، ایک ایسا سلسلہ ذہب ہے کہ لحہ بہ لحہ سوچوں میں ستارے ٹانکتا چلا جارہا ہے اور ایک ایسی تہ در تہ حقیقت ہے کہ نئے نئے رنگوں کے ساتھ، کھلتی کِھلتی، پھلتی اور پھولتی اور پھیلتی چلی جارہی ہے:

نیا ہے لیجیے جب نام اس کا
بہت وسعت ہے میری داستاں میں

رنگوں اور خوشبوؤں کی اس کائنات کو لفظوں میں سمیٹنا، کسی قلم کے بس کی بات نہیں ہے کہ حرف، موجِ نور کو زنجیر نہیں کر سکتے:

تھکی ہے فکرِ رسا اور مدح باقی ہے
قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا اور مدح باقی ہے
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

پہلے تین مصرعے ناصرؔ کاظمی کے اور آخری دو غالبؔ کے ہیں۔

اور اقبالؔ نے اسی اسمِ گرامی کو باعثِ تکوینِ کائنات یوں قرار دیا تھا:

خیمہ افلاک کا ایستادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

اقبالؔ نے اسمِ محمد (ﷺ) سے نہ صرف خود کو سنوارا بلکہ اپنی شاعری کو بھی نکھارا اور درماندہ و پس ماندہ امتِ محمد ﷺ کے لیے اس نام کو بطور ایک قوت اور وحدت کے استعمال کیا۔ اسی نام سے دلوں کو دھڑکنیں، نگاہوں کو وسعتیں اور ولولوں کو رفعتیں دیں۔ اسی نام کی بدولت اس نے غزل کو نئی جہتیں اور نئے جہان بخش کر عظمتیں عطا کیں۔ یہی وہ نام ہے جس کے فیض سے ہر دور کے شعور کو شائستگی، ہر عہد کی شاعری کو شگفتگی اور زندگی کے ہر شعار کو تابندگی ملتی رہی ہے۔ اقبالؔ کا یہ شعر جہت نما بھی ہے اور منزل نشاں بھی کہ:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد (ﷺ) سے اُجالا کر دے

حضور ﷺ کے لیے محمد، عبدالمطلب کا مجوزہ نام ہے۔ سنتِ ابراہیمی کے مطابق ساتویں دن انھوں نے عقیقے کی دعوت کی تو مدعوئین نے جب وجہِ تسمیہ دریافت کی تو عبدالمطلب نے کہا کہ ''میں چاہتا ہوں کہ آسمان میں اللہ اور زمین میں اس کی مخلوق نومولود کی تعریف کرے۔'' آپ ﷺ کی والدہ نے کسی غیبی اشارے کے تحت آپ ﷺ کا نام احمد رکھا۔ قبل ازیں، تاریخ میں کسی شخص کا نام ''احمد'' منقول نہیں ہے۔ البتہ دورِ جاہلیت میں ''محمد'' نام کے چند لوگ ضرور ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ لوگوں نے اہلِ کتاب سے سن رکھا تھا کہ اس نام کے ایک نبی عرب میں مبعوث ہونے والے ہیں۔ اس لیے انھوں نے ازراہِ سعادت اپنے بچوں کے یہ نام رکھ لیے۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ یوں لگتا ہے کہ جناب عبدالمطلب کا ''محمد'' نام رکھنا، صرف لغوی اعتبار سے تھا کہ یہ بچہ ستودہ صفات اور حمیدہ خصائل ہو۔ گو یہ سب اہتمام فطرت ہی کی جانب سے ہو رہا تھا۔ کہیں بعد میں ابوطالب کو یہ احساس ہوا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ محمود ہیں اور آپ محمد۔ ان کے ایک نعتیہ شعر کا ترجمہ یوں ہے:

''اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ سو صاحبِ عرش محمود اور آپ محمد ہیں۔''

ایسے ہی جیسے صدیوں بعد استاد قمر جلالوی کو احساس ہوا کہ:

کیا ہو اللہ و محمد (ﷺ) میں تمیزِ حسن و عشق
کوئی اس کے نام پر نقطہ، نہ ان کے نام پر

یہ دونوں غیر منقوط ایک دوسرے سے وابستہ بھی ہیں اور پیوستہ بھی۔ کلمۂ طیبہ پر غور کر لیں، اللہ تعالیٰ کو واؤ عاطفہ کا فاصلہ اور بعد بھی پسند نہیں ہے۔

قرآنِ پاک میں آپ ﷺ کے مقامِ رسالت کے سیاق و سباق میں ایک مرتبہ احمد اور چار بار محمد ﷺ کا لفظ بطور اسمِ گرامی آیا ہے۔ ''احمد'' تو سورۃ الصّف کی چھٹی آیت میں ''نوید مسیحا'' کے طور پر آیا ہے کہ ''میں اس پیغمبر کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور جس کا نام احمد ہوگا۔'' جب یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کو بار بار جھٹلایا اور انھوں نے ہر بار انھیں یقین دلایا کہ وہ کوئی نئی شریعت نہیں لائے، بلکہ تورات ہی کے مصدق ہیں، تب انھوں نے اس عظیم صداقت کا اعلان فرمایا کہ ''میرے بعد ایک نبی احمد آئے گا جو حمد و ثنا کے نغموں کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچائے گا۔'' مگر احمد کی شخصیت ظاہر ہوئی تو انھوں نے اسے تسلیم کرنے سے اس لیے انکار کر دیا کہ بنو اسماعیل کا یہ شرف انھیں پسند نہ تھا۔ یہ واضح رہے کہ تورات و انجیل میں واضح طور پر احمد کے اسم پاک ساتھ یہ بشارت مذکور تھی اور تحریفات کے باوجود آج بھی منسوخ صحائف میں ایسے لفظ بطور بشارت موجود ہیں جو احمد اور محمد کے ہم معنی ہیں۔ ''محمد'' کا لفظ آلِ عمران کی آیت ۱۴۴ میں، سورۂ احزاب کی آیت ۴۰، سورۂ محمد کی آیت ۲ اور سورۂ فتح کی آیت ۲۹ میں حضور ﷺ کی عظمت اور ختم المرسلینی کی توثیق کے طور پر آیا ہے تاکہ یہ صداقت، بے غبار، واضح اور روشن رہے۔

محمد (ﷺ) اور احمد، دونوں کا مادہ ''حمد'' ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ ... کسی کے اخلاقِ حسنہ، اوصافِ حمیدہ،

کمالاتِ جلیلہ اور فضائل ومحاسن کو محبت، عقیدت اور عظمت کے ساتھ بیان کیا جائے۔ اسمِ پاک محمد مصدر تحمید (بابِ تفعیل) سے مشتق ہے۔ لفظ محمد اسی مصدر سے اسم مفعول ہے اور اس سے مقصود وہ ذات بابرکات ہے جس کے حقیقی کمالات، ذاتی صفات اور اصلی محامد کو عقیدت ومحبت کے ساتھ بہ کثرت اور بار بار بیان کیا جائے۔ لفظ محمد میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ وہ ذات ستودہ صفات جس میں خصائلِ محمودہ اور اوصافِ حمیدہ بدرجۂ کمال اور بہ کثرت موجود ہوں۔ اسی طرح ''احمد'' اسمِ تفضیل کا صیغہ ہے بعض اہلِ علم کے نزدیک یہ اسم فاعل کے معنی میں ہے اور بعض کے نزدیک اسمِ مفعول کے معنی میں۔ اسم فاعل کی صورت میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی حمد وستائش کرنے والا اور مفعول کی صورت میں سب سے زیادہ تعریف کیا گیا اور سراہا گیا۔ گویا آپ وہ عظیم الشان انسان ہیں جن سے زیادہ کسی کی تعریف نہیں کی گئی اور جن سے زیادہ کسی نے اپنے خالق کی تعریف نہیں کی اور حق یہ ہے کہ اوقاتِ عالم کا ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا کہ جب کہیں نہ کہیں نماز کا وقت نہ ہو اور کوئی نہ کوئی نماز نہ پڑھ رہا ہو اور اپنے آقا اور محسن جناب محمد ﷺ پر درود نہ بھیج رہا ہو۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ ہی کو سورۂ ''الحمد'' عطا ہوئی۔ آپ ہی کو روزِ حشر ''لواء الحمد'' دیا جائے گا۔ آپ ہی کو مقامِ محمود سے نوازا گیا اور آپ ہی کی امت کے مومنین کو ''حامدون'' کہا گیا۔ گویا آپ کو ہر وہ حیثیت حاصل ہے جو سراپا وجۂ ستائش ونیائش ہے۔

حضور ﷺ کے صفاتی نام تو بے شمار ہیں مگر یہ دو ذاتی نام بھی لغوی اعتبار سے انتہائی بامعنی ہیں، ذات کے ساتھ صفات کی مکمل ہم آہنگی نظر آتی ہے۔ یہ ہم آہنگی بے مثال بھی ہے اور عدیم النظیر بھی۔ ان ناموں کی معنوی بلاغت اپنے اندر اعجاز آفرین صفاتی فصاحت سمیٹے ہوئے ہے اور اس نوع کی معجزانہ کیفیت اور کسی نبی کے نام کو نصیب نہیں ہے۔ خود آپ نے اپنے نام احمد کو سماوی اور محمد کو ارضی قرار دیا۔ گویا معلوم ہوا کہ آسمان پر یہ نام تھا اور زمین پر یہ نام ہے... گویا آپ تب بھی نبی تھے جب کوئی نبی آیا نہ تھا۔ نگاہِ عشق ومستی ہی میں نہیں، اربابِ عقل وشعور کے نزدیک بھی وہی اول ہیں، وہی آخر اور وہ حدیثِ پاک اس خیال کی مؤید ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں اولادِ آدم کا سید وسردار ہوں گا، میں پہلا شخص ہوں گا جس سے قبور کے شق ہونے کا آغاز ہوگا۔ میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں گا اور میں وہ پہلا ہوں گا جس کی شفاعت قبول ہوگی۔'' گویا بروزِ حشر، ہر دور محمد ﷺ میں سمٹا ہوا ملے گا کہ وہی نور میں سب سے اول اور ظہور میں سب سے آخر ہیں۔ وہی باعثِ تکوینِ عالم ہیں۔ اسی لیے آغازِ قیامت بھی اسی وجودِ اول سے ہوگا اور حیاتِ ابدی کی ابتدا بھی اسی سے ہوگی۔

حضور ﷺ کے اسمِ مبارک کے اسرار ورموز اور سعادات وبرکات پر علم والوں اور دل والوں نے ایسے ایسے پہلوؤں سے روشنی ڈالی ہے کہ ان کے اجمالی تذکرے کا احاطہ بھی مشکل ہے۔ حال ہی میں جناب محمد متین خالد نے اس نوع کے بہت سے نادر اور بکھرے ہوئے مضامین یک جا کیے ہیں اور انھیں ''معرفتِ اسم محمد ﷺ'' کے نام سے کتابی شکل میں بھی شائع کر دیا ہے۔ یہ کاوش جہاں اسم محمد ﷺ کی بے شمار فضیلتوں کا ایک دل آویز مرقع ہے وہاں مرتب کی اپنی فکری صالحیتوں، علمی صلاحیتوں، قلبی نظافتوں اور روحانی لطافتوں کا ایک واضح اظہار بھی ہے کہ اس میدان میں توفیقِ تدوین وترتیب اور حوصلۂ تحریر وتسوید، رضائے ربانی اور تائید گنبدِ خضریٰ کے بغیر نصیب نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ قلم بعد میں اٹھتا، زبان

بعد میں حرکت کرتی اور منظوری پہلے ہو جایا کرتی ہے اور اب اسی خوبصورت تالیف سے ایک اقتباس کہ جناب طاہر القادری کے قلم سے ہے:

''الفاظ مجموعۂ حروف ہوتے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی ایک حرف کو حذف کر دیا جائے تو بقیہ حروف اپنے معنی کھو بیٹھتے ہیں لیکن اس کلیے سے لفظ ''اللہ'' اور لفظ ''محمد ﷺ'' مستثنیٰ ہیں۔ اگر لفظ اللہ میں سے پہلا حرف الف کم کر دیا جائے تو باقی ''للہ'' رہ جاتا ہے جس کا مطلب اللہ کے لیے۔ اگر لام کو بھی ہٹا دیا جائے تو باقی ''الہ'' رہ جاتا ہے جس کا مطلب ہے معبود اور اگر الف کو بھی الگ کر دیا جائے تو باقی ''لہ'' رہ جاتا ہے جس کا مطلب ہے اللہ کے لیے۔ اگر لام کو بھی ہٹا دیا جائے تو ''ہو'' باقی رہ جاتا ہے یعنی وہی۔ (اللہ)

علیٰ ہذا القیاس لفظ محمد کا حرف بھی بامقصد اور بامعنی ہے، مثلاً اگر شروع کا ''م'' ہٹا دیا جائے تو ''حمد'' رہ جاتا ہے یعنی مدد کرنے والا یا تعریف۔ اور ابتدائی میم کے بعد اگر ''ح'' کو بھی حذف کر دیا جائے تو باقی ''مد'' رہ جائے گا جس کا مفہوم ہے دراز اور بلند یہ حضور ﷺ کی عظمت اور رفعت کی جانب اشارہ ہے اور اگر دوسرے میم کو بھی ہٹا لیا جائے تو صرف دال رہ جاتا ہے جس کا مفہوم ہے دلالت کرنے والا، یعنی اسمِ محمد ﷺ، اللہ کی واحدانیت پر دال ہے۔''

بہر نوع اللہ بھی ایک مکمل لفظ ہے اور محمد ﷺ بھی۔۔۔۔ اور یہ ایک واضح صداقت ہے کہ نقشِ ناتمام، نقاش کی اپنی رسوائی کا سبب اور نقشِ بہترین، نقاش کی اپنی عظمت کا اظہار ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرکزِ حسن ہیں، حسن اپنی دل آویزیوں کا نظارہ کرنے کے لیے ایک ایسے شفاف اور بے غبار آئینے کا آرزومند رہتا ہے جو اس کی جملہ ادائیں سمیٹنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور حسن ایسے آئینے کو بھی بچا بچا کے رکھتا ہے اور اس کی عکس برداری کی خوبیوں کو بھی کہ وہ آئینہ اس کی ذات اور صفات کا مظہر ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نقاشِ ازل کا ایک ایسا نقش بھی ہیں جو بہر اعتبار اجمل و اکمل ہے اور ایک ایسا آئینہ بھی جو حسنِ حق کا عکاس ہے۔ اس نقش احسن کو دیکھ کر، نقاش کے جمال کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ گویا اب ذات محمد ﷺ ہی، ذاتِ حق کا بہترین تعارف ہے اور اس سے لو لگائے بغیر، عرفانِ حق ایک بے مفہوم لفظ اور بے سود تمنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''طور پر تجلیوں کی بارش اسی وقت تک کے لیے تھی جب تک قدرت کے فن کو اوجِ کمال نہ ملا تھا، یہ فن ذاتِ محمدی ﷺ کی صورت میں ظاہر ہو گیا اور تخلیق کو معراجِ کمال نصیب ہو گئی، تو اب فن کار کی بے حجابی کی ضرورت باقی نہ رہی۔ تخلیق بے حجاب ہو گئی اور خالق چھپ گیا کیونکہ اب تخلیق، خالق کی معرفت کے لیے کافی تھی۔''

اک شخص سراپا رحمت ہے، اک ذات ہے یکسر خدا
ہم ارض و سما کو دیکھ چکے لیکن کوئی اس جیسا نہ ملا
اس ذات پہ حجت ختم ہوئی، نبیوں کی شہادت ختم نہ ہوئی
یعنی کے نبوت ختم ہوئی، پھر کوئی نہ اس کے بعد آیا
اس نور مجسم سے پہلے، اس ذاتِ مکرم سے ہٹ کر
تاریخ کے ظلمت زاروں میں جو عقدہ تھا عقدہ ہی رہا

سورج نے ضیا اس چشم سے لی، اس نطق سے غنچے پھول بنے
اٹھا تو ستارے فرش پہ تھے، بیٹھا تو زمیں کو عرش کیا
بطحا کے مسافر دیکھ کے چل، یہ اس کے نقوشِ پا ہی تو ہیں
تاریخ کے لالہ زاروں میں از غارِ حرا تا کرب و بلا
اس نام کی عظمت عرش پہ ہے، اس شخص کا چرچا فرش پہ ہے
وہ ذات نہیں تو کچھ بھی نہیں، قرآن کی ہر آیت سے کھلا

اس نام (محمد ﷺ) کے ایک ایک حرف کو مفہوم و مطالب کی ندرتوں اور وسعتوں سے آراستہ کرنے کے بعد فطرت نے اس ذات پاک (ﷺ) کو بھی اسم بامسمیٰ بنا دیا۔ نتیجہ معلوم کہ اس نام سے نئی نئی سعادتیں، نئی نئی حکمتیں اور نئی نئی نوازشیں پیہم ظاہر ہوتی چلی جارہی ہیں۔ یہ اسمِ گرامی، زاہدوں کی شب زندہ داریوں کا کیف، عالموں کی فکری عظمتوں کا ارتقا، شاعروں کی خیال آفرینیوں کا کمال، انشاپردازوں کے علوِ فکر کا جمال اور آبلہ پاؤں کی دشت نوردیوں کا حاصل ہے:

ہستی کی تمازت میں کیا نام نے تیرے
جو کام کہ ویرانے میں دیوار کرے ہے

الغرض اسمِ محمد ﷺ

☆ ایک ایسی حقیقت ہے جس نے باطل کی دھجیاں فضائے عالم میں بکھیر دیں اور نقشِ توحید، جریدۂ عالم پر ثبت کر دیا۔
☆ ایک ایسی سیرت ہے کہ جس سے ہدایت و بصیرت کے قدیم چراغ بجھ گئے اور جس کا طلوع ہر غروب سے نا آشنا ہے۔
☆ ایک ایسی سیادت ہے کہ ہر دور کی قیادت کے لیے راستے کی مشعل اور سراج منیر کی حیثیت رکھتی ہے۔
☆ ایک ایسی امامت ہے کہ اس کا ہر رخ، روح کے لیے تابندگی، دل کے لیے زندگی اور دماغ کے لیے رخشندگی کا باعث ہے۔
☆ ایک ایسی عظمت ہے جو غلاموں، مظلوموں، یتیموں اور بیواؤں کے چہروں پر دمک اٹھی اور جس نے گدائے راہ کر شکوۂ خسروی عطا کیا۔
☆ ایک ایسی سطوت ہے جو شاہوں کو سر پائے استحقار سے ٹھکراتی اور خود اپنے فقر کو فخر سمجھتی رہی۔
☆ ایک ایسی بصیرت ہے جس سے رشد و ہدایت کے ایوان اور قلب و نظر کی وادیاں بیک وقت جگمگا اٹھیں۔
☆ ایک ایسی فضیلت ہے جس نے ہر دور کے انسان کو احساس دلایا کہ وہی اعتبارِ کائنات بھی ہے اور افتخارِ عبودیت بھی۔
☆ ایک ایسی رفعت ہے جس نے ذروں کو آفتاب، قطروں کو قلزم اور خارزاروں کو گلستاں بنا دیا۔
☆ ایک ایسی تربیت ہے جس نے علم کو وسعت، خیال کو ندرت اور عمل کو نظافت عطا کی۔
☆ ایک ایسی رحمت ہے جس نے تمازتوں کو ٹھنڈک، عداوتوں کو محبت اور نفرتوں کو اخوت میں بدل دیا۔
☆ ایک ایسی شجاعت ہے کہ شہادت ہی جس کا مقصودِ نظر ہو اور جس کے نزدیک جنت تلواروں کی چھاؤں میں ہو۔
☆ ایک ایسی طلعت ہے کہ اس کے جلوؤں کی بہار دل نوازیوں کا مرقع اور بے خزاں گلستانوں کا فخر ہے۔

☆ ایک ایسی فصاحت ہے کہ لفظ لفظ صد ہا صداقتوں کا صدف اور بات بات، باتوں کی پیغمبر ہے۔
☆ ایک ایسی بلاغت ہے کہ خطیبوں کے ولولۂ خطابت کی آبرو اور ادیبوں کے افکارِ عالیہ کا حسن ہے۔
☆ ایک ایسی مدحت ہے کہ اس کے طفیل خود شعر کو تقدس، بیان کو تاثر، ذہن کو عرفان اور جذبوں کو بقا ملی۔
☆ ایک ایسی محبوبیت ہے کہ تب چاند اس کے رُخِ انور پر نگاہوں کا تار باندھتا تھا اور اب ہوا کی ہر موج اس کے آستانے کو بوسہ دے کر گزرتی ہے۔
☆ ایک ایسی استقامت ہے کہ سنگ و خشت کے سینوں میں گداز بن کر اتر گئی اور ہر جبر کو صبر سے برداشت کرنے کے اسلوب سکھاتی رہی۔
☆ ایک ایسی لطافت ہے کہ اس سے راستے مہک اٹھتے اور ذروں میں ستاروں کی چمک آجاتی تھی۔
☆ ایک ایسی موعظت ہے کہ اس کا انداز عالموں کا وقار، مبلغوں کا نکھار اور صوفیوں کا اعتبار ہے۔
☆ ایک ایسی مؤدت ہے کہ الطافِ حق کا قاسم بن کر، جانی دشمنوں کے گھروں کو دارالامان قرار دے گئی۔
☆ ایک ایسی اکملیت ہے کہ شر کو خیر، تخریب کو تہذیب، گمرہوں کا نشانِ منزل اور بت پرستوں کو باخدا بنا گئی۔
☆ ایک ایسی شفاعت ہے کہ حرص کی حد تک گناہ گاروں کے لیے بے چین اور امتِ مسلمہ کا واحد اخروی سہارا ہے۔
☆ ایک ایسی جامعیت ہے کہ جس میں حسنِ فطرت کہ ہر آرائش اور انبیائے کرام کے جملہ انوار منتہائے کمال پر پہنچ کر ہم آہنگ ہیں۔
☆ ایک ایسی مرکزیت ہے کہ جس کے گرد صبحِ ازل کی تابانیاں اور شامِ ابد کی تجلیاں گھومتی ہیں۔
☆ ایک ایسی رسالت ہے کہ جس کا تسلسل ایک تاریخی حقیقت بن کے رہا اور جس کے بعد ہر دعوے دارِ نبوت غبارِ معصیت بن کر اڑ گیا۔

حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء بھی ہیں اور اشرف الانبیاء بھی۔ تمام انبیائے کرام کا جمال و کمال اس ایک وجودِ اعظم و اطہر میں سمٹ گیا ہے۔ شمعِ محفل کا ذکر آتے ہی محفل کی جملہ رعنائیاں قلب و نظر کا احاطہ کر لیا کرتی ہیں۔ شاہِ خوباں کا نام آجائے تو ہر محبوب، حسن کی تمام اداؤں کے ساتھ تصور کو مہکا جایا کرتا ہے۔ دل میں شمعیں جھلملاتی اور نظر میں پھول مسکرانے لگ جاتے ہیں۔ سو (۱۰۰) کہہ دیں تو اس میں ایک بھی آجاتا ہے اور نوّے بھی، اسی لیے عارفِ رومؒ نے کہا تھا:

نامِ احمد ﷺ نامِ جملہ انبیا است
چونکہ صد آمد، نود ہم پیشِ ماست

راستہ راستہ چراغاں ہے، اسی ایک نقشِ قدم سے، آئینہ آئینہ فروزاں ہے، اسی ایک رخِ تاباں سے، غنچہ غنچہ شگفتہ ہے، اسی ایک تبسمِ دل کشا سے اور سانس سانس آبرومند ہے اسی ایک درِ یتیم کے فیض سے۔

افسوس کہ اقبالؔ کا یہ شعر مساجد کی زینت تو بن گیا ہے مگر ہمارے دل کی انگشتری کا نگینہ نہیں بن سکا۔

آبروئے ماز نامِ مصطفیٰ ﷺ است
در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ ﷺ است

دیکھنا یہ ہے کہ جس نامِ پاک سے ہماری آبرو، ہر دوسرا میں قائم ہے، ہم خود اس نام کی آبرو کو کہاں تک قائم رکھے ہوئے ہیں اور ہمارے دلوں میں مقامِ مصطفیٰ ﷺ کی حیثیت و نوعیت کیا ہے؟ حضور ﷺ کی ذات اقدس اور آپ ﷺ کے اسمِ گرامی کی تعظیم کے آداب تو خود خدا نے ہمیں سکھائے ہیں۔ یہ انہی کا محبت بھرا تذکرہ ہے جس نے قرآن کو کتابِ نعت بنا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن پانچ مقامات پر حضور ﷺ کو نام لے کر پکارا ہے، وہ حقائقِ نبوت کی تفہیم سے متعلق ہیں۔ باقی ہر مقام پر، تخاطب کے لیے حضور ﷺ کی اداؤں ہی کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے کہ آپ تو تھے ہی ہر لمحہ، ان کی نگاہوں میں... یاد رہے کہ تخاطب کے پس منظر میں روابط کے ناز اور تعلقات کے فخر ہوا کرتے ہیں۔ اللہ واقعات کے تسلسل کو سمجھانے کے لیے، ان وادیوں اور راستوں کی قسم کھاتے ہیں جہاں محبوب کا خرامِ ناز چاند ابھارتا، ستارے بکھیرتا اور پھول برساتا رہا ہے۔ وہ تو اپنا کلام بھی زبانِ محبوب ہی سے سننے کے شائق ہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ جب کلام اللہ، زبانِ محمدی (ﷺ) سے ادا ہوا تو فصیحان تمرّ دُخو، انگشت بدنداں رہ گئے اور سخنِ سنجان حجاز بے ساختہ پکار اٹھے کہ یہ زمین تو آسمان سے آئی معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب عرب کے اس عظیم الشان قاری کے لب حرکت میں آئے تو:

دریا کا جوش رک گیا، طوفان تھم گیا
جو تھا، جہاں، لرز کے، اسی جا پہ جم گیا

اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پسند نہیں کہ ان کے حبیب (ﷺ) کو عام انداز سے پکارا جائے اور انھیں چار دیواری کے باہر سے آوازیں دی جائیں، اسی لیے یہ واضح کر دیا گیا کہ ان کے روبہ رو آواز کو اونچا کرنے سے حسنِ عمل کے سارے گلاب مٹی ہو جائیں گے جب کہ ان کے حضور میں، آواز کی پستی کو دلیلِ تقویٰ قرار دیتے ہوئے، مغفرت اور اجرِ عظیم کی سند بنا دیا۔ مواجہ شریف پر سورۃ الحجرات کی یہی آیت تحریر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں اہل دل، نفس گم کردہ آتے ہیں کہ:

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہِ شیشہ گری کا

آج حضرت محمد ﷺ کی مبارک آواز، ان کی سنت کے ایوانوں میں گونج رہی ہے اور وہ شخص انتہائی بدنصیب ہے جو اپنی رائے کو حضور ﷺ کے قول اور اپنے عمل کو سنتِ رسول ﷺ پر ترجیح دیتا ہے۔ مسلمان، اپنی آواز کو رسول اللہ ﷺ کی آواز سے پست رکھنے کے سلسلے میں کل بھی مکلّف تھے اور آج بھی:

درِ دل پر صدائے اسمِ احمد ﷺ
مرا دامان تر ہے اور میں ہوں
سکوت و صوت کی منزل سے آگے
تقاضائے دگر ہے اور میں ہوں

مستثنیات ہر مقام پر ہوتی ہیں مگر حکم ہمیشہ اکثریت پر لگایا جاتا ہے۔ کیا آج ہم اس مقام تک نہیں پہنچ گئے جس کو قرآن کی بلیغ زبان **من کفر بعد ذالک فاولک هم الفٰسقون** سے تعبیر کرتی ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم عملاً مسلمان نہیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ حق کہ ہے ہم صرف دل رکھتے ہیں، دل کے اندر محبوب نہیں رکھتے۔ اسی امر نے

ہمیں سانس لینے والے مُردے بنا رکھا ہے، ہمارا ایمان زناری اور ہماری دانش افرنگی ہے۔ زبان پر حبِ رسول ﷺ کے دعوے ہیں مگر روز وشب میں سنتِ رسول ﷺ کا نہ کوئی رنگ ہے نہ آہنگ۔ اقبالؔ مقامِ رسالت مآب ﷺ کی نزاکتوں سے کس قدر باخبر تھا کہ درود شریف پڑھتے ہوئے، ندامت میں ڈوب ڈوب جاتا ہے۔

چوں بنامِ مصطفیٰ ﷺ خوانم درود
از خجالت آب می گردد وجود
چوں نداری از محمد ﷺ رنگ و بو
از درودِ خود میالا نامِ او ﷺ

اللہ تعالیٰ سے ہماری محبت کو شدید ترین ہوکر، مبالغہ کی حدوں کو چھونا چاہیے اور ان کے ذکر کو بھی بہر نوع باوقار ہونا چاہیے کہ یہی فرمانِ قرآنی ہے مگر ''طغیانِ ناز'' کا انداز دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے گھر میں ہر ''دیوانہ'' منظور ہے، چیخ پکار کی ہر بلندی مطلوب ہے، گھومنے بھاگنے، لپٹنے چمٹنے اور ٹکرانے کا ہر پہلو پسندیدہ ہے مگر اپنے محبوب کے آستانے پر کسی آواز کا ہلکا سا اونچا ہوجانا بھی قبول نہیں ہے:

اے زائرِ درگاہِ نبی ﷺ جائے ادب ہے
آئے نہ ترے دل کے دھڑکنے کی صدا بھی

قدسیؒ نے حضور ﷺ کا اسمِ گرامی زبان پر لانے سے پہلے دہن کو ہزار بار مشک وگلاب سے دھونے کی تلقین بھی کی مگر پھر بھی اسے سوءِ ادب سمجھا، مگر ہم حضور ﷺ کا نام لینے اور نعت کہنے سے قبل سادہ پانی سے وضو کرنے کا تکلف بھی نہیں کرتے، فریبِ نفس اور شوکتِ نفس کی انتہا سمجھیے کہ ہم نعت گوئی کی محفلیں آراستہ کرتے ہیں، قریبی مساجد میں اذانیں بلند ہوتی رہتی ہیں مگر ہم محفلِ نعت کے تسلسل میں خلل نہیں آنے دیتے اور تصویر کشی کے بغیر کسی محفلِ نعت کا حسنِ تکمیل کو نہیں پہنچتا۔ المیہ یہ ہے کہ ہم آئینہ رو بہ رو رکھ کر، سنتِ رسول ﷺ کو اپنے ہاتھوں ذبح کرنے کے بعد، اس روئے رسول اکرم ﷺ کی مدحت کرتے ہیں جو فی الواقع رخِ جمالِ الٰہی کا آئینہ تھا اور جس کی کیفیت کے اظہار کے لیے کوئی سی تشبیہ بھی کام نہیں دیتی کہ مشبہ بہ کا مشبہ سے برتر ہونا ضروری ہے۔ مگر یہاں ہر مشبہ بہ فروتر ہے بلکہ خود وقارِ جمال کا آرزومند ہے:

تشبیہ دے کے قامتِ جاناں کو سرو سے
اونچا ہر ایک سرو کا قد ہم نے کر دیا

تعلیا نہ خودنمائیوں کی انتہا ہے کہ ہم گنبدِ خضریٰ کو پس منظر میں رکھ کر اپنے وجود کی تصویریں کھنچواتے ہیں، نہیں معلوم کہ حبِ رسول ﷺ اور اتباعِ سنت کا یہ کون سا رخ ہے جب کہ تصویر اور تصویر سازی کے بارے میں حضور ﷺ کی ناراضی واضح ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ زبان اور دل کے اسی بعد کا نتیجہ ہے کہ ہماری ہر بات بے تاثیر، ہر عمل بے ثمر، ہر محفل بے کیف، ہر آرزو خام، ہر خاکہ بے رنگ اور ہر تعمیر نامکمل ہے اور ہمارے الفاظ کی خوش نمائی، ہمارے اعمال کی سیہ دلی کا ماتم کررہی ہے۔ الغرض جلوت ہی کی وہ ہوس ہے جس نے آئینہ دل مکدر کررکھا ہے:

بے چہرہ لوگ چہرہ دکھانے کے شوق میں
آئینے مانگ لائے ہیں حیرت کہاں سے لائیں

اللہ تعالیٰ نے بھی اسمِ محمد ﷺ کی تعظیم کا حکم دیا ہے اور خود حضرت محمد ﷺ نے بھی کہ محمد جس کا بھی نام رکھا جائے، اس کے لیے عزت وعظمت وقف رہے، اس اسمِ گرامی قدر کی توقیر وتعظیم صحابۂ کرامؓ بھی کرتے رہے اور ان کے بعد آنے والے اہل اللہ بھی۔ نعت گوئی ان کا بھی شعار تھا اور محافلِ نعت گوئی کا انعقاد ان کا بھی دستور تھا ہمارے اسلاف کے یہ آداب بھی تاریخ میں محفوظ ہیں، ہمیں ان کی روشنی میں اپنے شعار کو شعور عطا کرنا چاہیے۔ دنیا بھر میں ہر سال نہیں بلکہ ہر روز محافل میلاد منعقد ہوتی رہتی ہیں اور بہ مصداق ذکر حبیب ﷺ کم نہیں، وصل حبیب ﷺ سے، حضور علیہ السلام کے تذکار سے مومنین دل وجان کے اطمینان کا سامان کرتے رہتے ہیں، لاکھوں شعرا، ہزاروں ادبا، سینکڑوں حکما اور فضلا شب وروز اپنی اپنی بساط کے مطابق حسن وجمال کے اس پیکر اتم، عرصۂ محشر کے اس شافعِ اُمم، ختم المرسلین محبوب رب العالمین ﷺ کی بارگاہِ ناز میں ہدیۂ نیاز پیش کرتے رہتے ہیں، یہ داستانِ حسیں، دنیائے باطن کے لیے باعثِ تسکین اور عالم ظاہر کے لیے وجہِ تزئین ہے:

بہار عالم حُسنش دل و جاں زندہ می دارد
بہ رنگ ارباب صورت را، بہ بو ارباب معنی را

عالمِ شریعت میں ان کی اطاعت، عالمِ طریقت میں ان کی محبت اور عالم معرفت میں ان کی کیفیت مقصودِ مومن ہے۔ یہ ایک ہی حقیقت کی مختلف کیفیات ہیں اور ایک ہی صداقت کے مختلف اجزا ہیں۔ کچھ کہہ لیجیے بات ایک ہی ہے..... کہ ان کی محبت ہی جان ایمان اور دین حق کی شرطِ اول ہے۔

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین۔ (مسلم شریف)

اس حقیقت کو جان لینے اور اس حکم کو مان لینے والوں کا اسلوبِ محبت، تاریخ میں محفوظ ہے۔ اس لیے حُبِ نبوی ﷺ کا انداز ان سے سیکھیں جن کی محبت کی تادیب خود حسن نے فرمائی۔ جہاں تکمیل حسن، ذاتِ پاک سرور کائنات ﷺ پر ہوئی وہاں تکمیلِ محبت کا مرتبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ذات بابرکت کو نصیب ہوا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ محبت ہی ادب وتوقیر سکھاتی ہے اور محبت ہی محبوب کی رضا کو ذاتی رضا پر غالب کر کے، کمال اطاعت تک لے جاتی ہے۔ محبت بغیر ادب واحترام کے ناتمام اور اطاعت بغیر محبت وعقیدت کے جسم بے جان سے زیادہ نہیں...

یہ کیسے لازم ہو گیا کہ چونکہ دور نعت کا ہے اس لیے نعت کہنا چاہیے، حالانکہ کسی دور کو نعت کے دور سے تعبیر کرنا ہی غلط ہے کہ ہر دور ہی نعت کا دور ہے کہ یہ صنفِ سخن ''ازل انوار'' بھی ہے اور ''ابد آثار'' بھی، غزل کو نعت اور بے کیفیوں کو کیف بنانے سے کہیں بہتر ہے کہ صلوٰۃ ودرود میں دل لگا کر، حضور ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ سے روح القدس کی تائید مانگی جائے:

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

عرفیؔ جیسا صاحب قلم اور صاحب دل شاعر کہتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی نعت کہتے ہوئے ذرا دیکھ کر اور سنبھل کر چلو کہ تلوار کی دھار پر چل رہے ہو اور بیدلؔ بھی حق آگاہ تھا کہ ہدایت کر گیا:

زلافِ حمد و نعت اولیٰ است بر خاکِ ادب خفتن
سجودے می تواں کردن، درودے می تواں گفتن

آج کتنے ثنا خوانِ محمد ﷺ ہیں جو ذکر رسول ﷺ سے پہلے فرموداتِ رسول ﷺ کو اپنے وجود اور اپنے متعلقین پر نافذ کرنے کی عملی سعی کرتے ہیں اور جنھیں علم ہے کہ ممدوحِ عظیم وجلیل ہم سے محض خراج عقیدت نہیں بلکہ خراج اطاعت لینے کے لیے تشریف لائے تھے۔ کتنے ہیں جو اپنی کہی ہوئی نعت انھیں سنانے کی سعی کرتے ہیں، جن ﷺ کے لیے وہ کہی گئی ہے، اس سعی کے قبول ہو جانے کے بعد، ''بیاض در بغل'' ہو کر محفلیں ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ سننے والے اور جاننے والے، زنجیرِ درخود ہلایا کرتے ہیں:

ربطِ خاطر کی نزاکت کو سمجھ سکتا ہے کون
آرزو کی آپ نے، محوِ تجسس ہم رہے

کاش! ہم جناب سید محمد ابوالخیر کشفی کی طرح ''اسم محمد ﷺ'' رقم کرنے سے قبل اس توفیق کے آرزومند ہوں کہ:

ذہن کو اپنے سجا لوں تو ترا ﷺ نام لکھوں
اپنے لمحوں کو اجالوں تو ترا ﷺ نام لکھوں
شہرِ طیبہ میں گزاری ہوئی ہر ساعت کی
یاد کو دل میں بسا لوں تو ترا ﷺ نام لکھوں
گنبدِ سبز کے سائے میں وہ صدیوں کا خرام
اس کی تصویر بنا لوں تو ترا ﷺ نام لکھوں
میرے مولا ﷺ! تری کملی سے ابھرتا سورج
اس کو آئینہ بنا لوں تو ترا ﷺ نام لکھوں
حضرت سیّد اکبرؓ کی وفا کا نغمہ
آج دنیا کو سنالوں تو ترا ﷺ نام لکھوں
صاحبِ عدل کہ فاروقؓ بنایا حق نے
ان کو الفاظ میں ڈھالوں تو ترا ﷺ نام لکھوں
جامعِ حرفِ الٰہی پہ درود اور سلام
اپنے آنسو کو سنبھالوں تو ترا ﷺ نام لکھوں
خواجۂ وسعتِ افلاک و زمیں تجھ پہ سلام
تیری لَو دل میں بڑھا لوں تو ترا ﷺ نام لکھوں

اب ایک نظر دیکھیے کہ اسمِ محمد (ﷺ) اردو نعت کو کس کس انداز سے مہکا رہا ہے۔ (مقصد محض ایک جھلک دکھانا ہے، مکمل احاطہ کرنا نہیں)

اللہ اللہ نامِ حبیبِ خدا
کتنا شیریں اور کس قدر جاں فزا
پھول سے کھل گئے، لب سے لب مل گئے
جب زباں پر محمد ﷺ کا نام آ گیا

☆

میری بینائی اور میرے ذہن سے محو ہوتا نہیں
میں نے روئے محمد ﷺ کو سوچا بہت اور چاہا بہت
میرے ہاتھوں سے اور میرے ہونٹوں سے خوشبوئیں جاتی نہیں
میں نے اسم محمد ﷺ کو لکھا بہت اور چوما بہت

☆

شاید کسی نے نام لیا ہے حضور ﷺ کا
ہر پنکھڑی گلاب کی خوش بو لٹائے ہے

☆

گلابِ اسم احمد ﷺ کیا کھلا شاخِ دل و جاں پر
چمن میں تذکرہ رہنے لگا ہے روز و شب میرا

☆

کوئی کرن نہ پھوٹے، کہیں روشنی نہ ہو
تیرا جو نام اذاں میں نہ ہو، صبح ہی نہ ہو
تیرا وجودِ پاک ہے معراجِ آدمی
ورنہ ہجومِ خلق تو ہو، آدمی نہ ہو
دنیائے آب و گل میں کبھی ہو نہ رنگ و بو
گر روضے کی جالیوں سے کرن پھوٹتی نہ ہو

☆

مرغوب ہے کیا صل علیٰ نامِ محمد ﷺ
آنکھوں کی ضیا، دل کی جلا نامِ محمد ﷺ
اللہ رے، رفعت کہ سر عرشِ خدا نے
اپنے ید قدرت سے لکھا نام محمد ﷺ

اوراق پہ طوبیٰ کے فرشتوں کی نگہ میں
کس شان سے منقوش ہوا نامِ محمد ﷺ
تکبیر میں، کلموں میں، نمازوں میں، اذاں میں
ہے نامِ الٰہی سے ملا، نامِ محمد ﷺ
دن حشر کے جنت میں وہ جائے گا بلا ریب
تعظیم سے یاں جس نے لیا نامِ محمد ﷺ

(ریاض حسین چودھری)

بلاؤں سے بچے جو نام لے دل سے محمد ﷺ کا
اثر میمِ مشدد میں ہے ذوالقرنین کی سد کا

(امیر مینائی)

دل کے سکوں کا راز ہے اتنا، جو پوچھے اس سے کہہ دینا
لیتے رہو بس نامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
یہ نام کوئی کام بگڑنے نہیں دیتا
بگڑے بھی بنا دیتا ہے بس نامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

(بہزاد لکھنوی)

زباں کو پاک جب تک کر نہ لیں اشکِ محبت سے
نبی ﷺ کا نام لب پر اہلِ دل لایا نہیں کرتے

(قمر انجم)

پریشانی میں نام ان کا دل صد چاک سے نکلا
اجابت شانہ کرنے آئی گیسوئے توسل کو

☆

تعظیم جس نے کی ہے محمد ﷺ کے نام کی
اللہ نے اس پر آتشِ دوزخ حرام کی

☆

جملہ صفاتِ حق کا یہ آئینہ دار ہے
اس نام سے خدا کا جلال آشکار ہے

☆

قائم اسی سے اہلِ رضا کا وقار ہے
یہ راز دارِ قدرتِ پروردگار ہے

☆

اٹھتا ہے شور اس پہ درود و سلام کا
یہ نام اک بہانہ ہے الطافِ عام کا

☆

سب کو ہے شانِ اسمِ محمد ﷺ کا اعتراف
کرتی ہیں ساری عظمتیں اس نام کا طواف

☆

لیتے نہیں یہ نام ہو جب تک زباں نہ صاف
یہ نام لو تو کرتی قدرت خطائیں معاف

☆

یہ اسمِ پاک چشمۂ فیضانِ عام ہے
نامِ خدا کے ساتھ یہی ایک نام ہے

(مولانا احمد رضا خاں)

اس نام سے لرزتے ہیں شاہانِ ذی حشم
اس نام سے فرشتے بھی ہوتے ہیں سر بہ خم

(محشر رسول نگری)

اسمِ حضور ﷺ، طلعتِ نوعِ بشر کی روشنی
ذکرِ جمیل آپ کا قلب و نظر کی روشنی

(جعفر بلوچ)

کیف و سرمستی کا ایک پیغام رنگیں ترا نام
انبساطِ روح کی دعوت ترا ذکرِ جمیل

☆

اس نام کی عظمت پہ میں سو جان سے قرباں
وہ نام کہ جو شاملِ تکبیر و اذاں ہے

☆

ترا نطق وحیِ یزداں، تری بات شرحِ قرآں
ترا نام دل کی تسکیں، ترا ذکر راحتِ جاں

(ماہرالقادری)

ہر دائرہ آواز کا لفظِ محمد ﷺ بن گیا
میرے لیے تو قبلۂ صوت و صدا بھی آپ ہیں

☆

صرف ایک تیرا نام ہے وردِ زباں مدام
میری دعا بھی تو ہے، مرا مدعا بھی تو

☆

مجھ کو تو اپنی جاں سے بھی پیارا ہے ان کا نام
شب ہے اگر حیات ستارا ہے ان کا نام
تنہائی کس طرح مجھے محصور کر سکے
جب میرے دل میں انجمن آرا ہے ان کا نام
ہر شخص کے دکھوں کا مداوا ہے ان کی ذات
سب پاشکستگاں کا سہارا ہے ان کا نام
بے یاروں، بے کسوں کا اثاثہ ہے ان کی یاد
بے چارگانِ دہر کا چارہ ہے ان کا نام
لب وا رہیں تو اسمِ محمد ﷺ ادا نہ ہو
اظہارِ مدعا کا اشارہ ہے ان کا نام
لفظِ محمد ﷺ اصل میں ہے نطق کا جمال
لحنِ خدا نے خود ہی سنوارا ہے ان کا نام
قرآنِ پاک ان پہ اتارا گیا ندیمؔ
اور میں نے اپنے دل میں اتارا ہے ان کا نام

☆

باعثِ کون و مکاں زینتِ قرآں یہ نام
ابرِ رحمت ہے جو کونین پہ چھا جاتا ہے
درد مندوں کے لیے درد کا درماں یہ نام
لوحِ جاں پر بھی یہی نقش نظر آتا ہے

اک یہی نام تو ہے وجہِ سکوں، وجہِ قرار
اک یہی نام کہ جلتے ہوئے موسم میں اماں
ہے اسی نام کی تسبیح، فرشتوں کا شعار
فخر کرتی ہے اسی نام پہ نسلِ انساں

☆

ہے یہی نام تو میری شب یلدا کی سحر
جسم و جاں میں جو چراغاں ہے اسی نام کا ہے
بس اسی نام کی خوشبو ہے مرے ہونٹوں پر
بس یہی نام دو عالم میں بڑے کام کا ہے

(احمد ندیم قاسمی)

تمنا ہے کہ ہو وہ نامِ نامی آپ ﷺ کا آقا
میں جو لفظ آخری بولوں، میں جو لفظ آخری لکھوں

☆

عطر آسودہ فضا اور فضاؤں میں درود
خوشبوئے اسمِ محمد ﷺ کی حدیں لا محدود

☆

میں اپنی روح میں پہلے انھیں تصویر کرتا ہوں
پھر اس کے بعد، ان کے نام کو تحریر کرتا ہوں

☆

جب بھی تیرا نام لیتا ہوں سرِ شامِ سخن
رقص کرتے ہیں مرے دل میں اجالے چمپئی

☆

ترا ہی نام دعائے خلیلؑ کی خوشبو
ترے ہی نور سے پر نور ماہِ کنعانی

(صبیح رحمانی)

نبضِ دوراں ان کے اسمِ پاک سے چلنے لگی
پھول مہکے، باغ مہکے، زندگی ہنسنے لگی

مری روح پر پھول برسا دیئے
خیالوں کے گلزار مہکا دیئے
کہ اسمِ محمد ﷺ نے بکھرا دیئے
نفس تا نفس، عنبر و مشک و عود
بنام محمد ﷺ سلام و درود

(صہبااختر)

اسمِ محمد ﷺ سے اندھیروں میں جلائی قندیل
برقِ تابندہ ہے کشفی کی زباں تو دیکھو

☆

ہر مطلعِ انوار اسی نام سے روشن
خورشید کو خیرات ملی اس کی جبیں سے
ہاں اسمِ محمد ﷺ ہے مرے نطق کی توقیر
الفاظ کو مفہوم ملا سرورِ ﷺ دیں سے

☆

مرا وجود محمد ﷺ کے نام سے قائم
چراغِ کعبہ سے روشن ہیں سب شجر میرے
جہاں مسافتیں منزل، غبار نورِ سحر
خیال و خواب میں بستے ہیں وہ نگر میرے

☆

اب گنبد خضریٰ کے سوا عکس نہ منظر
آنکھوں میں محبت کا بیاں لے کے چلا ہوں
نام ان ﷺ کا مرے واسطے ہے مخضرِ برأت
میں صاحبِ کوثر سے اماں لے کے چلا ہوں
طیبہ کی ہر اک رہ مری راہ نما ہے
سرکار ﷺ کے قدموں کے نشاں لے کے چلا ہوں

☆

آپ ﷺ کے نام میں ہر لفظ کا مفہوم ملے
میرے سرکار ﷺ ہیں ہر دور کی زندہ فرہنگ

☆

نام سے ان کے بدل جاتا ہے انساں کا وجود
ربِ کعبہ کا کرم ان کی عطا میں شامل

☆

ظلمت نے چراغ اپنے بجھائے تو ہیں لیکن
اک اسمِ محمد ﷺ تو اجالے کے لیے ہے

☆

یہ سلسلۂ صدق و وفا کس سے ملا ہے
افکار کو اندازِ حیا کس سے ملا ہے؟
کس نام سے ملتی ہے شفا اہلِ جہاں کو
کونین کو یہ حرفِ دعا کس سے ملا ہے؟

☆

وہ ایک نام جو آبِ حیات ہے لوگو
مرے لہو میں، مری آرزو میں زندہ ہے

☆

اس نام سے وابستہ ہوں نسبت پہ نظر ہے
عاصی ہوں مگر ان کی شفاعت پہ نظر ہے

☆

آباد رہوں اسمِ محمد ﷺ کی فضا میں
ہو نام ترا میرا نگر سید عالم ﷺ

(سید محمد ابوالخیر کشفی)

یہ لوح و قلم، ارض و سما سب ترے ممنون
یہ سرو وسمن، کشت و چمن، سب ترے دم سے
اے روحِ ازل، تیرے قدم بوس کی خاطر
گزری ہوئی صدیاں پلٹ آئی ہیں عدم سے
اے جانِ ابد، تیرے تلطف کی طلب میں
آئندہ زمانے لگے بیٹھے ہیں قدم سے
تحریر کیا پہلے ترا اسمِ گرامی
جب کام مشیت نے لیا لوح و قلم سے

(عاصی کرنالی)

نہیں غافل ہے ان ﷺ کی یاد سے کوئی غلام ان ﷺ کا
کسی کے لب پہ نام ان ﷺ کا، کسی کے دل میں نام ان ﷺ کا

(فیروز نظامی)

قربان جان و مال محمد ﷺ کے نام پر
میرے لیے یہ نام ہے سرمایۂ حیات
جب تک جہاں ہے نامِ محمد ﷺ رہے بلند
جب تک خدا ہے باقی و کافی ہے ان کی ذات

(احمد شجاع ساحر)

ہے میری چشم شوق ترے حسن پر فدا
ہے میری جانِ زار تیرے نام پر نثار

(نظیر لدھیانوی)

جس میں ہو ترا ذکر وہی بزم ہے رنگیں
جس میں ہو ترا نام وہی بات حسیں ہے

(صوفی غلام مصطفیٰ تبسم)

کبھی تھے دار کے قابل، کبھی سرِ مقتل
سروں کو نامِ محمد ﷺ پہ وارنے والے

(ساغر صدیقی)

پیمبروں کے بیانوں میں گونجنے والا
وہ نام سارے زمانوں میں گونجنے والا
بس ایک نام انھی ﷺ کا، خدا کے نام کے بعد
مؤذنوں کی اذانوں میں گونجنے والا
ہے اسمِ سیّد و سالار و سرورِ عالم ﷺ
دلوں میں، ذہنوں میں، جانوں میں گونجنے والا
بہ شکل مدحت و نعت و قصیدہ و توصیف
وہ نام ساری زبانوں میں گونجنے والا

(انور مسعود)

وہ نام اپنی حمد پہ خود ہی ہوا گواہ
وہ ذات اپنے وصف میں بھی بے حدود ہے

☆

نامِ نامی کا ہر اک حرف تسلی بن کر
روح میں جذب ہوا، قلب و نظر تک پہنچا

☆

وہ نام مرے وردِ زباں تھا کہ نظر آئے
انوارِ مدینہ بھی، در و بامِ حرم بھی

(انجم رومانی)

مرتبہ ہے یہ خیر الانام آپ ﷺ کا
ہے کلامِ الٰہی، کلام آپ کا
ذکر کرتے ہیں سب خاص و عام آپ ﷺ کا
ورد کرتا ہوں میں صبح و شام آپ ﷺ کا
واقعی اسم اعظم ہے نام آپ ﷺ کا

خیر ہیں، خیر کی آخری حد بھی ہیں
باعثِ کن بھی ہیں، کن کا مقصد بھی ہیں
خود بھی حامد ہیں، ممدوحِ سرمد بھی ہیں
آپ ﷺ احمد بھی ہیں اور محمد ﷺ بھی ہیں
حمد ہے لازمی جزو نام آپ ﷺ کا

بے قراریِ قلب و نظر کے لیے
درد دل کے لیے، چشم تر کے لیے
عاصیوں کی دعا میں اثر کے لیے
دفع شر اور دفاعِ بشر کے لیے
نام کافی ہے خیر الانام آپ ﷺ کا

(حنیف اسعدی)

رسالت و بشریت کی آخری حد پر
نثار کون و مکاں، ایک لفظ احمد پر

☆

ابھی جو اسم محمد ﷺ زبان پر آیا
تو میرے دل میں اجالا سا اک اتر آیا
وہ ہر مقام مری جنتِ نگاہ بنا
جہاں جہاں بھی ترا نقشِ پا نظر آیا

یہ گرفت ہے مری سوچ کی کہ مرے گمان کی دسترس
ترا نام آیا زبان پر، تو مہک اٹھا ہے نفس نفس
جو حریمِ جاں میں خزاں بھی ہو تو میرے لیے وہ بہار ہے
جو کبھی چلے ترا ذکر تو مجھے سبزہ سبزہ ہے خار و خس
یہی آرزو ہے کہ دہر میں ترا نام رنگ بکھیر دے
ترے در پہ جان بھی وار دیں، ترے حکم پہ کسے پیش و پس

(ریاض مجید)

اسی کے نام کی برکت سے رحمتوں کا جواز
وہی خلوص مجسم، وہی سحابِ کرم
نقیب صدق و صفا، آبروئے نوعِ بشر
اسی کے نام سے قائم ہے عظمتِ آدم

(سمیع اللہ قریشی)

زباں پر نامِ احمد ﷺ جب بھی آئے پھول کھلتے ہیں
ہوا نغمے جو بطحا کے سنائے، پھول کھلتے ہیں
خدا کے بعد ان کی ذات ہے وجہِ سکونِ دل
کہ ان کی یاد دل میں جب بھی آئے، پھول کھلتے ہیں
دریچے دل کے کھلتے ہیں بنامِ مصطفیٰ ﷺ خالدؔ
صبا طیبہ سے جب پیغام لائے، پھول کھلتے ہیں

(خالد شفیق)

لطفِ اسمِ مصطفیٰ ﷺ آتا رہا
صحنِ جاں میں چاند لہراتا رہا
یادِ طیبہ اس طرح آتی رہی
دل تڑپ کر بھی سکوں پاتا رہا
رازؔ تنہائی میں ان کا ذکرِ خیر
رنگ، خوشبو، نور برساتا رہا

(راز کاشمیری)

نام رسول ﷺ سے ہے نمود کمالِ فن
اس نقش نے نکھار دیا ہے جمالِ فن

☆

مری تسکیں، مری بخشش، مری توقیر کے ضامن
محمد ﷺ ہیں، محمد ﷺ، برملا کہیے، بجا کہیے
سرِ تسلیم خم کیجے نبی ﷺ کے حکم پر تائبؔ
نبی ﷺ کے نام پر صل علیٰ کہیے بجا کہیے

(حفیظ تائبؔ)

وہ ایک نام ﷺ کہ تسکین جان و تن ٹھہرا
اسی کے فیض سے گلشن میں عطر بیزی ہے
کبھی گلاب کبھی سرو و یاسمن ٹھہرا
ہوا کے دوش پہ یوسفؑ کا پیرہن ٹھہرا
وہ ایک نام کہ تسکین جان و تن ٹھہرا
وہ ایک نام کہ جس سے سکون ملتا ہے
غموں کی دھوپ میں سایہ گھنے شجر کا ہے
شفیق و مونس و غم خوار ہر بشر کا ہے
وہی دعائے مسیحا، وہی دوائے الم
اسی کے ذکر سے بزمِ حیات زندہ ہے
وہ ایک نام کہ تسکین جان و تن ٹھہرا

(سعید وارثی)

اس دلربا کے نام میں کتنی مٹھاس ہے
بعد خدا جو درخورِ حمد و سپاس ہے

(عبدالعزیز خالد)

اے صل علیٰ نام ترا کتنا حسیں ہے
سیرت ہے کہ خود بولتا قرآنِ مبیں ہے

(عبدالغنی تائبؔ)

نام پر آقا ﷺ کے تحریکِ ثنا دیتے رہے
ہم قلم کو چوم کر داد وفا دیتے رہے

(سجادؔ سخن)

بس ایک رسم ہے جس کو نباہنے کے لیے
تکلفات سے بزم سخن سجانی ہے

ہمارا شعر کہاں، دولتِ خلوص کہاں
سخن فروش ہیں، دادِ ہنر کمانی ہے
نہ سوز ہے دل میں، نہ آنکھ میں آنسو
کھلے ہوئے ہیں عقیدت کے پھول بے خوشبو
حضور ﷺ! پھر بھی یہ اشعار پیش خدمت ہیں
اگرچہ ہدیۂ ناچیز کم عیار سہی
برائے نام سی نسبت تو اب بھی باقی ہے
ہزار دامن ایمان تار تار سہی
تمہارا نام ہے تسکینِ روح و جاں اب بھی
تمہاری یاد سے ہوتا ہے دل جواں اب بھی

(عامر عثمانی)

کتابِ فطرت کے سر ورق پر جو نامِ احمد رقم نہ ہوتا
نقوش ہستی ابھر نہ سکتے وجودِ لوح و قلم نہ ہوتا

(اقبال سہیل)

محمد ﷺ ایک لفظِ مختصر ہے
مگر پھیلاؤ اس کا کس قدر ہے

(سرفراز ابد)

گزریں گے پل صراط سے لے کر نبی ﷺ کا نام
ہوگا ہمارا مونس و یاور نبی ﷺ کا نام
آتی ہے جب بھی گردشِ ایام سامنے
آتا ہے بے محابا لبوں پر نبی ﷺ کا نام
محشر میں نعتِ پاک کریمی سناؤں گا
لوں گا میں پیشِ داورِ محشر نبی ﷺ کا نام

(آفتاب کریمی)

زبان پر جب محمد ﷺ مصطفیٰ کا نام آتا ہے
بڑی تسکین ہوتی ہے بڑا آرام آتا ہے
محمد ﷺ مصطفیٰ کے نام کو وردِ زباں کر لو
مصیبت میں یہی اک نام ہے جو کام آتا ہے

☆

جو کام کر نہ سکیں گی جہاں کی تدبیریں
وہ وردِ نامِ رسالت مآب کر دے گا

(ساحرصدیقی)

میں فدا، جب بھی ترا نام لیا ہے میں نے
دل بھی تڑپا ہے مری آنکھ بھی بھر آئی ہے

☆

جز نامِ مصطفیٰ ﷺ نہیں کوئی علاج غم
جز ذکرِ خیر، کوئی مداوائے غم نہیں

☆

وہ تھے رسول بھی محمود بھی، محمد ﷺ بھی
ابھی وجودِ جہاں پردۂ عدم میں تھا

☆

آیا ہے لب پہ جب بھی حبیبِ ﷺ خدا کا نام
میری جبیں نیاز سے خم ہو کے رہ گئی

(حافظ مظہرالدین)

خدا کے بعد نکلتا ہے منہ سے نام ترا
وظیفہ پڑھتی ہے مخلوق صبح و شام ترا
جو تجھ سے پہلے کوئی نام ہے تو نامِ خدا
خدا کے بعد کوئی نام ہے تو نام ترا
یہ قرب خاص کہ خالق نے اپنے نام کے ساتھ
درِ قبول پہ لکھا ہے صرف نام ترا

☆

ناز کرتی ہے ترے نام پہ والا حسبی
فخر کرتی ہے تری ذات پہ عالی نسبی

☆

وہ تو کہیے وقتِ مردن لب پہ ان کا نام تھا
موت کا ہنگام ورنہ موت کا ہنگام تھا

(منور بدایونی)

عجب اک سرور سا چھا گیا، مرے روح و دل میں سما گیا
ترا نام ناز سے آ گیا، مرے لب پہ جب بھی نماز میں

(اختر شیرانی)

مجھ سے ہو یہ کرم بیش بہا کیسے رقم
کہ لبِ خامہ پہ ہے نامِ رسول ﷺ اکرم
رحمتِ عالمیاں جس کا وجودِ اقدس
غایت کن فیکون، اصلِ ظہورِ آدم

☆

جاں فدائے احمد ﷺ ہے، کیا حسیں ہے نام اس کا
آنکھ میں قیام اس کا، دل میں احترام اس کا

☆

اسمِ احمد ﷺ ہے تاثیر میں اسمِ اعظم
بابِ رحمت فقیر اس کی برکت سے وا ہے

(حافظ محمد افضل فقیر)

رحمت کا ابر ذہن پہ چھاتا چلا گیا
ہونٹوں پہ نام آپ ﷺ کا آتا چلا گیا
کیسا سرور اسمِ محمد ﷺ میں ہے نہاں
ہم کو مئے الست پلاتا چلا گیا
سجاد جب بھی اسمِ محمد ﷺ رقم کیا
اک شمعِ نور دل میں جلاتا چلا گیا

☆

ہے صبح و شام میرا وظیفہ اسی کا نام
لب پہ برنگِ حرفِ دعا ہے حرا کا چاند

☆

قرطاسِ دل پر نامِ نبی ﷺ جب رقم کریں
تختِ شہی کے سامنے کیوں سر کو خم کریں

(سجاد مرزا)

فضا صل علیٰ سے گونج گونج اٹھی
مرے ہونٹوں پہ جب بھی سرورِ ﷺ دوراں کا نام آیا

جب بھی پوچھا کسی نے ہو کس کے غلام؟
آ گیا میرے ہونٹوں پہ نام آپ ﷺ کا

(رفیع الدین ذکی قریشی)

نشاطِ روح کا ساماں ترا نام
علاجِ تلخیِ دوراں ترا نام
کتابِ حسن کا تو حرف آغاز
حدیثِ عشق کا عنواں ترا نام
دوائے دردِ مہجوراں ترا ذکر
انیسِ جانِ مشتاقاں ترا نام
حریمِ دل میں ضو افگن تری یاد
سوادِ جاں میں مشک افشاں ترا نام
رہا محفوظ وہ ہر ابتلا سے
بنایا جس نے حرزِ جاں ترا نام
نہ سمجھیں ہم اسے کیوں اسمِ اعظم
کرے سب مشکلیں آساں ترا نام
رکھیں وردِ زباں اس کو نہ کیوں ہم
کہ ہے ہر درد کا درماں ترا نام
رہے گا تا ابد روشن جہاں میں
مثالِ نیّر تاباں ترا نام

☆

اترتی جا رہی ہے اک حلاوت سی رگ و پے میں
ضیاؔ کس کا مبارک نام لب پر بار بار آیا

☆

تاریخ کے ماتھے پر رقم ہے تری عظمت
تعظیم ترے نام کی ہوگی نہ کبھی کم
پاتا ہے دل زار تری یاد سے تسکیں
لیتا ہوں ترا نام تو مٹ جاتے ہیں غم

☆

وہ ہے محمد ﷺ اور ہے حامد، کس سے بیاں ہوں اس کے محامد
اس پہ درود اور اس پہ تحیّت صلی اللہ علیہ وسلم

(ضیا محمد ضیا)

کلیم آئے زمانے میں اور کلام آیا
سکوت چھا گیا لب پر جب ان ﷺ کا نام آیا

☆

حسنِ مخلوق جو سمٹا تو بنا آپ ﷺ کا نام
حمدِ رب پھیل گئی جب بھی لیا آپ ﷺ کا نام
بلبلیں نغمہ سرا ہوں گی چمن پھولیں گے
لے کے جائے گی جہاں جب بھی صبا آپ ﷺ کا نام

☆

عالم شوق میں جب لب پہ وہ نام آتا ہے
سرمدی کیف لیے وجد میں جام آتا ہے

(سید حمید الدین احمد حمید)

نبی ﷺ کے نام سے مہکی کرن کرن خوشبو
رچی ہے آپ ﷺ کے دم سے زمن زمن خوشبو
انھی کے اسمِ معنبر کے فیض کے باعث
فضا فضا میں اجالا، دمن دمن خوشبو
بہارِ اسمِ محمد ﷺ کا ہے اثر نازشؔ
روش روش پر طراوت چمن چمن خوشبو

(محمد حنیف نازشؔ قادری)

کلی کلی کی زباں پر یہ نام کس کا ہے
نسیمِ صبح! بتا ذکرِ عام کس کا ہے

(نذر صابری)

پڑھتا ہوا درودِ پاک اٹھوں بروزِ محشر میں
نامِ نبی ﷺ لبوں پہ ہو ٹوٹے جو دم کا سلسلہ

☆

اسمِ سرکار ﷺ ہونٹوں پہ آیا مرے
آنکھ پرنم ہوئی، سر بھی خم ہو گیا
سیلِ اشکِ ندامت میں وہ زور تھا
دفترِ معصیت کالعدم ہوگیا

(حفیظ تائب)

لبوں پہ آئے تو تحسین سے رہے مشروط
تمام ناموں کا حاصل ہے ایک نام ترا

☆

ہر بار جس سے پائے زباں ذائقہ نیا
اس حرفِ دل نواز کی تکرار آپ ﷺ ہیں

☆

جب یاد کروں تجھ کو، چھلک جائے مری آنکھ
جب نام ترا لوں تو مری روح پگھل جائے

☆

تو رنگ ہے، خوشبو ہے، حلاوت ہے، نمو ہے
تو حسنِ چمن بن کے مری آنکھ میں لہرائے

(عارف عبدالمتین)

سارے کمال اس کے سبب سے ہیں ضو فگن
سارے جمال اسمِ محمد ﷺ کا نور ہیں

☆

کیا نام ہے جس نام کا ہر چاہنے والا
بن جاتا ہے اک عکسِ جمالِ شہِ والا

☆

اعزاز دیکھنا یہ محمد ﷺ کے نام کا
اللہ کو ہے شوق درود و سلام کا

☆

نہیں ہے نام یہ اک معجزہ ہے
محمد ﷺ اسمِ اعظم برملا ہے

☆

نام نامی لیا جب کبھی آپ ﷺ کا
زندگی کو نئی آگہی مل گئی

☆

یہ کائنات مہرِ محمد ﷺ کی میم ہے
ہر کن یہاں برائے رسولِ ﷺ کریم ہے

☆

کتنا عجیب میرے محمد ﷺ کا نام ہے
لکھا بغیر میم کے تو حمد ہوگیا

☆

ہیں جذب شش جہات محمد ﷺ کی میم میں
یہ میم لامکان و مکاں کو محیط ہے

☆

جسے دنیا سمجھتی ہے جہاں رنگ و بو خالدؔ
اسے حرفِ محمد ﷺ ہی کی ہم تفسیر کہتے ہیں

☆

احمد جو ہیں فلک پہ، محمد ﷺ زمین پر
حجت ہیں وہ خدا کی تمام عالمین پر

☆

مہتاب ڈھل رہے تھے جہاں میں نئے نئے
اعلان ہو رہا تھا محمد ﷺ کے نام کا

☆

میں غور کر رہا ہوں شفاعت کے باب میں
تصویر بن رہی ہے محمد ﷺ کے نام کی

☆

محمد ﷺ کی فضاؤں میں ہمیں تو
ازل بھی گُم، ابد بھی گم ملا ہے

☆

محمد ﷺ اک سمندر ہے کہ جس میں
زمین و آسماں ڈوبے ہوئے ہیں

عجب تحقیق ہے علم جفر کی
ہے ہر اک نام میں، نامِ محمد ﷺ

☆

شجر ایسا ہے یہ نامِ محمد ﷺ
کہ جس کے سائے کی حد ہی نہیں ہے

☆

زمین و آسماں کی وسعتوں میں
وہ اسمِ پاک ہی لکھا ہوا ہے

☆

یہی اسمِ محمد ﷺ ہے وہ جس کو
بنایا تھا وسیلہ انبیا نے

☆

میم ہے جو مرے محمد ﷺ کی
وہی بنیاد ہے محبت کی

(پروفیسر سید منصور احمد خالد)

تیری چاہت کا معجزہ دیکھوں
سانس ٹوٹے تو میرے ہونٹوں پر
نام تیرا ہو، جام تیرا ہو

☆

نام تیرا ازل کا سکہ ہے
تا قیامت اسی نے چلنا ہے
فیض اسی سے سبھی نے پایا ہے

☆

میری بخشش کا اک حوالہ ہے
کہ دعا میں اثر کی صورت ہے
نام تیرا ہی اسمِ اعظم ہے

☆

جب بھی آقا ﷺ کی نعت ہوتی ہے
میں قلم سے یہ بات کہتا ہوں
تم محمد ﷺ کو چوم کر لکھنا

☆

آپ ﷺ کا نام کتنا پیارا ہے
یہ محبت کا استعارہ ہے
ہر سفینے کا یہ سہارا ہے

☆

آپ ﷺ کے نام سے مرے آقا ﷺ
دل دھڑکتا ہے نبض چلتی ہے
زندہ ہونے کی یہ علامت ہے

(محمد اقبال نجمی)

رحمت حق کا استعارا ہے
آپ ﷺ کا نام کتنا پیارا ہے

(ستار وارثی)

جو نامِ اقدس حضور کا ہے وہی دوا ہے، وہی دعا ہے
میں اس کی نسبت سے معتبر ہوں کرم یہ میرے حضور ﷺ کا ہے

(سعید وارثی)

یہ ساری کائنات خدا کی ثنا کے بعد
تسبیح پڑھ رہی ہے محمد ﷺ کے نام کی

(رشید وارثی)

تصویر کی تعریف مصور کی ثنا ہے
یوں نامِ محمد ﷺ سے عیاں حمدِ خدا ہے
بس نامِ محمد ﷺ ہے مرا مونس و یاور
بس نامِ محمد ﷺ ہی مرے دکھ کی دوا ہے

(رئیس وارثی)

میں نے اوراقِ دعا پر لکھ لیا اسمِ رسول ﷺ
میری سانسوں سے درودوں کی مہک آنے لگی

جب سرِ محشر حسابِ نیک دبد ہونے لگا
یا محمد ﷺ، یا محمد ﷺ کی صدا آنے لگی

☆

رعنائی سحر کو سپردِ قلم کریں
قرطاسِ جاں پہ اسمِ محمد ﷺ رقم کریں
اسمِ حضور ﷺ شاخ قلم پہ کھلا رہے
یا رب ہری بھری مری کشتِ دعا رہے

☆

لب پہ مہکے ہوں مرے اسمِ گرامی کے گلاب
جب لحد سے مجھے محشر میں اٹھایا جائے

☆

فصیلِ شام و سحر چراغ جلتے ہیں
یہ کس کا اسمِ منور نفس نفس میں ہے

☆

شاخِ صدا پہ پھول کھلا ان ﷺ کے نام کا
تا حشر جس کے واسطے کوئی خزاں نہیں

☆

ریاضؔ اسمِ محمد ﷺ تو خود اک نعتِ مسلسل ہے
ترے الفاظ کیا، تیرا قلم، تیری زباں کیا ہے

☆

شاید کسی نے نام لیا ہے حضور ﷺ کا
ہر پنکھڑی گلاب کی خوشبو لٹائے ہے
ہر لفظ باوضو ہے مری نعت کا ریاضؔ
ہر لفظ لب پہ اسمِ محمد ﷺ سجائے ہے

(ریاض)

خدا منہ چوم لیتا ہے شہیدیؔ کس محبت سے
زباں پر میرے جس دم نام آتا ہے محمد ﷺ کا

(کرامت علی شہیدیؔ)

تمہارا نام مصیبت میں جب لیا ہوگا
ہمارا بگڑا ہوا کام بن گیا ہوگا

☆

ظہورِ پاک سے پہلے بھی صدقے تھے نبی تم پر
تمہارے نام ہی کی روشنی تھی بزم امکاں میں

(حسن رضا بریلوی)

درود لکھتا ہوں پیہم سلام لکھتا ہوں
ہر اک نبی کا رسول و امام لکھتا ہوں
کسی کو بھی کسی قیمت پہ بھی نہ دوں گا کبھی
میں جس قلم سے محمد ﷺ کا نام لکھتا ہوں

(محمد ہارون الرشید ارشد)

صد شکر مرے حافظہ و ذہن میں اب تک
رہتا نہیں کچھ نامِ محمد ﷺ کے سوا یاد

☆

ہوتی ہے مجھے نامِ محمد ﷺ سے تسلی
اب سانس کی رفتار زیادہ ہے نہ کم ہے

(احسان دانش)

محمد ﷺ سید الکونین محبوب خدا، مقصودِ دو عالم
انھی کا اسمِ پاکیزہ وقارِ انجمن دیکھا

☆

دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اجالے کے لیے
شمعِ تذکارِ شہِ دین جلائی جائے

☆

جاں بڑی چیز ہے عشاق نبی ﷺ نے لیکن
حبِ احمد ﷺ کے مقابل میں یہ سستی دیکھی
روحِ غمگیں کو ملا اسمِ محمد ﷺ سے قرار
دل کی دنیا بھی اسی نام سے بستی دیکھی

☆

نعت کہنے میں رضاؔ وہ بھی مقام آتا ہے
مجھ پہ ہر آن فرشتوں کا سلام آتا ہے

ہونٹ کو ہونٹ لگے چومنے بہرِ تعظیم
میرے ہونٹوں پہ محمد ﷺ کا جو نام آتا ہے

☆

تھی چشمِ آرزو کو مری حاجتِ وضو
اسمِ حضور ﷺ دے گیا آنکھوں کا نم مجھے

☆

مری ناکام حسرت نے لیا نامِ محمد ﷺ جب
تو لطفِ زندگی مجھ کو ملا آہستہ آہستہ

☆

قلب میں اسمِ محمد ﷺ سے اجالا جو کرے
قبر میں اس کی بھلا کیسے اندھیرا ہوگا

☆

جب میں مروں تو لب پہ محمد ﷺ کا نام ہو
زندہ رہوں تو آپ ﷺ کا ارماں لیے ہوئے

(محمد اکرم رضاؔ)

اردو نعت میں اسمِ محمد ﷺ کے اجالوں کا یہ پر لطف (مگر غیر مرتب کہ موتی بکھرے بھی بھلے معلوم ہوتے ہیں) تذکرہ طویل ہوتا چلا جا رہا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اقلیمِ نعت میں قلب و نظر کے لیے جو کشش ہے وہ اسمِ محمد ﷺ ہی کی دین ہے۔ یہی وہ مبارک نام ہے جس کی بدولت قرطاس و قلم کی ظلمتیں جگمگا اٹھیں اور شعر و ادب میں فکری اعتبار سے لطف و لطافت اور فنی نقطۂ نظر سے وزن و وقار آ گیا اور اسی نام کے فیض سے شاعر بے نام وادیوں میں بھٹکنے اور بھٹکنے سے بچ گیا اور اسے ایک واضح اور روشن منزل کا سراغ ملا۔ اسمِ محمد ﷺ فیض اور فیضان کا ایک غیر مختتم سلسلہ ہے جس کے خنک سائے میدانِ حشر کی جاں گداز تمازتوں تک پھیلے ہوئے ہیں، مرزا غالبؔ کے شاگرد ہرگوپال تفتہ کا ایک شعر نوکِ قلم پر مچلنے کے لیے بے چین ہے:

چوں دمِ محشر، ز محشر، بر خود عرصہ تنگ دید
تفتہؔ گریاں آمد و دامانِ پیغمبر ﷺ گرفت

گویا اسم محمد ﷺ، دنیاوی شرف اور اخروی سرخ روئی کی واحد ضمانت ہے اور خود رسالت مآب ﷺ کی زبانِ صدق اظہار نے اس ضمانت کی یوں تصدیق فرمائی ہے:

☆ (ترجمہ) تمام تعریف اللہ ہی کے لیے جس نے مجھے جملہ انبیا پر فضیلت بخشی حتیٰ کہ میرے نام اور صفت میں۔ (شرح الشفاء، القاری)

☆

☆ حضرت انس بن مالکؓ سے مرفوعاً روایت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا ''اللہ شرم فرماتا ہے اس سے کہ اسے عذاب دے جس کا نام میرے حبیب ﷺ کے نام پر ہو۔''

☆ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''میرا نام قرآن میں محمد، انجیل میں احمد اور تورات میں احید ہے۔ مؤخر الذکر نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ میں اپنی امت کو دوزخ سے ہٹانے والا ہوں۔ (روایت، ابن عباس)

☆ حضور ﷺ کے اسمِ مبارک کے لفظی اعجاز اور اس کی معنوی تاثیر کے بارے میں اہلِ دل نے بہت کچھ لکھا ہے۔ آخر میں ان شخصیات کے چند اقتباس دیکھیے جو خاصانِ بارگاہ میں سے تھیں اور جنھیں اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے ممدوحِ عظیم و جلیل ﷺ کی ذات و صفات کا سچا عرفان بھی نصیب تھا اور دل کا وہ پکا ایمان بھی میسر تھا جو اس عقیدت کا حاصل تھا جو سراسر اطاعت کے گرد گھومتی تھی۔

☆

☆ آپ ﷺ کے دونوں اسمائے مبارک یعنی محمد ﷺ اور احمد ﷺ حقیقت میں ایک اسم ہے جو حمد سے مشتق اور مبالغہ کے معنی میں مقید ہے۔ پہلا نام بہ اعتبار کیفیت ہے جب کہ دوسرا نام بہ اعتبار کمیت ہے۔ آپ ﷺ حق تعالیٰ کی حمد، افضل محامد سے کرتے ہیں اور دنیا و آخرت میں کثرتِ محامد سے آپ ﷺ کی حمد و ستائش کی گئی۔ (شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)

☆

☆ محشر میں پہلے آپ ﷺ اللہ جل شانہ، کی تعریف کریں گے۔ اس لیے احمد ﷺ پہلے ہوں گے، پھر شفاعت کے بعد مخلوق آپ کی تعریف کرے گی اس لیے بعد میں محمد ﷺ ہوں گے..... وجود کے اعتبار سے پہلے احمد ﷺ ہیں اور بعد میں محمد ﷺ بلکہ احمد ﷺ ہونے کی وجہ ہی سے آپ ﷺ محمد ﷺ ہوئے۔ غرض ازل سے ابد تک کی تاریخ بتاتی ہے کہ شانِ احمدی ﷺ، شانِ محمدی ﷺ پر مقدم ہے۔ (مولانا بدر عالم مہاجر مدنیؒ)

☆

☆ حمد ہمیشہ آخر میں ہوتی ہے جب کام ختم ہو جاتا ہے تو حمد کرتے ہیں، جب سفر ختم کر کے واپس آتے ہیں تو حمد کرتے ہیں، اس طرح جب دنیا کا طویل و عریض سفر ختم کر کے جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے، اسی دستور کے مطابق مناسب تھا کہ جب سلسلۂ رسالت ختم ہو تو یہاں بھی آخر میں اللہ جل شانہ کی حمد ہو، اس لیے جو نبی سب سے آخر میں آئے ان کا نام محمد ﷺ رکھا گیا۔ (شیخ اکبرؒ)

☆

وہ کون ہے جس کا مقدس نام آج کروڑوں انسانوں کی زبان پر جاری اور قلوب پر ساری ہے۔
وہ کون ہے جس کے مقدس نام کی نوبتِ شاہانہ مساجد کے بلند ترین میناروں سے سامعہ نواز ہے۔

وہ کون ہے جس کی سیرت پاک انسانی زندگی کے ہر لمحہ و ہر ساعت میں اور ہر درجہ اور ہر مقام پر رہنما ہے۔
وہ کون ہے جو اپنے افعال میں محمود ہے۔
وہ کون ہے جس کی رفعت فرش سے عرش تک ملی ہوئی ہے۔
وہ کون ہے جس کی تعلیم کی وسعت بحر و بر پر چھائی ہوئی ہے۔
بے شک وہ محمد ﷺ ہیں۔ اسم بھی محمد ﷺ ہے اور مسمیٰ بھی محمد ﷺ ہے۔

(قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ)

☆

☆ ہر نبی علیہ السلام مشکل اوقات میں اسم محمد ﷺ کے توسّل سے پناہ مانگتا رہا۔

(محدث ابن جوزیؒ)

محمد ﷺ کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ وہ جس کا حق پورا کر دیا گیا ہو یعنی قدرت کی جانب سے نوعِ انسان کو جس سرحدِ کمال تک پہنچانا مقصود تھا اور انسان کا اپنے خالق پر جو حقِ تخلیق مقرر تھا، وہ محمد ﷺ پر پورا کر دیا گیا۔ (عبدالماجد دریابادیؒ)

☆

☆ اسم محمد ﷺ بار بار بیان ہوتا رہا، پہلے پہل یہ نام حضرت سلیمانؑ کی تسبیحات میں آیا ہے۔ جنھوں نے آپ ﷺ کی آمد کی خبر دیتے ہوئے فرمایا ''خلو محمد یم زہ دودی زہ رعی۔'' وہ ٹھیک محمد ﷺ ہیں اور وہ میرے محبوب اور میری جان ہیں۔''
(مناظر احسن گیلانیؒ)

مولانا عبدالرحمٰن ندوی نے ''نقوش'' رسول ﷺ نمبر جلد سوم میں اسم پاک محمد ﷺ کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے۔ جس میں وہ اس مبارک نام کے اسرار و رموز اور فضائل و برکات کی وسعتوں کو سمیٹنے کی یوں کوشش کرتے ہیں۔ ''اسلام کی تمام معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ پیغمبر اسلام ﷺ کا نام مبارک بھی اپنے معانی کے لحاظ سے خوبیوں کا مرقع، بے شمار فضائل کا خلاصہ ہے۔ ایک طرف وہ اپنے مسمّٰی کے کام اور کام کے انجام کی پیش گوئی ہے۔ دوسری طرف اس کے کاموں کی تاریخ اور اس کی تعلیم کا لب لباب ہے۔''

محمد ﷺ ہی ایک ایسا لفظ ہے جس کے فیض نے اللہ، ملائکہ اور بندوں کو ہم زبان کر رکھا ہے کہ تینوں اس مبارک نام پر درود و سلام بھیجنے میں پیہم مصروف ہیں، ورنہ تینوں کے اپنے اپنے مقام اور اپنے اپنے مدارج ہیں، گویا یہی وہ حسنِ مجسم ہے جس کے انوار پر:

ہے شمع بھی پروانہ، پروانے کو کیا کہیے

اسم محمد (ﷺ) پر درود کا حکم، تعظیم و تکریم کی انتہا بھی ہے اور نقاشِ ازل کے نقشِ بہترین کی داد بھی۔۔۔۔ ''فن کار کا فن جب کمال کو پہنچ جاتا ہے تو دل سے قیمت وصول کرنے کی طلب مٹ جاتی ہے، اس وقت وہ داد چاہتا ہے، داد مل جائے تو وہ سمجھتا ہے کہ قیمت وصول ہوگئی۔ داد نہ ملے تو قیمت پانے کے بعد بھی ذوق کی سیرابی نہیں ہوتی، ذوق کی سیرابی صرف داد کر سکتی ہے اور اسی سے تسکین ملتی ہے۔ صحیح داد دینے والا مل جائے تو مصور یہ کہہ کر تصویر پیش کر دیتا ہے کہ آپ کو

پسند ہے تو آپ کی نذر ہے۔ بسا اوقات جہاں لعل و جواہر کام نہیں دیتے، وہاں داد کام دے جاتی ہے۔ مصور کے فن کی قیمت ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو تو داد کا فن سیکھنا چاہیے، داد دینے کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو شاہکار جھولی میں آ کر رہتا ہے۔'' .....داد، اندھا کیا دے گا، وہی دے سکے گا جو سمجھنے والا دل اور پہچاننے والی آنکھ رکھتا ہے اور اسمِ محمد ﷺ کے اسرار و رموز اور فیوض و برکات بھی نصیب والوں پر کھلا کرتے ہیں، ان پر نہیں جو دل کی باتوں کو ذہن کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری بصارت کو بصیرت، ہمارے ذوق کو سلامتی اور ہمارے شوق کو راستی عطا کرے تاکہ ہم زبان و دل سے اسم محمد (ﷺ) کے تقاضوں کو پورا کرنے کے قابل ہو سکیں۔ حافظؔ نے کہا تھا:

خوشا نمازِ نیازِ کسے کہ از سرِ صدق
بآبِ دیدہ و خونِ جگر طہارت کرد

اسمِ محمد ﷺ ہو یا ذکرِ محمد ﷺ، ''نمازِ نیاز ہی'' تو ہے جس کے لیے صدقِ دل، آبِ دیدہ اور خونِ جگر کی ضرورت ہے۔ اہلِ نظر اور اہلِ دل نے انھیں کس کس انداز سے چاہا ہے، میں چاہوں بھی تو اس چاہت کو بیان نہیں کر سکتا، عجزِ بیان ہی کو بیان سمجھ لیجئے۔

(۲۰۰۲ء)

☆

جمالِ مصطفیٰ ﷺ اور اُردو نعت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری صورت کے اعتبار سے اس قدر اجمل، اکمل اور احسن تھے کہ الفاظ اپنی تمام تر رعنائیوں کے باوجود سراپا نگاری سے قاصر نظر آتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ فطرت کا سارا شباب اور کائنات کا سارا نکھار یکجا کر لیا جائے پھر بھی اس شہِ انجم مطاف کی تصویر کشی ناممکن ہے جس کی مسکراہٹوں سے کلیاں چٹکنا سیکھتی تھیں اور جس کے خرامِ ناز سے ریت کے ذرّوں میں ریشم کا لوچ آجاتا تھا۔

رنگ، خوشبو، صبا، چاند، تارے، کرن، پھول، شبنم، شفق، آبجو، چاندنی
تیرے معصوم پیکر کی تخلیق میں حسنِ فطرت کی ہر چیز کام آگئی

دورانِ ہجرت میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور سے نکلے اور پہلے ہی دن راستے میں ام معبد کے خیمہ میں ٹھہرے۔ یہ خاتون بنی خزاعہ سے تعلق رکھتی تھی اور بہت مہمان نواز تھی۔ اتفاق سے اس کے پاس اس روز کھانے کو کچھ نہ تھا۔ ایک لاغر و سقیم بکری تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت لے کر اس کا دودھ دوہنا شروع کیا۔ خشک تھن، دستِ رسالت کی برکت سے چھلک اٹھے، سب نے سیر ہو کر دودھ پیا، بھرا ہوا برتن ام معبد کے لیے چھوڑا اور مقدس مسافر آگے چلے گئے۔ ام معبد کا شوہر آیا تو دودھ دیکھ کر حیران ہوا۔ حالات سنے اور اس سعادت مآب انسان کا حلیہ دریافت کیا چونکہ ام معبد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتی اور پہچانتی نہ تھی اس لیے اس کے بیان میں مبالغہ نہیں، واقعیت تھی کیونکہ بسا اوقات شناسائی اور عقیدت میں ڈوب کر الفاظ فیاض ہو جایا کرتے ہیں۔ ام معبد نے جن الفاظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال و کمال کی تصویر کھینچی وہ سراپائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اولین خاکہ ہے جس پر شعر و سخن کی ہزاروں صنعتیں قربان کی جاسکتی ہیں۔ اس نے شوہر سے کہا:

''پاکیزہ رو، زیبا رخ، پسندیدہ خو، صاحب جمال، آنکھیں سیاہ و فراخ، بال لمبے اور گھنے، آواز میں بھاری پن، روشن مردمک، سرگیں چشم، باریک و پیوستہ ابرو، سیاہ گھنگھریالے بال، خاموش، وقار کے ساتھ، گویا دل بستگی کا سامان لیے ہوئے، دور سے دیکھنے میں زیبندہ و دل فریب، قریب سے نہایت شیریں، کلام خوبصورت، کمی بیشی الفاظ سے مبرا، تمام گفتگو جیسے سلک مروارید، میانہ قد کہ کوتاہی سے حقیر نظر نہ آئے نہ طویل کہ آنکھ اس سے نفرت کرے۔ زیبندہ نہال کی تازہ شاخ، زیبندہ منظر، والا قدر، رفیق ایسے کہ ہر وقت گرد و پیش رہتے ہیں۔ جب وہ کہتا ہے تو چپ چاپ سنتے ہیں، حکم دیتا ہے تو تعمیل کے لیے جھپٹتے ہیں۔ مخدوم، مطاع، نہ کوتاہ سخن، نہ فضول گو۔''

یہ ہے فطرت کی بے پناہ فیاضیوں سے متصف ایک انسانی پیکر کی اولین تصویر، جسے ام معبد نے بغیر کسی تعلق کے بے لاگ اور بے ساختہ انداز میں پیش کیا، حق یہ ہے کہ

آب و گل میں مدتوں آرائشیں ہوتی رہیں
تب کہیں اک آدمی کونین کا حاصل بنا

اس حاصلِ کونین کی جمالیاتی دل پذیریوں نے اردو نعت کو بھی کیف و سرور کی ایک دنیا عطا کر رکھی ہے۔

ام معبد سے سنو، میرے نبی ﷺ کا ذکرِ خیر
خوبیاں ہیں ان گنت جس کی، محاسن بے حساب
دیکھ کر اس رخ کی تابانی، خجل ہے ماہتاب
اور خوشبوئے عرق سے لالہ و گل آب آب

(عابد نظامی)

آؤ کہ ذکرِ حسنِ شہِ بحر و بر کریں
جلوے بکھیر دیں، شبِ غم کی سحر کریں
جو حسن میرے پیشِ نظر ہے اگر اسے
جلوے بھی دیکھ لیں تو طوافِ نظر کریں

(حافظ مظہر الدین)

مشیت حسن کی تکمیل فرماتی ہوئی ابھری
تصور آخری تصویر بن جاتا ہوا آیا

(ضمیر جعفری)

آپ نے جس طرف بھی بڑھائے قدم
کہکشاں گردِ راہِ سفر ہوگئی
وہ حسیں لب کھلے اور چمن کھل گئے
وہ نگاہیں اٹھیں اور سحر ہوگئی
روئے پاکِ نبی ﷺ کا تصور کیا
روشنی تا بہ حدِ نظر ہوگئی

(اقبال صفی پوری)

سمایا ہے نگاہوں میں رخِ انور پیمبر ﷺ کا
اٹھا دو جامِ جم، لے جاؤ آئینہ سکندر کا

(صوفی تبسم)

ترے کمال کی ہر آن، آن بان نئی
ترے جمال کا ہر لحظہ، تازہ عالم ہے

فروغ صبح بہاراں ہے عارضِ تاباں
سیاہیِ شبِ دیجور جعدِ پرخم ہے
ترا اشارۂ ابرو ہے مدِّ موجِ طرب
تری نگاہِ کرم کیمیا ہے، مرہم ہے
خدائے پاک کے مانند بے مثیل و مثال
تو عظمتِ بشریت کا نقطۂ اتم ہے

(عبدالعزیز خالد)

کسی کو حسن کے معنی بھی جب نہ آتے تھے
وہ اپنی ذات کے اندر حسین تھے تب بھی

(قتیل شفائی)

مطلعِ دہر پہ تاباں ہے وہ خورشیدِ ازل
رخِ زیبا سے زمانے کو ضیا ملتی ہے

☆

اس کی صورت سے جمالِ رخِ یزداں کی نمود
اس کی سیرت ہے کہ قرآن کھلا ملتا ہے

(حافظ لدھیانوی)

اللہ رے! تیرے جسمِ منور کی تابشیں
اے جانِ جاں! میں جانِ تجلّا کہوں تجھے

(احمد رضا خاں)

تجھ کو آنکھوں میں لیے جب یہ دنیا دیکھوں
ہر سحر میں ترے ماتھے کا اجالا دیکھوں

(مظفر وارثی)

جب سے قرآن میں دیکھا ہے ترا عکسِ جمال
کوئی جچتا ہی نہیں ہے مری نظروں میں حسیں

(کوثر نیازی)

کہیں برگِ سمن ہو یا کہیں برگِ گل تر ہو
سبھی میں نور عارض کی جھلک معلوم ہوتی ہے

(بشیر زواری)

جس کا پیکر ہے کمال صنعتِ یزدانِ پاک
حسبِ منشا پہلوئے مادر سے جو پیدا ہوا

(عبدالعزیز خالد)

میں آفتاب کہوں یا اسے ستارہ لکھوں
اسے لکھوں میں سمندر، اسے کنارہ لکھوں
میں کائنات کے ہر حسن کو حسنؔ رضوی
جمالِ احمدِ مرسل ﷺ کا استعارہ لکھوں

(حسن رضوی)

انھی کے حسن سے مہر و مہ و انجم ہیں تابندہ
انھی کی ضو سے ہے دنیا کا ہر ذرہ درخشندہ
کمال و حسن و خوبی میں کہاں ان کی مثال آخر
کہ ان کے سامنے ہے چودھویں کا چاند شرمندہ

☆

نہ کوئی اس کا ثانی نہ کوئی مثیل اس کا
اسی کی ذات پر نازاں ہے شانِ یکتائی

(خالد بزمی)

عجب رنگِ دل افزا نعت کے گلہائے ترکا ہے
کہ اس میں جلوہ گر حسنِ ازل خیر البشر ﷺ کا ہے
جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی تاب لا سکتا نہیں کوئی
بقدرِ ظرف ہی ادراک بس ہر دیدہ ور کا ہے
ہوا محسوس یوں اہلِ محبت کو سرِ محشر
رخِ سرکار سے گویا نقابِ نور سر کا ہے

(حافظ محمد افضل فقیر)

کوئی مثل مصطفیٰ ﷺ کا کبھی تھا، نہ ہے، نہ ہوگا
کسی اور کا یہ رتبہ، کبھی تھا، نہ ہے، نہ ہوگا
انہیں خلق کر کے نازاں ہوا خود ہی دستِ قدرت
کوئی شاہکار ایسا کبھی تھا، نہ ہے، نہ ہوگا
کسی وہم نے صدا دی، کوئی آپ کا مماثل
تو یقیں پکار اٹھا کبھی تھا، نہ ہے، نہ ہوگا

(صبیح رحمانی)

ہر طرف پھیلی جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی روشنی
ہر دل تاریک تک پہنچی عطا کی روشنی

(عزیز احسن)

تاریخی روایات کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور یوں ہے:

☆ چہرہ گول تھا جیسے چاند کا ٹکڑا۔ (حضرت ہند بن ابی ہالہؓ)
☆ چہرہ بالکل گول نہ تھا بلکہ گولائی لیے ہوئے تھا۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)
☆ پیشانی کشادہ، ابرو خمدار، باریک اور گنجان تھے، دونوں کے درمیان ایک رگ کا ابھار تھا جو غصے کے وقت نمایاں ہو جاتا تھا۔ (شمائل ترمذی)
☆ مسرت آپ ﷺ کی پیشانی سے ہویدا تھی۔ (حضرت کعب بن مالکؓ)
☆ رنگ میں نہ چونے کی سفیدی تھی نہ سانولا پن بلکہ گندم گوں جس پر سفیدی غالب تھی۔ (حضرت انسؓ)
☆ رنگت سفید اور چمکدار۔ (حضرت ہند بن ابی ہالہؓ)
☆ رنگت ایسی گویا بدن چاندی سے ڈھلا ہوا ہے۔ (حضرت ابو ہریرہؓ)
☆ رنگت سرخی مائل سفید تھی۔ (حضرت علیؓ)
☆ رخسار ہموار اور ہلکے تھے، گوشت ذرا سا نیچے کو ڈھلکا ہوا تھا۔ (شمائل ترمذی)
☆ دہن لطافت کے ساتھ کشادہ اور اعتدال کے ساتھ فراخ تھا۔ (حضرت جابر بن سمرہؓ)
☆ دندانِ مبارک موتیوں کو شرماتے، سامنے کے دانتوں میں ہلکی سی درز تھی، منہ کھولتے تو دانتوں سے نور نکلتا معلوم ہوتا تھا۔ (حضرت عبداللہ بن عباسؓ)

ان بیانات پر غور کیجئے۔ چہرے کے حسن و جمال کا کون سا رخ ہے جو رہ گیا ہو۔ کون سی خوبصورت تشبیہ ہے جس نے عزت نہ پائی ہو اور کون سی آنکھ سے جو تکتی نہ رہ گئی ہو۔ چہرہ ایسا پرانوار کہ بیاضِ سحر شرما، شرما کر اور چھپ چھپ کر دیکھتی ہو۔ رنگ نورِ حق کی ضیا اور جبیں صدق وصفا کا آئینہ غرض وہ حسنِ بے مثال، نورِ کردگار کی ایک مکمل تنویر تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مصورِ حقیقی کے کمالِ فن کا ایک عظیم ترین نمونہ اور ایک مکمل ترین شاہکار تھے۔ غالبؔ نے کہا تھا کہ نور کی تجلی اپنے اظہار کے لیے ایک عرصہ سے مچل رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسے حضور ﷺ کے قدورخ کا سہارا مل گیا اور وہ اس وجود ذی جود کی صورت میں نمایاں ہوگئی۔

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قدو رخ سے ظہور کی

وہ آنکھیں کس قدر خوش نصیب تھیں جو ہر لحظہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کھلتی اور اسی تصور میں بند ہوتی تھیں اور آخری وقت بھی جنگ کے میدان میں دم توڑتے صحابی اس رخِ پرنور کی ایک جھلک کے تمنائی ہوتے تھے۔

منم و ہمیں تمنا کہ بوقتِ جاں سپردن
بہ رخِ تو دیدہ باشم تو درونِ دیدہ باشی

اردو نعت میں نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کی ایک جھلک دیکھیے۔

تیری ضیائے رخ سے سحر کو ضیا ملی
شبنم کے پر لگے تو شعاعوں میں جا ملی
جھک جھک کے شاخ شاخ سے بادِ صبا ملی
کرنیں بچھیں تو لالہ و گل کو قبا ملی
ذرے فلک کی سمت کو پر تولنے لگے
پتھر تلامذہ کی طرح بولنے لگے

(احسان دانش)

ترا چہرہ، مصحف زرکار کا ورقہ
تو قرآن ناطق نہیں ہے تو کیا ہے؟
کنارِ شفق میں لڑی موتیوں کی
گلِ نود میدہ لبوں پر فدا ہے
ہے یہ سلکِ الماس و سمط لآلی
نہیں، تیرے دانتوں کی موجِ ضیا ہے
بوئے مشکِ اذفر بسی ہے بدن میں
ترا پیرہن، قطعہ گلزار کا ہے
چلے تُو، تو خوشبو چلے آگے آگے
بدستِ صبا مجمرِ غالیہ ہے
چمکتی ہے بجلی سی ابرِ سیہ میں
ترا چہرہ زلفوں میں لو دے رہا ہے
ہے گنجینہ علمِ لدنّی کا سینہ
سر پشت، نقشِ نبوت کھدا ہے

(عبدالعزیز خالد)

نطق سرکار پہ داؤدؑ کے نغمے قرباں
روئے انور پہ فدا شانِ مسیحائی ہے
دل میں رہتا ہے ضیا بار تصور ان کا
خلوتِ شوق میں کیا انجمن آرائی ہے

(حافظ لدھیانوی)

جب خیال آیا کبھی ان کے رخِ پُرنور کا
ذہن میں گویا جہاں بھر کے گلستاں آگئے

(نذر صابری)

حسن اتم ہو، پیکرِ لطفِ تمام ہو
محبوبِ کبریا ہو، رسولِ ﷺ انام ہو
نازاں تمھاری ذات پر صورتِ گر ازل
جملہ صفاتِ حسن کا اظہارِ تام ہو

(نذر صابری)

جب چھڑے بات نطقِ حضرت ﷺ کی
غنچۂ فن چٹک چٹک جائے

☆

محبوبِ کبریا کا سراپا رقم کرے
کب فکر کو یہ تاب، کہاں یہ مجالِ فن

☆

جنھیں بنا کے مصور بھی آپ ہے مسرور
وہ نقش ہیں خدوخالِ محمد عربی ﷺ

(حفیظ تائب)

اے کہ ترے وجود پر خالقِ دو جہاں کو ناز
اے کہ ترا وجود ہے، وجہِ وجودِ کائنات

(بہادر یار جنگ)

وہ اک نورِ ازل تھا جسمِ خاکی کے لبادے میں
زمیں میں جب سے ہے، قلبِ زمیں کا حال کیا ہوگا

(احسان دانش)

سوزنِ گم گشتہ ملتی ہے تبسم سے ترے
شام کو صبح بناتا ہے اجالا تیرا

☆

گلزار کو آئینہ کیا منہ کی چمک نے
آئینہ کو رخسار نے گلزار بنایا

ان کے دنداں کا وہ صدقہ تھا کہ جس نے
ہر قطرۂ نیساں، درِ شہوار بنایا

(حسن رضا بریلوی)

حضرت حسان بن ثابتؓ نے اپنے اشعار میں حضور ﷺ کے سراپا کے لیے خود کو عاجز پایا اور یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ انہیں دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ اپنی مرضی سے دنیا میں آئے ہیں یعنی ہر لحاظ سے مکمل اور ہر اعتبار سے ارفع۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ صورت، رعنائی خرام، طرزِ تکلم اور اندازِ تبسم، غرض ہر ادا دل آویز تھی۔ وہ تشریف لائے تو عرب کے صحرا مہک اٹھے، بیٹھے تو زمین کو زیبائی ملی۔ اٹھے تو پہاڑوں نے سربلندی پائی۔ چلے تو شجر و حجر جھک گئے۔ پرواز کی تو نبضِ کائنات تھم گئی اور غور و فکر کرنے پر آئے تو تاریک غار کے دل نورانی کر گئے۔ آپ ﷺ مجسم قرآن تھے۔ قرآن ـــــ جو ایک نورِ ہدایت اور منبعٔ عرفان ہے اور حضور ﷺ کا رہن سہن، قول و قرار، بات چیت، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، غرض ہر چیز اسی کتاب کا آئینہ تھی گویا وہ چلتے پھرتے قرآن تھے کہ جس راستے سے گزرتے، بعد میں آنے والوں کو خود خوشبو بتا دیتی کہ ادھر سے حضور ﷺ گزرے ہیں۔

خوشبو بتا رہی ہے کہ وہ راستے میں ہیں
موجِ صبا کے ہاتھ میں ان کا سراغ ہے

آپ ﷺ کا حسنِ خرام اور جمالِ کردار، قدم قدم نور ابھارتا رہا۔ آپ ﷺ تاریخ کا رخ بدلتے، وقت کا چلن الٹتے، زمانے کی رو پلٹتے، فکر کا دھارا موڑتے اور صحرائیوں کے ہاتھوں میں قیصر و کسریٰ کے گریبان دیتے چلے گئے۔

لوگ کہتے ہیں انھیں تاریخِ انسانی کے موڑ
راستے جب جھوم اٹھتے ہیں تری رفتار سے

☆

نقشِ قدم ہیں آپ کے یوں کائنات میں
جیسے چراغ جلتے ہوں تاریک رات میں

(محشر رسول نگری)

ہر آئینے کو جلوہ گہِ شش جہات میں
جس نے دیا ہے دیدۂ حیراں تمھی تو ہو

(سراج الدین ظفر)

تیری نظروں نے تراشے ظلمتوں سے آفتاب
پاؤں تیرے چوم کر ذرے بنے ماہِ مبیں
تیرے در پر سرنگوں دیکھا ہے شاہوں کا وقار
تیرے نقشِ پا پہ خم دیکھی فرشتوں کی جبیں

(طفیل ہوشیار پوری)

اے تیرے رخ سے حسن کے اسرار آشکار
تیری جبیں جمالِ الٰہی سے تابدار

(نظیر لدھیانوی)

بیٹھا ہوں میں تصورِ روئے جمال میں
مہکے ہوئے گلاب ہیں صحنِ خیال میں

(تابش صمدانی)

چہرہ منور ایسا کہ ہے بدر آب آب
ابرو کو اس کے دیکھ کے ہے سرنگوں ہلال
اللہ لا یزال، رسول ﷺ اس کا بے ہمال
اس کا کوئی مثیل، نہ اس کی کوئی مثال

(عابد نظامی)

صبح کی آغوش میں لیتی ہے شب انگڑائیاں
یا ہے خم عارض پہ زلفِ مشک فام مصطفیٰ ﷺ
گوش نازک سے ہے یوں زلفِ نبی ﷺ کا اتصال
دو حسیں جیسے بہم اسرار کی باتیں کریں

(اختر الحامدی)

جو شخص ایک بار چہرۂ اقدس دیکھ لیتا، اسے آپ ﷺ پر اعتماد پیدا ہو جاتا۔ ایک یہودی فاضل عبداللہ بن سلام نے ہجرت کے بعد آپ ﷺ کو دیکھا تو بے اختیار پکار اٹھا کہ ''یہ چہرہ کسی جھوٹے انسان کا نہیں ہو سکتا۔'' علامہ شبلی نعمانیؒ نے سیرۃ النبی ﷺ میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک تجارتی قافلے والوں سے ایک اونٹ کا سودا کیا، اونٹ لے آئے اور کہا قیمت بھجوائے دیتا ہوں۔ لوگ گھبرا گئے مگر ایک خاتون نے کہا ''گھبراؤ نہیں، اس چہرے کا حامل انسان بدمعاملہ نہیں ہو سکتا۔'' گویا آپ ﷺ کا روشن چہرہ آپ ﷺ کے اجلے دل کا آئینہ دار تھا۔ ابوقرضانہ فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو آپ ﷺ کے منہ سے روشنی کی ایک لپک نکلتی دکھائی دیتی۔ شمائل ترمذی کے مطابق ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کو دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے آفتاب رخِ انور پر چل رہا ہے۔ دیکھنے والے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ چاند سے بھی زیادہ حسین تھے اور چاندنی رات میں آپ ﷺ کے چہرے کی تابانی کو دیکھ کر چاند پھیکا سا لگتا اور آپ ﷺ کے چہرے کو دیکھ کر چاند کی طرف تکنے کو جی نہ چاہتا اور آنکھوں کے کاسے نرگس بن جاتے تھے۔

دیر سے آنکھیں نہیں جھپکی مری
پیشِ جاں اب کے نظارہ اور ہے

آپ ﷺ کے رخِ پرنور کی تابانیوں نے اردو نعت کو بھی رخشندگی عطا کر رکھی ہے۔

لے کے رخسارِ شہ سے اثر چاندنی
ضو لٹاتی ہے شام و سحر چاندنی
کہکشاں ان کے قدموں کی دھول ہے
میرے خواجہ کی ہے رہ گزر چاندنی

(حافظ مظہرالدین)

ان کے ہونٹوں کا تبسم، ان کے عارض کا جمال
یہ مری دنیا کا حاصل، وہ مری عقبیٰ کا نور

(غافل کرنالی)

کیسے رقم قصیدہ ہو ان کے خصال کا
مدحت سرا خدا بھی ہے جن کے کمال کا
گردش میں جانے کب سے ہیں مہر و مہ و نجوم
ثانی نہ پاسکے کوئی ان کے جمال کا
اپنا جواب آپ ہی بن کر وہ آگئے
تشنہ رہا نہ کوئی بھی پہلو سوال کا

(راسخ عرفانی)

سب سمجھتے ہیں اسے شمعِ شبستانِ حرا
نور ہے کونین کا لیکن جمالِ مصطفیٰ ﷺ

عظمتِ تنزیہہ دیکھی، شوکتِ تشبیہ دیکھی
اک جمال مصطفیٰ ﷺ ہے، ایک قالِ مصطفیٰ ﷺ

(اصغر گونڈوی)

ذکرِ حبیب، نکہتِ گلدستۂ سخن
فکرِ حبیب، مشعلِ بزمِ خیال ہے

(مسعود زائر)

میرے اشکوں میں ہے جس کا جلوہ
ایسا عالم میں نہیں ہے کوئی
رخِ عالم ہے منور جس سے
ایسا تابندہ جبیں ہے کوئی

ہے وہ یکتائے زمانہ پیکر
اس کی کب مثل کہیں ہے کوئی

(حافظ لدھیانوی)

زلفِ حضور عارضِ پر نور پر نثار
کیا نور بار شام ہے، کیا جلوہ بار صبح

☆

سر سے پا تک تری صورت پہ تصدق ہے جمال
اس کو موزونیٔ اعضا یہ پسند آئی ہے

(حسن رضا بریلوی)

نازک یہ بھنویں ان کی، عارض پہ یہ خال ان کا
مصروفِ تلاوت ہے کعبہ میں بلال ان کا

☆

ہو رہی ہیں بادلوں سے چاند کی اٹھکیلیاں
ہم بھی ان کے کاکل و رخسار کی باتیں کریں

☆

کھولی جو زلف آپ نے گلشن مہک اٹھے
شانہ کیا تو کاکلِ ہستی سنور گئی

(اختر الحامدی)

تجھ کو بخشی ہے اللہ نے جو دلبری اس کا مفہوم سمجھے ہیں ہم تو یہی
حسن کو ہو تمنا ترے شہر کی، عشق رقصاں تری رہ گزر میں رہے

☆

ان کا رخِ پر نور ضیا بار ہے کتنا
پوچھوں گا کسی روز یہ خورشید و قمر سے

(حافظ مظہر الدین)

ہے مبارک نطقِ آنحضرت کا ذکر
ہیں مرے جذبات بھی گل پیرہن

☆

سدا گھولے گی رس گوشِ زمن میں
رسول پاک ﷺ کی شیریں کلامی

(راجا رشید محمود)

وہ قلب کے لیے کیفِ مدام کی صورت
وہ آنکھ کے لیے سر رشتۂ نظر کی طرح
جمالِ خواجۂ گیہاں کے سرمدی انوار
ہیں ضوفشاں افقِ زیست پہ سحر کی طرح

☆

خالق نے کس ہنر سے بنایا ہے وہ بدن
تصویرِ قدس اس پہ قیامت کا بانکپن
مالی نے جس کے واسطے تزئینِ باغ کی
تو ہی وہ ایک پھول ہے اے غایتِ چمن
پھیلی جہاں میں نور کا دریا لیے ہوئے
اس مہر نیمروز کے چہرے کی ہر کرن

(غلام رسول عدیم)

کر گئی حیران خاکِ نقشِ پا کی روشنی
کیا نظر اٹھتی تمھارے حسن کامل کی طرف

(رعنا اکبر آبادی)

وہ ممکناتِ جلال و جمال کا پیکر
وہ اعتدال کے سانچے میں عظمتِ آدم

(انور مسعود)

وجودِ شب کے لیے ہے لباسِ نورِ سحر
نبی ﷺ کے عارضِ تاباں کا حسنِ عالم تاب

☆

جو نورِ ازل، شمعِ ابد، حسن یقیں ہے
اے شاہِ امم، آپ کا وہ روئے حسیں ہے
اس نور مجسم کے کف پا کی ضیا سے
ہر ذرہ مدینے کا درخشندہ نگیں ہے

(غلام زبیر نازش)

حقیر، ہیچ، ہنر کے ہزار نقش و طراز
نبی ﷺ کے ادھ کھلے ہونٹوں کا اک تبسمِ راز

(نعیم صدیقی)

موجِ صبا یہ کہہ کے چمن سے گزر گئی
کوئی بھی پھول تجھ سا شگفتہ نہ بن سکا

(منیر کمال)

ترے فروغِ جمال کی ہم کو تابشیں یہ بتا رہی ہیں
کہ تیری صورت میں تیری سیرت کی طلعتیں جگمگا رہی ہیں

(تاجور نجیب آبادی)

دل بے بضاعت تو ان کے دروازے پر جانے کی ہمت نہیں پاتا کہ در و دیوار اور سنگ وخشت کی تابشیں ہی نگاہوں کو خیرہ کیے دیتی ہیں، آنکھ دیکھنے کا یارا نہیں رکھتی، دامن جلووں کو سمیٹ لینے کی تاب نہیں رکھتا، قلم تصویر کشی سے قاصر اور الفاظ جمال وکمال کا احاطہ کرنے سے عاجز ہیں۔

رخِ خیر البشر ﷺ تو پھر رخِ خیر البشر ﷺ ٹھہرا
ان آنکھوں سے درِ خیر البشر ﷺ دیکھا نہیں جاتا

روایات کے آئینے میں، حضور ﷺ کے قد ورخ کی ایک اور تصویر دیکھیے، آنکھیں بند کیجیے اور دل کی انگشتری میں اس نگینے کو ابھارنے کی اپنی سی سعی کیجیے۔

چند ھیا گئی نگاہ کو اک نور کی کرن
مشکوٰۃ پڑھتے سوچا تھا نقشہ حضور ﷺ کا

☆ ناک بلندی مائل، اس پر نورانی چمک۔ (شمائل ترمذی)
☆ آنکھیں سرمگیں، پتلی سیاہ، لال ڈورے، آنکھوں کے شگاف کشادہ، دونوں گوشے سرخ، پلکیں کالی اور لمبی۔
☆ گوشۂ چشم سے نظریں نیچی کر کے دیکھنے کا انداز عجیب حیادارانہ تھا۔

شاد عظیم آبادی نے خوب لکھا ہے۔

آنکھیں حضور ﷺ کی ہیں کہ لطف و عطا کا گھر
سر چشمۂ مروت و ہمت، سخا کا گھر
عفت کی گوشہ گاہ تو شرم و حیا کا گھر
روحانیوں کا کعبۂ برحق، خدا کا گھر
بے شک اسی کی دید سے عصیاں معاف ہے
اس پر پڑے نگاہ تو واجب طواف ہے

☆ ریش مبارک کے بال بھرپور اور گنجان تھے۔ (ہند بن ابی ہالہؓ)

☆ سر بڑا مگر اعتدال اور مناسبت لیے ہوئے۔(شمائل ترمذی)
☆ کندھوں، بازوؤں اور سینہ کے بالائی حصے پر تھوڑے سے بال تھے۔(شمائل ترمذی)
☆ قد نہ لمبا، نہ پست بلکہ مائل بہ درازی تھا مجمع میں ہوتے تو دوسروں سے قد نکلتا دکھائی دیتا تھا۔(شمائل ترمذی)
☆ کلائیاں دراز، ہتھیلیاں فراخ اور انگلیاں موزوں تھیں۔(ہند بن ابی ہالہؓ)
☆ آپ ﷺ کی ہتھیلیاں دیباج وریشم سے زیادہ نرم تھیں۔(حضرت انسؓ)
☆ پسینا مشک خالص سے زیادہ مہک رکھتا تھا۔(حضرت عائشہؓ)
☆ سینہ کشادہ، کندھے پر گوشت، کندھوں کا درمیانی فاصلہ عام پیمانے سے زیادہ۔(ہند بن ابی ہالہؓ)

نبی کریم ﷺ کا یہی وہ سینہ تھا جس پر قرآن اترتا تھا جو حقائق الٰہیہ کا خزینہ، نورِ ہدایت کا منبع اور اسرارِ نبوت کا امین تھا۔

سینے کا نور چھن کے نکلتا تھا بار بار
جس پر خدا کا روزِ ازل سے ہے اعتبار
سارے رموزِ حق کے ذخیرے اسی میں ہیں
گاہک خدا ہے جن کا وہ ہیرے اسی میں ہیں

☆

یہ ہے صدقہ ترے پسینے کا
حسن مہکا ہے جو مدینے کا

(حافظ لدھیانوی)

ہے بلبلِ دل شائقِ گُل روئے مدینہ
بے دیکھے نہ ٹھہرے گا یہ مضطر کسی صورت
ہو مغز پریشاں وہیں مشکِ ختن کا
کھل جائے جو وہ زلفِ معنبر کسی صورت

(حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ)

جب فضا ہوتی ہے زلفِ عنبریں سے مشک بار
جب نگاہوں پر برستے ہیں سماوی آبشار

جب خیالوں میں ابھرتے ہیں لب و رخسارِ نور
تب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کیا ہوں گے حضور ﷺ

(صہبا اختر)

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

(احمد رضا خاں)

آئینۂ خیال میں ان کا جمال ہے
جس کی کوئی نظیر، نہ کوئی مثال ہے
وہ کائناتِ حسن ہے یا حسنِ کائنات
دانائے رازِ حسن فقط ذوالجلال ہے

(مسعود زائر)

شہکار ہے قدرت کا ہر نقشِ حسیں تیرا
تیرے رخِ انور کو خالق نے سنوارا ہے

☆

میرے لبوں پہ بات ہے اس کے جمال کی
پھیکا ہے جس کے سامنے رخ آفتاب کا

(حافظ لدھیانوی)

جبیں ایسی کہ جس کو لوحِ عرشِ کبریا کہیے
ضیائے رخ جسے ٹوٹے دلوں کا آسرا کہیے

(احسان دانش)

تبسم کی ضیا سے چاند تارے مسکراتے ہیں
سحر کو نور کا صدقہ رخِ انور سے ملتا ہے
وہی درِ عدن ہیں سنگ ریزے جو قدم چھولیں
سروں کو تاجِ شاہی آپ کی ٹھوکر سے ملتا ہے

(زکی کیفی)

اللہ رے! مقام و شرف اس نگاہ کا
دیکھا ہے جس نے جلوہ حبیب الہٰ کا
شرما ہی جائیں دیکھیں اگر حسنِ مصطفیٰ ﷺ
آنکھیں ملائیں حوصلہ کیا مہر و ماہ کا
وہ مخزنِ جمال جدھر سے گزر گئے
ہر ذرہ آفتاب بنا، خاکِ راہ کا

☆

جوہر ہے اس کا سیدِ لولاک ﷺ کا ظہور
دنیائے خاک و آب میں جتنا جمال ہے
ہر حسن اس کے حسنِ توازن کی ہے عطا
میرے حضور کا نظر افزا جمال ہے

☆

اقلیم حسن میں نہیں سرکار کا جواب
ہر حسن کا جواب رسالت مآب ﷺ ہیں

(حفیظ تائب)

اک سروِ نور، قامتِ زیبا کہیں جسے
قدرت کا شاہکار، سراپا کہیں جسے

(حافظ لدھیانوی)

وہ جو جانِ کشف وکشود ہے، وہ جو روحِ وردِ درود ہے
وہ جو تیرے رخ کی نمود ہے، مجھے اس سحر کی تلاش ہے

(بہزاد لکھنوی)

مضمون کے آغاز میں نبیٔ پاک ﷺ کی شخصیت کے بارے میں ام معبد کا ایک ہنگامی نوعیت کا تاثراتی جائزہ ہے، چونکہ بات حسن کی تھی اس لیے اس کے بیان میں حسن لودے رہا ہے۔ درمیان میں مختلف شخصیات کے تاثراتی جملے ہیں اور اب آخر میں آپ ﷺ کے حلیہ مُبارک کے بارے میں امام ابن حزمؒ کی ایک مربوط تحریر جو اپنے اندر جامعیت کا جمال لیے ہوئے ہے۔

''رسول اللہ ﷺ نہ بہت لانبے تھے نہ پستہ قد، بلکہ آپ کا قد مبارک درمیانہ تھا، رنگ کے اعتبار سے، نہ بالکل سفید تھے نہ گندم گوں، بلکہ رنگ سفیدی کے ساتھ سرخی لیے ہوئے تھا، چہرہ مبارک چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن، چمک دار، سر کے بال نہ بالکل سیدھے، نہ بالکل پیچ دار بلکہ ہلکی سی پیچیدگی کے ساتھ گھونگریالے تھے۔ اعضا کے جوڑوں کی ہڈیاں موٹی اور پر گوشت تھیں۔ پلکیں سیاہ سرگیں، آنکھوں کی سفیدی میں باریک سرخ ڈورے، دندان مبارک خوبصورت چمکدار، دہن اعتدال کے ساتھ فراخ، یعنی تنگ نہ تھا، ناک خوبصورت، رفتار تیز تھی، چلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ آپ ڈھلوان سے زمین پر اتر رہے ہیں، جب آپ توجہ فرماتے تو پورے بدن کے ساتھ فرماتے، یعنی صرف گردن پھیر کر متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ نگاہ اکثر نیچی رہتی تھی، ہتھیلیاں پُر گوشت اور ملائم تھیں، ایڑی میں گوشت کم تھا، ریش مبارک گھنی اور بال سیاہ تھے۔ آپ کے پاؤں کے تلوے قدرے گہرے تھے۔ سر کے بال زیادہ لانبے ہوتے تو کان کی لو تک یا شانے تک پہنچ جاتے تھے، ورنہ نصف کان کی لو تک یا شانے تک رہتے تھے۔ آپ کے سر اور ڈاڑھی کے بال بیس سے زیادہ سفید نہ تھے یعنی گنتی کے بال سفید تھے۔'' (جوامع السیرۃ، امام ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم، المتوفی ۶۵۴ ہجری/۱۲۵۶ء)

بات نصیب کی ہے اور فیصلے بڑے ہی کرم کے، جنھیں اس دورِ آخر الزماں میں زیارتِ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف ملا۔ ایسے بھی ہوں گے جنھیں یہ شرف ملا، مگر انہوں نے اس خیال سے اظہار نہ کیا کہ خوشبو، پھول کے اندر ہی رہے تو بہتر ہے، تصور مہکتا ہی رہے تو اچھا ہے، نظر میں پھول مسکراتے رہیں اور دل میں شمعیں جلتی رہیں اور یوں زندگی خوشبوؤں کے دائروں کا عکس لے کر، رنگوں کے ساحل پر کھڑی رہے۔

نعت گو شعراء میں سے حضرت احسان دانشؒ کو دو بار زیارتِ رسول پاک ﷺ نصیب ہوئی، ثبوت ان کا یہ شعر ہے۔

چوما ہے اپنی آنکھوں کو رکھ رکھ کے آئینہ
جب بھی ہوئی ہے مجھ کو زیارت حضور ﷺ کی

جناب اثر صہبائیؒ بھی اس شرف سے مشرف ہوئے تو بے ساختہ ان کے قلم سے نکلا۔

خواب میں جلوہ گر تھا روئے نبی ﷺ
آفتاب بہار و ماہ تمام
جاگ اٹھا مرا بختِ خوابیدہ
روکشِ کیمیا ہوئی مسِ خام
پارۂ نور و موجۂ نکہت
جلوۂ خلد و نغمۂ الہام
ایک تبسم پہ سو بہار نثار
خامشی پر فدا ہزار کلام
ذاتِ اقدس پہ بے شمار درود
ذاتِ اطہر پہ بے شمار سلام

سچی آرزو یقیناً نوازی جاتی ہے اور یہ آرزو کسے نہیں ہے؟ اور یہ جاننے والا ہی جانتا ہے کہ کسے تڑپانا ہے اور کسے بہلانا۔

جانے کب دے دے صدا کوئی حریمِ ناز سے
بزم والو! گوش بر آواز رہنا چاہیے

اس سلسلے میں ایک نظر، نعت گو شعراء کی تمنائیں بھی دیکھیے کہ وہ کس کس انداز سے آرزوؤں کے گھروندے بنا رہے ہیں۔

اک روز اس کو خلعتِ نقشِ قدم ملے
شاعر بھی آرزو کی گھروندے بنائے ہے
(ریاض حسین چودھری)

ہے شمعِ گل و لالہ ترے نور سے روشن
ممنون ہر اک پھول ہے نقشِ کفِ پا کا

اس کو بھی کوئی روپ، کوئی رنگ عطا ہو
مدت سے ہے بے روح مری زیست کا خاکا

☆

خرامِ موجِ صبا زلفِ عنبریں پہ نثار
بچھے ہیں تختۂ گل ان کے نقشِ پا کے لیے
وہ جس سے دونوں جہاں کو ملی ہے تابانی
نگاہِ شوق ترستی ہے اس ضیا کے لیے

(حافظ لدھیانوی)

آ، دکھا مصحفِ رخسار کی آیاتِ بہار
تا بکے گنبدِ خضریٰ میں حجاب اے ساقی!
زلفِ شب رنگ کی گل بار گھٹائیں لے آ
آنکھ ہے منتظرِ فیضِ سحاب اے ساقی!

(نیر واسطی)

دیکھیے کیا حال کر ڈالے شبِ یلدائے غم
ہاں نظر آئے ذرا صبحِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ

(اصغر گونڈوی)

کیوں جگمگا اٹھے نہ شبِ تارِ زندگی
جب ہو رخِ رسول ﷺ کا مہتاب سامنے

(حفیظ تائب)

ان کے عارض کی تجلی، ان کی زلفوں کی مہک
دن کو چمکاتی رہی، راتوں کو مہکاتی رہی

(قیصر وارثی لکھنوی)

طور نے خوب دیکھا جلوۂ شانِ جمال
اس طرف بھی اک نظر اے برقِ تابانِ جمال
ہوگیا شاداب عالم آگئی فصلِ بہار
اٹھ گیا پردہ، کھلا بابِ گلستانِ جمال
جلوۂ موئے محاسن، چہرۂ انور کے گرد
آبنوسی رحل پر رکھا ہے قرآنِ جمال

خوبرویانِ جہاں کو بھی یہی کہتے سنا
تم ہو شانِ حسن، جانِ حسن، ایمانِ جمال
اتنی مدت تک ہو دیدِ مصحفِ عارض نصیب
حفظ کر لوں ناظرہ پڑھ پڑھ کے قرآنِ جمال
نور کی بارش حسنؔ پر ہو ترے دیدار سے
دل سے ڈھل جائے الٰہی، داغِ حرمانِ جمال

(حسن رضا بریلوی)

کہتے ہیں جس کو عارضِ تاباں حضور کا
آئینۂ جمال ہے ربِ غفور کا
آج آپ ہم پر ڈال دیں اپنی تجلیاں
اک اور واقعہ سہی معراج و طور کا
آنکھوں میں ہیں جمالِ محمد ﷺ کی تابشیں
عالم نہ پوچھیے مرے کیف و سرور کا

(خلیل خاں برکاتی)

وصفِ رخسارِ محمد ﷺ جب زباں پر آگیا
اپنا مضموں سورہ والشمس سے ٹکرا گیا
خواب میں دیکھی ہے جب سے زلفِ شبگونِ نبی ﷺ
آیۂ واللیل کا مطلب سمجھ میں آگیا

(ممتاز گنگوہی)

ایسا منظر بھی کبھی اے مرے آقا، دیکھوں
جس طرف آنکھ اٹھے، تیرا سراپا دیکھوں
جس نے ہر خانۂ غربت کو اجالا بخشا
اپنے آنگن میں بھی وہ چاند اترتا دیکھوں

(منظر ایوبی)

ایک مدت سے ہیں خاموش تمنا کے چراغ
وہ جو آئیں تو اجالا ہو شبستانوں میں

(افضل طور)

کب تک مری نگاہ رہے گی تہی جمال
اے صحنِ مست، سروِ خرامانِ بام ہو

(نذر صابری)

ٹکرائے مری خاکِ زبوں شمس و قمر سے
دیکھیں جو حضور ﷺ ایک عنایت کی نظر سے

(فضل حق)

جس شب رخِ حبیب کا جلوہ نصیب ہو
پھر اس کی حشر تک بھی الٰہی! سحر نہ ہو

(محمد علی ظہوری)

مجھ کو رہِ عدم میں نہ خوف و خطر رہے
یادِ جمالِ روئے نبی ﷺ ہم سفر رہے

(اختر الحامدی)

کاش! مجھ کو بھی میسر ہو کسی ساعت عزیز
اس تکلّم کا ترنم، اس نوا کی روشنی

(عزیز احسن)

آپ نے ام معبد کی تصویر کشی کی بھی دیکھی، صحابہ کرامؓ کی سراپا نگاری میں برمحل تشبیہات کی واقعیت بھی ملاحظہ فرمائی اور اردو نعت پر جمالِ مصطفیٰ ﷺ کا پرتو بھی دیکھا ـــــ یوں محسوس ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حسنِ صورت کا ایک ایسا شاہکار تھے کہ الفاظ اپنی تمام تر توانائیوں اور رعنائیوں کے باوجود تصویر کشی سے قاصر ہیں۔

رخِ مصطفیٰ ﷺ ہے وہ آئینہ کہ ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں، نہ دکانِ آئینہ ساز میں

نعت کہتے ہوئے اس لیے معجز بیان، عاجز نظر آتے ہیں کہ ممدوحِ عظیم و جلیل کے جمالِ صورت اور کمالِ سیرت کی بے کراں تابشوں اور رفعتوں کا احاطہ نہ کوئی نظر کر سکتی ہے اور نہ کوئی دل، بیانِ حسن کو حسنِ بیان دینے کی لاکھ کوششوں کے باوجود نارسائی کا احساس دامن گیر رہتا ہے کہ

کہاں ہم اور کہاں مدحتِ رسول ﷺ، صبیح
اک ارتعاش سا قلب و نظر میں رکھتے ہیں

حفیظ تائبؒ اسی ''ارتعاش'' کو نعت گو کے لیے بڑے نصیب کی بات قرار دیتے ہیں، احساسِ نارسائی سے انکسار بھرتا ہے اور یہی انکسار، دیارِ ناز کا افتخار ہے، زندگی آرزو اور جستجو کا نام ہے اور نارسائی ہی میں فغاں کی آبرو ہے۔ سمجھنے والوں نے نعت گوئی کو تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف سمجھا ہے جبکہ نہ سمجھنے والوں نے دوڑیں لگا رکھی ہیں۔ نتیجہ معلوم کہ غزل ہے کہ اسے نعت بنایا جا رہا ہے۔ حالانکہ نعت کے لیے غزل کی ہیئت کا باوضو ہونا ضروری ہے، حق یہ ہے کہ اگر خود غزل گو 'باوضو' نہیں ہوگا تو غزل کیسے نعت بنے گی، محترم خورشید رضوی نے کہا تھا۔

شان ان کی سوچیے اور سوچ میں کھو جائیے
نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہو جائیے

یہ سوچنا نعت کی ابتداء ہے اور سوچ میں کھو جانا انتہا، اس کھو جانے پر شوکتِ الفاظ سے معمور کئی نعتیہ دیوان قربان ـــــ خدارا، سوچیے زیادہ اور لکھیے کم۔ حقیقت یہ ہے کہ غزل، اظہار کو تیور تو عطا کرتی ہے مگر اس کی کافرانہ اداؤں سے اظہار کو بچانا بہت مشکل ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں نعت کا تقدس مجروح ہوتا ہے۔ جناب عاصی کرنالؒ کے الفاظ میں:

''ہم صدیوں سے زیادہ غزل کی شکل وہیئت ہی میں نعت گوئی کر رہے ہیں۔ غزل کا اپنا ایک خاص مزاج، خاص داخلی فضا اور خاص مقتضیات ومطالبات ہیں جب ہم نعت کہتے ہیں تو عموماً غزل کی ''غزلیت'' سے دامن نہیں چھڑا سکتے۔ غزل کے مخصوص موضوعات ومضامین کی سطحیت سے اونچا نہیں اٹھ سکتے۔ غزل کا ممدوح ایک مجازی محبوب یا بہت سے حسینانِ مجازی ہوتے ہیں۔ جن کے ساتھ ہمارے معاملات کی ایک جذباتی سطح ہوتی ہے جو اتنی بلند نہیں ہوتی۔ ہم اپنے جذبات کو کتنا ہی پاک صاف کر لیں، ہم محبوب کی جسمانیت کے تصور سے باہر نہیں آسکتے۔ اسی لیے توصیف زلف و رخسار اور قصیدۂ چشم ولب کے دائرے سے باہر نہیں آتے، حسن کے ظاہری اور مجازی متعلقات ہمارے دامن گیر رہتے ہیں اور ہم سراپا نگاری تک کے جذباتی فریضے اور وظیفے ادا کرتے رہتے ہیں۔ جب غزل کی یہی ہیئت ہماری نعت کا مدار بنتی ہے تو (مجھے نہایت دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے) ہمارے اکثر شعراء ترفع اور تقدس کی اس سطح تک نہیں پہنچتے جو ممدوحِ نعت سے منسوب ومخصوص ہے، بہت سی نعتیں ایسی نظر سے گزرتی ہیں کہ اگر ان میں آقا، مولا یا سرکار کا لفظ نہ ہو تو وہ نری غزلیں ہی محسوس ہوتی ہیں۔''

گویا نبیٔ پاک ﷺ کی سراپا نگاری ایک انتہائی مشکل امر ہے۔ اس مضمون میں اشعار کا انتخاب انتہائی احتیاط سے کیا گیا ہے کہ اکثر شعروں میں غزل کے مجازی محبوب کے رنگ، ڈھنگ اور انگ کو نعت بنانے کی خوفناک جسارت کی گئی ہے۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جس عظیم ورفیع شخصیت کی مدحت مقصود ہے اس کی فضیلتیں تو ''تفضیل کل'' کے ذیل میں آتی ہیں۔ علم بیان کی رو سے مشبہ بہ، خصوصیت کے اعتبار سے مشبہ سے افضل ہوتا ہے۔ مگر نعت میں مشبہ، ہر مشبہ بہ سے افضل ہے، اگر کہیں گے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس چاند جیسا ہے تو یہ توہین ہوگی اور اگر کہیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی تابانی کے سامنے چاند پھیکا پھیکا سا لگتا تھا تو یہ جملہ نعت بن جائے گا۔

(۲۰۰۲ء)

☆

اسوۂ حسنہ ﷺ ـــــ اُردو نعت کے آئینے میں

نعت، سیرتِ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا شعری بیان ہے جس میں فضائل کا حسن بھی ہے اور مسائل کا تذکرہ بھی۔ یہ صبحِ ازل کی ضو اور شامِ ابد کی لَو ہے۔ اس میں شاعر لفظ، لفظ مبالغے سے بچتا ہے۔ عقیدت، عقیدے کی انگلی تھام کر چلتی ہے۔ دل کی دھڑکنیں، تاریخی صداقتوں سے ہم آہنگ رہتی ہیں اور شاعر اپنی ذات کے ساتھ کائنات لے کر چلتا ہے کیونکہ تذکرہ اس ذات والا صفات کا ہوتا ہے جو حسنِ کائنات بھی ہے اور کائناتِ حسن بھی، یوں یہ حسن، حسنِ بیان کی دل آویزیوں کے ساتھ، صداقتوں کو نکھارتا چلا جاتا ہے۔ نعت، ممدوحِ عظیم و جلیل کے جمال و کمال کا مؤرخانہ نہیں، شاعرانہ اظہار ہے۔ نعت گوئی ان کی پیغمبرانہ بصیرتوں سے خود کو اجالتی، قلبی طہارتوں سے نکھارتی، اخلاقی نظافتوں سے سنوارتی اور فکری رفعتوں سے ابھارتی چلی جاتی ہے۔ نعت گوئی بڑے نصیب کی بات ہے اس کی توفیق سراسر عطا کا نتیجہ ہے ورنہ بڑے بڑے قادرالکلام بے توفیق رہتے ہیں۔

اس لب پہ فدا صبحِ بلاغت کے اجالے
جس لب پہ تری مدح و ستائش ہے، ثنا ہے

اگر بغور دیکھا جائے تو نعت کے آئینے میں نبیِ کریم ﷺ کی سیرتِ پاک کے نگینے، قلم قلم لَو دیتے چلے جا رہے ہیں۔ نعت میں تخلیقی سچائیاں تلاش کرنے والے جناب عزیز احسن نے ''نعت'' کے حروف سے یہ نکتہ اخذ کیا کہ ن نقش، ع عکس اور ت تام (مکمل) کا نمائندہ ہے۔ اس طرح حضور ﷺ کی ذات والا صفات نقشِ اول ہے جسے نقاشِ حقیقی نے بنایا ہے اور انسانی زندگی میں اس نقش کے عملی نمونے پیش کرتے رہنے کا حکم دیا ہے۔ شعراء اس نقشِ اول کا عکس لفظوں میں اتارنے اور اسے کامل (تام) کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، آخری حرف ت تام کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو شعراء کے لیے ایک حسرت کے سوا کچھ نہیں۔

زیرِ نظر اوراق میں حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو نعت کے آئینے میں دیکھنے اور دکھانے کی ایک امکانی سعی کی گئی ہے ـــــ نعتیہ دواوین اس قدر کثیر تعداد میں ہیں کہ

ع سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

اس لیے میں نے اپنی ذاتی ڈائری میں مرقوم نعتیہ اشعار ہی کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ بنا بریں میری مجبوریاں، گلہائے حسیں کی ان فراوانیوں سے معذرت طلب ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب (آیت ۲۱) میں نبیِ پاک ﷺ کی رفتار، گفتار اور کردار کو ایک بہترین نمونہ (اسوۂ حسنہ)

قرار دیا ہے ـــــ ان کے لیے جن کے دل محبوب حقیقی کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے چین اور زبانیں اُسی کی یاد میں رطب اللسان ہیں۔ پس منظر تو اس آیت کا جہاد (جنگ احزاب) سے تعلق رکھتا ہے کہ کفر کے مقابلے میں رسول ﷺ ہی کی طرح ثابت قدم رہو تا کہ فتح و نصرت تمہارے قدم چومے، مگر یہ حکم میدان جہاد ہی کے لیے نہیں بلکہ حیاتِ مستعار کے ہر رخ کے لیے واجب العمل ہے کہ عبادت میں رعنائی، معیشت میں سچائی اور سیاست میں دانائی۔ اسی اسوۂ حسنہ کی اقتدا سے نکھرتی، سنورتی اور ابھرتی ہے کہ حضور ﷺ کے روز و شب انوارِ الٰہی سے مستنیر اور ہدایاتِ الٰہی سے مستفید تھے۔ حق یہ ہے کہ ہر بشر کے لیے خیر البشر ﷺ کی سیرت ہی واجب الاتباع ہے۔ ''کوئی مسلم ہو یا غیر مسلم، اگر ایک انتہائی کامیاب زندگی اور مکمل ترین انسان کا نمونہ دیکھنا چاہے تو اسے قرآن مجید اور سیرت طیبہ کا گہرا مطالعہ کرنا چاہیے، اسے وہ سب کچھ مل جائے گا جس کی ایک سلیم الطبع آدمی کو مطمئن اور خوشگوار زندگی بسر کرنے کے سلسلے میں ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ وہ سیرت طیبہ میں ایک نبیٔ برحق کو دیکھے گا، ایک وفادار دوست کو دیکھے گا، وہ ایک بہترین سردار کو پائے گا، وہ ایک کامیاب سپہ سالار سے ملے گا، وہ ایک انصاف پرور حاکم کو دیکھے گا۔ وہ ایک اعلیٰ درجے کے منتظم اور سربراہِ مملکت سے ملے گا۔ ہاں اور اسی کے ساتھ صبر، قناعت، تقویٰ، طہارت، ذکاوت، شجاعت اور توکل کے بھی اعلیٰ ترین نمونے دیکھ سکے گا۔ وہ عبادت، محبت، شفقت، مودّت، مروت اور عفو کے صحیح معانی صرف سیرتِ طیبہ ہی کے ذریعے سمجھ سکے گا، یہاں اس کو ہر خوبی اپنے کمال پر نظر آئے گی۔''

سیرت ہے تری جوہرِ آئینۂ تہذیب
روشن ترے جلووں سے جہانِ دل و دیدہ

☆

لوگ چمکاتے چلے جائیں گے اپنے روز و شب
اسوۂ سرکار سے کسبِ ضیا کرتے ہوئے
رمزِ ہستی، رازِ فطرت، سرِّ ذات و کائنات
ہر خبر پائی تلاشِ مصطفیٰ ﷺ کرتے ہوئے

☆

ہے پیشِ نظر اسوۂ پیغمبرِ آخر ﷺ
ساماں یہ بہم فکر کی رفعت کے لیے ہے

(حفیظ تائب)

ظلمتیں کافور ہو جائیں فضائے دہر سے
اس طرح پھیلے رخِ شاہِ ہدیٰ کی روشنی
اسوۂ خیر البشر کے نور سے ہو مستنیر
دہر میں چمکے اسی اک نقشِ پا کی روشنی

(عزیز احسن)

مادرِ گیتی کے فرزندِ جلیل
بے نظیر و بے مثیل و بے عدیل
اے پناہِ بے کساں تجھ پر درود
السلام ہے بے نواؤں کے کفیل
تیری سیرت معنیٔ حق کا سراغ
تیری صورت جلوۂ حق کی دلیل

(اثر صہبائی)

جھلملاتے ہیں تصور میں حدیثوں کے چراغ
کہکشاں اسوۂ حسنہ کی سجی ہوتی ہے

(رازکاشمیری)

خلق، محبت، رحمت و رافت، مہر و مروت
لطف و عنایت حسنِ شعارِ سرورِ عالم ﷺ

(اختر الحامدی)

اتنا خلیق، خُلق کا بھر پور آبشار
اتنا بلند جیسے شرافت کا کوہسار
اتنا کشادہ ذہن، مروت کا اک دیار
اتنا بڑا رسول، رسولوں کا شاہکار
حسن عمل کا جس نے نمونہ دکھا دیا
بھٹکے ہوئے بشر کو خدا سے ملا دیا

(سیف زلفی)

گو شک تھا کافروں کو رسالت پہ آپ کی
انگلی نہ رکھ سکا کوئی سیرت پہ آپ کی
ایماں اگرچہ لائے نہ دعوت پہ آپ کی
تھا اعتماد سب کو دیانت پہ آپ کی
بھٹکے نہ گرچہ منزلِ حق آگہی کے پاس
رکھتے تھے پھر بھی اپنی امانت نبی ﷺ کے پاس

(محشر رسول نگری)

یتیموں کے لیے وہ ابرِ رحمت
وہ تسکینِ قلوبِ بے کساں ہے

کرم اس کا ہے زخمِ جاں کا مرہم
غموں کی دھوپ میں وہ سائباں ہے
ادائے لطف ہے اس کی جہاں پر
کرم اس کا محیطِ ہر زماں ہے
وہ روحِ عدل، وہ جانِ مساوات
صداقت کا، امانت کا نشاں ہے
اسی کا ہے مرے لب پر قصیدہ
وہی جو باعثِ آرامِ جاں ہے

☆

تو نے ہر گام پہ چھوڑے ہیں نقوشِ تاباں
رہنما ایک زمانے کی ہے سیرت تیری
ہر عمل تیرا ہر اک دور کا رہبر ٹھہرا
ہر زمانے میں مسلّم ہے امامت تیری

(حافظ لدھیانوی)

نمونہ سب کے لیے ہے نبی ﷺ کی سیرت میں
کہ جو نظیر بھی ڈھونڈی گئی یہیں سے ملی

(اسد ملتانی)

میں ترے نقشِ قدم صورتِ انجم دیکھوں
کہکشاں سیرتِ اطہر کی سجانے والے
درسِ اخلاص دیا تو نے زمانے بھر کو
نورِ ایقان کو سینوں میں بسانے والے

(اقبال نجمی)

کچھ اسوۂ حسنہ پہ عمل بھی تو کر اے دل!
یہ فرضِ محبت ہے، اسے بھی تو ادا کر

(زکی کیفی)

ہے ان کا اسوہ ابد تک متاعِ دیدہ وراں
یہی چمن ہے کہ جس کو نہیں ہے خوفِ خزاں

(اسرار احمد سہاوری)

اسوۂ مصطفیٰ ﷺ ملا ہم کو
نور ارض و سما ملا ہم کو

آپ کا نقشِ پا ملا ہم کو
کیا عجب رہنما ملا ہم کو
ہم نے منزل کو پالیا گویا
آپ کا راستا ملا ہم کو
سیرتِ پاک پر گئی جو نظر
اک عجب حوصلہ ملا ہم کو
آ گیا بے قرار دل کو قرار
در جوسرکار کا ملا ہم کو

(حفیظ تائب)

ترے کردار کا پرتو ہے عصمت ہو کہ تقویٰ ہو
ترے اخلاق کا صدقہ ہے نیکی ہو کہ سچائی

(ماہرالقادری)

ادراک کا چراغ، فراست کی روشنی
فہم و خرد کا مہر، تدبر کا آفتاب
تیر و سنان و خنجر و شمشیر کا دھنی
تدبیر کا سکوت، عزائم کا اضطراب

(لطیف جلیلی)

انسانیت کا اسوۂ کامل حضور ہیں
اس کاروانِ زیست کی منزل حضور ہیں

(محشر رسول نگری)

فقط حضور کے اسوے پہ ہے مدارِ حیات
عمل نہیں تو شفاعت، حدیثِ بے خبراں

(اسمٰعیل داؤدی)

سرکار کی سیرت سے فروزاں ہیں در و بام
آداب محبت کے سکھاتا ہے مدینہ
ہر لمحہ حضوری میں گزرتا ہے یہاں
کیا قرب کا احساس دلاتا ہے مدینہ

(حافظ لدھیانوی)

رسول پاک ﷺ کی سیرت کا یہ کتنا حسیں رخ ہے
خدائے پاک سے دشمن کے حق میں بھی دعا کرنا
حسیں اخلاق سے، کردار سے، شیریں کلامی سے
رسولِ پاک ﷺ سے سیکھو دلوں کو ہم نوا کرنا
نبی ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے یہ پیغام ملتا ہے
یتیموں کی خبر رکھنا، غریبوں کا بھلا کرنا

(طفیل ہوشیار پوری)

دانش میں خوفِ مرگ سے مطلق ہوں بے نیاز
میں جانتا ہوں موت ہے سنّت حضور کی

(احسان دانش)

ہے سیرتِ رسول ﷺ بہر گام رہنما
راہِ طلب میں اور کوئی نقش پا نہ مانگ
یہ اسوۂ جنابِ رسالت مآب ﷺ ہے
اپنے عدوئے جاں کے لیے بھی برا نہ مانگ

☆

نہ نکتہ ور، نہ مفکر، نہ فلسفی کے چراغ
مرے لیے ہیں بہت اسوۂ نبی ﷺ کے چراغ
رخِ کائنات کا غازہ ہے خاکِ پا تیری
ہیں مہر و ماہ سے بڑھ کر تری گلی کے چراغ
مٹانے آئے دلوں سے کدورتوں کے نقوش
جلانے آئے اخوت کے، آشتی کے چراغ
فدا حضور کی خواہش پہ رازؔ ہر خواہش
نثار آپ کی حرمت پہ زندگی کے چراغ

(رازکاشمیری)

وجد میں آدم ہے اوجِ آدمیت دیکھ کر
مصطفیٰ ﷺ کا شیوۂ تکمیلِ سیرت دیکھ کر
آپ کو مانا گیا سب سے بڑا تاریخ ساز
زیست کے ہر موڑ پر شانِ قیادت دیکھ کر

سازِ دل سے نغمہ کی صورت اٹھی موجِ درود
عظمتِ کردار پر حق کی شہادت دیکھ کر

(حفیظ تائب)

روشن ترے اسوہ سے ہوا روئے تمدن
قائم ترے کردار سے معیارِ وفا ہے

(احمد اریب)

خورشیدِ فلک آپ ہیں مہتابِ زمیں آپ
تابندہ نظر آپ ہیں فرخندہ جبیں آپ
ہر نقشِ قدم آپ کا ہے شمعِ ہدایت
تاریکی و ظلمات میں ہیں نورِ مبیں آپ
معیار ہے دنیا کے لیے اسوۂ حسنہ
سر نامۂ توحید کے ہیں نقشِ حسیں آپ

(عبدالکریم ثمر)

شب کو سحر کے نور میں ڈھالا حضور نے
انساں کو پستیوں سے نکالا حضور نے
ذہنوں سے تیرگی کو مٹانے کے واسطے
اک آفتابِ نور اچھالا حضور نے
ملنے کو تھی جو خاک میں توقیرِ زندگی
فضلِ خدا سے اس کو سنبھالا حضور نے
اعدا سے کھائے سنگ تو ان کو دعائیں دیں
اسوہ دیا ہے ہم کو نرالا حضور نے

(غلام زبیر نازش)

خوش رنگ روشنی کا سفر اسوۂ رسول ﷺ
ظلمت میں آفتابِ سحر، اسوۂ رسول ﷺ
اول کلامِ ربِ علیٰ بہرِ کائنات
پھر اس کے بعد حسنِ دگر، اسوۂ رسول ﷺ
دیتا رہے گا شامِ ابد تک جو روشنی
ہے وہ چراغِ راہ گزر، اسوۂ رسول ﷺ

قول و عمل ہے مشعلِ عرفان و آگہی
دونوں جہاں کا علم و ہنر، اسوۂ رسول ﷺ
تپتی ہوئی حیات کو لطفِ حیاتِ نو
صحرا میں سایہ دار شجر، اسوۂ رسول ﷺ

(رشید کامل)

آؤ، کریں اے دوستو! پھر زندگی کی بات
پھر سیرتِ نبی ﷺ کی، پھر عہدِ نبی ﷺ کی بات
سائل نے جس کے منہ سے کبھی لا نہیں سنا
اس لاجواب، ہاشمی، عربی، سخی کی بات
جس نے بنایا امیّوں کو ہادیٔ جہاں
اس امیّوں کے پیشوا، امیّ نبی ﷺ کی بات

(الف۔د۔نسیم)

ہر ورق سیرتِ مطہر کا
حسنِ انسانیت کا مظہر ہے
آپ کا خلق، آپ کی گفتار
عظمتِ آدمی کا جوہر ہے

(حافظ لدھیانوی)

''اُسوہ'' کیفیتِ اتباع کا نام ہے گویا وہ حالت جس پر کوئی شخص اتباع کرتے وقت ہوتا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو جمال و کمال کی جملہ کیفیتیں دے کر ہمارے لیے قابلِ تقلید قرار دیا ہے۔ بنا بریں یہی احسن، اجمل اور اکمل نمونہ ہمارے لیے رہ نما بھی ہے اور منزل نشاں بھی۔ سچ یہ ہے کہ نبیٔ پاک ﷺ بے مثل بشر ہیں اور ان کی ہر مثال، بے مثال ہے۔ سورۂ قلم میں آپ ﷺ کے خلق کو عظیم کہا گیا۔ خلق کی عظمت سے مراد دانشِ ایمانی اور دانشِ برہانی کی جامعیت ہے، خصائل و شمائل کی پختگی ہے۔ گویا آپ ﷺ ان اوصافِ حمیدہ سے متصف تھے۔ جن کی جڑیں دل کی گہرائیوں میں تھیں اور اس فطری حسن کو اپنے اظہار میں نہ کسی نوع کا کوئی تکلف تھا اور نہ اس میں کوئی تصنع تھا نہ بناوٹ، بلکہ حسنِ خلق کا اظہار یوں ہوتا تھا جیسے پھول سے خوشبو نکلتی، ہوا کے دوش پر سوار ہوتی اور کائنات کو مہکا جاتی ہے۔

اخلاق کی یہ عظمت خالق کی عطا کردہ تھی۔ حضور ﷺ کی ایک دعا کا ترجمہ ہے ''اے اللہ! جس طرح تو نے میری شکل وصورت کو حسین و جمیل بنایا ہے، اسی طرح تو میرے خلق کو بھی حسین و جمیل بنا دے۔'' گویا خلق اور خُلق دونوں کا حسن ـــــ یاد رہے کہ حسنِ خلق کا ادراک بصر ہوتا سے ہے اور حسنِ خُلق کا بصیرت سے۔

کوئی مثل مصطفیٰ ﷺ کا کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا
کسی اور کا یہ رتبہ کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا

انھیں خلق کر کے نازاں ہوا خود ہی دستِ قدرت
کوئی شاہکار ایسا کبھی تھا نہ ہے، نہ ہو گا

(صبیح رحمانی)

سیرت کا ذکر لذتِ احساسِ زندگی
یادِ رسول ﷺ باعثِ تسکینِ اضطرار
بیماریٔ خرد کے لیے نسخۂ شفا
دل داریٔ جنوں کے لیے حرفِ خوشگوار
بنجر زمینِ فکر پہ الطاف کی گھٹا
ویرانیٔ خیال میں سر سبز برگ و بار
سیرت کا ہو بیاں تو مہکتے ہیں بام و در
عنبر فشاں ہواؤں سے ماحول مشکبار

☆

رحمۃ للعالمیں ترحّم میں
اے تلطّف میں ابرِ نیسانی
اے تدبر ترا جہانگیری
اے تقدم ترا جہاں بانی
بے کراں ہوگئی ترے دم سے
آدمیت کی تنگ دامانی
علم و حکمت میں، عزم و جرأت میں
تیری عظمت ہمیشہ لاثانی

☆

دل کے ویرانے میں جب ہوتا ہے سیرت کا اثر
گوشے گوشے میں بہارِ جاودانی گلفشاں
زندگی کے ساز پر تارِ رگِ جاں کے لیے
صاحبِ مضراب ہے وہ دھڑکنوں کا رازداں

☆

فطرت کا اعتبار، مشیت کی آبرو
سیرت کے آئینے میں جو صورت ہے روبرو

اے تیرے دم قدم سے ہے انسان کا وقار
ہے ورنہ بے ثبات، یہ دنیائے رنگ و بو

(محمد عاشق)

منارِ رشد و ہدایت، سحابِ رحمت وجود
مرے رسول ﷺ کا اسوہ، مرے نبی ﷺ کا وجود

(حفیظ تائب)

وہ ہستی جس سے قائم ہے مروت بھی، اخوت بھی
جو سرگرمِ عمل رہتی تھی اور محوِ عبادت بھی

(راجا رشید محمود)

یہ شانِ پیمبر ﷺ ہے، یہ معراجِ بشر ہے
دشمن بھی پکارے تو امیں کہہ کے پکارے

☆

آئینۂ انوارِ رسل، حسنِ مجسم
سیرت بھی دل افروز، سراپا بھی درخشاں
منزل ہے ترے نقشِ کفِ پا سے عبارت
اے قافلۂ راہِ مشیت کے حدی خواں

(ساحر صدیقی)

روشن ہے نقشِ سیدِ ابرار ﷺ آج بھی
محفوظ ہے حضور کا کردار آج بھی
سنتے ہیں کان آپ کی گفتار آج بھی
نظروں میں ہے وہ عالمِ انوار آج بھی
اک اک ادا حضور کی مشہود ہے یہاں
میرا رسول ﷺ آج بھی موجود ہے یہاں

(محشر رسول نگری)

آنکھوں میں ہے اس خلقِ مجسم کا تصور
اک خلدِ مسرت مری نظروں کے قریں ہے

(صوفی تبسم)

صبحِ صادق کی طرح صدیق تھا جو، وہ حسیں
دولتِ لوح و قلم کا جو امیں تھا، وہ امیں

جب قلم کی روشنی بنتے ہیں یہ القابِ نور
تب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کیا ہوں گے حضور ﷺ

(صہبا اختر)

صورت و سیرت کی رفعت پر ملے ہیں جب سے آپ
اک عجب وارفتگی سی میری دانائی میں ہے
رات دن کھنگالتے ہیں بحر، ملتا ہی نہیں
آپ کی عظمت کا گوہر کتنی گہرائی میں ہے
آپ کی اجلی شریعت کی ہمہ گیری کا راز
جسم کی رعنائی میں ہے، جاں کی زیبائی میں ہے

(عارف عبدالمتین)

کیا شانِ تکلّم ہے کہ ہر جنبشِ لب سے
تخلیق ہوئی مستی کردار کی دنیا
اس طرح کیا شیر و شکر علم و عمل کو
گفتار کی دنیا ہوئی کردار کی دنیا

(زکی کیفی)

معیارِ حسنِ خلق وہی شخص بن گیا
جس کو ملی ہے ان کی اطاعت کی روشنی

(عزیز احسن)

یہ بھی ہے سچ کہ آپ کی گفتار ہے جمیل
یہ بھی ہے حق کہ صاحبِ کردار آپ ہیں

(احمد ندیم قاسمی)

وہ جس کے فقر کے آگے نگوں سر تھی شہنشاہی
وہ جس کے بوریا پر سر جھکا فغفور و قیصر کا

یہ حسنِ خلق، یہ لطفِ نظر، یہ عفو یہ بخشش
خراماں جس طرح کیفِ رواں تسنیم و کوثر کا

(صوفی تبسم)

دونوں ہیں درسِ رشد و ہدایت مرے لیے
صورت حضور کی ہو کہ سیرت حضور کی

جب سیرتِ حضور کو دیکھا ہے غور سے
آئینہ ہوگئی ہے صداقت حضور کی

(شفقت کاظمی)

پیدا نہ کر سکے ترے کردار کی مثال
دکھلائے علم و فہم نے اعجاز بے شمار

(نظیرلدھیانوی)

مولائے کل ہیں، سیدِ ابرار آپ ہیں
انسانیت کی دولتِ بیدار آپ ہیں
اسوہ ہے آپ کاملہِ کامل کی چاندنی
فکر و عمل کا گلشنِ بے خار آپ ہیں
ذات آپ کی ہے حکمت و دانش کا گل کدہ
عرفان و آگہی کا چمن زار آپ ہیں
دنیا میں ہیں نمونۂ خلقِ عظیم آپ
نازاں ہے جس پہ عظمتِ کردار آپ ہیں

(طاہرشادانی)

سرمایۂ حیات ہے سیرت رسول ﷺ کی
اسرارِ کائنات ہے سیرت رسول ﷺ کی
بنجر دلوں کو آپ نے سیراب کر دیا
اک چشمۂ صفات ہے سیرت رسول ﷺ کی
تصویرِ زندگی کو تکلم عطا کیا
حسنِ تصورات ہے سیرت رسول ﷺ کی
ساغرِ سرور و کیف کے ساغر چھلک اٹھے
صبحِ تجلیات ہے سیرت رسول ﷺ کی

(ساغرصدیقی)

ہر جاں کے لیے وجہ سکینت تری سیرت
آقا، دل مفلس کی ہے دولت، تری سیرت
مجبور کو ہر گام پہ دیتی ہے سہارا
بے کس کو عطا کرتی ہے قوت ، تری سیرت

اذہان میں کرتی ہے اجالا تری تعلیم
ظلمات میں ہے نورِ ہدایت تری سیرت
کھولی ہیں ترے نطق نے فردوس کی راہیں
دراصل ہے جنت کی بشارت تری سیرت
روشن ہے ترے نور سے کاشانۂ ادراک
ہے سلسلۂ فہم و بصیرت تری سیرت

(حافظ لدھیانوی)

وہ اک نرمی کہ سنگ و خشت کے سینے میں جا اتری
وہ اک شیشہ کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوا آیا
وہ اک عظمت کہ مظلوموں کے چہروں پر دمک اٹھی
وہ اک بندہ کہ سلطانوں کو ٹھکراتا ہوا آیا

(ضمیر جعفری)

خلق میں کوئی نہیں، خُلق میں کوئی نہیں
آپ کی کوئی مثال، آپ کی کوئی مثیل
آپ کا رتبہ عظیم، آپ کا احساں عمیم
آپ کی سیرت بلند، آپ کی صورت جمیل
نے کوئی فغفور وکے، نے کوئی خاقان و جم
آپ ہیں میرے وکیل، آپ ہیں میرے کفیل

(عابد نظامی)

یہ سلسلۂ صدق و صفا کس سے ملا ہے
افکار کو اندازِ حیا کس سے ملا ہے؟
ہر نقش میں اک شانِ کریمی ہے خدا کی
یہ پردۂ انوار و ضیا کس سے ملا ہے
یہ دولتِ اندازِ نظر کس کا کرم ہے
یہ سلسلۂ فکرِ رسا کس سے ملا ہے
سرکارِ دو عالم ﷺ کے سوا کون امیں ہے
اللہ کا پیغامِ ہدیٰ کس سے ملا ہے

اس ذاتِ محمد ﷺ کے سوا، کوئی بتائے
انسان کو مفہومِ رضا کس سے ملا ہے
کشفی کو عطا کس سے ہوئے اشکِ محبت
آواز کو یہ رنگِ صفا کس سے ملا ہے

(محمد ابوالخیر کشفی)

جناب عائشہؓ کا یہ فرمان ہے کہ نبیؐ پاک ﷺ کا اخلاق قرآن ہے۔ یعنی قرآن کے اوامر و نواہی کے عین مطابق ہے اور قرآن کی رعنائیوں کی طرح بے مثال و بے نہایت ہے۔ خود نبیؐ پاک ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اخلاقِ حسنہ کو درجۂ کمال تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ اخلاقِ حسنہ کے درجۂ کمال ہی کا دوسرا نام اخلاقِ عظیمہ ہے۔ آپ ﷺ کا کردار و عمل، اس فرمانِ الٰہی کے عین مطابق تھا کہ

''قبول کیجیے معذرت خطا کاروں کی، حکم دیجیے نیک کاموں کا اور رخِ انور پھیر لیجیے جاہلوں کی طرف سے۔''

(اعراف ۱۹۹)

اور نبیؐ پاک ﷺ کی اپنے بارے میں یہ حدیث اسی ارشادِ الٰہی کی وضاحت کر رہی ہے۔ مجھے میرے پروردگار نے نو باتوں کا حکم دیا ہے۔

☆ ظاہر و باطن میں اخلاص کو اپنا شعار بناؤں۔
☆ خوشنودی اور ناراضی دونوں حالتوں میں عدل کروں۔
☆ خوش حالی اور تنگ دستی میں میانہ روی اختیار کروں۔
☆ جو مجھ پر ظلم کرے اس کو معاف کر دوں۔
☆ جو مجھ سے قطع تعلق کرے اس سے صلۂ رحمی کروں۔
☆ اس کو دوں جو مجھے محروم رکھے۔
☆ میری زبان گویا ہو تو ذکرِ الٰہی سے۔
☆ حالتِ سکوت میں آیاتِ الٰہی پر غور و فکر کروں۔
☆ میرے دیکھنے میں عبرت پذیری ہو۔

نبیؐ پاک ﷺ کی سیرت سے زیادہ سچی سیرت نہ کسی کی ہے، نہ ہوگی۔ کیونکہ سیرت کے ماخذ دو ہیں، قرآن اور حدیث، قرآن کہ جس کی لفظی صحت اور معنوی صداقت بہر نوع مستند ہے اور حدیث کہ اس کی چھان پھٹک، جانچ پڑتال اور جمع و ترتیب میں نہ ماضی شبہ کر سکتا ہے نہ حال اور نہ مستقبل کر سکے گا۔

اعزاز یہ سرکار کی سیرت کے لیے ہے
ہر دور میں انساں کی ہدایت کے لیے ہے
دیں اس کا ہے دستور، کتاب اس کی ہے منشور
وہ نور فلاحِ بشریت کے لیے ہے

(حفیظ تائب)

اے سراپائے لطفِ ربانی
اے مجسم عطائے یزدانی
اے تری زندگی کا ہر پہلو
رہنمائے شعورِ انسانی
اے کہ ہر باب تیری سیرت کا
آئینہ دارِ درسِ قرآنی

☆

تری سیرت رموزِ فتح و نصرت کا صحیفہ ہے
ترا خلقِ عظیم آئینہ الطافِ یزدانی
شجاعت، استقامت، سخت کوشی، نیک اندیشی
یقین و اتحاد و عزم و سعی و خندہ پیشانی

(محمد عاشق)

پیکرِ رحمت ترا خلقِ عظیم
نکہتِ جنت تری خوئے جمیل
تری اک اک بات صہبائے حیات
تری اک اک سانس موجِ سلسبیل
تیرا پیغامِ مساواتِ بشر
قیصر و فغفور کو بانگِ رحیل

(اثر صہبائی)

یاد ہے بات مجھے حضرت صدیقہؓ کی
آپ کا خلق بھی قرآن ہے، سبحان اللہ

☆

خلق عظیم و اسوۂ کامل حضور کا
آدابِ زیست سارے جہاں کو سکھا گیا

(حفیظ تائب)

جہانِ عدل و احساں کا وہی بانی مبانی ہے
کلام اللہ کی تفسیر جس کی زندگانی ہے

(راجا شید محمود)

بزمِ جہاں کو زیورِ خلقِ عظیم سے
یا صاحبِ جمال، سجایا ہے آپ نے

(منظور حسین منظور)

بے حدود و بے بہا آپ کا لطف و کرم
بے نظیر و بے مثال آپ کا خلقِ عظیم
مخزن جود و سخا، منبعِ صدق و یقیں
آپ رؤف و رحیم، آپ ہی درِ یتیم

(عبدالکریم ثمر)

بیاں جن میں ہوئے اوصاف محبوبِ دو عالم کے
مری نعتوں کی زینت ہیں وہی آیاتِ قرآنی
جلالِ بادشاہی نے لباسِ عجز پہنا ہے
درِ اقدس پہ ہے قربان عزّ و جاہِ سلطانی
وہ اپنی خوبیوں میں ہے جہاں میں یکہ و تنہا
صفات و ذات میں کوئی نہیں کونین میں ثانی
عطا کی سر فرازی ان کو جو پامال انسان تھے
غلاموں کو سکھائے اس نے اندازِ جہانبانی

☆

مری زندگی کا حاصل، مرے درد و غم کا درماں
ترا ذکر وجہِ تسکیں، تری یاد راحتِ جاں
جو ہے رہنمائے عالم، ہے وہ سیرتِ مطہر
ترا نطق معجزہ ہے، ترا ہر عمل ہے قرآں

(حافظ لدھیانوی)

اس کا وجودِ پاک ہے برہانِ ذاتِ حق
اس کی حیات معنیٔ ام الکتاب ہے

(حافظ محمد افضل فقیر)

سیرت رموز امر و نواہی لیے ہوئے
صورت جمالِ نورِ الٰہی لیے ہوئے
عادت پیمبری کی گواہی لیے ہوئے
غربت جلال و شوکتِ شاہی لیے ہوئے

لب بحرِ روشنی کا سفینہ کہیں جسے
دل علم و آگہی کا مدینہ کہیں جسے

(انور جمال)

اک صدق کہ جس صدق کا شاہد ہے زمانہ
اک عہد کہ جو عہد ہے پابند وفا کا
اک فقر کہ جس فقر پہ خود فخر ہے اس کو
اک شاہ کہ جو شاہ سمندر ہے سخا کا
اک فکر کہ افکار کی تہذیب ہے جس سے
اک علم کہ جس میں نہیں امکان خطا کا
اک خلق کہ اخلاق میں قرآن سراپا
اک فرد کہ گنجینۂ گوہر ہے ادا کا
اک ذات کہ ہے صورت و سیرت کا تفاخر
اک شخص کہ مژدہ ہے نئی آب و ہوا کا

(منصور احمد خالد)

کتابِ تمدن کا عنوان ہے ''الفقر فخری''
جو تہذیب ہے جسم تو جاں ہے ''الفقر فخری''
ہوا و ہوس کی ضلالت اثر ظلمتوں میں
مہ و مہر بنکر فروزاں ہے ''الفقر فخری''
بیاضِ ہدایت ہے، تفسیرِ پیغامِ حق ہے
ہم آہنگ و ہم رنگِ قرآں ہے ''الفقر فخری''
یہ اک جملہ گنجِ خطیرِ سلام و اماں سے
فلاح و سعادت کا دیواں ہے ''الفقر فخری''

(جعفر بلوچ)

تیرے کردار کو قرآں نے کہا خلقِ عظیم
تیرے اعدا نے بھی تسلیم کیا تجھ کو امیں
تو نے بخشی ہے نگاہوں کو وسیع النظری
تو نے سینوں کو دیا ذوقِ وفا، سوزِ یقیں

(عابد نظامی)

خلق قرآن ہے جس کا، وہ نبیِ ملہم

جس کے اسوہ میں نہاں رازِ نجاتِ آدم
قاب قوسین کی تنزیل سے ہوتا ہے بہم
ذاتِ اقدس ہے فقط ذات خدا کی محرم
وہی محسن، وہی منقاد و مطاع و منعم
جس کا منشور ہے منشورِ فرازِ آدم

(غلام سول ازہر)

وہ ہر بشر کے واسطے نظیر ہیں مثال ہیں
اطاعتِ خدا کا اک نمونۂ کمال ہیں
ہیں ان کی عادتوں میں حق کی آیتیں سجی ہوئی
وہ بارگاہِ عرش کا صحیفۂ جمال ہیں

(سرو سہارنپوری)

نطق جس کا صداقتوں کا امیں
اس کی ہر بات ہے کلامِ خدا

☆

محبوبِ کائنات کی سیرت کا ہر ورق
تفسیرِ دلپذیر ہے امِ الکتاب کی

☆

ہے پیکرِ رحمت ترا انعامِ الٰہی
ہر ایک ورق سیرتِ اطہر کا ہے قرآں
ہر ایک ادا خلق و محبت کی ہے معراج
ہر نقش تری زیست کا ہے رہبرِ انساں

(حافظ لدھیانوی)

انبیاء کا مشن دیگر مصلحین سے ہمیشہ مختلف رہا ہے کہ مفکرین صرف فکر دیتے ہیں مگر عمل کا نمونہ نہیں دیتے۔ شاعر صرف سمع و بصر کو جنت عطا کرتے ہیں مگر من کی دنیا کو نور عطا نہیں کرتے، مقنن قانون کا ضابطہ دیتے ہیں مگر خود کو اس قانون کے مطابق نہیں ڈھالتے، جب کہ انبیاء نظریئے کے ساتھ ساتھ عمل کا خوبصورت نقش بھی پیش کرتے ہیں اور عمل کی یہی صالحیت، دلوں میں تر از و ہو جایا کرتی ہے۔ نبی پاک ﷺ آیۂ کائنات کا وہ معنیٰ دیریاب تھے جس کی تلاش میں رنگ و بو کے قافلے ازل سے رواں دواں تھے اس لیے آپ ﷺ نے انسانیت کو آخری دستورِ حیات عطا کیا جو بہر اعتبار مکمل اور بہر نوع قابلِ عمل ہے۔ اسی مکمل ضابطۂ حیات کی ایک ایک شق کی عملی تفسیر، اسوۂ رسول ﷺ ہے۔ قرآن ایک الوہی ضابطۂ

حیات ہے اور نبیٔ پاک ﷺ کی حیاتِ مطہرہ اس کی دل آویز وضاحت، اس الوہی قانون زندگی کو اگر ''قرآن صامت'' کہتے ہیں تو حضور ﷺ ''قرآن ناطق'' ہیں۔ قرآن متن ہے اور سیرتِ خیر الانام ﷺ اس کی جامع تشریح۔ متن بھی اکمل ہے اور تشریح بھی اجمل اور اس اکمل و اجمل امتزاج میں نہ کسی اضافے کی ضرورت ہے نہ ترمیم کی کہ تکمیل کے بعد اضافہ اور ترمیم بیکار ہو جایا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ نظام حیات پریشاں، آلودہ داماں اور بے سروساماں، انسانیت کی رگوں میں یوں اتر گیا جیسے بادِ سحر گاہی کا نم، شاخِ گل کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے۔

ان کی سیرت ہمیں دیتی ہے محبت کا پیام
ان کی تعلیم ہمیں درسِ وفا دیتی ہے

(اثر صہبائی)

جس کے فقرِ غیور کے آگے
منفعل قرِ قیصر و فغفور

☆

نبی ﷺ کے ہر سخن میں ہے جھلک وحی الٰہی کی
حدیثِ مصطفیٰ ﷺ پر مرحبا کہیے، بجا کہیے

(حفیظ تائب)

لیا ہے آپ سے درسِ محبت اہلِ دنیا نے
جہاں میں آپ کی پھیلی ہے خوشبو، یارسول اللہ ﷺ

☆

بتاتی ہے دنیا کو سیرت تمھاری
کہ ناموسِ فطرت کے تم پاسباں ہو
مسخر تمھاری ادا سے ہے عالم
کہ دشمن کے حق میں تم مہرباں ہو

(منظور حسین منظور)

ان کے اخلاق و فضائل کرتے ہیں واعظ بیاں
متنِ قرآن دیکھ کر، تفسیرِ قرآں دیکھ کر

(صابر براری)

عنوانِ انقلاب ہے طاعت رسول ﷺ کی
ہے ایک زندہ معجزہ سیرت رسول ﷺ کی

(محشر رسول نگری)

دشمنوں پر ہے مروت ان کی
درگزر کرنا ہے عادت ان کی
رہبروں کے لیے وجہِ تقلید
ہر زمانے میں قیادت ان کی
ہر قدم راہ دکھاتی ہے مجھے
کیسی ضو ریز ہے سیرت ان کی

☆

رسولِ ہاشمی ﷺ اے راحت جاں
ہے تجھ سے آبروئے دیں و ایماں
ترے انوار ہیں منظر بہ منظر
تری خوشبو بہاراں در بہاراں
نشاطِ زندگی ہے یاد تیری
ہے تجھ سے رونقِ بازارِ امکاں
تری سیرت متاعِ بے بہا ہے
ترے اخلاق پر شاہد ہے قرآں

(حافظ لدھیانوی)

تسلیم و رضا، جود وسخا، صبر و تحمل
جو رسمِ حسن ہے وہ اسی گھر سے چلی ہے
صورت ہے کہ شاہکار ہے نقاشِ ازل کا
سیرت ہے کہ قرآن کی تفسیرِ جلی ہے

(تابش صمدانی)

تری سیرت کے صدقے میں ملی ہے منزلیں ہم کو
چراغِ حق نما کیسا جلا رکھا ہے صدیوں سے
تجھے ہر دور نے مانگا، تجھے ہر دور نے چاہا
تری چاہت کو سینوں میں بسا رکھا ہے صدیوں سے

(اقبال نجمی)

رنگِ حیات کس نے نکھارا ترے سوا
انسانیت کو کس نے ابھارا ترے سوا

کس نے دیا ہے دشمنوں کو دوستی کا درس
موڑا ہے کس نے وقت کا دھارا ترے سوا
کس نے مٹا کے بغض و حسد کی کدورتیں
نقشِ وفا دلوں میں اتارا ترے سوا
اس قلزم حیات میں اے شافعِ امم
ہرگز نہ مل سکے گا کنارا ترے سوا

(قمر یزدانی)

اس کی سیرت ہے منارِ انوار
حسنِ اطوار ہے فطرت اس کی

(عارف رضا)

ہوں بزم دوستاں میں تو حرفِ سبک ہیں آپ
اور رزمِ دشمناں ہو تو کوہِ گراں ہیں آپ

☆

مری نگاہ کا مرکز ہے بانکپن تیرا
کبھی عمل ترا دیکھوں، کبھی سخن تیرا
گزر رہے ہیں شب و روز اس تمنا میں
مرے چلن میں جھلکنے لگے چلن تیرا

☆

جو عہد بھی آئے تیری سیرت پہ ہو نازاں
جو دور بھی آئے ترے کردار پہ اترائے

(عارف عبدالمتین)

اندازِ حیات ان کا ہے قرآن سراپا
ہر آن وہ جلوۂ زیبا ترو تازہ
انوار بداماں ہے بہر لحظہ وہ اسوہ
وہ گلشنِ رحمت ہے ہمیشہ تروتازہ

(حفیظ تائب)

آپ کا قول و عمل تفسیر ہے قرآن کی
اتباعِ مصطفیٰ ﷺ، معراج ہے انسان کی

(ماہر القادری)

صاحبِ خلقِ عظیم آپ کی ذاتِ اقدس
وجہِ صد عظمتِ انساں ہیں رسولِ عربی ﷺ
سیرتِ پاک ہے قرآں کے مطالب کی امیں
گویا خود آپ ہی قرآں ہیں رسول عربی ﷺ

(حفیظ الرحمٰن احسن)

تیرا ہر ایک عمل وحیٔ الٰہی کی نمود
تیری سیرت ہے کہ قرآن کھلا دیکھتے ہیں
تو نے وہ ثبت کیے راہِ محبت میں نقوش
سب زمانے ترا نقشِ کفِ پا دیکھتے ہیں
جان سے بڑھ کر تری ذات کو رکھتے ہیں عزیز
ہم ترے چاہنے والوں کی ادا دیکھتے ہیں

(حافظ لدھیانوی)

کلام پاک کے دیکھو تو کھول کر اوراق
ہیں جا بجا شہِ دیں کے مکارمِ اخلاق

(عابد نظامی)

قرآں کی آیتوں میں سراپا ڈھلا ہوا
تمثیلِ بے مثال ہے کردارِ مصطفیٰ ﷺ

(شورش کاشمیری)

لازم ہے کہ انسان زندگی کے تمام شعبوں میں نبیٔ اکرم ﷺ کی حیاتِ پاک کو اپنے سامنے رکھے کیونکہ ''آپ ﷺ ہر لحاظ سے حسن و جمال کا پیکر ہیں تقویٰ و پاکیزگی کا مظہر ہیں۔ وہ تمام اوصاف جو چہرۂ نبوت کا غازہ ہیں آپ ﷺ کی ذات میں موجود ہیں، آپ ﷺ کے رخِ زیبا میں ہر نوع کے عشاق کے لیے تسکینِ نظر کا وافر سامان مہیا ہے، آپ ﷺ خلاصۂ انسانیت ہیں، آپ ﷺ کی کوئی ادا غیر جمیل نہیں، آپ ﷺ سیرت و عمل کا بہترین نمونہ ہیں اور جسم و قالب سے لے کر روح کی گہرائیوں تک آپ ﷺ میں حسن ہی حسن ہے۔''

گویا معاشرے میں سیرت و کردار کا حسن ابھارنا ہی نبیٔ اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد تھا۔ آپ ﷺ کے پیشِ نظر معاشرتی اعتبار، تہذیبی وقار اور تمدنی نکھار تھا۔ ایک ایسے معاشرے کا قیام جس سے دنیا زندگی کے ہر میدان میں پارسائی کا سبق لے، آپ ﷺ معلم تھے اور معلم کی صنعت، روحِ انسانی ہوا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت نے تاریخ کو ایسے انسان عطا کیے جو زندگی کے حقیقی مقصد سے آشنا تھے جن میں خود آگاہی بھی تھی اور خدا آگاہی بھی، جن پر علم و نظر کی عظمتیں اور فکر و عمل کی رفعتیں ناز کرتی تھیں۔

لب کھلے جب نبی ﷺ کی مدحت میں
پھول کھلنے لگے طبیعت میں
دین و دنیا کا امتزاجِ حسیں
نظر آیا انھی کی سیرت میں
مستنیر آپ کی حیات سے ہے
شان جو بھی ہے آدمیت میں
حسن اور سادگی کے سب جوہر
ہوئے یکجا رسولِ رحمت ﷺ میں

(حفیظ تائب)

جو بات ظلم سے نہ ہوئی، پیار سے ہوئی
تہذیبِ زندگی ترے کردار سے ہوئی
تخلیقِ کائنات بھی صدقہ حضور ﷺ کا
تزئینِ کائنات بھی سرکار سے ہوئی

(مظفر وارثی)

آپ ہیں خیر و برکت کی بادِ خنک
جود و رحمت کا ابر مطیر آپ ہیں

☆

نبی ﷺ کی سیرتِ عالم فروز کا پرتو
فروغِ حسنِ تمدن، تجلّیِ تہذیب

(حفیظ تائب)

جہاں سے ہر برائی مرے آقا نے مٹا ڈالی
وہ جس نے اک نئی تہذیب کی آکر بنا ڈالی

☆

آپ نے درسِ صداقت اہل عالم کو دیا
صادق الوعد و امیں ہیں سرورِ دنیا و دیں

☆

جو تیری جان کے دشمن تھے وہ بھی کہتے تھے
امیں تو ہے، صداقت کی آبرو تو ہے

(راجا رشید محمود)

فقرِ غیور مسلک و مشرب ہے آپ کا
لیکن جلو میں سطوتِ کبریٰ دکھائی دے
ہے ان کی ذات خاتمِ پیغمبراں ثمرؔ
ممکن نہیں کہ کوئی اب ان سا دکھائی دے

(عبدالکریم ثمر)

مشتاق تھے جو خالقِ ارض و سما کے آپ
رہتے تھے ہر گناہ سے دامن بچا کے آپ
اک پیکرِ جمیل تھے شرم و حیا کے آپ
فرطِ ادب سے چلتے تھے نظریں جھکا کے آپ
الجھا کسی حسیں سے نہ دامن نگاہ کا
بے داغ تھا شباب رسالت پناہ ﷺ کا

(محشر رسول نگری)

طبیعت میں وہ قدرتی شرم جیسے
کہ پردہ نشیں کوئی ناکتخدا ہے
سرِ شاخِ گل، غنچۂ ناشگفتہ
جو بادِ چمن سے بھی شرما رہا ہے

(عبدالعزیز خالد)

مظہرِ انوارِ رحمت، واقفِ اسرارِ دیں
خاتمِ پیغمبراں، محبوبِ رب العالمیں
بزمِ ہستی میں ترے دم سے چراغاں ہو گیا
نور سے تیرے چمک اٹھی زمانے کی جبیں
مٹ گئی تاریک شب پیدا ہوا نورِ سحر
مسکرا اٹھیں فضائیں، جگمگا اٹھی زمیں

(حافظ لدھیانوی)

بانٹ دو ہر عہد کو خیر البشر کی روشنی
حشر کی دیوار تک ہے ان کے در کی روشنی
آپ کا ہر سانس تہذیب و تمدن کا اصول
آپ کی خیرات ہے علم و ہنر کی روشنی

(مظفر وارثی)

زمانے کی نگاہوں نے بشر ایسا کہاں دیکھا
ملک کو جس کے ایوانِ شرف کا پاسباں دیکھا
عمل سے اپنے سکھلایا زمانے کو عمل کرنا
انھی کے فیض سے دنیا نے دورِ بے خزاں دیکھا
ہے درسِ علم و تہذیب و ادبِ سیرت محمد ﷺ کی
رواداری کی ہر منزل میں ان کو ضوفشاں دیکھا
درخشاں عالم امکان میں خلقِ عظیم ان کا
کرم کی روشنی سے پر ضیا کون و مکاں دیکھا
بہت آئے نظر لیکن سہیلؔ اس شان کا بندہ
نہ بالائے فلک دیکھا نہ زیرِ آسماں دیکھا

(سہیل بنارسی)

جس کی سیرت کا ورق طائف بھی ہے خیبر بھی ہے
جو ظہور حق بھی ہے مُظہر بھی ہے، مَظہر بھی ہے
جس نے تہذیب و تمدن کو موؤب کر دیا
وحشیوں، صحرا نشینوں کو مہذب کر دیا
ذوق کو پاکیزگی، وجدان کو تقدیس دی
ذہن کو تابندگی، فکر و نظر کو روشنی

(ماہرالقادری)

انساں کو ان کے خلق نے انساں بنا دیا
ذرے کو آفتابِ درخشاں بنا دیا

☆

دیباچۂ نجات ہے سنت رسول ﷺ کی
سرمایۂ حیات ہے حکمت رسول ﷺ کی
فرقانِ خیر و شر ہے نبوت رسول ﷺ کی
ہر چیز کو محیط ہے سیرت رسول ﷺ کی
اس سے حیات کا کوئی گوشہ بچا نہیں
دنیا میں اور کوئی رہِ ارتقا نہیں

(محشر رسول نگری)

میرا مقصودِ نظر ہے وہ نگارِ زندگی
جس کا خود مشتاق ہے پروردگارِ زندگی
حلم و عفو و درگزر کا ایک نقشِ دل نواز
وہ جس کی ہر ادا ہے اعتبارِ زندگی
حُسنِ تہذیب و تمدن جلوۂ احسان و عدل
شہرِ علم و دانش و حکمت، وقارِ زندگی
پیکرِ لطفِ عمیم و مظہرِ خلقِ عظیم
ان کی ہستی باعثِ نقش و نگارِ زندگی

(رازکاشمیری)

کاٹی ہر ایک ظلم کی زنجیر آپ ﷺ نے
ہر تیرگی کو بخش دی تنویر آپ ﷺ نے
انسان کے ضمیر کی، کردار و فکر کی
تہذیب کی ہے آپ ﷺ نے، تعمیر آپ ﷺ نے
حسنِ عمل کا درس زمانے کو دے دیا
یوں کی حدیثِ عشق کی تفسیر آپ ﷺ نے
کی شاہکار، پرتوِ حسنِ وجود سے
بے رنگ کائنات کی تصویر آپ ﷺ نے
چھو کر فرازِ عرش بڑھا دی کچھ اور بھی
انسان کے مقام کی توقیر آپ ﷺ نے

(محسن احسان)

تاریخ محمد ﷺ کا نشانِ کفِ پا ہے
یہ بات غلط ہے کہ قدم کچھ نہیں لکھتے

(وقار اجمیری)

زندگی کا کوئی نظام، فکر کا کوئی منشور اور سوچ کا کوئی رخ اس وقت تک بہترین نتائج پیدا نہیں کر سکتا جب تک اس کے ساتھ صاحبِ فکر کا اپنا کردار شامل نہ ہو کہ انگیٹھی اس وقت تک کمرے کو گرم نہیں کرتی جب تک وہ خود انگارا نہیں بنتی۔ سوز و تپش سے خالی دل، یخ بستہ سینوں کو سیماب کا اضطراب کیسے دے سکتا ہے؟ لفظی خوش نمائی، دلوں کی ویران پگڈنڈیوں کو بہاروں کی رعنائی عطا نہیں کر سکتی، گویا عمل کا حسن ہی فکر کو تاثر عطا کرتا ہے، نبی پاک ﷺ انبیائے کرام کی طویل فہرست کا مطلع بھی تھے اور مقطع بھی، انھوں نے قرآن پاک کو ایک ضابطے کے طور پر پیش کیا اور اس ضابطے کی عملی تکمیل اپنی سیرت

سے کردی، نتیجہ معلوم کہ ان کے رخِ کردار نے ان کے پیش کردہ، دستور کو ازلی، ابدی اور عملی بنا دیا۔ اسوہ واصول کی یہی وہ جامعیت ہے، جس کی بنا پر دین اسلام قابلِ تحسین بھی ہے اور قابلِ تقلید بھی۔ مولانا سلیمان ندوی کے الفاظ میں: ''محمد رسول اللہ ﷺ کا وجودِ مبارک ایک آفتابِ عالمتاب تھا جس سے اونچے پہاڑ، ریتلے میدان، بہتی نہریں، سرسبز کھیت، اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق تابش اور نور حاصل کرتے تھے یا ابر باراں تھا جو پہاڑ اور جنگل، میدان اور کھیت، ریگستان اور باغ ہر جگہ برستا تھا اور ہر ٹکڑا اپنی اپنی استعداد کے مطابق سیراب ہو رہا تھا۔''

کون ثانی مرے حضور کا ہے
خلق میں، صداقت میں، امانت میں
کون ہمسر شہِ انام کا ہے
عدل و احساں میں، خیر و برکت میں
آسماں کی نظر نے کب دیکھا
عابد ان سا زمیں کی وسعت میں

☆

وجد میں آدم ہے اوجِ آدمیت دیکھ کر
مصطفیٰ ﷺ کا شیوۂ تکمیلِ سیرت دیکھ کر
آپ کو مانا گیا سب سے بڑا تاریخ ساز
زیست کے ہر موڑ پر شانِ قیادت دیکھ کر
شمعِ ایماں ہر دلِ تاریک میں روشن ہوئی
چہرۂ اقدس پہ انوارِ صداقت دیکھ کر
اہلِ دانش نے اسے مانا ہے منشورِ حیات
شرعِ محبوبِ خدا کی جامعیت دیکھ کر

(حفیظ تائب)

راہِ طلب میں نورِ ہدایت کہیں جسے
وہ مسلکِ حیات میں سالارِ کارواں
احسان و لطف و مہر و مروت کا پاسدار
اقدارِ امن و صلح و محبت کا پاسباں
وحشت کے غمکدے میں وہ انصاف کی کرن
ظلمت کے تیرہ زار میں تنویرِ بیکراں
عنوانِ ہست و بود میں سیرت حضور ﷺ کی
دنیا و دیں میں فہم و فراست کی داستاں

(محمد عاشق)

سر چشمۂ اقدارِ منور تری سیرت
سر نامۂ پیشانیٔ خاور تری سیرت
زیبائی افکار کا مصدر ترے انوار
رعنائی کردار کا جوہر تری سیرت
تخلیق کے چہرے کی ضیا ہے تری ہستی
تہذیب کے ماتھے کا ہے جھومر تری سیرت

(حفیظ تائب)

اخلاق کے شانے سے، اے جانِ کرم تو نے
ایک ایک خمِ گیسو، ہستی کا سنوارا ہے

(اختر الحامدی)

اس کو اللہ ولی کہہ کے مراتب بخشے
ان کی سیرت جو کسی شخص کے اندر چمکے

(راجا رشید محمود)

کسریٰ کا تاج روندنے کو پاؤں کے تلے
اور بوریا کھجور کا گھر میں بچھا ہوا

دستِ دعا انھی کے لیے عرش تک بلند
ہے جن کی آستین میں خنجر چھپا ہوا

(ظفر علی خاں)

مخدومِ کائنات، شہنشاہِ بحر و بر
لیکن جلو میں جاہ و حشم ہے نہ کرّ و فر
امت کے واسطے ہیں دو عالم کی نعمتیں
نانِ جویں پہ ہے مگر اپنی گزر بسر
شہرہ ہے ان کے جود و کرم کا گلی گلی
چرچے ہیں التفاتِ نظر کے نگر نگر

(عبدالکریم ثمر)

بصیرتوں کے ہیں مخزن نقوشِ پا اس کے
متاعِ دیدہ وراں ہے ہر اک ادا اس کی

اسی کا قول ہی قندیلِ راہِ ہستی ہے
ہر ایک دور میں سیرت ہے رہنما اس کی

(حافظ لدھیانوی)

اخلاق، علم، عدل کا معیار آپ ہیں
انسانیت کے قافلہ سالار آپ ہیں
ایک ایک لمحہ جن کا زمانے کو حفظ ہے
تاریخِ زندگی کا وہ کردار آپ ہیں

(مظفر وارثی)

وہ جن کا حرف حرف ہے منشور زندگی
وہ جن کی ہر ادا ہوئی رائج، نگر نگر
اخلاق وہ کہ سنگ سے دل بھی پگھل گئے
تعلیم وہ کہ بن گئے رہزن بھی راہبر
ایسا قیام، جس سے قیامت پہ ہو یقیں
ایسا سجود، جس سے ہو مسجود کی خبر
ایسا رکوع، جس سے کمانِ افق خجل
ایسا سلام، کہ تکے کعبہ گھوم کر
ایسی نماز، جس پہ خدائی نثار ہو
ایسی دعا، کہ جس سے ہم آغوش ہو اثر

(جمشید چشتی)

بخشا سکوں حضور کے فیضانِ عام نے
دیکھا سحر کا نور زمانے کی شام نے
پیرایۂ حیات ہے سرمایۂ نجات
پیغام جو دیا ہے رسولِ ﷺ انام نے

محبوبِ کبریا کی حیاتِ جمیل سے
پایا ہے افتخار بقائے دوام نے

(محمد افضل فقیر)

محبتوں کے عجب حرف لوحِ دل پہ لکھے
شفاعتوں کو معانی سے ہم کنار کیا

عدو کے واسطے بھی خیر کی دعا مانگی
رفاقتوں کی روایت کو استوار کیا
غرورِ خود نگری پاؤں سے کچل ڈالا
حصولِ دولت و حشمت کو بے وقار کیا
لباسِ فقر کو خلعت سے معتبر جانا
منافقت کے لبادے کو تار تار کیا
وہ آفتابِ حقیقت وہ ماہتابِ صفات
وہ جس نے علم کو منشورِ اعتبار کیا

(محسن احسان)

جمالِ کون و مکاں گردِ کاروانِ نبی ﷺ
جلالِ فقر و غنا ہم رکابِ شاہِ امم
ستم کشوں کے لیے شفقتِ امامِ رسل
ستم گروں کے لیے احتسابِ شاہِ امم
نشانِ امن و اماں کارزار ہستی میں
پناہ عالمیاں ہے جنابِ شاہِ امم
سب آبروئیں، لہو، مال، بیش قیمت ہیں
یہی تھا آخری حج میں خطابِ شاہِ امم

(حفیظ تائب)

آپ ﷺ کے اقوال بھی دل پذیر ہیں، اعمال بھی دل آویز اور احوال بھی دل نواز ان کے لیے جو آخرت پر یقین رکھتے ہوئے ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ آج ہماری اکثریت آخرت کی جواب دہی سے بے نیاز اور ذکرِ الٰہی کی حلاوت سے محروم ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثریت اسوۂ رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی کوشش نہیں کرتی۔ نتیجہ معلوم کہ اس کا ایمان، زناری اور دانش افرنگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آل عمران (آیت نمبر ۳۱) میں نبیٔ پاک ﷺ کی زبان سے کہلوایا کہ ''اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا۔'' اور پھر سورۂ حشر (آیت ۷) میں تاکید فرمائی ہے کہ ''تمھیں جو کچھ رسول دے، لے لو، جس سے روکے، رک جاؤ۔''

افسوس کہ ہمارا دل یقین اور محبت دونوں سے خالی ہے نہ ہمیں اپنی کسی بات کی جواب دہی کا احساس ہے نہ اعمال میں اسوہ وسنت کا کوئی رنگ، صرف اقوال کی خوش نمائی ہے اور اعمال کی سیہ دلی ہمارے کردار و عمل پر نوحہ کناں ہے۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ ایک بچہ اگر ہمیں کہہ دے کہ تمھارے کرتے میں بچھو ہیں تو ہم بغیر کسی تساہل کے، کرتا اتار پھینکتے ہیں۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بار بار قبر کے بچھوؤں، سانپوں اور جہنم کے شعلوں سے ہمیں ڈراتے ہیں مگر ہم ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ افسوس کہ ہم دینی اعتبار سے شکوک وشبہات میں گھرے ہوئے ہیں اور مغلوبِ گماں لوگ ایمان وایقان

کی عظمتوں سے تہی ہوا کرتے ہیں۔

مہر و وفا و صدق و صفا بخشش و عطا
لوحِ جہاں پہ نقش ہے احسانِ مصطفیٰ ﷺ
کج بینیٔ شعور ہو، کج بختیٔ خیال
سیرت میں ہے خرابیٔ احساس کی دوا
وجدان میں تلاشِ حقیقت کی ابتدا
احساس میں فروغِ صداقت کی انتہا

☆

ترے فیضِ نظر سے آبروئے گوہرِ معنی
ترے جوشِ کرم سے اعتبارِ ابرِ نیسانی
ترا نقشِ قدم سجدہ گہِ مہر و مہ و انجم
تری گردِ کفِ پا سے جبینِ شوقِ نورانی

(محمد عاشق)

ان کی سیرت پر پرکھنا اپنا ہر فکر و عمل
زیست کے ہر موڑ پر ان کا اشارہ دیکھنا

(اثر صہبائی)

رہ نما گر نہ ہو وہ سیرتِ پاک
ہر مسافر بھٹک بھٹک جائے
ہر جادہ کشِ جور کی قوت تری رحمت
ہر رہروِ شب گشتہ کو رہبر تری سیرت

☆

وہ سیّدِ انام کی نوریں حیات ہے
جس نے ہر ایک دل کو دیئے تازہ ولولے

(حفیظ تائب)

ہم زمانے میں رہیں گے خستہ حال و خوار و زار
پیروی سیرت کی ہم میں جب تلک مفقود ہے

☆

سبق جس نے زمانے کو دیا مہر و اخوت کا
وہ جس کی ذات بن کر رحمۃ للعالمیں آئی

(راجارشیدمحمود)

تیری سیرت کی نہیں ملتی زمانے میں مثال
اے امام المرسلیں، اے رحمتہ للعالمیں
تیرے ارشادات سے انسانیت کو مل گیا
نغمۂ توحید، ذوقِ آگہی، نورِ یقیں

☆

سبق دیتا ہے ہم کو نقشِ اطہر اس کی سیرت کا
عدالت کا، صداقت کا، امانت کا، سخاوت کا
مٹی ظلمت، زمانہ حلقۂ انوار میں آیا
نظر آیا رخِ رنگیں ہمیں صبحِ سعادت کا
نقوشِ سیرتِ اطہر خیالوں میں چمکتے ہیں
کیا ہے اس طرح پاکیزہ اس نے رنگ خلوت کا

☆

ہر اک ادا ہے شمعِ ہدایت لیے ہوئے
جو رہنمائے زیست ہے سیرت اسی کی ہے
اس کی نوازشوں سے ہے ہر ذرہ فیض یاب
عالم کو جو محیط ہے رحمت اسی کی ہے
اس کا ہر اک قول ہے ایمان کی دلیل
جو سب سے معتبر ہے شہادت اسی کی ہے

(حافظلدھیانوی)

اور کیا تاریک ذہنوں کو گواہی چاہیے
پتھروں سے پھوٹتی ہے شیشہ گر کی روشنی

ان کا صدقہ، ان کا فدیہ، ان کی دین، ان کی عطا
فکر کی، احساس کی، دل کی، نظر کی روشنی

(مظفروارثی)

تری ہر بات کا قصہ چلے گا
قیامت تک یہی سکہ چلے گا
تری سیرت، تری سنت چلے گی
ترا مسلک، ترا شیوہ چلے گا
سبھی معیار ثابت ہوں گے وقتی
ہمیشہ بس ترا اسوہ چلے گا

(روحی کنجاہی)

کافری ہر ہر قدم پر مجھ کو بہکاتی رہی
سیرتِ سرکار لیکن راہ دکھلاتی رہی

(قیصر وارثی)

جس نے دنیا میں ترے نقشِ قدم کو چھوڑا
چشمِ عالم نے اسے اشک فشاں دیکھا ہے
جس گلستاں کو نظر نے تری سیراب کیا
اس میں ہر آن بہاروں کا سماں دیکھا ہے

(اسرار احمد سہاوری)

نکل آئیں گے حل سب مسئلوں کے چند لمحوں میں
حیاتِ مصطفیٰ ﷺ کو سوچنا اول سے آخر تک

(صبیح رحمانی)

قانونِ مصطفیٰ ﷺ ہے ہر اک مسئلے کا حل
اس راہ پہ چلیں تو سہی، ابتدا تو ہو
ہر کربلائے زیست میں ثابت قدم رہیں
حبِ نبی ﷺ سے پائے ارادت بندھا تو ہو
حرفِ غلط کی طرح سب امراض دور ہوں
حاصل درِ حضور کی خاکِ شفا تو ہو

(راجا رشید محمود)

آفتابِ سیرتِ خیر الوریٰ درکار ہے
اس اندھیرے میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ درکار ہے
ماہِ حرا درکار ہے، مہرِ صفا درکار ہے
پھر اسی دورِ سعادت کی ضیا درکار ہے

جس سے آجائیں نظر فکر و عمل کے خدو خال
نسلِ انسانی کو ایسا آئنہ درکار ہے
دونوں عالم میں فلاح و منفعت کے واسطے
اسوۂ خیر البشر، خیر الوریٰ درکار ہے
دشمنِ جاں کو بھی جس نے جان و دل سے دی اماں
زندگی کی راہ میں وہ رہنما درکار ہے
رازؔ ان کی یاد ہے بیمار روحوں کا علاج
جسم کے ہر روگ کو ان کی ردا درکار ہے

(رازکاشمیری)

کیا مجھ سے بیاں ہوں ترے اوصاف کہ آقا
توحیطۂ امکان و تخیّل سے ورا ہے
میں بندۂ کج فکر و فرومایۂ عالم
تو زینتِ کونین ہے، ممدوحِ خدا ہے
وہ صورتِ احوال ہے درپیش کہ جس سے
احساس فسردہ ہے سخن آبلہ پا ہے
افسوس ترے دین سے بیگانہ ہوئے ہیں
وہ لوگ ترے نام سے یاں جن کی بقا ہے
جو قوم کبھی باعثِ توقیرِ امم تھی
وہ آج زبوں حال ہے، بے برگ و نوا ہے
جس قوم کے دم سے تھا بھرم لالہ و گل کا
اس قوم کی تقدیر میں شبنم نہ صبا ہے
ہر شخص ہے لیلائے زر و سیم پہ شیدا
ہر شخص کی فطرت میں کدورت ہے، ریا ہے
ہر سو ہیں غم و کرب کی سنگین چٹانیں
ہر سمت یہاں نالہ و شیون ہی بپا ہے
مٹ جائے گا انسان تری راہ سے ہٹ کر
یہ وقت کی تحریر ہے، گردوں کی صدا ہے

(احمداریب)

یہ ایک بات مقدم ہے آگہی کے لیے
حضور آئے ہیں تکمیلِ بندگی کے لیے

وہاں حضور نے روشن کیے چراغِ عمل
جہاں نگاہ ترستی تھی روشنی کے لیے
یہ جاگتا ہوا احساس آپ ہی نے دیا
جئیں امیر، غریبوں کی زندگی کے لیے
وہاں حیات کو گمراہیوں کا خوف نہیں
جہاں حضور کی سیرت ہے رہبری کے لیے

(وجاہت حسین وجاہت)

چلو نقشِ قدم پر مصطفیٰ ﷺ کے
اسی میں کامیابی ہے، بقا ہے
فلاحِ دین و دنیا ہے اسی میں
یہی منشورِ آیاتِ خدا ہے

(حافظ لدھیانوی)

جس میں ہو اسوۂ محبوبِ دو عالم کی جھلک
ایسی کوئی صورت آئینہ کردار میں ہو
وہ تو خاموش نگاہوں کی بھی سنتے ہیں صدا
گر ندامت کا اثر قلبِ گنہگار میں ہو

(حافظ لدھیانوی)

نظر کے ریگزاروں کو متاعِ نقشِ پا دے دو
میں ہوں تاریک راہوں میں اجالوں کا پتا دے دو
جہالت کے اندھیروں کی فصیلیں جس سے گر جائیں
مرے ہاتھوں کو ایسا علم کا روشن دیا دے دو

(صبیح رحمانی)

سطحِ زمیں پہ زر کا بھنور آج بھی تو ہے
شہرِ منافقاں میں بشر آج بھی تو ہے
سلطانِ بحر و بر، ترے قدموں کی منتظر
اشکِ رواں کی راہ گزر آج بھی تو ہے
میں نے ہی اپنے گھر کے دریچے کیے ہیں بند
ورنہ کھلا ہوا ترا در آج بھی تو ہے

(ریاض حسین چودھری)

رہِ وفا میں، میں ان کی مثال بن جاؤں
پسند جن کے نبی ﷺ کو سبھی امور آئے
اطاعتوں کا وہ موسم ہمیں میسر ہو
نظر حضور کی سیرت ہی نزد و دور آئے

(عزیز احسن)

یوں سمجھیے:

''نبی کریم ﷺ شاہدِ خلق ہیں، حکم ماننے والوں کو خوش خبری سناتے اور نافرمانوں کو ڈراتے ہیں۔ انجانوں کی پناہ، اللہ کے بندے اور رسول۔ سب کام کو اللہ پر چھوڑ دینے والے، نہ عادت کے سخت نہ بول چال میں کرخت، ان کا کام ایک اللہ کی وحدانیت کو قائم کر دینا ہے۔ ان کی تعلیم اندھوں کو آنکھیں، بہروں کو کان دیتی اور غافل دلوں سے پردہ اٹھا دیتی ہے۔ ہر ایک خوبی سے آراستہ، ہر ایک خلقِ کریم سے عطا یافتہ، سکینہ ان کا لباس ہے، نکوئی ان کا شعار ہے، ان کا ضمیر تقویٰ ہے، ان کا کلام حکمت ہے، صدق و وفا ان کی طبیعت ہے، عفو و احسان ان کی عادت ہے، عدل اُن کی سیرت ہے، سچائی ان کی شریعت ہے اور ہدایت ان کی راہ نما ہے۔ ملت ان کی اسلام ہے اور احمد ﷺ ان کا نام ہے۔''

حرفِ آخر

وہ حسنِ خُلق کراں تا کراں نہیں ملتا
بیانِ حسن کو حسنِ بیاں نہیں ملتا

(۲۰۰۰ء)

☆

نعت میں ذوقِ آرزو

وہ کونسا کاشانہ ہے جہاں آرزو نے اپنا آشیانہ نہیں بنایا۔ انسان قتیلِ آرزو ہے اور فطرتِ شہید آرزو، اقبال نے کہا تھا۔

فطرت ہستی شہیدِ آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو

خوب سے خوب تر کی یہی آرزو، عملِ تخلیق کا جوہر ہے۔ اللہ نقاشِ ازل اور مصورِ حقیقی ہے، تخلیق، محبوب کی تلاش کا دوسرا نام ہے۔ مصور کی تمام صلاحیتیں اس مکمل و اکمل پیکر کے لیے وقف رہتی ہیں جس کا خاکہ اس کے ذہن میں مچل رہا ہوتا ہے۔ اللہ، احسن الخالقین ہے اس کے پیشِ نظر انسانِ کامل تھا۔ اسی کے لیے کائنات تخلیق کی گئی اور حضور ﷺ کے روپ میں مصورِ ازل نے اپنے کمالِ فن کا یوں اظہار کیا کہ اس آنکھ سے سورج ضیا مانگتا، اس نطق سے کلیاں چٹکنا سیکھتیں اور اس قامتِ زیبا سے پہاڑ سربلندی پاتے ہیں، وہ اٹھتے ہیں تو ستارے، فرش بن جاتے ہیں، وہ بیٹھتے ہیں تو فرش، عرش ہو جاتا ہے، وہ پرواز کرتے ہیں تو کائنات رک جاتی، وقت کی نبضیں تھم جاتیں اور ارض و سما کے سارے فاصلے سمٹ جاتے ہیں... گویا یہ آرزو ہی تھی جو پختہ تر ہو کر تصور بنی اور تصور آخری تصویر ہو گیا۔

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

اسی قد و رخ کی توصیف کائنات بھی کرتی ہے اور خالقِ کائنات بھی کیونکہ وہ ذات اقدس آرزوئے جاں بھی ہے اور جانِ آرزو بھی اور نعت، درود و سلام کے پردے میں تمناؤں اور آرزوؤں کا ایک مترنم انسانی اظہار ہے۔ نعت فی الواقع انسانی فکر و نظر کی معراج ہے، ایک ایسی نعمت ہے جو تقدس کے گرد گھومتی، محبت کے ہار پروتی اور ارادت کے آویزے تیار کرتی ہے۔ نعت گو، خدا اور اس کے فرشتوں کا ہمزباں ہوتا ہے۔ یہاں ادنیٰ سی لغزش بھی شاعر کو حدودِ کفر تک لے جاتی ہے۔ نعت ایک ایسی واحد صنفِ سخن ہے جہاں جوش، ہوش کا دامن تھام کر چلتا، جنوں، شعور سے راہنمائی لیتا اور عقیدت، عقیدے کی آنکھوں سے دیکھتی ہے۔ یہاں غزل کی طرح شاعر بے لگام نہیں ہو سکتا اور نہ یہاں کوئی ایسا تخیلی پیکر ہے جو بے وفائی اور بے ادائی کا مرقع ہو اور دل پھر بھی اس سے پیار کرتا ہو۔ شاعر نعت میں جس وجود ذی جود کو اپنا مدعا و مقصود بناتا ہے وہ ایک مکمل اور معیاری محبوب ہے اس کے ہاں وفا کا جواب وفا سے دیا جاتا ہے۔ وہاں عجز و نیاز ٹھکرایا نہیں جاتا، بلکہ محبت کے آنسو موتی بن کر تلتے ہیں، کیونکہ وہاں محبت کا سلسلہ یک طرفہ نہیں اگر محبّ سراپا آرزو ہے تو محبوب سراپا نوازش اور یہ وہ فضا ہے جہاں وفاداری، استواری کے سانچے میں ڈھل کر ایمان ہو جاتی ہے۔ گویا نعت ایک متعین، واضح اور

شفاف شخصیت کو سامنے رکھ کر کہی جاتی ہے اور شخصیت بھی وہ جس کا ہر قول اور ہر فعل حسنِ اخلاق و کردار کی تکمیل کا ایک لافانی مظہر ہے۔ جو مجسم قرآن ہے اور جس کی نگاہوں کی ہر جنبش، لبوں کی ہر حرکت، انگلیوں کا ہر اشارہ اور پاؤں کا ہر نقش، تاریخ نے عظمت سمجھ کر محفوظ کر لیا ہے۔

بہرِ تسکیں دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر
وہ جو وقتِ ناز کچھ جنبش ترے ابرو میں تھی

الغرض نعت، اسوۂ رسول ﷺ کا ایک دلآویز عکس ہے۔ آرزوئے دل کا بے ساختہ اظہار ہے۔ ایسی توصیف ہے جو مبالغے سے دامن بچاتی اور تاریخی سچائیوں کے ساتھ ساتھ چلتی ہے، نعت ایک مرکزی نقطہ ہے جس پر دل کی ساری محبتیں، نگاہوں کی ساری عقیدتیں، روح کی ساری لرزشیں اور قلم کی ساری ادائیں، مرتکز ہو جاتی ہیں:۔

ہر راہ پہنچتی ہے تیری چاہ کے در تک
ہر حرفِ تمنا ترے قدموں کی صدا ہے

غور کیجیے تو زندگی اسی حرفِ تمنا کی تفسیر ہے۔ انسان تمنا ہی کے سہارے نیش کو نوش بناتا ہے ورنہ زندگی کٹنے اور کاٹنے کی چیز نہیں ہے۔۔

جیے جانے کی تہمت کس سے اٹھتی، کس طرح اٹھتی
ترے غم نے بچا لی زندگی کی آبرو برسوں

اور یہ غم، انسان کو تڑپاتا بھی ہے اور بہلاتا بھی۔ یہ غمِ آرزو ہی ہے جو کبھی آہ بنتا ہے، کبھی آنسو، کبھی شعلہ، کبھی شبنم، کبھی سوز، کبھی ساز، کبھی نیاز اور کبھی ناز اور یوں شبستانِ آرزو شاداب رہتا ہے۔۔

ہر ذرہ مری خاک کا ہے شوق کی دنیا
ہر قطرہ مرے اشک کا طوفانِ تمنا

نعت کے لیے ضروری ہے کہ آرزو کا سوز، جذب کا رفعتوں کو چھو رہا ہو۔ گداز دل کے بغیر نعت لکھی ہی نہیں جا سکتی۔ یہاں آبِ دیدہ اور خونِ جگر سے وضو کرنا پڑتا ہے۔ تب یہ نماز نیاز ادا ہوتی ہے۔ گویا نعت محبت کے گرد گھومتی ہے اور محبت میں وارفتگی آ ہی نہیں سکتی جب تک اس میں تمنا کا سوز شامل نہ ہو۔

کاہشِ آرزو سہی، حاصلِ زندگی مگر
حاصلِ آرزو ہے کیا، سوزِ مدام کے سوا

سوزِ مدام کی یہ کیفیت، ارادوں کو ولولہ، جذبوں کو مستی اور عزائم کو سربلندی عطا کرتی ہے۔ یہی سوز، بیابانوں میں آبلے لیکر چلتا اور صحراؤں میں باغبانی کی بنیاد رکھتا ہے، یہاں تک کہ گریباں کے تار، بہار کا نشان بن جاتے ہیں، سوزِ جنوں کی یہ کیفیت، محبّ کا فخر نہیں۔ محبوب کی عطا ہوتی ہے۔۔

نہ میں دیوانہ ہوں اصغر نہ مجھ میں ذوقِ عریانی
کوئی کھینچے لیے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

محبت کی یہی وہ چاندنی ہے جس سے منزلیں نکھرتی ہیں، خیال کی یہی لو اور یاد کی یہی ضو، دلِ جنوں پسند کو موت کی

آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانا سکھاتی ہے۔

لو لگا کر ترے پیار کی جوت سے
مسکراتی رہی موت پر زندگی

گویا پیار کی جوت ہی محبّ کو شعلوں میں کودنے، پہاڑوں سے ٹکرانے، سمندروں میں اترنے اور سولیوں کو چومنے کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔۔۔ جنگ احد میں ایک صحابیؓ زخمی ہو کر گر پڑے، ان کی زندگی کا شعلہ آخری لپک لے رہا تھا کہ رسالت مآب ﷺ کا گزر ادھر سے ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کوئی خواہش ہو تو بتاؤ، جاں بلب صحابیؓ نے اپنا زخمی جسم گھسیٹا اور سر حضور ﷺ کے قدموں پر رکھ دیا اور دم توڑتے ہوئے دامنِ احد کی ریت پر نعت کا مقطع اپنے خون کی سرخی سے لکھ دیا۔

منم و ہمیں تمنا کہ بوقت جاں سپردن
بہ رخِ تو دیدہ باشم تو درونِ دیدہ باشی

محبت کی اس دنیا میں ایک ایسا وقت بھی آتا ہے جب قیصر و کسریٰ کے جلال کو حقارت کے پاؤں کی ٹھوکر سے اڑانے والے مسلمانوں کے تمام ولولے اس ذاتِ اکمل و احسن کے نقشِ پا کی تمنا میں سمٹ جاتے ہیں جس کے خرامِ ناز سے عرب کے ریگزاروں میں ریشم کا لوچ جاگ اٹھتا تھا۔ گویا نیاز و ناز کی اس فضا میں ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ اس نقشِ پا کے بعد کوئی اور تمنا باقی نہیں رہتی۔

شاید اسی کا نام ہے توہینِ جستجو
منزل کی ہو تلاش ترے نقشِ پا کے بعد

شوق و ذوق کی دنیا میں اس نقشِ پا کے تمنائی، اپنی آرزوؤں میں طرح طرح سے رنگ بھرتے رہے ہیں۔ تمنا اور آرزو کے اس لامتناہی سلسلے کا آغاز، اس ساعتِ سعید تک جا پہنچتا ہے۔ جب مالکِ حقیقی نے اس کائنات کی تخلیق کا ارادہ فرمایا کیونکہ تخلیقِ کائنات کا مدعا و مقصود آپ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ ہی عرش کی رفعتوں، فرش کی حقیقتوں، زمان کی وسعتوں اور مکان کی رعنائیوں کے نقشِ مراد ہیں۔ ظفر علی خاں کے الفاظ میں سب غایتوں کی غایت اولیٰ ہیں۔ آپ ﷺ ہی صبحِ ازل کی مشعلِ تاباں اور شامِ ابد کی شمع فروزاں ہیں۔ ایک ایسی روشنی جو ضمیرِ کائنات میں جلوہ ریز ہے اور مفہوم و معنی کی ایک ایسی بلاغت جو ہر صورتِ وجود میں ضوفگن ہے۔۔۔ گویا کائنات ''کن فکاں'' سے گزر گئی اور اس لمحے کی منتظر رہی کہ کب دینِ تکمیل کو چھوتا ہے۔ انتظار کا یہی وہ سوز اور آرزو کا یہی وہ گداز ہے جس کی بنا پر حضور ﷺ کو ہر دور میں، ہر نبی نے اور ہر الہامی کتاب نے ایک ''وجودِ منتظر'' کے روپ میں پیش کیا۔

انبیاء کو تھی امام انبیاء کی آرزو
کارواں کو اک امیرِ کارواں درکار تھا

جہاں تک نعت میں ذوقِ آرزو کا تعلق ہے۔ ولادتِ نبوی ﷺ سے بہت پہلے تبع شاہ یمن نے یثرب پر حملہ کیا اور وہ اہلِ یثرب کے اخلاق و مروت سے متاثر ہو کر صلح کا متمنی ہوا۔ صلح نامہ لکھتے وقت یثرب کے ایک یہودی نے اپنی الہامی کتاب کا حوالہ دیا کہ یثرب اللہ تعالیٰ نے محفوظ کر دیا ہے کیونکہ یہ ایک قریشی نبی کی فرودگاہ بننے والا ہے۔ یہ سن کر تبع نے

حضور ﷺ کی شان میں چند عربی شعر کہے، ان میں اس تمنا کا اظہار ملتا ہے کہ ''کاش میری عمر دراز ہو جائے اور میں اس عظیم وجلیل وجود کے دور کو پالوں اور اس کا مددگار، وزیر اور ابن عم بن جاؤں'' میں سمجھتا ہوں کہ قدیم صحائف کی پیش گوئیوں کے بعد تبع کے یہ اشعار، نعت میں ذوق اولین کا اظہار ہیں اس کے بعد نجران کے اسقف، قس بن ساعدہ نے بھی حضور ﷺ کی ولادتِ باسعادت سے پہلے یہ تمنا کی تھی کہ ''خدا کرے جب تک قافلے اللہ کے گھر کا حج کرتے رہیں، ان پر سلام بھیجا جاتا رہے'' حضور ﷺ کی ولادت کے بعد جناب آمنہ کے وہ الفاظ، ذوق تمنا ہی کے ضمن میں آتے ہیں جو انھوں نے اس وقت ارشاد فرمائے جب حلیمہ سعدیہ، حضور ﷺ کو لے کر روانہ ہوئیں، ان اشعار کا مفہوم یوں ہے:

''میں اپنے بچے کو خدائے ذوالجلال کی پناہ میں دیتی ہوں۔ اس شتر سے جو پہاڑوں پر چلتا ہے یہاں تک کہ میں اسے شتر پر سوار دیکھوں اور دیکھ لوں کہ وہ غلاموں کے ساتھ اور درماندہ لوگوں کے ساتھ سلوک واحسان کرنے والا ہے۔''

اس کے بعد جناب ابوطالب نے مختلف مراحل میں حضور ﷺ کو تسلی دی، سرپرستی کی، تنگیوں، تلخیوں اور سختیوں کے دور میں حضور ﷺ کی حفاظت کی اور ان کے مشن کی مکمل کامیابی کی دعا فرمائی۔ ان کے اشعار کا مفہوم یوں ہے۔

''خدا کی قسم وہ اپنی جمعیت کے ساتھ تجھ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک مجھے دفن کر کے مٹی میں ٹیک لگا کر لٹا نہ دیا جائے۔ تو اپنا کام کیے جا۔ تجھ پر کسی قسم کی تنگی نہیں اور خوش رہ اور اس کام کے ساتھ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیے جا۔''

عرب بنیادی طور پر فصیح وبلیغ تھے۔ ان کی طلاقتِ لسانی اور ذوق اظہار مسلم تھا۔ آغازِ اسلام میں جب زبان وبیان کے میدان میں بھی حضور ﷺ کی مخالفت شدت اختیار کر گئی تو ایک دن آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا'' مخالف شعراء کی ہرزہ سرائیاں حد سے بڑھی جا رہی ہیں۔ تم لوگوں نے تلوار سے تو میری مدد کی ہے کیا کوئی ایسا بھی ہے جو زبان سے میری مدد کرے'' اس پر حسانؓ اٹھے اور خود کو اس خدمت کے لیے پیش کیا، حضور ﷺ نے فرمایا'' ان میں کچھ لوگ میرے قبیلے قریش سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے خلاف بھلا کس انداز سے کہو گے۔'' حضرت حسانؓ نے کہا'' میں آپ ﷺ کو ان میں سے یوں الگ کر لوں گا جیسے گندھے ہوئے آٹے میں سے بال کو کھینچ کر نکال لیا جاتا ہے۔''.... گویا نعت کی ترغیب خود حضور ﷺ نے دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما پر جس شاعری نے جنم لیا وہ شعوری طور پر مخالفین کے معاندانہ اشعار کا جواب اور لاشعوری طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا کے سانچے میں ڈھل کر نعت بنتی چلی گئی چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن کامیاب ہوا، اسلام پھلا پھولا، دین تکمیل کو پہنچا اور حضور ﷺ کا آخری وقت آ گیا۔ آپ ﷺ کی وفات پر اعزہ، احباب اور امتِ مسلمہ پر درد وغم کے بادل چھا گئے۔ جناب فاطمہؓ کا نوحہ، جناب علیؓ کے تاثرات اور جناب ابوبکرؓ کے حزن وغم میں ڈوبے ہوئے اشعار، نعت بھی ہیں اور مرثیہ بھی۔ جنابِ ابوبکرؓ نے اس اندوہناک موقع پر اپنی تمنا کا یوں اظہار فرمایا تھا:

''کاش موت آتی تو ہم سب کو ایک ساتھ آتی، آخر ہم سب اس زندگی میں بھی ساتھ ہی تھے۔''

یارِ غار کی یہ تمنا ہے جس پر محبت وعقیدت کی تاریخ ناز کرتی رہے گی۔

جناب علیؓ نے حضور ﷺ کو آخری غسل دیا اور کفن پہنانے کے بعد غم کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر گئے اور آپؓ کی زبان سے اشعار کا آبشار بہہ نکلا اور آپ ﷺ نے اپنے دل کی ہیجان خیز تمناؤں کو ایک شعر میں سمو دیا۔

جس کا ترجمہ یوں ہے (اور ہر نماز کے وقت بلالؓ ایک نیا ہیجان پیدا کر دیتے ہیں جب کہ وہ ان کا نام لے کر پکارتے ہیں)

عالم فراق میں ذکر محبوب سے جو کیفیت کسی محبّ پر گزرتی ہے اس کا اندازہ کوئی دل دردمند ہی کر سکتا ہے۔

حضور ﷺ کی زندگی میں نعت گو حضور ﷺ کی تعریف و توصیف کے ساتھ ساتھ، کفار کی نامرادی، حضور ﷺ کی سلامتی اور دین اسلام کے فوز و فلاح کے آرزومند رہے۔ گویا اس دور کی نعت کا مزاج تبلیغی اور تحریکی ہے۔ حضور ﷺ کی وفات پر آرزو میں سوز و تپش پیدا ہوئی اور فراق کی تڑپ نے نعت کو اضطراب کی ایک دنیا عطا کی۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ یادیں گہری ہوتی چلی گئیں اور سوز، گداز کے سانچے میں ڈھل گیا۔ نتیجہ معلوم کہ شاعر صبا کے دوش پر جذبات کا خلوص، آنسوؤں کا نم، فراق کا التہاب اور دید کی تمنائیں بھیجتے رہے کہ صبا پیکِ دور افتادگاں کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے ہماری نظر امام زین العابدینؒ کی ایک ایسی نعت پر پڑتی ہے جس میں زخمی جگر کی ٹیسیں اور دردمند دل کی کیفیتیں نمایاں ہیں۔ چند اشعار کے تراجم دیکھیے۔

(اے بادِ صبا اگر تیرا گزر سرزمینِ حرم تک ہو تو میرا اسلام اس روضہ کو پہنچا جس میں نبی ﷺ محترم تشریف فرما ہیں)

(ہمارے جگر زخمی ہیں فراقِ مصطفیٰ کی تلوار سے۔ خوش نصیبی اس شہر کے لوگوں کی ہے جس میں نبی محتشم ہیں۔)

(کاش میں اس کی طرح ہوتا جو نبی کی پیروی علم کے ساتھ کرتا ہے، دن رات ہمیشہ (اے خدا) یہی صورت اپنے کرم سے عطا فرما۔)

حضور ﷺ رحمت عالم ہیں۔ آپ ﷺ کی بخشش بے کراں اور فیض جاوداں ہے۔ ہمیں نعت گو شعراء کے دل میں یہ تمنا بھی جا بجا دکھائی دیتی ہے اور وہ ایک نگہِ لطف کے امیدوار نظر آتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے اشعار حضور ﷺ کے جود و کرم کے اعتراف کے ساتھ ساتھ حسنِ طلب کا بھی ایک بہترین انداز لیے ہوئے ہیں۔ اُن کا ترجمہ یوں ہے:

(اے تمام موجودات سے بزرگ و برتر، اے حاصلِ کائنات! مجھ کو اپنی بخشش و عطا سے نوازیئے اور اپنی خوشنودی کی مسرت بخشیے۔)

(میں آپ کے جود و کرم کا دل سے طلبگار رہوں کہ اس جہان میں ابوحنیفہ کے لیے آپ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔)

بصیریؒ کے ہاں بھی التماس و التجا کا ایک زاویہ دیکھتے جائے۔

(اور سب کے سب خواہاں ہیں اللہ کے رسولِ مقبول ﷺ سے کہ اس دریائے کرم سے ایک چلّو اور اس ابر رحمت سے ایک قطرہ مل جائے۔)

فارسی نعت گو شعراء کے ہاں بھی گدازِ آرزو کی کسک ملتی ہے۔ چند شعر دیکھیے اور اندازہ کیجیے کہ کیسے دل تڑپتا، ٹیس ابھرتی اور درد چہکتا ہے اور کس طرح وجود کے ذرّے درُود والا پتے اور روحوں کی پژمردگی، شگفتگی میں بدلتی ہے۔

چو ذرّہ ذرّہ شود ایں تنم بہ خاکِ لحد
تو بشنوی صلوٰت از جمیع ذرّاتم

(عبدالقادر جیلانیؒ)

مستغرقِ گناہیم، ہر چند عذر خواہیم
پژمردہ چوں گیاہیم، بارانِ ما محمد ﷺ

(معین الدین چشتیؒ)

یک کفِ خاک از درِ پر نورِ اُو
ہست مارا بہتر از تاج و نگیں

(بوعلی شاہ قلندرؒ)

صبا بسوئے مدینہ روکن ازیں دعا گو سلام برخواں
بگردِ شاہِ مدینہ گرد و بصد تضرّع پیام برخواں
بہ لحنِ داوٗد ہمنوا شو بہ نالۂ درد آشنا شو
بہ بزمِ پیغمبر ﷺ ایں غزل را ز عبدِ عاجز نظام برخواں

(خواجہ نظام الدین اولیاءؒ)

یا شفیع المذنبین ﷺ بارِ گناہ آوردہ ام
بر درت ایں بار با پشتِ دوتا آوردہ ام

چشمِ رحمت برکشا، موئے سفیدِ من نگر
گرچہ از شرمندگی روئے سیاہ آوردہ ام

(عبدالرحمٰن جامیؒ)

اگر خیریتِ دنیا و عقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیا و ہرچہ می خواہی تمنا کن
جہاں تاریک شد از ظلمتِ ظلمِ سیہ کاراں
بیاو عالمے را روشن از نور تجلّی کن

(شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)

ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آبِ حیات
لطف فرما کہ ز حد می گزرد تشنہ لبی
چشمِ رحمت بکشا سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقبی، ہاشمی و مطلبی

(جان محمد قدسیؒ)

محمد ﷺ از تو می خواہم خدا را
الٰہی! از تو حبِّ مصطفیٰ ﷺ را

(مظہر جان جاناںؒ)

گرامؔی در قیامت آں نگاہِ مغفرت خواہد
کہ در آغوش گیرد جرم ہائے بے حسابش را

(غلام قادر گرامیؒ)

فارسی شعراء کی التجائیں اپنے دامن میں گناہوں کا اعتراف اور رحمت کی طلب لیے ہوئے ہیں کہ اسی ذاتِ اقدس کی رحمۃ للعالمینی ہمارے شبستانِ حیات کا واحد چراغ ہے۔ قدیم فارسی اور اردو شاعروں کے ہاں غمِ جاناں، زیادہ ہے، غمِ دوراں کم ہے، کیونکہ اس دور کی زندگی میں وہ اضطراب نہیں تھا جو آج ہے کہ موجودہ دور فی الواقع فتنۂ آخر زمان اور دورِ قمر ہے گزشتہ زمانے میں ذہن نسبتاً مطمئن اور فکر آسودہ تھی۔ ہولے ہولے زندگی، طوفان بنتی چلی گئی مصائب کی سنگینیوں اور حوادث کی تلخیوں نے احساس کو سولی پر لٹکا دیا اور میرؔ درد ایسا صوفی شاعر بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا۔

ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

زندگی کے اس طوفان میں مسلمان کو اگر کوئی سہارا نظر آتا ہے تو وہ حضور ﷺ کی بارگاہ ہے۔ آپ شہیدیؔ سے لے کر ماہر القادریؔ تک کی نعتیہ التجاؤں پر ایک نظر ڈالیے، آپ محسوس کریں گے کہ اس دور کے شاعروں کی تمناؤں کا محور بھی وہی ذاتِ اقدس ہے، مگر ذوق وشوق کے اس تقدس آفرین زاویوں کے پہلو بہ پہلو غمِ دوراں کی جھلک بھی موجود ہے اور نعت کے ساز میں زندگی کا سوز شامل ہوتا جا رہا ہے۔

دلِ عشاق کا عنوانِ تمنا دیکھو
حسرتِ دید کا انداز سراپا دیکھو
دسترس ہوتی اگر ان کے قدم تک یارو
پائے اقدس سے ہٹاتے نہ کبھی آنکھوں کو
روکنے والے اگر لاکھ ہٹاتے جاتے

(عبدالکافی مرادآبادی)

تمنا ہے کہ فوراً جاں بحق تسلیم ہو جاؤں
نظر آئے جو مجھ کو شیفتہ روضہ محمد ﷺ کا

(نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ)

اڑا کے باد مری مشتِ خاک کو پسِ مرگ
کرے حضور ﷺ کے روضے کے آس پاس نثار
ولے یہ رتبہ کہاں مشتِ قاسم کا
کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار

(قاسم نانوتویؒ)

ہو آستانہ آپ کا، امداد کی جبیں
اور اس سے زیادہ کچھ نہیں درکار یا رسول ﷺ

(امداداللہ مہاجر مکیؒ)

جب مدینے کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں
حسرت آتی ہے یہ پہنچا، میں رہا جاتا ہوں

(امیر مینائی)

ہے تمنا نہ رہے نعت سے تیری خالی
نہ مرا شعر، نہ قطعہ، نہ قصیدہ، نہ غزل

(محسن کاکوروی)

تو جو چاہے تو ابھی میل مرے دل کے دھلیں
کہ خدا دل نہیں کرتا میلا تیرا

(احمد رضا خاںؒ)

وہ چمک درد کی ہو دل میں کہ بجلی چمکے
دامنِ طور ذرا آج یہ سینہ ہو جائے

(ریاض خیرآبادی)

اوروں کو دیں حضور یہ پیغامِ زندگی
میں موت ڈھونڈتا ہوں دیارِ حجاز میں

(اقبالؒ)

سائل کی تمنا ہے شب و روز، الٰہی
ہر دم مرے دل میں رہے سودائے مدینہ

(سائل دہلوی)

ہاتھ آئے اگر خاک ترے نقشِ قدم کی
سر پر کبھی رکھیں، کبھی آنکھوں سے لگائیں

(حسرت موہانی)

اس امتِ عاصی سے نہ منہ پھیر خدایا
نازک ہے بہت غیرتِ سلطانِ مدینہ

(جگر مرادآبادی)

چلوں میں جانِ حزیں کو نثار کر ڈالوں
نہ دیں، جو اہلِ شریعت جبیں کو اذنِ سجود

(اصغر گونڈوی)

میرا سینہ بہار کا نقشہ
دلِ پُر داغ کی ضیا تم ہو

(حمید عظیم آبادی)

ہر شے رواں دواں ہے تمھارے ہی شوق میں
ہر شے کی سرنوشت کا عنوان تمھی تو ہو

(سراج الدین ظفر)

اگر ام القریٰ میں خالقِ کونین نے شورشؔ
بہ عہدِ احمد ﷺ مرسل مجھے پیدا کیا ہوتا
حرا کی خاک میں تحلیل میرے جسم و جاں ہوتے
محمد ﷺ کا مری لوحِ جبیں پر نقشِ پا ہوتا

(شورش کاشمیری)

میں ایک سایہ ہوں جلتی ہوئی گھٹاؤں کا
چھپا ہوا ہوں مگر دھوپ کی پناہوں میں
بس ایک نگاہِ تبسم نواز مل جائے
تمام عمر میں ڈھلتا رہا ہوں آہوں میں

(شرقی بن شائق)

وہ اک آنسو جو ان کی آرزو میں آنکھ سے ٹپکا
وہی آنسو ستارہ ہے مرے حسنِ مقدر کا

(صوفی تبسم)

غبارِ راہ طیبہ سرمۂ چشمِ بصیرت ہے
یہی وہ خاک ہے جس خاک کو خاکِ شفا کہیے
مدینہ یاد آتا ہے تو پھر آنسو نہیں رکتے
مری آنکھوں کو ماہرؔ چشمۂ آبِ بقا کہیے

(ماہر القادری)

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ آج ہر قلم نعت کہنے کی تمنا کر رہا ہے۔ ماضی بعید کی نہیں، قریب کی بات ہے کہ ہمارے دور کے ایک معروف غزل گو نے جب پہلی نعت کہی تو ان کے حلقۂ احباب میں ہلچل مچ گئی اور انھیں ''رجعت پسند'' قرار دیا گیا اور اربابِ ذوق نے اپنی غزل کے دروغِ بے فروغ اور مبالغہ واطراء کو حسنِ ارتقاء قرار دیا۔ وہ اس وقت نہیں سمجھتے تھے کہ اگر نعت کو فروغ مل جائے۔ یا دوسرے لفظوں میں آج کے غزل گو کو نعت گوئی کی توفیق عطا ہو جائے تو یہ

توفیق، ادب کی تطہیر ہی نہیں، معاشرے کی تنویر بھی بن جائے گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ بے سروپا تعلّیوں، بے جا مبالغوں اور بے لگام جذباتیت کی جگہ ایک ایسی مقصدیت لے لے گی جسے نظریے اور تحریک دونوں کا تقدس حاصل ہوگا اور مقامِ شکر ہے کہ آج شعر وسخن کی دنیا اسی منزل کی طرف گامزن ہے۔

دورِ حاضر کی اردو نعت قدیم روایات کے ساتھ ساتھ جدید دور کے کرب کی بھی آئینہ دار ہے۔ آج کا اردو نعت گو حضور ﷺ کے تصور کو دل کی انگشتری کا نگینہ سمجھتا ہے۔ اس کے خیال میں حضور ﷺ ہی وہ ماہِ تمام ہیں جس کی تابشیں، لٹی ہوئی صبحوں اور بجھی ہوئی شاموں کو منور کرتی ہیں۔ حضور ﷺ ہی کا نور، ظلمتوں کو اجالتا اور روحانی خرابوں کو سمن زار بناتا ہے۔ آج کا شاعر اپنے جھلملاتے آنسوؤں کا خراج، اپنے کپکپاتے ہونٹوں کا سکوت اور اپنے لرزتے قلم کا نیاز، اسی بارگاہِ ناز میں پیش کرتا ہے، وہ اپنی ذات ہی کو سامنے نہیں رکھتا بلکہ ذات کے ساتھ کائنات لے کر چلتا ہے۔ اس کا دل امتِ مرحوم کی بربادیوں پر تڑپتا ہے۔ وہ اپنے ذاتی کرب اور غم کے ساتھ امت کے ان زخموں کو بھی اسی بارگاہ میں لے جاتا ہے۔ جو درماندہ انسانیت کی آخری چارہ گاہ ہے اور جس دروازے کے بغیر آسودگیٔ دل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اب ناز و نیاز کی اس شاعرانہ فضا پر بھی ایک نظر ڈالیے۔ چند مثالوں پر اکتفا کر رہا ہوں ورنہ ؎

سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے

آپ کو حسنِ آرزو، گدازِ التجا اور سوزِ تمنا کی ایک اجلی اور نکھری کہکشاں نظر آئے گی اور یوں معلوم ہوگا کہ غم کے حادثوں نے شاعر کی فکر کو کمال اور اسلوب کو حسن عطا کیا ہے اور گردِ ملال، دل کے آئینے کے لیے غازہ بن گئی ہے۔: ؎

حفیظ جالندھری نے اس سنگِ در کو اپنا واحد مقصود یوں بنایا ہے۔

ترا در ہو، مرا سر ہو، مرا دل ہو، ترا گھر ہو
تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

اقبال عظیم، بینائی سے محروم ہیں اور وہ جب شعر میں اپنی اس کیفیت کا ذکر کرتے ہیں تو سوز و درد اپنی رفعتوں کو چھوتا نظر آتا ہے۔

مجھ کو بھی کاش جلوۂ خضرا دکھائی دے
بے نور آنکھ سے بھی اجالا دکھائی دے
تھوڑی سی دیر کو مجھے بینائی چاہیے
بس اک جھلک حضور ﷺ کا روضہ دکھائی دے

حافظ مظہر الدین، ذات اور صفات کے حسن و جمال میں اس قدر کھو گئے ہیں کہ ان کی اس از خود رفتگی پر عقل و شعور کی ہزاروں رفعتیں قربان کی جا سکتی ہیں۔

ہو سکتی ہے سیراب ابھی کشتِ تمنا
بادل شہِ کونین کی رحمت کا جو برسے

احمد ندیم قاسمی کے حسنِ طلب کی ایک جھلک دیکھیے کہ وہ حضور ﷺ ہی کی تمنا کے ملتجی ہیں۔

قطرہ مانگے کوئی تو اسے دریا دے دے
مجھ کو کچھ اور نہ دے اپنی تمنا دے دے
میں تو تجھ سے فقط اک نقشِ کفِ پا چاہوں
تو جو چاہے تو مجھے جنت ماویٰ دے دے

راسخ عرفانی کے دل کی مسرتوں کا اندازہ کون کرسکتا ہے شرط یہ ہے کہ انہیں مدینے میں اذنِ قیام مل جائے۔

قریبِ روضہ جو مجھ کو مقام مل جائے
تو بعدِ مرگ بھی عمرِ دوام مل جائے
پلک پلک پہ سجاؤں مسرتوں کے چراغ
اگر مدینے میں اذنِ قیام مل جائے

عارف عبدالمتین، ذرے میں صحرا چھپا کے اور خیالِ حضور ﷺ دل میں بسا کے یوں مہکنے کی تمنا کرتے ہیں۔

نظر کا سوز، تمنا کی آنچ، غم کی جلن
میں خود کو سروِ چراغاں بنا کے لایا ہوں
جلا مجھے کہ مہک اٹھوں اے چراغِ حرم
میں اپنے جسم کو صندل بنا کے لایا ہوں

مظفر وارثی کی آرزوؤں کو بھی وہیں سے پذیرائی ملتی ہے۔

حرفِ دعا ہوں صوتِ پذیرائی دے مجھے
دیکھوں نظر کی اوٹ وہ بینائی دے مجھے
یادِ رسول ﷺ پیار کی سچائی دے مجھے
مدحِ نبی ﷺ قرینۂ گویائی دے مجھے

احسان دانش کے زخم آرزو کو بھی وہیں سے مرہم ملتا ہے۔

زرخیز سرزمینِ تمنا تمھی سے ہے
دنیا تمھی سے ہے مری عقبیٰ تمھی سے ہے
ہر زخمِ آرزو کی دوا ہے تمھارے ہاتھ
ہر دردِ زندگی کا مداوا تمھی سے ہے

طفیل ہوشیار پوری، زنجیرِ صبح و شام سے تنگ بھی ہیں اور ایک لمحے کے طلبگار بھی۔

تنگ آگئی ہے قیدِ عناصر سے زندگی
زنجیرِ صبح و شام سے مجھ کو رہائی دے

صرف ایک لمحہ روضۂ اقدس کو چوم لوں
صرف ایک لمحہ کی مرے مولا خدائی دے

حفیظ تائبؔ، برہنہ سر امت مسلمہ کو یوں بارگاہِ رسالت میں پیش کر رہے ہیں۔

کب ملے گا ملتِ بیضا کو پھر اوجِ کمال
کب شبِ حالات کی ہوگی سحر، خیر البشر
اپنی امت کے برہنہ سر پہ رکھ شفقت کا ہاتھ
پونچھ دے انسانیت کی چشمِ تر، خیر البشر

حافظ لدھیانوی اپنی پلکوں پر انتظار کے دیئے یوں روشن کیے ہوئے ہیں:

محبوسِ ہجر کب سے ہوں اے سیّد البشر
پلکوں پہ اشک غم ہے، تمنا کہیں جسے

عبدالکریم ثمر عصر حاضر میں قرن اول کا جمال وجلال چاہتے ہیں:

قرنِ اوّل کی مواخات طلب کی میں نے
عصرِ حاضر میں صحابہؓ کے زمانے مانگے
بارہا عتبۂ سرکارِ دو عالم پہ ثمرؔ
شعر و قرطاس و قلم، فکرِ رسا نے مانگے

فضل حق کے ہاں دیکھیے کہ کیسے تبسم روتا اور اشک مسکراتے ہیں اور کیسے سکوت، تکلمِ بلیغ کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے:

نظر سے مانگنا، دل سے سمجھنا، لب کو سی لینا
یہ طرزِ آرزوئے مدعا یثرب سے آتی ہے

عبدالعزیز خالد کے حرفِ دعا کی تاثیر بھی دیکھیے کہ ان کی حسرتوں کو بھی بال و پر مل گئے ہیں۔

حسرتِ عرضِ تمنا کو ملا رختِ بیاں
قصۂ کوتاہیٔ قسمت بنا حرفِ دعا

خالد شفیق اسی مرکز انوار سے روشنی طلب کرتے ہیں کہ فضائے زندگی دھواں دھواں ہو رہی ہے۔

تمھارے ذکر سے پائی دلوں نے تازگی آقا ﷺ
تمھارے نام سے قائم وقارِ زندگی آقا ﷺ
بھٹکتا پھر رہا ہوں حرص کی تاریک راہوں میں
ہدایت کی مجھے بھی ہو عطا کچھ روشنی آقا ﷺ

نصرت نوشاہی کے آنسو، گوہرِ بے بہا ہیں بشرطیکہ انھیں حضورِ ناز میں باریابی مل جائے۔

تمنا ہے الہ العالمین میری یہ مدت سے
کہ کوئے مصطفےٰ ﷺ میں تیری رحمت سے گیا ہوتا
دلِ بیمار کی چارہ گری ہوتی نگاہوں سے
مرا ہر چاکِ ہستی ان کی رحمت سے سلا ہوتا

شہزاد احمد صاحب معراج سے اپنی معراج مانگ رہے ہیں۔

مجھ کو بھی اس زمین پہ معراج بخش دے
توفیق دے کہ خود کو ترا نقشِ پا کہوں

نظیر لدھیانوی بھی ایک نگہِ کرم کے ملتجی ہیں۔

گر مرے حالِ زار پہ وہ ڈال دیں نگاہ
پھر کوئی آرزو، نہ تمنا، نہ احتیاج

سجاد باقر رضوی اپنی ویرانیوں کے لیے نکہتوں کی تمنا، اسی فضا سے کرتے ہیں، جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سانسوں کی مہک رچی ہوئی ہے۔

گلستاں ویران، آنکھیں خشک ہیں مولائے کل
پھر انھیں سر سبز کر، آنسو بنا، شبنم بنا
میری بربادی پہ اک عالم کی نظریں ہیں لگی
میرے مولا، میری خاکستر سے اک عالم بنا

راجہ رشید محمود، یادِ نبی ﷺ میں یوں نغمہ سرا ہیں۔

ذکر ان کا ہے تو ہر لب کا مقدر بن جائے
یاد ان کی ہے تو سینوں میں اتر کر چمکے

شیر افضل جعفری غمِ دوراں کی تمازتوں میں اسی سایۂ رحمت کے طلبگار ہیں۔

تری سرکار بڑی ہے مولا ﷺ
تُو تو رحمت کی جھڑی ہے مولا ﷺ
آبلہ پا ہیں ترے مستانے
اور منزل بھی کڑی ہے مولا ﷺ
رحم فرما کہ زمانے کے لیے
یہ قیامت کی گھڑی ہے مولا ﷺ

راز کاشمیری کے شبستانِ آرزو کی بھی ایک جھلک دیکھتے جایئے۔

جیسے فلک کے سینہ پہ روشن ہے کہکشاں
یوں جگمگا رہا ہے شبستانِ آرزو

ہوگی مجھے ضرور زیارت حضور ﷺ کی
کہتا ہے مجھ کو یہ مرا وجدانِ آرزو

عتیق خاورؔی، مولا کریم سے حضور ﷺ کے صدقے ذوق وشوق کا ایک جرعہ چاہتے ہیں۔

اک جرعہ ذوق و شوق کا، ہے مدعا یہی
رحمان تیری ذات ہے، صدقے حضور ﷺ کے

ناصر زیدیؔ کی فضائے دل بھی اسی حسن تمنا سے تاباں ہے۔

میں آرزوئے دید کو سمجھا ہوں زندگی
مجھ کو ترا وصال میسر سدا رہا
دل میں رہی ہے حسنِ تمنا سے روشنی
دائم اس آئینے میں رخِ مصطفیٰ ﷺ رہا

غلام رسول عدیمؔ، زمزمہ طرازی کے لیے درود وسلام ہی کے متمنی ہیں:

سلام میری زباں کو حلاوتیں بخشے
درود لب پہ مرے زمزمہ طراز رہے

احمد اریبؔ، زمانے کی تلخیوں سے نڈھال اور حادثات کے زخموں سے چور، وہی دیوار اور اُسی دیوار کا سایہ چاہتے ہیں جس سے ہر دکھتی ہوئی پیٹھ ٹیک لگا سکتی ہے۔

نے صبر ہے نے ہوش ہے، نے طاقتِ گفتار
تو گنجِ کرم، کانِ سخا، بحرِ عطا ہے
ہر سو ہیں مصائب کے پہاڑوں کی قطاریں
ہر سمت فقط نالہ و شیون ہی بپا ہے
اس برگِ خزاں دیدہ پہ کب آئے گی رونق
کب برسے گی گلشن پہ جو رحمت کی گھٹا ہے

عہدِ حاضر کے شعرا کے ان نعتیہ اشعار پر غور کیجیے، جذبِ دروں اور تغزل کا بانکپن دامن کشِ قلب ونظر ہے۔ دل کا درد، روح کا سوز اور حرا کے ذروں میں تحلیل ہونے کی تمنا جا بجا ملتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلوب کے اعتبار سے بھی آج کی نعت ہمارے ادب کا سرمایۂ وقار ہے اور اس کے ساتھ ہی ایک ایسی انجمن، جہاں دل کی بے چین کیفیات اور غمِ دوراں کا کرب نمایاں ہے اور گدازِ دل، حسنِ ادا کے پیرہن، میں لو دے رہا ہے۔ سچ پوچھیے تو دنیائے نعت میں جو شخص شعلہ بجاں نہ ہو وہ نغمہ بلب ہو نہیں سکتا۔ گو ہر دور کا شاعر ثنائے رسول ﷺ کے سلسلے میں اپنی ہیچ مقداری اور عجز و بے بسی کا اعتراف کرتا رہا ہے اور ہر دور کا نعتیہ شعر، مدح وتوصیف کا کماحقہٗ ترجمان نہیں رہا کیونکہ خود خدا جس ذاتِ گرامی قدر کا ثنا خوان ہو اس کی تعریف کا حق کون ادا کر سکتا ہے۔ ''آپ ﷺ کے مدح خواں تو آپ ﷺ کی صفات کا صرف عکس دکھاتے ہیں،

جس طرح پانی ستاروں کی جھلک دکھاتا ہے۔''

شاعری بہرنوع اور بہرکیف دلی جذبات کا اظہار ہے اور دنیائے نعت میں ہمیں ہر شاعر کی ملتمس نگاہیں، اسی بارگاہِ لطف و کرم کا طواف کرتی نظر آتی ہیں، جہاں تمنا کی بے چینیوں کو آسودگی اور طمانیت ملتی ہے۔ تمنا کی یہی وہ بے قراری ہے جس کا دوسرا نام انتظار ہے اور انتظار ہی سے جوشِ آرزو تیز تر ہوتا رہتا ہے۔ گویا تمنا کے محور اور انتظار کی قوس کے بغیر، چاہت کا کوئی سا دائرہ بھی مکمل نہیں ہوسکتا۔

پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا
افسونِ انتظار، تمنا کہیں جسے

اور درحقیقت سوزِ آرزو ہی قوسِ حیات کو حلقۂ کامل بناتا ہے۔ اسی سے احساس نمو پاتا، فکر ابھرتا، عزائم بیدار ہوتے، مقاصد نکھرتے اور کارنامہ ہائے حیات، سنگینیٔ گردشِ ایام پر خندہ زن رہتے ہیں:

ما ز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم
از شعاعِ آرزو تابندہ ایم

(۱۹۹۲ء)

☆

اُردو نعت میں تاریخی صداقتیں

تاریخ ہماری گزشتہ عظمت کی دلچسپ داستان ہے۔ ہمارے کمالِ شوکتِ اسلاف کا پرشکوہ بیان ہے۔ یہ ایک علم بھی ہے اور فن بھی۔ یہ افسانہ نہیں۔ بلکہ وہ نقشِ حقیقت ہے جو باطل کی دھجیاں فضائے عالم میں بکھیر دیتا ہے۔ یہ رونقِ بزمِ پارینہ بھی ہے اور گزشتہ زمانے کی داستانِ رزم بھی۔ یہ ہماری قومی ترقی وتنزل اور عروج وانحطاط کا ایک ایسا مرقع ہے جس کے آئینے میں ہم اپنے ماضی اور حال کو دیکھ سکتے اور اس کی روشنی میں اپنے مستقبل کی تعمیر کر سکتے ہیں۔

تاریخ عقدہ ہائے سلف کی کلید ہے
رشتہ یہی میانِ قریب و بعید ہے

انسان اپنے بزرگوں کے حالات کے مطالعہ سے اپنے اندر ایک خاص جوش محسوس کرتا ہے۔ ہماری تاریخ کا مطالعہ ہمارے اندر عزم کی پختگی، اصابتِ رائے، علوِ سیرت، پاکیزگیٔ اخلاق اور ترغیبِ خیر اور نہی عن الشر کی قوتیں پیدا کرتا ہے۔

ہماری تاریخ کی یہ خوبی ہے کہ اسے جس قدر مطالعہ کرتے جاؤ، مطالعے کی تشنگی بڑھتی جاتی اور احساس کی مسرت زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ ہماری تاریخ، ہماری مبہوت کن شوکتِ رفتہ اور مرعوب ساز عظمتِ گزشتہ کا ایک مرقع ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ ایک تاریخ ساز شخصیت ہیں۔ وہ عظمت کا معیار ہیں ان کی رفتار، حسن کی پہچان، ان کی گفتار، صدق کا نشان اور ان کی سیرت، اللہ کی برہان ہے۔ ان کی حیاتِ طیبہ انسانی زندگی کے ہر گوشے کے لیے مشعلِ ہدایت اور چراغِ بصیرت ہے۔ آپ کا ذکر بلند، آپ کی شان رفیع اور آپ کی آن دائمی ہے۔ قدیم شریعتوں کے سارے دیئے بجھ گئے تو آپ کا چراغ یوں روشن ہوا کہ اس کی لو روز بروز تیز سے تیز تر ہوتی چلی جارہی ہے اور روشنی ہے کہ دلوں کی ظلمتوں کو اجالتی جارہی ہے۔ آپ چلتے پھرتے قرآن تھے اور قرآن ہدایتِ ربانی اور شرفِ انسانی کا آخری اور ابدی شاہکار۔

لوگ کہتے ہیں انھیں تاریخ انسانی کے موڑ
راستے جب جھوم اٹھتے ہیں تری رفتار سے

مکان، مکین کی نسبت سے محترم سمجھا جاتا ہے مسجدِ نبوی ﷺ اور خانہ کعبہ پتھر اور اینٹ ہی سے بنے ہوئے ہیں۔ چونکہ ان کا تعلق ختمی مرتبت پیغمبرِ اسلام ﷺ کی ذاتِ گرامی سے ہے اس لیے اللہ تعالیٰ بھی ان مقاماتِ مقدسہ کی قسم کھاتے اور واقعات کے تسلسل کو سمجھانے کے لیے انھیں بطورِ شہادت پیش کرتے ہیں۔ نسبت کی یہی عظمت ہے کہ حضرت عمرؓ، حجرِ اسود کو محض اس لیے بوسہ دیتے ہیں کہ اسے حضور ﷺ کے لب مبارک چھو چکے ہیں۔ اس طرح وہ مقام جہاں کسی بندۂ خدا کا قدم پڑ جاتا ہے وہ بھی عقیدت وارادت کی سجدہ گاہ ہو جایا کرتے ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ جہاں جہاں سے گزرے اور جہاں

جہاں رکے، وہ مقامات نور کے منابع اور سعادت کی منزلیں ہیں اور دوسری طرف اہلِ دل کی محبتوں کا مرکز۔ ؎

سورج نے ضیا اس چشم سے لی اس نطق سے غنچے پھول بنے
اٹھا تو ستارے فرش پہ تھے، بیٹھا تو زمیں کو عرش کیا

ہم اپنے دل کی ساری عقیدتوں کو پلکوں میں سمیٹ کر ان ذروں کو چومتے ہیں جنھیں حضور ﷺ کے قدومِ سعادت لزوم نے مس کیا ہے کہ ہماری معراج انھی قدموں کے نقوشِ تاباں تک پہنچنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب حافظ لدھیانوی کے نزدیک وہ منزل آسماں ہے اور وہ رستہ کہکشاں ؎

ہر گام کو دیکھا ہے محبت کی نظر سے
شاید کہ وہ گزرے ہوں اسی راہ گزر سے

آغا شورش کاشمیری کے الفاظ میں:

''تاریخ افکار سے پیدا ہوتی، کردار سے پرورش پاتی اور شاہراہوں میں اپنے نقشِ پا چھوڑ کر انسانوں کے حافظے کی سرگزشت ہو جاتی ہے۔''

فاران کی فضائیں ہوں یا صفا کی بلندیاں، طائف کی وادیاں ہوں یا مکہ کی گزرگاہیں، حرا کی خاموشیاں ہوں یا ثور کی تاریکیاں، بدر کی ملائک نوازیاں ہوں یا احد کی عبرت سامانیاں، نطقِ بلالؓ سے ابھرنے والی اذانیں ہوں یا حنانۂ استوانہ سے نکلنے والی نوائیں۔۔۔ تاریخ نے ہر چیز اور ہر بات کو سرمایۂ عظمت سمجھ کر محفوظ کر لیا ہے۔ یہاں تک کہ نگہِ رسالت کی ادائیں بھی تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔ ؎

بہرِ تسکیں دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر
وہ جو وقتِ ناز کچھ جنبش ترے ابرو میں تھی

جغرافیائی حقائق کے بغیر تاریخی صداقتوں کا مطالعہ بسا اوقات گمراہی کا سبب بن جاتا ہے۔ تاریخ کے طالب علم کے لیے جس طرح یہ ضروری ہے کہ اسے دو شخصیتوں اور دو واقعات کے درمیان زمانی بعد کا علم ہو۔ اسی طرح مختلف مقامات پر رونما ہونے والے تاریخی واقعات بھی اس وقت تک اپنی حقیقی تاب و تب نہیں دکھا سکتے جب تک ان مقامات کا محلِ وقوع اور حدود اربعہ، قاری کے سامنے نہ ہو۔ اگر جغرافیائی حدود و ثغور اور اطراف و جوانب کا تعین نہ ہوتا تو تاریخی تصویریں مبہم اور مشکوک رہتیں۔ بغیر جغرافیائی علم کے، تاریخ کا مطالعہ، ایک بے منزل سفر، ایک بے مقصد سعی، ایک بے محور دائرہ ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ میں:

''خود حدیث شریف سے پورا استفادہ بعض روایات کا پورے طور پر سمجھنا اور واقعات کی خاص نوعیت و اہمیت کا اندازہ لگانا بھی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ آدمی عرب کے جغرافیہ اور مقامات کے جائے وقوع ان کے آپس کے تعلق کا کم سے کم اجمالی تصور رکھتا ہو۔ خیبر کس طرف واقع ہے۔ تبوک مدینہ سے کس سمت میں ہے۔ کیا مدینہ میں داخل ہونے والے کا استقبال اس گیت سے کیا جا سکتا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ ہم پر چودھویں رات کا چاند ثنیاتِ الوداع کی جانب سے طلوع ہوا ہے اور کیا یہ مکہ معظّمہ کی طرف سے آنے والے کے حسب حال ہے یا تبوک کی جانب سے۔ جغرافیہ کی ضروری معلومات کے

بغیر سیرت وحدیث کا طالب علم ہمیشہ ایک طرح کی تاریکی اور ذہنی الجھن میں گرفتار اور بہت سی غلط فہمیوں کا شکار رہے گا۔''

نعت، سیرت رسول ﷺ اور شمائلِ رسول ﷺ کی ایک ثنائی اور نغماتی شکل ہے۔ یہ قصیدہ نہیں ہے کہ مبالغے کے بغیر کوئی سا قصیدہ بھی قصیدہ نہیں رہتا بلکہ مبالغہ ہی تو صفی شاعری کا غازہ ہے۔نعت مبالغے سے دامن بچا کر، ایک ایسے وجودِ ذی جود کے گرد گھومتی ہے جس کی ہر بات صداقت، جس کا ہر عمل شہادت، جس کا ہر قول واضح اور جس کا ہر بول روشنی ہے۔نعت سچائیوں کی عکاس اور صداقتوں کی ترجمان ہے۔قصیدے کی طرح اس میدان میں شاعر کا قلم، سرپٹ جولانیاں نہیں دکھا سکتا۔اس کا معیار اس قدر سخت ہے کہ غالبؔ کی تمام تر شاعرانہ صلاحیتیں اسی مقام پر پہنچ کر انگشت بدنداں اور سر بگریباں نظر آتی ہیں۔شاعر اگر حضور ﷺ کو ان کی حقیقی شان سے بڑھاتا ہے تو توہین کا مرتکب ہوتا ہے اور اگر گراتا ہے تو اس کا اپنا ایمان سلب ہوتا ہے۔ناصر کاظمیؔ کتنی بڑی حقیقت واضح کر گئے ہیں۔ ؎

خطِ جبیں ترا اُم الکتاب کی تفسیر
کہاں سے لاؤں ترا مثل اور تیری نظیر
دکھاؤں پیکرِ الفاظ میں تری تصویر
مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر
'' کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے''

قدیم اردو نعتیں زیادہ تر رسمی ہیں۔وہ یا تو کسی کتاب کی ابتداء میں لگانے کے لیے لکھی گئیں یا مولود وغیرہ کی محفلوں میں پڑھنے کے لیے تحریر کی گئیں۔بعد میں مولود نامے اور معراج نامے وجود میں آئے۔اس دور میں بہت کم نعتیہ دیوان مرتب ہوئے۔گویا اس دور میں نعت مقصد اور فن کے طور پر جلوہ گر نہ تھی۔ماضی کی اس کم توجہی کی روشنی میں، دورِ حاضر کے نقاد، ادیب، شاعر اور مرتبین نصابِ تعلیم بھی قصیدہ، مرثیہ اور ریختی کو تو ادب کی جان سمجھتے رہے مگر ایک عرصہ تک نعت کو رجعت پسندی سمجھتے ہوئے نظر انداز کرتے رہے۔بھلا ہو حالی، اقبالؔ اور حفیظؔ جالندھری کا کہ انھوں نے اسوۂ رسول ﷺ ہی کی تاب وتب سے شعر میں رنگ وآہنگ پیدا کیا۔ان کے بعد بھی نعت ایک عرصہ تک بطورِ صنف سخن محرومِ التفات رہی۔حال ہی میں نعت، چھٹی سے لے کر ایم اے اور پی۔ایچ۔ڈی تک اس انداز سے در آئی ہے جس طرح شاخِ گل میں بادِ سحر گاہی کا نم سما جاتا ہے۔یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کرم اور حضور ﷺ کا فیضان ہے کہ آج نعت ہماری ملّی، ادبی اور علمی پہچان بن گئی ہے کہ شاعر، نعت کہنے، رسائل نعت چھاپنے اور اہلِ دانش اسے شاملِ نصاب کرنے کے آرزومند نظر آتے ہیں۔پروفیسر مرزا محمد منوّر کے الفاظ میں ''پچھلے پندرہ بیس برس میں تو اردو زبان میں اس قدر نعتیں رقم ہوئی ہیں کہ حیرت ناک مسرت نے چکرا کے رکھ دیا ہے۔'' ؎

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا زنورِ مصطفیٰ ﷺ اُورا بہا است
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ ﷺ است

دورِ حاضر میں نعت یوں ابھر کر سامنے آئی ہے اور شعراء نے اس طرف یوں توجہ دی ہے جیسے آبِ فرات، یکا یک کسی پیاسے کے ہاتھ لگ گیا ہو، یا بیاباں کی شبِ تاریک میں بھٹکنے والے راہی کو اچانک کسی چراغ کی لو دکھائی دے گئی ہو یا کسی اڑتے ہوئے پرندے کو گرتے گرتے غیر متوقع طور پر اپنے آشیانے کی ایک جھلک نظر آ گئی ہو۔

ترے در کے سوا آسودگیٔ دل کہاں ملتی
ترے در پر زمانہ ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا

آج کی نعت ایک مقصد لے کر ابھری ہے۔ مقصود ماضی کی روشنی میں حال کو سنبھالا دینا اور ایک تابناک مستقبل کی تلاش ہے۔ آج کی نعت عظمتِ رفتہ کی بازیافت اور کھوئے ہوؤں کی جستجو ہے۔

تاریخ گری ہوئی قوموں کو سنبھالا دینے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے اور پھر ایک ایسی قوم جو ایک شاندار ماضی کی حامل ہو جب اس کے سامنے اس کی تاریخ کے درخشاں اوراق رکھے جائیں تو وہ لازم طور پر اپنے گریبان میں جھانکنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ یہی لمحہ قوموں کی تقدیر بدل دیا کرتا ہے۔ نعت چونکہ اس ذات بابرکات کا تذکرہ ہے جو صادق بھی ہے اور مصدوق بھی۔ اس لیے اس تعریف و توصیف میں جا بجا تاریخی صداقتیں ضوریز نظر آتی ہیں۔ قدیم نعت میں تاریخی واقعات کی یہ منظوم شکل تقریباً ناپید ہے۔ وہاں کہیں کہیں ولادتِ رسول ﷺ یا واقعۂ معراج کا ذکر ملتا ہے۔ قدیم نعت صرف حسنِ ذات کے بیان رعنا کی ایک دلآویز قوسِ قزح ہے۔ جبکہ دورِ حاضر نے وقت کے اس تقاضے کو سمجھ لیا ہے کہ آج اُس غازۂ جاں کو پیش کرنے اور پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے جس سے رُخِ رسالت پُر نور و پُر وقار تھا۔ اسی غازۂ جاں کا دوسرا نام اسوۂ رسول ﷺ ہے۔ آج کا شاعر جب اسوۂ رسول ﷺ کا ذکر کرتا ہے تو اس کے قلم پر وہ تاریخی واقعات بے ساختہ آ جاتے ہیں جو ''اقراء'' سے ''اکملت'' تک پھیلے ہوئے ہیں۔ دورِ حاضر کے شعراء نے تاریخِ رسالت ﷺ کے ان درخشاں واقعات سے بصیرت و بصارت اور نذارت و بشارت کے ایسے ایسے پہلو ابھارے ہیں کہ ان سے لاشعوری طور پر دلوں میں حضور ﷺ کی عظمت پختہ ہوتی۔ فکر و خیال کا آنگن نکھرتا اور قلب و نظر کی تشکیک دھلتی چلی جاتی ہے اور حضور ﷺ کے بارے میں یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ

پائی ہیں تمدن نے ضیائیں تیرے دم سے
روشن ہیں ترے فیض سے تاریخ کے اوراق

اردو ادب میں بعض ایسی کتابیں بھی ہیں جنہیں ہم منظوم سیرتِ رسول ﷺ کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً حفیظ جالندھری مرحوم کا شاہنامۂ اسلام، جناب نفیس خلیلی کی کتاب قدسی۔ ملک منظور حسین منظور کا جنگ نامۂ اسلام اور جناب محشر رسول نگری کی کتاب فخرِ کونین، ایسی کتب تو فی الواقع تاریخ ہی کی ایک غنائی شکل ہیں میرے پیشِ نظر شعراء کی وہ بکھری اور پھیلی ہوئی نعتیں ہیں جن میں کہیں کہیں بے ساختہ انداز میں وہ تاریخی امور نظم ہو گئے ہیں جن کا تعلق حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے ہے اور یہ چند سطور نعت کی اسی تاریخی تاب و تب کی آئینہ دار ہیں۔

حضور ﷺ کے والدِ گرامی حضرت عبداللہ پچیس برس کی عمر میں وفات پا گئے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد، ۱۲ ربیع الاول کو پیر کے دن، عین عالم بہار میں، صبحِ صادق کے وقت، حضور ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے۔

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آئے اور اس کی بہاروں پہ چھا گئے

دوشنبہ (سوم وار) کا دن کس قدر مبارک ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق اسی دن آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا۔ ہجرت بھی اسی دن ہوئی۔ قبا بھی اسی دن پہنچے۔ حجرِ اسود کی تنصیب، معراج کی سعادت اور حضور ﷺ کی وفات کا دن بھی یہی ہے۔

آپ ﷺ کا نام محمد اور احمد رکھا گیا۔ تعریف کیے گئے بھی اور تعریف کرنے والے بھی۔ آپ ﷺ کو دیکھتے ہی آپ ﷺ کے دادا نے بے ساختہ فرمایا تھا ''میرا یہ بیٹا ایک شاندار شخصیت ہوگا۔''

جناب آمنہ اور جناب عبدالمطلب نہیں جانتے تھے کہ مدتوں پہلے حضرت سلیمان نے حضور ﷺ کا حلیہ سنا کر یوں ارشاد فرمایا تھا۔

جلو محمد یم زہ دو دی
وزہ روحی بنوتِ یروشلم
(وہ سراپا ستودہ ہے، یہ ہے میرا
محبوب اور یہ ہے میری جان اے یروشلم کی بیٹیو!)

دورِ حاضر کی نعت میں ولادتِ رسول ﷺ کے تاریخی واقعہ کا ذکر جا بجا ملتا ہے چونکہ حضور ﷺ ہی باعثِ تکوینِ کائنات ہیں اس لیے نعت کہتے ہوئے حضور ﷺ کی آمد کا ذکر تشکر اور مسرت کے انتہائی جذبات کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ چند مثالیں دیکھیے۔

یہ آج مکہ میں شاہِ عرب ﷺ کی آمد ہے
کہ گوش ہیں ہمہ تن، چشم چشم میں ہے سرور
(یحییٰ تنہا)

آ گیا جس کا نہیں ہے کوئی ثانی وہ رسول ﷺ
روحِ فطرت پر ہے جس کی حکمرانی وہ رسول ﷺ
(جوش ملیح آبادی)

اب آفتاب بُرجِ سعادت میں آ گیا
اب ہو چکی بساطِ شبِ نامراد طے
اب تاجدارِ مسندِ بطحا کا ہے ظہور
تاحدِ مصر و شام بہ اطرافِ روم و کے
(سید عابد علی عابد)

خلاقِ دو جہاں کے کرم کا ہوا ظہور
اُترا زمیں پہ عرشِ معلیٰ کا رنگ و نور
(جگن ناتھ آزاد)

یہ اہتمامِ ورودِ سعید صلِّ علیٰ
نسیمِ خُلد نے بانٹی نگر نگر خوشبو

(راسخ عرفانی)

قطرے قطرے کو ہوا بحر کا وجدان نصیب
ذرے ذرے کو ملا حسنِ نظر آج کے دن

(طفیل ہوشیارپوری)

حریمِ قدس میں محفوظ تھی جو روزِ ازل سے
وہ نعمت آمنہ کی محترم آغوش نے پائی

(اقبال عظیم)

جناب آمنہ کی گود میں ماہِ مبیں چمکا
خلیل اللہ کی بن کر تمنا شاہِ دیں آئے

(گل بخشالوی)

آفتابِ رسالت ہوا جلوہ گر
شب کی تاریکیوں نے دیا توڑ دم
پھر چمن در چمن گُل مہکنے لگے
پھر صدف ریزیاں ہوگئیں یم بہ یم

(غلام رسول عدیم)

تاریکیوں پہ چھانے لگا نورِ سرمدی
آفاق پر ظہورِ کمالِ سحر ہوا

(صفی العیشی)

آج اس حبیبِ ﷺ خدا کی ولادت کا روز ہے
کیا ہو رہی ہے بارشِ انوار ہر طرف

(خالد بزمی)

ان کی آمد، ظلمتِ باطل کو پیغامِ شکست
ان کی آمد مطلعِ جاں پر سحر کی روشنی

(حامد یزدانی)

آنے سے خیالؔ ان کے، گل و لالہ ہیں رقصاں
ورنہ ابھی یاں جشنِ بہاراں نہ ہوا تھا

(امین خیالؔ)

میرے سرکارِ دو عالم کی ولادت کے طفیل
ہر دو عالم کی فضانور سے معمور ہوئی

(منیر قصوری)

حضور ﷺ کے سوا، دیگر انبیائے کرام کی زندگیاں مردِ زمانہ کے ہاتھوں دھندلا چکی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی سیرت اوران کی تعلیم کے خال وخط بھی غیر واضح ہو چکے ہیں۔ جبکہ حضور ﷺ کی ہر بات زندہ، ہر فعل تاباں اور ہر ادا محفوظ ہے اور آپ کی سیرتِ مطہرہ اس قدر موثر ہے کہ اگر کوئی بدعقیدہ بھی غیر جانبداری سے اس کا مطالعہ کرے گا تو اس کی اپنی تقدیر کا دگرگوں ہونا مقدر ہو جائے گا۔

نبی کسی دنیاوی مکتب کا تعلیم یافتہ نہیں ہوا کرتا۔ وہ موٴدب بہ تادیبِ الٰہی اور معلم بہ تعلیمِ ربانی ہوا کرتا ہے۔ وہ پیدا ہی نبی ہوتا ہے۔ اس کی زندگی کا ہر گوشہ اور ہر پہلو براہِ راست اللہ تعالیٰ کی نگرانی وہدایت میں ہوتا ہے۔ رسولِ پاک ﷺ کی شخصیت فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا کے شرف سے مشرف ہو کر دلیلِ عظمت اور وجہِ تقلید بن گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ کفار نے آپ کے پیغام کو ماننے سے انکار تو ضرور کیا مگر ایک انگلی بھی آپ ﷺ کے کردار پر نہ اٹھ سکی۔ حضور ﷺ کی نجی زندگی بھی اس قدر مطہر تھی کہ سب سے پہلے آپ ﷺ ہی کی اہلیہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں۔ قیصرِ روم کے دربار میں آپ ﷺ کا سب سے بڑا دشمن، ابوسفیان بھی آپ ﷺ کے علوِ کردار کا معترف ہی رہا۔ آپ ﷺ کی ابتدائی زندگی حیا و پارسائی کا مرقع بھی ہے اور صداقت و دیانت کا شاہکار بھی۔ مصائب و آلام کا نشانہ بھی ہے اور عزیمت واستقامت کا پہاڑ بھی۔ اردو نعت میں حضور ﷺ کے ان ایام کی دھوپ چھاؤں بھی کہیں کہیں نظم ہوگئی ہے، ایک جھلک دیکھیے۔

جو بنو سعد کے ریوڑ کا محافظ تھا کبھی
وہ دو عالم کا نگہبان ہے، سبحان اللہ

(حفیظ تائب)

رحمتِ سرکار کی باتیں کریں
ابرِ گوہر بار کی باتیں کریں
بکریاں جس نے چرائیں دشت میں
اس گلِ کہسار کی باتیں کریں

(عبدالکریم ثمر)

آپ ﷺ نے درِ یتیمی کا لقب پایا ہے
چارہ گرِ یتیماں ہیں رسولِ اکرم ﷺ
عمر بھر غیروں نے بچھائے کانٹے
باوجود اس کے گل افشاں ہیں رسولِ اکرم ﷺ

(عبدالکریم ثمر)

جس سے کہتی ہے خدیجہؓ غم نہ کر اے ابنِ عم
یہ فرشتہ ہے خدا کا، تو اس امّت کا نبی

(عبدالعزیز خالد)

اتنے اوصاف کہ تکمیلِ بشر کی معراج
اتنے شفاف کہ آئینہ سراپا ان ﷺ کا
دشمنوں اور حریفوں کو بھی کہتے یہ سنا
قول جھوٹا کوئی تازیست نہ دیکھا ان ﷺ کا

(خاورلدھیانوی)

یتیمی میں نکلے، صداقت کو لے کر
خدا کے سہارے، ہمارے محمد ﷺ

☆

بت پرستی کو مٹایا اس نے
حق کا پیغام سنایا اس نے
حجرِ اسود پہ جو جھگڑا اٹھا
اپنی حکمت سے چکایا اس نے

(قیوم نظر)

اُدھر سے بارش دشنام و سنگ تھی پیہم
اِدھر تھیں لب پہ دعائیں جواب کی صورت

(رازکاشمیری)

کچھ انسانوں نے اس کی راہ میں کانٹے بچھائے ہیں
کہ جس نے آبلہ پا زندگی پرگلستاں کھولے

(سروسہارنپوری)

تھا لقب جس کا امیں قبلِ نبوت وہ رسول ﷺ
تھی عیاں جس کی زمانے پہ صداقت، وہ رسول ﷺ

(قمرسنبھلی)

اسی کے اسم سے روشن جبینِ دشت پر صبحیں
اسی کے حسن سے رعنائی آغوشِ حلیمہ میں

(قیوم نظر)

کفار کے گھیرے میں، اغیار کے ڈیرے میں
جمعیتِ خاطر تھی اک نامِ خدا، تنہا

(انجم رومانی)

دشمن بھی تیرے خلق و دیانت کے معترف
کافر بھی تیرے لطف و عنایت سے شرمسار
کیوں ہر کوئی کہے نہ تجھے صادق اور امیں
ہے ابتدا سے صدق و امانت ترا شعار

(نظیر لدھیانوی)

کبھی دشت میں بکریوں کو چرایا
کبھی دہر میں پیشوا بن کے آئے
زمانے کی سوکھی ہوئی کھیتیوں پر
گھٹا بن کے برسے، ہوا بن کے آئے

☆

سلام اس پر وطن کے لوگ جس کو تنگ کرتے تھے
سلام اس پر کہ گھر والے بھی جس سے جنگ کرتے تھے

(ماہر القادری)

عدو بھی کہنے پر مجبور ہیں امین انھیں
خدا نے بخشی ہے ان کو وہ رفعتِ کردار

(عابد نظامی)

یتیم وہ کہ یتیمی میں فخرِ درِّ یتیم
یہ راز وہ ہے کہ سمجھی جسے نہ بولہبی

(خاور لدھیانوی)

حرا، مکہ کے نواح میں جبل النور میں واقع ہے۔ یہ مکہ کے شمالی سمت، جدھر سے طائف کو راستہ جاتا ہے، تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے۔ مکہ کے پہاڑوں میں سے جبل النور اور جبل الثور دور سے دکھائی دیتا ہے۔ حرا کا معنی تحقیق اور جبلِ نور کا مفہوم روشنی کا پہاڑ ہے۔ حضور ﷺ کئی کئی دن یہاں قیام فرمایا کرتے تھے۔ کچھ توشہ ساتھ لے جاتے تھے اور حضرت خدیجہؓ بھی وقتاً فوقتاً کھانے پینے کا سامان اس غار میں پہنچایا کرتی تھیں۔ ایک بار رمضان کا پورا مہینہ حضور ﷺ نے یہیں گزارا۔ واپسی پر کعبے کا سات بار طواف کیا اور پھر گھر تشریف لے گئے۔ اعلانِ نبوت سے قبل متواتر پانچ سال تک یہ غار حضور ﷺ کی عبادت و ریاضت کی جلوہ گاہ رہا۔ اسی مجاہدہ سے دل الوہی تجلیات قبول کرنے کے لیے تیار ہوگیا، تو نبوت کے آثار شروع

ہوگئے۔خواب حقیقت بننے لگے۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ،انوارِ ربانی بھی تیز اور وسیع ہوتے چلے گئے۔یہاں تک کہ ۴۰ سال کی عمر میں اسی غار میں فرشتۂ غیب نمودار ہوا اور اقراء باسم ربک الذی خلق کی آواز تین بار گونجی اور عرب کا یہ عظیم امی علم کا شہر بن گیا اور البلاذری کے مطابق وضو اور نماز کا طریقہ بھی حضرت جبرئیل نے آپ کو یہیں سکھایا۔

حجاج جب منیٰ جاتے ہیں تو یہ پہاڑی ان کے بائیں ہوتی ہے۔مخروطی شکل کہ یہ پہاڑی آس پاس کے سلسلۂ کوہ سے الگ تھگ ہے،حرا کا غار چوٹی پر ہے۔(اس غار تک آنا جانا حضور ﷺ ہی کی پیغمبرانہ ہمت کا اعجاز تھا) اور ایسی چٹانوں سے عبارت جو ایک دوسرے کے اوپر کھڑی ہیں۔بڑے بڑے پتھر ہی دیواروں اور چھت کا کام دیتے ہیں۔اندر سے غار اتنا بلند ہے کہ اس میں انسان بہ آسانی کھڑا ہوسکتا ہے۔طول وعرض اتنا ہے کہ بہ آسانی لیٹا جاسکتا ہے۔لمبائی چوڑائی سے زیادہ ہے اور قدرتی طور پر غار کا رخ خانہ کعبہ کی طرف ہے۔اردو نعت میں اس غار کا ایک تذکرہ دیکھیے کہ ہمارے نعت گو کس کس ادا کے ساتھ اس کی خلوتوں کو سلام کرتے ہیں۔ ؎

روزِ گرم و شب تیرہ و تار میں
کوہ و صحرا کی خلوت پہ لاکھوں سلام

(مولانا احمد رضا خان)

وہ آئے اور آئے بھی قرآں لیے ہوئے
تنظیمِ کائنات کا ساماں لیے ہوئے
نکلا حرا کے غار سے وہ نازشِ مسیح
سارے جہاں کے درد کا درماں لیے ہوئے

(ماہر القادری)

پہنچایا ہے کس اوجِ سعادت پہ جہاں کو
پھر رتبہ ہو کم عرش سے کیوں غارِ حرا کا

(کیفی)

غارِ حرا کو یاد ہیں سجدے رسول ﷺ کے
دیکھی ہے پتھروں نے عبادت رسول ﷺ کی
ساغرؔ تمام عالمِ ہستی ہے بے حجاب
آنکھوں میں بس رہی ہے، وہ خلوت رسول ﷺ کی

(ساغر صدیقی)

روداد کوہِ طور کی مشہور ہوگئی
غارِ حرا کے سینے کا افسانہ راز ہے

(حافظ مظہر الدین)

نکل کر چاند نے غارِ حرا سے
کیا اطرافِ عالم میں اُجالا

(خوشی محمد ناظر)

چشمہ ترے بیاں کا، غارِ حرا کی خامشی
نغمہ ترے سکوت کا، نعرۂ فتحِ خیبری

(جوش ملیح آبادی)

سجدے کیے ہیں تاجورِ عرش نے یہاں
نجمِ فلک ہیں ذرے جو غارِ حرا کے ہیں

(ضیاءالقادری)

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
وہ اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

(حالؔی)

وہ آفتابِ حرم، نازنینِ کنجِ حرا
وہ دل کا نور وہ اربابِ درد کا مقصود

(اصغر گونڈوی)

مہک اٹھی فضا، غارِ حرا میں حق اتر آیا
معطر درسِ اقراء لے کے جبرئیلِ امیں آئے

(گل بخشالوی)

جو ابھرا نیّرِ فاراں، حرا سے
جبینِ کفر پہ آئے پسینے

(یزدانی جالندھری)

جس نے غارِ حرا کو حسن دیا
میں اسی آفتاب کو چاہوں

(حافظ امرتسری)

دیکھ کر غارِ حرا سوچتا ہوں
کتنی بھر پور تھی خلوت ان کی

(احمد ندیم قاسمی)

شبستانِ حرا کیوں کر نہ بنتا مرکزِ عرفاں
کہ ہے پہلے پہل نورِ نبوت دیکھنے والا

☆

عالم افروز ہیں کس درجہ حرا کے جلوے
جس کے پرتو سے اٹھے ارض و سما کے جلوے

☆

اس عابدِ حرا کی ترتیل و خامشی پر
قرباں ہیں سب ترنم، صدقے ہیں سب تکلم

(حفیظ تائب)

اک دن مرے آنگن میں بھی اتریں گے اجالے
خورشیدِ حرا سے مجھے امیدِ کرم ہے

(منیر قصوری)

جب تک ہے نظر روشنیٔ غارِ حرا پر
انسان کا معیارِ نظر ختم نہ ہوگا

(قیصر بارہوی)

زمین و آسماں میں تذکرہ ہے
حرا و ثور کے عزلت نشیں کا

(راجا رشید محمود)

ابھی اٹھ کر گئے ہوں، اس طرح محسوس ہوتا ہے
مہک غارِ حرا میں آج تک معلوم ہوتی ہے

(بشیر زواری)

مکہ کا نام اس لیے اُم القریٰ ہوا
روشن حضور و نور سے غارِ حرا ہوا

(عبدالکریم ثمر)

اقراء باسم ربک، جبریل نے کہا
جس سے ہوئی کتابِ نبوت کی ابتدا
علم و قلم کا سرِّ نہاں فاش ہوگیا
پھر کیا ہوا کسی پہ نہ یہ راز کھل سکا

(محشر رسول نگری)

اللہ اللہ! وہ دل جن میں قیام ان کا ہے
قابل دیدار سب غارِ حرا ہیں ان کے

☆

خلوتِ امکاں کی رونق کا سرو ساماں کیا
آپ ﷺ جب غارِ حرا میں ہوگئے خلوت گزیں

(جعفر بلوچ)

حرا سے دو جہاں کی وسعتوں تک نور ہے جس کا
اسی قندیلِ علم و آگہی سے روشنی مانگیں

(عبدالمجید تمنا)

حرم اور بیت اللہ کے مشرقی جانب پہاڑ بوقبیس واقع ہے۔اسی پہاڑ کا ایک سرا سعی کی ایک طرف کی حد ہے۔اسی جبلِ بوقبیس پہ چڑھ کر حضور ﷺ نے قریش کو پکارا اور دعوتِ اسلام دی تھی۔ کیونکہ عرب ایمرجنسی کے موقع پر ایسے ہی پکارا کرتے تھے۔اہلِ مکہ حضور ﷺ کی یہ دعوت سن کر بگڑ گئے تھے کیونکہ یہ ان کے لیے غیر متوقع بھی تھی اور نئی بھی۔نعت گو جب اس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں تو کبھی سرِ فاراں کہہ دیتے ہیں۔کبھی کوہِ صفا اور کبھی جبلِ بوقبیس۔صفا کے بالمقابل مروہ ہے سعی انھی پہاڑیوں کے درمیان کی جاتی ہے کہ یہیں حضرت ہاجرہؑ اپنے پیاسے بیٹے کے لیے پانی کی تلاش میں دوڑی تھیں۔قریش نے صفا پر اساف نامی بت اور مروہ پر نائلہ نامی بت رکھدیا تھا اور وہ دورانِ سعی انھیں چھوا کرتے تھے۔ فاران کا لفظ خاصا متنازع رہا ہے۔بعض کا خیال ہے کہ فاران اور حجاز ایک ہی علاقے کے نام ہیں۔بعض نے اسے جزیرہ نمائے سینا کے مغرب میں مصر سے متصل ایک علاقہ قرار دیا ہے۔وہ مقام جہاں حضرت ابراہیمؑ اپنی اہلیہ اور شیر خوار بچے کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر چھوڑ گئے تھے اسے تورات نے فاران کہا ہے تورات کی عبارت یوں ہے۔

''خدا اس بچے کے ساتھ تھا۔وہ بڑا ہوا، بیابان میں رہا اور ایک تیرانداز ہوا۔وہ فاران کے بیابان میں رہا۔'' (تکوین ۲)

قرآن مجید نے اس وادی کو غیر ذی زرع کہا یعنی ویران بن کھیتی باڑی کے زمین۔مکہ کو سب سے پہلے بطلیموس نے مکاربا لکھا۔

تورات نے مدبار۔مدبار، بادیہ کا ہم مفہوم ہے معلوم یہ ہوا کہ مکہ حجاز اور فاران سے مراد یہی ''وادیٔ غیر ذی زرع'' ہے جو جناب اسمٰعیلؑ کی ایڑیوں کے طفیل آباد ہوئی۔خود عرب کا لفظ بھی عربہ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں دشت وصحرا۔ اب اردو نعت میں ان تاریخی مقامات کی ایک جھلک دیکھیے کہ کس طرح سرِ فاران گونجتی ہوئی ہادیٔ برحق کی ایک صدا سے، سنگ وخشت کے سینوں میں بھی گداز پیدا ہوگیا اور کس طرح یہ بنجر زمین نزولِ قرآن کی جلوہ گاہ اور عالمِ انسانی کا مرکزِ ثقل بن گئی اور کیسے ہر سجدے اور ہر مسجد کا رخ، اسی سمت میں پھر گیا۔

آسمانِ وادیٔ فاراں کے ذروں کو سلام
سر زمینِ طیبہ تیری نو بہاروں کو سلام

(غلام رسول عدیم)

شب آلودہ دلوں کو صبحِ فاراں کی ضرورت تھی
ظہورِ سرورِ ﷺ دیں، نوعِ انساں کی ضرورت تھی

(جعفر بلوچ)

کوہِ فاراں سے ابھرا جو مہرِ حرا
ہوئی تا بہ حدِ نظر روشنی

(رازکاشمیری)

قبلہ نمائے سجدہ گزاراں، شعلۂ سینا، جلوۂ فاراں
صبحِ بہاراں جس کا مقدر صلے اللہ علیہ وسلم

(اقبال سہیل)

چھیڑیئے نغمۂ سرِ فاراں
ذرہ ذرہ ہے گوش بر آواز

☆

لبیک کی آتی ہے آواز ہر اک دل سے
شاید سرِ فاراں سے پھر ہم کو پکارا ہے

(اختر الحامدی)

وہ فانوسِ الٰہی جو چمک اٹھا تھا فاراں سے
اسی نے ذرے ذرے کو جہاں کے جگمگایا ہے

(امامی بنگلوری)

فاراں کی چوٹیوں سے ہوا مہر ضوفشاں
ظلمت نصیب شام و سحر کی سنی گئی

(حفیظ تائب)

قلۂ کوہِ صفا پر جو کبھی گونجی تھی
گوشِ عالم نے وہی آج صدا مانگی ہے

(غلام رسول عدیم)

کشتِ یقین کھل اٹھی بارانِ نور سے
مہر منیر جب سرِ فاران مل گیا

(محمد اکرم رضا)

اسی کے نطق حق گو سے چراغاں بر سر فاراں
اسی کے خلق کی شمعیں فروزاں ارضِ بطحا میں

(قیوم نظر)

تنہا اسے دیکھا ہے اے غارِ حرا تو نے
پایا ہے اسے تو نے اے کوہِ صفا تنہا

(انجم رومانی)

الٰہی، کون یہ فاراں پہ آخر جلوہ پیرا ہے
شکر گفتار و شیریں کاروگل رخسار و مہ پیکر

(رئیس امروہی)

کوہِ فاراں پہ خورشیدِ حرا جب ہوا جلوہ گر دیکھتے دیکھتے
پرتوِ نورِ حق سے درخشاں ہوا انجمِ بختِ بشر دیکھتے دیکھتے

(یزدانی جالندھری)

کرامت ایک یہ بھی تابشِ عشقِ نبی کی ہے
دلِ عشاق، مثلِ ذُروۂ فاراں چمکتے ہیں

(جعفر بلوچ)

فاران سے جو رحمتِ عالم ﷺ نے دی صدا
خوابیدہ کوہسار بھی بیدار ہو گیا

نظر کی ہے فاران کی سمت جس نے
اسے پتھروں میں گہر مل گیا ہے

توحید کا اجالا پھیلا صنم کدوں میں
جب آفتاب چمکا فاران پر حرا کا

(صحرائی گورداسپوری)

طائف کی وادی مکے کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ یہ سطح مرتفع ہے اور سطح سمندر سے پانچ ہزار فٹ بلند۔ اس سرسبز و شاداب علاقے کی پیداوار، مکے میں اپنی مانگ رکھتی ہے سردیوں میں یہاں پانی جم جاتا ہے۔ موسم گرما گزارنے کے لیے یہ ایک بہترین مقام ہے۔ مکہ اور طائف ایک نوع سے توام شہر ہیں۔ سورہ الزخرف (۴۳/۳۱) میں ان دونوں شہروں کو قریتین (دو شہر) کہا گیا ہے۔ بنو ہاشم کی طائف میں رشتہ داریاں تھیں۔ حضور ﷺ کے ماموں یہیں آباد تھے۔

حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد کفار نے حضور ﷺ پر زیادتی کی حد کر دی۔ آپ ﷺ رنجیدہ خاطر ہو کر بعثت کے دسویں سال ۲۶ شوال کو زید بن حارث کو ساتھ لے کر طائف تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے بنی ثقیف کے معززین کو

دعوتِ اسلام دی۔ انھوں نے اسے ٹھکرا دیا۔ یہاں تک کہ اپنے لوگوں اور لڑکوں کو حضور ﷺ کے پیچھے لگا دیا جن کی خشت باری سے آپ ﷺ لہولہان ہو گئے۔ راستے میں عتبہ اور شیبہ کا ایک باغ تھا جس میں آپ ﷺ نے پناہ لی۔ اس باغ میں عتبہ کا غلام عداس نصرانی تھا۔ اس نے کچھ میووں سے آپ ﷺ کی ضیافت کی اور ایمان لایا۔ آپ ﷺ نے بڑے اضطراب سے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ملک الجبال کو بھیجا کہ حکم دیجیے تو ابھی پہاڑوں کو ٹکرا دوں کہ سارے کفار پس کے رہ جائیں مگر آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، شاید ان کی اولاد اسلام قبول کر لے۔ واپسی پر آپ ﷺ نخلہ پہنچے تو رات کی تاریکی میں جب آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے تو سات جن حاضر ہوئے اور انہوں نے اسلام قبول کیا اور اپنی قوم میں پھیلایا۔ اردو نعت میں طائف کا یہ سفر، آلامِ روزگار اور عزمِ صمیم کا ایک شاعرانہ استعارہ بن کر یوں ابھرتا ہے۔

کہیں تو زندگی پیرا بہ اندازِ لبِ عیسیٰؑ
کہیں تو خطبہ فرما اوجِ طائف پر کلیمانہ

(سیماب اکبرآبادی)

سلام اس پر کہ اسرارِ محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے

(ماہرالقادری)

سلام اس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں
سلام اس پر ہوا مجروح جو بازارِ طائف میں

(ماہرالقادری)

طائف کی مسافت ہو کہ ہجرت کا سماں ہو
ہمت کا سبق، ہر سفرِ احمدِ مختار

(حفیظ تائب)

زخم کھا کر بھی دعا کرنا تھا شیوہ ان کا
اہلِ طائف نے مگر ظرف نہ دیکھا ان کا

(خاور لدھیانوی)

طائف کا سفر ہو کہ مدینے کی ہو ہجرت
منہاجِ عمل آپ ﷺ ہیں، معراجِ یقیں آپ ﷺ

(عبدالکریم ثمر)

کھا کے پتھر بھی دعا دی آپ ﷺ نے
یہ بھی ہے حسنِ ادائے مصطفیٰ ﷺ

(منیر قصوری)

ہمیں آلام طائف بھی خبر اب تک یہ دیتے ہیں
مجسم عزم و استقلال و تسلیم و رضا تم ہو

(امامی بنگلوری)

ہر ایک گام ہو طائف سا مرحلہ در پیش
ستم اٹھاؤں کسی کو مگر برا نہ کہوں

☆

زندگی میری ہے طائف کے سفر کا پرتو
میں نے سیکھی ہے ستم سہنے کی عادت تجھ سے

(عارف عبدالمتین)

ہے پتھروں سے جسمِ مبارک لہو لہان
پھر بھی وہ بد دعا کے لیے مانتے نہیں

(خالد بزمی)

دیدنی شانِ رحمت کی تھی ہر ادا
کھائے پتھر بھی ہونٹوں سے نکلی دعا
دیکھنا ہے تو بازارِ طائف میں آ
کرب و غم آپ ﷺ کا، پھر کرم آپ ﷺ کا

(حفیظ احسن)

طائف میں تن پہ زخم، زباں پر دعائے خیر
تاریخ کا یہ واقعہ کتنا عجیب ہے

☆

سلام اس پر عدو پر جس نے رفق و لطف فرمائے
سلام اس پر عوض پتھر کے جس نے پھول برسائے

(عاصی کرنالی)

جہاں پتھر برستے ہوں، ضیا کو دل ترستے ہوں
وہاں طائف کے زخمی اجنبی سے روشنی مانگیں

(عبدالمجید تمنا)

طائف کی وہ منزل ہو کہ ہو شعبِ ابی طالب
وہ خندہ جبیں، خندہ جبیں، خندہ جبیں ہیں

(احسان رانا)

طائف کے حوصلہ فرسا واقعہ کے بعد آپ کو ۵۱ برس کی عمر میں معراج نصیب ہوئی۔ ایک رات آپ ﷺ کے پاس جبرئیل آئے۔ آپ ﷺ کو براق پر سوار کیا گیا اور مسجد اقصیٰ تک لے گئے۔ وہاں تمام انبیاء اور فرشتوں نے آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ پھر آپ ﷺ کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ اس کے بعد آپ سدرۃ المنتہیٰ کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ آگے بڑھے اور جبرئیل وہیں رہ گئے کہ یہ ان کی آخری حد تھی۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی آنکھوں سے تجلیات ربانی کا مشاہدہ فرمایا اور آپ ﷺ سجدے میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل کیا۔ اسی وقت نمازیں فرض ہوئیں۔ وہاں سے براق پر سوار ہو کر آپ ﷺ مکہ معظّمہ کی طرف تشریف لے چلے۔ راستے میں مختلف مقامات پر قریش کے تین تجارتی قافلے نظر آئے جن میں سے بعض کو آپ نے سلام کیا اور انھوں نے آپ ﷺ کی آواز پہچانی اور مکہ پہنچ کر اس کی تصدیق کی۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے صبح سے پہلے ہی یہ سفر تمام ہو گیا۔ چودھری افضل حق کے الفاظ میں:

''طائف کے ہمت شکن سانحہ کے چند روز بعد خدا کا رسول ﷺ دل گرفتہ ہو کر فرشِ حرم پر لیٹ گیا۔ رحمتِ حق نے خاک سے اٹھا کر افلاک تک پہنچا دیا۔ کیونکہ دنیا و دین کی سربلندیاں ان خاکساروں کے لیے ہیں فخر و ناز جن کی فطرتِ سعید کو چھو نہ گیا ہو۔ اللہ کی راہ میں جان جوکھوں میں ڈالنے ولا رسول چشم زدن میں عرش پر پہنچا۔ ہفتِ افلاک کے سفر کی داستان طویل ہے لیکن جب تک راہِ حق میں سعی و عمل کی ناکامیاں شیشۂ دل کو چور چور نہ کر دیں اس رفعت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جس کا نام معراج ہے۔'' اردو نعت میں واقعۂ معراج کا سب سے زیادہ ذکر ملتا ہے۔ چند مثالیں دیکھیے ؎

جب چلا چاند مدینے کا سوئے ربِ جلیل
بجھ گئی مہرِ درخشاں کی فلک پر قندیل

(غلام امام شہید)

کس قدر نظارہ پرور جلوۂ معراج تھا
آج تک شوقِ لقا میں چشم انجم باز ہے

(حشر کاشمیری)

تابشِ حسنِ محمد ﷺ تھی یہ معراج کی رات
ہر چمکتے ہوئے تارے کو پسینا آیا

بیٹھے اس شان و حشم سے وہ سرِ زینِ براق
سمجھے جبریل کہ خاتم میں نگینا آیا

(نوح ناروی)

جس کا مشتاق ہے خود عرشِ بریں آج کی رات
اُمِّ ہانی کے ہے گھر میں وہ مکیں آج کی رات

(ماہر القادری)

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ ﷺ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

(علامہ اقبال)

غایتِ معراج ہے اللہ کا اسرارِ خاص
آسماں تیری زمیں ہے رحمۃ للعالمین ﷺ

(احسان دانش)

جلووں کی تاب لا نہ سکے طور پر کلیم
سرکارِ لامکاں میں بھی جلوہ فشاں رہے

(حافظ مظہر الدین)

ایک لمحے میں ہوئے طے یہ مکان و لامکاں
سائرِ اسریٰ کا اندازِ سفر کچھ اور تھا

(راز کاشمیری)

دیکھا خدائے پاک کو حضرت نے بے حجاب
ہنگامِ دیدِ کوئی حجابِ نظر نہ تھا

(حافظ لدھیانوی)

استادہ ہیں تعظیم کو قدسی شبِ اسریٰ
جبریل ہے دربانِ شہنشاہِ دو عالم

(قمر یزدانی)

جوں جوں انسان کا ہوگا مہ و انجم پہ سفر
ان کے گردوں پہ سفر ہی کی وضاحت ہوگی

(حسرت حسین حسرت)

اس رفعتِ اعزاز پہ ششدر ہیں فرشتے
انساں کی رسائی ہے سرِ عرش تلک بھی

(خالد بزمی)

اڑنے کو جو پر کھولے، رہوارِ مصطفیٰ ﷺ نے
حیرت میں تھے فرشتے اور کائنات گم صم

(حفیظ تائب)

اندھیری شب میں مجھے کہکشاں نے دکھلایا
وہ راستہ ترے قدموں نے جس کو سہلایا

(وزیر آغا)

اہلِ مکہ حضور ﷺ کی مخالفت میں سرگرمِ عمل تھے۔ جبکہ اہلِ یثرب کے دلوں میں اسلام کا نور اتر رہا تھا حضور ﷺ نے مکہ کے مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ یہاں تک کے مکہ میں مقید اور معذور مسلمانوں کے سوا صرف حضور ﷺ، حضرت صدیقؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے۔ کفار نے حضور ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ حضرت جبرئیلؑ نے حضور ﷺ کو اطلاع دی اور ہجرت کا حکم ہوا۔ کافروں نے حضور ﷺ کے مکان کو گھیر لیا مگر آپ ﷺ نے اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو لٹایا اور خود سورۃ یٰسین کی تلاوت فرماتے ہوئے کفار کے نرغے سے بخیر و خوبی نکلے۔ جناب صدیقؓ کو ساتھ لیا۔ تین میل کے فاصلے پر واقع غارِ ثور میں تین دن قیام فرمایا۔ یوں یہ غارِ نبوت کے سفر کا دیباچہ بن گیا۔ کفار نے تلاش کی مگر حضور ﷺ کی گردِ سفر کو بھی نہ پا سکے۔ آپ ﷺ بہ حفاظت ام معبد کے ہاں پہنچے، وہیں بکریوں کے خشک تھنوں میں، حضور ﷺ کے دستِ مبارک کی برکت سے دودھ ابل آیا تھا۔ اسی ام معبد نے اپنے شوہر سے اس اجنبی مہمان کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا وہ ''حقیقت پسندانہ''، سراپا نگاری کی اولین اور دلکش مثال ہے۔

حضور ﷺ نے مکہ سے مدینہ آنے کے لیے معروف راستہ اختیار نہیں فرمایا بلکہ ایک نیا راستہ اپنایا اسی راستے کو طریقِ ہجرت کہتے ہیں۔ قبا میں آپ ﷺ نے چار دن قیام فرمایا وہیں نبوت کے بعد پہلی مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔ حضور ﷺ کی ہجرت کے تین دن بعد حضرت علیؓ روانہ ہوئے۔ وہ بھی یہیں حضور ﷺ سے ملے۔ تعمیرِ مسجد کے بعد، آپ ﷺ مدینہ روانہ ہوئے۔ اہلِ مدینہ نے آپ ﷺ کا والہانہ استقبال کیا۔ وقت رک گیا اور ہوا تھم گئی۔ یثرب کی گزرگاہیں اور اہلِ یثرب کی نگاہیں نورِ نبوت میں ڈوب ڈوب کر جاوداں ہو رہی تھیں۔ اسی وقت سے سنِ ہجری کا آغاز ہوا۔ انبیاء کی تاریخ ہجرتوں سے لبریز ہے اور ہر ہجرت مصلحتِ ربانی پر مبنی اور شوکت و تقویتِ اسلام کا سبب رہی ہے۔ حضور ﷺ کی، ہجرتِ مدینہ معراجِ انسانی اور شوکتِ اسلامی کا پیش خیمہ بنی۔ کہاں، ہجرت کی بے سروسامانی اور کہاں بدر کی نصرتِ ربانی۔ اس عظیم تاریخی واقعے کو ایک نظر اردو نعت کے آئینے میں دیکھتے جایئے۔

جس ملک نے پائی تری ہجرت کی سعادت
کعبہ سے کشش اس کی ہر ایک دل میں سوا ہے

(حالیؔ)

یاں مدینے میں ہوا غل کہ رسول ﷺ آتے ہیں
راہ میں آنکھیں بچھانے لگے اربابِ نظر

(شبلیؔ)

جاں دے دے کے خریدار بنے ہیں انصار
عشق زارِ نبوی ﷺ، مصر کا بازار نہیں

(سلیمان ندوی)

ازل کے دن سے مشیّت کی مصلحت تھی یہی
کہ خاکِ طیبہ محمد ﷺ کا آستاں ٹھہرے

(شورش کاشمیری)

طلع البدر علینا کی صدائیں گونجیں
نغمہ افروزیٔ ماہِ مدنی کے صدقے

(مظہرالدین)

سلام اس پر سہے حق کے لیے رنج و محن جس نے
سلام اس پر خدا کی راہ میں چھوڑا وطن جس نے

(یحییٰ اعظمی)

ویران دل پر ایک نگاہِ کرم حضور ﷺ
عزلت نوازِ ثور و حرا آپ ﷺ ہی تو ہیں

☆

جعفؔر اسلام کے ہر قریۂ روشن سے مجھے
طلع البدر علینا کی صدا آتی ہے

(جعفر بلوچ)

خزرج کا قبیلہ ہو کہ وہ اوس کے افراد
آپس میں جو رہتے تھے سدا بر سرِ پیکار
وہ کس کے کرم اور محبت کی نظر تھی
اک روز ہوئے امن و اخوت کے علم دار

(خالد بزمی)

کیوں نہ ہو قلب میں تقویتِ ایمان و یقیں
جب وہ صدیقؓ کو ارشاد کرے لا تحزن

(علیم ناصری)

تو نقیب تھا صفا کا، تو خطیب تھا قبا کا
تو معلمِ تہامہ، تو مزکیٔ یمامہ

(نعیم صدیقی)

انصار بھی ہیں اور مہاجر بھی ہیں یہاں
حیرت فزا ہے ان کی مواخات کا سماں

(محشر رسول نگری)

اس کے حسنِ نگاہ کا اعجاز
انطباقِ مہاجر و انصار

(حامد یزدانی)

بدر، مکے اور مدینے کے درمیان واقع ہے یہیں مسلمانوں کی کافروں سے پہلی جنگ ہوئی۔ یہاں ایک چشمہ بھی تھا۔ یہ مقام مدینہ منورہ کے جنوب مغرب میں تقریباً ۱۴۸ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ ایام جاہلیت میں یہاں ایک میلہ بھی لگتا تھا۔ یہ بلند پہاڑوں میں گرا ہوا، بیضوی شکل کا ساڑھے پانچ میل لمبا اور ساڑھے چار میل چوڑا میدان ہے۔ شام کی جانب جانے والے قافلے یہاں رکا کرتے تھے کیونکہ یہاں چشمہ تھا۔ بدر کے مغربی جانب مضرق نامی ایک جگہ ہے۔ مدینہ منورہ سے بدر کی طرف آئیں تو مضرق کے مقام پر، ایک راستہ ینبوع کی طرف شمالی جانب نکل جاتا ہے۔ دوسرا راستہ مستورہ اور رابغ کی طرف جنوبی جانب نکلتا ہے۔ یہی راستہ مکہ مکرمہ پہنچتا ہے۔ اسی راستے سے کفار کا لشکر آیا تھا۔ آج کل مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آنے والی سڑک بدر کے مقام سے گزرتی ہے۔ بدر کی زمین ریتلی اور سنگلاخ ہے۔

قریش کا ایک تجارتی قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں شام سے آرہا تھا۔ اسے یہ خبر ملی کہ مسلمان اس قافلے پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ ابوسفیان نے مکے کو قاصد دوڑا دیئے۔ چنانچہ اہل مکہ ایک بھاری لشکر کے ساتھ مدینے کی طرف بڑھے۔ حضور ﷺ تین سو سے کچھ زائد ساتھیوں کے ساتھ بدر کے قریب پہنچے اور پانی کے چشمہ پر قبضہ کر کے وہیں قیام فرمایا۔ گو تجارتی قافلہ بخیر وخوبی مکے پہنچ گیا تھا مگر ابوجہل جنگ کے لیے مصر تھا۔ بدر کا جنوب مغربی حصہ نرم زمین پر مشتمل تھا۔ قریش نے یہیں ڈیرے ڈالے۔ بارش کی وجہ سے یہ زمین دلدل بن گئی پہلے انفرادی مقابلے ہوئے۔ ان مقابلوں میں کامیابی مسلمانوں کو ملی۔ پھر عام جنگ ہوئی۔ عتبہ اور ابوجہل مارے گئے اور قریش کے پاؤں اکھڑ گئے۔ سورۂ انفال میں اس جنگ کا ذکر ہے۔

اندازِ جنگ کے اعتبار سے یہ ایک محیر العقول واقعہ ہے۔ اس سے کفار کا زور ٹوٹا۔ مسلمانوں کی ہمت بڑھی۔ امدادِ غیبی پر مسلمانوں کا یقین پختہ تر ہو گیا۔ آغازِ جنگ پر حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی کہ اگر یہ مٹھی بھر مسلمان مارے گئے تو تیرا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہے گا اور تاریخ نے وہ الفاظ بھی محفوظ رکھے ہیں جو سرورِ کائنات ﷺ نے کفار کی نعشوں کے پاس کھڑے ہو کر ارشاد فرمائے تھے کہ ''تم اپنے نبی کے کیسے برے رشتہ دار تھے۔ تم نے ہمیں جھٹلایا۔ دوسروں نے تصدیق کی تم نے ہمیں ذلیل کیا، دوسروں نے ہماری مدد کی۔ تم نے ہمیں وطن سے نکالا اور دوسروں نے پناہ دی۔'' اردو نعت میں حضور ﷺ کی تعریف وثنا کے ساتھ ساتھ اس واقعہ کا ذکر بھی کہیں کہیں ملتا ہے۔

اخترِ اسلام چمکا، کفر کی ظلمت چھٹی
بدر میں جب وہ ہلالِ تیغ برّاں لے چلا

(احسن رضا بریلوی)

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

(علامہ اقبال)

بقعۂ نور ہے ہر گوشۂ ایوانِ حیات
بدر کے چاند ترے روئے درخشاں کی قسم

(اختر الحامدی)

وہ سیدِ کونین ہے، محبوبِ خدا ہے
وہ بدر کے میدان میں مصروفِ دعا ہے

☆

آپ ہی کی ذات ٹھہری فاتحِ بدر و حنین
رزمِ ہستی میں نقیبِ شہسواراں آپ ﷺ ہیں

(عبدالکریم ثمر)

غزوۂ بدر وہ تاریخ کا بابِ زریں
لے کے آیا جو مسلماں کے لیے فتحِ مبیں
گر اسے بدر کا عنواں نہ میسر ہوتا
داستاں ملتِ بیضا کی نہ ہوتی رنگیں

(حفیظ تائب)

کبھی وہ صحنِ حرم میں محوِ ذکر و سجود
کبھی وہ بدر و احد میں ہے بر سرِ پیکار

(عابد نظامی)

جس جگہ اسلام کے سر باز پہنچے سر بکف
بدر و خیبر کی طرح سر ہوگئی وہ سر زمیں

(نظیر لدھیانوی)

باطل نے دیکھی بدر میں قوت حضور ﷺ کی
بھاری تھی دشمنوں پہ شجاعت حضور ﷺ کی

(محشر رسول نگری)

قائم ہے مسلماں میں اگر روحِ محمد ﷺ
پٹ جائیں گی ہر دور کے بوجہل کی افواج

(علیم ناصری)

بدر و خندق کے سپہ سالار پر لاکھوں درود
غازیوں کو، شہسواروں، جانثاروں کو سلام

(غلام رسول عدیم)

اہلِ مکہ، صلحِ حدیبیہ کی شرائط نبھا نہ سکے اور ان کی خلاف ورزیاں شروع کر دیں۔ وہ اس تنسیخِ عہد پر پچھتائے بھی اور ابو سفیان کو تجدیدِ عہد کے لیے مدینے بھیجا۔ مگر اب وقت اور سبق دونوں بیکار ہو گئے تھے اور سبق سکھانے کا وقت آ گیا تھا۔ چنانچہ حضور ﷺ رمضان ۸ ھ میں دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ مکہ روانہ ہوئے۔ راستے میں دیگر مسلمان قبائل بھی ساتھ ملتے گئے۔

اسلامی افواج کا یہ سیلِ بے پناہ موجیں مارتا ہوا مکے میں داخل ہوا۔

کفار مبہوت وساکت رہ گئے اور مسلمان اس وادی میں فاتحانہ سطوت کے ساتھ داخل ہوئے جہاں سے کسمپرسی کے عالم میں نکالے گئے تھے۔ چند احمقوں نے مزاحمت بھی کی مگر یہ مزاحمت اس سیلاب کے سامنے خس وخاشاک سے زیادہ اہم نہ تھی۔ حضور ﷺ نے اپنا دروازہ بند کرنے والے اور حرم میں یا ابوسفیان کے گھر میں پناہ لینے والے کو امان دے دی۔ پھر حضور ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ دروازے کے سامنے والی دیوار کے قریب نماز ادا فرمائی اور بیت اللہ کے گرد گھومے اور ہر گوشے پر تکبیر کی آواز بلند فرمائی۔ عثمان بن طلحہ سے کلیدِ کعبہ لی گئی، اسے کھول کر بتوں سے پاک کیا گیا اور یہیں حضور ﷺ کے اخلاقِ عظیمہ (جو اخلاق حسنہ اور اخلاق کریمہ کی ایک عظیم تر شکل ہے) نے یہ کلید اسی عثمان بن طلحہ کو قیامت تک کی ضمانت کے ساتھ لوٹا دی جس نے ماضی میں ایک دفعہ حضور ﷺ کو کلید کعبہ دینے سے انکار کیا تھا کہ حضور ﷺ وہاں نماز ادا فرمانا چاہتے تھے۔ اس انکار پر زبانِ رسالت ﷺ سے یہ لافانی جملے ادا ہوئے تھے کہ ''اے عثمان! ایک دن ایسا ہوگا کہ یہ کنجی میرے اختیار میں ہوگی اور ہم اپنے اختیار سے جس ہاتھ میں چاہیں گے رکھیں گے۔''

بعد میں حضور ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں ایامِ جاہلیت کے تفاخر اور رسوم کو حقارت کے پاؤں کی ٹھوکر سے اڑا دیا۔ پھر قریش سے پوچھا۔ ''میں تمھارے ساتھ اب کیسا سلوک کروں گا۔'' سب نے کہا کہ آپ ﷺ خود کریم ہیں اور کریم کی اولاد ہیں، اس لیے آپ سے ہمیں خیر ہی خیر کی امید ہے۔'' حضور ﷺ نے فرمایا ''لاتثریب علیکم الیوم'' آج تم پر کوئی سرزنش نہیں جاؤ تم لوگ چھوڑ دیئے گئے ہو اور یہ وہی الفاظ تھے جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے فرمائے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن حضور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن سے حرمت بخشی ہے جس دن اس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ حرمت اس کے ساتھ قیامت تک وابستہ ہے۔''

اردو نعت بھی فتحِ مبین کے اس تذکرے سے خالی نہیں ہے اور یہ تذکرے اس امر کا ثبوت ہیں کہ ہماری نعت محض شخصی توصیف نہیں ہے بلکہ ہر مقام پر تاریخی صداقتوں کی انگلی تھام کر چلتی ہے۔ ؎

سلام اس پر کہ دشمن کو حیاتِ جاوداں دے دی
سلام اس پر ابو سفیان کو جس نے اماں دے دی

(ماہرالقادری)

دشمنِ جاں ہی کا گھر ٹھہرا دیا دار الاماں
آپ ﷺ کا معیارِ عفو و درگزر کچھ اور تھا

(رازکاشمیری)

فاتح مکہ، مگر پیغامبر ہے امن کا
درگزر کے ساتھ لا تثریب فرماتا ہوا آیا
ابرِ رحمت بن کے برسا رفعتِ کونین پر
بحر و بر کی وسعتوں میں نور پھیلاتا ہوا آیا

(عبدالکریم ثمر)

صورتِ فاتح، غالب ہوکر داخلِ مکہ جب ہوئے سرورﷺ
ناقے پر آئے سر کو جھکائے، حمد لبوں پر، ماشاء اللہ

☆

مرے حضورﷺ کی رحمت ہے بے کراں تائبؔ
مرے حضورﷺ کا اعلانِ عام لا تثریب

☆

گھر ابو سفیان کا ٹھہرا حصارِ عافیت
چرخ حیراں تھا کمالِ عفو و رحمت دیکھ کر

(حفیظ تائب)

ترا خلقِ عظیم لا تثریب
ترا عزمِ صمیم لا تحزن

(اثر صہبائی)

فتح مکہ سے سبق مجھ کو یہی ملتا ہے
امن کے شہر بساتا ہے ہر اک وار ان کا

(عظمت اللہ)

کرتا ہو خوں کے پیاسوں کی جو ہر خطا معاف
دیکھا ہے کیا فلک نے بشر اس سرشت کا

(سید شریف احمد)

وہ بروز فتحِ مکہ، سر خم بہ پشتِ ناقہ
کوئی کبر، نے تفاخر، کوئی طبل، نے دمامہ

(نعیم صدیقی)

دیا اشرارِ مکہ کو بھی لا تثریب کا مژدہ
دعائیں دشمنوں کو جس نے دیں، ایسا حلیم آیا

(آغا صادق)

جب سارے عرب میں اسلام پھیل چکا، بھٹکی ہوئی انسانیت اصل مرکز کی طرف لوٹ آئی، دینِ اسلام کے اصول و فروع کی تکمیل ہوچکی، حکومتِ الٰہیہ کا قیام عمل میں آچکا اور اسلام کی اشاعت کے لیے ایک جانفروش جماعت وجود میں آچکی تو سورۂ نصر نازل ہوئی جس سے امورِ رسالت کی تکمیل کا احساس ہوا۔ چنانچہ حضورﷺ ۲۶ ذیقعدہ ۱۰ھ کو مدینہ سے حج کے لیے روانہ ہوئے۔ ذوالحلیفہ میں احرام باندھا۔ پھر ''سرف'' سے گزرتے ہوئے ذی طویٰ پہنچے۔ یہاں آپﷺ نے ایک شب گزاری۔ ذی طویٰ مکے کے شمال مشرق میں الزاہر کی ایک گھاٹی ہے۔ یہاں سے روانہ ہوکر آپﷺ مکہ مکرمہ کے بلند حصہ

محلاۃ کی طرف سے شہر میں تشریف لائے۔ آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کا ایک متلاطم دریا تھا اور آنحضرت ﷺ کی آوازِ لبیک پر مسلمانوں کی صدائے بازگشت سے دشت وجبل گونج رہے تھے۔ ۹ ذوالحجہ کو آپ عرفات تشریف لے گئے۔ عرفات کا وسیع میدان مکہ مکرمہ سے ۹ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ میدان تین طرف سے پہاڑیوں میں گھرا ہوا ہے۔ شمالی جانب جبل الرحمۃ ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ یہاں ملے تھے۔ اسی لیے اس کا نام عرفہ پڑا۔

عرفات میں آپ ﷺ نے ناقہ پر سوار ہو کر وہ مشہور خطبہ ارشاد فرمایا جو خطبۃ الوداع کے نام سے معروف ہے۔ یہ خطبہ تعلیماتِ اسلامی کا افشردہ وعصارہ ہے۔ اس میں آپ ﷺ نے جاہلیت کے تمام دستور اپنے پاؤں تلے روندتے ہوئے، مساواتِ حقیقی کو قائم کرتے ہوئے اخوتِ اسلامی کو مقصودِ فطرت بناتے ہوئے، سود کو باطل قرار دیتے ہوئے، کمزوروں کے لیے شفقت کے جذبات ابھارتے ہوئے اور خونِ مسلم کے تقدس پر تصدیق کی مہر لگاتے ہوئے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر تین بار فرمایا۔

''اے خدا تو گواہ رہنا'' کیونکہ اس سے قبل سب حاضرین نے گواہی دے دی تھی کہ ان سب تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچ چکا ہے اور حقِ رسالت بھی ادا ہو چکا ہے۔ عین اس وقت الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ کی آیت نازل ہوئی جو سورۂ مائدہ میں شامل ہے۔ حضور ﷺ کے اس آخری خطبے کا ایک ایک لفظ اپنے اندر فکر ونظر اور بصیرت وبصارت کی ایک ایسی روشنی لیے ہوئے ہے جو ہر دور کی بھٹکی ہوئی انسانیت کے لیے جادۂ نور بھی ہے اور مشعلِ راہ بھی۔ اردو نعت میں اس آخری حج اور آخری خطبے کا بھی خال خال ذکر موجود ہے۔

کی جو سرکار ﷺ پہ اللہ نے دین کی تکمیل
رک گیا سلسلۂ وحی و نزولِ جبریل

(حافظ مظہر الدین)

سرورِ کونین ﷺ کو پیغمبری کر کے عطا
خود ہی قدرت دین کی تکمیل فرمانے لگی

(عبدالکریم ثمر)

بھلا کسے تھی تمیز حقوقِ انسانی
یہ مصطفےٰ ﷺ ہی کے اعلانِ آخریں سے ملی

(اسد ملتانی)

ختم دورِ رسالت ہوا آپ ﷺ پر، دیں کی تکمیل کا تاج ہے زیبِ سر
ناز کرتی ہے انسانیت آپ ﷺ پر، کیا ہی رتبہ ہے میرِ اُمم آپ ﷺ کا

(حفیظ احسن)

انسانیت کے واسطے ہے مژدۂ نجات
وہ حج الوداع کا اعلانِ مصطفےٰ ﷺ

(رشید الزماں خلش)

اب کوئی الجھن نہ ہوگی، دینِ اکمل کی قسم

زندگی کی الجھنیں سلجھا گیا بطحا کا چاند

(ہوش اکبرآبادی)

نبی ﷺ کے دینِ مکمل سے ہٹ کے دیکھیں تو
ہر اک نظامِ جہاں ہے سراب کی صورت

(محمد اکرم رضا)

گونجی تھی جو تاکیدِ نبی ﷺ، آخری حج میں
انسانی مساوات کی بنیاد وہی ہے

(غالب عرفان)

اقصیٰ کی امامت ہو کہ تکمیلِ نبوت
ہر شان ازل سے مرے آقا کے لیے ہے

(حفیظ تائب)

حرفِ اتممت علیکم ہے گواہ
حسنِ تکمیل ہے بعثت ان کی

(احمد ندیم قاسمی)

اشعار کا مندرجہ بالا انتخاب خود بولتا ہے کہ آج کی نعت، تاریخی صداقتوں کی عکاسی کرتے ہوئے خود ایک تاریخی صداقت بن گئی ہے۔ نعت عام توصیفی شاعری سے الگ ایک ایسی پاکیزہ صنفِ سخن ہے جسے تملّق اور مبالغے سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ یہاں تو بات سانس روک کر کی جاتی ہے اور لفظ پلکوں سے چنے جاتے ہیں۔ نعت گو حضرات کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے سچائی کے اس آبگینے کو ٹھیس تو بہت دور کی بات ہے، معمولی خراش تک سے بھی محفوظ رکھا ہے۔ آج کی نعت، کائنات کے سب سے بڑے سچے انسان کی سچی داستان ہے۔ آج کی نعت اس عظیم الشان انسان کے پاکیزہ روز و شب کی ایک غنائی اور نغماتی شکل ہے جس کے روئے منور سے چاند شرماتا اور خورشید کترا تا تھا۔ جس کے تبسم سے غنچے پھول بن کر مسکراتے اور جس کے خرامِ ناز سے صبا ٹہلنا سیکھتی تھی۔ جس کی حیا سے آج بھی دنیا پارسائی کا سبق لیتی اور جس کی نگہِ کرم ،موجوداتِ عالم کے لیے آج بھی وجہِ نمو ہے ___ اور وہ خود وجہِ نمودِ کائنات کہ بڑھا تو تمدن کے راستے سنورتے چلے گئے۔ جب رکا تو تہذیب کے چہرے کو رنگ و رعنائی ملی۔ جب مائلِ پرواز ہوا تو گردِ سفر کے نور سے کہکشاں نکھر گئی جب جھکا تو انکسار بلند ہوا اور جب سر بہ سجود ہوا تو افلاک سے نالوں کا جواب آتا چلا گیا۔

دورِ حاضر کی نعت انھی صدہا صداقتوں کی ترجمان اور انھی بے خزاں، خزانوں کی امین ہے۔

(۱۹۹۲ء)

☆

نعتیہ تبرکات (اُردو)

ماہنامہ ''صوفی'' کے آئینے میں

(ابتدائیہ)

گزشتہ دنوں پنڈی بہاؤالدین (ضلع گجرات) سے شائع ہونے والے ایک قدیم دینی رسالے ''صوفی'' کے کچھ شمارے میری نظر سے گزرے۔ یہ شمارے ۱۹۱۰ء سے لے کر ۱۹۴۶ء کو محیط ہیں اور تعداد میں کم و بیش ۲۰۰ ہیں۔ زیرِ نظر اوراق میں آپ اس نعتیہ ادب کے انتخاب سے محظوظ ہوں گے جو ان اڑتیس برسوں میں، اس ایک رسالے میں اشاعت پذیر ہوا اور یوں بفضلہٖ ایک دور اور ایک رسالے سے متعلق وہ نعتیہ انتخاب یکجا ہو گیا جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے نادر اور حیثیت کے اعتبار سے وقیع ہے۔

''صوفی'' کے مدیر ملک محمد الدین آوان تھے۔ جن کے نام کے ساتھ ''چشتی نظامی حیدری، زمیندار اور منصب دارِ سرکارِ آصفیہ حیدر آباد دکن'' لکھا ہوتا تھا۔ وہ خود صاحبِ ذوق ادیب بھی تھے اور ان کی طبعی موزونیت گاہے گاہے شعری آویزے بھی ڈھال لیتی تھی۔ یہ رسالہ حضرت سید حیدر شاہ جلالپوری کی یاد میں جاری کیا گیا تھا۔ کچھ شمارے مدیرِ صوفی کے صاحبزادے ملک محمد اکرم خاں اور ملک محمد اسلم خاں کی ادارت میں شائع ہوئے۔ ملک محمد اسلم خاں چونکہ اس دور میں ''ولایت پلٹ'' تھے اور انگریزی ادب کے اعلیٰ ذوق سے متصف تھے۔ اس لیے انھوں نے صوفی کی دینی روش کو ''نئی روشنی'' دینے کی سعی کی۔ چنانچہ اس اردو کے بعض شماروں میں انگریزی ڈراموں، افسانوں اور انشائیوں کے اردو تراجم بھی ملتے ہیں، نظموں کے آزاد ترجمے بھی اور جدید رنگ کی اردو غزلیں بھی، یہاں تک کہ ان کی ادارت میں شائع ہونے والا رسول ﷺ نمبر اگست، ستمبر ۱۹۲۸ء بھی اپنی ریت اور روایت قائم نہ رکھ سکا اور اس پر بھی افسانوی اور ادبی رنگ غالب آ گیا۔ اس پر قارئین بجا طور پر برہم ہوئے۔ چنانچہ ملک محمد الدین کو بسترِ علالت سے اٹھ کر اور اپنے بڑھاپے کے اضمحلال کو سنبھال کر، ایک بار پھر ''صوفی'' کو پرانی ڈگر پر لانا پڑا۔ اس مختصر وقفے کے سوا ''صوفی'' نے طویل عرصے تک ایک ہموار تسلسل کے ساتھ اپنے دینی رنگ اور ادبی آہنگ کو قائم رکھا۔ ویسے تو ''صوفی'' کا ہر شمارہ حضور ﷺ کی محبت اور صالحینِ امت کی تعظیم و تکریم کا علم بردار ہوتا تھا۔ مگر اس نے خصوصی رسول ﷺ نمبر بھی شائع کیے جو مدحت و سیرت کے معیاری شہ پاروں سے مزین تھے۔

''صوفی'' گو ایک قدیم دینی رسالہ ہے مگر ادبی اور شعری اعتبار سے اس قدر بلند پایہ ہے کہ دورِ حاضر کے جدید جریدوں کے لیے بھی وجہِ رشک ہے۔ مدیر کا حسنِ ذوق، قلم قلم، لَو دے رہا ہے۔ بعض قلمکار غیر معروف اور گمنام ہیں۔ مگر ان کی تحریریں پختہ، معیاری اور قابلِ قدر ہیں اور اس قابل ہیں کہ انھیں تحفظ دیا جائے۔ ان شماروں میں جا بجا معروف شعرا

اورادبا کی تحریریں بھی نظر آتی ہیں۔ان سے پتا چلتا ہے کہ کتابی شکل میں مدّون ہونے سے پہلے یہ کہاں چھپی تھیں اوران کی ابتدائی شکل کیا تھی اور ترمیم وتصحیح کے بعد نقشِ ثانی کیا رنگ اختیار کر گیا۔انھی ادبا کی بعض نایاب تحریریں بھی ہیں جوان کی تصانیف میں موجودنہیں اور تبرکات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ان شماروں میں علامہ اقبالؔ کی بہت سے نظمیں بھی ہیں جو کہیں بعد میں شائع ہونے والی کلّیاتِ اقبال (۲۸ جون ۱۹۲۴ء) میں شامل ہوئیں۔مولانا ابوالکلام آزادؔ کا مضمون ''سرمد شہید'' اگست ۱۹۱۰ء کے شمارے میں خواجہ حسن نظامی کے خوبصورت تعارف کے ساتھ موجود ہے۔اپریل ۱۹۲۱ء کے شمارے میں اکبرالہٰ آبادی کے اشعار،ان کی اس تحریر کے ساتھ شائع ہوئے ہیں۔

''مکرمی! بہ تعمیلِ ارشاد چند شعر پیش کرتا ہوں،علیل ہوں،لکھنا بار ہے۔لیکن برادرِطریقت کا حکم کس طرح نہ مانوں۔''

علامہ اقبال اور سر عبدالقادر کے نایاب نثری مضمون اور خطبات بھی اس رسالے کے گرد آلود اور خستہ اوراق کی زینت ہیں۔اسلامیہ کالج لاہور کے سالِ اول کے طالب علم غلام رسول مہرؔ بھی اپنی فکری سلامتی اور پیرزادہ احمد شاہؔ ندیم علوی قاسمی بھی اپنی ادبی اٹھان کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں۔اکتوبر ۱۹۲۱ء کے شمارے میں محمد علی جوہرؔ کی وہ غزل ہے جس کا یہ شعر ضرب المثل بن چکا ہے۔ ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

نیازؔ فتح پوری کا نعتیہ کلام بھی نظر آتا ہے اور خالص اسلامی مضامین بھی اور نیازؔ ہی کی طرح بعض ایسے ایسے ادیب بھی کہ تب وہ نعت نگار تھے مگر بعد میں ان کے قلم کا قبلہ،قائم نہ رہا اور وہ غیر مسلم شاعر بھی کہ نعتیہ شعر کہنا،جن کا عمر بھر شعار رہا۔اب ''صوفی'' کے قلمی معاونین کے نظامِ شمسی پر ایک نظر ڈالیے تو اس کی ادبی وقعت خود بخود واضح ہو جائے گی۔

''تلوک چند محرومؔ،خواجہ حسن نظامی،محمد الدین فوقؔ،خواجہ دلؔ محمد،غلام رسول مہرؔ،وحید الدین سلیمؔ،مرزا فرحت اللہ بیگ،شادؔ عظیم آبادی،تمنّا عمادی،شفقؔ عماد پوری،سلیمانؔ ندوی،غلام بھیک نیرنگؔ،منظور حسن منظورؔ،حسرت موہانیؔ،اسلمؔ جیراجپوری،نوحؔ ناروی،نظیرؔ لدھیانوی،ملک حسن علی جامعی،مولانا احمد علی لاہوری،شوقؔ قدوائی،اصغر علی روحیؔ،مولانا نجم الدین،محمد الدین ثاقبؔ،سیمابؔ اکبرآبادی،حفیظؔ جالندھری،اخترؔ شیرانی،جوشؔ ملیح آبادی،نصر اللہ خاں عزیزؔ،میر ولی اللہ،خواجہ عبدالحی فاروقی،مولانا عبدالسلام ندوی،مولانا اعزاز علی،مولانا ظفرؔ علی خاں،ماہرؔ القادری،عابد علی عابدؔ،نذیر نیازی،جلال الدین اکبرؔ،محمد بخش مسلمؔ،ماہرؔ القادری،محمد دین تاثیرؔ،مجنوںؔ گورکھپوری اور امینؔ حزیں۔'' ان اسمائے گرامی قدر کے بعد ''صوفی'' کے ادبی معیار کے بارے میں کچھ اور لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ

دستِ فطرت نے انھیں بخشا تھا ہر سامانِ ناز
آنکھ کا نم، روح کی بیتابیاں ، دل کا گداز
ذہن کی تحریک، جذبے کی لپک، مقصد کی ضو
آرزو کی آنچ، ارادے کی تپش، جرأت کی لو
ہم جمودِ مستقل، وہ برق تھے، سیماب تھے
وہ ہماری راکھ میں اک شعلۂ نایاب تھے

''صوفی'' میں شائع ہونے والی نعتوں کا انداز گو قدیم ہے مگر وہ آج کے شعرا کے لیے ایک معتبر اساس کا کام دے سکتا ہے اور بجا طور پر ان کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ اکثر نعتیں نظم کی ہیئت میں ہیں۔ کیونکہ وہ دور ہی نظم کا تھا، جبکہ آج غزل کا دور ہے اور غزل ہر فکری اور قلبی ترجمانی کو سہارا دے رہی ہے۔ نظم کے انداز میں کہی گئی نعتوں میں بعض شعری تجربے بھی ہیں۔ جو آج کے ''ہائیکو پسند'' شعرا کے لیے قابلِ توجہ ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب ادبی دنیا میں نعت بطور صنفِ سخن، مسلّم، مقبول اور اہم نہ تھی۔ نعت کے موجودہ دور کو ان قدیم دینی رسالوں کا ممنونِ احسان رہنا چاہیے کہ انھوں نے ناقدری کے دور اور نامساعد فضا میں نعت نگاری کی روایت کو سنبھالا دیا۔ حق یہ ہے کہ ''صوفی'' میں چھپنے والی نعتیں اپنے معیار کے اعتبار سے شعر و سخن کا افتخار ہیں۔ بعض طویل نعتیہ قصائد بھی ہیں، جن میں آمد کی شاعرانہ کیفیتیں، دل کی ارادتمندانہ دھڑکنیں، روح کی عاجزانہ لرزشیں، حاضری کی شدید آرزوئیں اور حضوری کی پر کیف دعائیں، نگاہوں کو نور اور دلوں کو سرور بخش رہی ہیں۔ متبرک مقامات و آثار کا شعری تذکرہ بھی ملتا ہے۔ وارداتِ قلب و نظر کی یہ سچی داستانیں اس قابل ہیں کہ انھیں محفوظ رکھا جائے۔ ان شعراء کو اللہ تعالیٰ نے شعر و سخن کی بہترین خوبیوں سے نوازا تھا اور یہ بھی اسی کا فضل ہے کہ انھوں نے ان صلاحیتوں کو خیالی محبوب کے عارض و رخسار کی توصیف میں صرف نہیں کیا۔ وہ بے کار اور بے نام وادیوں میں بھٹکے بھی نہیں۔ انھوں نے دروغ کو فروغ کا رنگ بھی نہیں دیا اور مبالغہ آفرینی سے ذروں کو کہسار بھی نہیں بنایا۔ بلکہ اس آفتابِ عالمتاب ﷺ کی مدح و ستائش کا حق ادا کرنے کی، اپنی سی، کوشش کی جس نے اپنے کردار و عمل کے حسن، فکر و نظر کے تقدس اور قلب و زبان کی رفاقت سے تاریخِ انسانی کو نئی جہتیں اور نئے جہان عطا کیے۔ ؎

لوگ کہتے ہیں انھیں تاریخِ انسانی کے موڑ
راستے جب جھوم اٹھتے ہیں تری رفتار سے

جناب ڈاکٹر سید عبداللہؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''خدا اور خدائی دونوں کے نزدیک قلم کی عظمت مسلم ہے۔ قلم کی عظمت اس کے قد و قامت میں نہیں، اس کی عظمت اس کے کردار میں ہے۔ قلم کی بڑائی کا راز یہ ہے کہ وہ بے غرض ہے اور سچ بولتا ہے۔ درد کا ترجمان ہے، بے تکلف ہے، اس لیے بناوٹ سے دور رہتا ہے۔ حسن کا مصور ہے، محبت کا قاصد اور شفقت کا پیغامبر ہے۔ دکھ کے لیے مرہم اور غم کے لیے نوشدارو مہیا کرتا ہے۔ مظلوموں کا رفیق اور آبلہ پاؤں کا ہم سفر ہے۔ شب کی تنہائی میں شمع بن کر نور بکھیرتا ہے اور ہنگاموں کی گرمی میں سایہ بن کر، راحت کا ضامن بنتا ہے۔ قلم کی عظمت اس میں ہے کہ اس کی قلمرو میں طمع اور خوف، غرض مندی اور فتنہ و فساد، تصنع اور جھوٹ کا گزر نہیں۔ یہ اوروں کے لیے جیتا ہے اور اس کی زندگی دوسروں کے لیے ہے۔ یہ خدا کا نور، رحمتِ عام کا سایہ اور عدل و خیر کا سرمایہ ہے۔''

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ایک نعت نگار کی ادبی رفعتیں بالاتر دکھائی دیتی ہیں کہ وہ اپنی ذات کی تلخیوں کے ساتھ ساتھ کائنات کے المیوں کی بھی ترجمانی کرتا ہے۔ اس کی ہر سوچ، سچی اور اس کا ہر احساس کھرا ہوتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ سچ کا دامن چھوڑنے سے خود اس کا اپنا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ مبالغہ آفرینی سے خود اس کے اپنے ممدوح ﷺ کو تکلیف پہنچتی ہے اور اس کی حق بیانی سے خود اس کا خدا خوش ہوتا ہے۔ اِسے نقادِ سخن اور مورّخِ ادب کے ذہنی

افلاس سے تعبیر کیا جائے گا کہ اس کے ہاں اسلام سے متصادم افکار کے علم برداروں کے ''شعری ناقوس'' تو عظمت و وقعت حاصل کر رہے ہیں مگر اسلام اور بانیٔ اسلام ﷺ کے ترجمانوں کو درخور اعتنا نہیں سمجھا جا رہا اور آج بھی کہا جا رہا ہے کہ نعت نگاروں میں کوئی ''بڑا شاعر'' ابھی تک پیدا نہیں ہوا۔ جب کہ نعت نگاروں کی اکثریت ادبی خوبیوں سے متصف اور شعری صلاحیتوں سے بہرہ ور ہے۔ نعت نگار ذات اور کائنات کے غم صرف پیش ہی نہیں کرتے بلکہ ان کا کافی اور شافی علاج بھی بتاتے ہیں۔ ایک نعت نگار کے دل کی ہر دھڑکن بھی سچی ہے، اس کی پلکوں پر لرزنے والا ہر آنسو بھی موتی ہے اور اس کے قلم کی نوک پر لَو دینے والا ہر حرف بھی حق ہے۔ اگر میرؔ، دل اور دلّی کی ترجمانی سے ''خدائے سخن'' بن سکتا ہے، اگر غالبؔ اپنی فلسفیانہ شاعری کی بنا پر ذہنِ انسانی کا عکاس اور اپنے مکاتیب کی بنیاد پر اپنے عہد کا مؤرّخ قرار دیا جا سکتا ہے تو خدا و رسول ﷺ اور دیارِ رسول ﷺ کے مداحوں کو شعر و ادب کا وقار کیوں نہیں سمجھا جا رہا؟

ماہنامہ ''صوفی'' میں شائع ہونے والی نعتوں میں تضمینیں بھی ہیں اور مکالماتی انداز بھی۔ فارسی کی حلاوت بھی نمایاں ہے اور عربی کی بلاغت بھی جلوہ گر، بعض طویل، فکر انگیز اور مرصع منظومات دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اس دور میں آج کے نعت گو شعرا کے لیے نئے موضوعات بھی ہیں اور نئے خیالات بھی۔ یہ نعتیں حضور ﷺ کے جمال و کمال کا نغماتی اظہار بھی ہیں اور غمِ دوراں کی عکس بردار بھی۔ حق یہ ہے کہ وہ حضور ﷺ ہی کی بارگاہِ ناز ہے جہاں سے دل کی ہر تڑپ، وقت کی ہر سنگینی اور زمانے کی ہر گردش کو سکون و طمانیت کی لازوال دولت عطا ہوتی ہے۔ سچ یہ ہے کہ یہی وہ سایۂ دیوار ہے جو ہر دور کے ہر آبلہ پا کے لیے خنک سایہ فراہم کرتا ہے۔ ؎

خود وقت کو ملتا ہے سکوں ان ﷺ کی گلی میں
سنتے ہیں وہاں گردشِ ایام نہیں ہے

زیرِ نظر اوراق میں ''ایک رسالے اور ایک دور'' کا نعتیہ انتخاب پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اس نوع کی کاوشیں ضروری ہیں تا کہ نایاب رسائل میں شائع ہونے والا وہ نثری اور شعری ادب محفوظ ہو سکے جو وقت کے گرد و غبار میں دبا ہوا ہے، بہت سے ایسے نام زندہ ہو جائیں گے جنھیں زندہ رہنا چاہیے تھا اور بہت سے ایسے قلم کاروں کی ایسی ابتدائی تحریروں کو بھی تحفظ ملے گا، جن میں ابھرنے اور نکھرنے کی صلاحیت واضح طور پر محسوس ہوتی ہے۔ ادبی عظمتوں کے یہ اولین نقوش نقد و نظر کی دنیا میں اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور یقین کیجیے کہ اس نوع کے نعتیہ شہ پاروں کی جستجو اپنے اندر چاہت کا ایک ایسا کیف لیے ہوئے ہے جسے اظہار و بیان کا کوئی سا پیرایہ بھی لفظی پیرہن عطا نہیں کر سکتا

سینے میں وہ کچھ اور ہے، لفظوں میں ہے کچھ اور
غم کے کئی انداز بیاں میں نہیں ملتے

☆

انتخاب

تحمید

منظور حسن منظورؔ (عزیز منزل گوجرانوالا)

فروزاں شعلۂ الفت سے کر دی شمعِ جاں تُو نے
چھپا دی جانِ فانی میں حیاتِ جاوداں تُو نے
چھڑک کر پھول پر افشانِ شبنم اپنے ہاتھوں سے
طیورِ بوستاں کو کر دیا تسبیح خواں تُو نے
فرشتے سجدہ کرتے ہیں ادب سے آسمانوں پر
یہ رتبہ خاک کو بخشا خدائے دو جہاں تُو نے
ہوئی ہر رنگ میں ناز آفرینی جلوہ گر تیری
دکھائے اپنی صنعت کے ہمیں کیا کیا نشاں تُو نے
نہ تیری کُنہ تک لیکن قیاسِ نارسا پہنچا
اگرچہ ذرے ذرے میں دِیا اپنا نشاں تُو نے
تری رحمت نے بڑھ کر بات رکھ لی اپنے شیدا کی
بنایا آگ کے شعلوں کو دم میں گلستاں تُو نے
کسی ﷺ کے حسن کی منظور یکتائی ہوئی جس دم
قمر کو کر دیا ٹکڑے فلک پر بے گماں تُو نے
ترے غفراں کے بادل نے مرے داغِ گنہ دھوئے
مری لغزش کو دی آغوشِ رحمت میں اماں تُو نے
ہر اک مشکل میں تیری ہی نگاہِ ناز کام آئی
کیا منظورؔ کو یا رب! جہاں میں کامراں تُو نے

(یہ حمد یہ کلام کیپٹن منظور حسن کا ہے جن کے والدِ گرامی کا نام مولوی میاں عزیز دین تھا۔ جو خوش نویس بھی تھے اور فنِ تاریخ گوئی کے ماہر بھی۔ کیپٹن منظور حسن بھی ان دونوں خوبیوں سے متصف تھے۔ وہ بہترین شعری اور ادبی خصوصیات کے حامل بھی تھے اور گوجرانوالا میں تب ''عزیز منزل'' اُن کا مسکن تھی۔ کیپٹن منظور حسن کی تاریخ پیدائش ۱۸۹۷ء ہے اور یہ حمد جولائی ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی، تب ان کی عمر کم و بیش ۱۴ سال ہوگی)

حمدِ ربِ کریم جلّ شانہٗ

غلام رسول مہرؔ (متعلم فرسٹ ائیر کلاس، اسلامیہ کالج، لاہور)

اے چمن پیرائے باغِ دہر تیری ذات ہے
ذرہ ذرہ میں تری توحید کا اثبات ہے
زخمۂ کن سے کیا بیدار سازِ بُود کو
سعی کے پردے میں رکھا گوہرِ مقصود کو
جلوہ افروزی نہیں کچھ ختم تری طور پر
ہر شرارہ سنگ میں شاہد ہے تیرے نور پر
اے کہ ہر دل میں بھرا ہے شوق تیری دید کا
گا رہی ہے ہر زباں نغمہ تری توحید کا
مقتبس اک نور کے ذرے سے ہے مہرِ فلک
جس کی تابش سے چمک اٹھا ہے عالم یک بیک
سبحۂ شب زندہ دارِ آسماں ہے کہکشاں
چاند ہے اس کی جبیں پر تیرے سجدے کا نشاں
خلعتِ نوری سے خورشیدِ فلک ملبوس ہے
چرخِ واژوں شمعِ ہستی کے لیے فانوس ہے
اے محیطِ کُل تری شانیں ہیں خارج از گماں
بحرِ عظمت پر ترے اک بُلبلا ہے آسماں
فرسِ فرزینِ خرد اس جا پہ پا افتادہ ہے
شاہِ خاور عرصۂ شطرنج میں اک پیادہ ہے
مرغِ دانش پر شکستہ، چشمِ بینا دنگ ہے
مرکبِ فکرِ فلک پیما کا پاؤں لنگ ہے

(جولائی ۱۹۱۱ء)

(مولانا غلام رسول مہر ۱۴ اپریل ۱۸۹۵ء کو جالندھر میں پیدا ہوئے۔ ۱۶ نومبر ۱۹۷۱ء کو لاہور میں فوت ہوئے۔ وہ ایک تاریخی محقق اور قابلِ قدر ادیب تھے۔ شعری ذوق کے حامل تھے مگر بہ طور شاعر معروف نہ تھے۔ انھوں نے ۱۷ سال کی عمر میں یہ حمد لکھی، تب وہ سالِ اول کے طالب علم تھے۔ تصانیفِ۔ ابوالکلام کے خطوط۔ اسلامی حکومت کے بنیادی اصول، ابن ہشام، تاریخ تہذب، تاریخ لبنان، جزیہ اور اسلام، ذہن انسانی کا ارتقا، سیرت احمد شہید، سرودِ رفتہ، سرگزشتِ مجاہدین،

نوائے سروش، نقش آزاد)

مناجات

صمد یار خاں ساغرؔ (نظامی) علی گڑھ

جانبِ کعبہ اگر قسمت مجھے لے جائے گی
یوں کہوں گا میں غلافِ سنگِ اسود تھام کر
اے مرے اللہ! اے ساری خدائی کے خدا
کوئی تدبیرِ بقائے حرمتِ اسلام کر
رات دن کب تک یونہی چکر میں تقدیریں رہیں
اب تو کوئی انتظامِ گردشِ ایام کر
رہ نہ جائے ماند ہو کر روشنی اسلام کی
اس چراغِ صبح کو تو پھر چراغِ شام کر
مصلحت کہتی ہے اے مسلم ابھی خاموش رہ
ہمتیں کہتی ہیں پھر خنجر کو خون آشام کر
بحرِ غم کی کشمکش میں کشتیِ امید ہے
پار کر بیڑا تلافیٔ غم و آلام کر
ہو گئی برباد کھیتی سوکھ کر اسلام کی
اے کریم اے ربِّ اکرم! بارشِ اکرام کر
دو دعائیں ہیں، جسے چاہے اسے کر لے قبول
یا عروجِ اوّلیں دے یا بخیر انجام کر

(ساغر نظامی علی گڑھی، ۲۱ دسمبر ۱۹۰۵ء کو علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام احمد یار خان، وفات ۲۷ فروری ۱۹۸۴ء بہ مقام دہلی۔ یہ مناجات انھوں نے ۱۷ سال کی عمر میں لکھی۔ ان کی تصانیف کی تعداد ۹ ہے)

نعتیہ غزلیات

حسرتؔ موہانی

قابو میں نہیں ہے دلِ شیدائے مدینہ
کب دیکھیے، بر آئے تمنائے مدینہ
خوشبوئے رسالت سے ہے از بسکہ معطر
ہر ذرّۂ آبادی و صحرائے مدینہ
ہے بے خودیٔ عشقِ حقیقی کا شناسا

ہر دل کہ ہے مخمورِ تولّائے مدینہ
آتی ہے جو ہر شے سے یہاں انس کی خوشبو
دنیائے محبت ہے کہ دنیائے مدینہ
ڈر غلبۂ اعدا سے نہ حسرتؔ کہ ہے نزدیک
فرمائیں مدد سیّدِ والائے مدینہ ﷺ

(دسمبر ۱۹۱۶ء) (یہ نعت جب شائع ہوئی تب حسرتؔ کی عمر ۳۵ سال تھی)

جوشؔ ملیح آبادی

تیرے گدائے بے نوا تیرے حضور ﷺ آئے ہیں
آنکھوں میں رشکِ خستگی، دل میں غمِ سُبک سری
آج ہوائے جور سے ان کے سروں پہ خاک ہے
رکھی تھی جن کے فرق پر تو نے کلاہِ سروری
کون و مکاں کے بادشاہ، خاک بسر ہیں آج وہ
گرد تھا جن کے روبرو دبدبۂ سکندری
طرفِ کُلہ میں جن کے تھے لعل و گہر ٹکے ہوئے
حیف کہ ان سروں میں ہے دردِ شکستہ خاطری
مسلمِ خستہ حال را رخصتِ ترکتاز دہ
نعمتِ دار و گیر بخش، دولتِ سوز و ساز دہ

(مئی ۱۹۳۲ء) (جوشؔ ۳۴ سال کے تھے، جب یہ نعت رسالہ ''صوفی'' میں چھپی)

امجدؔ حیدر آبادی

کس چیز کی کمی ہے مولا ﷺ تری گلی میں
دنیا تری گلی میں، عقبیٰ تری گلی میں
دیوانگی پہ میری ہنستے ہیں عقل والے
تیری گلی کا رستہ پوچھا تری گلی میں
اک آفتابِ وحدت ہے جلوہ بخش کثرت
نکلی ہوئی ہیں گلیاں صدہا تری گلی میں
موت و حیات میری دونوں ترے لیے ہے
مرنا تری گلی میں، جینا تری گلی میں

امجدؔ کو آج تک ہم ادنیٰ سمجھ رہے تھے
لیکن مقام اس کا دیکھا تری گلی میں
(جولائی، اگست ۱۹۳۰ء)

(امجد حیدر آبادی کے والد ماجد کا نام صوفی سید رحیم علی تھا۔ وہ معروف رباعی گو شاعر تھے۔ امجد کا سن ولادت ۱۸۸۵ء اور وفات ۱۹۶۱ء ہے۔ ۱۹۲۶ء میں وہ حجِ بیت اللہ سے مشرف ہوئے، انھوں نے ''حجِ امجد'' کے نام سے سفر نامہ لکھا۔ یہ نعتیہ اشعار غالباً اُسی مبارک سفر کے دوران میں لکھے گئے اور ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئے، تب ان کی عمر ۴۵ سال تھی)

سیمابؔ اکبر آبادی (مدیر پیمانہ)

پیام لائی ہے بادِ صبا مدینے سے
کہ رحمتوں کی اٹھی ہے گھٹا مدینے سے
الٰہی! کوئی تو مل جائے چارہ گر ایسا
ہمارے درد کی لا دے دوا مدینے سے
فرشتے سینکڑوں آتے ہیں اور جاتے ہیں
بہت قریب ہے عرشِ خدا مدینے سے
نہ آئیں جا کے وہاں سے، یہی تمنا ہے
مدینے لا کے، نہ لائے خدا مدینے سے
ہم اس کو مرجعِ مقصودِ عشق کہتے ہیں
دلِ حزیں کہیں کھویا، ملا مدینے سے
(اگست ۱۹۱۹ء)

(یہ نعت سیمابؔ کے مجموعۂ نعت ''سازِ حجاز'' مطبوعہ جون ۱۹۸۲ء میں شامل ہے۔ ص ۹۹، ۱۰۰ مدیر نعت)

(یہ مضمون ماہنامہ ''نعت'' لاہور میں شائع ہوا تھا۔ مدیر نعت نے بعض مقامات پر تحقیقی نوٹ دیئے تھے اللہ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ سیماب اکبر آبادی کا نام عاشق حسین صدیقی ہے۔ والد گرامی کا نام محمد حسین صدیقی ولادت ۱۸۸۰ء۔ وفات ۳۰ جنوری ۱۹۵۱ء۔ مقامِ وفات کراچی، تلمذ داغ دہلوی کم وبیش ۲۰ کتابوں کے مصنف۔ رسالہ صوفی میں شائع ہونے والی پہلی نعت کے وقت ان کی عمر ۳۹ سال اور دوسری نعت کے وقت ۴۵ سال تھی)

سیمابؔ اکبر آبادی

اے کہ نہیں ترا مثیل محفلِ سوز و ساز میں
محو ہے تیرا عکس بھی آئینۂ مجاز میں
اے کہ ترے جمال نے سب کو جمیل کر دیا
اور بنا رہا حسیں دیدۂ امتیاز میں

اے کہ جہاں کی سلطنت تیری کنیز کمتریں
فقر ہوا ہے حکمراں جذبۂ سر فراز میں
اے کہ نوائے وحی میں ہے تیری صوتِ سرمدی
تو ہی تو پردہ دار ہے پردہ سرائے راز میں
تیرے کرم نے اس طرح جائزۂ گنہ لیا
حسن خطا سما گیا، چشمِ خطا نواز میں
شانِ کرم نما تری شانِ کریم بن گئی
فطرتِ باوفا تری خلقِ عظیم بن گئی

(دسمبر۱۹۲۵ء) (۳۸۔اشعار کی یہ نعت ''سازِ حجاز'' میں شامل نہیں ہے۔مدیرِ نعت)

مُرتضٰی احمد خاں (میکشؔ) ایڈیٹر ''احسان''

شہیدِ عشقِ رسالت مآب ﷺ ہو جاؤں
غبارِ دشت ہوں میں، آفتاب ہو جاؤں
ازل کے روز جو قدوسیوں نے بویا تھا
اسی شگوفۂ رز کی شراب ہو جاؤں
بہ عشقِ سیدِ لولاک ﷺ جو خدا نے لکھا
میں اس فسانۂ غم کی کتاب ہو جاؤں
بُرا تو ہوں مگر اکرامِ مصطفیٰ ﷺ کے طفیل
جہاں کی خوبیوں کا انتخاب ہو جاؤں
خدا کا بندہ ہوں میں، مرتضٰی ہے نام مرا
گدائے خاکِ درِ بُو ترابؓ ہو جاؤں

(ولادت۔۱۲مئی۱۹۰۴ء جالندھر۔وفات۔۲۸جولائی۱۹۵۹ء۔لاہور روزنامہ ''شہباز'' لاہور کے بھی مدیر رہے۔ ۶ کتابوں کے مصنف ہیں)

(دسمبر۱۹۳۴ء)

ضیاءؔ القادری بدایونی

اللہ غنی، لطفِ فراوانِ محمد ﷺ
کونین ہے منت کشِ احسانِ محمد ﷺ
حاصل مجھے پستی میں ہے معراجِ کمالات
ہوں خاک نشینِ درِ ایوانِ محمد ﷺ

ہیں عرش سے تا فرش عیاں طُور کے جلوے
روشن ہے چراغِ تہِ دامانِ محمد ﷺ
ہر جلوہ ہے اک منظرِ انوارِ حقیقت
آئینۂ حق ہے رُخِ تابانِ محمد ﷺ

(جون، جولائی ۱۹۳۴ء)

(یہ نعت شاعر کے پہلے مجموعۂ نعت ''آئینۂ انور'' میں ہے۔ صفحہ ۲۰۔ مدیرِ نعت)

شبِ لحد میں جو روشن ہو داغِ عشقِ نبی ﷺ
اندھیرے گھر کا اجالا یہ روسیاہ بنے
ہے تاج بخش نگاہِ گدا نواز تری
فقیر در پہ جو آئے تو بادشاہ بنے
خرامِ ناز کی تنویر اے تعالَ اللہ
حرم کے ذرے بھی قدرت کے مہر و ماہ بنے
دھرے ہوئے ترے نعلینِ پاک سر پہ غلام
ہجومِ حشر میں پھرتے ہیں کج کلاہ بنے
فقیرِ گوشہ نشیں ہے یہ نعت خواں، رضواں!
جناں میں سب سے الگ میری خانقاہ بنے

(دسمبر ۱۹۲۸ء)

(یہ نعت شاعر کے دو مجموعہ ہائے نعت ''خزینۂ بہشت'' اور ''آئینۂ انوار'' میں نہیں ہے۔ مدیرِ نعت)

ذکرِ خلشِ فرقت، ناشاد نہیں کرتے
لذت کشِ خاموشی، فریاد نہیں کرتے
سینہ ہی میں آ جاؤ، سینہ ہی مدینہ ہو
سرکار ﷺ مدینے میں گر یاد نہیں کرتے
عرش و حرم و کعبہ معمور ہیں سب تم سے
کیوں دل کو مرے آ کر آباد نہیں کرتے
لب تشنہ مرے ساقی ہوں میں ہی فقط باقی
مجھ کو ہی لبِ کوثر کیوں یاد نہیں کرتے
اکسیر سمجھ اس کو زاہد نہ جھٹک دامن
خاکِ درِ مے خانہ برباد نہیں کرتے
مرقد میں بھی آتے ہیں، محشر میں بھی ہوتے ہیں

کس وقت وہ مشکل میں امداد نہیں کرتے
دیتا ہے خدا لیکن وہ سب کو دلاتے ہیں
یہ کیا کہ طلب ان سے امداد نہیں کرتے
اللہ کے بعد ان کو کہتے ہیں بڑا سب سے
ہم بات کوئی دل سے ایجاد نہیں کرتے

(یہ نعت بھی ''خزینہ بہشت'' اور ''آئینۂ انوار'' میں نہیں ہے۔ مدیرِ نعت)

(نام مولوی محمد یعقوب۔ تاریخی نام محمد فضل الرحمٰن۔ والد گرامی کا نام یاد حسین۔ ولادت ۳ جون ۱۸۸۳ء بدایوں۔ وفات ۱۵ اگست ۱۹۷۰ء کراچی۔ تلمذ۔ اسیر بدایونی۔ خزینۂ بہشت اور آئینۂ نور کے علاوہ دیگر کتابوں کے نام۔ اکمل التواریخ (دو جلد)، جوار غوث الوریٰ، دیارِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (منظوم) رودادِ فغاں، شب حضوری۔ مرقعۂ شہادت، مجموعہ ہفت احمد، نغمۂ ربانی، نغمۂ ہائے مبارک)

مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی

لے کے پیغمبرِ اسلام ﷺ جو نامہ آیا
بر میں پہنے ہوئے قرآن کا جامہ آیا
جس نے اسلام کے پیچیدہ مطالب کھولے
سر پہ باندھے وہ فضیلت کا عمامہ آیا
چشم و مژگاں سے لکھے اس نے ہزاروں دفتر
جس کے مکتب میں دوات آئی، نہ خامہ آیا
خلوتِ قُدس سے لے کر وہ سرِ دوش عزیزؔ
سنبلِ غالیہ مُو، مُشک شمامہ آیا

(اپریل ۱۹۱۵ء)

(سات اشعار کی یہ نعت شاعر کے مجموعہ نعت و منقبت و مرثیہ ''صحیفہ ولا'' میں شامل ہے۔ ص ۳۲۶۔ البتہ وہاں مطلع کے دوسرے مصرعے میں ''بر میں'' کی بجائے ''کوئی'' کا لفظ ہے اور آخری شعر کا پہلا مصرع یوں شبِ ہجرت کی طرح دوش پہ بکھرائے ہوئے'' مدیرِ نعت) (والد گرامی کا نام۔ مرزا محمد علی (شاعر اور ادیب) ولادت ۱۴ مارچ ۱۸۸۳ء لکھنؤ، وفات ۳۰ جولائی ۱۹۳۵ء لکھنؤ، تلمذ صفی لکھنوی۔ تصانیف۔ ۱۴ کتابیں

اصغر حسین خاں نظیرؔ ''نیو سٹریٹ'' لودھیانوی

اے رسول اللہ اے شاہنشہِ گردوں سریر ﷺ
اے کہ تیرا نام ہے آرامِ جانِ روزگار

محفلِ ہستی میں زیب و زینتِ محفل ہے تو
تیرے دم سے ہے قیامِ عالمِ ناپائیدار
تیرے جلوے سے ہوا ہنگامہ زارِ زندگی
تھا وگرنہ پیکرِ آفاق اک مشتِ غبار
زندگی کو زندگی کے نام سے آئے حذر
خاکِ انساں میں نہ ہو گر تیری الفت کا شرار
جستجو ہے تیرے جلوے کی نگاہِ شوق کو
میری خاکستر کا ہر ذرہ ہے چشمِ انتظار
موت کی تلخی میں پاؤں زندگانی کا مزا
گر ترے کُوچے میں بعدِ مرگ ہو میرا مزار
انجمن میری نہ تھی ہنگامہ زارِ زندگی
تیری الفت سے ہوا ہوں رازدارِ زندگی

(جون۱۹۲۴ء)

(یہ نعت نظیر کے مجموعۂ نعت ''آفتابِ حرا'' میں نہیں ہے۔ مدیرِ نعت)

نمازِ محبت کا حق یوں ادا ہو
سرِ بندگی ہو، درِ مصطفیٰ ﷺ ہو
محمد ہو، محمود ہو، مصطفیٰ ﷺ ہو
فروغِ عرب ہو، چراغِ حرا ہو
وہ کیوں یاس و امید میں مبتلا ہو
ترے آستانے پہ جو آ گرا ہو
عبث ہے عبث ہے یہ دنیا کی چاہت
جو چاہو تو تاب و تبِ عشق چاہو

(نومبر۱۹۲۷ء)

(یہ نعت بھی ''آفتابِ حرا'' میں نہیں۔ مدیرِ نعت)

(نظیر لدھیانوی کی نعت شناسی، کے عنوان سے ایک مضمون اسی کتاب میں شامل ہے۔ اس کے آخر میں اُن کا مفصل سوانحی خاکہ دیا گیا ہے)

محمد عمر جنوںؔ (منگرولی) تلمیذ جلالؔ لکھنوی

مسلماں کا ایماں ولائے محمد ﷺ
زباں کی ہے زینت ثنائے محمد ﷺ
رضائے خدا چاہتے ہو اگر تم
تو راضی رہو با رضائے محمد ﷺ
زہے شان، ہو کر فرشتوں کے ہمراہ
خدا خود ہے محوِ ثنائے محمد ﷺ

(مئی ۱۹۳۱ء)

ہوئی تفسیر ذاتِ احمدی ﷺ اللہ اکبر کی
اسی نے سارے عالم میں مہم توحید کی سر کی
نہ کیوں جائے زمیں سے آسماں اور عرشِ اعظم تک
سراسر نور کی رفتار تھی جسمِ مطہّر کی
ترا ظلّ شفاعت سایہ گستر سر پہ جب ہوگا
رہے گی گرم بازاری نہ پھر خورشید محشر کی
جنوںؔ رکھو زباں کو تر درودِ مصطفی ﷺ سے تم
جو ہے امید تم کو جام ہائے حوضِ کوثر کی

(اکتوبر ۱۹۳۲ء)

عبدالخالق خلیقؔ دہلوی

طالب ہی کسی کے نہیں شیدائے محمد ﷺ
رکھتے ہیں فقط دل میں تمنائے محمد ﷺ
جچتے ہیں کہیں شمس و قمر ان کی نظر میں
جن آنکھوں نے دیکھا رخِ زیبائے محمد ﷺ
مل جائے تو میں چوم لوں، آنکھوں سے لگا لوں
یا رب! ہے کہاں نقشِ کفِ پائے محمد ﷺ

(نومبر ۱۹۲۷ء)

ماہرالقادری

اے کہ ترے کرم سے ہیں پست و بلند مستفید
اے کہ ترا وجود ہے وجہِ ظہورِ کائنات

گردشِ چرخ چنبری اس کا نہ کچھ بھی کر سکی
تو نے نگاہِ لطف سے بخش دیا جسے ثبات
اے کہ ترے ظہور نے دہر سے محو کر دیئے
کفر کے سب تکلفات، شرک کے سب توہمات
تیرے جلال کے حضور، سطوتِ روم سجدہ ریز
تیرے قدم پہ جبہ سا شان و شکوہِ سومنات
کب سے کرم کا منتظر، ماہرؔ نامراد ہے
اس کی طرف بھی یا نبی ﷺ گوشۂ چشمِ التفات

(جنوری ۱۹۳۸ء)

(یہ نعت ماہر کے مجموعۂ نعت ''ذکرِ جمیل'' میں شامل ہے۔ مدیرِ نعت)

(نام۔منظور حسین۔ولدیت۔محمد معشوق علی ظریف (شاعر، ادیب، صحافی)۔ولادت ۳۰ جولائی ۱۹۰۷ء، کیسر کلاں ضلع بلند شہر، وفات۔۱۲ فروری ۱۹۷۸ء، جدہ۔تصانیف کی تعداد ۱۷۔وہ ماہنامہ ''فاران'' کے مدیر تھے)

باسط بسوانی

یا الٰہی! کہیں پوری مری حسرت ہوجائے
تیرے محبوب ﷺ کے روضے کی زیارت ہو جائے
معرفت عشقِ محمد ﷺ کی اگر حاصل ہو جائے
دل مرا واقفِ اسرارِ حقیقت ہو جائے
ہم نشیں حال سناؤں گا غمِ احمد ﷺ کا
پہلے قابو میں ذرا میری طبیعت ہو جائے
خواب میں روضۂ اطہر نظر آ جائے مجھے
کاش، گھر بیٹھے مدینے کی زیارت ہو جائے

(نام۔سید باسط علی۔والد ماجد کا نام۔سید نیاز علی۔وہ بھی شاعر تھے۔مسکن بسواں ضلع سیتاپور۔یو۔پی، تلمذ۔جگر۔ولادت ۱۸۸۷ء۔وفات ۱۹۳۸ء۔تصانیف ۴ کتابیں)

عمر حیات محزوںؔ

کیوں کفر کریں سر کو جھکائیں نہ ادب سے
پاؤں میں ترے روضۂ فردوسِ بریں ہے

اے نورِ خدا، باعثِ اظہارِ دو عالم
جلوہ ہے ترا عرش پہ یا زیرِ زمیں ہے

(جنوری۱۹۲۹ء)

منظور احمد مائلؔ سہسوانی

مکینِ لامکاں محبوبِ رب العالمیں تم ہو
مہِ اوجِ فاوحیٰ، کنزِ مخفی کے امیں تم ہو
تمھی سے ہے بدایت اور نہایت آفرینش کی
ازل سے افتخارِ اوّلین و آخریں تم ہو
تصور غیر کا آئے نہ وقتِ نزع آنکھوں میں
میں جی جاؤں اگر پیشِ نگاہِ واپسیں تم ہو
سلام اللہ کا تم پر، کلام اللہ کا تم سے
امین و راز دار و مہبطِ روح الامیں تم ہو
شبِ اسریٰ یہی تھیں طالب و مطلوب کی باتیں
جہاں تم ہو وہیں ہم ہیں، جہاں ہم ہیں وہیں تم ہو

(ستمبر۱۹۲۳ء)

حکیم عبدالکریم ثمرؔ (اچھرہ لاہور)

بہارِ خامۂ قدرت کا نقشِ اولیں ﷺ آیا
وہ سلطانِ جہاں آیا شہِ عرشِ بریں ﷺ آیا
فضائے دو جہاں پر چھا گئی ہیں رحمتیں اس کی
ہے چرچا قدسیوں میں، رحمۃ للعالمیں ﷺ آیا
دلوں پر وجد طاری ہے سرورِ بوئے ایماں سے
چمن زارِ دو عالم کو پیامِ عنبریں آیا
حضورِ خواجۂ کون و مکاں ﷺ میں جب ثمرؔ پہنچا
ندا آئی کہ مداحِ شہِ دنیا و دیں ﷺ آیا

(جولائی۱۹۳۵ء)

طالبؔ باغپتی

میرے آقا، مرے سرکار، رسولِ عربی ﷺ
اے مرے ہادیٔ افکار، رسولِ عربی ﷺ

فخرِ خلّاقِ جہاں، عزِ رُسُل، شانِ رسل
پرتوِ جلوۂ انوار، رسولِ عربی ﷺ
یہ مروت، یہ کرم صلِّ علیٰ، صلِّ علیٰ
عفو تھی آپ کی تلوار رسولِ عربی ﷺ

(ستمبر۱۹۳۱ء)

(نام۔محمد لطافت علی خاں۔ولدیت۔محمد اعزاز علی خاں۔شاعر۔تلمذ۔ندرت میرٹھی۔ولادت۱۹۰۳ء۔باغپت ضلع میرٹھ۔یو۔پی۔وفات۔۲۶جولائی۱۹۸۴ء۔تصانیف۔شاخ نبات۔قندِ مکرر)

عبدالحمید منظرؔ باغپتی

وہ رحمت کے اک آسماں بن کے آئے
محمد ﷺ شہِ دو جہاں بن کے آئے
کلامِ الٰہی ہوا ان پہ نازل
خدا کی وہ گویا زباں بن کے آئے
شریعت میں کامل، طریقت میں اکمل
ہر اک بات میں نکتہ داں بن کے آئے
اٹھائے گئے سب حجابات ان سے
وہ معراج سے رازداں بن کے آئے

(جولائی،اگست۱۹۳۲ء)

سیدرازؔ چاندپوری

ہاں ہاں یہی تو وقت ہے راز و نیاز کا
اے دل سنا دے آج تو نغمہ حجاز کا
جلوہ نما ہے پیشِ نظر کون؟ کیا کہوں
سُرمہ ہے میری آنکھ میں خاکِ حجاز کا
محبوبیت کا تاج ترے زیبِ فرق ہے
محبوب اور کون ہے اس کارساز کا
ہے آرزو کہ رازؔ ہو قدموں میں آپ ﷺ کے
ٹوٹے یہ تار جب مری ہستی کے ساز کا

(جون۱۹۲۱ء)

(نام،محمد صادق۔ولدیت حافظ محمد جعفر۔شاعر،ادیب،افسانہ نگار،تلمذ،سیماب اکبرآبادی،ولادت۲۵مارچ۱۸۹۲ء۔چاند

پور ضلع بجنور۔ یو۔ پی۔ وفات ۲۵ اگست ۱۹۶۹ء، بہ عارضہ قلب۔ چاند پور۔ تصانیف ۶ کتابیں)

محمد عبدالرحیم کاتبؔ اورنگ آبادی

بیاں کیا مرتبہ ہو مصطفیٰ ﷺ کی شان و شوکت کا
خدا مشتاق تھا معراج کی شب جن کی صورت کا
فلک کو ناز ہو کیونکر نہ اپنی خوش نصیبی پر
کہ ہے وہ شامیانہ سرورِ عالم ﷺ کی تربت کا
دلِ صد چاک کو عشقِ نبی ﷺ نے فیض یہ بخشا
مرا ہر اک دہانِ زخم دروازہ ہے جنت کا

(مئی ۱۹۱۲ء)

منشی محمد مسیح، امینؔ (حزیں سیالکوٹی)

ہر برائی کا سدِّ باب آیا
رحمتِ حق کا انتخاب آیا
معجزہ ہے پیمبرِ اُمی ﷺ
لے کے قرآن سی کتاب آیا
جو گیا ان کے بابِ ہمت پر
کامراں آیا، کامیاب آیا
وہ بھی دن ہو کہ آپ یاد کریں
اور بندہ کہے، جناب آیا
نعتِ احمد ﷺ تھی، اس کے لکھنے میں
اے امینؔ لطف بے حساب آیا

(اکتوبر ۱۹۱۵ء)

دور میں ساغر ترا اے ساقیِ کوثر ﷺ رہے
تیری محفل اور لب پر تلخیٔ محشر رہے؟
مخزنِ اسرار یعنی بادۂ وحدت کا خُم
تیرے میخواروں کے دست و دوش کا زیور رہے
سایۂ رحمت ترا یا رحمۃ للمذنبیں ﷺ
سائباں امت کا ہے، امت کے ہی سر پر رہے

(اکتوبر ۱۹۲۰ء)

عبدالمجید صدیقی (میر پور سندھ)

خود خالقِ اکبر ہے ثنا خوانِ محمد ﷺ
جبریلِ امیںؑ خادم و دربانِ محمد ﷺ
فرمایا خدا نے کہ رفعنا لک ذکرک
یہ عظمت و تکریم ہے شایانِ محمد ﷺ
پر جلتے ہیں جبریلِ امیںؑ کے بھی وہاں پر
اے صلِّ علیٰ رفعتِ ایوانِ محمد ﷺ
ہو عرصۂ محشر میں ترے فضل سے یا رب
صدیقیؔ عاصی تہِ دامانِ محمد ﷺ

(مئی ۱۹۲۱ء)

(یہ نعت شاعر کے مجموعۂ نعت ''صدقِ مقال'' میں شامل ہے۔ص ۴۴، ۴۵ البتہ بعض اشعار میں تبدیلیاں ہیں۔ مدیرِ نعت)

ہے شانِ خدا جلوۂ دیدارِ محمد ﷺ
اللہ کی گفتار ہے گفتارِ محمد ﷺ
تھی مصر میں یوسف کی خریدار زلیخا
ہے عرش پہ اللہ طلبگارِ محمد ﷺ

(مئی ۱۹۱۸ء)

(یہاں شاعر کے نام کے ساتھ ''وٹنری گریجویٹ لاڑکانہ'' لکھا ہے۔ یہ نعت بھی تبدیلیوں کے ساتھ ''صدقِ مقال'' میں موجود ہے۔ مدیرِ نعت)

گُل کی رعنائی سے بڑھ کر تری رعنائی ہے
صنعتِ حق کا نمونہ تری زیبائی ہے
دستِ موسیٰؑ کو تمنا تری بیعت کی رہی
ہاتھ میں تیرے غلاموں کے، مسیحائی ہے
بُرجِ وحدت کا ہے تُو وہ مہِ کونین افروز
قُرصِ خورشید نے بھی جس سے ضیا پائی ہے
پیچ در پیچ سی تعلیم تھی پہلی، تُو نے
راہ اک سیدھی سی توحید کی بتلائی ہے
خستہ حالی میں بھی ہوں تیرے کرم سے بشّاش
''ناتوانی مری ہمرنگِ توانائی ہے''

(اکتوبر ۱۹۲۲ء)

(یہ نعت ''صدقِ مقال'' میں نہیں ہے۔ مدیرِ نعت)

پھیلی خبر جو آمدِ خیرُ الانام ﷺ کی
تھی شش جہت میں دھوم درود و سلام کی
الحق وہ ہے سپہرِ رسالت کا آفتاب
کونین میں ضیا ہے محمد ﷺ کے نام کی

(''صوفی'' میں یہ نعت ۲۰ شعروں کی ہے۔ ''صدقِ مقال'' میں اس کے ۹ اشعار شامل ہیں۔ بعض اشعار میں جزوی تبدیلیاں بھی ہیں۔ مدیرِ نعت)

ح۔ب

دنیا میں کیا ہے، دولتِ دنیا تمھی تو ہو
عقبیٰ میں اپنا مایۂ تنہا تمھی تو ہو
اس گلستاں کی زینتِ ظاہر تمھی سے ہے
اس کن فکاں کی رونقِ پیدا تمھی تو ہو
جو چاہے تم میں دیکھ لے شانِ نمودِ حق
آیاتِ حق کی آیتِ کبریٰ تمھی تو ہو
عزّ و وقارِ حضرتِ موسیٰ تمھی سے ہے
وجہِ فروغِ حضرتِ عیسیٰ تمھی تو ہو

(اگست، ستمبر ۱۹۳۵ء)

(حمیدہ بیگم، ظفر علی خاں مدیر ''زمیندار'' کی بہن اور مشہور مزاح گو شاعر راجا مہدی علی خاں کی والدہ تھیں۔ ان کا مجموعۂ کلام ''نوائے حرم'' شاید ۱۹۴۹ء میں تاج کمپنی نے شائع کیا تھا۔ مدیرِ نعت)

قلم کو ہے ثنائے احمدِ مختار ﷺ کی خواہش
بیانِ وصفِ خلقِ سیّدِ ابرار ﷺ کی خواہش
ہُدیٰ کی انگبیں سے کفر کی تلخی بدل جائے
یہ تھی ان کے لبِ شیریں شکّر بار کی خواہش
جہاں کا ذرہ ذرہ نورِ وحدت سے منور ہو
یہی تھی اس دلِ پُر نور و فیض آثار کی خواہش

(اگست، ستمبر ۱۹۲۸ء)

(حمیدہ بیگم کی اس نعت کا حوالہ خالد علیم کے مضمون مشمولہ ''شام وسحر'' نعت نمبر ۶ اور میری تالیف ''خواتین کی نعت گوئی'' میں نہیں ہے۔ مدیرِ نعت) (سن ولادت ۱۹۰۰ء، مقام ولادت، کرم آباد، ضلع گوجرانوالا، وفات ۱۹۶۷ء۔ وقت کی معروف

ادیبہ، شاعرہ، معلّمہ، گوجرانوالا کی ایک معروف ادبی شخصیت جناب جان کاشمیری نے ان پر ایک مبسوط مضمون لکھا تھا جو گورنمنٹ کالج گوجرانوالا کے ادبی مجلّہ ''مہک'' کے گوجرانوالا نمبر میں شائع ہوا تھا)

محمد علی میرؔ احدی اجمیری

مل جائے مسرت کی دولت دلِ حیراں کو
دیکھوں جو شبِ فرقت میں اس مہِ تاباں کو
آنکھوں کو بچھاتا ہوں میں جادۂ طیبہ میں
پلکوں سے اٹھاتا ہوں ہر خارِ بیاباں کو
کرتا ہوں تلاوت جب اس مصحفِ عارض کی
والفجر سناتا ہوں شامِ شبِ ہجراں کو

(جون ۱۹۱۹ء)

(رجب ۱۳۵۲ھ/ اکتوبر نومبر ۱۹۳۳ء میں میر احدی کا مجموعۂ کلام ''عرب کا چاند عرف تاثراتِ میر احدی'' چھپا۔ اس میں یہ نعت نہیں ہے۔ مدیرِ نعت)

دارا کی اصل کیا شہِ بطحا ﷺ کے سامنے
قطرے کو کب فروغ ہو دریا کے سامنے
حاضر ہے تیرے روضۂ والا کے سامنے
پُرسش ہوئی غلام کی آقا کے سامنے
مر جاؤں تیری راہِ محبت میں یا نبی ﷺ
مٹ جاؤں تیرے نقشِ کفِ پا کے سامنے
کشتہ ہے یہ مرا، اسے لے جاؤ خُلد میں
کہہ دیں یہ کاش وہ مجھے بلوا کے سامنے
قربان میرؔ روضۂ خیر الوریٰ ﷺ کے میں
جنت ہے، ہیچ گلشنِ طیبہ کے سامنے

(اگست ۱۹۲۵ء)

(''عرب کا چاند عرف تاثراتِ میر احدی'' میں یہ نعت بھی نہیں ہے۔ مدیرِ نعت)

چودھری عبدالحمید خاں جنجوعہ (اسسٹنٹ رجسٹرار کوآپریٹو سوسائٹیز، گوجرانوالا)

مبارک، خمستانِ طیبہ کے والی ﷺ
ترے میکشوں نے صراحی سنبھالی

مبارک ہو اے ساقیٔ جامِ وحدت
کہ مدہوش نے ہوش کی اب دوا لی
کلیدِ جناں کھو چکے تھے جو آدمؑ
مدینے کی گلیوں میں وہ ہم نے پا لی
ندا آ رہی ہے یہ عرشِ بریں سے
جو پہنچا وہاں، اس نے بگڑی بنا لی
تمازت کا محشر کی ڈر کیوں ہو مجھ کو
چھپا لے گی مجھ کو وہی کملی کالی

(اکتوبر ۱۹۳۵ء)

(سن ولادت ۱۸۸۱ء، مقام ولادت۔ منڈیالہ وڑائچ، ضلع گوجرانوالا، تلمذ۔ الطاف حسین حالی۔ بہترین شاعر، قابل قدر ادیب، تصنیف۔ کلیدِ جنت (سفر نامۂ حجاز) ان کی اس کتاب اور ان پر مفصل مضمون راقم الحروف کی ادارت میں شائع ہونے والے ادبی مجلّہ ''مہک'' کے گوجرانوالا نمبر میں دیکھا جا سکتا ہے)

عبدالغفور قادری چشتی حیدرآبادی

حبّذا وہ آنکھ، جو ناظرِ ہو سوئے مصطفیٰ ﷺ
مرحبا وہ دل جسے ہو عشقِ روئے مصطفیٰ ﷺ
کیوں نہ پھیکا ہو، مری نظروں میں حسنِ مہر و ماہ
ہے مری آنکھوں میں نورِ حسنِ روئے مصطفیٰ ﷺ
پھر مجھے پہنچا دے شہرِ مصطفیٰ ﷺ میں اے خدا
رات دن ہے دل کو میرے جستجوئے مصطفیٰ ﷺ
سورۂ والشّمس ہے گر وصفِ سیمائے نبی ﷺ
سورۂ واللیل ہے توصیفِ موئے مصطفیٰ ﷺ

(دسمبر ۱۹۱۳ء)

شفیع المذنبین ﷺ محبوبِ حق انسانِ کامل ہیں
اِدھر مخلوق میں شامل، اُدھر خالق سے واصل ہیں
وہ معشوقِ زلیخا تھے، یہ ہیں محبوب خالق کے
فقط وہ ماہِ کنعاں، یہ جہاں کے بدرِ کامل ہیں
فصیحانِ عرب حیرت سے منہ تکتے تھے حضرت ﷺ کا
فصیحانِ جہاں اعجازِ لب کے دل سے قائل ہیں

نہیں کی بات کوئی نفس کی خواہش سے حضرت ﷺ نے
خدا کی وحی کے حامل ہیں، اس پر دل سے عامل ہیں

(اپریل ۱۹۱۵ء)

جبیں فرسائی کی تھی میں نے دہلیزِ پیمبر ﷺ میں
لکھا تھا اوج یہ حق نے مرے نجمِ مقدر میں
جو رعنائی عطا کی ہے خدا نے قدِّ سرور ﷺ میں
نہ وہ شمشاد ہی میں ہے، نہ ہے سرو و صنوبر میں
جو جلوہ ہے جبین و عارضِ پُر نورِ سرور ﷺ میں
نہ وہ ہے ماہِ انور میں، نہ ہے مہرِ منور میں
جو خوشبو ہے نبی ﷺ کے گیسو و زلفِ معطر میں
نہ گل میں ہے نہ سنبل میں نہ اگر و مشک و عنبر میں
جو اعجازِ حلاوت ہے لبِ جاں بخشِ سرور ﷺ میں
نہ وہ ہے شہد و شکّر میں، نہ ہے قندِ مکرّر میں

(جون ۱۹۱۸ء)

پروفیسر سید ضامن علی (صدرِ شعبہ اردو الٰہ آباد یونیورسٹی)

آفتابِ حشر ہم رنگِ جلالِ مصطفیٰ ﷺ
برقِ طور اک پَرتوِ نورِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ
کیوں کلام اللہ کہلائے نہ حضرت ﷺ کا کلام
قولِ خلّاقِ دو عالم ہے مقالِ مصطفیٰ ﷺ
یہ اشارہ ہے، جو جسمِ پاک کا سایہ نہ تھا
مثلِ خالق غیر ممکن ہے مثالِ مصطفیٰ ﷺ

(اپریل ۱۹۳۱ء)

کُل جہاں پر کیوں نہ واجب ہو ولائے مصطفیٰ ﷺ
جبکہ خود دنیا ہی پیدا ہو برائے مصطفیٰ ﷺ
ہو گیا زائل عرب سے بھی جہالت کا مرض
علم و حکمت کا وہ نسخہ ساتھ لائے مصطفیٰ ﷺ
اس کا ہم پہلو ہے وہ جس کا نشاں ملتا نہیں
جو ہر اک جا ہے، قریں ہے اس کے جائے مصطفیٰ ﷺ

(مئی ۱۹۳۲ء)

تھی حقیقت میں زبانِ حق زبانِ مصطفیٰ ﷺ
ورنہ یہ قرآن کیا ہے، اک بیانِ مصطفیٰ ﷺ
لا مکاں تو بن گیا زیرِ قدم ہو کر زمیں
اب بتاؤ کس کو سمجھیں آسمانِ مصطفیٰ ﷺ
ابر کو رحمت خدا کی اس لیے کہتے ہیں لوگ
ایک مدت تک رہا ہے پاسبانِ مصطفیٰ ﷺ
عرش ان کا فرش ہے، سر پر ہے افضالِ خدا
ہیں جدا سب سے زمین و آسمانِ مصطفیٰ ﷺ

(سید ضامن علی تقوی بن سید واجد علی نقوی، خود بھی شاعر، والد گرامی بھی شاعر۔ تلمذ، میر عباد نیساں، ولادت ۱۸۸۰ء، بہ مقام مصطفیٰ آباد ضلع رائے بریلی، وفات۔ ۱۹۵۵ء بہ مقام الٰہ آباد۔ تصانیف خزینۃ القواعد۔ غزلیاتِ ضامن)

(مئی ۱۹۳۶ء)

قاضی حمید الدین حمید

دانا ہے وہی دل جو ہے شیدائے محمد ﷺ
لاریب خرد بخش ہے سودائے محمد ﷺ
ہیں شمس و قمر ذرۂ ناچیز نظر میں
دیکھا ہے جو حسنِ رخِ زیبائے محمد ﷺ
اللہ کی توحید کا گویا تھا خلاصہ
اے صلِ علیٰ قامتِ رعنائے محمد ﷺ
سو حسرت و ارمان ہیں قربان اسی پر
راسخ ہو اگر دل میں تمنائے محمد ﷺ

(اپریل ۱۹۱۵ء)

محمد حمید اللہ خاں حمید جاوڑی

خاصانِ خدا میں بھی ہے تو خیرِ ورا خاص
شانوں میں تری شان ہے لولاک لما خاص
ہر ایک نبیؑ کو تھی ملی خاص بزرگی
من کلِّ وجوہ آپ ہیں کامل بخدا خاص
پاس اپنے بلایا شبِ معراج خدا نے
یہ رتبۂ ممتاز بھی تم کو ہی دیا خاص

پھل جائے مرے نخلِ تمنا کی ہر اک شاخ
ہو ابرِ کرم بحرِ سخا مجھ پہ عطا خاص

(فروری۱۹۲۲ء)

ابوالبیان محمد رضا۔ رضا صدیقی الہ آبادی (علی گڑھ)

عاشق ہوں میں خال و خطِ رخسارِ نبی ﷺ کا
ہے داغ قمر کو مری اس خوش نظری کا
یہ راز ہے خورشید کی اس جلوہ گری کا
دھویا ہوا خاکہ ہے کفِ پائے نبی ﷺ کا
آتی ہے رضاؔ عرش سے بھی داد کی آواز
محبوب ہے اللہ کو کیا وصف کسی کا

(جولائی۱۹۱۴ء)

عرفان علی رضوی

رلاتا ہے ہر دم خیالِ مدینہ
دکھا دے الٰہی! جمالِ مدینہ
لگا آفتابِ جہاں منہ چھپانے
چمک کر جو نکلا ہلالِ مدینہ
شہِ دین و دنیا ﷺ کی تربت ہے اس میں
جہاں میں نہیں ہے مثالِ مدینہ
غلامی ہے اس در کی، شاہی سے بہتر
ہوا تم سے ثابت بلالؓ مدینہ
چلو جلد عرفانؔ راہِ طلب میں
ہے گر دل میں شوقِ وصالِ مدینہ

(دسمبر۱۹۱۶ء)

اظہرؔ نعمانی ردولوی

یقیں ہے دل کو میرے قادرِ مطلق کی وحدت کا
اور اس کے بعد ہوں قائل میں احمد ﷺ کی نبوت کا
کیا پیدا مجھے امت میں احمد ﷺ کی، زہے قسمت
کروں میں کس زباں سے شکر خالق کی عنایت کا

بحقِ مصطفیٰ ﷺ سایہ فگن دامانِ رحمت ہو
الٰہی! سامنا جس دم ہو خورشیدِ قیامت کا
کتب ہائے رسولانِ سلف میں ذکر آیا ہے
رہے گا تا ابد، چرچا محمد ﷺ کی رسالت کا

(جنوری۱۹۱۹ء)

منشی محمد حکیم اللہ (متھرا)

فدا ہے جان اپنی جس پہ وہ روئے محمد ﷺ ہے
پھنسا ہے جس میں دل اپنا وہ گیسوئے محمد ﷺ ہے
گلوں کو کیا ہے نسبت، مشک و عنبر بے حقیقت ہیں
معطر جس سے جنت ہے وہ خوشبوئے محمد ﷺ ہے
دو عالم جان و دل سے ہیں فدا تو کیا تعجب ہے
خدائی بھر میں جو یکتا ہے، وہ روئے محمد ﷺ ہے
عجب پُر لطف ہیں جذباتِ الفت باہمی دیکھو
محمد ﷺ حق کی جانب ہیں، خدا سوئے محمد ﷺ ہے

(مئی۱۹۱۸ء)

محمد امان خاں آفریدی حسرتؔ

خدا خود جس کا شیدا ہے، تری وہ ذاتِ عالی ہے
یہی ہستی زمانے میں مثالِ بے مثالی ہے
قیامت میں ہے تو جب ناخدا تو خوفِ عصیاں کیا
کہ کشتی تو نے امت کی شفاعت سے سنبھالی ہے
خدا کے بندے ہم ہیں اور ہیں امت محمد ﷺ کی
قیامت میں ہماری پوچھ گچھ کیوں ہونے والی ہے
تمنا ہے زیارت روضۂ اقدس کی ہو جائے
اسی حسرت میں حسرتؔ جان اپنی جانے والی ہے

(اکتوبر۱۹۲۰ء)

محمد ریاست علی مذنب

آپ کی جس پر نظر یا مصطفیٰ ﷺ ہو جائے گی
زیرِ فرماں اس کے مخلوقِ خدا ہو جائے گی

جائے گا جنت میں روزِ حشر بے شک وہ بشر
جان تیرے عشق میں جس کی فنا ہو جائے گی
غیرتِ حاتم یقیناً وہ گدا بن جائے گا
فیضِ حضرت ﷺ کی نظر جس پر ذرا ہو جائے گا
خواب میں بھی تم دکھا دو گے اگر صورت مجھے
جان میری دیکھ کر تم کو فدا ہو جائے گی

(جنوری،فروری۱۹۲۱ء)

سید محمد انور۔ بی اے (ہیڈ ماسٹر ایم۔بی سکول۔بھکر)

خدا کا پیغام لانے والے ہمیں بھی مژدہ سناتے جانا
بھٹک رہے ہیں جو سیدھے رستے سے،ان کو رستہ دکھاتے جانا
چھٹا ہے جب سے تمھارا داماں تبھی سے ذلت میں مبتلا ہیں
سبق جو بھولا ہوا ہے ہم کو وہ بارِ دیگر پڑھاتے جانا
نہ چشمِ عبرت میں نور باقی نہ گوشِ شنوا سے ہم کو بہرہ
یہ دونوں باتیں ہوں ہم کو حاصل، طریق ایسا بتاتے جانا
یہ تجھ سے انور کی التجا ہے حبیبِ ربی، رسولِ اکرم ﷺ
خدا کی رحمت سے درّ مکنوں خود اپنے ہاتھوں لٹاتے جانا

سیّد غازی حسین (سب انسپکٹر پولیس تھانہ گورہر، ریاست جے پور)

گلفشاں وصفِ محمد ﷺ میں قلم ہونے لگا
صفحۂ کاغذ مرا رشکِ ارم ہونے لگا
الفتِ روئے محمد ﷺ نے منور کر دیا
ساغرِ دل میرا رشکِ جامِ جم ہونے لگا
دفترِ عصیاں مرا سب دھل گیا جس وقت میں
مدح خوانِ مصطفیٰ ﷺ باچشم نم ہونے لگا
خُلقِ احمد ﷺ نے مسخر کر لیے شاہ و گدا
خود بخود سب کا سرِ تسلیم خم ہونے لگا
کی اطاعت آپ ﷺ کی گردن کشانِ دہر نے
ذکرِ حق مکہ سے تا روم و عجم ہونے لگا

محو ہونے کو جہاں سے سکۂ اسلام ہے
نام عالم سے ہمارا کالعدم ہونے لگا
دستگیری کیجیے اے غمگسارِ بیکساں
چرخ مصروفِ جفا، شاہِ امم ﷺ ہونے لگا
دو جہاں میں ہے وسیلہ شاہِ والا ﷺ آپ کا
بے بسوں کو ہے اگر، اک سہارا آپ ﷺ کا

(ستمبر۱۹۲۱ء)

محمد وزیر خاں بلیغ (منیجر ریاست چھتاری ضلع بلند شہر)

آداب گہِ خلق ہے دربارِ مدینہ
سرکاروں کی سرکار ہے سرکارِ مدینہ ﷺ
ہے روح فزا لذتِ اثمارِ مدینہ
اور نورِ نظر سایۂ اشجارِ مدینہ
ہیں ذوقِ محبت میں ترے سیدِ کونین ﷺ
کرتا ہوں قدم بوسیٔ زوّارِ مدینہ
انوارِ نبوت سے ترے شافعِ محشر ﷺ
ہے طُور نما، جلوۂ کہسارِ مدینہ
اللہ سے کرتا ہوں بلیغ اب تو دعا یہ
اللہ، دکھا دے مجھے دربارِ مدینہ

(مئی۱۹۳۵ء)

محمد شفیع کلیم (منشی فاضل)

ہر ایک سے بہتر ہے تُو خوباں کے مقابل
انجم ہیں کہاں مہرِ درخشاں کے مقابل
تیرے نہ مقابل ہے کوئی خوبیٔ رخ میں
جیسے نہ کوئی جنس ہے انساں کے مقابل

(اگست۱۹۲۶ء)

حکیم محمد عبدالحمید خاں قمر گلشن آبادی

نام ہے میرا قمر، ممتاز سیاروں میں ہوں
یا شہِ بطحا ﷺ ترے نعلین برداروں میں ہوں

رحمتہ للعالمیں تو اور میں یوں جاں بلب
تیرے ہوتے اے مسیحا ﷺ کیوں میں بیماروں میں ہوں
کہتے جاتے تھے شبِ اسریٰ یہ جبریلِ امیںؑ
عازمِ عرشِ بریں کے ناز برداروں میں ہوں
تھی صدائے لامکاں، آ جلد ہوں مشتاقِ دید
تجھ کو پیدا کر کے میں تیرے خریداروں میں ہوں

(اکتوبر ۱۹۲۶ء)

محمد امیر اللہ آسی رام نگری

پیغامبر آیا ہے مجھے ان ﷺ کا بلانے
کیا خوب کیا کام مری آہِ رسا نے
بے ساختہ سنبل بھی ترا پڑھ اٹھی کلمہ
اعجاز دکھائے وہ تری زلفِ دوتا نے
ہو بلبلِ شیدائے نبی ﷺ جس پہ تصدق
وہ پھول کھلائے ہیں مری طبعِ رسا نے

(ولادت ۱۸۹۷ء رام نگر ضلع بنارس۔ یو۔ پی، تلمذ۔ امام الدین رام نگری۔ وفات۔ ۲۲ اگست ۱۹۸۷ء پٹھارا ضلع بنارس۔ تصنیف۔ جاڑے کی دھوپ)

(نومبر ۱۹۲۷ء)

م۔ب۔ ممتاز مارہروی

خدا کی شان ہے شانِ محمد ﷺ
خدا کا حکم، فرمانِ محمد ﷺ
سوا نیزہ پہ سورج ہے تو کیا ڈر
کہ میں ہوں زیرِ دامانِ محمد ﷺ
ملے محبوب سے عرشِ بریں پر
زہے رفعت، زہے شانِ محمد ﷺ
یہ ارماں ہے کسی دن خواب ہی میں
میں دیکھوں روئے خندانِ محمد ﷺ
نہیں پھنستے ہیں دامِ ماسوا میں
جو ہیں ممتاز خواہانِ محمد ﷺ

(اپریل، مئی ۱۹۲۸ء)

یوسف گجراتی

ضیا گُستر ہوا عالم میں جب اختر نبوت کا
شعاعِ نور سے ڈوبا نشاں کفر و ضلالت کا
نہیں کچھ ختم یٰسیں پر، نہیں موقوف طٰہٰ پر
کلام اللہ ہے لکھا ہوا، حضرت ﷺ کی مدحت کا
نویدِ عفوِ عصیاں ہو، گنہگارانِ امت کو
شفیع المذنبیں ﷺ کے ہاتھ ہے دامن شفاعت کا
خدا نے ایک امّی پر کیا ہے خاتمہ یوسفؔ
نبوت کا، اخوت کا، فصاحت کا، بلاغت کا

(اگست، ستمبر ۱۹۲۸ء)

ممتازؔ رفیع بیگم مارہروی

تم سا نہ ہوا کوئی بھی، بے مثل ہو ایسے
لاثانی وہ کیسا ہے بنایا تمھیں جس نے
لولاک لما شان میں آیا ہے تمھاری
تم اس کے ہو محبوب، سراہا تمھیں جس نے
معراج کی شب تم نے جو پائے ہیں مراتب
کون اس کے سوا جانے، بلایا تمھیں جس نے

(دسمبر ۱۹۲۸ء)

سید احمد اللہ قادری (ایم۔آر۔اے۔ایس۔لندن)

کس نے دنیا کے اندھیرے میں اجالا کر دیا
کس کی نظروں نے جہاں کو طورِ سینا کر دیا
کس نے کی تلقین انساں کو نئے عنوان سے
کس نے ہر اک بندۂ ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا
کر دیا کس نے ہر اک ذرّہ کو خورشیدِ فلک
اک بلالؓ بے نوا کو کس نے مولا کر دیا
کس نے ڈالی جان دنیا کے تنِ بے روح میں
کس نے ہر بیمار کو رشکِ مسیحا کر دیا

کس کی آمد کی جہاں میں دھوم تھی پھیلی ہوئی
کس کی رحمت نے ہر اک قطرے کو دریا کر دیا

(فروری۱۹۳۱ء)

ملک کرم داد، کرمؔ (ٹیچر مڈل سکول کلیام اعوان، راولپنڈی)

محمد مصطفیٰ ﷺ وہ پیکرِ انوارِ یزدانی
وہ فخرِ نوعِ انسانی، حبیبِ ذاتِ ربانی
مٹایا امتیازِ ذات و نسل و خانداں جس نے
ملی جس کے سبب سے روئے حبشی کو درخشانی
میں صدقے اس کی قدرت کے بھلا دیکھو تو کیا کم ہے
پڑھایا ایک امّی نے جہاں کو سرِ وحدانی
تری ادنیٰ سی بخشش سے ملی صحرا نوردوں کو
جہانداری، جہانگیری، جہاں بخشی، جہانبانی
فقط اک آرزو دل میں مرے ہے خواجۂ طیبہ ﷺ
جبیں میری ترے عتبہ پہ ہو اے خواجۂ طیبہ ﷺ

(جون۱۹۳۵ء)

محمد عبدالقادر جیلانی (حیدرآباد دکن)

یہ رنگ روپ کہاں یہ نکھار پھولوں میں
یہ ایک ہے رخِ گلگوں ہزار پھولوں میں
رخِ نبی ﷺ تروتازہ ہے، گل ہیں پژمردہ
کہاں یہ حسنِ سراپا بہار، پھولوں میں
وہ رخ تو رخ، کفِ پا سا بھی ہم میں کوئی نہیں
یہی ہیں تذکرے لیل و نہار پھولوں میں
غبارِ دشتِ مدینہ بہارِ جنت میں
تلیں مدینہ کے پھر کیوں نہ خار پھولوں میں
غزل جو میری پڑھی جائے صحنِ گلشن میں
تو پھر ہو صلِّ علیٰ کی پکار پھولوں میں

(جنوری۱۹۱۳ء)

دیگر اصنافِ سخن

نیازؔ فتح پوری

نبوت ختم ہے اس پر، یہ اپنا دین و ایماں ہے
وہ ہے مثل آپ ہی اپنا، یہ مرکوز دل و جاں ہے
محمد ﷺ سا اگر دنیا میں کوئی اور انساں ہے
تو میں کہ دوں گا، ہمتائے خدا ہونا بھی آساں ہے
گر انساں ہمسرِ شانِ رحیمی ہو نہیں سکتا
تو کوئی رحمتہ للعالمین ﷺ بھی ہو نہیں سکتا

(نومبر ۱۹۲۱ء)

(نام۔ نیاز محمد خاں، تاریخی نام، لیاقت علی خاں۔ ولدیت۔ محمد امیر خاں۔ ولادت ۱۸۸۴ء رام سنہی گھاٹ ضلع بارہ بنکی۔ وفات ۲۴ مئی ۱۹۶۶ء، کراچی، ادیب شاعر۔ محقق، دانشور، نقاد، تبصرہ نگار، مترجم، مدیر، ماہنامہ نگار لکھنو، کراچی، تصانیف کم و بیش ۳۵)

شبیر حسن خان جوشؔ ملیح آبادی

اے مسلمانو! مبارک ہو نویدِ فتح یاب
آ رہا ہے عالمِ عرفان و حکمت پر شباب
آسمانوں سے وہ دیکھو اٹھ گئے شب کے حجاب
وہ عرب کے مطلعِ روشن سے ابھرا آفتاب
نور دوڑاتا ہوا، روحوں کو گرماتا ہوا
لعل و زر فاران کی چوٹی سے برساتا ہوا
آ گیا جس کا نہیں ہے کوئی ثانی وہ رسول ﷺ
روحِ خلوت پر ہے جس کی حکمرانی وہ رسول ﷺ
جس کے ہر تیور میں حکمِ آسمانی وہ رسول ﷺ
موت کو جس نے بنایا زندگانی، وہ رسول ﷺ
محفلِ سفّاکی و وحشت کو برہم کر دیا
جس نے خون آشام تلواروں کو مرہم کر دیا
فقر کو حاصل تھی جس کے کجکلاہی وہ رسول ﷺ
گلّہ بانوں کو عطا کی جس نے شاہی وہ رسول ﷺ

زندگی بھر جو رہا بن کر سپاہی وہ رسول ﷺ
جس کی ہر اک سانس، قانونِ الٰہی وہ رسول ﷺ
جس نے قلبِ تیرگی سے نور پیدا کر دیا
جس کی جاں بخشی نے مردوں کو مسیحا کر دیا
(اکتوبر ۱۹۳۱ء)

(ولدیت۔بشیر احمد خان۔ولدیت۔۵ دسمبر ۱۸۹۸ء، ملیح آباد ضلع لکھنو۔یو۔پی۔وفات۔۲۲ فروری ۱۹۸۲ء اسلام آباد، پاکستان۔تلمذ، عزیز لکھنوی، مدیر، ماہنامہ، آج کل دہلی، شاعر اور ادیب۔تصانیف ۲۶)

سیمابؔ اکبرآبادی

اے کہ ہے زینتِ اسلام، تمھارے دم سے
اے کہ اللہ کا ہے نام، تمھارے دم سے
اے کہ ہے بارشِ اکرام، تمھارے دم سے
اے کہ ہر دل کو ہے آرام، تمھارے دم سے
وجہِ آسائشِ ہر قلبِ پریشاں تم ہو
رشک ہے جس پہ فرشتوں کو، وہ انساں تم ہو
مظہرِ ذاتِ خدا، مصدرِ اسرارِ خدا
منبعِ نورِ خدا، مشرقِ انوارِ خدا
مخزنِ صدق و صفا، مخزنِ آثارِ خدا
مرکزِ جُود و سخا، باعثِ اظہارِ خدا
ناز کرتی ہے خدائی میں نبوت تم پر
تم ہو ایسے کہ ہوئی ختم رسالت تم پر

(یہ مکمل مسدس ۳۷ بند پر مشتمل ہے اور شاعر کے مجموعۂ نعت ''سازِ حجاز'' میں شامل ہے۔ص ۱۳۷ تا ۱۴۶ مدیرِ نعت) (نام۔مولانا عاشق حسین صدیقی۔والد۔مولوی محمد حسین صدیقی، تلمذ، داغ دہلوی، ولادت ۱۸۸۰ء، آگرہ، وفات۔۳۰ جنوری ۱۹۵۱ء، کراچی، تصانیف ۲۸)

میر افق کاظمی امروہوی

اے کہ ہے آئینۂ انوارِ خالق تیری ذات
اے کہ تجھ میں جلوہ گر ہیں ذاتِ صانع کے صفات
اے کہ تو ہے باعثِ بربادیٔ لات و منات
اے کہ خلقت ہے تری وجہِ ظہورِ کائنات

تیرے دم سے ہستیٔ ہفت ارض و ہفت افلاک ہے
شک نہیں اس میں کہ تو ہی مظہرِ لولاک ہے
تیری خلقت ہے خدا کی خالقیت کا ظہور
تو ہے وہ مخلوق جس سے ہے عیاں خالق کا نور
تجھ سا آیا ہے نہ آئے گا الیٰ یوم النّشور
سب کا تو آقا ہے سب خدام ہیں تیرے حضور
ہاں صفات و ذاتِ حق کا مظہرِ کامل ہے تُو
ماحصل یہ، کائناتِ دہر کا حاصل ہے تُو
کفر کی تاریکیاں ہوں دور، پھیلے نورِ دیں
ذکرِ خلاقِ جہاں سے گونج اٹھے کل زمیں
مہدیٔ آخر زماں ہو جائیں آ کر جانشیں
تیرے صدقے میں ہو سب پر فضلِ رب العالمیں
ہو افقؔ کے حال پر لطفِ خدائے کردگار
تیری شانِ رحمۃٌ للعالمینی کے نثار!

(اکتوبر۱۹۳۲ء)

(۱۵ بند کا یہ مسدس شاعر کے مجموعۂ حمد و نعت ''فروغِ محامدؐ'' میں نہیں ہے۔ مدیرِ نعت)

ملک محمد الدین آوان (مدیر صوفی)

یا شفیع المذنبیں، یا رحمتٔ للعالمیں ﷺ
یا انیس العاشقین و یا امام المرسلیں ﷺ
سید الکونین، فخرِ اولین و آخریں ﷺ
مالکِ ملکِ یقیں، شاہنشہِ دنیا و دیں ﷺ
اے کہ ہے سرمایۂ رحمت رسالت آپ ﷺ کی
واقعی عصیاں کدے میں تھی ضرورت آپ ﷺ کی
آپ ﷺ کی تخلیق ہے وجہِ بہارِ کائنات
آپ ﷺ کی تصدیق پر ہے اعتبارِ کائنات
آپ ﷺ کی تولید ہے نقش و نگارِ کائنات
آپ ﷺ کی تمہید ہے انجامِ کارِ کائنات

آپ ﷺ ہیں آرائشِ ایوانِ عالم کے لیے
آپ ﷺ فخرِ اولیں ہیں ابنِ آدم کے لیے
آپ ﷺ کی وہ شان ہے جو دہر میں ممتاز ہے
آپ ﷺ کا وہ آستاں جو سب میں سرفراز ہے
آپ ﷺ کا روح الامیں، گہوارۂ پرواز ہے
آپ ﷺ کی وہ ذات ہے جس پر خدا کو ناز ہے
ہے جو پایہ آپ ﷺ کا اوروں نے پایا ہی نہیں
آپ کا ثانی کوئی دنیا میں آیا ہی نہیں

(اکتوبر ۱۹۲۵ء)

اوجؔ گیاوی

المدد، المدد اے ہاشمی و مطلبی ﷺ
ذاتِ اقدس پہ ہوئی ختم ہے عالی نسبی
المدد اے گہرِ بحرِ شفاعت طلبی ﷺ
المدد اے شہِ مکی مدنی العربی ﷺ
محشرستانِ جہاں میں الم اندوز ہیں ہم
ستمِ غیر سے دل ریش ہیں، دل سوز ہیں ہم

(نومبر ۱۹۲۱ء)

کاملؔ جونا گڑھی

ناگہاں آیا خدا کا بحرِ رحمت جوش میں
جوش پیدا ہو گیا ہر ہستیِ خاموش میں
نعرۂ تکبیر کی پہنچی صدا ہر گوش میں
ہوش میں آنا تھا جس کو، آگیا وہ ہوش میں
مہرباں بندوں پر اپنے، حق تعالیٰ ہو گیا
نورِ احمد ﷺ سے مٹی ظلمت، اجالا ہوگیا
دین اکمل ہو گیا، راضی ہوا ربِ انام
رحمتیں خالق نے اپنی اہلِ دیں پر کیں تمام
سر کشانِ دہر جھک جھک کر لگے کرنے سلام
شاہِ عالم ہو گئے شاہِ دو عالم ﷺ کے غلام

اٹھ گیا باطل جہاں سے، حق جو ظاہر ہو گیا
مثلِ کعبہ مومنیں کا قلب طاہر ہو گیا

(اکتوبر۱۹۳۵ء)

شیخ نذر محمد انورؔ

وجہِ بقائے ذات جہاں کو ہے جن کی ذات
جن کے وجودِ پاک سے ہے شانِ کائنات
انگلی کے اک اشارے سے شق چاند کو کیا
سیراب ان کے فیض سے ہیں دجلہ و فرات
ان کے کرم سے بزمِ سخن میں روانیاں
ان کے غلام کرتے ہیں کیا حکم رانیاں

(مئی۱۹۳۲ء)

سید اکبر حسین اکبرؔ (جج پنشنر الہٰ آباد)

خضرِ رکوع ہے یہی، شوقِ سجود اسی سے ہے
حالتِ ذوق و وجد کا دل میں ورود اسی سے ہے
دینِ خدائے پاک کی شان و نمود اسی سے ہے
منبعِ خیر ہے یہی، ہمتِ جُود اسی سے ہے
صلِّ علیٰ محمدٍ، صلِّ علیٰ محمدٍ
ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر
ہے یہ وہ نام خار کو پھول کرے سنوار کر
ہے یہ وہ نام ارض کو کر دے سما ابھار کر
اکبرؔ اسی کا ورد تُو صدق سے بے شمار کر
صلِّ علیٰ محمد ، صلِّ علیٰ محمدٍ

(نومبر۱۹۱۹ء۔رسول ﷺ نمبر)

(ولدیت۔سید تفضّل حسین، ولادت ۱۶نومبر ۱۸۴۶ء۔بارہ ضلع الہٰ آباد۔وفات۔۹ستمبر۱۹۲۱ءالہٰ آباد۔خطاب۔لسان العصر۔تلمذ، غلام حسین، وحید الہٰ آبادی، تصانیف ۶ کتابیں)

قلندر علی خاں ولیؔ (جھنگ)

تحقیق جس پہ اللہ بھیجے سلام و رحمت
اوجِ فلک سے بڑھ کر ہو سر بلندِ رفعت

حور و ملک سے جس کی کچھ ہو سکے نہ مدحت
تحقیق جس کے حق میں قرآن دے شہادت
اے دین کے پیارو، اس پر درود بھیجو
سردارِ دو جہاں ہے محبوبِ ربِ اکبر ﷺ
ارفع ہے جس کا رتبہ، شانِ وجودِ اطہر
خلدِ بریں کا شافع ﷺ امت کا تاج و افسر
دامن پکڑ کے جس کا جائیں گے روزِ محشر
اے دین کے پیارو، اس پر درود بھیجو
نورِ جلالِ حق سے پیدا ہو ذات جس کی
شمس و قمر سے اظہر، روشن صفات جس کی
ارض و سما کی ہستی رازِ حیات جس کی
امت کی ہو شفاعت تھوڑی سی بات جس کی
اے دین کے پیارو، اس پر درود بھیجو

(نومبر۱۹۲۰ء)

احسانؔ دہلوی

ہمارے مکرم مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی کہتے ہیں:

مکرمی! تسلیم، ایک قصیدۂ نعتیہ بھیجتا ہوں یہ اس شخص کا لکھا ہوا ہے جو کسی زمانہ میں ہندوستان کا جگت استاد مانا جاتا تھا، یعنی عبدالرحمٰن خاں احسانؔ دہلوی، اب تک یہ کہیں طبع نہیں ہوا۔)

فلک جناب، رسالت مآب، بحرِ نوال
شفیعِ امت و مقبولِ حضرتِ باری ﷺ
مقیمِ حجرۂ قدس و مزیل کفر و ضلال
محیطِ علمِ لدنّی و امّی و قاری ﷺ
جہانِ علم و حیا و نشانِ رحمتِ حق
زمینِ فقر و غنا، آسمان سالاری
تمھاری نعت نے اے ابرِ رحمتِ یزداں ﷺ
سکھائی نوکِ قلم کو مرے گہر باری
بحالِ نزع، بزیرِ مزار و روزِ حساب
خدا کے واسطے کیجو شہا خبرداری

(ستمبر۱۹۳۱ء)

(احسان رامپوری، شاعر، حافظ عبدالرحمٰن بن حافظ غلام رسول خاں، وفات ۱۸۵۱ء، تصنیف کلیاتِ احسان)

سیمابؔ اکبرآبادی

رتبہ ہے عجب یا شہِ ابرار ﷺ تمھارا
عزت دہِ صد خلد ہے دربار تمھارا
جلوہ ہے ہر اک سمت نمودار تمھارا
تم جلوہ نما ہو

گزرے ہیں نبیؑ دہر میں لاکھوں سے زیادہ
تم جیسے ہو لیکن، کوئی گزرا نہیں ایسا
ادنیٰ سا یہ اعزاز ہے سرکار ﷺ تمھارا
محبوبِ خدا ہو

یہ گنبدِ سبز اور یہ محراب، یہ مسجد
یہ صحنِ حرم اور یہ ہر بابِ محامد
روضہ ہے مگر خلد کا گلزار تمھارا
دل کیوں نہ فدا ہو

ہر قوم نے ہر ملک نے جانا تمھیں مولا
جن و ملک و انس نے مانا تمھیں مولا
شیدا ہے ہر اک کافر و دیندار تمھارا
کیا جانیے کیا ہو

دنیا کے طبیب آ کے کریں خاک مداوا
جب یہ بھی نہ سمجھیں کہ ہیں اسبابِ مرض کیا
اچھا نہ مسیحا سے ہو بیمار تمھارا
تم دل کی دوا ہو

ہوں تم پہ سلام اور درود اور تحیات
یہ نذرِ محقّر ہے، یہی ہے مری سوغات
تحفہ یہی لایا ہے گنہگار تمھارا
مقبول ذرا ہو

(نومبر ۱۹۲۰ء رسول ﷺ نمبر)

(یہ نعت سیمابؔ کے مجموعۂ نعت ''سازِ حجاز'' میں شامل نہیں۔ مدیرِ نعت)

جلال الدین اکبر

صہبائے سرورِ سرمدی رکھتا ہوں
یعنی کہ محبتِ نبی ﷺ رکھتا ہوں
ہر چند کہ بینوا ہوں لیکن اکبر
سامانِ نشاطِ زندگی رکھتا ہوں

از بسکہ بلند ہے طبیعت میری
ہمدوشِ ثریا ہے یہ رفعت میری
ہوں بندۂ سرورِ دو عالم ﷺ اکبر
محسودِ ملائک ہے محبت میری

مشتاقِ جمال ہیں نگاہیں میری
اشراقِ جمال ہیں نگاہیں میری
طاری ہے جہاں پر مرا حسنِ نظر
خلّاق جمال ہیں نگاہیں میری

(اگست ستمبر ۱۹۲۸ء، رسول ﷺ نمبر)

منشی محمد صادق صادقؔ (کشمیر)

سیکھتے ہیں ہم ثنا تیری خدائے پاک سے
مرتبہ روشن ہے عالم پر ترا لولاک سے
جس قدر معراج کی رات آپ نے پایا عروج
ہے وہ بالا تر ہمارے فہم سے، ادراک سے
ذات سے تیری عرب کا دشت نخلستاں ہوا
نور سے تیرے منوّر عالمِ امکاں ہوا
تا کہیں ایسا نہ ہو، چھو جائے سورج کی کرن
سایہ افگن آ کے سر پر ابر کا داماں ہوا
ہند سے سوئے مدینہ بھاگتا آتا ہوں میں
کس کشش سے خود بخود کھنچتا چلا آتا ہوں میں

درد ہائے دل نے مجھ کو کر دیا زار و حزیں
بہرِ درماں جانبِ دار الشفا آتا ہوں میں

(نومبر ۱۹۱۵ء کشمیری میگزین)

نعتیہ نظمیں

مسافرِ حجاز کا نغمۂ دلگداز

مولانا غلام رسول مہر (رئیس التحریر اخبار زمیندار)

رخصت اے ہندوستاں، سوئے عرب جاتا ہوں میں
گو وطن ہے تو، تری نسبت سے شرماتا ہوں میں
شمعِ افسردہ ہے تو، بیگانۂ سامانِ سوز
اور میں پروانہ مشرب کشتۂ ارمانِ سوز
تیری وسعت میں جنوں کی پردہ داری چاہیے
میرے دستِ شوق کو بے اختیاری چاہیے
تیری کلیوں کی ہے زینت الفتِ دامانِ غیر
اور میں آتش بجاں، شعلہ زنِ دکّانِ غیر
جاں بدن میں گو ترے باقی ہے، دل باقی نہیں
یعنی میخانہ بھی ہے، بادہ بھی ہے، ساقی نہیں
لے کے شمعِ غم چلا ہوں وادیٔ پرخار میں
کیا سراغِ ناقۂ لیلیٰ ملے گلزار میں
تیری غیرت سوز آبادی سے گھبراتا ہوں میں
رخصت اے ہندوستاں، سوئے عرب جاتا ہوں میں
اب بسوں گا جا کے میں اس سر زمینِ پاک میں
سو رہے ہیں سرورِ لولاک ﷺ جس کی خاک میں
جس کے ذرے عرش کی آنکھوں کے تارے بن گئے
میرے دل میں زندگانی کے شرارے بن گئے
دیدۂ کوثر ہے پرنم جس کے زمزم کے لیے
سرمہ جس کی خاک ہے چشمِ دو عالم کے لیے

جس کے فاراں کا غبارِ راہ طُور افروز ہے
منزلِ ہستی کا ہر ذرہ ضیا اندوز ہے
حسنِ فطرت کی امیں ہے جس کی صحرائی بہار
کر دیا عہدِ ازل، جس نے ابد سے ہم کنار
ہے ہوائے گرم جس کی روحِ عشق و جانِ عشق
اے خوشا پیمانِ الفت، اے خوشا ارمانِ عشق
دے رہا ہے نجد پھر طوق و سلاسل کا پیام
قیس کے کانوں میں پھر پہنچا ہے محمل کا پیام
پھر بپا رنگِ عرب میں محشرِ پرواز ہے
پھر جنوں کی ترکتازی کا وہی انداز ہے
پھر ہوس ناکی سے ہے زور آزما عشقِ غیور
پھر فضائے سطوتِ باطل میں ہے شورِ نشور
تھی جہانگیری کو جس کے ساربانوں کی تلاش
پھر جہاں کو ہے اسی کے کاروانوں کی تلاش
راہِ طیبہ میں سراغِ زندگی پاتا ہوں میں
رخصت اے ہندوستاں سوئے عرب جاتا ہوں میں

(دسمبر۱۹۲۵ء)

روضۃ النبی ﷺ

قاضی احمد میاں اختؔر جوناگڑھی

روضۂ اقدس ہے یہ اس شاہِ عالی جاہ ﷺ کا
ہے جو ختم المرسلیں اور سرورِ ہر دوسرا ﷺ
پرتو افگن اس جگہ وہ مہرِ عالمتاب ہے
چاند کو جس نے اشارے سے دو ٹکڑے کر دیا
ہے فروغِ حسن کا عالم تجلّی سے سوا
خیرگی آنکھوں کو پیدا کرتی ہے جس کی ضیا
ہے در و دیوار سے شانِ جلالت آشکار
دے رہی ہے شاہ ﷺ کی جبروت و عظمت کا پتا

روح پرور ہے یہاں کا منظرِ رنگیں ادا
عطر پرور ہے ہر اک موجِ شمیمِ جاں فزا
یہ سوادِ گلستانِ صاحبِ لولاک ﷺ ہے
بڑھ کے جنت سے ہے خوبی میں یہ قصرِ دل کشا
نورِ چشمِ آمنہ خوابیدہ اس روضہ میں ہے
لختِ عبداللہ آرامیدہ اس روضہ میں ہے
اے مقدس ارض، اے بطحا کی خاکِ پاک تُو
ہے جہاں کی سب زمینوں سے بڑا رتبہ ترا
تیری خاکِ پاک میں پوشیدہ ہے ماہِ عرب ﷺ
تیرے دامن میں نہاں ہے ایک درِّ بے بہا
وہ مہِ اوجِ رسالت ﷺ جس نے اتنی دور سے
کر دیا روشن جہاں سارے کو اپنے نور سے
یہ مزارِ پاک اس کا ہے کہ جس کی شان میں
رحمۃ للعالمیں کا ہے لقب آیا ہوا
جس کے عجز و رفق میں تھی شان و شوکت آشکار
جس کی شاہی میں بھی پنہاں تھا فقیری کا مزا
رکھ گیا جو اپنی امت کے لیے سب نعمتیں
آہ وہ جو نانِ جَو پر ہی بسر کرتا رہا
آہ وہ جو صرف اس امت کی بخشش کے لیے
مانگتا تھا رات دن درگاہِ ایزد میں دعا
تجھ سے پیغمبر پہ کیوں قرباں نہ ہوں یہ جان و دل
کیوں نہ ہو جاؤں بھلا سو جاں سے میں تجھ پر فدا
ہم سیہ کاروں کو اک تیرا سہارا ہی تو ہے
کیوں کہ تو محبوبِ جان و دل ہمارا ہی تو ہے
(نومبر ۱۹۱۹ء رسول ﷺ نمبر)

(ولدیت۔قاضی عبداللہ۔ولادت ۱۸۹۰ء جوناگڑھ۔صوبہ گجرات۔وفات۔۶ اگست ۱۹۵۵ء، کراچی۔تصانیف۔اسلام کا اثر یورپ پر۔انارکلی، اسلامی کتب خانے، اقبالیات کا تنقیدی جائزہ، حیات نظامی، زرگل سیپارۂ دل۔علم اور اسلام، علامہ شبلی بہ حیثیت شاعر۔لمعاتِ اختر، مسلمانان سلف میں مطالعۂ کتب کا شوق)

گر قبول اُفتد۔۔۔

اصغر حسین خان نظیر (نیوسٹریٹ لودیانہ)

اے مددگارِ غریباں، اے شفیعِ عاجزاں ﷺ
اے پناہِ بے کساں اے مایۂ بے مائیگاں ﷺ
اے کہ تو شمعِ حریمِ خاص کی تنویر ہے
اے کہ تیرے نور سے معمور ہے سارا جہاں
اے کہ جلوہ تیرے کوچے کا ہے فردوسِ نگاہ
اے کہ تیرا سنگِ در ہے سجدہ گاہِ قدسیاں
اے کہ تیرے بحر سے سیراب ہیں اغیار بھی
اے کہ تیرے سائے میں دشمن بھی پاتے ہیں اماں
اے کہ تیری ذات ہے روحِ روانِ کائنات
اے کہ تیرا نام ہے وردِ زبانِ انس و جاں
اے کہ تیرا عشق ہے ہر شے کا مقصودِ حیات
اے کہ تیرا درد ہے ہر دل کو عیشِ جاوداں
فخرِ ابراہیمؑ ہے تو، نازشِ عیسیٰؑ ہے تو
محفلِ ہستی میں بے شک حاصلِ دنیا ہے تو
اے تری رحمت کے صدقے! سن مری فریاد سن
عرصۂ محشر میں تجھ کو ڈھونڈتا ہوں ہر طرف
تیری الفت میں سراپا درد کی تصویر ہوں
سینہ بریاں، چشم گریاں، لب شکستہ، دل ہدف
تیری فرقت میں مجھے عیش و مسرت ہے حرام
ہے ہلالِ عید بھی میرے لیے خنجر بکف
جب سے پائی نعمتِ کونین تیرے عشق کی
گوہر و الماس ہیں میری نگاہوں میں خزف
ہدیۂ دل لے کے تیری بزم میں آیا ہوں میں
یا محمد ﷺ گر قبول افتد زہے عزّ و شرف
آنچ آجائے نہ تیرے طالبِ دیدار پر
روزِ محشر چشمِ رحمت ہو نظیرِ زار پر

(جولائی ۱۹۲۳ء)

(یہ نظم شاعر کے مجموعۂ نعت ''آفتابِ حرا'' میں شامل نہیں ہے۔ مدیرِ نعت)

گنبدِ خضریٰ

خان اصغر حسین خان نظیرؔ لودھیانوی

نکلا افق سے نور کی بارش میں آفتاب
ڈالے ہوئے جبیں پہ شرر آفریں نقاب
خورشید کے ظہور سے ظلمت فنا ہوئی
پیدا ہوا عقاب تو پنہاں ہوا غراب
لو دم زدن میں نور کا قالین بچھ گیا
رنگون کے نواح سے تا حدِّ فاریاب
درّاج کی نواؤں میں موجیں بھی گم ہوئیں
دریا میں آب کو بھی ہے جنبش سے اضطراب
پنجاب کی زمین بھی جنت سے کم نہیں
ستلج ہے سلسبیل تو تسنیم ہے چناب
آخر غمِ حیات کو کچھ تو علاج ہو
ساقی پلا شراب، مغنّی اٹھا رباب
اے خطّہ ہائے طیبہ و بطحا کے ساکنو!
کیا تم بھی درد سے ہو یونہی وقف پیچ و تاب
تم بھی مثالِ لالہ شفق پیرہن ہو کیا
شام و سحر بہاتے ہو آنکھوں سے خونِ ناب
بیٹھے ہو تم تو روضۂ اقدس کے سامنے
آتی ہے ہر دعا پہ جہاں بانگِ مستجاب
کعبہ بایں شکوہ جھکاتا ہے سر جہاں
پنہاں ہے جس زمیں میں رسالت کا آفتاب
موجِ غبار بھی ہے جہاں عنبر آفریں
گویا کھلا ہوا ہے بہشتِ بریں کا باب
غلمان و حور محوِ درود و سلام ہیں
گویا اٹھے ہوئے ہیں درِ راز سے حجاب

(ستمبر ۱۹۲۹ء)

(یہ نظم شاعر کے مجموعۂ نعت ''آفتابِ حرا'' میں نہیں ہے۔ مدیرِ نعت)

مدینۃُ الرّسول ﷺ

مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی

اے مدینے! خوابگاہِ حضرتِ ختمی مآب ﷺ
سو رہا ہے یہ تری آغوش میں کون آفتاب
تیرے دل کو معرفت سے آشنا کس نے کیا
ذرے ذرے کو ترے وحدت نما کس نے کیا
نورِ عرفاں سے ترا ہر ذرہ ہم آغوش ہے
چپے چپے میں تری روحانیت کا جوش ہے
پرتوِ عارض سے ہر ذرہ ہے اب تک جلوہ زار
نکہتِ گیسو سے ہر جاوہ ہے اب تک مشکبار
نغمۂ توحید سے لبریز تیرا ساز ہے
طائرِ قدس آشیاں پیہم ترا دمساز ہے
تھی یہ حسرت دل میں اس دنیا سے جب منہ موڑتے
اے مدینے! تیرے فرشِ خاک پر دم توڑتے

(مارچ ۱۹۳۰ء)

(یہ نظم عزیز کے مجموعۂ نعت ومنقبت ''صحیفۂ ولا'' میں نہیں ہے۔ مدیرِ نعت)

روحِ اعظم گہوارۂ کائنات میں

سیماب اکبرآبادی

تھی حجابِ ذات میں پنہاں تجلّائے ازل
سر بمہرِ راز تھی صہبائے مینائے ازل
تھا خود اپنا ہی سرا پردہ تماشائے ازل
زینت افزائے ازل، بزم پیرائے ازل
شمع کو فانوس سے اک التفاتِ خاص تھا
مرحبا
مرحبا صد مرحبا

(یہ طویل نظم سیمابؔ کے مجموعۂ نعت ''سازِ حجاز'' میں صفحہ ۳۹ تا ۴۴ پر موجود ہے۔ لیکن وہاں اس کا سنِ تخلیق ۱۹۲۹ء لکھا ہے جبکہ یہ ''صوفی'' کے ستمبر ۱۹۲۷ء کے شمارے میں شائع ہوئی)

معراج النبی ﷺ

سیمابؔ اکبرآبادی

تعالیٰ اللہ، یہ جاہ و حشم، یہ حسن و رعنائی
میں صدقے واہ، کیا صورت مصور کو پسند آئی
رجب کی رات وہ سنسان وہ تاریک تر عالم
کہ چھپتی پھر رہی تھی آنکھ کے پردے میں رعنائی
پہنچنا وہ ترا ساتوں فلک کے پار پل بھر میں
تجلّی کا وہ بڑھ کر شوق سے کرنا پذیرائی
وہ خلوت اور وہ راز و نیاز، وہ اسرارِ گونا گوں
کسی کی دلدہی اور وہ ترا طرزِ دل آرائی
ہمیں معلوم ہے اس اوج کی جتنی بلندی ہے
ہمیں معلوم ہے اس منزلت کی رفعت آرائی

(مارچ ۱۹۲۲ء)

(۱۳۲ اشعار کی یہ نظم ''سازِ حجاز'' میں شامل نہیں۔ مدیرِ نعت)

جنت البقیع

سیمابؔ اکبرآبادی

مدینہ میں جو گزرے پاک دامن
ترے دامن میں وہ گوشہ گزیں ہیں
مکانوں میں ترے تا صبحِ محشر
صحابہؓ شاہِ طیبہ ﷺ کے، مکیں ہیں
جنابِ فاطمہؓ خاتونِ جنت
یہیں مصروفِ خوابِ نازنیں ہیں
تری عظمت کا اندازہ ہو کیوں کر
کہ تجھ میں دفن لاکھوں رکنِ دیں ہیں

جنابِ مصطفیٰ ﷺ کے دل کے ٹکڑے
حسنؓ بھی خوابِ راحت میں یہیں ہیں
ضیائے تابشِ فانی سے مل کر
ترے ذرّے بھی خاور آفریں ہیں
تری شمعِ سرِ تربت کے آگے
ستارے آسماں کے شرمگیں ہیں
یہ تیرے خطۂ اقدس کے ٹکڑے
جوارِ رحمۃ للعالمیں ﷺ ہیں
اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

(۱۹۲۵ء میں سیمابؔ کا پہلا مجموعہ کلام ''نیستاں'' کے عنوان سے چھپا تو اس میں یہ نظم شامل تھی۔ بعد میں سازِ حجاز، میں بھی ''منتخبات نیستان'' کے عنوان سے یہ نظم شامل کی گئی۔ مدیر نعت)

خاکِ حجاز

عبدالرحیم بسملؔ کرانوی (فیروزپور)

خاکِ حجاز! سرمۂ چشمِ فلک ہے تو
گو سر زمین ہے، رتبے میں گویا فلک ہے تو
ہر ذرہ تیرا رشکِ قمر، رشکِ آفتاب
تیرے ہی سر کا تاج بنی ذالک الکتاب
قربان تجھ پر وادیٔ ایمن کا نور ہے
ہر سمت عاشقوں کو تجلّی ہے نور ہے
دارُ الاماں ہے کعبہ، دعائے خلیلؑ سے
انعام تجھ کو مل گیا ربِّ جلیل سے
مکہ پہ تجھ کو فخر، مدینے پہ ناز ہے
اس خاتم النبیّں ﷺ کے نگینے پہ ناز ہے

☆

یومِ میلاد

مرزا فرحت اللہ بیگ

آج وہ دن ہے کہ رفعت مدحِ پیغمبر ﷺ میں ہے
آج وہ دن ہے کہ شانِ طور اس منبر میں ہے
آج وہ دن ہے، لرزتے ہیں سلاطینِ زمن
زلزلہ ایوانِ کسریٰ، قلعۂ قیصر میں ہے
آج وہ دن ہے، چھپا پھرتا ہے شیطانِ لعیں
اک ہزیمت کا سا نقشہ اس کے کل لشکر میں ہے
آج وہ دن ہے، چلی کعبہ سے جنت کی نسیم
بس گیا سارا زمین و آسماں عنبر میں ہے
آج وہ دن ہے، فرشتوں کا زمیں پر ہے ہجوم
خدمتِ روح الامینؑ آج آمنہ کے گھر میں ہے
آج وہ دن ہے کہ ٹھنڈے پڑ گئے آتش کدے
فرطِ حیرت سے سرِ پیرِ مغاں چکّر میں ہے
آج وہ دن ہے کہ تھا جس کا جہاں کو انتظار
جشنِ میلادِ مبارک آج ہر اک گھر میں ہے
آج وہ دن ہے کہ فرحت محوِ شوقِ دید ہے
جسم اس محفل میں ہے، جاں گنبدِ اخضر میں ہے

(جنوری ۱۹۳۰ء)

(ولادت۔ستمبر ۱۸۸۳ء۔دہلی۔وفات۔۱۲۷اپریل ۱۹۴۷ء حیدرآباد۔تصانیف، پھول والوں کی سیر، دلی کا یادگار مشاعرہ، دہلی کی آخری شمع، نذیر احمد کی کہانی، کچھ ان کی، کچھ میری زبانی)

آمدِ سرکار ﷺ

حاجی نبی احمد بریلوی

جب سوادِ چرخ پر تھی معصیت چھائی ہوئی
گمرہی پھرتی تھی ہر گوشے میں اترائی ہوئی
ہر طرف ظلمت کی کالی بدلیوں کا جوش تھا
بت پرستی عام تھی اور شغلِ ناؤ نوش تھا

کفر کے پردوں میں اک انگڑائی لی ایمان نے
وسعتیں اپنی دکھائیں رحمتوں کی شان نے
ہادیٔ اعظم، رسولِ پاک ﷺ کو پیدا کیا
طلعتِ نورِ ازل کو قسمتِ دنیا کیا
دامنِ الحاد آخر پارہ پارہ ہو گیا
کفر شرما کر کسی وادی میں جا کر سو گیا
آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی مشعلِ عرفاں بنی
رازدارِ معرفت تھی، عرش کا عنواں بنی
پھونک دی روحِ الوہیت فراز و پست میں
عظمتِ توحید گونج اٹھی چمن میں، دشت میں
قابلِ تحسین ہوئی پھر حکمرانی آپ ﷺ کی
مطلقاً اک معجزہ تھی زندگانی آپ ﷺ کی
قسمتِ غار حرا تھیں آپ ﷺ کی تنہائیاں
تھا عبادت کا یہ مقصد، دور ہوں گمراہیاں
خُلقِ اعلیٰ، ظرفِ عالی، خود سراپا انکسار
تھی خصوصیات والی ہستیٔ والا تبا ﷺ

(مئی ۱۹۳۱ء)

معراجِ نبوی ﷺ

نذر محمد انور (مسلم ہائی سکول لائل پور)

تھا میرِ مجلس خود خدا، تھے شمعِ محفل مصطفیٰ ﷺ
نورِ محمد ﷺ پر پڑی نورِ احد کی تھی ردا
لاہوت کے پردوں میں اک بزمِ محبت تھی بپا
خود حق نے خاص انداز سے محبوب سے یوں کہہ دیا
بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَآلِہٖ

(فروری ۱۹۳۲ء)

ساقیٔ طیبہ ﷺ کی مے

جناب منظور حسین منظور (ہیڈ ماسٹر)

ہاں سنا کچھ ساغرِ وحدت کے مے خانے کا ذکر
ساقیٔ طیبہ ﷺ کی مے کا اور پیمانے کا ذکر
وہ مئے صافی کہ جو صدیقِ اکبرؓ بن گئی
عدلِ فاروقیؓ بنی، شمشیرِ حیدرؓ بن گئی
دولتِ عثمانؓ کے پردے میں جو تھی عالم کی لاج
جس کے متوالوں نے روندے قیصر و کسریٰ کے تاج
عالمِ پیری میں سلمانؓ کو ملا جس سے شباب
پہلوئے اویسؓ میں جو تھی سراپا اضطراب
جس کے نشے میں رہے بوذرؓ سدا پروانہ خُو
رات دن روحِ بلالیؓ کو تھی جس کی جستجو
ملتِ بیضا کے چہرے کے لیے جو غازہ تھی
بحر و بر دنیا کے،جس کی وسعتِ خمیازہ تھی
دینِ ابراہیمؑ کو تاثیر پر جس کی ہے ناز
مرکزِ عالم بنائی جس نے پھر خاکِ حجاز
وہ تھی کیا مے، لو سنو، وہ بادۂ عرفان تھا
جس کا ہر قطرہ وفورِ جذبۂ ایمان تھا
کون وہ ساقی تھا، یہ مے جس کے مے خانے میں تھی
رحمتِ دارین یعنی جس کے پیمانے میں تھی
محفلِ عالم کو جس نے دفعتاً گرما دیا
ایک ہی جرعہ میں دل ہر ایک کا تڑپا دیا
جس کی نظریں باعثِ تسخیرِ عالم ہو گئیں
جس کے آگے سرکشوں کی گردنیں خم ہو گئیں
ہاں وہی دشتِ عرب کا اک یتیمِ ہاشمی ﷺ
غیب سے سیکھا تھا جس نے شیوۂ ساقی گری

جس نے بچپن میں نہ دیکھے تھے کوئی ناز و نعم
وادیٔ بطحا نے چومے بارہا جس کے قدم
راہِ حق پر جو چلا کرتا تھا بے خوف و ہراس
جس کو بیواؤں کا، بوڑھوں کا، یتیموں کا تھا پاس
جو غریبوں اور محتاجوں کا یارِ غار تھا
اپنے بیگانے کا جو ہمدرد تھا، غم خوار تھا
جس کے دل میں قلزمِ مہر و وفا تھا موجزن
جس کے ابنائے زماں سے تھے بہت بالا چلن
جس نے پایا تھا لڑکپن سے ہی صادق کا لقب
اپنے بیگانے جسے خیر الامین ﷺ کہتے تھے سب
جس کے دل میں شوقِ دنیا تھی، نہ حبِ جاہ تھی
گوشۂ غارِ حرا جس کی ریاضت گاہ تھی

(دسمبر ۱۹۳۰ء)

(ولادت یکم اپریل ۱۸۹۹ء، داؤد خیل میانوالی۔ وفات ۱۶ اپریل ۱۹۷۴ء، شاعر، معلم، صحافی، تعلیم، ایم۔اے، ایل ایل بی۔ایس۔اے۔وی۔متعدد تعلیمی اداروں کے سربراہ رہے۔تصانیف۔جنگ نامۂ اسلام۔حدیثِ درد، جہاد نامۂ پاک، ارمغانِ عقیدت، گلبانگِ عجم۔(یہ نظم منظور کی نعتیہ غزلوں کے مجموعے ''ارمغانِ عقیدت'' میں نہیں ہے)

احمدِ مرسل ﷺ کا یہ لحاظ

چودھری دلورام کوثری (قصبہ ناندری ضلع حصار)

محشر میں دی فرشتوں نے داور کو یہ خبر
اک دہریہ ہے احمدِ مرسل ﷺ کا مدح گر
ہے نام دلو رام تخلص ہے کوثری
جنت میں اس کو بھیجیں ہم یا جانبِ سقر
سنتے ہی یہ ملائکہ سے اک انوکھی بات
فرمایا ذوالجلال نے، جنت ہے اس کا گھر
اللہ اکبر، احمدِ مرسل ﷺ کا یہ لحاظ
کی حق نے لطف کی، سگِ دنیا پہ بھی نظر

(اپریل ۱۹۲۱ء)

(پانچ اشعار کی یہ نظم بہ تغیر شاعر کے مجموعۂ نعت ''آبِ کوثر'' میں ہے۔مدیرِ نعت)

وقتست کہ باز آئی

تمنا عمادی مجیبی

ہم تجھ سے نہ بولیں گے اے بادِ صبا، ہرگز
تو میری مصیبت میں اتنا بھی نہ کام آئی
طیبہ کی طرف جاتی، سرکار میں کہہ آتی
اے دُرِ لبِ لعلِ تو، اعجازِ مسیحائی
امت ہے مصیبت میں ہر طرح کی آفت میں
نے رخصتِ فریاد و نے تابِ شکیبائی
ہر سمت سے گھیرے ہیں اعدائے لعین آ کر
ہے چار طرف شاہ ﷺ فوجوں کی صف آرائی
جس قوم کا تو والی، اس قوم کی خونریزی
جس دین کا تو حامی، اس دین کی رسوائی
سب عرض جو کر لیتی آخر میں یہ کہہ دیتی
بیکل ہے بہت آقا ﷺ اب عاشقِ شیدائی
شاہ ﷺ میں ان آنکھوں سے خود دیکھ کے آئی ہوں
بے چارہ تڑپتا تھا بے تاب و توانائی
طیبہ کی طرف رخ تھا، اشک آنکھوں سے جاری تھے
رو رو کے یہ کہتا تھا، مولا ﷺ تیرا سودائی
اے بادشہِ خوباں، داد از غمِ تنہائی
دل بے تو بجاں آمد و قسمت کہ باز آئی

(نام۔سید حیات الحق محمد محیٔ الدین، والد گرامی شاہ نذیر الحق فائز (شاعر، ادیب محقق) تلمذ، شمشاد لکھنوی، ولادت ۱۴ جون ۱۸۸۸ء، پھلواری شریف ضلع پٹنہ صوبہ بہار، وفات ۲۷ نومبر ۱۹۷۲ء، کراچی، تصانیف، ایفاحِ سخن، افعالِ مرکبہ، روح النحو، رسالہ تذکرِ وتانیث، مثنوی مذہب وعقل، مثنوی معاش معاد)

(جون ۱۹۱۳ء)

رازِ غیر فانی

پیرزادہ احمد شاہ ندیم قاسمی بی۔اے

نہ اجل کا خوف مجھ کو، نہ جنونِ زندگانی
مری غم پرستیوں کی ہے عجیب سی کہانی

نہ شکایتِ محبت، نہ حکایتِ مسرت
نہ گدازِ نامرادی، نہ فسونِ شادمانی
کبھی مے نوازیاں ہیں، کبھی نے نوازیاں ہیں
کبھی عشرتوں کے جلوے، کبھی شورشِ نہانی
نہ فریبِ حسن فانی، جسے دلنواز کہیے
مجھے اس کی سحر زائی میں ملی ہے شادمانی
میں حرم کا پاسباں ہوں، میں صنم کدے کی جاں ہوں
کبھی دیر کا ترانہ، کبھی ذوقِ سبحہ خوانی
وہی سوز و ساز دے دے، وہ دل گداز دے دے
کہ ابد کی شورشوں تک رہوں وقفِ شادمانی
مری ٹوٹی پھوٹی کٹیا کو کبھی تو دیکھ آقا ﷺ
ترے ساز میں ملا ہے مجھے رازِ غیر فانی

(اکتوبر ۱۹۳۵ء)

فسونِ تہذیبِ مغربی میں نہاں ہے انجامِ عیش وعشرت
ندیمؔ ہنگامہ ہاؤہُو سے نکل، ندائے حجاز ہو جا

(مارچ ۱۹۳۴ء)

(ولادت، ۲۰ نومبر ۱۹۱۶ء، وفات ۱۰ جولائی ۲۰۰۶ء، نام، احمد شاہ، ادبی نام احمد ندیم قاسمی، تخلص، ندیم، مولد، انگہ، تحصیل خوشاب ضلع شاہ پور اجداد، مجاہدینِ عرب کے ساتھ براستہ ایران ہندوستان آئے۔ خاندان، علمی، ادبی اور دینی، والد گرامی پیر غلام نبی قابلِ قدر اور قابلِ تحسین، علمی، ادبی اور شعری صلاحیتوں کے حامل، لاہور سے شائع ہونے والے انتہائی معروف رسائل کے مدیر رہے۔ تہذیب نسواں، پھول، ادب لطیف، نقوش، فنون، تصانیف، بہت سے شعری اور افسانوی مجموعے۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء میں رسالہ صوفی میں ان کی یہ نعت شائع ہوئی تب ان کی عمر کم وبیش ۱۹ سال تھی۔ عمر بھر دیگر اصنافِ ادب ہی کی طرف متوجہ رہے۔ ۱۹۹۲ء میں آپ کا نعتیہ مجموعہ جمال کے نام سے شائع ہوا۔ جو انتہائی دل آویز اور روح پرور نعتوں پر مشتمل ہے، جمال کا انتساب یوں ہے ''والد گرامی پیر غلام نبی المعروف نبی چَن مرحوم کے نام'' ــــــ اور یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا۔ چند شعر دیکھیے ؎

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے، یہ شیدا تیرا
اس کی دولت ہے فقط نقشِ کفِ پا تیرا
پورے قد سے میں کھڑا ہوں، تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے، سہارا تیرا

تجھ سے پہلے کا جو ماضی تھا، ہزاروں کا سہی
اب جو تا حشر کا فردا ہے وہ تنہا تیرا

جزیرۃُ العرب

محمد اسلم جیراجپوری

وہ عرب کہ دینِ حق ہوا جس سے آشکارا
کہ مٹا جہاں سے باطل، کیا کفر نے کنارا
حرمِ خدا ہے اس میں، حرمِ نبی ﷺ ہے اس میں
کہ ملائکہ کی فوجیں جہاں رہتی ہیں صف آرا
ہے اسی میں گھر خدا کا کہ جو چشمہ ہے ہُدیٰ کا
کہ جہانِ تیرہ میں ہے وہی حق کا اک منارا
وہ رسول ﷺ فخرِ آدم کہ ہے رحمتِ دو عالم
اسی سر زمیں پہ رب نے اسے عرش سے اتارا
یہ حرم کی سر زمیں ہے، یہ متاعِ مسلمیں ہے
نہ کسی کی ہے تجارت نہ کسی کا ہے اجارہ
یہ جزیرۃُ العرب ہے، یہاں آستانِ رب ہے
کہ ہم اس کے پاسباں ہیں وہ ہے پاسباں ہمارا

(اگست ۱۹۲۵ء)

(نام۔محمد اسلم، ولدیت، مولانا سلامت اللہ، وطن، جیراجپور ضلع اعظم گڑھ یو۔پی، ولادت ۲۷ جنوری ۱۸۸۲ء، ضلع جونپور، وفات ۲۸ دسمبر ۱۹۵۵ء دہلی، تلمذ، حکیم معشوق علی جوہر، پروفیسر، جامعہ ملّیہ دہلی، ادیب، محقق، نقاد، سیرت نگار، تصانیف ۲۶ کتابیں)

مرقعِ حجاز

نیاز فتح پوری

نوٹ: حضرت نیاز فتح پوری نے مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ کے دلچسپ فوٹوز کی رسید دیتے ہوئے یہ چند شعر لکھے:

آپ کا بھیجا ہوا مجھ کو مرقع مل گیا
دیکھتے ہی جس کو میرا غنچۂ دل کھل گیا
صفحۂ کاغذ کے وہ سیمیں صباحت دیدہ زیب
اور وہ نقشہ کی ملاحت دلستان و دلفریب

وہ مناظر طیبہ و بطحا کے، وہ حج کا سماں
ہر ادا سے جس کے ہے اسلام کی شوکت عیاں
آپ کی کوشش مجھے تسکین و راحت ہوگئی
یعنی گھر بیٹھے یہاں حاصل زیارت ہوگئی

(جولائی ۱۹۱۴ء)

غم اور علاجِ غم

پروفیسر غلام محمد طورؔ

مرض بد اختری سے ہوگیا جب میرا طولانی
ستم کے نشتروں سے ہو چکی جب تن کی عریانی
ڈبونے جب لگی دریائے غم کی مجھ کو طغیانی
بڑھی میرے بچانے کے لیے تائیدِ ربانی
کنارے پر لگا کر مجھ سے رحمت یوں ہوئی گویا
اے کہ مجروحِ تیغِ یاس و اندوہ و پریشانی
تجھے کیا غم کہ ہے تو اس شہنشاہ ﷺ کے غلاموں میں
کہ جس کے در کی جبریلِ امیںؑ کرتے ہیں دربانی
تجھے فیضِ ازل سے گر ملی منقارِ بلبل ہے
گل گلزارِ بطحا پر کیا کر نغمہ افشانی
گلِ گلزارِ بطحا کون؟ جس کے پرتوِ رخ سے
ہے رنگیں روئے گل ہائے بہارستانِ امکانی
گلِ گلزار بطحا کون؟ جس کی شانِ محبوبی
ہے دیتی چہرۂ حور و ملک کو غازہ سامانی
کہا میں نے، مجھے منظور ہے اس گل کی مداحی
چمن زارِ حجازی کا ہوا میں مرغِ بستانی
مرا آقا محمد ﷺ ہے، شرف جس کی غلامی کا
گدائے بے نوا کو بخشتا ہے فرّ سلطانی
جیوں گا جب تلک، اس کی کروں گا وصف پیرائی
میں ہندی لَے میں دکھلا دوں گا جگ کو شانِ حسّانی

(جون ۱۹۱۹ء)

(طور مرے کالج میں پروفیسر تھے اور مخزن میں بھی ان کی منظومات شائع ہوتی رہی ہیں)

اے رسول ہاشمی ﷺ خواجہ فیض لدھیانوی

اے رسولِ ہاشمی ﷺ اے نازشِ اسلامیاں
تیری عظمت کی گواہی دے رہا ہے کُل جہاں
کیا عیاں ہو شان تیری، وائے عاجز ہے قلم
کیا بیاں ہو آن تیری، ہائے قاصر ہے زباں
پاک دامن، نیک سیرت، خوش ادا، صادق امین
رحم دل، ہمدرد، مخلص، عدل پرور، مہرباں
دیکھتے ہی دیکھتے باطل کی ظلمت مٹ گئی
آفتابِ حق نے کیں آفاق میں ضَو پاشیاں
فصلِ گل آئی، عنادلِ نغمہ پیرا ہو گئے
گلشنِ ہستی سے رخصت ہو گیا دورِ خزاں
جس بلندی پر مکیں ہیں ان دنوں اہلِ زمیں
اس کی پستی میں نظر آتے ہیں ساتوں آسماں
تشنہ کامانِ صداقت کو صلائے عام دے
اب بھی دنیا میں ہے تیرے فیض کا دریا رواں

(ستمبر ۱۹۳۷ء)

گزارش اور جواب

سید سمیع اللہ (مسلم ہائی سکول لاہور)

مزارِ نبی ﷺ پر کہا میں نے رو کے
تجھے کچھ خبر ہے کہ کیا ہو رہا ہے
مسلمان دنیا سے مٹنے لگے ہیں
زمانہ بہت بے وفا ہو رہا ہے
موذن جہاں کہتے تھے لا الٰہ
وہاں زور تثلیث کا ہو رہا ہے
میں یوں کہہ چکا جب تو آواز آئی
تو کیوں محوِ آہ و بُکا ہو رہا ہے

میں امت کی حالت سے واقف ہوں بالکل
سمجھتا ہوں جو کچھ ہوا، ہو رہا ہے
مسلماں، مسلمان ہوتے تو پھر کیوں
یہ ہوتا کہ جو برملا ہو رہا ہے
کفِ مسلم اور خونِ مسلم سے رنگیں
یہ آپس میں کیا ماجرا ہو رہا ہے
مسلماں خدا کو ہیں سب چھوڑ بیٹھے
تو ان سے خدا بھی خفا ہو رہا ہے

(نومبر۱۹۲۰ء)

محمد ﷺ

مولانا ساغرؔ نظامی

دنیا کی فضاؤں میں مخمور اندھیرا تھا
آبادیٔ عالم کو الحاد نے گھیرا تھا
مستی کا اک آئینہ ہر منظرِ ہستی تھا
ہر منظرِ ہستی میں آئینہِ پستی تھا
احکامِ تمدن سے مرعوب نہ تھی دنیا
خود اپنی نگاہوں میں محبوب نہ تھی دنیا
منشائے الٰہی کی تائید نہ تھی کوئی
تجدیدِ رسالت کی اُمید نہ تھی کوئی
اک جوش اٹھا ناگاہ پھر قلزمِ وحدت میں
اک نغمۂ نو گونجا، خاموشیٔ فطرت میں
یہ عالم سفلی تھا، یا عالمِ علوی تھا
اس کے درِ اقدس کا اک ذرۂ مخفی تھا
انساں نے شہادت دی، یہ افسرِ انساں ہے
جن فخر سے بول اٹھے، یہ فخرِ سلیماں ہے
حیوان اطاعت سے سر اپنا جھکا بیٹھے
جو سرکش و مرتد تھے، وہ سامنے آ بیٹھے

ہر گھر نے گواہی دی، ہر در نے گواہی دی
پیڑوں نے گواہی دی، پتھر نے گواہی دی
قدرت نے کہا بے شک انسان یہ افضل ہے
احمد ﷺ ہے، محمد ﷺ ہے، محمود ہے، مرسل ﷺ ہے

(ستمبر ۱۹۲۷ء)

(نام۔صمد یار خاں۔ ولدیت احمد یار خاں، تلمذ، سیماب اکبر آبادی، ولادت ۲۱ دسمبر ۱۹۰۵ء، علی گڑھ، وفات، ۲۷ فروری ۱۹۸۴ء، دہلی، تصانیف، انارکلی، بادۂ مشرق، تہذیب کی سرگزشت، سرود و شباب، شبابیات، شکنتلا، صبوحی، کہکشاں، مشعلِ آزادی، نہرونامہ)

سفرِ طائف

چودھری عبدالحمید خان (پی سی ایس ریٹائرڈ، گوجرانوالا)

فلک کو آج تک بھولا نہیں طائف کا نظارہ
رسول اللہ ﷺ جب تبلیغ کو کفار میں آئے
ادھر سے سنگباری تھی، ادھر پیہم دعائیں تھیں
نہیں ممکن کہ بل تک ابروئے خمدار میں آئے
مقدس خوں کے جو قطرے گرے پائے مقدس سے
وہی موتی بنے اور ابرِ گوہر بار میں آئے
ستم سہہ کر دعا کی، یہ نہیں پہچانتے مجھ کو
نہ جوشِ انتقام اے منتقم، اظہار میں آئے
کیا پھر عرض، یا رب رکھ سلامت، شاید ان میں سے
کوئی بندہ کبھی جھک کر تری سرکار میں آئے

(نومبر ۱۹۳۸ء)

(نعت نگار ۱۹۳۶ء میں حجِ بیت اللہ کے لیے گئے۔ یہ نعت وہیں موزوں ہوئی۔ بعد میں ''صوفی'' میں شائع ہوئی اور اب یہی نعت ان کے مجموعۂ کلام ''کلیاتِ حمید'' مطبوعہ ۱۹۹۷ء، میں شامل ہے۔

مدینے کی گلیاں

حافظ محمد یعقوب اوجؔ گیاوی

خطِ کہکشاں ہیں مدینے کی گلیاں
فلک آستاں ہے مدینے کی گلیاں

ملک پاسباں ہیں مدینے کی گلیاں
رفیع المکاں ہیں مدینے کی گلیاں
عجب گل فشاں ہیں مدینے کی گلیاں
ریاضِ جناں ہیں مدینے کی گلیاں
گھٹا فضل و رحمت کی چھائی ہوئی ہے
مسرت سے خندہ زناں ہر کلی ہے
ہر اک شاخ گلشن کی پھولی پھلی ہے
جڑی بوٹی صحرا کی دلہن بنی ہے
عجب گلفشاں ہیں مدینے کی گلیاں
ریاضِ جناں ہیں مدینے کی گلیاں
ہر اک ذرہ طیبہ کا مہرِ مبیں ہے
ہر ایک ریزۂ سنگ درّ ثمیں ہے
بہت عرش و کرسی سے ارفع زمیں ہے
شگفتہ چمن رشکِ خلدِ بریں ہے
عجب گلفشاں ہیں مدینے کی گلیاں
ریاضِ جناں ہیں مدینے کی گلیاں
مبارک ہو اے طالبانِ حقیقت
مدینے میں لٹتا ہے گنجِ سعادت
سُنا، دین و دنیا کی بٹتی ہے دولت
چلو اوج لو سرفرازی کا خلعت
عجب گلفشاں ہیں مدینے کی گلیاں
ریاضِ جناں ہیں مدینے کی گلیاں

(اپریل۱۹۲۰ء)

خواب گاہِ مصطفیٰ ﷺ

سجدہ گاہِ قیصر و فغفور ہے
خواب گاہِ مصطفیٰ ﷺ یا طور ہے
جس جگہ محبوبِ حق ﷺ مستور ہے
وصف سے اس کے بشر مجبور ہے

نورِ حق سے سر بسر معمور ہے
روضۂ اقدس سراپا نور ہے
سیدِ عالی نسب، والا حسب ﷺ
خاتمِ پیغمبراں، محبوبِ رب ﷺ
جلوہ گستر ہیں یہاں ماہِ عرب ﷺ
محوِ راحت ہیں شہِ امّی لقب ﷺ
نورِ حق سے سر بہ سر معمور ہے
روضۂ اقدس سراپا نور ہے
گوہرِ درجِ شرف، بحرِ سخا
مخزنِ علم و کرم، کانِ وفا
عاصیوں کے شافعِ روزِ جزا ﷺ
جلوہ افگن ہیں یہاں خیر الورا ﷺ
نورِ حق سے سر بہ سر معمور ہے
روضۂ اقدس سراپا نور ہے
کیسی دلکش ہے مدینے کی بہار
روح پرور ہے فضائے لالہ زار
دلربا موجِ نسیمِ خوشگوار
ہر طرف ہے صنعِ قدرت آشکار
نورِ حق سے سر بہ سر معمور ہے
روضۂ اقدس سراپا نور ہے
مرقدِ پاکِ شفیع المذنبیں ﷺ
خواب گاہِ رحمۃ للعالمیں
جس کے ہیں جاروب کش روحُ الامیںؑ
عرشِ اعظم ہے مدینے کی زمیں
نورِ حق سے سر بہ سر معمور ہے
روضۂ اقدس سراپا نور ہے

(نومبر۱۹۲۰ء)

خواب گاہِ مصطفیٰ ﷺ

کوثر خیرآبادی

حبذا خاکِ مزارِ رحمۃٌ للعالمیں ﷺ
مرحبا قرب و جوارِ تربتِ سلطانِ دیں ﷺ
پنجۂ مژگاں سے ہیں جاروب کش روحُ الامیں
خلق میں ایسا نہیں اعلیٰ مکاں، افضل مکیں
عرشِ اعظم سے ہے ارفع خواب گاہِ مصطفیٰ ﷺ
قُبّہ قصرِ جناں ہے مرقدِ خیر الوریٰ ﷺ
کوثر دل ریش و خستہ مبتلائے حزن و ہم
حاضرِ دربارِ والا ہے بصد رنج و الم
دیکھیے چشمِ ترحم سے ادھر شاہِ اُمم ﷺ
آپ ﷺ کے صدقے میں زائل جلد ہوں سب رنج وغم
عرشِ اعظم سے ہے ارفع خوابگاہِ مصطفیٰ ﷺ
قُبّۂ قصرِ جناں ہے مرقدِ خیر الوریٰ ﷺ

(اگست ۱۹۲۱ء)

(نام۔حکیم عابدعلی،تلمذ،امیر مینائی،ولادت ۱۸۵۳ء خیرآباد،وفات،۱۸فروری ۱۹۲۲ء،خیرآباد،ضلع سیتاپور،یو۔پی)

استغاثے

محمد عبدالمجید خاں سالکؔ بٹالوی

الغیاث اے دردِ دل اے رنجِ پنہاں الغیاث
الغیاث اے نالۂ غم، آہِ سوزاں الغیاث
الغیاث اے اشکِ خوں، اے چشمِ گریاں الغیاث
الغیاث اے بیکسی، اے یاس و حرماں الغیاث
یوں مخاطب کر جنابِ سیدِ لولاک ﷺ کو
اپنے نالوں سے ہلا دے گنبدِ افلاک کو
اے نصیرِ عاجزاں، فخرِ رسولاں ﷺ الغیاث
الغیاث اے سجدہ گاہِ تاج داراں الغیاث

الغیاث اے قبلۂ دل، کعبۂ جاں الغیاث
الغیاث اے مسلموں کے دین و ایماں الغیاث
اے حبیبِ لَنْ تَرَانِیْ گوئے اوجِ طُور سن
دردِ دل ہے سجدہ گاہِ قیصر و فغفور سن
حکم سے تیرے ہی جاری گردشِ افلاک ہے
مہر تیرا ایک صیدِ بستۂ فتراک ہے
تو ضیائے چشمِ ایماں سرورِ لولاک ﷺ ہے
ہمسرِ اکسیر تیرے آستاں کی خاک ہے
مفخرِ روحانیاں ہے، بانیٔ اسلام ہے
تیری رحمت ہی مرادِ چشمِ خاص و عام ہے
اے طرازِ مسندِ عظمت، پناہِ بیکساں
اے حبیبِ ربِ عزت، مایۂ بے مائگاں
میرِ بزمِ اولیاء سر دفترِ پیغمبراں
زیبِ ہر مدحت ہے تو اے سرورِ کون و مکاں ﷺ
دیکھ امت کی یہ مظلومی خدا کے واسطے
رحم کر ہم پر شہیدِ کربلاؓ کے واسطے
مسلموں کا آج تاباں اخترِ قسمت نہیں
اب درخشاں وہ شعاعِ نیرِ حشمت نہیں
چین کا باعث نہیں، آرام کی صورت نہیں
حاصلِ کشتِ مسلماناں بجز حسرت نہیں
المدد فخرِ رسل ﷺ بے ساز و بے ساماں ہیں ہم
کُشتۂ جورِ فلک، رہنِ غمِ پنہاں ہیں ہم
آج کل برگشتہ ہے ہم سے ہوائے روزگار
ہے ہمارے حال پر چشمِ زمانہ اشکبار
داغِ غم جورِ فلک کے رہ گئے ہیں یادگار
اب کہاں اے ظلِ حق تیرے گلستاں کی بہار
خندہ زن اغیار ہوتے ہیں ہمارے حال پر
حاملانِ عرش روتے ہیں ہمارے حال پر

غم بھی ہے، حسرت بھی ہے اور چاک دامانی بھی ہے
سازِ مرغانِ چمن میں سوزِ پنہانی بھی ہے
خانہ بربادی بھی ہے اور خانہ ویرانی بھی ہے
امتِ احمد ﷺ کو شغلِ اشک افشانی بھی ہے
اے پناہِ بیکساں، نبیوں کے سرور ﷺ الغیاث
ساقیٔ کوثر، شفیعِ روزِ محشر ﷺ الغیاث
خوابِ غفلت قوم کی، اوروں کی بیداری بھی دیکھ
اِن کی بیماری بھی دیکھ اور اِن کی لاچاری بھی دیکھ
اِن کی مظلومی بھی دیکھ، اوروں کی خونخواری بھی دیکھ
اور غیروں پر عطائے خالقِ باری بھی دیکھ
اب رگِ غیرت تری کیوں جوش میں آتی نہیں
دردِ پنہاں کی خلش کو کیوں یہ چمکاتی نہیں
بے اثر اتنی ہوئی افسوس آہِ نارسا
لشکرِ غم نے تسلط قصرِ دل پر کر لیا
اب تو یہ حالت ہے اپنی تاجدارِ دوسرا ﷺ
ہر گھڑی مدِّنظر یہ شعر ہے اقبالؒ کا
''لیں گے ہم ہنگامۂ ہستی میں اب کیا بیٹھ کر
روئیے جا کر کسی صحرا میں تنہا بیٹھ کر''
ہے یہی وقتِ مدد اے جامع المتفرقات
تجھ کو عالم میں بنایا حق نے فخرِ کائنات
دے مسلمانوں کو اب دورِ حوادث سے نجات
مومنوں کے پائے لغزیدہ کو حاصل ہو ثبات
امتِ مرحوم کی سب مشکلیں آسان ہوں
قرنِ اولیٰ میں جو گزرے، پھر وہی سامان ہوں

(بعد میں سالکؔ، اپنے نام کے ساتھ ابورشید بطورِ کنیت لکھا کرتے تھے۔ مخزن میں ان کی غزلیں اور نظمیں اسی کنیت کے ساتھ شائع ہوتی تھیں۔ مارچ ۱۹۱۷ء کے مخزن میں ان کی ایک طویل غزل چھپی ہے جس کا مقطع نعتیہ ہے)

فلک نہ خاک کرے بعدِ مرگ سالکؔ کو
اگر کرے تو غبارِ رہِ حجاز کرے

اور مطلع ہے ؎

ذرا کرم جو کسی کی نگاہِ ناز کرے
تو دل کو عیشِ دو عالم سے بے نیاز کرے

(سالک کے والدِ گرامی کا نام غلام قادر خاں، وطن بٹالہ ضلع گورداسپور، ولادت ۱۳ دسمبر ۱۸۹۴ء، وفات ۲۷ ستمبر ۱۹۵۹ء، لاہور، تلمذ، رسا رامپوری، تصانیف ۱۵ کتابیں)

حافظ محمد یعقوب اوجؔ گیاوی

المدد اے مرے سرکار رسولِ عربی ﷺ
المدد اے مرے غم خوار رسولِ عربی ﷺ
المدد اے شہِ ابرار رسولِ عربی ﷺ
المدد احمدِ مختار رسولِ عربی ﷺ
المدد، المدد اے ساقیٔ جامِ کوثر ﷺ
المدد المدد اے شافعِ روزِ محشر ﷺ
دردِ دل کس سے کہوں، درد کا درماں ہی نہیں
خلق میں کوئی طبیبِ دلِ سوزاں ہی نہیں
مرہمِ زخمِ جگر کا کہیں ساماں ہی نہیں
حیف صد حیف کوئی حال کا پرساں ہی نہیں
گلشن دہر میں ہوں بلبلِ بے پر کی طرح
رنگ اڑتا ہے مرا بوئے گلِ تر کی طرح
قرطبہ، قاہرہ، بغداد کے وہ دارِ علوم
جس کے پھیلے ہوئے ہر سمت تھے انوارِ علوم
فیض پاتے رہے عالم کے طلبگارِ علوم
گرم ہر مذہب و ملت سے تھا بازارِ علوم
ہائے وہ نیرِّ اقبال تھا تاباں کس کا
ذرہ ذرہ صفتِ مہ تھا درخشاں کس کا
میں وہی ہوں کہ زمانے میں تھی سطوت میری
میں وہی ہوں کہ دلوں پر تھی حکومت میری
میں وہی ہوں کہ زباں زد تھی فصاحت میری
آج باقی نہیں وہ شانِ سیاست میری

اب نہ وہ خلق و مروت، نہ مدارات کا نام
نہ محبت، نہ اخوت نہ مساوات کا نام

☆

مولوی غلام مصطفیٰ بی۔اے (مختارِ عدالت لاہور)

اے شفیع المذنبیں، اے صاحبِ لولاک ﷺ دیکھ
امتِ عاصی کو وقفِ گردشِ افلاک دیکھ
اے علاجِ بیکساں، اے چارۂ بے چارگاں
حسرت و اندوہ میں اسلام کو غمناک دیکھ
اے کہ تیرا نام ہے مرہم دلِ مجروح کا
صورتِ گل اپنی امت کا گریباں چاک دیکھ
ہو رہا ہے حشر برپا، عالمِ اسلام میں
اس قیامت کو خدا کے اے حبیبِ پاک ﷺ دیکھ
میری امت، لوٹ تھی جس پر زمانے کی بہار
ہو گئی ہے کمتر از خار و خس و خاشاک دیکھ
اک نظر ہو جائے اے آقا ﷺ ہمارے حال پر
ڈال دے پردہ ہماری شامتِ اعمال پر

(مئی ۱۹۱۲ء)

سیمابؔ اکبرآبادی

استغاثہ یہ ہے مجبور دلوں کی فریاد
دل ہیں دکھے ہوئے، پُر درد ہے اپنی فریاد
حشر اٹھے گا جو مقبول نہ ہو گی فریاد
پر کرے گی یہ کہاں امتِ عاصی فریاد
ہے بڑی بات اگر حاصلِ فریاد ملے
اچھے سرکار ﷺ! مزہ جب ہے، ابھی داد ملے

(یہ استغاثہ سیمابؔ کے مجموعۂ نعت ''سازِ حجاز'' میں شامل نہیں ہے۔ مدیرِ نعت)

گمنام

الغیاث اے امتِ مرحوم کے فریاد رس
چارہ گر ہر غم کے، ہر مفہوم کے فریاد رس
داد رس ہر ظلم کے، مظلوم کے فریاد رس
اے حجاز و مصر و شام و روم کے فریاد رس
در نہیں کوئی خدا رکھے ترے در کے سوا
ہاں ترے در اور اک اللہ کے گھر کے سوا

(جولائی ۱۹۲۱ء)

تضامین

بسمل بی۔اے آنرز (خمستانِ جامی سے جام نوشی)

چلیں گے ہم پہ آخر تیر کب تک
رہیں گے نیم جاں نخچیر کب تک
نہ ہو گی آہ میں تاثیر کب تک
فغاں اے وائے، یہ تاخیر کب تک
''نہ آخر رحمتہ للعالمینی
زِ محروماں چرا فارغ نشینی''

بھڑک اٹھا ہے دل داغِ جگر سے
بجائے نور خور سے پھول برسے
ہوئی ہے دور ظلمت بحر و بر سے
بھڑک اس کی بڑھی نورِ سحر سے
'' زِ خاک اے لالۂ سیراب برخیز
چو نرگس خواب چند از خواب برخیز''

ہمارا دماغ ہے اوروں کا خورشید
ہمیں رخ تیرا صبحِ عید و امید
ہوئی حاصل نہ ہم کو جو تری دید
قرار ما بخون و خاک غلطید

''شبِ اندوہ ما را روز گرداں
زِ رویت روزِ ما فیروز گرداں''

(فروری۱۹۲۰ء)

صدّق جائسی (تضمین غزلِ نواب فصاحت جنگ بہادر حضرت جلیلؔ)

جذبِ صادق کب دکھائے گا اثر یا مصطفیٰ ﷺ
شوقِ کامل کب بنے گا راہبر یا مصطفیٰ ﷺ
خاکِ طیبہ ہو گی کب کُحل البصر یا مصطفیٰ ﷺ
''خواب ہی میں ہو کسی دن جلوہ گر یا مصطفیٰ ﷺ
ڈھونڈتی ہے تم کو آنکھوں میں نظر یا مصطفیٰ ﷺ''
فیضِ توفیقِ الٰہی جب سے خضرِ راہ ہے
با اثر ہر آہ ہے، ہر بات خاطر خواہ ہے
فخر ہے آنکھوں کو، نازاں قلبِ حق آگاہ ہے
''ایک خلوت گاہ ہے اور اک تجلی گاہ ہے
دیدہ و دل آپ کے دونوں ہیں گھر یا مصطفیٰ ﷺ''
سینہ ریشوں کے لیے وجہِ شفا حسنِ ملیح
درد مندانِ محبت کی دوا حسنِ ملیح
زندگی میری بھی کر دے بامزا حسنِ ملیح
''ہو نمک افشاں کسی دن آپ کا حسنِ ملیح
چاہتا ہوں لذتِ زخمِ جگر یا مصطفیٰ ﷺ''

(نام سید تصدق حسین، تلمذ جلیل مانکپوری، وفات ۲ جنوری ۱۹۶۷ء کانپور، تصنیف، دَربارِ دُربار)

(نومبر۱۹۳۴ء)

شفق رضوی (تضمین بر نعتِ ظفرؔ علی خاں)

وہ غنچہ کھلا جو صورتِ گل، وادیٔ عرب کے خاروں میں
وہ گل کہ تھی خوشبو جس کی بسی، اے بادِ صبا گلزاروں میں
وہ نور کہ برقِ طور بنا موسیٰؑ کے لیے کہساروں میں
'' وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں''
گر خانۂ ظلمتِ باطل میں اس نورِ خدا کا شور نہ ہو
گر شمس و قمر کی منزل میں اس ماہِ لقا کا شور نہ ہو
گر بحرِ رواں کے ساحل میں اس موجِ صفا کا شور نہ ہو

''گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں، یہ نور نہ ہو سیاروں میں''
بھٹکے ہوئے تھے جو قافلے سب جن کا نہ تھا کوئی راہ نما
وادیٔ عرب سے اِن کے لیے اک غیب سے آیا، خضر بنا
جس نکتۂ مَالاَ یَنْحَلُ کا کوئی نہ ہوا تھا عقدہ کشا
''جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا، جو نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز اک کملی والے ﷺ نے بتلا دیا چند اشاروں میں''
اسرارِ الٰہی کھل نہ سکے منطق کی زبانِ فلسفہ سے
توحید کے عقدے حل نہ ہوئے حکمت کے بیانِ فلسفہ سے
مذہب کی ہے منزل دور بہت صحرائے گمانِ فلسفہ سے
''وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں''
توحید کے دامن میں ہے کھلی ہر رنگ کی اک خوش رنگ کلی
اسلام کے گلشن میں ہے شفقؔ اک پھول کی خوشبو سب میں بسی
اک روشنی شمعِ وحدت کی ہر چار طرف ہے پھیلی ہوئی
''ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ
ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی ﷺ کچھ فرق نہیں ان چاروں میں''

(اکتوبر ۱۹۲۳ء)

حکیم ابواحمد خواجہ شاہ غلام غوث بغدادی

(حضرت زین العابدینؒ سے منسوب نعت کے مطلع پر تضمین)

فرقت میں حالت ہے زبوں، ہستی ہے مانندِ عدم
اللہ! اب تو شاہِ دیں ﷺ فرمایئے لطف وکرم
بے حس ہے جسمِ ناتواں آنکھوں میں اب آیا ہے دم
''اِنْ نِلْتِ یَا رِیحَ الصَّبَا یَوْماً اِلٰی اَرْضِ الْحَرَمْ
بَلِّغْ سَلَامِیْ رَوْضَۃً فِیْھَا النَّبِیُّ الْمُحْتَرَمْ ﷺ''
اے پیکِ عالی منزلت، اے قاصدِ نیکو شیم
اے نورِ چشمِ عاشقاں، اے صاحبِ والا رہم
سازم سرِ خود را فدا بر خاک پایت دم بدم

''اِنْ نِلْتِ یَا رِیحَ الصَّبَا یَوْماً اِلٰی اَرْضِ الْحَرَم
بَلِّغْ سَلَامِیْ رَوْضَۃً فِیْھَا النَّبِیُّ الْمُحْتَرَم ﷺ''

اے پیشوائے انبیاءؑ، اے مقتدائے اولیاؒ
اے باعثِ تخلیقِ کُل، اے موجبِ ارض و سما
ہاں کس کی شانِ پاک میں ''لولاک'' خالق نے کہا
''اِنْ نِلْتِ یَا رِیحَ الصَّبَا یَوْماً اِلٰی اَرْضِ الْحَرَم
بَلِّغْ سَلَامِیْ رَوْضَۃً فِیْھَا النَّبِیُّ الْمُحْتَرَم ﷺ''

(اکتوبر۱۹۱۳ء)

شیخ عبداللطیف تپشؔ (لیکچرار گورنمنٹ کالج پسرور) قدسیؔ کی نعت پر تضمین

اے کہ حق گفتہ بہ اوصافِ تو ما زاغ بصر
از برائے شبِ ما ہر نگہ ات مثلِ سحر
بنگر بر کرمِ خود بہ گناہم منگر
''چشمِ رحمت بکشا سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقمی ہاشمی و مطلبی ﷺ''
اے خطا پوشِ تپشؔ اے گلِ باغِ ازلی
بر درت آمدہ ام از پئے فریاد رسی
جُز تو ام نیست کسے قاضیٔ حاجاتِ دلی
''سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
پیشِ تو آمدہ قدسیؔ پئے درماں طلبی''

(جولائی اگست۱۹۳۲ء)

(تپش لاہوری، ولادت ۲۹ اکتوبر ۱۸۹۵ء پسرور، وفات ۱۹۴۲ء، ملتان۔ایم۔اے فارسی، ملازمت، گورنمنٹ کالج پسرور ایمرسن کالج، ملتان، سر عبدالقادر مرحوم کے داماد اور انھی سے شرف تلمذ)

گمنام

کیا مبارک ہے ترا نام رسولِ عربی ﷺ
اِنس و جن، حور و ملک جس کے فدائی ہیں سبھی
ہے تمنا کہ دمِ نزع زباں پر ہو یہی
مرحبا سیّدِ مکی مدنی العربی ﷺ
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقمی''

(فروری۱۹۲۳ء)

ہندو شعرا در بارِ رسول ﷺ میں

نہ من بر آں گلِ عارض غزل سرایم و بس
کہ عندلیبِ تو از ہر طرف ہزارانند

(اگر سرزمینِ تثلیث سے لارڈ سٹینلے، کارلائل اور لارڈ ہیڈلے ایسی عظیم الشان شخصیتیں حضرت خواجۂ ثقلین سرورِ کونین علیہ الف الف التحیۃ والسلام کی بارگاہِ اقدس کی چوکھٹ پر جبینِ نیاز رکھتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ تو تیرہ خاکِ ہند بھی ان ہستیوں سے خالی نہیں جو حضورِ اقدس ﷺ کی مدحت سرائی کو اپنے لیے مایۂ ناز و صد افتخار سمجھتی ہیں۔ مہاراجا سرکشن پرشاد بہادر بالقابہ اور چوہدری دلّو رام صاحب کوثریؔ کا نعتیہ کلام تو ہمارے ناظرین کی نظر سے بارہا گزرا ہوگا۔ لیکن ہندوؤں میں سے بعض ایسی دوسری ہستیاں پہلے بھی گزر چکی ہیں اور اب اس افتراق و تشتت کے زمانہ میں بھی ہیں جنھیں رسولِ عربی ﷺ سے ایسی عقیدت ہے کہ ان کے جذباتِ محبت وارادت دیکھ کر صدائے مرحبا زبان سے نکل جاتی ہے۔ ذیل میں ہم بعض ہندو شعرا کا کلام مع ان کے مختصر تذکروں کے ہدیۂ قارئینِ کرام کرتے ہیں۔ مدیرِ صوفی)

شنکر لال ساقیؔ

(قوم کے کائستھ تھے۔ وطن سکندرآباد تھا۔ تفتہؔ جو مرزا غالبؔ کے شاگرد تھے، آپ کے استاد تھے۔ عموماً فارسی میں شعر کہتے تھے۔ جنابِ سرورِ کونین ﷺ کی نعت میں کہتے ہیں:

روشن دلم زِ جلوۂ روئے محمد ﷺ است
جانم فدائے نامِ نکوئے محمد ﷺ است
ایں بوئے خوش کہ مشکِ ختن یافت در جہاں
بے شبہ، از عطیّۂ موئے محمد ﷺ است

(اس نعت کے پانچوں اشعار 'نعت' نومبر ۱۹۹۵ء کی اشاعتِ خصوصی میں چھپ چکے ہیں۔ مدیرِ نعت)

سالک رام سالکؔ

(گروار آپ کا وطن ہے جناب شمشادؔ لکھنوی سے شرفِ تلمذ رکھتے ہیں۔ نعت گوئی آپ کا خاص شغل ہے۔ ''گلزارِ خُلد'' ستمبر ۱۸۸۵ء میں آپ کا یہ نعتیہ کلام طبع ہوا ہے)

لے لے گی مری جان تمنائے مدینہ
مدت سے ہے اب وردِ زباں ''ہائے مدینہ''
کیوں کر نہ دل و جاں سے مجھے بھائے مدینہ
آنکھوں میں بسا ہے مری مولائے مدینہ ﷺ
جنت کی ہوس خُلد کی خواہش نہ رہے پھر
اک بار جو قسمت مجھے دکھلائے مدینہ

ہے تنگ بہت تیرگیٔ جہل سے مولا ﷺ
کس طرح رہے ہند میں شیدائے مدینہ
چھپ جائیں مہ و مہر ابھی ابر کے اندر
برق اپنی تجلی کی جو چمکائے مدینہ
ہو جائیں زلیخا کی طرح حضرتِ یوسفؑ
دیکھیں جو کہیں دلبرِ رعنائے مدینہ ﷺ
سرمہ کی طرح آنکھوں میں سالکؔ میں لگا لوں
ہاتھ آئے جو خاکِ در مولائے مدینہ ﷺ

(''پیشوا''، دہلی کے رسول ﷺ نمبر ۱۹۳۲ء میں ان کے نام کے ساتھ ''غازی پوری'' لکھا ہے۔ مدیرِ نعت)

راج بہادر زخمیؔ

(آپ کاکوری ضلع لکھنؤ کے باشندہ ہیں۔ جناب طاہرؔ فرخ آبادی سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ آپ کا نعتیہ کلام ''گلزارِ خُلد''، قنوج ماہ اکتوبر ۱۸۸۵ء میں شائع ہوا ہے، نمونہ ملاحظہ ہو)

راہ پر آئے یہ برگشتہ مقدر اپنا
حرمِ پاک کے ہو گرد جو چکر اپنا
محوِ آئینہ رخسارِ محمد ﷺ ہیں ہم
ہفت کشور میں نصیبا ہے سکندر اپنا
جام بھر کر ہمیں یا ساقیٔ کوثر ﷺ دینا
ہو گزر حشر میں جس دم لبِ کوثر اپنا

(''سخنورانِ کاکوری''، میں ان کے استاد کا نام ''طاہر موہانی'' لکھا ہے۔ مدیرِ نعت)

شیو پرشاد وہبیؔ

(آپ کسی زمانہ میں اودھ اخبار کے مینجر تھے، خواجہ ارشد علی خاں صاحب بہادر شمس جنگ قلقؔ سے شرفِ تلمذ رکھتے ہیں۔ نعتِ رسول ﷺ میں فرماتے ہیں)

بے خبر ہو دونوں عالم سے سوائے مصطفیٰ ﷺ
یا الٰہی دل ہو ایسا مبتلائے مصطفیٰ ﷺ
دل ہے میرا بستۂ زلفِ دوتائے مصطفیٰ ﷺ
جان ہے پروانۂ شمعِ لقائے مصطفیٰ ﷺ
شافعِ محشر ملا ہے کس پیمبر کو خطاب
کون محبوبِ الٰہی ہے سوائے مصطفیٰ ﷺ

آسماں پر لوگ کہتے ہیں جنھیں شمس و قمر
زیب ہے کہیے کہ ہیں یہ نقشِ پائے مصطفیٰ ﷺ

(''قصیدہ نگارانِ اتر پردیش''، میں ہے کہ ''کلیاتِ وہبی''، مطبع منشی نول کشور لکھنؤ سے ۱۲۷۹ھ میں چھپی۔ مدیرِ نعت)

گوبند پرشاد فضا

(اردو کے آپ زبردست شاعر تھے۔ شیریں اور خسرو اردو نظم میں آپ کی تصنیف مشہور ہے۔ اسی کتاب میں آپ نے ایک نعت رقم فرمائی ہے۔ جو یہ ہے)

محمد ﷺ رہنمائے اِنس و جاں ہے
رسولِ کبریائے دو جہاں ہے
وہ محبوبِ جنابِ کبریا ہے
شفیع المذنبیں روزِ جزا ہے
زہے رکنِ رکینِ دیں پناہی
کلیدِ مخزنِ سرِّ الٰہی
ہوا دنیا میں یہ رتبہ ہے کس کا؟
سرِ عرشِ بریں پایہ ہو جس کا؟
جہاں میں زینتِ آدم ہے اس سے
بنائے دینِ حق محکم ہے اس سے
شبِ معراج وہ حکمِ خدا سے
ہوا عازم تو پھر گزرا سما سے
سواری میں براقِ برق کردار
فرشتوں نے نہ پائی جس کی رفتار
ہوا قربان اس پر چرخِ ہفتم
کیے جس نے تصدق نقدِ انجم
ہوا جب قرب اس کو کبریا سے
ہوا فائق تمامی انبیاؑ سے
نہیں ہرگز یہ طاقت ہے زباں کو
جو نعتِ مصطفیٰ ﷺ کچھ بھی بیاں ہو

(''سخنِ شعرا'' اور ''تذکرۂ سراپا سخن'' میں ہے کہ ان کے والد دیبی پرشاد تھے اور استادِ سخن، منشی مینڈو لال زآر۔ مدیرِ نعت)

سُندر لال زار (بی۔اے) حمیدؔ تلہری

(تلہر ضلع شاہجہانپور کے رہنے والے تھے۔کلام کا بیشتر حصہ نعت میں ہے۔ بھاشا زبان میں آپ کی ایک نعت ذوقِ سلیم سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہے۔ مطلع درج ذیل ہے)

اک رام سہینی گیانی گرو کل مجھ کو ملا تھا یاروں میں
وہ نین رسیلے پریم بھرے، دلدار تھا وہ دلداروں میں

مارچ ۱۹۲۹ء کے ''صوفی'' میں شامل غیر مسلموں کی نعت گوئی کے اس ذکر کے علاوہ مختلف شماروں میں بھی وقتاً فوقتاً بعض چیزیں چھپتی رہیں۔

چودھری دلّو رام کوثری (قصبہ ناندڑی ضلع حصار)

مجھے نعت نے شادمانی میں رکھا
کہ مصروف شیریں زبانی میں رکھا
درِ مصطفیٰ ﷺ کی ملے گر گدائی
تو پھر کیا ہے صاحبقرانی میں رکھا
لکھیں کوثریؔ عمر بھر ہم نے نعتیں
نہ کچھ اور غم زندگانی میں رکھا

(جنوری ۱۹۱۹ء)

(شاعر کا مجموعہ نعت ''آبِ کوثر'' ۲۹۔اشعار کی اسی نعت سے شروع ہوتا ہے۔ مدیرِ نعت)

مدینے میں مجھ کو بُلا یا محمد ﷺ
ذرا اپنا کوچہ دکھا یا محمد ﷺ
خدا کی خدائی میں تجھ سا نہیں ہے
تو یکتا ہے بعد از خدا یا محمد ﷺ

(اکتوبر ۱۹۱۵ء)

(یہ نعت بھی ''آبِ کوثر'' میں ہے۔ مدیرِ نعت)

یہ کس کا محفلِ پر نور میں دیوانہ آتا ہے
کہ آگے آگے جو مشعل بکف پروانہ آتا ہے
سلاطینِ فلک منزل بھی رک جاتے ہیں چلنے سے
گدائے مصطفیٰ ﷺ کا جس جگہ کاشانہ آتا ہے
بیاں کرّ و بیاں کا ہے، ٹھہر کر اس سے بھی مل لو
جہاں رہتا ہے دلّو رام وہ ویرانہ آتا ہے

(اکتوبر ۱۹۱۵ء)

(یہ اشعار اور کہیں نظر نہیں آئے۔ مدیرِ نعت)

لالہ بیلی رام۔رآمؔ کشمیری (از کانپور)

اگر مل جائے محبوبِ خدا کا آستاں مجھ کو
تو میں سمجھوں کہ گویا مل گیا سارا جہاں مجھ کو
میں جس گلزار کا بلبل ہوں، پہنچا دے وہاں مجھ کو
دکھا دے یا الٰہی، جلد طیبہ کا مکاں مجھ کو
محبت ہو خدا کی اور الفت ہو پیمبر ﷺ کی
انہی دو کی عنایت سے ملیں گے دو جہاں مجھ کو
پھراتا ہے عبث تو دربدر گردش کے مارے کو
مدینہ ہے جہاں اے چرخ، پہنچا دے وہاں مجھ کو
مرا بھی نام عنقا کی طرح سرنامہ ہو جائے
جو راہِ صمدیت میں بخت کر دے بے نشاں مجھ کو
لگی ہے آنکھ، محبوبِ خدا ﷺ کی چشمِ رحمت پر
نہیں اک آنکھ بھاتی آج کل چشمِ بتاں مجھ کو
خدایا رآمؔ کی دائم دعا ہے تیری رحمت سے
کتابِ نعتِ احمد ﷺ روز و شب ہو بر زباں مجھ کو

(اس سے پہلے اسدؔ نظامی کے مضمون مشمولہ ''الہام'' بہاولپور (نعت نمبر) اور میری تالیف ''غیر مسلموں کی نعت گوئی'' میں اس نعت کے تین اشعار نقل ہوتے رہے۔ چار اشعار ''صوفی'' کی معرفت اب سامنے آ رہے ہیں۔ مدیرِ نعت)

لچھمی نارائن سخاؔ (ریٹائرڈ سٹی مجسٹریٹ جے پور)

مداحِ خاص ہوں اس شاہِ دوسرا ﷺ کا
جو کن کی ہے حیثیت، ممدوح خود خدا کا
وصفِ نبی ﷺ میں پیدا ہے حمد کبریا کی
حمدِ خدا میں پنہاں ہے وصف مصطفیٰ ﷺ کا
کافر ہے مومنوں میں، مومن ہے کافروں میں
عشقِ نبی ﷺ میں یا رب، کیا حال ہے سخاؔ کا

(جون، جولائی ۱۹۳۴ء)

(ماہنامہ ''نعت'' کا ایک پورا شمارہ، جولائی ۱۹۹۲ء سخاؔ کی نعت گوئی پر مرتب ہوا۔ جس میں ان کی پچاس سے زائد نعتیں شامل ہوئیں۔ زیرِ نظر نعت بھی ان میں تھی۔ مدیرِ نعت)

منشی تستہ پرشاد فدا

نیرنگیٔ فطرت سے بلبل، بے حال نہ ہو گلزاروں میں
یکرنگی کا ہے شوق اگر، جا دیکھ حرا کے غاروں میں
کیا شانِ تجمل ظاہر تھی واللہ انوارِ محمد ﷺ سے
وہ رعب و حشم تھا بشرے پر، مخصوص ہے جو سرداروں میں
خورشید سخائے احمد ﷺ کی وسعت کی مساحت کرتا ہے
کونین مگر کھچ سکتے ہیں کب اشعر کی پرکاروں میں
کیا دادِ شجاعت دی واللہ، گھمسانوں میں، پیکاروں میں
کیا عفو کو جلوہ ریز کیا، تلواروں کی جھنکاروں میں
دنیا کو فدا یہ نعت تری ڈنکے کی چوٹ سناتی ہے
سینہ ہوا جس کا آئینہ بندہ وہ فرد ہزاروں میں

(جنوری ۱۹۳۱ء)

(فدا کی یہ نعت میری تالیف ''غیر مسلموں کی نعت'' میں نہیں ہے۔ مدیر نعت)

پیارے لال رونق دہلوی

وہ حسن ہے، ٹھہرنا نظر کا محال ہے
دیکھے رخِ نبی ﷺ کسے تابِ جمال ہے
میں اور مری زبان سے توصیفِ شاہِ دیں ﷺ
بخشا ہوا حضور ﷺ کا حسنِ مقال ہے
ہر وقت ہے طلب تو اسی کی ہے اک طلب
کوئی سوال ہے تو اسی کا سوال ہے
دل پر کھنچی ہوئی ہے جو تصویر مصطفیٰ ﷺ
رونق یہ اک کرشمۂ رنگِ خیال ہے

(اکتوبر ۱۹۳۰ء)

(یہ نعت اسی سال ''پیشوا'' دہلی کے رسول ﷺ نمبر ۱۳۴۹ھ میں بھی چھپی۔ ''غیر مسلموں کی نعت'' میں بھی اس کے اشعار شامل ہیں۔ مدیرِ نعت) (ولدیت جے نرائن، وفات ۱۹۳۴ء، تصنیف، کلامِ رونق)

(۱۹۹۹ء)

☆

نعتیہ تبرکات (فارسی)

ماہنامہ ''صوفی'' کے آئینے میں

(۱۹۱۰ء-۱۹۴۷ء)

میں نے پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''صوفی'' کی دستیاب فائلوں سے اُردو نعتوں کا ایک انتخاب کیا تھا جو میری تعارفی سطور کے ساتھ ماہنامہ ''نعت'' لاہور کے ایک مکمل شمارے (مارچ ۱۹۹۹ء) کی شکل میں چھپ چکا ہے۔ ماہنامہ ''صوفی'' کا اجرا ۱۹۰۹ء میں ہوا اور وہ قیام پاکستان کے بعد تک شائع ہوتا رہا وہ دور علم ونظر کے اعتبار سے ثروت منداور رشک آفرین تھا۔ اہلِ قلم کو عربی کی بلاغتوں اور فارسی کی حلاوتوں سے کماحقہٗ آشنائی ہوتی تھی اور یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ آج تعلیمی اداروں میں عربی کی تدریس بالکل ختم اور فارسی نہ ہونے کے برابر ہے اور یہ بھی ایک صداقت ہے کہ ہمارا دینی ادب عربی کے بعد فارسی میں محفوظ ہے اور اُن کے مطالعہ سے دینی شعور نکھرتا اور دنیاوی شعار سنورتا ہے اور اُن کی آغوش میں تعلیم وتربیت پانے والی ''اُردو'' رنگ ونور کی کہکشاں بن کر جلوے بکھیرتی ہے۔ دورِ حاضر کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ عربی اور فارسی سے کٹ کر ''اُردو'' بے رنگ بھی ہو چکی ہے اور بے نور بھی اور ''اُردو دانوں'' کی اکثریت کسی فارسی شعر کو بغیر اُردو ترجمے کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ عربی کا پڑھنا اور سمجھنا تو دور کی بات ہے۔ ماہنامہ ''صوفی'' میں بہت سی فارسی نعتیں بھی موجود ہیں جن کا محفوظ ہو جانا زبان وادب کی نہ سہی، صنفِ نعت کی خدمت ضرور ہے۔ عہد حاضر (حکم ہمیشہ اکثریت پر لگایا جاتا ہے) رسالہ ''صوفی'' کے نام سے ممکن ہے آشنا ہو مگر کام سے کم وبیش نا آشنا ہے۔ آج ذوق وشوق کی دنیا ویران اور جذبہ وجنوں کا بانکپن افسردہ ہے ؎

بے دلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بے کسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

رسالہ ''صوفی'' کا تاریخی پس منظر یوں ہے۔ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد مسلمان علمی، سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے دب کر رہ گئے تھے، انگریز نے اُن کی عافیت تنگ کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ اس یاس انگیز عالم میں کچھ اُردو رسائل نے مسلمانوں کی پریشاں حالی کو سہارا دینے کی کوشش کی۔ جن میں ''نظام المشائخ''، ''معارف''، ''طریقت'' اور ''صوفی'' قابل ذکر ہیں۔ ''صوفی'' نے اسلامی تصوف، دینی قدروں اور ادبی رجحانات کو فروغ دینے کی بھرپور سعی کی ''صوفی'' کا اجرا جنوری ۱۹۰۹ء میں ہوا۔ یہ رسالہ پیر سید غلام حیدر شاہ جلالپوریؒ کی یاد میں جاری کیا گیا اور قیمت بارہ آنے سالانہ رکھی گئی کہ مالی مفاد پیش نظر نہ تھا۔ ۱۹۳۴ء میں سالانہ قیمت ۲ روپے تھی اور فی پرچہ چار آنہ۔ اس کے

مدیر و مالک، ملک محمد الدین اعوان، حضرت سید غلام حیدر شاہ جلالپوریؒ کے مرید خاص تھے اور حضرت جلالپوریؒ ہی نے ''صوفی'' کے اجرا کی اجازت دی تھی اور دعا بھی فرمائی تھی۔

یہ بات ہے ۱۹۰۸ء کی مگر اسی سال (۶ جولائی ۱۹۰۸ء) اُن کا وصال ہوگیا یوں ''صوفی'' کا اجرا معرض التوا میں چلا گیا، چنانچہ جنوری ۱۹۰۹ء کو اس کا پہلا شمارہ اشاعت پذیر ہوا اور اس میں حضرت جلالپوریؒ کے ملفوظات اور مناقب پیہم چھپتے رہے۔ جائے اشاعت پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات ہے۔ یہ مقام منڈی بہاؤالدین کے مضافات میں واقع تھا تب اِسے ''پرانی پنڈی'' بھی کہتے تھے۔ آج کل یہ منڈی بہاؤالدین ہی کا ایک حصہ ہے۔ جنوری ۱۹۰۹ء سے جون ۱۹۰۹ء تک ''صوفی'' کے سرورق پر طالب آملی کا یہ شعر لکھا ہوتا تھا۔

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن
آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن

اس شعر ہی سے ''صوفی'' کے مقاصدِ اجرا پر روشنی پڑتی ہے۔ احترامِ انسانیت، اعتدال، بے تعصبی اور خیر و فلاح کی روش کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی اصلاح و احیا پر بھی توجہ مرکوز رہی۔ بعد میں وقتی اور ہنگامی طور پر سیاسی رنگ بھی آتا گیا۔ ہندوؤں اور عیسائیوں کے اسلام دشمن روّیے کا رد بھی ہوتا رہا؟

''صوفی'' ۸/ ۲۳×۳۶ کی تقطیع اور کتابی سائز میں چھپتا رہا۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ جون ۱۹۱۳ء میں اس کی اشاعت آٹھ ہزار تک پہنچ گئی تھی اور یہ تعداد دیگر تمام ماہناموں سے زیادہ تھی۔ اس کے مدیر اعلیٰ تو ملک محمد الدین اعوان ہی تھے مگر مختلف اوقات میں نور الدین، محمد اسلم خاں، علامہ ابوالارشاد مشہدی، ملا رموزی، حکیم خورشید حسن، ملک نصر اللہ خاں عزیز اور ملک حسن علی جامعی بھی حلقۂ ادارت میں شامل رہے۔

ملک حسن علی جامعیؒ کے بعد مدیر ''صوفی'' کے فرزند اکبر ملک محمد اسلم خاں اعزازی مدیر معاون بنے۔ وہ بی۔ اے کیمبرج تھے۔ سیّد عابد علی عابد، سجاد حیدر، حجاب امتیاز علی، محمد دین تاثیر اور خواجہ غلام السیدین سے اُن کے ذاتی روابط تھے۔ وہ مغربی ادب سے متاثر تھے۔ انہوں نے ''صوفی'' کو جدید ادبی رنگ دینا شروع کر دیا۔ انہوں نے اپنے ایک شذرہ میں حضرت سید فضل شاہ سجادہ نشین جلالپور شریف سے بوجوہ اختلاف کیا جس پر مدیر ''صوفی'' نے ان کے بجائے اپنے چھوٹے بیٹے محمد اکرم خاں اعوان کو نائب مدیر مقرر کیا اور اپنی پیرانہ سالی کے باوجود ''صوفی'' کی پرانی روش بحال کرنے اور رکھنے کی بھرپور سعی کی۔

۱۹۳۸ء میں ''صوفی'' کچھ عرصہ کے لیے بند رہا۔ ۱۳ جنوری ۱۹۴۰ء کو دوبارہ شائع ہونا شروع ہوا۔ مگر اس کی مقبولیت اور تعداد اشاعت کم سے کم ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ معیار بھی گرتا چلا گیا اور قیامِ پاکستان کے بعد بھی کچھ سالوں تک صوفی رسماً اور روایتاً چھپتا رہا یا دوسرے لفظوں میں اپنی زندگی کے آخری لمحات جوں توں پورے کرتا رہا اور مدیر ''صوفی'' کی وفات کے ساتھ ہی یہ بھی اپنے طبعی انجام کو پہنچا۔

مدیر ''صوفی'' ملک محمد الدین اعوان، ۱۹ اگست ۱۸۸۱ء کو موہڑہ کلاں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام حکیم سلطان علی تھا۔ والدین بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے، آپ کا بچپن اور شباب مصائب و آلام کے نرغے میں رہا۔ ابتدائی تعلیم جلالپور اور چکوال میں حاصل کی۔ اپریل ۱۸۹۶ء میں انجمن حمایت اسلام سے متعلق اسلامیہ ہائی اسکول لاہور

میں داخل ہوئے۔ یہ دور بے سروسامانی کا تھا مگر آپ نے ہمت اور صبر کے ساتھ یہ دور گزارا۔ آپ کو ادب سے لگاؤ تھا۔ شاعرانہ ذوق فطرتاً عطا ہوا تھا۔ آپ 'موج' تخلص کرتے تھے۔ زمانہ طالب علمی میں حمایت اسلام لاہور کے ایک جلسے میں آپ نے اپنی ایک نظم بھی پڑھی اور داد پائی۔ یہاں تک کہ علامہ اقبالؒ نے بھی اپنے ایک مکتوب میں اُن کے ادبی اور شعری ذوق کی تعریف کی ہے۔ گو ارتجالاً شعر کہنے میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ گو بوجہ علالت میٹرک نہ کر سکے مگر انگریزی زبان پر خاصا عبور تھا۔ زندگی غربت وعسرت کا شکار تھی۔ ۱۹۰۶ء میں صاحبزادہ محمد الدین سیالوی کی وساطت سے پیر غلام حیدر شاہ جلالپوری کی خدمت میں دعا کے لیے حاضر ہوئے۔ انہوں نے بھی آپ کی علمی وشعری صلاحیتوں کی تعریف کی۔ اُن کی توجہاتِ گرامی قدر سے اللہ تعالیٰ نے مالی تنگی کو فراخی میں بدل دیا۔ آپ نے ''صوفی'' کے علاوہ نورتن اور اعوان بھی جاری کیے۔ رسالے کے ساتھ ساتھ کتابوں کی شاعت کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ آپ تھانہ بھون حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے رہے۔ آپ کی صحت قابل رشک رہی مگر بعض خاندانی مناقشات نے آپ کو انتہائی مغموم کر دیا۔ ذہنی صدمات، علالت کا پیش خیمہ ثابت ہوئے اور آپ ۱۷ دسمبر ۱۹۶۴ء کو وفات پا گئے۔

اللہ تعالیٰ ملک محمد الدین اعوان کو جوار رحمت میں جگہ دے کہ وہ ایک دور افتادہ دیہاتی علاقے میں بیٹھ کر، محدود وسائل اور مسدود ذرائع کے ساتھ، ایک ایسا رسالہ باقاعدگی سے شائع کرتے رہے جو خانقاہی مزاج رکھنے کے باوجود ایک عہد کو علمی، ادبی اور شعری اعتبار سے متاثر کر گیا۔ جس نے قارئین کا ایک وسیع حلقہ پیدا کیا اور بہت سے نوخیز ذہنوں کو بال وپر عطا کیے۔ اس کے آخری شماروں میں اُن شخصیات کی ابتدائی نوعیت کی تحریریں بھی ہیں جو آج علم وادب کے افق پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمک رہی ہیں اور یہ نتیجہ تھا ملک محمد الدین اعوان کی خوبصورت ادیبانہ، شاعرانہ، مدیرانہ اور متصوفانہ صلاحیتوں کا۔ انہوں نے اپنے دنوں کی تپش اور شبوں کے گداز کو علم وعرفان کے چراغ روشن کرنے اور روشن رکھنے کے لیے وقف رکھا، وہ فی الواقع لالۂ صحرائی تھے مگر ان کا رنگ، روپ دُور دُور تک دیکھا گیا اور ان کا سوز وگداز دور دور تک محسوس کیا گیا اور ان تعارفی سطور کا مقصود بھی یہی ہے کہ ان کے اس رنگ اور اس آہنگ کی یاد دیر تک باقی رہے ؎

کہیں ایثارِ غم جاتا ہے ضائع
چمن شاداب ہے، شبنم نہیں ہے

ڈاکٹر گوہر نوشاہی کے الفاظ میں:

> ''پنجاب کے ادبی اور صحافتی منظرنامے پر مجلّہ صوفی کا نام کئی زاویوں سے اہم ہے، علامہ اقبال کے فکر وفن کے تعارف کے حوالے سے اور تحریک پاکستان سے متعلق قومی ادب کی نسبت سے، اُردو صحافت کی تاریخوں نے اس طویل المدت مجلّے کی قدر شناسی اور اہمیت کے تعین میں بخل سے کام لیا ہے، مجلّہ ''صوفی'' پنجاب میں تاریخ صحافت کا سنہری باب ہے۔ البتہ اسے ایک ایسی گمشدہ کڑی بھی کہنا چاہیے جو پنجاب کی صحافت میں مذاق سلیم اور عہد ساز علمی وادبی فضا کی ضامن ہے۔''

محترمہ صبغہ فاروق نے ایم فل کے لیے ''علامہ اقبال اور مجلّہ صوفی'' کے موضوع پر ایک مبسوط مقالہ تحریر کیا ہے۔ اس میں انہوں نے انتہائی قابل قدر معلومات فراہم کی ہیں۔ اُن کے الفاظ میں ''مجلّہ ''صوفی'' نے عام شماروں کے علاوہ

انیس خاص شمارے پیش کیے۔ جن میں پانچ رسول ﷺ نمبر، گیارہ عرس نمبر، ایک عید نمبر، ایک ماتمی نمبر اور ایک سلور جوبلی نمبر شامل ہیں، جنہیں ''صوفی'' کے شاندار ماضی کی دلیل سمجھنا چاہیے۔ ان نمبروں کی تفصیل یہ ہے:

رسول نمبر: دسمبر ۱۹۱۸ء، نومبر ۱۹۱۹ء، نومبر ۱۹۲۰ء، نومبر ۱۹۲۱ء، اگست و ستمبر ۱۹۲۸ء

عرس نمبر: جون ۱۹۱۰ء، مئی ۱۹۱۲ء، اپریل ۱۹۱۵ء، اپریل ۱۹۱۶ء، فروری مارچ ۱۹۱۷ء مارچ ۱۹۱۸ء، فروری ۱۹۱۹ء، فروری ۱۹۲۰ء، جنوری فروری ۱۹۲۱ء، جنوری ۱۹۲۲ء، نومبر ۱۹۲۸ء

عید نمبر: اپریل و مئی ۱۹۲۸ء ماتمی نمبر: جنوری ۱۹۳۰ء جوبلی نمبر: اپریل ۱۹۳۵ء

ماہنامہ ''صوفی'' کو اپنی اشاعت کے طویل دور میں برصغیر کے نامور شعرا مصنفین و محققین کی معاونت حاصل رہی۔ جو اس کے سنجیدہ معیاری علمی مجلّہ ہونے کا ثبوت ہے۔ ''صوفی'' کے قلمی معاونین کی فہرست اگر مرتب کی جائے تو بہت طویل ہو جاتی ہے۔ اس لیے چیدہ چیدہ نام پیش خدمت ہیں۔ اکبر الہ آبادی، الطاف حسین حالی، دِلورام کوثری، نیاز فتح پوری، سید سلیمان ندوی، خلیق دہلوی، غلام قادر گرامی، سیماب اکبر آبادی، عبدالحلیم شرر، نوح ناروی، قاضی حمید الدین احمد، وجاہت جھنجھانوی، اختر جونا گڑھی، ناصر نذیر فراق دہلوی، خواجہ حسن نظامی، علامہ اقبال، محسن لاہوری، اصغر علی روحی، میر ولی اللہ، مولانا ظفر علی خاں، خواجہ عبدالحی فاروقی، اصغر حسین خاں، نظیر لودیانوی، ظہور احمد وحشی، مرزا سلطان احمد، نظام الملک آصف جاہ میر عثمان علی خاں، جوش ملیح آبادی، حکیم احمد شجاع، مولانا حسرت موہانی، شاکر صدیقی، محمد اکبر منیر، ماہر القادری، مرتضی احمد خاں میکش، افضل جعفری، پیرزادہ احمد شاہ ندیم علوی قاسمی اعوان (احمد ندیم قاسمی)، سید جماعت علی شاہ، مرزا عزیز فیضانی داراپوری، شوق قدوائی، صاحبزادہ فضل شاہ، مقبول احمد نظامی سیوہاروی، منشی محمد الدین فوق، مولانا عبدالسلام ندوی، نادر کاکوروی، ضیاء الدین احمد برنی، طالب بنارسی، عزیز الرحمٰن بلگرامی، سفیر کاکوروی، منشی تلوک چند محروم، حکیم احمد حسن سیوہاری، مولانا ابوالکلام آزاد، مولوی محمد سعید الحق لکھنوی، نواب سر بلند جنگ حاجی حمید اللہ خاں، ڈاکٹر نکلسن، اسلم جیراجپوری، قاضی محمد سلیمان منصور پوری، محمد بخش مسلم، تمکین کاظمی، منظور حسین منظور، سید طفیل احمد، عبدالرزاق حیدر آبادی، جلال الدین اکبر، اختر شیرانی، شیخ سر عبدالقادر، مولانا اشرف علی تھانوی، غلام احمد پرویز، ملک نصر اللہ خاں عزیز، حسن علی جامعی، علامہ ابوالارشاد مشہدی، حکیم نیر واسطی، یوسف سلیم چشتی، کیفی چڑیا کوٹی، علم الدین سالک، مولانا عبدالمجید سالک، سید عابد علی عابد، سید نذیر نیازی، محمد الدین تاثیر، نذر سجاد حیدر، حجاب امتیاز علی، عبدالماجد دریابادی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی وغیرہ۔ جس مجلّے کو خوش قسمتی سے ایسے مصنفین کا تعاون حاصل ہو، اس کی کامیابی مسلم ہوتی ہے۔ وہ بامِ عروج حاصل کیے بغیر نہیں رہتا۔ یقیناً ''صوفی'' نے ان قلمی معاونین کی مدد سے وہ منزلیں سر کیں، جن کی توقع اس سے کی جا سکتی تھی۔''

اب نعتیہ انتخاب، شعرا کے سوانحی اشارات کے ساتھ ملاحظہ کیجیے:

منشی شنکر لال، ساقی

تاریخ پیدائش ۱۰ دسمبر ۱۸۲۰ء مقام پیدائش، سکندر آباد، تاریخ وفات ۱۰ دسمبر ۱۸۹۰ء۔ آپ کے والد کا نام خوب چند تھا اور آپ منشی ہرگوپال سہائے تفتہ (۱۷۹۹ء-۱۸۷۹ء) کے چچیرے بھائی تھے۔ قوم کے کائستھ بھٹناگر تھے۔ سہارنپور کی

ایک عدالت میں ملازم تھے۔شعری ذوق فطری طور پر ودیعت ہوا تھا اور حب رسول ﷺ اُس ماحول کا فیض تھا جس میں اس ذوق نے نکھار و وقار پایا۔آپ منشی بالمکند بے صبر (۱۸۲۰ء-۱۸۹۰ء) کو اپنا کلام دکھاتے رہے۔مگر غالب اور تفتہ کی توجہات نے آپ کے شعری رنگ کو ایک دل آویز آہنگ عطا کیا۔اُن کا یہ شعر اس امر کا ثبوت ہے۔

رغبت نہیں کلام سے اُردو کے ساقیا
ہوں لینے والا غالب و تفتہ کے نام کا

جبکہ تفتہ کا ایک خوبصورت نعتیہ شعر ہے۔

چوں دم محشر، زمحشر برخود عرصہ تنگ دید
تفتہ گریاں آمد و دامانِ پیغمبر گرفت

ساقی اپنے زمانے کے معروف شعرا (غالب، مومن اور ذوق) کے ساتھ مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ آپ نے شیخ سعدیؒ کی کریما کا بھاشا میں منظوم ترجمہ بھی کیا جو۱۸۹۳ء میں شائع ہوا دوسری تصنیف ''انتخاب کلیات'' ہے اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں انہوں نے نعتیں کہی ہیں۔مگر اُردو اور فارسی کے دیوان طبع نہیں ہو سکے۔آپ کی درج ذیل فارسی نعت ''صوفی'' مارچ ۱۹۳۹ء کے شمارے میں شائع ہوئی ہے۔

روشن دلم زجلوۂ روئے محمد است — جانم فدائے نام نکوئے محمد است
یاد خداست ہمدم روئے لطیف من — دل در خیال مدحت خوئے محمد است
ایں بوئے خوش کہ مشک ختن یافت در جہاں — بے شبہ از عطیۂ موئے محمد است
در دیر ہم قبول تواں شد نماز من — گرروئے دل ز صدق بسوئے محمد است
ساقی اگرچہ جامۂ ہنداست برتنم — خاکم مگر ز یثرب و کوئے محمد است

ڈاکٹر اسماعیل آزاد اور ماہنامہ نعت لاہور (غیر مسلموں کی نعت گوئی) کے مطابق تیسرے شعر کے دوسرے مصرع میں ''بوئے محمد ﷺ'' ہے۔جبکہ ماہنامہ ''صوفی'' میں ''موئے محمد ﷺ'' ہے اور میرے خیال میں یہی درست بھی ہے اور بلیغ بھی محترم راجا رشید محمود نے لفظ ''شبہ'' کو شعری اعتبار سے غلط اور ''شبہہ'' کو درست قرار دیا ہے جبکہ ''نورِ سخن'' میں ''شبہ'' ہے اور ''صوفی'' میں بھی۔''بہر زماں، بہر زباں'' میں ''بہ شبہ'' ہے جبکہ ''اُردو شاعری میں نعت'' میں ''شبہہ'' ہے اور یہی املا درست ہے کہ اس لفظ کے آخر میں دو ''ہ'' ہیں دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں ''روئے لطیف من'' کے بجائے ''روح لطیف من'' درست ہے ''نورِ سخن'' میں یہی ہے۔جبکہ ماہنامہ ''صوفی'' میں غلط ہے۔

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ

۱۸۶۷ء میں ریاست پٹیالہ کے قصبہ منصور پور میں پیدا ہوئے۔آپ کے جدامجد قاضی معزالدین سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ سے منسلک، ایک صاحب طریقت بزرگ شاہ غلام علی دہلویؒ سے بیعت بھی تھے اور ان کے خلیفہ بھی۔آپ کے والد قاضی احمد شاہؒ ریاست پٹیالہ میں محکمہ مال میں ملازم تھے۔ایام شیر خوارگی میں آپ کو حضرت سائیں توکل شاہ صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا جنہوں نے انتہائی شفقت کے ساتھ آپ کے لیے دعا فرمائی تھی۔آپ مدت العمر پٹیالہ میں

بطور مجسٹریٹ درجہ اوّل اور سیشن جج کام کرتے رہے۔ آپ حج بیت اللہ سے واپسی پر (۳۰ مئی ۱۹۳۰ء بروز جمعہ) بحری جہاز میں وفات پا گئے۔ آپ کی نماز جنازہ مولانا محمد اسماعیل غزنویؒ نے پڑھائی اور آپ کے جسد خاکی کو سمندری لہروں کے سپرد کر دیا گیا۔ آپ ہی کا ایک شعر ہے ؎

نظر آتا نہیں قسمت میں مجھ کو لوٹ کر آنا
مجھے عمر رواں، آب رواں معلوم ہوتی ہے

نبی کریم ﷺ کی سیرت ''رحمتہ للعالمین ﷺ'' آپ کی معروف تصنیف ہے، اس کا ایک ایک لفظ آپ کے دل کی محبتوں کا آئینہ ہے کہ آپ نماز تہجد کے بعد اللہ تعالیٰ سے توفیق تحریر مانگا کرتے تھے اور پھر قلم اٹھاتے تھے۔ یوں آپ نے پھول کے تذکرے کو خوشبو کا لب ولہجہ دیا ہے آپ مسلکاً اہل حدیث تھے مگر طبیعت میں تعصب کا کوئی سا، سایہ اور تنگ دلی کا کوئی سا، شائبہ بھی نہ تھا۔ آپ اہل بیت کے ثناخواں، صوفیا کی عظمتوں کے قائل اور مختلف آئمہ کی فقہیانہ بصیرتوں کے معترف تھے۔ آپ کی طبیعت موزوں، دل گداز اور فکر پاکیزہ تھی، شاعری اور نثر میں رعنائی اسی موزونیٔ طبع کا ثمر تھی۔ آپ نے فن شاعری کی طرف باقاعدہ توجہ نہیں دی اور نہ اس سلسلے میں فکری ریاض کیا بلکہ شستہ و برجستہ طبیعت کے پیش نظر، گاہے گاہے نظر کو نوازنے والی اور دل میں اترنے والی کیفیات بے ساختہ شعر میں ڈھلتی رہیں۔

درج ذیل نعتیہ قصیدہ رسالہ ''صوفی'' کے شمارہ نومبر ۱۹۲۵ء میں چھپا تھا تب آپ کی منظومات ''صوفی'' اور ماہنامہ ''مسلمان'' میں شائع ہوا کرتی تھیں۔

قصیدہ در نعت مصطفوی ﷺ

O

علامہ اقبالؒ

ماہنامہ ''صوفی'' کے دستیاب شماروں میں علامہ اقبالؒ کی دو فارسی نعتیں بھی شائع ہوئی ہیں جبکہ اُردو کلام باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا ہے۔ پہلی نعت جون ۱۹۲۵ء میں چھپی جبکہ دوسری ستمبر ۱۹۲۹ء میں۔ یہ دونوں نعتیں علامہ کے کلام میں قبل ازیں چھپ چکی تھیں پہلی نعت ''اسرار و رموز'' میں ایک طویل نظم میں شامل ہے۔ عنوان ہے ''در معنی ایں کہ جمعیت حقیقی از محکم گرفتن نصب العین ملیہ است و نصب العین امت محمد یہ حفظ و نشر توحید است'' یاد رہے کہ اسرار خودی ۱۹۱۵ء میں رموز بیخودی ۱۹۱۸ء میں اور دونوں یکجا صورت میں ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی تھیں، دوسری نعت، غزل کی ہیئت میں ہے۔ جو ''پیام مشرق'' کی غزلیات میں شامل ہے جبکہ ''پیام مشرق'' ۱۹۲۳ء میں چھپی تھی۔ رسالہ ''صوفی'' میں اس نعت کا عنوان ہے ''ارمغان محقر بارگاہِ آقائے دو جہاں ﷺ'' گمان غالب ہے کہ یہ عنوان شاعر مشرق نے خود ہی لکھا ہوگا۔ ویسے علامہ اقبال کو بھی متعارف کرانے میں رسالہ ''صوفی'' کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ صبغہ فاروق کے ایم فل کے مقالے کا عنوان ہی ''علامہ اقبال اور مجلّہ صوفی'' ہے۔ ڈاکٹر گوہر نوشاہی کے الفاظ میں:

> ''علامہ اقبال کے قومی اور فکری پیغام کو ہر طبقۂ زندگی سے متعارف کرانے میں دو شخصیتوں کا نام آب زر سے لکھا جائے گا، ان میں سے ایک ''مخزن'' کے مدیر سر عبدالقادر اور دوسرے مجلّہ ''صوفی''

کے مدیر ملک محمد الدین اعوان ہیں ان دونوں کی خدمات کا ایک دوسرے سے مقابلہ کرنا مناسب نہیں، اپنے اپنے دائرہ کار میں دونوں کی مساعی ناقابل فراموش ہیں۔ سر عبدالقادر پر تو گزارے لائق تھوڑا بہت کام ہو چکا ہے لیکن ملک محمد الدین اعوان پر نہ صرف یہ کہ کوئی اہم کام تا حال منظر عام پر نہیں آیا، بلکہ علامہ اقبال کے تعلق سے خود اقبال شناس بھی پوری طرح ان سے آشنا نہیں ہیں، مجلّہ ''صوفی'' علامہ اقبال اور عصر اقبال کا ایک اہم ماخذ ہے۔''

رسالہ ''صوفی'' میں شائع ہونے والے علامہ اقبالؒ کے نعتیہ اشعار درج ذیل ہیں۔

اُمئے پاک از ہوئی گفتار او — شرحِ رمز ماغوئی گفتار او
تا بدست آورد نبض کائنات — وا نمود اسرار تقویمِ حیات
از قبائے لالہ ہائے ایں چمن — پاک شست آلود گیہائے کہن
در جہاں وابستۂ دینش حیات — نیست ممکن جز بہ آئینش حیات
اے کہ می داری کتابش در بغل — تیز تر نہ پا بہ میدانِ عمل

O

شعلہ در آغوش دارد عشق بے پروائے من — برنخیزد یک شرار از حکمت نازائے من
چوں تمام افتد سراپا نازمی گردد نیاز — قیس را لیلیٰ ہمی نامند در صحرائے من
بہر دہلیز تو از ہندوستاں آوردہ ام — سجدۂ شوقے کہ خوں گردید در سیمائے من
تیغ لا در پنجۂ ایں کافر دیرینہ دہ — بازبنگر در جہاں ہنگامۂ اِلّائے من
گردشے باید کہ گردوں از ضمیر روزگار — دوش من باز آرد اندر کسوت فردائے من
از سپہر بارگاہت یک جہاں وافر نصیب — جلوۂ داری دریغ ازوادیٔ سینائے من
باخدا درپردہ گویم باتو گویم آشکار — یارسولؐ اللہ! اوپنہان و توپیدائے من

شیخ عبداللطیف تپش

تپش لاہوری کے سوانحی کوائف، باوجود کوشش کے، مجھے مل نہیں سکے، سوائے اس کے کہ اُن کی ولادت ۲۹ اکتوبر ۱۸۹۵ء کو پسرور کے مقام پر ہوئی، بشارت علی خاں فروغ نے اُردو شعرا اور ادبا کے سوانحی حالات سے متعلق ''وفیات مشاہیرِ اُردو'' کے نام سے ایک مبسوط تالیف شائع کی ہے۔ اس میں انہوں نے پسرور کا ضلع لاہور لکھا ہے۔ شیخ عبداللطیف تپش کا سال وفات ۱۹۴۲ء ہے اور مقام وفات ملتان۔ رسالہ ''صوفی'' میں اُن کے اسم گرامی کے ساتھ لیکچرار گورنمنٹ کالج پسرور تحریر ہے اور رسالہ جولائی، اگست ۱۹۲۲ء سے متعلق ہے۔ نہیں معلوم کہ ۱۹۲۲ء میں پسرور میں گورنمنٹ کالج تھا یا نہیں۔ بہرکیف اُن کی یہ نعت حضرت محمد جان قدسیؒ کی معروف نعت پر ۹ بندوں پر مشتمل ایک خوبصورت تضمین ہے۔ قدسیؒ کا سن ولادت ۹۹۲ھ ہے۔ مقام ولادت مشہد مقدس ہے۔ اسی نسبت سے قدسی تخلص ہے۔ قدسیؒ ہندوستان بھی تشریف لائے۔ کب آئے اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ بعض نے ۱۰۴۲ھ لکھا ہے۔ ۱۰۴۳ھ میں شاہجہان کے ساتھ کشمیر بھی گئے۔

سال وفات ۱۰۵۶ھ ہے۔ مقام وفات لاہور۔ کلیم کاشانی کا یہ شعر قدسیؒ ہی کی وفات کے بارے میں ہے ؎

شد بہ لاہور گراں گنج معانی در خاک
رفت تاطوس ولی غلغلۂ نوحہ گرش

قدسیؒ کی معروف نعت پر اُردو اور فارسی میں اتنی تضمینیں لکھی گئی ہیں کہ یہ گمان، یقین کی حد تک پہنچ جاتا کہ اس نعت کو حضورِ ناز میں پذیرائی کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ اس میں فکری جمال، شعری کمال سے ہم آہنگ ہے۔ یوں لگتا ہے کہ یہ نعت لکھی نہیں گئی بلکہ لکھوائی گئی ہے۔ حبِ رسول ﷺ خوشبو بن کر لفظ لفظ کو مہکا رہی ہے اور یہ مہکتی فضا، ایک ایسے فیضان کا پتا دیتی ہے جو فی الواقع متاعِ گرانمایہ ہے۔ برادر محترم راجا رشید محمود، نے ماہنامہ نعت کا ایک مکمل شمارہ (جولائی ۱۹۸۸ء) حضرت قدسیؒ کی اس نعت پر کی گئی تضمینوں کے لیے مختص کیا ہے۔ اپنے خوبصورت اسلوب میں، حرف آغاز کے طور پر یوں لکھتے ہیں:

''قدسیؒ نے سگِ سرکار سے نسبت کی، پھر اس پر سخت ندامت محسوس کی۔ اس خیال سے کہ آقا حضور (ﷺ) کے تو کوچے کے کتے سے نسبت کرنا بھی بے ادبی ہے۔ ایسے مؤدب نعت گو کے حالات میرے آپ کے سامنے ہوں یا نہ ہوں۔ اس کے آقا و مولا (علیہ الصلوٰۃ والثنا) کی نظر میں تو ہیں وہاں تو اس کی اس نعت کی پذیرائی یوں ہوگئی کہ یہ نعت بچے بچے کی زبان پر جاری رہی۔ بڑے بڑوں نے اس کی تضمین کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اُردو اور فارسی میں اس نعت کی اتنی تضمینیں ہوئی ہیں کہ اس سے پہلے یا بعد میں کسی اور نعت کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہوا۔ اس نعت میں الفاظ کی شوکت اور صنائع بدائع کی بھرمار نہیں ہے۔ جذبے کی کارفرمائی ہے۔ محبت کی فراوانی ہے، عقیدت کا عمل دخل ہے۔ اس نعت کا شاعر بارگاہِ رحمت ہر دو عالم ﷺ میں ہاتھ باندھے کھڑا نظر آتا ہے اور، مدحت سرکار ﷺ کے باب میں یہی سعادت فن کی معراج ہے۔''

ماہنامہ 'نعت' کے اس خصوصی شمارے میں ۹۲ شعرا کی تضمینیں شامل ہیں اور ۴۰ کے قریب اُن شعرا کا ذکر ہے جن کی تضمینیں بوجوہ اس میں شامل نہیں ہوسکیں۔ شیخ عبداللطیف تپش کی درج ذیل تضمین، ان میں شامل نہیں ہے، یوں یہ کمیاب ہی نہیں، نایاب بھی ہے یہ ماہنامہ ''صوفی'' کے جولائی اگست ۱۹۲۲ء کے شمارے سے لی گئی ہے۔

حبّذا جانِ جہاں نازشِ عالی نسبی — شورشِ حسنِ بتاں۔ مظہرِ سرِ عجبی
آب و رنگِ چمنِ ہاشمی و مطلبی — مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی
دل و جاں بادِ فدایت چہ عجب خوش لقبی

پنجۂ شیرِ نہیبِ تو بیافشرد دلم — خاکِ کویت ہمہ نوراست کجا آب و گلم
میگزم دست بدنداں و زحیرت انجلم — نسبتِ خود بسگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بسگِ کوئے تو شد بے ادبی

جلوہ کرد از تہِ ہر سنگِ حرم آتشِ طور — ساغرِ نابِ زمیں شد زمئے دیں مسمور
شاہدِ کعبۂ حق یافتہ صد خلعتِ نور — ذاتِ پاک تو دریں ملک عرب کرد ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بزبانِ عربی

روزہا منتظرم گر ہمہ شب حیرانم — گاہ از عجز و گہ از پاسِ ادب حیرانم
صورتِ آئینۂ صبح طلب حیرانم — من بہ بیدل بجمالِ تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بو العجبی

ہر کس از قندِ عطائے تو بود شیریں کام — یارور از تو نہالِ چمنِ عیش مدام
شاہدِ دعویِ من گلشنِ خلد است تمام — سنگِ بستانِ مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بشیریں رطبی

اے کہ حق گفتہ بہ اوصاف تو ما را غ بصر — از برائے شبِ ما ہر نگہ ات مثلِ سحر
بنگر بر کرم خود بہ گناہم منگر — چشمِ رحمت بگشا سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی

مُبتلائیم بصد تلخیٔ زہرِ سکرات — بدہ از لعلِ لب خود شکر و قند و نبات
المدد المدد اے خضر بیابان نجات — با ہمہ تشنہ لبانیم تو ئی آبِ حیات
لطف فرما کہ ز حد میگزرد تشنہ لبی

از تجلی طلبانِ رخ پاکت موسیٰ — مدح خوانِ لبِ اعجاز بیانت عیسیٰ
نور روئے تو کجا یوسفِ مصری ہیہات — نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را
سر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی

اے خطا پوشِ تلیش اے گلِ باغِ ازلی — بر درت آمدہ ام از پئے فریاد رسی
جز تو ام نیست کسے قاضیٔ حاجات دلی — سیدی انت حبیبی و طبیبِ قلبی
آمدہ پیشِ تو قدسی پئے درماں طلبی

(خاص)

اختر جوناگڑھی

نام۔ قاضی احمد میاں۔ والد محترم کا نام۔ قاضی عبداللہ۔ سال ولادت۔ ۱۸۹۰ء مقام ولادت۔ جوناگڑھ صوبہ گجرات۔ تاریخ وفات۔ ۶ اگست ۱۹۵۵ء مقام وفات، کراچی۔

تصانیف:

اسلام کا اثر یورپ پر۔ انارکلی۔ اسلامی کتب خانے۔ اسلامی کتب خانے اور اُن کا نظم و نسق۔ اقبالیات کا تنقیدی جائزہ۔ ترجمات۔ حیات نظامی۔ زرگل۔ سیپارۂ دل۔ علم اور اسلام۔ علامہ شبلی بحیثیت شاعر۔ لمعات اختر۔ مسلمانانِ سلف میں کتب کا شوق۔ اختر جوناگڑھی کی درج ذیل نعت، ''صوفی'' کے شمارہ اپریل ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی تھی۔

ہر دو عالم قطرۂ از ابرِ نیسانِ شما — سبز باغ روزگار از فیضِ بارانِ شما
پرتوے از چہرۂ انور بود ماہِ تمام — عکسے آمد آفتاب از روئے رخشانِ شما
کردہ شیریں کام عالم شکریں لعل شما — ریخت آبِ لعل و گوہر آبِ دندانِ شما

کف بریدے خود زلیخا گر بدیدے ایں ذقن — می شدے یوسف بحیرت از زنخدانِ شما
حضرت بوبکر صدیقؓ و عمرؓ عثمانؓ علیؓ — ہر یکے زیں چارشد شمعِ شبستانِ شما
اختؔر عاصی کہ سنجد نغمۂ مدح وثنا — کمترین کمتران است از غلامان شما

سحابی نجفی (حالات زندگی مل نہیں سکے) کی ایک فارسی نعت اختر جونا گڑھی نے اپنے تعارفی نوٹ کے ساتھ رسالہ ''صوفی'' کو بھیجی تھی۔ جو اگست، ستمبر ۱۹۲۸ء کے رسول ﷺ نمبر میں شائع ہوئی۔

رباعیات سحابی نجفی کا ایک قلمی نسخہ میرے کتب خانہ میں موجود ہے جس کے شروع میں دیباچۂ نثر سے پہلے ذیل کی نعتیہ غزل درج ہے۔ چونکہ سحابی کا غیر مطبوعہ کلام ہے اس لیے امید ہے کہ قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔

السلام اے نُہ فلک سرگشتۂ درکارِ شما — عقلِ کل دیباچۂ دیوانِ اسرار شما
السلام اے ہر چہ گویند وکنند اہل کمال — شرحِ گفتارِ شماو وصفِ کردار شما
السلام اے پادشاہانِ جہاں را سرورے — بہر فخر سر بلندی نقش دیوار شما
السلام اے رہروانِ راہ اسرار تمام — شوق دیدار شما، معراج رفتار شما
السلام اے معدن دریا شدن تحقیق را — نکتۂ کافی ازاں لعلے کہ دربار شما
السلام اے بندۂ سرگشتہ را یعنی سحاب — کردہ آزاد از دو عالم شوقِ دیدار شما

O

مولانا ظفر علی خاںؒ

مولانا ظفر علی خاںؒ (۱۸۷۳ء-۱۹۵۶ء) کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ وہ ایک عہد کے شعروادب اور سیاست وخطابت پر چھائے رہے۔ اُن کا قلم ان کے لیے کبھی ڈھال کا کام دیتا رہا کبھی تلوار کا۔ قوت ایمان نے انہیں زندگی مستعار کے ہر سنگین مرحلے میں سربلند رکھا، وہ فرنگی کے ظلم واستبداد سے ٹکرائے۔ انہوں نے خواب غفلت میں مدہوش ملت اسلامیہ کو جھنجھوڑا۔ غیرت وحمیت کو بیدار کیا کہ وہ تب عفت کی قبروں کا غازۂ شب تاب بن چکی تھی، انہوں نے اکڑی ہوئی گردنوں کو جھکنے پر مجبور کیا اور اُس دستار فضیلت کے بل کھولے جو رہن میخانہ ہو چکی تھی، انہوں نے اپنے قلم کو سوزِ جاودانی اور اپنی تقریروں کو دریاؤں کی روانی دے کر حضور ﷺ کی ختم المرسلینی پر شب خون مارنے والوں کو غبار معصیت بنا کر اُڑا دیا۔ نبیٔ کریم ﷺ سے انہیں جو محبت تھی وہ ان کی شاعری کی جان ہے، جو عقیدت انہیں اس نام اور اس ذات ﷺ سے رہی، ان کی نعتیں اسی کا والہانہ اظہار ہیں۔ اُن کی نعتیں قبول عام کا شرف پا چکی ہیں۔ اُن کے بعض اشعار زبان زد عام ہو کر ضرب الامثال کی سی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ حق یہ ہے کہ جب کسی نعت یا نعت کے کسی شعر کو مقبولیت نصیب ہو جائے تو سمجھیے کہ گداز فکر اور رنگینی ادا کے ساتھ ساتھ اُسے بارگاہ ناز میں باریابی کی عزت حاصل ہو چکی ہے۔ مولانا ظفر علی خاں کی اُردو شاعری کے پرشکوہ انداز، خطیبانہ آہنگ اور دل آویز اسلوب سے تو سبھی آشنا ہیں مگر کم لوگوں کو اس حقیقت کا علم ہے کہ مولانا گاہے گاہے فارسی میں بھی یکساں رعنائی اور روانی کے ساتھ شعر کہہ لیا کرتے تھے، اُن کی ارتجالی صلاحیتوں سے تو ایک دنیا واقف ہے۔ رسالہ ''صوفی'' میں اُن کی ایک فارسی نعت جون ۱۹۲۵ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی جو درج ذیل ہے:

خواجۂ ما محمد ﷺ عربی — لقبش خاتم النبیین است
مصطفیٰؐ ماہ و امتش پروین — ماہ رونق فزائے پروین است
عرب آغوش عالمے باشد — بستۂ دامنش دل و دین است
مسلم از سجدہ گنجہا اندوخت — دولت او جبین سیمین است
نعمت حق بماشد ارزانی — شرع مار اشعار و آئین است
ہست اسلام خوشترین انجام — خنک آنکس کہ عاقبت بین است
بادہ اش تندوشکّر افشاں ہم — شوردرجاں فگندوشیریں است
جوشد اندرخم حجاز ایں مے — جام ایں مے مگر جہاں بیں است
پارہ اش پرورد مراکش را — جرعہ اش ریزش لب چیں است
توزنیساں توقعے داری — گوہر ماز کان یٰسیں ست

o

علامہ نیاز فتح پوری

ماہنامہ ''صوفی'' کے حلقۂ تحریر میں وہ لوگ بھی تھے جو تب اپنی علمی حیثیت سے مؤقر سمجھے جاتے تھے اور اُن لوگوں کی مبتدیانہ تحریریں بھی ہیں جو اب ہماری ادبی دنیا میں معتبر جانے جاتے ہیں۔ اقبال سے لے کر اکبرالہ آبادی تک مولانا حسن نظامی سے لے کر مولانا ابوالکلام آزاد تک اور مولانا ظفر علی خاں سے لے کر احمد ندیم قاسمی تک، کتنے ہی عہد ساز اور جہت نما وجود ہیں جن کی علمی وجاہت مسلم ہے اور جنہوں نے ''صوفی'' کی وساطت سے، تعارف سے تعریف تک کی منزلیں طے کیں۔ نیاز فتح پوری بھی ادبا کے اس نظام شمسی میں شامل تھے۔ انہوں نے ''نگار'' کے اجرا سے قبل ''صوفی'' کے لیے مسلسل اور بے تکان لکھا۔ اُن کی ان نایاب نثری اور شعری تحریروں سے اُن کے اُس اسلوب کا بھی واضح اندازہ ہوتا ہے جس نے بعد میں انہیں ایک صاحب طرز رومانی ادیب کے طور پر متعارف کرایا۔ ان تحریروں میں اُن کی بہت سی نعتیں بھی ہیں، جنہیں پڑھ کر قدیم فارسی قصیدہ گوشعرا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ان میں خیالات کا تموج، مفاہیم کی صداقتوں سے ہم آہنگ ہے اور قلم کی بے پناہ روانی، فکری حسن سے بہرہ ور ہے۔ دور حاضر کو نعت کا دور کہا جاتا ہے اور اہل دل توصیف رسالت مآب ﷺ کا لفظ لفظ محفوظ کرنے کی دھن میں ہیں اس لیے نیاز کے نعتیہ کلام کا محفوظ ہونا ضروری ہے۔ اور یہ اس لیے بھی لازم ہے کہ دور حاضر کو علم ہو سکے کہ آج سے کم وبیش پون صدی قبل اس عظیم نثر نگار کے نعتیہ انداز کے تیور کیا تھے اور اس لیے بھی ضروری ہے کہ نیاز فتح پوری کی سوچ کے اس رخ کی طرف کسی مبصر اور ناقد نے اشارہ تک نہیں کیا اور احقر کو یقین ہے کہ اُن کی جملہ ''روشن خیالیوں'' سے صرف نظر کرتے ہوئے، روز حشر، میزان عمل میں یہ چند نعتیہ بول گرانما یہ سمجھے جائیں گے اور اُن کا خلوص رحمت حق کو آواز دے گا کہ اس دربار رحمت میں مغفرت بہانہ جُو رہتی ہے۔ یہ ایک ادبی صداقت ہے کہ نیاز ایک ایسے عہد آفرین، تاریخ ساز، جہت نما اور صاحب طرز ادیب تھے جن کی تحریروں سے کم وبیش تین نسلوں نے شعروادب کی رعنائی لی اور ایک دنیا اختلاف کے باوجود اُن کے اسلوب کی شگفتگی کی معترف رہی۔

کہاں سے لائیں گے اہل سخن، طرز سخن تیرا
کہ ہے جان ادب، روح ادب، انداز فن تیرا

نام۔ نیاز محمد خاں، تاریخی نام۔ لیاقت علی خاں بن محمد امیر خاں۔ بانی و مدیر، ماہنامہ نگار۔ ولادت ۱۸۸۴ء۔ مقام ولادت، رام سنہی گھاٹ ضلع بارہ بنکی، وفات ۲۴ مئی ۱۹۶۶ء مقام وفات، کراچی۔ بعارضہ سرطان۔ کم وبیش ۳۵ کتابوں کے مصنف اور ماہنامہ نگار کے بہت سے خاص نمبروں کے مرتب۔ فی الواقع ایک دیو قامت ادبی شخصیت اور فی الحقیقت اپنی ذات میں ایک انجمن۔ حضرت قدسیؒ کی معروف نعت پر نیاز کی تضمینیں نایاب نوعیت کی ہیں ان کا طویل نعتیہ قصیدہ قابل تحسین بھی ہے اور قابل قدر بھی، یہ نظمیں اس امر کا ثبوت ہیں کہ نیاز کے دل کی دھڑکنوں اور قلم کی نواؤں میں حضور ﷺ کی محبت لَو دیتی رہی ہے۔

تضمین کلام قدسیؒ

از رسولان اولوالعزم چہ بر ناپر سبی — افضلی، اکملی و مقتبسی، منتخبی
روز میلاد تو در عالم روز ست نبی — شب معراج تو پیغمبر تسلیم شبی
کردہ حاضر بحساب تو براق للہی — گفت جبریل فدایت من و امی و ابی
زد دو بر نیز و بمن آفوکن ایں بے ادبی — چشم بر راہ قدومت چہ ملایک چہ نبی

مرحبا سید کی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

روئے بے مثل ترا لالہ و گل بوں نوانم — یکتاں واہی و مجروح دگر نادانم
نطق گویا کہ من از غیرت او گویانم — گفت آئینہ من از چہرہ شدن حیرانم
از مثال قمر و شمس نمود دارانم — کاں بود در کلف و ایں ہمہ تف می دانم
ذکر داغ مہ کنعاں نہ بود ایماں نم — صورت ساختہ بر صورت خود نہ دانم

کن بجہاں ہر چہ جمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال ست بریں بوالعجبی

است بدیواں قدر صدر نشین ایں ہمہ — ثبت توقیع عنایات سرنوشتہ قضا
نہ فقط کوثر و تسنیم ترا کردہ عطا — تا ابد تشنہ ست ہر تشنہ ز عشاق خدا
مظہر شان خدائی بجز او اصل کجا — تو بگو ایں تو نئی اے صاحب لولاک لما
بوالبشر نوح، براہیم، شعیب و موسیٰ — پیش ایوان تو بودند ہمہ تا عیسیٰ

نسبتے نیست بذات تو نبی آدم را
نہ انکہ از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

اتمسا بے بہ کلابت چو بود در سجلم — نیست شرم کہ بگویند ہمہ تن مشتغلم
بندۂ دل منم و بندۂ نفس ست دلم — نفس من بندۂ شیطاں کہ برابش بجلم
نہ گہے شرم مرا بودہ، نہ ایندم مخجلم — کذب و دیدہ ست کہ گویم ز نہ منفعلم
در چہ تیرہ گستاخی و شوخی مہلم — کہ بناگاہ فتادہ تہ آں پا بگلم

نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بہ سگ کوی تو شد بے ادبی

نقص و تحریف چو شد در انجیل تورات و زبور
یافت انجیل بہ پے حجتِ شاں عزِ صدور
اندر آں بود بسر یانی و عبری مسطور
تام و اصاف تو با چار معظم دستور
پس تعصب مسیحا متش از زور و غرور
کردہ گم اصل و غلط ترجمہ ہا را مشہور
آں ز بانہا نہ پسندید دگر رب غیور
بعثت ختم رسل ہم نہ ازاں قوم کشور
ذاتِ پاکِ تو کہ در ملکِ عرب کرد ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں ہم بزبانِ عربی

کارِ غسلِ تو چو از کیسہ و دلاک گذشت
صاف ز آلایش تن روح و تنِ پاک گذشت
مرکبت از حرم و ایلیا و ترا ک گذشت
شد بر افلاک و ازیں دایرہ خاک گذشت
از حد خود چو براقِ تو عرقناک گذشت
تا سر پردہ جباں، رفرفِ بالا ک گذشت
با عرفناک کجا ہم ز عرفناک گذشت
مرکبِ سیر تو از حیطہ ادراک گذشت
شہ معراج، عروجِ تو نہ افلاک گذشت
بمقامیکہ رسیدی نہ رسید ہیچ نبی

باغبانِ چمنِ دہر بہ تزئینِ تمام
بہرِ گلگشتِ تو آراستہ بستانِ انام
یاسمن قد و بنفشہ سمن سنبل طرہ سثام
صوتِ خندیدنِ گل نغمہ بلبل گلبام
گل میزاں، گل خورشید، گل ماہ تمام
چوں نبود بہ گلے نکہت و رنگے زدوام
کردہ گل خاص پئے سیرِ تو باغِ اسلام
در جہاں تا بہ قیام و بجناں بعد قیام
نخلِ بستانِ مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

گر نبودے بہ تنا مزۂ قند و نبات
تمنی ترا تلخ شدے شہد حیات
شام ز دمانی ما دامِ حیاتِ درکات
بضیاتے کہ بصرت سحر روزِ نجات
لے پرستت بنمرد ہر کہ تشریفات
امتت گرسنہ و تشنہ و عریاں بہیات
الغیاث امتہ لے منبعِ فیض و برکات
عمدہ خون شہیدانِ لب نہرِ فرات
ما بہ تشنہ لبانیم تو ئی آبِ حیات
رحم فرما کہ ز حد می گذرد تشنہ لبی

صورتم مظہرِ حال ست ز من حال مپرس
بہ حسینی بہ دریغم نگر احوال میرس
کاہلم، جاہلم از عادت اغفال مپرس
شغلِ من نفس پرستی ست بشغال مپرس
ترس عصیاں بمن عاصی و بطال مپرس
نیست تو شہ ز عملہا بہم دگر ا حوال پرس
ہستی حسن عمل، خوبی افعال مپرس
نہ شرف تاج ازیں مرذلِ ارذال مپرس
عاصیانیم ز نا امیدیِ اعمال مپرس
سوئے ما روئے شفاعت بکن اے بے سببی

تا نہادی بسرِ اہلِ جہاں پا افراز
سرکشاں جملہ فتادند بپستی ز فراز
آنکہ بر پائے تو فرسود سرِ عجز و نیاز
یافت از دستِ تو در ملتِ ما تاجِ اعزاز
بحرِ قلزم چو دو انگشتِ تو کردند دراز
شرق تا غرب بہ ماہ حرمت در تگ و تاز
ایشیا، یورپ و افریقہ و چین و شیراز
ہمہ دست بشرف بالت زدست تو تجاز

بردرِ فیضِ تو استادہ بصد عجز و نیاز
مدنی و ملوسی و ہندی، یمنی و حلبی

اے شہ بندہ نواز و جواں شیخ و صبی — سابقی، عاقبی و زہرہ و جہاں منتخبی
ابطحی، یثربی و ہاشمی و مطلبی — بجز اسلئے پہ نسب از ہمہ و افضلیبی
گیر آداب ز لبہائے خموشاں بے ادبی — کہ بود ہر عملاستے تو سبب بے سببی
اے حکیم الفکار عجمی و عربی — ہم مرض تو چو قدسی ست امیر الطبی
ستیدی انت حبیبی و طبیبی قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

(صوفی، اپریل ۱۹۲۲ء)

O

چشم رحمت بکشا سوئے من اندازِ نظر

جائے شکر انۂ انعام خدائے داد — بندہ نیکی گنا ہے کہ نہ از من زدہ سر
فرستم داد بے رازقِ دستار ستیز — آخر افلند توانی خطا یم ز نظر
جود تو کیست کنوں ما من و لجاجت دگر — حالت یاس من ناکس و بیکس بنگر
من نخواہم ز تو گنج و گہر و نقرہ و زر — ہاں وئے قدرِ ضرورت کہ بود زادِ سفر
چشم رحمت بکشا سوئے من اندازِ نظر
اے قریشی لقبی، ہاشمی و مطلبی

کار ما ساخت بہ نیمے غلط انداز نظر — ترک چشمت چہ کند باز بہ ممتاز نظر
نظرت یافتہ از خالق اعجاز نظر — بردلہ نم ز الطاف یکے باز نظر
چشمت امید جہاں، کار جہاں ساز نظر — دلگیری کے از کار کسے باز نظر
لئے کہ دارد ہمہ خوار ز آغاز نظر — عاقبت کار بگیر از نظرم باز نظر
چشم رحمت بکشا سوئے من اندازِ نظر
اے قریشی لقبی، ہاشمی و مطلبی

نفس و ابلیس و دو تا راہزن انداز نظر — کرد شیطاں بدل من وطن انداز نظر
ہر دو کمل شدہ بر قصہ من انداز نظر — جائے یزداں بگرفت آہرمن انداز نظر
بدلم یا برباط کہن انداز نظر — خانۂ حق شد و میت الوثن انداز نظر
بکشید از تن ایماں بغن انداز نظر — برہمن خانہ اصلے بت شکن انداز نظر
چشم رحمت بکشا سوئے من اندازِ نظر
اے قریشی لقبی، ہاشمی و مطلبی

بر دل سرکش و بد خوئے من انداز نظر — کہ بدر رفتہ ز قابوئے من انداز نظر
برو غیر و تکاپوئے من انداز نظر — کہن تو صیدم نہ بلا ہوئے من انداز نظر
نہ مرا بین و نہ بر روئے من انداز نظر — بنگر و رو بدار وئے من انداز نظر
طرف عجز کسے و کوئے من انداز نظر — سوئے شاں گیر نہ بر سوئے من انداز نظر

اے شہِ شاہ و گدا سوئے من انداز نظر — چارہ سازِ مرضا سوئے من انداز نظر
اے خدیوِ دو سرا سوئے من انداز نظر — دستگیرِ ضعفا سوئے من انداز نظر
اے انیسِ غربا سوئے من انداز نظر — یک نظر بہرِ خدا سوئے من انداز نظر
وے جلیسِ فقرا سوئے من انداز نظر — صدقۂ آلِ عبا سوئے من انداز نظر
چشمِ رحمت بکشا سوئے من انداز نظر
اے قریشی ابطحی رہا شمی و مطلبی

(صوفی۔فروری ۱۹۲۲ء)

قصیدہ در نعت سرورِ کائنات ﷺ

گراں ہے ست بدوشِ ضعیف انسانی — شبک زبارِ نشاطِ دو کونِ ارزانی
چہ ارض و کوہ ز احمالِ او شدند ستوہ — سپہر ہم ز سبک مغزی و گراں جانی
مگر بہ بیجو تحمل بزورِ من سہ دحی — قوی ز رد و ز ازل بود روحِ انسانی
اگر ز عرضِ امانت بکوہ و ارض و سماء — غرض نہ بود ظلوم و جہول پنہانی
قوی ضعیف تو انا نحیف زار نزار — چہ تاب داشت کہ بر داشتے بہ آسانی
بریں کہ از چہ شکستند کوہ بر سرِ کاہ — بہ کوہ کوہ مرا بود کاہش جانی
کہ ناگہاں متبنہ شدم ز عالمِ غیب — چہ نیست اشرفِ مخلوق نوعِ انسانی
خصوص افضل و اکمل آدم و حوا — بہ فضلِ ثانی اول ز آدمِ ثانی
مسیح یافت ز دار الشفائے اعجازش — دو نسخہ مرض الموت و دردِ دوحانی
ز جسم و روح جدا بد بہ ماروطیس آدم — زداد بہ کشورِ جاں تختِ چار ارکانی
تقود کبجزہ از کاردان اعجازش — مسیح یافت حق خدمتِ خدائے خوانی
نمک ز شورش شورِ لمیح گفتارش — بہ بادۂ حکمِ خم نشینِ یونانی
احد بہ صورتِ آدم اوق معا بود — شد آں ز احمدِ بے میم حل بہ آسانی

مطلع ثانی

محمد عربی راز امرِ ربانی — امین و محرمِ اسرارِ روحِ انسانی

مطلع ثالث

بہ مہد کرد ترا مہد جنبانی — نسیم بادکشی مروحہ مگس رانی
کنار امّ و ثویبہ، حلیمہ سعدیہ — بہ ایں سہ پردہ غذائے تو بود روحانی
بہ دورِ حکمتِ تو در حمول خم زدہ است — شرابِ فلسفۂ خم نشینِ یونانی
بہ حکمِ اعتنائے تو خبر بہ قدرِ عشر — نمانده فرق بہ سلطانی و سلیمانی
دو نونِ کن فیکون منتہ نبوتِ تست — بود بدایرۂ خاتمِ سلیمانی
گرفتہ وام بہ اطمار حق جنینیت — اثر ز خاکِ درت سرمۂ سلیمانی
ز غم خلاص بہ اخلاص تست مخلص را — اسیرِ شانِ شان تو در پریشانی

قطعۂ سہ بیت

جہاں یکدہ ہر کہ بہ زیر آید او درست آید — بہ زیر تست دگر رازہائے پنہانی
برائے ختم رسالت ز انبیاء و رسل — در انتخاب تو شد غرد خوض طولانی
چو دیدہ باز بہ انتخاب کامل بود — خجستہ ہی ز دو ایمین یزدانی
ازاں وجود تو پیش از یکل نہ شد موجود — تو ثانی ہمہ باشی نباشدت ثانی
بہ حفظ نور تو از بطن آدر طوفاں — دوبارہ زاد بہ فلک خود آدم ثانی
بچرخ رشتۂ اعجاز گرد ما زد وہی — بہ تنگ روزن سوزن سیج گنجانی
بپیش حسن ملیح تو قدر حسن صبیح — کہ بود مدت عمرے غلام و زندانی
ز گوہر تو گرفت آب جوہر اول — چہ تاب جوہر فعال و جوہر ثانی
بود ز دامن دریائے جود و احسانت — گہ نشانی دست سحاب نیسانی
عیاں ز صورت تعلیم احسن تقویم — جمال معنی تخصیص تو بہ پنہانی
جہاں مطلع مطلع از کتاب طاعت تو — یک مطالعۂ فصلے ز باب دربانی
بہ کاوشے کہ عدو داشت از تو بعد از مرگ — ز گور رفت بہ قعر جحیم پنہانی
بہ سایہ داری شرع تو مظلے نہ خزد — متاع حکمت یوناں بہ فلسفِ یونانی
بیاض رنگے تو بیضا بیاض دست کلیم — سواد موئے تو سودا سواد ثعبانی
سواد شام خطت در بیاض صبح عذار — خط براعت ایماں بہ خط ریحانی
ز بادِ تند خلاف تو غرق کشتی کفر — بہ چار موجۂ طوفان جوش طغیانی
نہ گفتنی ست چہ گویم کہ در صفت بر تو — گرفتہ روح اولی العزم قالب ثانی
اسیر زلف تو از بند دام غم آزاد — عتیق سلسلہ موئے تست زندانی
بہ مہربانی مہر تو سہل بر دشوار — بہ قہرمانی قہر تو شکل آسانی

قطعۂ ۳ بیت

توئی کہ کامل در ہر کمال بے نقصاں — منم کہ کاملم اندر کمال نقصانی
شنیدہ ام کہ کند قدر کامل کامل — چہ باکمال دگر بشکند بہ آسانی
نہ گویمت کہ یکے کن ازیں دو کار بہ من
تو بر دو کن کہ کمال تو ہست لاثانی

قطعۂ ۱۱ بیت

برائے آل گرامی صحاب عظمانی — کہ بود ند ہمہ بر تو عاشق جانی
بہ جملہ ہاجرو انصار و اہل بدر و احد — بہ اہل بیعت رضوان حق رضوانی
بہ خاص عصمت شیخین و قربت فتنین — فقیل شیر و شبیر و مریم ثانی
بہ درد عشق بتال و بہ سوز سانا و پس — بہ خدمت انس و قرب زید و سلمانی

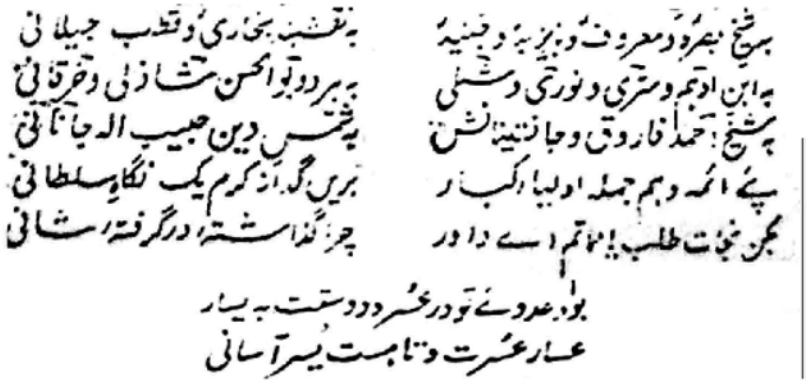
بہ شیخ بصرہ و معروف و بایزید و جنید
بہ نقشبند بخاری و قطب جیلانی
بہ ابن ادہم و شتری و نوری و شبلی
بہ ہر دو تو احسن شاذلی و خرقانی
بہ شیخ احمد فاروق و جانشینانش
بہ شمس دین حبیب الہ جانانی
پئے ائمہ و ہم جملہ اولیا کبار
بریں گدا ز کرم یک نگاہ سلطانی
بگیر نجات طلب یا تمام اے داور
چہ گذاشتہ و درگرفتہ رشانی
بود عدوئے تو در عسر و دوست بہ یسار
عسار عسرت و تابست یسر آسانی

(صوفی، فروری ۱۹۱۶ء)

O

میر عثمان علی خاں، تاجدار دولت آصفیہ دکن

نواب میر عثمان علی خاں حیدر آباد دکن کے آصفیہ خاندان کے آخری حکمران تے۔ آپ کا سن ولادت ۱۸۸۴ء اور سن وفات ۱۹۶۷ء ہے۔ والد کا نام نواب میر محبوب علی خاں آصف جاہ تھا۔ آپ ۲۷ برس کی عمر میں ۲۸ اگست ۱۹۱۱ء کو تخت نشین ہوئے۔ آپ کے عہد میں حیدر آباد دکن نے ہر شعبے میں قابل قدر ترقی کی۔ پاکستان میں شمولیت کے خواہاں تھے۔ قیام پاکستان پر آپ ہی کی امداد نے پاکستان کو مالی بحران سے بچایا۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۴۸ء کو بھارت نے حملہ کر کے حیدر آباد پر قبضہ کر لیا۔ آپ نے آخری ایام انتہائی کسمپرسی میں بسر کیے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علمی، ادبی اور شعری ذوق سے نوازا تھا۔ اُردو اور فارسی کے اچھے شاعر تھے۔ آپ کی نعتیں ماہنامہ ''صوفی'' میں باقاعدگی سے شائع ہوتی رہی ہیں۔ آپ کی پانچ فارسی نعتیں درج ذیل ہیں:

پیش تو من داستان خونچکاں آوردہ ام
شکوہ ہا از انقلاب آسماں آوردہ ام

آسماں می گویدم کاں موسم گل درگزشت
من بہارت راپئے صرف خزاں آوردہ ام

طالعم گوید کہ من بہر توازشاہ رسل
سرفراز یہائے لطف بیکراں آوردہ ام

چیست دردستم کہ آرم از برائے نذر تو
یک دل پردردبا آہ و فغاں آوردہ ام

رنج ناکامی و محرومی بہ بزم شاہؐ نیست
شاد مانم گردل ناشادماں آوردہ ام

زندہ گردم اوچو آہنگ مسیحائی کند
در حضورش شکوہ از درد نہاں آوردہ ام

اے زہے قسمت کہ من عثماں پئے عفو گناہ
رو بسوئے درگہہ شاہ شہاں آوردہ ام

(اکتوبر ۱۹۱۸ء)

O

ہوائے یثرب ایں گوید گل تازہ دمیدایں جا
بپائے سر بیا عثماںؔ! محمد آرمید ایں جا

توطن کن تو دربطحا کہ ہر کس جاہمی خواہد
رسول ایں جا، نبی ایں جا، ولی ایں جا، شہید ایں جا

شبے چوں باریاب روضہ اش گشتم ادب گفتا
نہ ایں دربارآں باشد، کنی گفت و شنید ایں جا

الا اے عازمان خلد، فتح باب آساں شد
ریاض طیبہ می گوید، کہ می باشد کلید ایں جا

در تو سجدہ گاہِ جن و انس و حور و غلمان است
امیدم ہر زماں گوید، نباشی نا امید ایں جا

زہے اے جنس عصیانم شفاعت شد خریدارت
طفیل احمد مرسل ببیں کارم رسید ایں جا

نہ من تنہا شدم محو جمالش، بلکہ اے عثماںؔ
زخودوارفتہ منصورؒ و جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

(جولائی ۱۹۲۴ء)

O

درد دل راچوں دوائی یا حبیب
چوں درون دل نیائی یا حبیبؐ

از ہزاراں سجدہ برتر دیدہ ام
بردرِ توجبہ سائی یا حبیبؐ

وقت مردن جاں با آسانی دہم
روئے خود راگرنمائی یا حبیبؐ

باعث آہ وفغان من شدہ
بے کسی و نارسائی یا حبیبؐ

چوں تو شافع داد عثمان را بحشر
ہست ایں شان خدائی یا حبیبؐ

(ستمبر ۱۹۲۶ء)

O

شہ ملک و رسالت، صاحب تاج و سریرآمد
ضیا بارو جہاں افروز، چوں مہر منیر آمد

امین و خازن رحمت، معین و شافع امت
وزیر راز دارونائب ربِّ قدیر آمد

رسول ہاشمی، خیر الوریٰ صل علیٰ احمد
کریمؐ، صادقؐ، نورؐ، نذیرؐ والبشیر آمد

چوخوش چشمے کہ مازاغ البصر نازل بشان او
زقلب پُر صفا، دزدیدۂ حق بیں نصیر آمد

خوشا پیغمبر برحق کہ بہر ما گنہگاراں
رؤفؐ والرحیم آمد، کفیلؐ والنصیر آمد

نہ ماند تاحجا بے، جلوۂ روئے حقیقت را
پئے کشف رموز غیب، علام و خبیر آمد

بنام آں شہ لولاک صدجان و دلم قرباں
کہ عثمانؔ از طفیلش بر مسلماناں امیر آمد

(دسمبر ۱۹۲۸ء)

O

جان و دلم فدائے جمال محمدؐ است
خاکم نثار کوچۂ آل محمدؐ است

دیدم بعین قلب و شنیدم زگوش ہوش
درہر مکاں ندائے جلالِ محمدؐ است

دریائے معرفت کہ کنارش پدید نیست
یک قطرۂ ز بحرِ کمال محمدؐ است

دارم چودر گرہ گہر آبداردیں
ایں آب من زآب زلال محمدؐ است

پرنور کرد آنکہ حریم دل مرا
عثمانؔ ضیائے شمع خیال محمدؐ است

(مارچ ۱۹۳۰ء)

O

ماہر القادری

نام۔منظور حسین، والد گرامی قدر کا نام۔محمد معشوق علی ظریف، جو اپنے وقت کے معروف شاعر بھی تھے، ادیب بھی اور صحافی بھی۔ تاریخ ولادت۔۳۰ جولائی ۱۹۰۷ء مقام ولادت۔کیسر کلاں ضلع بلند شہر۔ وفات ۱۲ فروری ۱۹۷۸ء مقام وفات۔جدہ، سعودی عرب، ایک مشاعرہ کے دوران میں دل کا دورہ پڑا۔ ماہنامہ 'فاران' کراچی کے مدیر اور کم و بیش ۱۷ کتابوں کے مصنف۔اللہ تعالیٰ نے ماہر القادری کو فکر و نظر کی صالحیت، شعر و ادب کی نزہت اور تحقیق و تدقیق کی عظمت سے نوازا تھا۔گھرانا دینی بھی تھا اور ادبی بھی۔اُن کی بیشتر نثری اور شعری تحریریں الوہی فرمودات اور حب رسول ﷺ سے رعنائی، سچائی اور زیبائی لیتی رہیں۔اُردو میں اُن کی بہت نعتیں معروف و مشہور ہیں اور اُن کی نعتوں کے بہت سے اشعار، زبان زد عام ہیں، اُن کے نعتیہ دیوان ''ذکر جمیل'' میں دو نعتیں فارسی میں بھی ہیں، ماہنامہ ''صوفی'' میں اُن کی نثری تحریریں بھی شائع ہوتی رہیں اور شعری تخلیقات بھی۔اُن کی درج ذیل نعت نہ ان کے نعتیہ دیوان میں ہے اور نہ اُن کی کلیات میں، اس نعت سے ماہر القادری کے اُس ادیبانہ وزن و وقار، اُس شاعرانہ لطف و لطافت اور اُس ناقدانہ ظرف و ذوق کے ابتدائی رنگ و آہنگ کا پتا چلتا ہے جو بعد میں اُن کا اعتبار اور افتخار بنا، وہ بعد میں غالباً اپنی اس ابتدائی نعت کو خود بھی بھول چکے تھے۔ اس نعت کے آخری تین بند فارسی میں ہیں۔

خورشیدِ رسالت ﷺ

سطحِ دنیا پر اندھیرا چھا رہا تھا نفس کا — آدمی پتھر کے ٹکڑوں کو سمجھتا تھا خدا
خون کے چھینٹوں سے تھا رنگین دامانِ فا — اس طرح کچھ بزمِ ہستی کی مکدر تھی فضا
انتہائے ظلم تھی عنوانِ بابِ زندگی
زخمۂ عشرت سے بجتا تھا ربابِ زندگی

دامنِ شرم و ادب کی اُڑ رہی تھیں دھجیاں — بادۂ نخوت سے تھا مخمور ہر پیر و جواں
تھیں شبابِ حسن پر بدعات کی رنگینیاں — کفر کے کانٹوں سے تھا لبریز صحنِ گلستاں
مبتلا ہر آدمی امراضِ روحانی میں تھا
زندگانی کا مزا ذوقِ تن آسانی میں تھا

بڑھ رہی تھیں روز و شب آتشکدوں کی گرمیاں — پتھروں سے ہو رہے تھے کفر کے چشمے رواں
ریبِ ظلمت میں پھنسے تھے حق پرستی کے نشاں — منجذب تھیں فطرتِ انساں میں خوں آشامیاں
رحم کا جلوہ نمایاں ناخدا ترسی میں تھا
افتخارِ جذبۂ انساں تنگ ظرفی میں تھا

مٹ گیا تھا اس طرح کچھ امتیازِ خیر و شر
یعنی کعبہ میں بتوں کے سامنے جھکتے تھے سر
تھا خمارِ زعم سے مخمور ہر فردِ بشر
اہلِ دنیا کا تکبر الامان والحذر
بدلیاں چھائی ہوئی تھیں ہر طرف ظلمات کی
ایسی حالت میں ضرورت تھی تجلیات کی

بے نیازِ جلوۂ توحید تھے شاہ و گدا
ایسی حالت دیکھ کر محسوس قدرت نے کیا
رہبری کے واسطے بھیجے محمد مصطفےٰ
مطلعِ نورِ قدم شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ
جگمگا اٹھیں یکایک چوٹیاں فاران کی
اُس کے ہر ذرّہ سے چمکیں بجلیاں ایمان کی

مہرِ وحدت کی چمک سے کفر کی ظلمت مٹی
بارک اللہ ایک ہی مرکز پہ دنیا آ گئی
فاورِ توحید کی اللہ رے جلوہ گری
خلتیں ثابت ہوئیں آخر کو سحرِ سامری
جلوۂ توحید بے پردہ نمایاں ہو گیا
ذرّہ ذرّہ خاک کا طلعت بداماں ہو گیا

مرتعشِ بُت ہو گئے ایوانِ کسریٰ ہل گیا
کس قدر نخوت شکن تھا غلغلہ توحید کا
بتکدوں میں دہر کے طوفان برپا ہو گیا
جُھک گئے سجدے خدا کے سامنے باطل خدا
پھر فضا میں پرچمِ اسلام لہرانے لگا
رفعتِ قسمت پہ اب کعبہ بھی اترانے لگا

اے جہاں مژدہ! کہ انسانِ مکمل آ گیا
مشعلِ نورِ ہدایت پیکرِ حلم و حیا
وہ کہ جس کی بارگہ میں ایک ہی شاہ و گدا
وہ کہ جس کی بات کیا ہے؟ منتقل درسِ وفا
ذرّہ ذرّہ نور شد از تابشِ انوارِ او
بالیقیں لاریب دیدارِ خدا دیدارِ او

آمد آں ہستی از و وابستہ نظمِ کائنات
آمد آں گردوں لقب ساجد شدہ لات و منات
آمد آں شیریں زباں ہر لفظ او رشکِ نبات
آمد آں عیسیٰ نفس شد زندہ مُردہ حسیات
نازِ یوسف آمدہ فخرِ سلیماں آمدہ
درحقیقت وجہِ نازِ و عزِ انساں آمدہ

شاد اے دنیا کہ آمد غمگسارِ دو جہاں
مرجعِ شاہ و گدا پشتِ پناہِ بیکساں
ناصرِ اہلِ صفا قوتِ اسلامیاں
رحمۃ اللعالمیں یعنی امامِ مُرسلاں
مژدہ اے دل باعثِ تکوینِ عالم آمدہ
مہرِ وحدت آمدہ نورِ مجسم آمدہ

فرقِ مسلم حیف خالی شد ز تاجِ عزّ و ناز
المدد اے شافعِ اُمت شہِ ذرّہ نواز
آمدہ بر درگہت بیچارگاں را سرفراز
بہرِ اہلبیتِ اقدس یک نگاہِ دلنواز
چشمۂ جود و سخا از لطفِ خود دلشاد کن
اے شفیع المذنبیں! امداد کن امداد کن

(صوفی، اکتوبر ۱۹۳۴ء)

O

اب اُن نعتوں کو دیکھیے جن کے لکھنے والوں کے سوا نجی کو ائف تک مرتب کی رسائی نہیں ہو سکی۔

نعتیہ قصیدہ

در نعت سرور کائنات خلاصہ موجودات حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ واہلبیتہ وامتہ وسلم اجمعین

(از حضرت مولانا شاہ ولایت علی صاحب عزیز مرحوم)

ترا رسد ز رسل اعتلا بسر داری — کہ تاج قم وفنا از ازل بسر داری
تراست رتبہ محبوبی زداور پاک — کہ عرش پاک بنازد بکفش بردا ری
اگر بکوچہ زلفت گذر کند یوسف — فتد بہ چاہ بلا از سر گرفتاری
بطینت از سگ اصحاب کہف پاک تراند — بہ کوچہ ہائے مدینہ سگان بازاری
دہد جراحت آزار عشق تو راحت — چہ راحتے کہ میسر شود بخونباری
شہید ناز تو گردد آنوشہ بجو غسیل — اگر بمعرکہ از تیغ تیز خونباری
محبت تو اگر حال دل بگردا ند — حلاوتش بدہد ز دشمنان علی آزاری
گناہگار تو بے زاری و تو در غم او — اگر چہ ہر نفس از ہر گناہ بے زاری
اگر تو ناز فروشی کنی ز محبوبی — بکثرت آمدہ وصدت کند خریداری
بپیش بازی ارواح امتت ہر دم — ملائکہ ز فلک ہا کنند تیاری
سواد دیدۂ آدم بیاض عارض تست — ظہور اول و نور قدم بدیداری
توئی کہ تخلیہ آرائے لی مع اللہی — صفای وقت چو زر آمد و ز معیاری
الم یجدک یتیما چو آیتے زد لاست — ولے بنصِ فادی ولایت باری
نوید قد غفرت دادۂ شہیداں را — کہ مرہمیست مفید از پئے جلا فگاری
خدائے پاک بتو عہد بستہ از دلسوف — کہ پاسداری امت کند بتاری
ندائے نصرت غیب از نصرت بالرعب است — بہر طرف کہ تو با احتشام رد آری
رسیدۂ بمقامے ز سیر لاہوتی — کہ جبرئیل بجاں آمد از پرستاری
ز نور روی تو ہست آیتے کمشکوٰتہ — ز آفتاب فروزندہ تر بتاری
بروز حشر کہ ہنگامہ بر انگیزند — کنی حفاظت یک یک نشان قہاری
فراغ بال یداللہ معجزت بنمود — کہ حق بداد بہ جعفر دو بال طیاری
عزیز بر درت آمد بروسیاہی ہا — بچشم آنکہ نظر سوئے عاصیاں داری

مطلع

ایا کہ وارث جنت بآل اطہاری — قضا رضا یتو جوید بخواب و بیداری

ولا فسوزک روز ازل مقدر کرد — قضا رضا یتو جوید بخواب بیداری
بجنبش لب بعلت نرنگ نارد چیم — کہ رو سپید کنی عاصی از سیہ کاری
نا عتدال نمی یافت ہیچ یک بہرہ — فیوضت از بعناصر نمیشدی ساری
بشہیدی کہ تو باشی بدلبری شاہد — زہر ثواب سبق می برد گنہگاری
ولایت از ہمل مذہبے بود راسخ — بعفو اجر مبدل شود بداطواری
چو نم زخاک برآئی بجوش دل فردا — گر از مجتش ایں جا چو جام سرشاری
ستائیش ز جناب و ندیدہ جنبش — ز فکرت تو چہ خیزد کہ رو بدریواری
بسلک تو شتابند بیشتر ضعفا — کہ ترکتاز نیاید ز گاؤ پرواری
اگر تو جلوہ کنی بے نقاب یا احمد — آب دیدہ ہمہ خون دل شود جاری
بلا کشان تو آہستگی گزینندہ — خدر کنند زہر جا بکی و طراری
زہے نصیب کے کز وفور رحمتش — محبت تو بنجشد مشیت باری
سرور ہر دو جہاں آ بگوشہ می فگند — زمانے کہ شود از لمحت بدل طلاری
بجز تو کیست کہ لولاک شان او باشد — توئی کہ شاہد و مشہود حق باظہاری
ہر آنچہ در خبر استاز تو صل ایمانست — توئی کہ مخبر صادق بحکم اخباری
توسیدی و سیادت فروغ می خواہد — بجلوہ ہائے درخشندہ تر درابراری
زنیش جیش بہ تنبیہ ہست بے شبہ — شایت از پئے غفران تو بنشاری
نمی کنند ز نام تو چنبئے قطبین — کہ پنجگانہ بتاسیس ہر دو سماری
مودۃ تو بجائے رساند انسانرا — کہ یکطرف ز ندآزادی دگر قتاری
ز نور پیکر پاک تو پر تو یست زمیں — ز رنگ سبز تو ہیکے سپہر نگاری
نمایہ ایست ز اعجاز مقدم پاکت — کہ یافت حاکمہ بشری ز خواب بیداری
ز ارتفاع دہد باب جبرئیل نشاں — کہ خاصتر شدہ از خاصگان سرکاری
ہیچ دور کے نیست جز تو ختم رسل — بفرکنت نبیئا محیط او داری
پیرہ اند مفاتیح ہر دو کون ترا — تو بے نیاز ز در ہم غنی ز دیناری
ز رنگ و بوئے تو سرسبز کائنات ہمہ — شگفتہ ساز بہاراں بجوش از بہاری
مدار کار دو عالم بدست آمنا — وسیلہ ہمہ کس ہر زماں بہر داری
کسے کہ خرقہ فقرش دہی بہ تمکینت — ز جائے خود نجندد جنبش از گرانباری
براق تو شب معراج پائمالش کرد — بساط چرخ کہ گسترہ شد بہ پرکاری
بجز تو کیست حمایت گر گنہگاراں — کہ ہر نفس بہ شفاعت نسق دراصراری
بچشم آنکہ بہ بینی و آبرو بخشی — سحاب بر درت استادہ میکند زاری

مطلع

کلیمی و متکلم ز حق بگفتاری — بدور تو ارنی شد فسانہ پاری

ثنائے تو کہ تواند کہ از علو ہستی
بے بعید ز نظامی و زنشاری

علاوتے بعبادات نیست بے نامت
بذوق و شوق و محبت معین و رازگاری

اگرچہ پر گنہم در امید یک نظرم
ز شیوۂ تو کہ ہست آشتی و دلداری

بمن بلرزد مصنف رخت گوید
چہ غم ز کفر کہ عقدہ کشائے زناری

تو آفتابی و از نور تو نمی آید
حکایتے بلبے از کمی و بسیاری

ز اشتیاق تو بیتاب میکند دلہا
قرارتے کہ بنعت تو میکند قاری

توئی کہ با ہمہ زشتی و زشتکاری ہا
گناہگاری ما را بہیچ نشماری

چہ انبیاء کرام و چہ اولیائے عظام
دو کارواں بہر کاروان تو سالاری

تو دیمۂ کرمی و منزہ از تشبیہ
کہ خود بشبہ نمودن عطا دہ ایثاری

حدیث ہائے تو شیریں کند مذاق ہمہ
بتو شہائے حلاوت علم در امصاری

فراہمی جنود است حیلۂ ظاہر
بمار یست تزلزل فگن بکفاری

ز ہر طرف کہ گذشتے شد از سیہ مستی
نسیم صبح خراماں بکبک رفتاری

بہ نصرت تو فرستادہ شد صبا ز سما
نمود پشت گروہ عدا بفراری

بہام سدرہ فرماندہ جبرئیل زبیم
تو با عروج پسے برتر ک زانکاری

بہ جنگ بدر حنین و بہ خیبر و با حد
قوی بقوت تو مرتضے بکراری

نبود ہیچ و نمی بود ہیچ از عالم
نمود یافتہ از ہستیت نمودداری

بلبن دلکش مزمار آل داود ی
نوائے زیر و بم عاشقاں بہر تاری

الست میکدہ تو سقاہمش جام است
حواس مست مے ما بکمال ہشیاری

چہ گوسفند چہ آہو چہ سوسمار چہ گرگ
ملاذ و ملجا ہر یک ز مور تا ماری

بہر لباس کہ پوشی فزوں کنی حسنش
تو ماہ پیرہنی آفتاب دستاری

وجود تست کہ نیر نگہا پدید آورد
بنور ظاہر و باطن شہود داداری

فزونتر است کرامت از شمار ہمہ
اگر حساب کنندش ہزار آباری

توئی بشارت عیسیٰ دعائے ابراہیم
ستودہ ہمہ پیشینیاں بہ اشعاری

تو فارغی ز من الکافرون دنیا را
کہ دار دار بقا آمد و تو دیاری

ز استماع کلام اُمیہ دلشادم
کہ منبسط بمذاق از سماع اشعاری

امید ہست کہ چوں ایں قصیدہ گوش کنی
عزیز راز محبان مذنب انکاری

بحال غرغرہ رحم آور ندر جانش
بنام پاک تو آساں کنند دشواری

زباں بہ نعت تو میگردد از قصور الکن
چنانکہ ناطقہ از نطق میشود عاری

کریمی و بکرم میکنی کفالت ما
نہ بستہ عہد و بے ذمتے در اقراری

بصر بنور بصیرت چو بنگرد بیند
پیمبراں ہمہ نورند و تو نور انواری

تو باطنی بہ بطون و تو ظاہری بظہور
بجمع جمع ز اول تو گنج اسراری

بیا کہ وقت خرابست و عافیت گم شد
بیار نامۂ اقبال بار ادباری

بیا کہ وقت بسر آمد ہست فتنہ بپاست
تواں کسے کہ بسکدوش کن نہ اوزاری

طفیل تست کہ داور بر ستیز عظیم
کند درست شکست ہمہ بجباری

ز رنگ و بوئ تو شاداب کائنات ہمہ
بسبز رنگی حسنت بہار انظاری

فروغ مہر و مہ و ہر ستارہ پرتو تست
تو ثابتی بہ ثبات و بسیر سیاری

اگرچہ کوثر و پیمانہ ہاش خاص بہ تست
بہر بہشت فرط برلب کل انہاری

خطاب تست بہر یک کہ ما شفیع تو یم
اگر بمرکز اخلاص پا بیفشاری

در اختیار تو ہست انچہ از رضا خواہی
کہ برگزید خدایت بعز مختاری

رخ تو کرد سپید و سیاہ را روشن
بیاض عین بصیرت سواد ابصاری

رواں بیا چو روانم ز تن بروں آید
کہ ہچو آب خبایش بخاک بسپاری

بشارتے بود از مجمع اکبر و اجرش
گر از کرم متوجہ بسوئ زواری

ترا بچشم تو دیدو بنور دل بشناخت
تو روشنائی چشمان کعب لحباری

تو ئی کہ ما من آفاق از بلیاتی
بجز در تو نیاید پناہ زنہاری

حق است معطی تو قاسمی تعالی اللہ
علی الدوام ز رحمت بجوش اوراری

اگر خیال تو در دل گذشت با اخلاص
فرو گذاشت مزور بزہد زواری

بپائمردی و یاری دہی سرافرازی
تو در زاتیان مندرج در اسفاری

ز رعب تو دو زہاں منہمک بیکدوئی
بدو الفقار رساند از خیل اشراری

ہزار دانہ ز اعجاز تو ببذل شود
بدانہ متصرف اگر ز انباری

نظر کنند بہ نظارۂ تو نور جمال
اگر بدیدۂ عشاق پائے بگذاری

ز عشق تو نکشد رنج از خمار عذاب
محب تو کہ شود مشتغل بہ میخواری

جہان و ہر چہ در و ہست جملہ انیۓ تست
تو ئی کہ خاتمۂ دور چرخ دواری

شہید لعل لبت را بسر خروئ ہا
عطا کنند بہ محشر لباس گلناری

تسلی ہمہ عالم بنام نامی تست
انیس و مونس ہر تندرست و بیماری

خدائے پاک خداوند قالب و قہار
مخالفان ترا کرد از ازل ناری

براق تو ہوا رفت و در جلو جبریل
کنارہ کش تو ز پست و بلند و ہموای

ز کنت کنزنت اندر دلست گوہر ہا
سرایر تو کہ داند کہ گنج اسراری

بروں ازاں کہ خبر دادہ اند جمع رسل
تو مشتہر با ساطیر و با سماری

تو صبح صادقی و صادق ہست انچہ بہ تست
نوید بخش ازیں رو بخواب اسحاری

بہر زمین کہ بود خاتم النبیئن
با ستدارۂ ہر دور نوک پرگاری

حلاوتے کہ بباغ بہشت ہست ازتست
با فتاب سخت پختہ ساز اثماری

در انتہائے ظہورات مظہر اکمل
وز ابتدائے جہاں سرگروہ اخیاری

بحرمت تو در ازاد منفرد باشم
بفرد اتیانم اگر تو بنگاری

چہ شاہدے کہ اگر مست حسن مست کنی
نشاط بخش بجوش خمار خماری

چو آفتاب درخشے بروشنائی روز
چو ماہ روشنی دیدہ در شب تاری

نہ جنبشے بہ تن آمد نہ میش و پس در دل
چہ استوار بہ پشت براق رہواری

رفیع رجبہ بر اوج نہ فلک ز عروج
بلند نام بر و ئے زمین و اقطاری

ز پیکر تو بہر سمت نور می جوشد
گمان است سایہ کہ از چار سو در انواری

سحاب مغفرتے بے کران و بے پایاں
بہ چکۂ کہ بریزی بروں ز مقداری

سرے کہ بر سر فتش رسی بہ لطف کنی
بر آمدش بہ کلہداری از نگونساری

کسیکہ خاک شود از گناہ پاک شود
سبق ربود بکویت ز آبرو خواری

بہر زمیں کہ تو باشی کنی گلستانش
تو آں گلی کہ بہار آفرین گلزاری

فلو نماند و علو شد بہ نعت چوں مرویست
کہ ماہ چار دہم با فروغ رخساری

ز پا در آمدی از دست او ہمی بستی
چہ زہرہ از تو عزازیل را بکاری

نہ ز آبیاری تو گل برنگ و بو تنہا است
کہ قطرہ بار ز شبنم بنوک ہر خاری

چہ مستی است کہ از حق نمیکند غافل
بوجد آمدہ از مستی تو ہشیاری

چو جاں بداد باخلاص تو خدائے قدیر
چہ رتبہ داد بہ سعد معاذ انصاری

چہ زر چہ سیم بخروار از جسم فلکی
کہ بس غنی ز چنیں صد ہزار خرواری

فراہمش بکنی گر چہ ریزہ ریزہ بود
شکستہ کہ کنی با درستیش یاری

ز گیسواں دلاویزتست ہر لفظہ
تو عطر پاش در اکناف چین و تاتاری

کریم تر ز کریماں بزرگتر بکرم
کہ جرم بخش پس از صد نزاع و انکاری

کمینہ حلقہ بگوشم ز خیل امتیاں
گرم ز حلقۂ اہل خلوص پنداری

سیاہ رو ہزاراں گناہ آمدہ ام
کہ چشم پوشی ز آنام زشت کردآری

عزیز کے بتوانے ستود نش حاشا
اگر چہ ہر نفس از فکر تازہ سرخاری

نوائے نعت چہ سنجی بلحن موسیقار
کہ بے نوائی اگر با ہزار منقاری

چو نیست چارۂ کارت جز اعتراف قصور
بر آستانۂ او سر بنہ بنا چاری

شوی بوقت درو سہر بختیاز یں مزرع
اگر تو تخم غمش در زمین دل کاری

بکن ز مہر دو رنگی بدل بیکرنگی
کہ یاریش نتواں یافتن بعیاری

درود پاک مرفرح بر احمد آنش
ہمیشہ باد منزل ز حضرت باری

(صوفی۔نومبر ۱۹۲۰ء)

اشکِ نیاز

بسوئے حجاز

(از جناب محمد سلیم صاحب رشتی فاضل، یتیم امراوتی)

نظرے زلطفِ تو بردلم ای نگاہِ آئینہ سازِ من! — کہ زسنگِ فتنہ ہر نفس جہد صد شرارہ ازمن

صبا! اگر گذرت شود بحریمِ قبلۂ عرشیاں — بفشاں زلطف بخاکِ درد سہ اشک ہائے نیازِ من

بسیرابیِ دو سہ قطرۂ گِل مرا کردہ عشقِ تو خون دل — چو نہ خونِ دل گندی کنم بر سم بگو ہریرا ازمن

بپہلوئیم بُتِ آذری بنگاہ جادوئی سامری — تو یکے بکعبہ بمن درآ، ای خلیل موسیٰ نوازِ من

بجو نورِ وادیِ ایمنی تا رسی ببر دیا نیش — کہ سیلِ اشک چو خوں شود نرسد بماہِ حجازِ من

جہاں پُر زفتنۂ کافری، تو بخوابِ گنبدِ خضری
زجہانِ لفظ میں برآ ای صبیحِ ماہِ حجازِ من

(صوفی۔نومبر ۱۹۲۵ء)

O

قلندر علی خاں ولی، ایڈیٹر ضمیمۂ حق جھنگ

اے ضیائے چرخِ ملت، قبلۂ ایمان ما — از ہلال و اختر تو شد منور شان ما

کردانوار تجلی نام تو نور الہدیٰ — شعلۂ صد طور گشت آں جلوۂ فرقان ما

اے عروج پایۂ تو رفعت عرش بریں — وے خطاب تو حبیب ایزد سبحان ما

خاک پائے تو اگر دردیدۂ ماجا کند — طاقت اکسیر یا بد سرمۂ چشمان ما

بسکہ یک ناز نگاہِ فیض تو شد جانفزا — جاں بلب آمد، بیا، اے داروئے درمان ما

تشنۂ آب حیات ہستیم درظلمات دہر — از کرم برما نگر، اے چشمۂ فیضان ما

خاطر خوکردۂ حب علیؓ کردم ولی — بہر شان او نوازی، شاہ عالی شان ما

(جون ۱۹۱۹ء)

O

محمد عبداللہ، لاہور

جلوہ گر شد نورِ حق در طلعت شمس الضحیٰ — آشکارا شد جمالش بررخ بدرالدجیٰ

شمس عرفاں شد طلوع وظلمت کفر وضلال — سوختہ شد ہمچو برق از تابش نور الہدیٰ

شاہد نصر من اللہ دوستدارِ دل شدہ — شد انیس جاں، نسیم روضۂ صدق و صفا
رازدار عرش گشتہ صاحب خلق عظیم — منزل عرفاں شدہ نزہت گہِ کہف الوریٰ
یافتہ در بارگاہش شرف معراج کمال — شمع بزم قدسیاں شد نورِ چشم مصطفیٰ
آتش دوزخ شدہ برعشقبازانش حرام — جنت رضواں بگشتہ بہر شاں دارالبقا

پس طفیل آں کریم ایں بندۂ مسکین را
عاقبت محمود گرداں، محسن خیر الوریٰ

(ستمبر۱۹۲۳ء)

O

محمد عبدالمالک

قصیدۂ سلامیہ

السلام اے نیّر تابندۂ بُرج وجود — السلام اے گوہر رخشندۂ انعام وجود
السلام اے نخل بند گلستان شرع ودیں — از نسیمت باغ ابراہیم رارونق فزود
السلام اے مرسل جن و بشر روحی فداک — بے عدد ہر لحظہ بادا از خدا برتو درود
السلام اے آنکہ از انگشت تو شق القمر — السلام اے آنکہ پیش تو شجر اندر سجود
السلام اے درازل چوں خلعت تو بافتند — رنگ اوبر صبغتہ اللہ نور حق بد تارو پود
السلام اے در شب معراج از تشریف تو — آسماں از ہر طرف باب سعادت درکشود
السلام اے آنکہ بہر خدمتت حق آفرید — آفتاب و ماہتاب و انجم و چرخ کبود
نیم جاں بہر نثار مرقدت آوردہ ام — نادم بامن بجز ایں چیز کہ چیزے نبود
السلام اے آنکہ از بوسیدن خاک درت — طرۂ دستارمن برکنگر افلاک سود
السلام از مالکؔ بیچارہ و مسکیں غریب — بردرت آمد کہ یابد بہرۂ از فیض وجود

از ادب ترسان ولرزاں گوئمت صدہا سلام
بر امید یک جواب اے سیّد عالی مقام

(اپریل۱۹۱۵ء)

O

راضی مارہروی

مدینہ روضۂ محبوب رب العالمیں دارد — چہ چرخ ہفتمیں آں پایہ برعرش بریں دارد
شوم قرباں آں جائے کہ مسجود ملائک شد — سراز عجز ادب برآستاں روح الامیں دارد
نہ باشد غم زمحشر ہیچ عصیاں کارامت را — کہ از بہر شفاعت آں شفیع المذنبیں دارد
جہاں از ہر بلائے آسماں مصون وایمن شد — کہ آں حصن حصین از رحمتہ للعالمیں دارد
بہ بحر و برہمہ لعل و گہر بے آبرو گشتند — مدینہ آں چناں برخاتم ایماں نگیں دارد
ز فرزندان آدم ہر کہ محبوب خدا باشد — بجز خواجہ کجا ایں مادرِ گیتی حسیں دارد

الٰہی، در حضور سرورعالم رسد راضیؔ
زچشم خوں چکاں آں بے نوا ترآستیں دارد

(اگست،ستمبر۱۹۲۸ء)

ممتاز رفیع بیگم مارہروی

بیرون ہست حسنِ تواز وسعت خیال — حقا کہ نیست مثل تُو درخوبی و جمال
یا مصطفیٰؐ! جمال و کمال و خصال تو — واللہ کس نیافت بہ مخلوق حق تعال
یوسف نمودہ بودکہ بازار حسن گرم — آں یک کرشمہ بود زنورِ تودر مثال
صورت، نہ بست حسن چوحسن تو یارسولؐ — ختم است برتو صنعت صنائع لا یزال
محبوب کردگارتوئی باکمال حسن — آں خود جمیل بود بہ بخشیدت ایں جمال
نور تو یا نبیؐ چوبہ عالم ظہور کرد — ظلمت شدہ زروئے زمیں جملہ پائمال
امّی لقب بہ نطق چہ اعجاز داشتی — شرمندہ ہر فصیح عرب بود از مقال
فاخلع کلیم رابہ سرطور شدندا — بودی بہ عرش درشب اسریٰ تو بانعال
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر — بسیار خوب گفت کسے بازبان حال
نعت شریف راچہ مجال بشر بود — وقت رقم ازوچہ برآید جزانفعال

پر تو فگن ز مہر بہ ممتازِ مضطرب
اے آنکہ رد نہ می شود از آستاں سوال

(جولائی۱۹۲۹ء)

O

ہدایت بہ دنیا شعار محمد ﷺ — شفاعت بہ عقبیٰ ست کار محمد ﷺ
تمنائے دل ہست ہر لحظہ گردد — سر ماؤسنگِ مزار محمد ﷺ
بہ توصیف اوتاب انساں نہ باشد — خدا خوب داند وقار محمد ﷺ
دعا دارم و چشم دارم زرحمت — بگرداں خدا، بیقرار محمد ﷺ
چہ چیز ہست یک جان ممتاز مسکیں — ببادا دو صد جاں نثار محمد ﷺ

(اکتوبر۱۹۲۸ء)

O

من کوئے توبا ملک سلیماں نہ فروشم — خاروخس راہ توبہ بستاں نہ فروشم
روشن کنم از جلوہ نہاں خانۂ دل را — حسن توچوآں یوسف کنعاں نہ فروشم
ہرگز نہ فراموش کنم لذت زخمش — دل چیست خدنگِ تو بصدجاں نہ فروشم
منت کش اغیار نہ باشم بہ رہ شوق — ہرگز خلش خار بیاباں نہ فروشم

(فروری۱۹۲۹ء)

O

مولانا شاہ محمد سجاد قادری

ایں است بحضرتت سوالم — روزے بکنی نظر بحالم
بے مائیگم مراست مایہ — بے علمی و جہل من کمالم
تا عرش زفرش گفتگویت — وابستۂ دامنت دو عالم

اے چارۂ دردِ درد منداں — رحمے کہ اسیر صد ملالم
سیراب شوم نہ زآب شیریں — من تشنۂ چشمۂ وصالم
جزیا دتو، ہیچ درد لم نیست — ازہجر تو روز و شب بنالم
نگہے بوفائے روسیا ہے — اے سوئے رخت نگاہ عالم

(اپریل۱۹۲۵ء)

O

محمد عادل، عادل مولوی فاضل سہارنپوری

برآسمان رفعت، نجم الہدیٰ محمد ﷺ — دربزم دین و ملت، صدرالعلیٰ محمد ﷺ
ہمراز جذب الفت ہم ساز راز وحدت — دمساز بزم خلوت، کہف الوریٰ محمد ﷺ
آں رونق دو عالم، آں زیبِ عرش اعظم — آں شمع فضل آدم، ماہِ لقا محمد ﷺ
آمد ربیع الاوّل، در گلشن دو عالم — بشنو زغنچہ وگل، صل علیٰ محمد ﷺ
ہم لالہ ارغوانی از فرط شادمانی — نرگس بہ کامرانی، جلوہ نما محمد ﷺ
سرویست ایستادہ، سوسن جبیں نہادہ — غنچہ دہن کشادہ، صد مرحبا محمد ﷺ
بلبل زفرطِ شوقے، قمری بہ حسن ذوقے — طوطی زجذب عشقے، نغمہ سرا محمد ﷺ
بسیار ہدیہ عادلؔ بہ نیاز عاشقانہ — دل و دیدہ و جگر بردر مصطفیٰ محمد ﷺ

(دسمبر۱۹۲۴ء)

O

صوفی غلام مصطفیٰ اصغر، امرتسر

اے حسن تو صد جلوہ دہد نور نظر را — شرمندہ کند پرتو روئے تو سحر را
از تابش سیمائے تو خورشید درخشاں — وز عارض زیبائے تو تنویر قمر را
اے سرور عالم کہ سرورِ دل و جانی — از یمن تو سرمایۂ نطقست حجر را
زیبائی انگشت ہلالی چوں نمائی — وحشت بکند چاک گریباں قمر را
از آمدنت گلشن تن شاخ وگل آورد — وز رفتن تو روضۂ جاں بردثمر را
خالی نگذاری صدف دامن اصغرؔ — چوں وا سر محشر کنی آں دُرج گہر را

(اکتوبر۱۹۲۰ء)

O

(یہ نعتیہ اشعار جناب پروفیسر صوفی تبسّم کے ہیں، وہ پہلے اصغرؔ صہبائی کے قلمی نام سے شاعری کرتے تھے۔ بعد میں اپنے استاد فیروز الدین طغرائی امرت سری کے کہنے پر تبسم تخلص اختیار کیا۔ آپ کے والدِ گرامی کا نام صوفی غلام رسول تھا۔ آپ بہترین شاعر، خوبصورت ادیب، قابل قدر نقاد اور قابل تقلید معلم تھے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں شعبہ فارسی کے صدر تھے۔ تصانیف: انجمن (مجموعۂ غزل) انتخابِ کلام اقبال، جھولنے، جاہ وجلال، دامن دل، روحِ غالب، صد شعرِ اقبال،

کلیاتِ طغرائی، مسلمانوں کا علمِ جغرافیہ، شوقِ سیاحت، نقشِ اقبال، یک ہزار و یک سخن.....تاریخِ ولادت ۴: اگست ۱۸۹۹ء (امرتسر)۔ تاریخ وفات: ۷ فروری ۱۹۷۸ء (لاہور)۔

O

حرفِ اختتام

مجلّہ ''صوفی'' میں شائع ہونے والی فارسی نعتوں کا یہ مختصر سا انتخاب اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ ہمارے اسلاف سوزِ دل، شوکتِ زبان اور ندرت فکر کے اعتبار سے کس قدر سرمایہ دار تھے اور ہم کس قدر مفلس ہیں اور یہ بھی کہ اُن لوگوں نے نعتوں کے ڈھیر لگانے اور تلوار کی دھار پر بے دھڑک چلنے کی کوشش نہیں کی، وہ خوب سمجھتے تھے کہ نعت کا بے سوز ساز، گنبدِ خضرا کی ناراضی کا سبب ہوسکتا ہے وہ بخوبی جانتے تھے کہ ہر گام پھسلنے والے قدم، تلوار کی دھار پر تادیر نہیں چل سکتے، نعت کہتے ہوئے اُن کے دل دھڑکتے اور لفظ لرزتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتوں کی ہمزبانی ہر کسی کے بس کی بات نہیں، ادب واحترام، حزم واحتیاط اور خوف وخشیت کی یہی کیفیت نعت گوئی کے لیے اولین شرط ہے ؎

نعت میں کیسے کہوں ان کی رضا سے پہلے
میرے ماتھے پہ پسینا ہے ثنا سے پہلے

بحیثیت مجموعی، رسالہ ''صوفی'' میں شائع ہونے والی اُردو اور فارسی نعتوں کا انداز گو قدیم ہے مگر وہ آج کے شعرا کے لیے ایک معتبر اساس کا کام دے سکتا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب ادبی اور شعری دنیا میں نعت بطور صنفِ سخن، مسلّم، مقبول اور معروف نہیں تھی۔ نعت کے لمحۂ موجود کو اِن قدیم دینی رسالوں کا ممنون احسان رہنا چاہیے کہ انہوں نے ناقدری کے دور اور نامساعد فضا میں نعت نگاری کی روایت کو سنبھالا دیا، حق یہ ہے کہ ''صوفی'' میں شائع ہونے والی نعتیں اپنے معیار کے اعتبار سے شعر وسخن کا افتخار ہیں۔ بعض طویل نعتیہ قصائد بھی ہیں جن میں آمد کی شاعرانہ کیفیتیں، دل کی ارادتمندانہ دھڑکنیں، روح کی عاجزانہ لرزشیں، حاضری کی شدید آرزوئیں اور حضور کی پرکیف ساعتیں، نگاہوں کو نور اور دلوں کو سرور عطا کر رہی ہیں۔ وارداتِ قلب ونظر کی یہ سچی داستانیں، اس قابل ہیں کہ انہیں محفوظ رکھا جائے۔ ان شعرا کو اللہ تعالیٰ نے شعر وسخن کی بہترین خوبیوں سے نوازا تھا اور یہ بھی اُسی کا فضل ہے کہ انہوں نے ان صلاحیتوں کو خیالی محبوب کے عارض ورخسار کی توصیف میں صرف نہیں کیا۔ وہ بے نام وادیوں میں بے کار سرگرداں بھی نہیں رہے۔ اُنہوں نے دروغ کو فروغ کا رنگ دینے کی کوشش بھی نہیں کی بلکہ انہوں نے اُس آفتاب عالمتاب ﷺ کی مدح وستائش کا حق ادا کرنے کی، اپنی سی سعی کی جس نے اپنے کردار وعمل کے حسن، فکر ونظر کے تقدس اور قلب وزبان کی رفاقت سے تاریخ انسانی کو نئی جہتیں اور نئے جہان عطا کیے ؎

لوگ کہتے ہیں اُنہیں تاریخ انسانی کے موڑ
راستے جب جھوم اٹھتے ہیں تری رفتار سے

ہم علمی افلاس اور اخلاقی ادبار کے جس ظالم دور سے گزر رہے ہیں، اس میں سنبھلنے، سنورنے اور نکھرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم قرآن وحدیث کو اُردو تراجم کے ذریعے سمجھیں اور نعت رسول پاک ﷺ سے دل لگائیں کہ ہمارے انحطاط کی ایک ہی وجہ ہے کہ ہم دل تو رکھتے ہیں مگر دل کے اندر محبوب کا کوئی سا تصور بھی نہیں ہے۔ ہمارا دل محض دھڑکتا ہے۔ ضروری ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی یاد میں دھڑکے، یہ یاد دل کی زندگی کے لیے لازم ہے۔ یہی تعلق خاطر بصارت کو بصیرت عطا کرے گا۔ ورنہ آنکھیں تو کور نہیں ہوا کرتیں، سینوں کے اندر دل اندھے ہو جایا کرتے ہیں، حق یہ ہے کہ قرآن پاک نبضِ

تقدس اور روحِ حرم ہے۔ وہ ایک ایسا ضابطۂ حیات ہے کہ جو بھی رہنمائی کی نیت سے اسے پڑھے گا اس کی زندگی کا ہر راستہ پُر انوار ہوتا چلا جائے گا اور اس راستے پر چلنے کا انداز، حدیث واضح کرتی چلی جائے گی جبکہ نعتِ رسول پاک ﷺ سے زنگ آلود دل، آئینہ بنتے چلے جائیں گے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی محمد ﷺ کا لفظ سنتے ہی، گنہگار سے گنہگار مسلمان کے دل کی دھڑکن ضرور تیز ہو جاتی ہے، زبان گنگ ہو کر رہ جاتی ہے اور آنسو بولنے لگتے ہیں۔ یوں وہ محبت انگڑائی لیتی ہے جو ایمان کی اساس ہے۔ یہی وہ طریقہ ہے جس سے غمِ حیات کی سیاہ رات کٹ سکتی اور ظلمت کی ہر گھٹا چھٹ سکتی ہے ۔

فصیلِ زیست پہ بجھتا ہوا دیا ہوں میں
منارِ نور، ترا عکس چاہتا ہوں میں
میں خاکِ محض، میں انبارِ گل، میں مشتِ غبار
تری نگاہ جو پڑ جائے کیمیا ہوں میں
درود ہو تری رحمت مآب کملی پر
ردائے یاس میں لپٹی ہوئی خطا ہوں میں
تو رحمتوں کا تجمل، تو شفقتوں کا جمال
یہ میری سوچ کا محور نہیں کہ کیا ہوں میں

O

نعت گو شعراء کے سوانحی امور کے سلسلے میں درج ذیل کتب پیش نظر ہیں:

۱۔	وفیات مشاہیر اُردو	بشارت علی خاں فروغ
۲۔	مرآۃ الشعراء	محمد یحییٰ تنہا
۳۔	جدید شعرائے اُردو	ڈاکٹر عبدالوحید
۴۔	گوجرانوالا کے اہل قلم	محمد اقبال نجمی
۵۔	تعمیرِ ادب	محمد اقبال جاوید، عطاء الرحمٰن عتیق
۶۔	گلہائے رنگ رنگ	محمد شمس الحق
۷۔	مدحت نامہ	سید صبیح الدین صبیح رحمانی
۸۔	کراچی کا دبستان نعت	منظر عارفی
۹۔	مہک، گوجرانوالا نمبر	محمد اقبال جاوید، محمد اکرم رضا
۱۰۔	اُردو کے ضرب المثل اشعار	محمد شمس الحق
۱۱۔	تاریخ رفتگاں	صابر براری

مختلف اوقات میں لکھے گئے ان دونوں مضامین میں سوانحی کیفیات کے سلسلے میں ممکن ہے کہیں تکرار بھی ہو۔ غلطیوں سے بچنے کے لیے، بعض فارسی منظومات کا عکس دے دیا گیا ہے۔

(۱۹۹۹ء)

O

غالب کی ایک نعتیہ غزل

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ غالبؔ نے اپنے اردو کلام کو مجموعۂ بے رنگ کہا اور فارسی کلام کو نقش ہائے رنگ رنگ کا مرقع قرار دیا اور آرزو کی کہ فارسی کلام ہی کو پڑھا جائے اور اردو کلام کو نظر انداز کر دیا جائے مگر دنیا نے ان کی بے رنگ شاعری میں بھی اتنے رنگ دیکھے کہ آج تک وہ اس کے سحر سے نکل نہیں سکی اور غالبؔ کو شہرتِ دوام اس کے اردو کلام ہی نے عطا کی۔ فارسی کلام بوجوہ کم پڑھا گیا اور کم سمجھا گیا، حالانکہ بطور شاعر غالبؔ کی حقیقی عظمتیں وہیں جلوہ گر ہیں۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں:

''مرزا غالب ــــــ فارسی شاعر ــــــ غالباً ہمارا واحد دوامی سرمایہ ہے اس کا شمار ان شاعروں میں ہے جو اپنے تخئیل اور ادراک میں محدود عقیدوں اور سرحدوں سے ماورا ہوتے ہیں ۔۔۔۔ دنیا ابھی اسے پہچانے گی'' بانگ درا میں اقبال نے غالبؔ کو یوں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ ؎

نطق کو سو ناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
محو حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر
شاہد مضموں تصدق ہے ترے انداز پر
خندہ زن ہے غنچۂ دلی، گل شیراز پر
آہ تو اجڑی ہوئی دلی میں آرا میدہ ہے
گلشنِ و یمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کے الفاظ میں ''غالب کے فارسی کلام میں حسن و عشق، موت و حیات، کمال و پستی، امید و بیم، قبض و بسط غرض زندگی کے بارے میں بے شمار حقائق ملتے ہیں۔ یہ ان کی اردو شاعری میں بھی ہیں مگر فارسی شاعری کا دامن وسیع تر اور معمور تر ہے'' اور یہ شرف بھی غالب کے فارسی کلام کو ملا کہ اس میں اس کی ایک خوبصورت نعتیہ غزل محفوظ ہے۔

غالب باقاعدہ نعت گو شاعر نہیں ہے۔ وہ جس دور سے تعلق رکھتا ہے اس دور میں نعت رسماً کہی جاتی تھی اور تبرکاً مجموعۂ کلام میں شامل کی جاتی تھی مگر یہ فارسی نعت کلام کے آغاز میں نہیں بلکہ ترتیب کے مطابق ردیف ''ت'' میں ملتی ہے اور یہ بات بھی نہیں کہ غزل کہتے کہتے کہیں اتفاق سے نعت کا شعر ہو گیا ہو۔ جیسا کہ غالب کے اردو کلام میں بعض مقامات پر چند نعتیہ شعر ملتے۔ بلکہ حسن اتفاق سے یہ ایک خالص نعت ہے اور اس کی ردیف ''محمد ﷺ است'' اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ رسماً نہیں بلکہ ارادتاً کہی گئی ہے اور اس کے آخری شعر کا قبولِ عام، نیت کے اس حسن کا خوبصورت ثمر ہے۔ غالبؔ،

نعت کے یہ نو شعر نہ بھی کہتے تو یہی ایک شعر ایک بھرپور نعت کا کام دے سکتا تھا اور خود نعت گو کے لیے تو شۂ آخرت بھی بن سکتا تھا کیونکہ اس دربارِ دُربار میں کیفیت دیکھی جاتی ہے، کمیت نہیں، وہاں دل کی دھڑکنیں، روح کی لرزشیں اور آنکھ کے آنسو بار پاتے ہیں۔ یہاں تک کہ احساس، لفظ بننے سے پہلے ہی موتیوں میں تل جاتا ہے۔

جو دل سے اٹھی اور گئی عرشِ بریں تک
جو لب پہ نہ آئی وہ دعا، یاد رہے گی

پوری نعت یوں ہے۔

۱۔ حق جلوہ گرز طرزِ بیانِ محمد ﷺ است
آرے کلام حق بہ زبانِ محمد ﷺ است

۲۔ آئینہ دارِ پرتوِ مہرِ است ماہتاب
شانِ حق آشکار، ز شانِ محمد ﷺ است

۳۔ تیرِ قضا ہر آئنہ در ترکشِ حق است
اما کشادِ آں ز کمانِ محمد ﷺ است

۴۔ دانی اگر بہ معنیٔ لولاک وارسی
خود ہرچہ از حق است، ازانِ محمد ﷺ است

۵۔ ہر کس قسم بدانچہ عزیز است می خورد
سوگند کردگار بجانِ محمد ﷺ است

۶۔ واعظ، حدیثِ سایۂ طوبیٰ فرو گزار
کاینجا سخن ز سروِ روانِ محمد ﷺ است

۷۔ بنگر دو نیمہ گشتنِ ماہِ تمام را
کاں نیمہ جنبشے ز بنانِ محمد ﷺ است

۸۔ ور خود ز نفسِ مہرِ نبوت سخن رود
آں نیز نامور ز نشانِ محمد ﷺ است

۹۔ غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد ﷺ است

پہلے شعر میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ حضور ﷺ کی زبانِ صدق اظہار سے نکلنے والی ہر بات حق ہے کہ وہ خدائے برحق کی طرف سے ہے۔ اس میں ایسی بے لاگ ہدایت ہے جو محض خلوص و محبت کی آئینہ دار ہے اور اس میں کسی نوع کی کوئی ذاتی غرض شامل نہیں ہے۔ نطقِ محمد ﷺ فی الواقع پروردۂ الہام ہے کہ اسے سن کر عرب کے فصیحان تمّر دخو کے سر بھی جھک گئے تھے اور دل بھی۔ آپ ﷺ کا ایک ایک بول اپنے اندر صدہا صداقتوں کے صدف لیے ہوئے تھا اور آپ کا

ہر قول بے خزاں بہاروں کا امین تھا۔

ہر بات ایک صحیفہ تھی امیؐ رسول ﷺ کی
الفاظ تھے خدا کے، زباں تھی رسول ﷺ کی

سورہ النجم میں اِسی بات کی صداقت کو پرزور بنانے کے لیے ستارے کی قسم کھائی گئی ہے کہ ستارہ رات کی تاریکیوں میں بھولے بھٹکے مسافروں کو روشنی بھی دیتا ہے، راستہ بھی دکھاتا ہے، رخ بھی سمجھاتا ہے اور وقت کا پتا بھی دیتا ہے یہی ستارہ اہلِ فارس اور اہلِ عرب کے ہاں افسانوی موضوع بھی رہا ہے۔ آیاتِ قرآنی کے علاوہ حضور ﷺ کے لبوں سے ادا ہونے والا ہر کلمہ سچا ہے کہ وہ زبان کھلتی ہی صداقتوں کے لیے تھی۔

دہر بھر کی ہر صداقت کو پرکھ کر دیکھ لو
جو حدیثِ مصطفیٰ ﷺ میں ہے وہ سچائی کہاں

''صداقت بیان کرنے والے کے ساتھ اپنا رنگ بدلتی رہتی ہے۔ کوئی جھوٹا آدمی سچ بولنے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ سچ خطرے میں ہے۔ سچ وہی ہے جو سچے کی زبان سے نکلے۔ صادق کو ماننے والا صدیق بن جاتا ہے۔ صادق کی ہر بات صداقت ہے، صادق کے فرمان میں اپنی صداقتیں اور وضاحتیں شامل کرنے سے سچ میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں کہ صادق الہام بولتا ہے اور ہم ابہام بولتے ہیں۔''

آپ ﷺ کی ہر بات مطالبِ قرآنی کی علمی تفسیر اور آپ کا ہر فعل احکامِ ربانی کی عملی تصویر ہے۔ فرق اتنا ہے کہ آیاتِ قرآنی کی تلاوت کی جاتی ہے، مگر ان کی اس نوع سے تلاوت نہیں کی جاتی۔ مگر اہلِ دل انہیں بھی اصولِ ہدایت سمجھتے اور اہلِ نظر عقیدت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں کہ قرآن و حدیث لازم و ملزوم ہیں اور ان میں وہی تعلق ہے جو علم اور تعلیم، نظریہ اور عمل، لفظ اور مفہوم، متن اور وضاحت، کتاب اور معلم میں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر کی بات کسی مشاہدے، تجربے اور نتیجے کی پابند نہیں ہوتی کہ وہ مقامِ تکمیل سے بولتا ہے اور اس کی، ہر بات، باتوں کی پیغمبر ہوتی ہے۔

ہر قول ترا حرفِ صداقت کا ہے ضامن
ہر فعل ترا حسنِ ارادت کا امیں ہے

حضرت جعفر صادقؒ کے مطابق سورۂ النجم میں جس ستارے کی قسم کھائی گئی ہے۔ اس سے مراد خود رسول ﷺ ہیں، قسم ہے اس تابندہ ستارے کی جو نیچے اترا، مراد شبِ معراج، آپ ﷺ کا رفعتوں سے زمین کی طرف نزول فرمانا ہے۔ قرآن پاک کے مطالب و کلمات سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں جبکہ حدیث کے مفہوم و معانی اللہ کی طرف سے ہیں اور الفاظ نبی کریم ﷺ کے اپنے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ، رسول پاک ﷺ کی ہر بات لکھ لیا کرتے تھے۔ بعض نے انہیں منع کیا کہ کبھی آپ ﷺ غصے میں بھی ہو سکتے ہیں، ہر بات لکھنے کے قابل نہیں ہوتی، انہوں نے کتابت بند کر دی اور اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اے عبداللہ! تم میری ہر بات کو لکھ لیا کرو، اس ذات کی قسم، جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے۔ میری زبان سے کبھی کوئی بات حق کے سوا نہیں نکلی''۔ بقول سیماب اکبرآبادی

وہ بے ابہام اسرارِ حقیقت کھولنے والا!
خدا کے لفظ، انسانی زباں میں بولنے والا

غالبؔ کے اس شعر کے ایک مصرعے میں صرف قرآن پاک کی بات ہے کہ وہ زبانِ محمد ﷺ سے سنایا جا رہا ہے۔ دوسرے مصرعے میں طرزِ بیان محمد ﷺ کا ذکر ہے کہ تلاوت کے ساتھ ساتھ تعلیم وتزکیہ کا حق بھی ادا کیا جا رہا ہے۔ قرآن کی توضیح وتشریح کا حق بھی اللہ تعالیٰ نے مُخبر صادق ہی کو عطا کیا ہے۔ نصِ قرآنی ہے کہ ''ہم نے آپ پر قرآن اتارا تا کہ آپ لوگوں کے سامنے اسے خوب واضح کر دیں۔'' گویا منشائے خداوندی اور مطالبِ قرآنی کو حضور ﷺ ہی سمجھا سکتے تھے کہ وہ قرآن کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ مولانا بدر عالم میرٹھیؒ نے اس بات کو کلامِ غالبؔ ہی کی مثال سے یوں واضح کیا ہے۔

''دیوانِ غالب اردو ہی کا ایک دیوان ہے۔ اس کی ادبیت بھی ضرب المثل ہے۔ اس کا مؤلف بھی شعراء کی سب سے پہلی صف میں شمار ہوتا ہے۔ لیکن جب غالبؔ دنیا سے رخصت ہو گئے اور ان کے کلام کی مراد براہِ راست معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہا تو اب ان کا دیوان لوگوں کی طبع آزمائی کے لیے تختۂ مشق بن گیا۔ صوفی مزاج نے چن چن کر ان کے کلام میں تصوف بھر دیا۔ رند مشرب نے شراب کا لفظ دیکھ کر مستی وکیف کے سارے نقشے کھینچ دیئے۔ فلسفی نے اپنی تمام موشگافیاں ختم کر ڈالیں لیکن غالب کی صحیح مراد کے موافق شاید کوئی شرح بھی نہ لکھی گئی۔ ان سے اگر پوچھا جائے تو وہ ان کے متعلق شاید یہی جواب دیں۔ ؎

ہر کسے از ظنِ خود شد یار من
وز درون من نہ جست اسرارِ من

جب ایک انسان کی تالیف کا حال یہ ہے تو اب انصاف کیجیے کہ اگر قرآن بھی اسی طرح لوگوں کی طبع آزمائی کا میدان بنا دیا جاتا تھا اس کا حشر کیا ہوتا؟''

گویا اگر جبرئیل کی معرفت صرف قرآن پاک اتار دیا جاتا اور رسول ﷺ نہ ہوتے تو ہر شخص اپنی بساطِ فہم کے مطابق مطالب سمجھتا اور سمجھاتا اور یوں کثرتِ تعبیر، سے خواب پریشاں ہو کے رہ جاتا اور حقیقت نہ بن سکتا۔ بقول شاعر ؎

شرحِ کلامِ پاک ہے ان ﷺ کا ہر ایک لفظ
فرمانِ حق ہے اصل میں فرمانِ مصطفیٰ ﷺ

غالبؔ کے زیرِ تبصرہ شعر میں حق سے مراد سچ بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات بھی۔ گویا سچائیوں کی تہہ تک بھی آپ ﷺ ہی نے پہنچایا اور عرفانِ حق بھی آپ ﷺ ہی کی معرفت نصیب ہوا۔ حضور ﷺ کی معراج لوح وقلم تک پہنچنا تھا اور ہماری معراج حضور ﷺ کے نقوشِ پا تک پہنچنا ہے اور نقوشِ پا کی یہ چاندنی نصیب ہو جائے تو صراطِ مستقیم مل جاتی ہے کیونکہ انسان صادق تک پہنچ جائے تو جملہ صداقتیں اس کا احاطہ کر لیتی ہیں۔ قرآنِ مجید تو بہر نوع سچائیوں، بصیرتوں اور عبرتوں سے لبریز ایک الوہی بیان ہے مگر حضور ﷺ نے جس دل آویز اسلوب، جس دلگداز انداز اور جس دل نشین ادا کے ساتھ اسے سمجھایا اور دنیا تک پہنچایا وہ ادا صداقت آفرین ہونے کے ساتھ ساتھ جمالیاتی دلپذیری کی جملہ کیفیات کی حامل بھی ہے گویا آپ ﷺ ہر اعتبار سے حق گو ہیں خواہ وہ آیاتِ قرآنی ہوں یا ان کی ترجمانی۔ آیاتِ قرآنی اعجاز وایجاز، جلال وجمال اور تاثیر وکمال کے لحاظ سے سامعین کے دلوں میں اس انداز سے اتریں کہ وہ بے ساختہ پکار اٹھے کہ اس کلام کی زمین تو آسمان سے آئی معلوم

ہوتی ہے تو دوسری طرف احادیث نبوی ﷺ فصاحت و بلاغت اور عظمت و موعظت کے اعتبار سے بھی بے مثال سمجھی گئیں کہ ترجمانِ حق، افصح العرب تھے اور انہیں جوامع الکلم عطا کیے گئے تھے۔ حضور ﷺ لفظ ابداع فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے مفرد الفاظ جامع و مانع، آپ ﷺ کے جملے حسنِ ادب کی کہکشاں اور آپ ﷺ کی تشبیہات و استعارات ایسے بے مثال ہیں کہ انہیں سن کر ذوقِ سلیم جھومتا ہے۔ آپ ﷺ کی زبانِ بلاغت نظام سے عربی ایسی ناپیدا کنار زبان نے وسعت پائی اور بال و پر حاصل کیے، کم سے کم الفاظ میں مفہوم و مطالب کا سمندر موجیں مارتا محسوس ہوتا ہے اور خود حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ ''میری زبان اسمٰعیلؑ کی زبان ہے۔ اسے جبرئیلؑ مجھ تک لائے اور ذہن نشین کرادی'' آپ ﷺ کے کلامِ حق کا کمال یہ ہے کہ وہ مختصر، واضح اور عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ سامعین کی جملہ کیفیات اور احساسات پر حاوی ہے۔ کسی اعتبار سے بھی مقصود مبہم نہیں۔ جامعیت و ہمہ گیریت کا انداز یہ ہے کہ ہر دور کے ہر انسان کی رہنمائی کا حق ادا ہوسکتا ہے۔ لفظ لفظ نگینہ اور بات بات خزینہ ہے اور سہلِ ممتنع کی ایک ایسی صورت ہے کہ اس کے مقابل بات بنائے نہیں بنتی۔ سچ یہ ہے کہ غارِ حرا کے ایک ہی نورانی لمحے نے عرب کے اس عظیم امّی کو علم کا شہر بنا دیا تھا۔ منصور احمد خالد کہتے ہیں ؎

تو عرب کا ہے فصیح کون سوائے تیرے
بات پھولوں میں کرے، چاند سخن میں رکھ دے

☆

غالبؔ دوسرے شعر میں کہتے ہیں کہ چاند کی روشنی میں سورج ہی کی چمک کا اثر ہوتا ہے۔ اس لیے محمد ﷺ کی شان سے حق کی شان آشکار ہے۔ اس شعر میں بھی پہلے شعر کی طرح دعویٰ اور دلیل ہم آہنگ ہیں جس طرح چاند، سورج سے اکتساب نور کرتا ہے اسی طرح رسول ﷺ کی تمام تر شخصی عظمتیں اور پیغمبرانہ رفعتیں اللہ تعالیٰ کی دین ہیں۔ یاد رہے کہ چاند میں سورج کا پرتو ہوتا ہے مگر وہ سورج نہیں ہوتا اور نہ اس کا وجود سورج کی ہمہ گیریت، مرکزیت اور کلّیت کو چیلنج کرسکتا ہے بلکہ ایک نوع سے اس میں تشکر و استحسان کا ایک بھرپور احساس ہوتا ہے۔ حسن ظاہری سے لے کر حسن باطنی تک، لفظی انوار سے لے کر عملی اطوار تک، عبادت کی شائستگی سے لے کر معاملات کی شستگی تک، آپ ﷺ کا ہر رخ اگر قابلِ فخر، ہر زاویہ، اگر قابلِ تقلید اور ہر پہلو اگر قابلِ قدر ہے تو صرف اس لیے کہ مولا کریم نے آپ ﷺ کو ہر نوع سے خیرِ کثیر سے نوازا ہے۔ ان نوازشوں، سعادتوں اور برکتوں کی کثرت کتنی ہے اور کہاں تک ہے اس کا اندازہ ناممکن ہے۔ دینے والے نے دیا جود یا اور جتنا چاہا دیا۔ عقلِ انسانی اس کی کسی طور بھی مقیاس نہیں ہے۔

محمد مصطفیٰ ﷺ آئینۂ انوارِ یزدانی
محمد مصطفیٰ ﷺ دیباچۂ آیاتِ قرآنی
وہ عظمت ہے، وہ وسعت ہے محامد میں، محاسن میں
احاطہ جس کا کر سکتا نہیں ادراکِ انسانی

گویا سیرت اور صورت کا ہر حسن ان ﷺ کے وجودِ اقدس میں منتہائے کمال پر پہنچ کر یوں ہم آہنگ ہوگیا ہے کہ

آفتاب ان نگاہوں سے ضیا لیتا اور اس نطق سے غنچے پھول بنتے ہیں، وہ اٹھتے ہیں تو ستارے فرش بن جاتے ہیں ـــــ بیٹھتے ہیں تو زمین عرش ہو جاتی ہے، پرواز کرتے ہیں تو کائنات رک جاتی اور ہر آنکھ کاسۂ نرگس بنی اس حسن کو تکتی ہی رہ جاتی ہے۔ ؎

اللہ کے جلووں کا ہے آئینہ تری ذات
آئینہ ترا دیدۂ حیرانِ دو عالم

آپ ﷺ اگر کانِ سخا اور دستِ عطا ہیں، اگر حسن کی کائنات اور کائنات کا حسن ہیں، اگر ہر اعتبار سے اکمل، اجمل اور احسن ہیں تو صرف اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نوازشوں نے انہیں نواز رکھا تھا اور نوازشوں کا یہ سلسلہ پیہم جاری ہے۔ ہر لحظہ فرشتے، رحمتوں کی جلو میں گنبدِ خضریٰ پر اترتے رہتے ہیں اور یہ رحمتیں عالمین کو نوازتی رہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ معطی ہیں اور حضور ﷺ قاسم، ان کی ذات کمالِ رحمتِ باری کی انتہا ہے آپ ﷺ کی بارگاہِ ناز عطاؤں کا مخزن ہے۔ غالبؔ کے اس شعر میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ جس طرح ایک آئینے میں آفتاب کا عکس جھلکتا ہے اور اس عکس سے آئینہ روشن اور تابناک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے وجودِ ناز میں ناز آفرین کے جمال کا عکس اپنے کمال پر نظر آتا ہے۔ بقول محسنؔ کاکوروی ؎

مہرِ توحید کی ضو، اوجِ شرف کا مہِ نو
شمعِ ایجاد کی لَو، بزمِ رسالت کا کنول

☆

تیسرے شعر میں کہا گیا ہے کہ قضا کا تیر بہر کیف اللہ تعالیٰ کے ترکش میں ہے لیکن یہ تیرِ قضا، کمانِ محمد ﷺ سے چلتا ہے۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم نے قضا کو رضائے حق قرار دیا ہے۔ گویا رضائے حق، رضائے محمد ہے۔ یہ شانِ عبدیت کی انتہا ہے کہ بندے اور اللہ کی رضا ایک ہو جائے۔ بندہ رضائے حق کا پیکر بن جائے اور رضائے حق اس کی جنبشِ ابرو کی منتظر ہو۔ قرآن پاک نے واضح طور پر کہہ دیا کہ ذاتِ الٰہی کی محبت، نبی ﷺ کی اطاعت میں مضمر ہے اور نبیِ کریم ﷺ نے فرما دیا کہ ان کی محبت کے بغیر، ایمان تکمیل کو نہیں پہنچتا۔ حق یہ ہے کہ قلبی لگاؤ کے بغیر حقیقی اطاعت کا کوئی سا تصور بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا واحد ذریعہ اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی ہے اور ان کی ہدایت کے مطابق اپنا راستہ، اپنا رخ اور اپنی منزل کا تعین کرنا ہے۔ جناب ماہر القادریؔ کے الفاظ میں: ''رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب و مقرب اطاعت گزار بندے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کر دیا تھا۔ حضور ﷺ کا قدم صراط مستقیم سے بال برابر اِدھر اُدھر نہیں ہوا۔ آپ ﷺ کی دعائیں بھی اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتا تھا کہ قبولیت و اجابت تو نطقِ محمدی ﷺ کی راہ دیکھتی رہتی تھی۔''

غالبؔ کا یہ کہنا کہ قضا کا تیر گو ترکشِ خداوندی میں ہے مگر وہ چلتا، کمانِ محمد ﷺ سے ہے۔ اس امر کو بھی واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور خوشنودی کا راز محمد ﷺ کی ناراضی اور خوشنودی میں پوشیدہ ہے۔ ہم گنہگار ہیں۔ ہر لحظہ لغزشوں کا شکار ہیں مگر اپنی ان لغزشوں پر ہمیں ندامت بھی ہوتی ہے۔ یہی ندامت، مغفرت کی سند ہے۔ وہ التجا اور وہ دعا جس کے ساتھ دل کی دھڑکنیں، نگاہوں کی آرزوئیں اور روح کی لرزشیں شامل ہوں۔ تیر بہدف ہے اور اس سے ٹکرا کر قضا اپنا رخ

بدل لیا کرتی ہے۔ ندامت کے آنسوؤں کی نمی، رخساروں کو چھو جائے تو انہیں دوزخ کی آگ نہیں چھو سکتی۔ التجا وہ ہوتی جس میں سینے کی ہُوک شامل ہو اور جس کے آہنگ میں بدن کا رُواں رُواں اپنی لَے ملا دے۔ ؎

مانگی ہے دعا کس نے الٰہی، کہ کھلا ہے
آغوشِ تمنا کی طرح بابِ اثر آج

یہ تو بندوں کی التجاؤں کا عالم ہے۔ جہاں تک حضور ﷺ کی دعا کا تعلق ہے وہ تو نصِ قرآنی کے مطابق سکون و رحمت کا لازوال خزینہ اور معتبر ذریعہ ہے۔ کمانِ محمد ﷺ سے چلنے والا یہی وہ تیر ہے جو آسمان سے اترتی ہوئی بلاؤں کو راستے ہی میں جا لیتا ہے یہ دعا سرِّ عبادت اور شانِ عبودیت ہے اور تیز دھار والی اَنی سے بھی کہیں زیادہ مؤثر اور کارگر ہے۔ تاثیر کے لیے ضروری ہے کہ بات دل سے نکلے اور اسلوبِ بیان بھی برجستہ ہو، نیز حروفِ موزوں کے لیے ہنگامِ موزوں بھی ضروری ہے۔ رات کے پچھلے پہر نواؤں میں جو گداز اور التجاؤں میں جو سوز ہوتا ہے اس سے وہی دل آگاہ میں جو ستاروں کو اپنا راز داں بنانے کی توفیق سے بہرہ ور ہیں۔ ؎

سونے والو تم کو اس لذت سے آگاہی نہیں
رات ساری عشق کی آنکھوں میں جب کٹ جائے ہے

نالۂ شب گیر کے یہ سفیر، اسمِ محمد ﷺ کے طفیل بارگاہِ ناز میں باریاب ہوا کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی ثنا کے بعد اول و آخر حضور ﷺ پر درود نہ بھیجا جائے اس وقت تک دعاؤں کے تیر، بے تاثیر رہتے ہیں۔ درود نبیٔ کریم ﷺ سے تعلقِ خاطر کا ایک خوبصورت حوالہ ہے۔ یہی حوالہ خدا کی خوشنودی کا سبب بنتا ہے چونکہ اسے بہر نوع قبولیت کا شرف حاصل ہے اس لیے اس کی جلو میں پیش کی جانے والی التجاؤں کو رحمتِ حق مسترد نہیں کیا کرتی۔

اس شعر میں تیر اور کمان کے الفاظ شعری تلازمہ بھی ہیں اور فکری صداقت کے عکاس بھی۔ قرآن مجید میں کمان کے بجائے قوس کا لفظ استعمال ہوا کہ کمان فارسی لفظ ہے قوس کا مادہ ق۔ و۔ سین ہے۔ نواب صدیق حسن خاںؒ کے مطابق اس کا خاصہ شدت اور اجتماعیت ہے، کمان میں سختی بھی پائی جاتی ہے اور اس کے دونوں سروں کے ملے ہوئے ہونے کے اعتبار سے اتصال و اتفاق بھی۔ تیر قضا کا کمانِ محمد ﷺ سے چلنا، من و تو کے فاصلے کا قربت اور یکجائی میں بدل جانا ہے، مرادِ مزاجِ یار کے روبرو سرِ تسلیم کو خم کر دینا ہے اور نتیجہ حسن و عشق کی رضا کا ایک ہو جانا ہے۔ اقبال اسی لیے بندۂ مومن کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کہہ کر اسے غالب و کار آفریں اور کار کُشا و کارساز قرار دیتا ہے۔ تیر اور کمان کے الفاظ اللہ اور اس کے عظیم الشان بندے کے درمیان رفاقت و قرابت کی انتہا کو واضح کر رہے ہیں جو نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ کے خاص فضل کا ''وکان فضل اللہ علیک عظیما'' اس فضلِ عظیم اور التفات بے حد کے بغیر نیاز و ناز کی اس ہم آہنگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ؎

ربطِ خاطر کی نزاکت کو سمجھ سکتا ہے کون
آرزو کی آپ نے، محوِ تجسس ہم رہے

''فکان قاب قوسین او ادنیٰ'' کی لغات القرآن میں تشریح کرتے ہوئے مرتّب نے، غالب کے اس شعر کو بڑے خوبصورت انداز سے منطبق کیا ہے کہ یہ آیت مقامِ نبوت کے متعلق ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''ایام جاہلیت میں عربوں کا

قاعدہ تھا کہ جب وہ ایک دوسرے سے محکم عہد باندھتے تو وہ دو کمانیں لیتے۔ایک کو دوسری کے ساتھ ملا دیتے اور اس طرح ان دونوں کا قاب (کمان کا درمیانی حصہ اور ایک کنارے کا درمیانی فاصلہ) ایک کر دیتے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوتا کہ ہم ایک جان دو قالب ہیں۔ایک کی رضا مندی دوسرے کی رضا مندی ہے۔ جو ایک چاہتا ہے وہی دوسرا چاہتا ہے۔ہم دونوں ہم آہنگ زندگی بسر کرنے کا عہد کرتے ہیں۔قرآن کریم نے نبی کے متعلق بتایا کہ وہ احکامِ الٰہیہ کا اس قدر متبع ہوتا ہے اور اپنی زندگی کو قوانینِ خداوندی کے ساتھ اس درجہ ہم آہنگ کر دیتا ہے کہ اس کا اور خدا کا تعلق گویا ان ساتھیوں کا سا تعلق ہو جاتا ہے جنہوں نے قاب قوسین والا عہد کیا ہو۔اوادنیٰ بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب تر تعلق۔یہی وجہ ہے کہ حق کا استحکام جو نبی ﷺ کی قوتِ بازو سے ہوتا ہے۔اسے خود خدا اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ **فَلَم تَقْتُلُوهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَارَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى** o بدر کے میدان میں مخالفین حق کو تم نے قتل نہیں کیا۔اللہ نے قتل کیا تھا۔تم نے ان پر تیر نہیں چلائے تھے۔اللہ نے چلائے تھے۔نبی ﷺ اور خدا کا تعلق اسی قسم کی رفاقت اور ہم آہنگی کا تعلق ہے۔غالبؔ کے الفاظ میں:

تیر قضا ہر آئنہ در ترکشِ حق است
اما کشاد آں ز کمانِ محمد ﷺ است''

آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی پیہم نوازشوں کا مظہر ہیں۔آپ ﷺ کے نقوشِ پا کی بہار قدم قدم اور روش روش گلاب کھلاتی جارہی ہے۔آپ ﷺ کا دامانِ بخشش ہر دور، ہر عہد اور ہر صدی کو محیط ہے۔آپ ﷺ ہی منزل صدق وصفا کے رہنما اور رحمت ورافت کا بحرِ بے کراں ہیں۔آپ ﷺ گلزارِ ازل کے وہ گلِ شاداب ہیں جس کی خوشبو ابد آثار ہے۔اسی لیے مولانا جامیؒ نے آپ ﷺ کو تازہ تر گلبرگِ صحرائے وجود قرار دیا تھا۔انہی حقائق پر حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے اپنے ایک مکتوب میں یوں روشنی ڈالی ہے۔''انبیا علیہم السلام آپ ﷺ کے سرچشمۂ آبِ حیات کے ایک پیالے سے سیراب ومستفید ہیں اور اولیاء اللہ آپ ﷺ کے بے پایاں سمندر کے ایک گھونٹ پر قانع اور منتفع ہیں۔فرشتے ان کے طفیلی اور آسمان ان کی حویلی ہے۔وجود کا رشتہ ان کے ساتھ منسلک، ایجاد کا سلسلہ ان کے ساتھ مربوط اور ربوبیت کا ظہور ان کے ساتھ وابستہ ہے۔جملہ کائنات ان ہی کے پیچھے ہے اور کائنات کا بنانے والا (اللہ تعالیٰ) ان کی رضا کا طالب ہے۔جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے انا الطلب رضاک یا محمد ﷺ۔اے محمد ﷺ میں تیری رضا چاہتا ہوں۔

نماند بہ عصیاں کسے در گرو
کہ دارد چنیں سیّدے پیش رو

جس کا امام ایسا سردار ہو وہ شخص گناہوں کے بدلے میں گروی نہ رہے گا۔''

☆

اس نعتیہ غزل کے چوتھے شعر میں غالب کہتے ہیں کہ اگر تجھے لولاک لما خلقت الافلاک کا ادراک ہو جائے تو تجھے اس حقیقت سے آگاہی ہو جائے گی کہ (بقول اقبالؔ) خیمہ افلاک کا ایستادہ اسی نام سے ہے اور تجھے اس کی معرفت بھی مل جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ محمد ﷺ کا ہے یعنی محمد ﷺ کے لیے ہے۔___ انسان خلاصۂ کائنات ہے اور جملہ محاسنِ انسانی کا خلاصہ انبیاء ہیں اور تمام انبیاء کی خوبیوں کا مجموعہ حضور ﷺ ہیں، گویا آپ ﷺ صاحبِ لولاک اور روحِ کن

فکاں ہیں اور باعثِ تکوینِ روزگار ہیں، غالبؔ ہی کا کہنا ہے ۔

اے خاکِ درت قبلۂ جان و دلِ غالبؔ
کز فیضِ تو پیرایۂ ہستی است جہاں را

چونکہ آپ ﷺ ہی کے لیے ہستی کائنات کی آرائش و زیبائش ہے۔اس لیے آپ ﷺ کی خاک در غالبؔ کے لیے قبلۂ مراد اور کعبۂ مقصود ہے۔آپ ﷺ خالق کے دل کی اولین تمنا ہیں اس لیے ہر نوع سے تخلیقِ کائنات کا منشا ہیں۔ بہادر یار جنگؒ کہتے ہیں ۔

اے کہ ترے وجود پر خالقِ دو جہاں کو ناز
اے کہ ترا وجود ہے وجہِ وجودِ کائنات

☆

پانچویں شعر میں غالبؔ نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ قسم ہمیشہ عزیز شے کی کھائی جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ واقعات کے تسلسل کو سمجھانے کے لیے، بعض امور واقعی پر زور دینے کے لیے اور بعض حقائق کو واضح کرنے کے لیے جانِ محمد ﷺ کی قسم کھاتے ہیں۔سورۂ الحجر کی آیت ۷۲ میں قومِ لوط کی بدمستیوں کے تذکرے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں'' (اے محمد) تمھاری جان کی قسم، وہ اپنی مستی میں مدہوش (ہو رہے) تھے۔'' بلکہ ان مقامات کو بھی بطور شہادت پیش کرتے ہیں جن کا تعلق نبیٔ کریم ﷺ کی ذات والا صفات سے ہے۔(سورۂ البلد آیت ۲۰۱) مکان تو سبھی اینٹ اور پتھر ہی کے ہوتے ہیں مگر وہ مکین کی نسبت سے معزز و محترم ہو جایا کرتے ہیں۔دیکھنے والے ان راستوں کو بھی، دل کی ساری عقیدتوں کو اپنی پلکوں میں سمیٹ کر چومتے ہیں جو محبوب کی گزرگاہ ہوتے ہیں سچ یہ ہے کہ یہ اس ذاتِ گرامی ﷺ قدر کے خرامِ ناز کا فیض ہے کہ عرب کی ریت اپنے اندر ریشم کا لوچ لیے ہوئے ہے اور یہ انھی کے انفاس کی مہک ہے کہ وہ ریگستان ایک عالم کو خوشبو بانٹتا چلا جا رہا ہے۔مدینہ محبتوں کا مرکز اسی لیے ہے کہ وہاں محمد ﷺ کی بارگاہ ہے ۔

اے زمیں از بارگاہت ارجمند
آسماں از بوسۂ بامت بلند

حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ گرامی قدر کی قسم کھانا تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا نشانِ امتیاز ہے ہم لوگ تو ان راہوں، ان وادیوں، ان غاروں اور ان پتھروں کو ارادت کا مرکز بنائے ہوئے ہیں جنھوں نے صدیوں پہلے اس ذاتِ مکرم و محترم کو دیکھا تھا ہم تو معبود بھی اسی اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں جس کا پتا ہمیں حضور ﷺ نے دیا۔حضرت عمرؓ نے حجرِ اسود کو خانہ کعبہ کی نسبت سے بوسہ نہیں دیا بلکہ اس لیے چوما تھا کہ اسے ختمی مرتبت پیغمبرِ اسلام کے لب ہائے مبارک نے مس کیا تھا۔اللہ تعالیٰ کی ذات ہو یا خانہ کعبہ کا تقدس ہم اسے حضور ﷺ ہی کے حوالے سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ورنہ خدا کو ابوجہل بھی مانتا تھا اور کفار بھی اللہ کے گھر کا طواف کیا کرتے تھے۔ظفرؔ علی خاں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں ۔

اگر پروردگارِ انس و جاں کو ہم نے پہچانا
بلاشبہ و بلا شک اس کی وجہِ اولیں تم ہو

اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی قسم اسی لیے کھاتے ہیں کہ آپ ﷺ کی زندگی پاکیزگیوں کا منبع، سعادتوں کا مرکز اور

برکتوں کا ماخذ ہے اور یہ صرف اس لیے کہ آپ ﷺ کا لمحہ لمحہ اس ذاتِ حفیظ و بصیر کی نگاہوں میں تھا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''اللہ نے کوئی متنفس ایسا پیدا نہیں کیا جو حضور ﷺ سے زیادہ اس کی نظر میں مکرم و محترم ہو اور آپ ﷺ کے سوا کوئی نہیں جس کی زندگی کی اس نے قسم کھائی ہو۔''

☆

چھٹے شعر میں آپ ﷺ کے حسنِ قد و قامت کے بارے میں تشبیہ سے کام لیتے ہوئے غالب یہ کہتے ہیں کہ واعظ کو جنت کے معروف شجر طوبیٰ کا ذکر چھوڑ دینا چاہیے کہ آج ''سرورِ انِ محمد ﷺ'' کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ گویا حضور ﷺ کی خوش قامتی کے مقابل نہ جنت کے درخت طوبیٰ کی کوئی حیثیت ہے اور نہ دنیا کے سرو و صنوبر کی۔ ہم اگر تشبیہی اعتبار سے ان اشیا کو مقابل لاتے ہیں تو مقصود ان اشیاء کے حسن کا احساس دلانا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے ہم ذکرِ رسالت مآب ﷺ سے لفظوں کو اعتبار عطا کرتے اور اپنے وجود کے حوالے کو معتبر بناتے ہیں۔

تشبیہ دے کے قامتِ جاناں کو سرو سے
اونچا ہر ایک سرو کا قد ہم نے کر دیا

طوبیٰ بہر کیف سایہ دار ہے مگر ہمارے نبی ﷺ بے سایہ ہوتے ہوئے بھی، تپتے صحراؤں میں بھٹکتے ہوئے آبلہ پا مسافروں کے لیے ایک ایسے خنک سائے کی حیثیت رکھتے ہیں کہ وہاں پہنچ کر ہر اضطراب کو سکون و عافیت مل جاتی ہے۔

یوں مدینے میں پہنچ کر دل کو ملتا ہے سکوں
جیسے اک زخمی پرندہ آشیاں تک آ گیا

تشبیہ کا اصول یہ ہے کہ مشبہ بہ کو قدر و قیمت کے اعتبار سے مشبہ سے برتر ہونا چاہیے جبکہ یہاں جس مشبہ کا ذکر ہے اس کے روبرو تو ہر مشبہ بہ کا ہر حسن ماند ہے کہ صحابہ کرامؓ کبھی بدر کامل کو دیکھتے اور کبھی نبی کریم ﷺ کے چہرۂ انور کو اور انہیں چاند پھیکا پھیکا سا لگتا کہ ان کی نگاہوں کے سامنے ایک ایسا حسن جلوہ فرما تھا کہ اسے جلوے بھی ایک نظر دیکھ لیں تو طوافِ نظر کرتے رہ جائیں۔ وہاں تو نگاہیں سیر ہی نہیں ہوتی تھیں۔ دیکھ دیکھ کر، پھر دیکھنے کو جی چاہتا تھا۔

دیر سے آنکھیں نہیں جھپکی مری
پیشِ جاں اب کے نظارہ اور ہے

نبیٔ اکرم ﷺ کا چہرۂ اقدس، رخِ جمالِ الٰہی کا آئینہ تھا۔ وہ کونین کا حاصل تھے اور انہی کے لیے آب و گل میں مدتوں آرائشیں ہوتی رہیں۔ انھی کے مژدے صحائف سناتے رہے اور اسی قافلہ سالار کا پتا، نیاز و ناز کے اس عظیم قافلے کا ہر ممتاز راہی دیتا رہا۔ اقبالؔ کا یہ شعر اپنے اندر حقائق کی کتنی ہی تہہ در تہہ پرتیں لیے ہوئے ہے۔

آیۂ کائنات کا معنیٔ دیریاب تو
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو

اور آج جس کو خوش قسمتی سے، خواب میں بھی ان ﷺ کی زیارت ہو جاتی ہے وہ تمام عمر تصور کی اس رعنائی اور تصویر کی اس زیبائی کو سنبھالتا اور اس پر ناز کرتا رہتا ہے۔ حضرت احسان دانشؒ کو یہ نعمت نصیب ہوئی تھی کہ انہوں نے یہ اعتراف کیا تھا۔

چوما ہے اپنی آنکھوں کو رکھ رکھ کے آئنہ
ہوئی ہے جب بھی مجھ کو زیارت حضور ﷺ کی

گویا رسول اللہ ﷺ تجلّیٔ الٰہی کے انسانی پیکر تھے۔ غالبؔ نے اس کا اظہار اپنے ایک اردو شعر میں بھی کیا تھا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ نور کی تجلی تیری شکل میں ظاہر ہونا چاہتی تھی، تیرے قدورخ سے اس کے ظہور کا ستارہ چمک اٹھا یعنی وہ تیرے قدورخ میں ظاہر ہوگئی، یوں اس کی قسمت کھل گئی یعنی اس کے دن پھر گئے اور اس کے بھاگ جاگ اٹھے۔ ؎

سرو قد دیکھے ہیں تاریخ نے لاکھوں لیکن
قد کسی کا بھی ترے قد سے نہ اونچا دیکھا

☆

ساتویں شعر میں شق القمر کے واقعے کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ شعر تلمیحی حسن کے ساتھ ساتھ شاعرانہ لطافت بھی لیے ہوئے ہے کہ ماہِ تمام دو نیم ہوگیا اور یہ نتیجہ ہے آپ ﷺ کی انگشتِ مبارک کی ''نیم جنبش کا''۔ معجزات عرفانِ حق کے لیے ایک واضح ثبوت ہوتے ہیں جو انبیاء کے ذریعے منکرین تک پہنچتے ہیں۔ اس میں انبیاء کے اپنے ارادہ وقدرت کو داخل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ سراسر حکم الٰہی اور تائید الٰہی سے صادر ہوتے ہیں۔ بسا اوقات انبیاء کے علم میں بھی نہیں ہوتا کہ ان کے ہاتھوں کونسا اعجاز ظہور پذیر ہونے والا ہے۔ زمانے بھر کی تحیر آفرین سائنسی اور عقلی ایجادات اپنے حد کمال کو پا کر بھی انبیاء سے ظاہر ہونے والے کسی معجزے کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتیں کیونکہ ایجادات، ہر نوع سے سائنسی آلات کی محتاج ہیں۔ جبکہ معجزے میں ظاہری اسباب نہیں ہوا کرتے اور نہ زمانہ کسی معجزے کی کوئی عقلی اور مادی توجیہ کرسکتا ہے۔ معجزہ ''خارق عادت'' ہے وہ اس دنیائے اسباب سے بے نیاز ایک ایسا بالاتر فعل ہے جو ہر زمانے کی ہر عقل کو عاجز کردینے کے لیے کافی ہوتا ہے اور ''نبی کے فعل اور اس کے معجزے کے درمیان بھی کوئی علاقۂ تاثیر نظر نہیں آیا کرتا مثلاً لاٹھی کے ڈالنے اور اس کے اژدہا بن جانے میں کیا سببیّت ہے؟ اس طرح آپ ﷺ کے انگشتانِ مبارک سے پانی کے چشمے ابل پڑنے میں کس علاقۂ تاثیر کا دخل کہا جاسکتا ہے؟ بعینہٖ انگلی کے ایک اشارے اور چاند کے دو ٹکڑے ہوجانے میں کیا علاقۂ تاثیر ہے؟'' گو معجزہ کلیتاً اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کفار کی طرف سے معجزے کا اصرار ہوتا ہے اور نبی کی آرزو، دعا کے روپ میں ابھرتی اور معجزے کی تکمیل بن جاتی ہے۔ چاند کے دو نیم ہونے کا معجزہ بھی کفار کے اصرار پر رونما ہوتا ہے اور اس کی روایت عینی شاہدوں کے وسیلے سے، تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچتی ہے۔ یہ متفق علیہ بات ہے۔ انس بن مالکؓ، ابن مسعودؓ اور جبیر بن مطعمؓ راوی ہیں۔ اس معجزے کے بعد سورۃ القمر نازل ہوئی۔ یہ ہجرت سے پہلے کی بات ہے۔ یہ معجزہ منیٰ میں ظاہر ہوا۔ اہلِ مکہ ہی نے نہیں، باہر سے آنے والے قافلوں نے بھی چاند کو دو نیم ہوتے دیکھا۔ اس معجزے کا تذکرہ بطور روایت نہیں بطور شہادت ملتا ہے۔ یہ حضور ﷺ کی رسالت کا ثبوت بھی ہے اور قیامت کی دلیل بھی کہ اگر چاند دو نیم ہوسکتا ہے تو وقت آنے پر آسمان کی بساط بھی لپٹ سکتی ہے۔ شق القمر کا واقعہ واضح صداقت پر مبنی ایک مشاہدہ تھا اور نبیٔ کریم ﷺ نے اس پر سب کو گواہ بنایا۔ ؎

وہ چاہیں تو طلوع ہو مغرب سے آفتاب
وہ چاہیں تو اک اشارے سے شقِّ قمر کریں

بعض اسے محض ایک فطری واقعہ سمجھتے ہیں۔ معجزہ قرار نہیں دیتے۔ مگر حق یہ ہے کہ چاند فی الواقع اشارۂ رسالت مآب ﷺ سے دو ٹکڑے ہوا۔ دیکھنے والوں کی آنکھوں پر کسی انداز سے بھی کوئی تصرف نہ تھا۔ بلکہ تصرف قدرت نے چاند پر کیا تھا۔ اسی لیے اسے دلیلِ قیامت ٹھہرایا گیا۔ ساحری میں نگاہوں پر تصرف ہوتا ہے مگر معجزے میں ''انقلابِ حقیقت'' ہوا کرتا ہے۔ ؎

شق القمر فلک پہ دکھا کر جناب ﷺ نے
بدلی ہے ممکنات سے صورتِ محال کی

☆

آٹھویں شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اگر مہرِ نبوت کی حقیقت کے بارے میں غور کیا جائے تو یہ بات کھل جاتی ہے کہ یہ مہرِ نبوت آپ ﷺ ہی کی ذاتِ گرامی قدر سے نامور اور سرفراز ہے۔ حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ ''میں نے حضور اقدس ﷺ کی مہرِ نبوت کو آپ ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان دیکھا۔ جو سرخ رسولی جیسی تھی اور مقدار میں کبوتر کے انڈے جیسی۔'' غالبؔ کے نزدیک یہ مہرِ نبوت، نسبتِ رسالت سے معزز و مقدس ہے۔ یہ تو حضور ﷺ کے وجودِ اطہر کا ایک حصہ ہے۔ ہمارے نزدیک تو آپ ﷺ کا ہر قرینہ، ہر سلیقہ، ہر رخ، ہر اشارا اور ہر زاویہ اپنے اندر محبت اور عقیدت کے کئی انداز لیے ہوئے ہے اور زمین کا وہ ٹکڑا حقیقتاً آسمان ہے جہاں وہ وجودِ ناز، آسودہ ہے۔ مہرِ نبوت بھی اسی تعلق اور اختصاص کی بنا پر نامور ہے۔

☆

آخر میں غالبؔ کہتے ہیں کہ میں اپنے ممدوح کی مدحت، اللہ تعالیٰ پر چھوڑتا ہوں کہ وہی ان کے رتبے کو جانتا ہے، ہم لوگ تو اس بے پایاں حسن کی تحسین، اسی حد تک کر سکتے ہیں جس حد تک ذرّہ، آفتاب کا احاطہ کر سکتا ہے حق یہ ہے کہ اظہار و بیان کا کوئی سا پیرایہ بھی اس جمالِ بے مثال کو بیان نہیں کر سکتا۔ ہم لوگ نعت سرائی سے ممدوح کی شان میں کوئی اضافہ نہیں کرتے بلکہ خود کو بلند و بالا کرتے ہیں، آفتاب کو اگر آفتاب کہہ کر پکار لیں تو اس کا آفتاب پر کوئی احسان نہیں ہوا کرتا بلکہ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ دیکھنے والے کی نظر صحیح و سالم ہے۔

ع مادحِ خورشید، مداحِ خود است

حقیقت یہ ہے کہ توصیف اور درود کا حق بھی اللہ تعالیٰ ہی ادا کر سکتے ہیں کہ وہی ''مرتبہ دانِ محمد ﷺ'' ہیں۔ حضرت علیؓ کے ایک فرمان کا مفہوم کچھ یوں ہے:

(تیرا مداح، ترے وصف دریافت کرنے سے جاہل ہے اور اپنے قصورِ فہم کا معترف ہے۔ اللہ ہی ان کی شان خوب جانتا ہے اور وہی جانتا ہے اس کے بیان کرنے کو)

حضور ﷺ سے ایک درود منقول ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ''اے اللہ، درود نازل فرما سیّدنا محمد پر جیسا کہ تو نے حکم دیا کہ ہم درود بھیجیں اور اے اللہ ان پر درود نازل فرما جیسا کہ ان کی شان کے شایاں ہے۔''

نعت چونکہ درود و سلام ہی کی ایک نغماتی شکل ہے۔ اس لیے اس کا حق بھی نعت گو ادا نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی سوچ ناقص، اظہار محدود اور تصور مسدود ہے۔ اس لیے اپنی بساط کے مطابق نعت سرائی کے بعد، کماحقہٗ نعت کا حق، اللہ تعالیٰ ہی پر

چھوڑ دینا چاہیے اور قلم قلم اپنی کم مائیگی کا اعتراف کرنا چاہیے کہ

ع حق تو ہے کہ حق ادا نہ ہوا

فارسی اور اردو شاعری میں نعت کہنے والوں کی بے بضاعتی کا اعتراف جا بجا ملتا ہے مگر اس مقام پر ناصر کاظمی مرحوم کی ایک نعت کے دو بند قابلِ ذکر ہیں کہ وہ اس خیال کے آئینہ دار بھی ہیں اور خود غالب ہی کے اشعار پر تضمین بھی ؎

خطِ جبیں ترا ام الکتاب کی تفسیر
کہاں سے لاؤں ترا مثل اور تری نظیر
دکھاؤں پیکرِ الفاظ میں تری تصویر
مثال یہ مری کوشش کی ہے مرغِ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے
تھکی ہے فکرِ رسا اور مدح باقی ہے
قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا اور مدح باقی ہے
''ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے''

غالب کی نعتیہ غزل کا یہ آخری شعر اس قدر معروف ہے کہ آج نعت کا کوئی سا بیان بھی اس کے حوالے کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ ممدوح کی بے پایاں رفعتوں کے مقابلے میں جب لکھنے والے کو اپنی نارسائی کا احساس ہوتا ہے تو فوراً قلم کی نوک پر یہ شعر آ جاتا ہے اس شعر کی اس قدر مقبولیت، دلیل ہے اس بات کی کہ اسے بارگاہِ ناز میں بھی شرفِ قبول حاصل ہے کیونکہ جو بات دل سے نہ نکلے وہ ہر دل کی صدا نہیں بن سکتی۔ حالی سے لے کر حال تک اس نعت پر بہت سی تضمینیں بھی کی گئیں اور اردو نعت نے اس سے نہ صرف تاثر لیا بلکہ یوں استفادہ کیا کہ ہم مضمون اشعار کے ڈھیر لگ گئے۔ یہ اخذ و استفادہ ارادتاً بھی ہوا اور بے ساختہ بھی۔

الغرض رسمی اسلوب سے ہٹی ہوئی یہ ایک ایسی نعت ہے جو ہیئت کے اعتبار سے منزل نشاں اور مواد کے اعتبار سے جہت نما ہے۔ فنی اعتبار سے تو اس نعت کو قابلِ قدر ہونا ہی تھا کہ کہنے والا وہ شاعر ہے جس کے لبِ اعجاز پر نطق مدتوں ناز کرتا رہے گا، مگر معنوی اعتبار سے بھی یہ نعت قابلِ تقلید ہے کہ اس میں قرآنی حقائق کی عکاسی کے ساتھ ساتھ سیرت کے درخشاں پہلو بھی ہیں۔ حسنِ ممدوح کی کیف سامانیوں کا تذکرہ بھی ہے مگر غزل کی مبالغہ آفرینیوں سے دامن کشاں ___ اور آخری شعر میں قدرتِ بیان کے باوصف عجزِ بیان کا اعتراف، اسے ایک بھرپور اور مکمل نعت کا اعزاز عطا کرتا ہے اور دورِ حاضر کی نعت گوئی اسی انداز کو اپنا اعتبار اور افتخار بنائے ہوئے ہے۔

آخر میں، اس نعت کے تناظر میں ایک نظر یہ بھی دیکھیے کہ وہ ذاتِ بلند و برتر جسے غالب مرتبہ دانِ محمد ﷺ قرار دیتے ہیں۔ کس اسلوب و ادا کے ساتھ مدحت کے انداز سمجھاتی ہے۔ وہ ذات تمام انبیاء کو ذاتی ناموں سے پکارتی ہے مگر حضور ﷺ کی وصفی ناموں کے ساتھ مخاطب فرماتی ہے۔ ایسے نام جن سے محبت، شفقت اور عزت کا اظہار ہوتا ہے بلکہ

دوسروں کو بھی اپنی آواز پست رکھنے کا حکم ہے، ورنہ اعمال کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے۔ اپنے ساتھ ساتھ فرشتوں اور بندوں کو بھی درود وسلام کا حکم دیا جاتا ہے اور یہی وہ واحد مقام ہے کہ اللہ، فرشتے اور بندے ہم آواز بھی ہیں اور ہم مقام بھی۔ ورنہ تینوں کے مقامات الگ الگ ہیں۔ پھر حضور ﷺ کو پیار سے اپنا بندہ کہا جاتا ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۱)

عبد دیگر عبدہٗ، چیزے دگر
ما سراپا انتظار او منتظر

گویا عبدیت، انسانی عظمت کا بلند ترین مقام ہے۔ وہ ذات بلند و برتر، صفاتِ محمد ﷺ کی قسم کھا کھا کر بات کرتی اور بات سمجھاتی ہے اور اپنی رضا کو ان کی رضا سے یوں ہم آہنگ کرتی ہے کہ قبلے کی تبدیلی کی آرزو دلِ محبوب میں مچلتی ہے۔ زبان سے اظہار بھی نہیں ہونے پاتا اور نگاہ کی آرزو ہی سے قبلہ تبدیل ہو جاتا ہے۔

گرامی نے کہا تھا ؎

قضا گیرد، قدر گیرد، ازل گیرد، ابد گیرد
رکابش را عنانش را، عنانش را، رکابش را

اور پھر دینے والے نے واضح کر دیا کہ وہ کچھ عطا کیا جائے گا کہ لینے والے کا دل باغ باغ ہو جائے گا اور ساتھ ہی ذکر کو ایسی رفعت عطا کر دی کہ اوقاتِ عالم کا ایک ثانیہ بھی ایسا نہیں گزرتا جو ذکرِ رسول ﷺ سے معمور نہ ہو۔ آپ ﷺ کی سیرت کو قرآن پاک کا عکس بنا دیا گیا اور آپ ﷺ کو مجسم قرآن۔ آپ ﷺ کو مرکزِ انوارِ انبیاء بنا کر بھیجا گیا اور آپ ﷺ کی رحمتوں کو عام کر دیا گیا۔ آپ ﷺ سید الاولین ہیں کہ جتنے نبی پہلے گزر چکے آپ ﷺ ان کے سرتاج ہیں۔ آپ ﷺ سید الآخرین ہیں کہ صحابہ کرامؓ سے لے کر قیامت تک جتنے صالحین آئیں گے ان کی زندگیاں انوارِ محمد ﷺ سے مستنیر ہوں گی۔ اسی لیے اقبال، نگاہ عشق و مستی میں انہی کو اول بھی کہتا ہے اور آخر بھی ـــــ اسی لیے مولانا رومؒ کے نزدیک نام احمد ﷺ، جملہ انبیا کو محیط ہے اور یوں بسم اللہ سے لے کر والناس تک، پورا قرآن آپ ﷺ ہی کا حسین و جمیل تذکرہ ہے ـــــ اس طویل مضمون کو غالبؔ ہی کے ایک فارسی نعتیہ شعر پر ختم کرتا ہوں جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور ﷺ کا نام لینے سے میری گفتار میں جان کی سی حلاوت آ گئی ہے، محبت کی اس تاثیر کی وجہ سے میرے دل نے میری زبان اپنے اندر کھینچ لی ہے یعنی میں خاموش ہو گیا ہوں۔ اس لیے بھی کہ اس نعمت کا شکر لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتا اور اس لیے بھی کہ اب دل اندر ہی اندر لطف اندوز ہو رہا ہے۔ ؎

تا نامِ تو شیر ینئی جاں دادہ بہ گفتن
در خویش فرو بردہ دل از مہر زباں را

(۱۹۹۶ء)

☆

بانگِ درا کی نعتیہ تاب وتب

بانگِ درا ۱۹۲۴ء میں شائع ہونے والا، اقبالؒ کا پہلا وہ اردو مجموعۂ کلام ہے جس نے اقبال کو عوام الناس میں متعارف بھی کرایا اور ان کے پیغام کی عظمت و رفعت کے لیے اساسی حیثیت کا کام بھی دیا۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر شعرِ اقبال کا رفیع الشان قصر وجود میں آیا۔ اس میں نظمیں زیادہ اور غزلیں کم ہیں۔ لسانی شکوہ، اہلِ نظر اور تماشائی ہر دو کے لیے معتبر دلآویزیوں کا حامل ہے۔ اس کتاب میں پیغامِ اقبال، اس شاہین کے مانند ہے جو اپنے نشیمن میں مقیم اور پرواز کے لیے بے چین ہو اور اس کی نگاہ دور بہت دور آفاق کی لافانی وسعتوں پر لگی ہوئی ہو یا پھر اس دیو کی طرح ہے جو انگڑائی لیا چاہتا ہو۔ بانگِ درا میں وطن دوستی کا رنگ بھی ہے اور غیر مسلم شخصیات کی مدّاحی بھی، داغ کی شستگیٔ زبان بھی ہے اور امیرؔ کا رنگِ تغزل بھی۔ انگریزی شعر و ادب سے استفادہ بھی موجود ہے اور منظر نگاری کے دلکش نمونے بھی۔ البتہ خیالات کی گہرائی اور فکر کی سنجیدگی کے مقابلے میں مشاہدے کی گیرائی اور اسلوب و ادا کی رعنائی نمایاں ہے۔ اس میں وہ نظمیں بھی ہیں جو زبان کے اعتبار سے آسان ہیں اور جنھیں بچوں کے ادب میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ گویا ابتدائی نوعیت کے اس کلام میں فکری اعتبار سے وہ پختگی نہیں ہے جو بعد میں اقبال کا طرۂ امتیاز بنی، اس میں مشاہداتی نظموں کی بھرمار ہے جب کہ ضربِ کلیم میں اس نوع کی کوئی نظم بھی نظر نہیں آتی اور نہ الفاظ و تراکیب کا کوئی ایسا شکوہ دکھائی دیتا ہے۔ وہاں فکر کی عظمت غالب ہے اور زبان و ادا ثانوی ہو کر رہ گئے ہیں اور شاعرِ اقبال، حکیم الامت کی مفکرانہ شان کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اقبال کے اپنے الفاظ میں ''بانگِ درا کی بیشتر نظمیں میرے طالب علمی کے زمانہ کی ہیں'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر مسلمان کے دل کا سرمایۂ ایمان ہے۔ مولا کریم نے اقبال کو اس سرمایے سے حصۂ وافر عطا کیا تھا اور یہ اس کریم کا کرمِ خاص بھی ہے اور بڑے نصیب کی بات بھی۔

دہد حق عشقِ احمد ﷺ بندگانِ چیدۂ خودرا
بہ خاصاں می دہد شہ، بادۂ نوشیدۂ خودرا

گو بانگِ درا، اقبال کا ابتدائی کلام ہے مگر اس میں بھی جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی آتا ہے، اقبال کا قلم آنسوؤں کے گوہر لٹانے کے ساتھ ساتھ، محبت کے پھول برسانے کے لیے بھی بے چین نظر آتا ہے۔ نعت، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ کا تذکرہ بھی ہے اور ان ﷺ کی ذاتی پسندیدگیوں کا شعری بیان بھی۔ یہ پسند اشخاص سے لے کر اعمال تک اور مقامات سے لے کر آثار تک پھیلی ہوئی ہے۔ نعت گو کا قلم ان خوش نصیب اصحاب کے حضور میں بھی سجدۂ نیاز پیش کرتا ہے۔ جنھوں نے انوارِ رسالت کو چشمِ سر سے دیکھا۔ وہ ان فضاؤں کو بھی سلام کہتا ہے جن میں ممدوح کے سانسوں کی مہک

رچی ہوئی ہے وہ ریت کے ان ذروں کو بھی اپنی بھیگی ہوئی پلکوں سے چومتا ہے جنہیں حضور اکرم ﷺ ہی کے خرام ناز کی وجہ سے ریشم کا لوچ عطا ہو چکا ہے۔ ؎

جاوید ہمیں باش بایں نعت و بایں وصف
پاکیزہ بہ اخلاق و پسندیدہ بہ افعال
وصفش ہمہ تقدیس ز پیوند و زفرزند
نعتش ہمہ تنزیہہ زا مثال و ز اقران

نعت کی اس تعریف کی روشنی میں، بانگِ درا کے نعتیہ رنگ وآہنگ کی ایک اجمالی کیفیت یوں ہے۔

بلالؓ، بانگِ درا کی ۳۷ ویں اور اس اعتبار سے پہلی نظم ہے کہ اس میں نعت کا رنگ بھی ہے اور بلالؓ کے پردے میں خود اقبال کے اپنے دل کی دھڑکنیں، روح کی لرزشیں اور نگاہوں کی تمنائیں بھی شعر کے پیرہن میں انوار بکھیرتی محسوس ہوتی ہیں۔ یہ نظم ۱۹۰۴ء میں مخزن میں شائع ہوئی تھی۔ بلالؓ ایک حبشی غلام تھے۔ ان کے مالک کا نام امیہ بن خلف تھا۔ بلالؓ قبولِ اسلام میں سبقت لے جانے والوں میں سے تھے۔ اس بنا پر وہ ناقابلِ برداشت ظلم وستم کا نشانہ بنے۔ تپتی ریت اور جلتے سنگریزوں پر گھسیٹے گئے۔ دہکتے انگاروں پر لٹائے گئے۔ لوہے کی زرہ پہنا کر سورج کی آتشیں کرنوں میں بٹھائے گئے مگر ان کی زبان احد، احد کے ترانے الاپتی رہی۔ جرم کتنا حسین ہے اور سزا کتنی دردناک اور مقصود کتنا ارفع واعلیٰ ؎

اِس جرم میں پہنچے ہیں سرِ دار کہ ہم لوگ
اُس قامتِ زیبا کو بھلا کیوں نہیں دیتے

حضرت ابوبکرؓ نے انھیں خرید کر آزاد کر دیا جبکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عظیم خریداری میں شمولیت کی آرزو فرمائی۔ اسلام کے پہلے موذن بلالؓ ہی تھے۔ فتح مکہ کے بعد انھی کی زبان سے کعبے کی چھت پر توحید کا نغمہ گونجا حضرت عمرؓ کے زمانے میں شام کی طرف جہاد کی غرض سے گئے۔ ۲۰ھ میں دمشق کے مقام پر فوت ہوئے۔ حضرت عمرؓ، حضرت بلالؓ کو ''سیدنا'' کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ قلبی تعلق اور روحانی نسبت بھی کتنی عظیم نعمت ہے۔ استوار ہو جائے تو زندگی مقصودِ مہر وماہ بن جاتی ہے، کٹ جائے تو دربدر بے آبرو ہو کر رہ جاتی ہے ـــــ اس نظم کا عنوان بظاہر بلالؓ ہے مگر حقیقتاً اس نظم کا ہر شعر حبِّ رسول ﷺ کی تاب وتب لیے ہوئے ہے ـــــ اقبال اپنے مکاتیب میں شعر کی دلربائی سے بہت ہی کم کام لیتے ہیں مگر انھوں نے اپنے ایک مکتوب میں اس نظم کے آخری شعر کو ان الفاظ کے ساتھ درج کیا ہے۔

''میں لاہور کے ہجوم میں رہتا ہوں۔ مگر زندگی تنہائی کی بسر کرتا ہوں۔ مشاغل ضروری سے فارغ ہوا تو قرآن یا عالمِ تخئیل میں قرونِ اولیٰ کی سیر، مگر خیال کیجیے جس زمانے کا تخئیل اس قدر حسین وجمیل وروح افزا ہے وہ زمانہ خود کیسا ہوگا ؎

خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا!
خوشا وہ دور کہ دیدارِ عام تھا اس کا!''

یہ نظم بتاتی ہے کہ کسی وجودِ رعنا کے عشق میں ہونے والا ستم، لطف وراحت کی تمہید ہوا کرتا ہے۔ عشق کے مرحلے بھی عجیب ہیں اور انداز بھی نرالے۔ اویس قرنیؓ ترستے رہے کہ رخِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم چشمِ سر سے دیکھا بھی جا سکے گا

نہیں۔وہ کاسہ ہائے چشم کو شفاف بنانے ہی میں عمر بتا گئے۔ بلالؓ جی بھر کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے باوجود، دیکھتے ہی رہے کہ انھیں دیکھنا عین عبادت تھا اور عبادت بھی ایسی جس سے دل کبھی سیر نہ ہو ـــــ عادت، عبادت ہو جائے تو سراپا کیف ہو جاتی ہے مگر عبادت، عادت بن جائے تو لطفِ نیاز کھو دیتی ہے۔لمحاتِ دید میں، حسرتِ دید قائم رہے تو شوق جوان رہتا ہے۔ بلالؓ کی نگاہیں رخِ مصطفیٰ ﷺ پر مچل مچل کر ''نمازِ نیاز'' ادا کیا کرتی تھیں۔ان کی اذان، عشق کا ترانہ تھی اوران کی آواز، قلبِ رسالت مآب ﷺ کے لیے موجبِ فرحت۔

وہ آستاں نہ چھٹا تجھ سے ایک دم کے لیے
کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے لیے
مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا
ترے لیے تو یہ صحرا بھی طور تھا گویا
ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری
اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی
نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی

اس نظم میں جہاں لفظی شکوہ اور قلبی ناشکیبائی کا ایک حسین امتزاج ہے وہاں فنی حسن بھی تشبیہات کی شکل میں موجود ہے۔

نظر تھی صورتِ سلمانؓ ادا شناس تری
شرابِ دید سے بڑھتی تھی اور پیاس تری
تجھے نظارے کا مثلِ کلیمؑ سودا تھا
اویسؓ، طاقتِ دیدار کو ترستا تھا
گری وہ برق تری جان ناشکیبا پر
کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دستِ موسیٰؑ پر

عشق کی برق آشامی نے بلالؓ کی سیاہ فامی کو، موسیٰؑ کے یدِ بیضا کے لیے وجہِ رشک بنا دیا تھا۔ مدینہ انوار کی بستی تھی اور بلالؓ اسی طور کے کلیم تھے اور ادا شناسیٔ نبوت کے لیے سلمان فارسیؓ کو بطور تشبیہ لانا بھی چند لفظوں میں تاریخ کی وسعتوں کو سمیٹ دینا ہے کہ سلمانؓ ہر دنیاوی تعلق سے کٹ کر ''ابنِ اسلام'' ہو گئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اہلِ بیت میں سے قرار دیا تھا۔سلمان ساوجی کا مصرع ہے۔

ع چوں محمد ﷺ گفت ''السلمان منا اہل بیت''

☆

بانگِ درا حصہ اول کے آخر میں دی گئی غزلوں سے نویں غزل جنوری ۱۹۰۴ء کے مخزن میں چھپی تھی گو غزل کا ہر

شعر مختلف الاحوال ہوتا ہے۔ مگر اس غزل میں فکری تسلسل اس نوع کا ہے کہ شروع میں اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کو پا کر خود عظیم ہو جانے کا ذکر ہے۔ درمیان میں اللہ کے ان بندوں کا تذکرہ ہے جن کی موجِ نفس بجھتے ہوئے دیوں کو روشن کر دیا کرتی ہے اور آخر میں چھ شعر نعتیہ انداز لیے ہوئے ہیں۔

کسی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمنِ دل کو
کہ خورشیدِ قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں
محبت کے لیے دل ڈھونڈ کوئی ٹوٹنے والا
یہ وہ مے ہے جسے رکھتے ہیں نازک آبگینوں میں
سراپا حسن بن جاتا ہے جس کے حسن کا عاشق
بھلا اے دل حسیں ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں
پھڑک اٹھا کوئی تیری ادائے ''ماعرفنا'' پر
ترا رتبہ رہا بڑھ چڑھ کے سب ناز آفرینوں میں
نمایاں ہو کے دکھلا دے کبھی ان کو جمال اپنا
بہت مدت سے چرچے ہیں ترے باریک بینوں میں
خموش اے دل، بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

وہ شرر، جو خرمنِ دل کو یوں پھونک دے کہ خورشیدِ محشر بھی اس کا خوشہ چین ہو جائے، حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل حاصل ہو سکتا ہے اور یہی شرر، مقصدِ زندگی ہے اور یہ محبت انھی دلوں میں انوار برساتی ہے جو سوز و گداز کی دولت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ گویا اس شرر کے حصول کے لیے صلاحیت اور ظرف لازم ہے اور اقبال کا یہ کہنا نہ معلوم ان کے دل کی کس کیفیتِ طلب کا آئینہ دار ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے حسیں سے دل لگانے والا خود سراپا حسن بن جاتا ہے کیونکہ اس حسن کا طواف تو خود حسن آفرین کرتا ہے۔ بقول حافظ مظہر الدینؒ۔

جو حسن میرے پیشِ نظر ہے اگر اسے
جلوے بھی دیکھ لیں تو طوافِ نظر کریں

اور یہی وجہ ہے کہ جب اس حسینِ کامل کی زبانِ فصاحت نثار سے خالقِ حسن نے یہ سنا کہ ''ہم نے تجھے اس طرح نہ پہچانا جس طرح پہچاننے کا حق تھا'' تو اس ادائے ناز پر وہ اس قدر گرویدہ ہو گیا کہ انہیں معراج کی شکل میں دید کی سعادت بھی عطا ہوئی اور اجمل و احسن ہونے کا شرف بھی ملا، عرفانِ کامل کے باوجود، اعترافِ نارسائی، شانِ عبودیت بھی ہے اور شوقِ طلب کی بے پایانی بھی۔ اقبال یہ تمنا بھی کرتے ہیں کہ کاش، عقل کے پرستار، اس حسن کا ایک جلوہ دیکھ لیں تو ان کی بصارت، بصیرت کے نور سے مستنیر ہو جائے اور آخر میں یہ بھی بتاتے ہیں کہ حضورِ ناز میں سکوت بولتا، آنسو چھلکتے اور دھڑکنیں حالِ دل کہتی ہیں اور ادب ہی وہ قرینہ ہے جس سے محبت بال و پر لیتی اور انتہائے عشق کو چھو کر کیمیا ہو جاتی ہے۔ اس غزل میں اقبال نے پہلے عاشق کا، پھر عشق کا، پھر محفلِ محبوب کا اور پھر خود محبوب کا ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ کی ذاتِ

اقدس، کائنات کا مقصود اور محبت کی معراج ہے۔

گیارھویں غزل جون ۱۹۰۴ء میں لکھی گئی اس کے آخری شعر میں اقبالؔ، غبارِ راہِ حجاز ہو جانے کی تمنا کرتے ہیں ؎

ہوا ہو ایسی کہ ہندوستان سے اے اقبال
اڑا کے مجھ کو غبارِ رہِ حجاز کرے

پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے الفاظ میں ''اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ اقبال کے دل میں جوانی ہی سے کارفرما تھا۔ یہ سچ ہے کہ وہ حجاز نہ جا سکے لیکن عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت لاکھوں مسلمانوں کے محبوب ضرور بن گئے۔ اگر انھوں نے اپنے آپ کو سرکارِ دو عالم ﷺ کے عشق میں فنا کر دیا تو حضور ﷺ نے بھی انھیں زندۂ جاوید کر دیا۔''

☆

بانگِ درا کے آخر میں دی گئی غزلوں میں، پہلی غزل کا پہلا شعر ہے ؎

اے بادِ صبا، کملی والے سے جا کہیو پیغام مرا
قبضے سے امت بیچاری کے، دیں بھی گیا، دنیا بھی گئی

گویا امت نے اتباعِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑا تو دنیاوی اعتبار سے بھی ذلت اس کا مقدر بن گئی۔ کیونکہ

ع ملک و دولت ہے فقط حفظِ حرم کا اک ثمر

اسی طرح تیسری غزل کا چوتھا شعر بھی نعتیہ رنگ لیے ہوئے ہے ؎

عشق فرمودۂ قاصد سے سبک گامِ عمل
عقل سمجھی ہی نہیں معنیٔ پیغام ابھی

گویا حضرت ابوبکرؓ سنتے ہی ایمان لے آئے اور استفسار پر یہی کہا کہ ''محمد ﷺ کا چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا'' دوسری طرف ابوجہل عقلِ عیار کا شکار رہا اور خاسر و نامراد ہوا اور نہ سمجھ سکا کہ

ع رُو و آوازِ پیمبر ﷺ معجزہ است

اقبال نے ۱۹۰۸ء میں میونخ (جرمنی) کے مقام پر وصال کے عنوان سے ایک نظم لکھی گو یہ نظم مجازی نوعیت کی ایک متغزلانہ سعی ہے۔ مگر اس سے ان کے دل کے گداز، روح کی پیاس اور نظر کی تمنا کا ضرور پتا چلتا ہے کہ کیسے ان کے دل کے گوشے گوشے میں آتشِ غم شرارہ بار ہے اور اس بات کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ ۱۹۰۸ء میں اقبال کا دل عشق کے جس سوز سے آتش کدہ بنا ہوا تھا۔ وہ سوز جب حجاز کی حقیقتوں سے ہم آہنگ ہوا ہوگا تو کیا سے کیا ہو گیا ہوگا۔ تابشِ خورشید سے تو ذرے بھی ٹکرا جائیں تو ماہتاب ہو جاتے ہیں اور جو پہلے ہی ماہتاب ہو اس کے رشکِ صد طور ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے اس دور کی اس نظم کے چند شعر ہیں ؎

عشق کی گرمی سے شعلے بن گئے چھالے مرے
کھیلتے ہیں بجلیوں کے ساتھ اب نالے مرے

غازۂ الفت سے یہ خاکِ سیہ آئینہ ہے
اور آئینے میں عکسِ ہم دمِ دیرینہ ہے
ضو سے اس خورشید کی اختر مرا تابندہ ہے
چاندنی جس کے غبارِ راہ سے شرمندہ ہے
یک نظر کر دی و آدابِ فنا آموختی
اے خنک روزے کہ خاشاک مرا وا سوختی

اس دور کی ایک نظم ''پیامِ عشق'' میں اقبال، مجاز سے حقیقت، فرد سے ملت، صحرانوردی سے محفل آرائی، فرقہ سازی وطریقِ آزری سے قومی یک جہتی تک پہنچ چکے ہیں اور بتوں سے دامن بچا کر، غبارِ رہِ حجاز ہونے کے شرف سے مشرف ہوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ یہی وہ فکری ارتقا ہے جس نے اقبال کو نہ صرف حکیم الامت بنایا بلکہ دوقومی نظریے کی اساس کو بھی مستحکم کیا۔ اقبال کے جسمِ خاکی نے ۱۹۰۸ء میں اس دیارِ ناز میں سراپا نیاز بننے کی تمنا یوں کی تھی۔

وجود افراد کا مجازی ہے، ہستیٔ قوم ہے حقیقی
فدا ہو ملت پہ، یعنی آتشِ زن طلسمِ مجاز ہو جا
یہ ہند کے فرقہ ساز اقبال آزری کر رہے ہیں گویا
بچا کے دامن بتوں سے اپنا غبارِ راہِ حجاز ہو جا

اور یوں لگتا ہے کہ انیسویں صدی کے اوائل ہی میں خالقِ آرزو نے اقبال کے دل میں یہ لگن پیدا کر دی تھی کہ اس نے خود تڑپنا بھی ہے اور اوروں کو تڑپانا بھی ہے اور یہ طے ہو چکا تھا کہ شعرِ اقبال نے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حرارت لے کر، ایک عہد کے عروقِ مردہ کو خونِ زندگی دینا ہے اور نقش پائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تابانیاں سمیٹ کر دلوں کی وادیوں میں نور بکھیرنا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مارچ ۱۹۰۷ء میں اقبال نے ٹھیک کہا تھا۔

میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری، نفس مرا شعلہ بار ہوگا

☆

نظم بلادِ اسلامیہ ــــــ میں اقبال نے مسلمانوں کو ان کی عظمتِ رفتہ یاد دلانے کی ایک ایسی سعی کی ہے، جس میں جذبہ، جنوں آفرینیوں کے جلو میں انگڑائی لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ یہ نظم تاریخی حقائق کا ایک شاعرانہ اظہار ہے اور تاریخ کا مقصود ہی یہ ہے کہ گرے ہوئے دل و دماغ ہمیشہ کے لیے گرے ہوئے نہ رہیں بلکہ وہ ابھریں، بلند ہوں اور یہاں تک بلند ہو جائیں کہ عزت کی سب سے اونچی سطح پر پہنچ جائیں اس نظم میں اقبال، دہلی، بغداد، قرطبہ، قسطنطنیہ اور مدینہ منورہ کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ علاقے ہماری شوکت دیرینہ کے مظہر ہیں۔ آخری بند میں جب مدینہ منورہ کا ذکر آتا ہے تو اقبال کے دل میں چھپا ہوا نعت گو، مچل مچل کر سامنے آتا ہوا محسوس ہوتا ہے کہ ذکر اس خنک شہر کا ہے جو دو عالم سے خوشتر بھی ہے اور دو عالم کی عقیدتوں کا مرکز بھی۔ اقبال کے نزدیک یہی وہ سرزمینِ پاک ہے جو احساسات و کیفیات کی جملہ شعاعوں کا نقطۂ

جاذب ہے۔ مدینہ صبحِ دلنواز ہے تو ہم قطراتِ شبنم ـــــ وہ مرکز، ہم دائرہ ؎

وہ زمیں ہے تو مگر اے خوابگاہِ مصطفیٰ ﷺ
دید ہے کعبے کو تیری حجِ اکبر سے سوا
خاتمِ ہستی میں تو تاباں سے مانندِ نگیں
اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں
تجھ میں راحت اس شہنشاہِ معظم ﷺ کو ملی
جس کے دامن میں اماں اقوامِ عالم کو ملی
نام لیوا جس کے شاہنشاہ عالم کے ہوئے
جانشیں قیصر کے، وارث مسندِ جم کے ہوئے
ہے اگر قومیتِ اسلام پابند مقام
ہند ہی بنیاد ہے اس کی، نہ فارس ہے نہ شام
آہ، یثرب دیس ہے مسلم کو تو، ماویٰ ہے تو
نقطۂ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو
جب تلک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں
صبح ہے تو اس چمن میں گوہر شبنم بھی ہیں

☆

نظم ترانۂ ملّی کا نواں، دسواں شعر بھی خاکِ بطحا کے لیے بہنے والے خونِ مسلم کی رعنائیوں اور حضور ﷺ کے لیے قلبی عقیدتوں کا اظہار ہیں ؎

اے ارضِ پاک تری حرمت پہ کٹ مرے ہم
ہے خوں تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا
سالارِ کارواں ہے میرِ حجاز ﷺ اپنا
اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا

☆

''حضور رسالت مآب ﷺ'' میں ایک ایسی نظم ہے جس میں اقبال اپنے عہد کے سب سے بڑے سیاسی کرب کو اس بارگاہِ بندہ نواز میں پیش کرتے ہیں کہ وہی ایک دیوار ہے جس سے دکھتی ہوئی پیٹھ ٹیک لگا سکتی ہے۔ ۱۹۱۱ء میں اٹلی نے انگریز کے ایما و اعانت سے طرابلس پر حملہ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ طرابلس سلطنت عثمانیہ کا حصہ بلکہ صوبہ تھا، ترک اس کی مدد کے لیے مصر کے راستے آسکتے تھے مگر انگریز نے اس راستے کو روک دیا تھا۔ جبکہ مسلمان بحری طاقت سے محروم تھے۔ ترک غیر معروف راستوں سے طرابلس پہنچے، عربوں اور مصریوں نے بھی اعانت کی اور یوں مسلمانوں نے طرابلس کو بچانے کے

لیے لیبیا کے ریگزار کو لہو سے سرخ کر دیا، انگریز نے جنگ کا رخ موڑنے کے لیے بلقانی ریاستوں سے ترکی پر حملہ کرا دیا اور یوں وہ اپنی سیاست اور شرارت میں کامیاب رہا۔ اقبالؔ نے یہ نظم شاہی مسجد لاہور میں ۱۹۱۲ء میں پڑھی تھی یہ جلسہ ترک بھائیوں کی مالی امداد کے لیے مولانا ظفر علی خاں کی کوششوں سے منعقد ہوا تھا۔

اس تصوراتی نظم کا آخری بند نعتیہ آہنگ لیے ہوئے ہے۔ اس میں جہاں غمِ زمانہ کی ایک خوبصورت آمیزش ہے وہاں شاعر کے دردِ دل کا ایک بے ساختہ اظہار بھی ہے۔ ؎

حضور ﷺ، دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل میں ریاض ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بو، وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

☆

''شفا خانۂ حجاز''، ایک ایسی نظم ہے جس میں اقبال حجاز کے ذروں میں تحلیل ہو جانے کی تمنا کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک دیارِ محبوب میں موت کو لبیک کہنی اور انہی راستوں کا غبار بن جانا، زندگی کی سب سے بڑی سعادت ہے کہ یہ حیات عارضی ہے اور موت، صبحِ دوامِ زندگی ہے۔ ایسی موت پر ہزاروں زندگیاں نثار، کہ یہی موت زندگی کی دلیل اور حریمِ ناز تک رسائی کا ایک ذریعہ ہے۔ اقبالؔ کہتے ہیں کہ حجاز میں شفا خانہ بنا کر، اس کے لیے چندہ جمع کر کے، آپ کم نظر لوگوں کو تو پیغامِ زندگی دے سکتے ہیں مگر میں اِس دیارِ خنک آثار میں مٹنا اور یہیں کی مٹی بن جانا چاہتا ہوں کہ اس مٹی کو حضور ﷺ کے مبارک قدم چومنے کا شرف مل چکا ہے۔ شمس و قمر کی درخشانیاں، ان کے نقوشِ پا کی تابانیوں پر نثار ؎

اوروں کو دیں حضور، یہ پیغامِ زندگی
میں موت ڈھونڈتا ہوں دیارِ حجاز میں

☆

جواب شکوہ، بظاہر اللہ پاک کی طرف سے قبل ازیں کیے جانے والے شاعرانہ شکوے کا جواب ہے۔ یہ نظم ۱۹۱۳ء میں بیرون موچی دروازہ لاہور، بعد نمازِ مغرب پڑھی گئی۔ یہ جلسہ مولانا ظفر علی خاں کی سعی سے ترکوں کی مالی امداد کے لیے منعقد ہوا تھا۔ یہ نظم مومنانہ گداز کا، ایک شاعرانہ اظہار ہے۔ مقصود یہی ہے کہ مسلم، پیغام محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بیگانہ ہو گیا ہے۔ نتیجہ معلوم کہ نہ اس کے دل میں سوز ہے نہ روح میں احساس، ہولے ہولے وہ پتھروں سے بھی سخت ہوتا جا رہا ہے۔ اگر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وفا کرے یعنی ان ﷺ کی اطاعت کا حق ادا کرے اور ان کے اتباع سے اپنی زندگی کو نور

بنالے تو آج بھی وقت کی ہر قوت، اس کے قدموں تلے ہوگی اور اس کی ہر تدبیر، تقدیر کے سانچے میں ڈھل کر اعجاز ہو جائے گی نتیجہ معلوم کہ وہ اس کائناتِ ارضی میں ایک چلتی پھرتی آیتِ الٰہی بن جائے گا۔ اس طویل نظم کے آخری پانچ بند اپنے اندر نعتیہ جمال کا کمال لیے ہوئے ہیں کہ حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جہاں ہمارے ایمان کی شرعی اساس ہے وہاں ہماری دنیاوی کامرانیوں کی تمہید بھی ہے۔ یہ بنیاد اگر قائم ہو تو پھر اسلام کو پھلنے اور پھیلنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ارتقائے ملت دونوں ہم رشتہ ہیں اور یہ حقیقت بکھر نہیں سکتی مگر چاہیے کہ مسلمان خود کو بکھرنے سے بچائے۔

مثلِ بو قید ہے غنچے میں پریشاں ہو جا
رخت بردوشِ ہوائے چمنستاں ہو جا
ہے تنک مایہ، تو ذرے سے بیاباں ہو جا
نغمۂ موج ہے، ہنگامۂ طوفاں ہو جا
قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اجالا کر دے
ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو، خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے
دشت میں، دامنِ کہسار میں، میدان میں ہے
بحر میں، موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے
چین کے شہر، مراکش کے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شان رفعنا لک ذکرک، دیکھے
مردمِ چشمِ زمیں یعنی وہ کالی دنیا
وہ تمہارے شہدا پالنے والی دنیا
گرمئ مہر کی پروردہ، ہلالی دنیا
عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا

تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح
عقل ہے تیری سپر، عشق ہے تلوار تری
مرے درویش خلافت ہے جہانگیر تری
ما سوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری
تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی ایک دائمی رفعت اور وسعت کا حامل ہے۔ یہ سائنسی حقیقت ہے کہ زمین گول ہے سورج مختلف اوقات میں، مختلف مقامات پر طلوع وغروب ہوتا ہے، دنیا میں اوقات مختلف ہیں، بنابریں دنیا میں ایک منٹ نہیں، ایک سیکنڈ بھی ایسا نہیں گزرتا، جب کہ کہیں نہ کہیں نماز کا وقت نہ ہو اور کوئی نہ کوئی مسلمان نماز نہ پڑھ رہا ہو اور اپنے آقا ﷺ پر درود نہ بھیج رہا ہو اور یہی وہ حقیقت ہے جسے قرآن نے صدیوں پہلے فرمادیا کہ ''ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کردیا'' اور مندرجہ بالا اشعار اسی حقیقت کا مظہر ہیں۔ نظم ''ارتقاء'' کا پہلا شعر ہے ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی ﷺ سے شرارِ بولہبی

یہ شعر اس نوع سے نعتیہ ہے کہ اسے پڑھتے ہی وہ پورا دور تصور میں گھوم جاتا ہے کہ کس طرح اہل مکہ حرفِ حق کے خلاف یکجا ہو گئے تھے اور کیسے حرفِ حق بلند ہوتے ہوتے، دار کی بلندیوں تک آ گیا تھا۔ اہلِ باطل نے شمعِ صدق کو ہر انداز سے گل کرنا چاہا تھا مگر ان کی پُف زنی ناکام رہی اور اس شمع کا نور مکمل ہو کر رہا اور یہ شعر اس حقیقت کا اظہار بھی ہے کہ حق و باطل ازل ہی سے دست و گریباں ہوتے رہے ہیں اور زندگی کا سارا حسن، سعیٔ مسلسل میں مضمر ہے۔

☆

۹ھ میں غزوہ تبوک کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چندے کی اپیل فرمائی اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے گھر کی ہر شے پیش کر دی۔ اقبال، نظم صدیقؓ میں اسی واقعہ کو بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب استفسار فرمایا کہ اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑ آئے تو اس رفیقِ نبوت اور مردِ وفا سرشت نے جو جواب دیا اس میں ایک شعر خالص نعت کا ہے۔ ؎

بولے حضور ﷺ، چاہیے فکرِ عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا رازدار
اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغِ گیر
اے تیری ذات ﷺ باعثِ تکوینِ روزگار

پروانے کو چراغ ہے، بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسول ﷺ بس

دوسرے شعر پر غور کیجیے نعت کے کتنے ہی مضمون اس ایک شعر میں ضوریز ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل کائنات رنگین ورعنا ہے۔ ان کے تبسم سے کلیاں چٹکتی تھیں ان کے گردِ سفر سے کہکشاں کو لباسِ نور ملتا تھا۔ ان کے قامتِ زیبا سے کہسار سربلندی پاتے تھے اور ان کی تشریف فرمائی سے فرش کو عرش کی رعنائی نصیب ہوتی تھی۔ جود وکرم کا یہ ہر لحظہ برستا ہوا بادل نہ ہوتا تو کائنات سراب ہوتی۔ دوسرا مصرع اس نکتے کو واضح کر رہا ہے کہ آپ ﷺ ہی کی ذات، وجہ وجودِ کائنات ہے۔ ہماری ہر آبرو، اسی نام کے طفیل ہے، اسی ذات گرامی قدر کا عشق، تابندگی و پائندگی کی دلیل ہے۔ اس صداقت کو اقبالؔ، قبل ازیں اپنی نظم بلالؓ میں واضح کر چکے ہیں کہ سکندرِ رومی عظیم فاتح ہو کر بھی وقت کی گردشوں میں گم ہو گیا۔ مگر نورِ نبوت سے مستنیر بلالِ حبشی، زندۂ جاوید ہے کہ ان کے دہن سے ابھرنے والے کلمات، اذان کی صورت میں لحہ لحہ اور قریہ قریہ گونج رہے ہیں اور اقبالؔ استفہامیہ انداز میں کہتے ہیں ۔

اقبالؔ کس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے
رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے

گویا عشق ہی وہ چمن بے نظیر ہے جس کے پھول مرجھانے کے لیے نہیں کھلتے یہ ایک بہار بے خزاں ہے اور اس جذبے کی چاندنی سے لحد کی تاریکیاں بھی روشن ہو جاتی ہیں ۔

عشق کے خورشید سے شامِ اجل شرمندہ ہے
عشق سوزِ زندگی ہے تا ابد پائندہ ہے

☆

شبِ معراج پر اقبالؔ کے دو شعر اپنے اندر اس رات کی فضیلتوں کے ساتھ ساتھ اس عزمِ صمیم کا ذکر بھی لیے ہوئے ہیں ۔ جو فکرِ اقبال کا خاص جوہر ہے اور جس کے سامنے آسمان ردائے نیلگوں سے زیادہ وقیع نہیں اور جس کے طفیل، گردوں، عالمِ بشریت کی زد میں ہے ۔

اختر شام کی آتی ہے فلک سے آواز
سجدہ کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات
رہِ یک گام ہے ہمت کے لیے عرشِ بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

☆

میں اور تو ــــــ ایک ایسی نظم ہے جس میں اقبال نے اپنے دردِ دل کو شعر کے رنگ میں یوں پیش کیا ہے کہ وہ ہر دل کی تڑپ بن گیا ہے اس میں ملتِ اسلامیہ کی پریشاں حالی کا ذکر ہے کہ شیوۂ آزری ہمارا شعار ہے، ہم ایک بے کیف نغمہ اور بے رنگ و بو پھول ہیں ــــــ ایسے میں اقبال کی نظر، اسی آستاں کی طرف اٹھتی ہے اور وہیں ٹک جاتی ہے۔ حق یہ ہے کہ اس نقشِ

پا کی تابانیوں کو پا لینے کے بعد کسی اور منزل کی تلاش توہینِ جستجو ہے۔ یہ تعلق استوار ہو جائے تو نانِ جویں قوتِ حیدری بن کر ابھرتی ہے اور فقرِ غیور، غنا کے سانچے میں ڈھل کر، وقت کی ہر سکندری کو سر پائے استحقار سے ٹھکرا دیتا ہے۔ اس نظم کا آخری شعر، نعت کے ایک ایسے مضمون کو لیے ہوئے ہے کہ اگر دنیائے نعت میں اسی سے پھوٹنے والی بہاروں اور ابھرنے والے ستاروں کو یکجا کیا جائے تو اس سے ایک کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ شعر ہے ؎

کرم اے شہِ عرب و عجم ﷺ کہ کھڑے ہیں منتظر کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنھیں دماغِ سکندری

طلوع اسلام، وہ آخری طویل نظم ہے جو اقبال نے (اپریل ۱۹۲۳ء) حمایت اسلام کے جلسے میں پڑھی تھی۔ اقبال نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا جو خواب ۱۹۰۷ء میں دیکھا تھا۔ وہ اب پورا ہوتا نظر آ رہا ہے۔ اس لیے اس نظم میں اقبال اظہارِ مسرت بھی کرتے ہیں اور مسلمانوں کے لیے ایک روشن مستقبل کی پیش گوئی بھی کرتے ہیں۔ دنیائے اسلام ابھر اور نکھر رہی ہے مصطفیٰ کمال پاشا، ترکی میں، رضا شاہ پہلوی، ایران میں، شاہ امان اللہ، افغانستان میں، سعد زاغلول، مصر میں اور غازی محمد عبدالکریم، مغرب اقصیٰ میں، طلوع اسلام کا نشانِ امتیاز بنے ہوئے ہیں۔ اقبال ان تمام کامرانیوں کو حضور ﷺ کی نگہِ کرم کا کرشمہ سمجھتے ہیں اور اسی ذکر سے لبوں کو آراستہ اور اسی محبت سے دلوں کو پیراستہ کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں کہ اس ذاتِ اطہر ﷺ کے پوشیدہ تصرفات شاعر کی چشمِ باطن پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ اس نظم کے آخری بند کا یہ فارسی شعر نعت سرائی میں تازہ گوئی کی ایک دلآویز اساس ہے۔ ؎

بہ مشتاقاں حدیثِ خواجۂ بدر و حنین آور
تصرف ہائے پنہانش بچشمم آشکار آمد

اور بانگِ درا کے بعد کی شاعری رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے انھی پنہاں تصرفات کی ایک نغماتی تفصیل ہے۔

(۱۹۹۶ء)

☆

جلیل مانک پوری

(غزل سے نعت تک)

جلیل مانک پوری، ۱۸۶۴ء میں مانک پور ضلع پرتاپ گڑھ یوپی میں پیدا ہوئے۔ نام حافظ محمد جلیل حسن، والد کا نام مولوی حافظ عبدالکریم، جو خود بھی شاعر اور ادیب تھے۔ جلیل ۷ جنوری ۱۹۴۶ء کو حیدر آباد میں فوت ہوئے۔ آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں۔ اردو کی عروض، تاریخ دکن، تعلیم الصلوٰۃ، تذکیر و تانیث، گل صد برگ، معیار اردو، معراجِ سخن، میر تاج سخن۔

جلیل مانک پوری، امیر مینائی کی شاگرد بھی تھے اور جانشین بھی۔ انھی کی معیت میں حیدر آباد دکن گئے اور داغ کی وفات کے بعد نظام دکن نے انھیں اپنا استاد مقرر کیا نیز ''نواب فصاحت جنگ بہادر'' کا خطاب اور ''امام الفن'' کے لقب سے نوازا۔ امیر مینائی کے دوسرے تلامذہ نے بھی آپ ہی کو ''جانشینِ امیر'' قرار دیا۔ ان میں ریاض خیر آبادی، مضطر اور نسیم ایسے عظیم سخنور بھی شامل ہیں۔

جلیل بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے اور امیر مینائی کے سچے مقلد۔ ان کے انداز میں سادگی ہے، مگر پرکاری لیے ہوئے۔ خیال میں شوخی ہے مگر مترنم الفاظ کا دامن تھامے ہوئے۔ کہیں کہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ جلیل زبان دانی، محاورہ بندی اور رعایتِ لفظی کے شوق میں غیر معتدل سے ہو گئے ہیں مگر بحیثیت مجموعی اُن کا کلام جذبات نگاری کے کمال اور معاملہ بندی کے حسن کا آئینہ دار ہے۔ موزوں الفاظ کے چناؤ نے ان کے اشعار کو ترنم، نغمگی اور موسیقیت عطا کی ہے۔ ان کی غزل کے تیور دیکھیے:۔

فغاں میں درد، دعا میں اثر نہیں آتا
جو تم نہیں ہو تو کوئی ادھر نہیں آتا

☆

موسمِ گل میں عجب رنگ ہے مے خانے کا
شیشہ جھکتا ہے کہ منہ چوم لے پیمانے کا

☆

دستِ وحشت کو خبر کر دے کوئی
ہم گریبان لیے بیٹھے ہیں

☆

بات ساقی کی نہ ٹالی جائے گی
کر کے توبہ توڑ ڈالی جائے گی
آتے آتے ان کو آئے گا خیال
جاتے جاتے بے خیالی جائے گی
بے سبب اپنی جگر کاوی نہیں
عشق کی بنیاد ڈالی جائے گی
فصلِ گل آئی، جنوں اُچھلا جلیلؔ
اب طبیعت کیا سنبھالی جائے گی

☆

اس شان سے وہ آج پئے امتحاں چلے
فتنوں نے پاؤں چوم کے پوچھا، کہاں چلے؟
جب میں چلوں تو سایہ بھی اپنا نہ ساتھ دے
جب تم چلو، زمین چلے، آسماں چلے

☆

اظہارِ حال پر مجھے قدرت نہیں رہی
ان کو یہ وہم ہے کہ محبت نہیں رہی
یا عمر بھر کا شوق تھا یا اک نگاہ میں
دیدار کی کلیم کو حسرت نہیں رہی

☆

پھر شوقِ تماشا لیے جاتا ہے کسی سمت
پھر ذوقِ طلب مجھ کو تماشا نہ بنا دے

☆

عجب حوصلہ ہم نے غنچوں کا دیکھا
تبسم پہ ساری جوانی لٹا دی

☆

کسی میں تاب کہاں تھی کہ دیکھتا ان کو
اٹھی نقاب تو حیرت نقاب ہو کے رہی
جلیلؔ فصلِ بہاری کی دیکھیے تاثیر
گری جو بوند گھٹا سے شراب ہو کے رہی

کہہ دو یہ کوہکن سے کہ مرنا نہیں کمال
مر مر کے ہجرِ یار میں جینا کمال ہے

☆

قتلِ عشّاق کو ہر چند زمانہ گزرا
دستِ قاتل سے ابھی خون کی بو آتی ہے

☆

خدا رکھے دلِ مایوس میں امید باقی ہے
یہی گل ہے جو بو دیتا ہے پامالِ خزاں ہو کر

☆

یار تک پہنچا دیا بے تابیِ دل نے ہمیں
اک تڑپ میں منزلوں کا فاصلہ جاتا رہا

☆

لکھا ہے نخلِ تمنا کی پتّی پتّی پر
یہ وہ نہال ہے جس میں ثمر نہیں آتا

☆

حق نے پیدا ہی تجھے ایسا کیا
جس نے دیکھا بس تجھے دیکھا کیا

☆

تم آکر سیر تو دیکھو ہمارے دیدۂ تر کی
کہ موجیں لے رہا ہے آج کل دریا محبت کا

انتخاب قدرے طویل ہوگیا۔ مقصود صرف اس امر کا احساس دلانا تھا کہ جلیلؔ کی شاعرانہ صلاحیتوں نے غزل کو جو رنگ، ڈھنگ اور آہنگ دیا، وہ امیرؔ مینائی کی تمام تر اثر آفرینیوں کے باوجود منفرد ہے۔ گو بعض خیالات مستعار ہیں، مگر ادا کے حسن نے کہنہ مضامین کو نشاطِ روح بنا دیا ہے اور بیان کی خوبی نے پامال زمینوں کو بھی سرسبز و شاداب کر رکھا ہے اور یہی جلیلؔ جب مجاز سے حقیقت کی طرف آتے ہیں تو غزل باوضو ہو کر نعت اور مجاز پختہ تر ہو کر ایمان ہو جاتا ہے۔

عشق اک کفر ہے جب تک ہے وہ محدودِ مجاز
اور اس حد سے گزر جائے تو ایماں ہو جائے

ہم ایک مصروف ترین دور میں زندگی گزار رہے ہیں۔ فرصت ناپید، سکون عنقا اور وقت گریزاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل طویل نظموں، بے روح قصیدوں اور بے لگام مثنویوں کا کوئی مقام باقی نہیں رہا۔ انسان کم سے کم وقت میں

زیادہ سے زیادہ کیف سمیٹنا چاہتا ہے۔

نثر میں مختصر افسانہ اور انشائیہ اور شاعری میں غزل، رباعی اور قطعہ اسی لیے مقبول ہیں کہ وہ آج کے مصروف انسان کے لیے اسی مسرت وتفریح کا اہتمام کرتے ہیں جو بہر کیف ایک انسانی ضرورت اور ذہنی تقاضا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کئی نظمیں مل کر بھی غزل کے ایک شعر کا بدل نہیں بن سکتیں، نظم انسانی فکر وخیال کی ایک ابتدائی وادی ہے اور غزل فکر ونظر کا وہ مقامِ عروج ہے جہاں وضاحت، تعمیم بن جاتی ہے اور سمندر قطرے میں سمٹ آتا ہے۔ جب خیال میں شدت اور قلم میں زور ہو تو انسانی جذبات کا سارا تلاطم ایک مرکز پر موجزن ہو جاتا ہے۔ انھی موجوں سے تغزل جنم لیتا، بلاغت نکھرتی اور تاثر ابھرتا ہے، گویا گدازِ فکر اور حسنِ ادا، حدِ کمال کو چھو جائے تو وہ غزل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے آج نعتیں بھی وہی مقبول ومؤثر ہیں جو غزل کی ہیئت میں لکھی جارہی ہیں یا پھر قطعات پسند کیے جاتے ہیں کہ وہ بلاغت اور اختصار کے نقطۂ نظر سے غزل ہی کی خُو بُو لیے ہوتے ہیں اور نعت کے لیے غزل کی ہیئت، انداز اور آہنگ موزوں بھی ہے کہ اسی میں فکر کی ہر رفعت، خیال کی ہر بلندی، نگاہ کا ہر زاویہ اور دل کی ہر دھڑکن شریکِ خون بن کر نوکِ مژہ پر تل سکتی ہے۔

جلیلؔ ایک غزل گو شاعر ہیں اور ایک غزل گو جب نعت کی جانب آتا ہے تو جہاں اس کے فکر کی کثافت کو لطافت، نظر کی پریشانیوں کو یکسوئی، قلم کی آوارہ خرامیوں کو سلیقہ ووقار اور روح کی مجاز آفرینیوں کو حقیقت کی تابانیاں نصیب ہوتی ہیں، وہاں صوری اور فنی لحاظ سے بھی شعر میں تاثر کا کیف اور ایمائیت کی نشتریت آجاتی ہے۔ قدیم شاعر نعت بالعموم غزل ہی کے سانچے میں کہتے اور غزل ہی کے علائم ورموز سے کام لیتے تھے اور بسا اوقات طیبہ، حرا اور مدینہ کے ذکر سے پتا چلتا تھا کہ ممدوح حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔

صوفیائے کرام کے کلام میں جو غزلیات ملتی ہیں وہ فی الواقع نعتیں ہیں۔ گویا ان میں اور دیگر غزل گو شاعروں میں بنیادی فرق یہ تھا کہ ان کے افکار کا محور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناوتوصیف تھی جبکہ دوسرے شاعروں کے پیشِ نظر مجاز کا کوئی تخیلاتی پیکر ہوتا تھا اور عنوان دونوں جگہ ''غزل'' ہی رکھا جاتا تھا۔

غزل کے انداز کا یہ فائدہ تو ضرور ہے کہ اس سے حسن وتاثر میں جامعیت پیدا ہوتی ہے۔ مگر نقصان یہ ہے کہ نعت کہتے ہوئے بعض ایسے خیالات بھی در آتے ہیں جو کلیتہً غزل کی مجازی فضا سے مخصوص ہیں۔ جلیلؔ کی نعتوں میں بھی ایسی تشبیہیں اور علامتیں پائی جاتی ہیں، جن سے ایک غزل گو کے لیے تو مفر نہیں، مگر ایک نعت گو کے لیے ان سے دامن بچانا ضروری ہے۔ یا پھر شاعر میں اتنی قوت اور قدرت ہونی چاہیے کہ وہ غزل کے علائم ورموز کو اس انداز سے برتے کہ مجاز کا شائبہ بھی نہ رہے بلکہ وہ جذب وعشق میں ڈوب کر سراپا نعت ہو جائیں۔ اس کے لیے دل لگاؤ کے ساتھ ساتھ بہترین تخلیقی صلاحیتوں، فنی خوبیوں اور فکری لطافتوں کی ضرورت ہے۔

امام غزالیؒ کے پیشِ نظر ایسے ہی مقاصد تھے کہ ان کے قلم سے یہ جملہ نکل گیا تھا کہ ''علوم کو مسلمان کرنا ضروری ہے۔'' آج ضرورت اس امر کی ہے کہ قدیم تشبیہوں، مروّج استعاروں اور شعری علامتوں کو اس انداز سے نئے مفاہیم اور نئی معنویت دی جائے کہ وہ ہمارے اپنے ہو کر رہ جائیں۔ غنچوں کی چٹک، پھولوں کی مہک، نرگس کی بصارت، سوسن کی گفتار، بلبل کے نغمے، کانٹوں کی خلش، ہواؤں کا خرام، ساقی کا ساغر، مے خانے کا خم، صحرا کے بگولے، گریبان کا چاک، دامن کی

دھجیاں، نگاہوں کے زاویئے، ماتھے کی سلوٹیں، ہونٹوں کی حکایتیں، سلاسل کا خروش اور جنوں کی بے نیازی، ایسی علامتوں اور ترکیبوں کو اس تخلیقی حسن کے ساتھ برتنے کی ضرورت ہے کہ وہ نعت کے عظیم ممدوح ﷺ کے لیے ایک بہترین ارمغان بن جائیں اور میں سمجھتا ہوں کہ بصارت و بصیرت کا یہی نور ایک شاعر کو مبالغے کی بھول بھلیاں سے نکال کر تلمیذِ رحمٰن بنا سکتا ہے۔

جلیلؔ کے درج ذیل چند اشعار دیکھیے، جو ان کی نعتوں سے چنے گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے رنگِ غزل کو نعت کا عنوان بھی چھپا نہیں سکا۔

بے خودیٔ عشاق کی پوچھیں تو کہنا اے صبا
آپ آئیں گے نہ جب تک، آپ میں آئیں گے کیا

☆

اس تیغِ تبسم نے عجب کام کیا ہے
جو زخمِ جگر ہے، گلِ خنداں ہے ہمارا
فریادِ جرس یہ نہیں اے قافلے والو
دل فرقتِ محبوب میں نالاں ہے ہمارا

☆

جی میں ہے نذرِ رخ و گیسوئے احمد ﷺ کیجیے
چشمِ تر کا آئینہ، شانہ دلِ صد چاک کا

☆

قسمت دلِ صد چاک کی دم بھر میں سلجھ جائے
الجھیں جو کہیں گیسوئے خمدارِ محمد ﷺ

☆

تیرِ مژگاں سے کیا طائرِ سدرہ کو شکار
اللہ اللہ! اسے ناوک فگنی کہتے ہیں

☆

نام آپ ﷺ کا لے لے کے جو کرتا ہوں میں نالے
عالم کو تماشا، مری شوریدہ سری ہے

☆

ہو نمک افشاں کسی دن آپ ﷺ کا حسنِ ملیح
چاہتا ہوں لذتِ زخمِ جگر یا مصطفےٰ ﷺ
کہہ گئی کیا زیرِ لب تیغِ تبسم آپ ﷺ کی
مسکرائے کیوں مرے زخمِ جگر یا مصطفےٰ ﷺ

☆

فیض پہنچا ہے چمن میں ترے دیوانوں سے
کہ گلوں کو روشِ جامہ دری آتی ہے

☆

مسیحا کی طلب کیوں ہو مریضانِ محبت کو
مسیحا سے تو بڑھ کر آپ ﷺ کا بیمار ہوتا ہے

قدیم شاعر خواہ غزل گو ہوں یا نعت گو، ان کے پیشِ نظر محبوب ہی کی ذات ہوتی تھی اور وہ زیادہ تر حسنِ جاناں ہی کے ترجمان ہوتے تھے۔ وہ ایک ہی غم اپنا لیتے تھے۔ نتیجہ معلوم کہ دوسرے سارے غم اس میں گم ہو کر اپنی حیثیت کھو دیا کرتے تھے اور یوں ہر غم، غمِ جاناں بن جایا کرتا تھا اور آلامِ روزگار آسان ہو کر رہ جاتے تھے۔ گویا انھیں کسی سے لَو لگا کر خود کو بھول جانے کا فن آتا تھا جبکہ آج کا فنکار عظمتِ عشق کی ان رفعتوں سے نا آشنا ہے۔ اس کے چمن کا لالہ بے سوزِ جگر ہے اور دل کی دنیا محبوب کے تصور سے بیگانہ.... چنانچہ وہ مصائب و آلام کے نرغے میں احساس کی سولیوں پر تڑپ رہا اور عقل کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیے مار رہا ہے اور غمِ دوراں کو غمِ جاناں پر فوقیت دے رہا ہے۔

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں
تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

(غالبؔ)

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

(دردؔ)

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

(فیضؔ)

گویا غزل محض یہ اعتراف ہے کہ زمانے کے غم کو مجازی محبوب کا لطف و کرم بھی دور نہیں کر سکتا۔ غزل میں صرف زمانے کے کرب اور زندگی کی سنگینیوں کا احساس ملتا ہے جب کہ نعت اس درد و الم کو منزل کا سکون بخشتی ہے۔ نعت غزل کی طرح انسان کو دنیا کی تلخیوں میں پریشان نہیں چھوڑتی بلکہ ایک ایسے محبوب کی نشاندہی کرتی ہے جس کی ایک نگہِ لطف دل گرفتہ کلیوں کو تبسم اور پژمردہ پھولوں کو بہار سامانیوں سے نوازتی ہے نعت ایک ایسی چوکھٹ پیش کرتی ہے جہاں ٹھوکریں کھاتی ہوئی انسانیت کو طمانیت کی دولت ملتی ہے۔ نعت ہی کے پاس ایک ایسی بارگاہ ہے جہاں درد کو مرہم، التجاؤں کو قبولیت اور آنسوؤں کو پذیرائی عطا ہوتی ہے اور نعت ہی ایک ایسی دیوار کی طرف اشارہ کرتی ہے جہاں پر دکھتی ہوئی پیٹھ ٹیک لگا سکتی ہے۔ گویا نعت واحد صنفِ سخن ہے جو اضطرابِ پیہم کو کیفِ دوام میں بدل دیتی ہے۔

جلیلؔ بھی اپنے دل کا غم، نگاہوں کی تمنا اور روح کی بے قراریاں اسی بارگاہِ لطف و کرم میں پیش کرتے ہیں، جو

انسانی سوز وکرب کی واحد اور آخری چارہ گاہ ہے:۔

بہر تسکیں شاہِ ﷺ دیں کو دمبدم کرتا ہوں یاد
خود میں کرتا ہوں علاج اپنے دلِ غمناک کا

☆

عشقِ احمد ﷺ میں مصیبت کو بھی رحمت سمجھا
بڑھ کے لیں میں نے فلک سے جو بلائیں آئیں

☆

آتشِ غم سے مشتعل، سوزِ دروں سے متصل
کس سے کہوں میں حالِ دل، دل کی دعا تمہیں تو ہو
غم سے تپاں ہمیں تو ہیں، سوختہ جاں ہمیں تو ہیں
تشنہ دہاں ہمیں تو ہیں، آبِ بقا تمہیں تو ہو

☆

سوزِ دل کی مجھے مل جائے دوا تھوڑی سی
یا نبی ﷺ دیجیے دامن کی ہوا تھوڑی سی

☆

محمد ﷺ قبلۂ ہر دو جہاں ہے کعبۂ جاں ہے
انیسِ بیکساں ہے چارہ سازِ درد منداں ہے

☆

خدا رکھے سلامت اے خیالِ مصطفیٰ ﷺ تجھ کو
تجھی سے کچھ سکونِ خاطر بیمار ہوتا ہے

جلیلؔ کی نعتوں میں ایسے اشعار بھی ہیں جو عامیانہ نوعیت کے ہیں اور جنھیں بھرتی کے اشعار کہا جا سکتا ہے۔ شاعر تاثر کی دنیا میں توارد کا شکار ہو ہی جاتا ہے اور اسلوب وادا میں بھی جھول آ ہی جایا کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک غزل میں اگر ایک شعر بھی چونکا دینے والا ہو تو وہ غزل یقیناً سعیٔ مشکور سمجھی جائے گی۔

جلیلؔ کی نعتوں میں رطب و یابس بھی ہے اور ڈھیلے ڈھالے اشعار بھی، جو نتیجہ ہیں پُر گوئی اور بسیار نویسی کا، مگر ایسے اشعار بھی کم نہیں ہیں، جن کے سامنے دل جھکتا اور روح دوزانو ہوتی ہے۔ جہاں فکر، جنت نشاں، خیال، فردوس بداماں اور انداز، بہار آفریں ہے۔ تشبیہات کے حسن اور استعارے کی بلاغت نے سوچ کو رنگین بنا رکھا ہے۔

جمالِ رسالت ﷺ کے دل آویز ذکر کے ساتھ ساتھ شفاعت کی طلب بھی ہے۔ وہ ثنا خوانی کے ساتھ ساتھ اپنے اشکِ ندامت کو توشۂ آخرت سمجھتے ہیں اور اپنے شیشۂ دل کی جلا کے لیے حضور اکرم ﷺ کی خاکِ کفِ پا کے تمنائی ہیں کہ آپ ﷺ شانِ جمالِ کبریا اور تاجِ وقارِ انبیاءؑ ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ دنیائے نعت میں درج ذیل اشعار جلیلؔ کی ادبی

وجاہت، قلبی سوز اور عشقِ رسول ﷺ کو بقائے دوام بخشنے کے لیے کافی ہیں: ؎

کیا مرتبۂ عشقِ محمد ﷺ ہے نہ پوچھو
ہر داغِ جگر، مہرِ سلیمانؑ ہے ہمارا
عالم کا تو قبلہ ہے شہا خانۂ کعبہ
تو کعبۂ جاں، قبلۂ ایماں ہے ہمارا
صحرائے مدینہ کے یہ خاروں کا ہے حصہ
دامن ہے ہمارا نہ گریباں ہے ہمارا
کیا رنگ جلیلؔ اشکِ خجالت نے دیا ہے
گلزارِ ارم دامنِ عصیاں ہے ہمارا

☆

مدارِ کار ہے حبِ رسول ﷺ پر ورنہ
عمل ہزار ہوں اچھے، ثواب کیا ہوگا
جو مستِ نکہتِ زلفِ نبی ﷺ ہے اس کا دماغ
رہینِ منّتِ مشک و گلاب کیا ہوگا

☆

حلقے میں فرشتوں کے عجب شان ہے ﷺ کی
ہالے میں درخشاں مہِ تاباں ہے ہمارا

☆

پڑھ لیتے ہیں قسمت کا لکھا اس کی ضیا میں
وہ روئے پُر انوار ہے محبوب ﷺ خدا کا
جھکتے ہیں سر افلاک نشینوں کے بھی اس جا
کس شان کا دربار ہے محبوبِ ﷺ خدا کا
ہر ذرہ مدینے کا جلیلؔ اپنی نظر میں
آئینۂ اسرار ہے محبوبِ ﷺ خدا کا

☆

شکر کس منہ سے ادا ہو اس خدائے پاک کا
امتی جس نے کیا مجھ کو ﷺ لولاک کا

کوئی مسجودِ ملائک ہے، کوئی سیّاحِ عرش
مرتبہ پوچھو فلک والوں سے مشتِ خاک کا
بامِ قصرِ مصطفیٰ ﷺ تک اڑ کے پہنچے کیا مجال
اس جگہ ہے قطع شہپر طائرِ ادراک کا
زہرِ عصیاں سے جو ہیں مسموم ان کے واسطے
کام کر جاتا ہے نامِ مصطفیٰ ﷺ ''تریاک'' کا
گنبدِ خضرا کی رفعت نے یہ عقدہ حل کیا
سر خجالت سے جھکا رہتا ہے کیوں افلاک کا
چشمِ رحمت نے کیا میرے گناہوں کا وہ حال
حشر ہوتا ہے جو بجلی سے خس و خاشاک کا
ہم گدایانِ محمد ﷺ کی نظر میں اے جلیلؔ
مسندِ شاہی ہے اس کوچے میں بستر خاک کا

☆

کس کا دیوانہ ہوں یا رب کہ دمِ جامہ دری
خلد کی چاکِ گریباں سے ہوائیں آئیں
اس مسیحا ﷺ کا جو بیمار ہوا اس کے لیے
غیب سے دردِ محبت کی دوائیں آئیں
مٹ گئیں، اڑ گئیں، گم ہو گئیں، معدوم ہوئیں
سامنے عفو کے جب میری خطائیں آئیں
نامِ احمد ﷺ جو لیا وقتِ مناجات جلیلؔ
ہو کے مقبول مرے لب پہ دعائیں آئیں

☆

شانِ جمالِ کبریا، تاجِ وقارِ انبیاءؑ
کہتے ہیں جن کو مصطفیٰ ﷺ صلِّ علیٰ تمہی تو ہو
روحِ رواں سے تم ﷺ سوا، حورِ جناں سے تم ﷺ سوا
دونوں جہاں سے تم ﷺ سوا، بعدِ خدا تمہی تو ہو
دستِ کرم ہے خلق پر، دل سے خدا پہ ہے نظر
سب میں ملے تمہی تو ہو، سب سے جدا تمہی تو ہو

☆

لے اڑے ہند سے طیبہ کو مجھے مثلِ غبار
ہے یہ امید مدینے کی ہوا سے مجھ کو
اس ہوا خواہ کو سرکار بلائیں تو سہی
پائیں گے چار قدم آگے ہوا سے مجھ کو
تابشِ مہرِ قیامت سے بچا لے گا مجھے
ہے یقیں آپ ﷺ کے دامانِ قبا سے مجھ کو

☆

زیارت کی تمنا میں خیالِ رنج و راحت کیا
کڑی جو راہ میں پڑتی اٹھاتے اپنی آنکھوں سے
نظر آتا کوئی تنکا اگر یثرب کی گلیوں میں
اٹھاتے اپنی پلکوں سے، لگاتے اپنی آنکھوں سے
یہ سنتے ہیں کہ آنسو موتیوں میں تو لے جائیں گے
مزہ ہوتا جو ہم دریا بہاتے اپنی آنکھوں سے
جلیلؔ اشکِ ندامت جوش پر آتے تو کیا کہنا
ہم اپنی بگڑی حالت کو بناتے اپنی آنکھوں سے

☆

مے عشقِ محمد ﷺ کی مرے دل میں بھری ہے
اتری ہوئی اس شیشۂ نازک میں پری ہے
پیری میں بھی ہے دل کی تمنا وہی باقی
ٹوٹی ہوئی ہے شاخ مگر اب بھی ہری ہے

☆

در بدر پھر کے آیا ہوں درِ اقدس پر
بیٹھ رہنے کو مجھے چاہیے جا تھوڑی سی
پاکے میں ساقیٔ کوثر کو یہ کرتا ہوں سوال
اے عطا پاش ادھر بھی ہو عطا تھوڑی سی
مجھ کو آئینۂ خاطر کی جلا کرنا ہے
یا نبی ﷺ چاہیے خاکِ کفِ پا تھوڑی سی

☆

مجھے دردِ دل کی دوا چاہیے
غبارِ رہِ مصطفےٰ ﷺ چاہیے
مدینے تک آئے میں مر مر کے ہم
پئے قبر تھوڑی سی جا چاہیے
محبت نے جو کچھ کیا دل کے ساتھ
مزے کا ہے قصہ، سنا چاہیے
یہ پیکِ تصور سلامت رہے
نہ قاصد نہ بادِ صبا چاہیے
صبا کیا کھلائے گی دل کی کلی
تمہاری گلی کی ہوا چاہیے
طبیبوں سے میں کیا کہوں دردِ دل
مجھے کوئی درد آشنا چاہیے
یہ کہتی ہے پا بوس کی آرزو
کہ دل میں ترا نقشِ پا چاہیے
بلا لیں گے حضرت ﷺ تمہیں بھی جلیلؔ
مگر صدقِ دل سے دعا چاہیے

☆

ایک خلوت گاہ ہے اور اک تجلّی گاہ ہے
دیدہ و دل آپ ﷺ کے دونوں ہیں گھر یا مصطفیٰ ﷺ
کون ہے جو آپ ﷺ کے جلوے کا دیوانہ نہیں
رات دن چکر میں ہیں شمس و قمر یا مصطفیٰ ﷺ
میرے دل میں پھر ہے آنے کو تصور آپ ﷺ کا
پھر اٹھا تعظیم کو دردِ جگر، یا مصطفیٰ ﷺ

☆

مرا کیا منہ ہے جو دعویٰ کروں اس کی محبت کا
خدا جس کا ثنا خواں ہے، خدائی جس پہ قرباں ہے
زیارت کی تمنا ہے جو تم چاہو تو پوری ہو
مجھے مشکل سے مشکل ہے، تمہیں آساں سے آساں ہے

بھٹک سکتا نہیں کوئی تمہاری پیروی کر کے
کہ جو نقشِ قدم ہے وہ چراغِ راہِ ایماں ہے

☆

تمہارے ہاتھ میں شیشہ ہے، مے ہے، جام بھی ہے
مری ہے عرض کہ حاضر یہ تشنہ کام بھی ہے
بہت سے پھول ہیں دامن میں نذرِ تربت کو
درود بھی ہے، عقیدت بھی ہے، سلام بھی ہے
بیاضِ دیدۂ قدسی ہے صبح طیبہ کی
تو چشمِ حور کی پتلی یہاں کی شام بھی ہے
یہ ہے کمالِ محبت کہ فرش سے تا عرش
خدا کا نام جہاں ہے، نبی ﷺ کا نام بھی ہے

☆

بارگاہِ نبوی ﷺ میں جو گزر ہو تیرا
اے صبا، بات کوئی بھول نہ جانا میری
خارِ صحرائے مدینہ کی جنوں میں ہے تلاش
چاہتی ہے وہی نشتر رگِ سودا میری
رہ کے طیبہ میں بھی طیبہ کی طلب باقی ہے
پیاس بجھتی نہیں یا رب، لبِ دریا میری
میں جو مدّاحِ نبی ﷺ ہوں تو فرشتوں میں جلیلؔ
قدر ہے، دھوم ہے، تعریف ہے کیا کیا میری

☆

شعلہ اٹھتا ہے جو سینے سے غمِ حضرت میں
لے کے پانی مری آنکھوں کی تری آتی ہے
شکر ہے فیض سے اس بحرِ رسالت ﷺ کے جلیلؔ
کشتِ امید نظر مجھ کو ہری آتی ہے

☆

نہاں کب ہیں آنکھوں سے شاہِ رُسل
مگر دیکھنے کو نظر چاہیے

دو عالم ہے گلزار جس پھول سے
وہی پھول بادِ سحر چاہیے
دمِ نزع اک جلوہ بہرِ خدا
مسافر کو زادِ سفر چاہیے
یہ کہتی ہے میری جبینِ نیاز
مجھے آپ ﷺ کا سنگِ در چاہیے

☆

جلیلؔ کا نعتیہ کلام حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن، رحمت اور شفاعت کا ایک دلآویز تذکرہ ہے۔ بطحا کے ذروں کو عقیدت کی پلکوں سے چومنے کی تمنا ہے۔ خلد کے مقابلے میں سایۂ دیوارِ محمد ﷺ کی خنک چھاؤں کا بیان ہے اور دل کی انگشتری میں حضورِ پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ پا کو نگینہ بنانے کی آرزو ہے اور اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کا اعتراف بھی ہے کہ سوچ اپنی تمام رعنائیوں، فکر اپنی جملہ رفعتوں اور زبان اپنی ساری فصاحتوں کے باوجود اس ذاتِ ﷺ والا صفات کے حضور میں عقیدت اور نعت کا خراج کما حقہ، پیش نہیں کر سکتی....اور کسے معلوم کہ قلم کی کون سی کاوش، زبان کی کونسی لکنت، عجز و قصور کا کونسا بول اور اعماقِ قلب سے اٹھنے والی کونسی آہ، اس بارگاہِ ناز میں قبولیت پا جائے۔ یہی خیال نعت گوئی کا محرک و موید ہے۔ ورنہ اس حسنِ جہانتاب کے سامنے ہر آنکھ خیرہ، اس اسوۂ کامل کے روبرو ہر بیان عاجز، اس نطقِ دلآویز کے مقابلے میں ہر فصیح و بلیغ سرنگوں اور اس مہِ انجم مطاف کی بارگاہ میں ہر حرف گنگ، ہر قلم چپ اور ہر سانس ساکت ہے....اور حقیقت یہ ہے کہ وہ لفظ ایجاد ہی نہیں ہوئے، جو موجِ نور کو زنجیر کر سکتے ہوں.....اگر کسی قلم اور زبان کو توصیف و ثنا کی توفیق ملتی ہے تو یہ بھی ممدوحِ ﷺ عظیم و جلیل کے التفاتِ فراواں کی ایک ایسی ادائے دلنواز ہے کہ اس عطا پر جتنا فخر بھی کیا جائے کم ہے۔

(۱۹۸۳ء)

☆

نیاز فتح پوری اور ان کی نعت گوئی

جب کسی شخصیت کی عظمتوں کے بارے میں کوئی تاثر ابھارنا، خصوصاً مقصود ہو تو عموماً یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ ''وہ اپنی ذات میں ایک انجمن ہے'' مگر نیازؔ فتحپوری کے بارے میں یہ روایتی اور محاوراتی سا معروف جملہ، لفظی اور معنوی اعتبار سے یوں درست بیٹھتا ہے کہ اس میں نہ کوئی مبالغہ دکھائی دیتا ہے اور نہ تحسینِ ناشناس کا کوئی شائبہ نظر آتا ہے۔ بلکہ جملے کا ایک ایک لفظ حقیقت پر مبنی دکھائی دیتا ہے کہ بات بات کو آگہی کی میزان میں تولنے والے، زبان و بیان کی باریکیوں کو سمجھنے، برتنے اور پرکھنے والے، تاریخی اور تنقیدی شعور سے بہرور، جرأتِ اظہار اور صلاہتِ اظہار کے حامل، وہ ایک تاثر آفرین شاعر، ایک دقیقہ سنج محقق، ایک دل آویز افسانہ نگار اور ایک خوبصورت انشا پرداز تھے۔ وہ ایک ایسے عہد آفرین، تاریخ ساز، جہت نما اور صاحبِ طرز ادیب تھے جن کی تحریروں سے کم وبیش تین نسلوں نے فکر ونظر کی رعنائی لی اور ایک دنیا اختلاف کے باوجود ان کے اسلوب کی شگفتگی کی معترف رہی۔

جس طرح یہ جملہ کہ ''وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے'' لفظی اور معنوی اعتبار سے ان کے قد وقامت پر موزوں بیٹھتا ہے، بالکل اسی طرح ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ فی الواقع ایک دیوقامت شخصیت تھے، ہر اعتبار سے معتبر ہے، ایک ایسی شخصیت جو مشرقی اور مغربی زبانوں اور علوم پر حاوی ہو، قدیم ادبی، تمدنی، تاریخی اور تہذیبی قدروں سے بھی آشنا ہو اور جدید دور کے منطقی تقاضوں سے بھی آگاہ ہو، جس کے مزاج میں تخلیقی وتنقیدی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ جمالیاتی دلپذیری کا عنصر بھی جلوہ گر ہو، جس کا قلم ادیبانہ اور شاعرانہ لب و لہجے کے ساتھ استدلال کا حسن بھی رکھتا ہو، جس کی صحافت، شعر وادب کی کم وبیش جملہ اصناف پر حاوی ہو، جو مذہبی مسائل، صوفیانہ اسرار اور حکیمانہ رموز کے ساتھ ساتھ سائنسی حقیقتوں اور علمِ نجوم کی فراستوں سے بھی آگاہ ہو جو سامنے آنے والے ہر موضوع کے بارے میں ستارے ابھارتا اور پھول بکھیرتا ہو، جس کی انشائے لطیف نے ایک نئے دور، ایک نئی سوچ اور ایک نئی ڈگر کی بنیاد رکھی ہو اور جس نے تعصب کی جگہ عقلیت اور تقلید کے بجائے تجدید کو اپنانے کی اپنی سی سعی کی ہو، وہ شخصیت دیوقامت نہیں ہوگی تو اور کیا ہوگی۔ ؎

کہاں سے لائیں گے اہلِ سخن، طرزِ سخن تیرا
کہ ہے جانِ ادب، روحِ ادب، اندازِ فن تیرا

نیازؔ کے بارے میں اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے عاصیؔ کرنالی لکھتے ہیں:

''آدمی اور جن میں جو بنیادی فرق ہے اسے اس مثال سے شاید سمجھا جا سکے کہ آدمی زیادہ سے زیادہ دو ڈھائی من کا پتھر اٹھالے گا لیکن جن ایک پہاڑی کی پہاڑی کو ہتھیلی پر رکھ لے گا، آدمی

اگر شاعر اور ادیب ہے تو ایک دو حد سے حد تین ادبی اصناف میں کمال پیدا کر لے گا لیکن اگر کوئی آدمی جنات کے طبقے میں سے ہے تو وہ کئی بھاری پتھروں کو پھولوں کی طرح اچھالتا پھرتا ہے اور بہت سی ادبی و شعری صنفوں کے درمیان میں چوکھا لڑتا ہے اور فاتحانہ انداز میں چورنگ کاٹتا اور اپنا لوہا منواتا ہے۔''(۱)

نیازؔ ان عبقری انسانوں میں سے تھے جن کی سوچ لمحۂ موجود سے سالوں آگے ہوا کرتی ہے۔ نتیجہ معلوم کہ وہ فکر و نظر کی شاہراہوں پر سرپٹ دوڑتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بگٹٹ دوڑنے والے ٹھوکریں بھی کھاتے ہیں اور عیاں ہے کہ منزلیں ان کے قدم بھی لیتی ہیں۔ ان کے اندازِ نظر سے ایک عالم روشنی بھی لیتا ہے اور ایک دنیا ان کی جدت آفرین فکر اور جرأتِ اظہار کی مخالف بھی ہوا کرتی ہے۔ عصری مخالفت کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ کہنے والا واقعی غلط ہے بلکہ یہ مخالفت اس امر کا ثبوت ہوتی ہے کہ لکھنے والا تخلیقی سوچ کے مطابق لکھ رہا اور تقلیدی سوچ سے ٹکرا رہا ہے۔ نیت راست ہو تو کہی گئی بات اپنی صداقت کبھی نہ کبھی ضرور منوا لیتی ہے۔ نیت راست ہے یا کج، اس کا علم تو اس علیم و خبیر ذات کو ہوتا ہے جو سینوں میں مخفی راز جانتی ہے جبکہ قاری صرف اپنے ذوق اور ظرف کے مطابق بات سمجھتا اور سمیٹتا ہے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت کے اثرات بہت گہرے ہوتے ہیں۔ وہ دیر تک رہتے اور دور تک ساتھ دیا کرتے ہیں۔ نیازؔ کو فارسی کی حلاوت اور عربی کی بلاغت کے ساتھ ساتھ روشن خیالی اور فکری وسعت، والد کی جانب سے توارث میں ملی تھی۔ نثر کی شاعرانہ تاب و تب بھی اسی ابتدائی تربیت کی دین ہے۔ والد کی تربیت نے لڑکپن ہی میں ان کی ذہانت کو وہ صلاحیت اور علمیت کو وہ رفعت عطا کی تھی جس سے ادباء کی اکثریت کبرسنی میں بھی اکثر محروم رہتی ہے۔ دینی مدارس کے اساتذہ نے ان میں مذہبی نکتہ رسی کے ساتھ ایک ایسا تنقیدی شعور ابھارا جو بعد میں نیاز اور علماء دونوں کے لیے ایک آزمائش ثابت ہوا، مدرسہ اسلامیہ فتح پور میں عربی کے پہلو بہ پہلو انگریزی تدریس کا بھی انتظام تھا۔ اس سے نیازؔ کی فکری آگہی، تضاد کا شکار رہی اور ان کا مزاج مثبت اور منفی رویوں کے ٹکراؤ سے لاشعوری طور پر ایک باغیانہ روش اپناتا رہا جو تازیست ذہنی تنگ نظری اور فکری جمود سے برسرِ پیکار رہی۔ بعد میں سرسید کے اثرات نے ان کی اس متضاد سوچ کو ایک ایسے عقلی اور منطقی سانچے میں ڈھال دیا کہ وہ زمانے بھر کے مقابل اپنی ہی سوچ کو سچ سمجھتے رہے۔ وہ ایک مقام پر اپنے ''تنگ نظر معاصرین'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جس حد تک اخلاق کا تعلق ہے میں نے ان میں ایسی کوئی بات نہیں پائی جسے بعید ترین تاویل کے بعد بھی اسلام اور بانیٔ اسلام کی بلند تعلیمِ اخلاق سے منسوب کیا جا سکے۔ میں ایسا محسوس کرتا تھا کہ ان کی روح بالکل اجاڑ ہے اور ان کا دل ویران، روحانی لطف اور جمالیاتی تسکین و ذوق کے لحاظ سے ان کی ہستی بالکل ''وادیٔ غیر ذی زرع'' کی حیثیت رکھتی ہے۔'' (۲)

دینی مدرسوں نے ان کے ذہن کو مذہبی سوجھ بوجھ دی جبکہ لکھنوی ماحول نے ان کے مزاج اور ان کی تحریر کو رومانوی ناز و ادا عطا کیا۔

نیازؔ کی روشن خیالی اور خرد افروزی ان کے لیے کس کس انداز سے بلا ثابت ہوتی رہی اور وقت کے علمائے کرام کس

کس اعتبار سے ان کے نظریات پر معترض رہے، اس پر تفصیلی بحث میرے موضوع سے خارج ہے۔ گو میں سمجھتا ہوں کہ علما کا اضطراب برحق تھا کہ بعض دینی مسائل کی نزاکت عقلی موشگافیوں اور ادبی شوخیوں کی متحمل نہیں ہوا کرتی اب دو اقتباس دیکھیے، ایک ڈاکٹر شوکت سبزواری کا نیاز کے بارے میں:

''ان کا اسلام خالص اسلام ہے، وہ نہ شیعی ہیں نہ سنّی نہ مقلد ہیں نہ غیر مقلد، نہ دیو بندی ہیں نہ بریلوی، نہ قرآنی ہیں نہ اہلِ حدیث۔ وہ محض مسلمان ہیں اور چونکہ ان میں سے کسی فرقے سے بھی ان کا تعلق نہیں اس لیے ہر فرقہ انہیں بے دین ٹھہراتا ہے۔ شیعہ، سنی سمجھتے ہیں۔ سنی، شیعہ تصور کرتے ہیں مقلدوں کا خیال ہے وہ غیر مقلد ہیں، غیر مقلد، تقلید کا طعنہ دیتے ہیں۔'' (۳)

اور دوسرا خود نیاز کا اپنے بارے میں

''غضب خدا کا میں سو بار کہہ چکا ہوں کہ خدا کی عظمت و جبروت اور اس کی قوت و قدرت کا میں اس طرح قائل ہوں کہ شاید ہی کوئی دوسرا ہو، ہزار بار لکھ چکا ہوں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و بلندیٔ فطرت پر جس طرح ایمان لایا ہوں شاید ہی کوئی دوسرا ایمان لایا ہو۔ لیکن باوجود اس اقرار کے۔ اگر میں کافر ہوں، ملحد ہوں، مرتد ہوں اور اگر اس اقرار و عقیدہ کا نام کفر و الحاد ہے تو

ع نازم بہ کفر خود کہ بہ ایماں برابر است'' (۴)

نیاز نے اپنی ادیبانہ زندگی کا آغاز مولانا ظفر علی خاں کے اخبار زمیندار میں بطور صحافی کیا۔ یہ بات ۱۹۱۰ء کی ہے۔ مولانا، نیاز کی فکری صلابت اور قلمی وجاہت کے معترف رہے اور وہ ان کی شعری اور نثری تحریروں کو زمیندار کے لیے ''سرمایۂ نازش'' قرار دیتے رہے مگر نیاز اپنی ''طرفہ طبیعت'' کی وجہ سے زمیندار کے ساتھ تادیر نہ چل سکے۔ وہ اس دور کے مختلف ادبی رسالوں کے قلم کار، مدیر اور نائب مدیر بھی رہے۔ ۱۹۲۲ء میں انہوں نے ''نگار'' جاری کیا جواب تک نیاز کے نام اور مقام کو قائم رکھے ہوئے ہے۔

نیاز فطری طور پر شاعرانہ مزاج لے کر آئے تھے، حق یہ ہے کہ قدرت نے فطرتِ انسانی میں جو سرمدی صلاحیتیں رکھ دی ہیں ان کے اظہار کا نام ادب ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ الفاظ کا بہترین انداز میں استعمال ادب ہے اور بہترین الفاظ کا بہترین استعمال نظم ہے۔ ابتدا میں انہوں نے بہت سی نظمیں لکھیں جو شعری حسن کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کی مشکل پسند پیچیدگیوں کا مظہر تھیں۔ تراکیب میں عربیت غالب تھی۔ اسی شاعرانہ مزاج نے ان کی ابتدائی نثر کو بھی لفظی شکوہ دیا۔ گو بعد میں ان کی نثر میں لفظی مشکل پسندی کی جگہ شعری دل آویزی اور فکر و تدبر نے لے لی ابتدا میں اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ انھوں نے نظمیں زیادہ لکھیں اور غزلیں کم بعد میں انھوں نے شاعری ترک کی اور نثر ہی کو ذریعۂ اظہار بنا لیا۔ کیونکہ ان کی متنوع ذہنی صلاحیتوں کا ساتھ صرف نثر دے سکتی تھی اور انہیں ایک ہمہ جہت شخصیت کے طور پر زندہ رہنا تھا۔ صرف شاعر کے روپ میں نہیں۔ اسی خوشگوار تبدیلی پر تبصرہ کرتے ہوئے مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں:

''نیاز کو بہت جلد احساس ہو گیا کہ وہ شاعری کے لیے نہیں بنے، پھر وہ نثر کی طرف اس طرح مڑے کہ ان کی شاعری نہ صرف ہمارے لیے بلکہ ان کے لیے بھی آج بھولا ہوا خواب ہے۔ یہ

اردو ادب کے حق میں بہت مبارک ہوا۔ نیازؔ کا ذوقِ جمال اور ان کا حسن کارانہ شعور وہ دوسرا آہنگ چاہتا تھا جس کا غیر شاعرانہ نام نثر ہے نیازؔ نے اردو زبان و ادب کی جو نا قابلِ فراموش خدمتیں نثر کے میدان میں کیں وہ شاید شاعری کے میدان میں رہ کر نہ کر سکتے تھے۔'' (۵)

میں سمجھتا ہوں کہ نیازؔ نے نظم گوئی ترک کر کے اس اعتبار سے بھی اچھا کیا کہ اقبالؔ ایسے نابغہ نغز گو اور نظریاتی شاعر کے دور میں کسی باصلاحیت شاعر کا بھی ابھر کر نکھرنا ممکن نہیں تھا کیونکہ بقول رشید احمد صدیقی

''ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شاعری نے اقبال کو اقبال بنانے میں اپنی ساری آرائشیں ختم کر دی ہوں اور اس کے بعد ان پر اپنی ساری نعمتیں بھی تمام کر دی ہوں، جیسے اردو شاعری کا دین اقبال پر مکمل ہو گیا۔''

نگار کے اجرا سے قبل، زمیندار کے علاوہ، نیازؔ جن رسائل سے وابستہ رہے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں توحید، خطیب، رعیت، صدائے عام، تمدن، زمانہ، نقاد اور انتخاب لاجواب ـــــ زمیندار اور نگار کے درمیانی وقفے میں ان کی طبیعت اور قلم کا رجحان زیادہ تر اسلامی اور دینی تھا اور ان کے نام کے ساتھ بھی مولانا اور مولوی لکھا جاتا تھا۔ گھٹی میں پڑی ہوئی خصوصیات کسی نہ کسی نوع زندگی کا حصہ بنی رہتی ہیں۔ روشن خیالی اور حق گوئی انہیں توارث میں ملی تھی جبکہ رومان پروری ماحول کی دین تھی۔ اُن کے مطالعہ کی وسعت نے ان خوبیوں کو بال و پر عطا کیے اور اُن کے قلم نے اپنے خرامِ ناز کے لیے نت نئے راستوں کو چنا اور ہر راستہ ان کی وسعتِ مطالعہ، ذہنی صلاحیت اور ادبی جمال سے جگمگا تا رہا۔ کوئی عام انسان ہوتا تو ان متنوع اور مختلف راستوں میں بکھر کر رہ جاتا۔ مگر نیازؔ بکھر بکھر کر سمٹتے رہے۔ کاش وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو مذہبی نزاعی امور میں ضائع نہ کرتے اور انہیں صرف اردو ادب کے لیے وقف رکھتے تو وہ بلا شک و شبہ وقت کے ''ادبی مجدد'' ہوتے۔

اوپر کچھ ایسے رسائل کا ذکر آیا ہے کہ انہیں نگار کے اجرا سے قبل نیاز کا قلمی تعاون حاصل رہا۔ ان میں پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات کے ماہنامہ ''صوفی'' کا ذکر میں نے ارادتاً نہیں کیا کہ مقصود اسی رسالے میں شائع ہونے والی نیاز کی ان تحریروں کا ایک اجمالی تذکرہ ہے جو مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آئینہ دار ہیں اور جن میں نیاز کا وہ دل دھڑکتا ہے جو حبِ رسول ﷺ سے لبریز تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے دینی افکار و خیالات کو عمر بھر عقل کی کسوٹی پر پرکھتے رہے کہ ان کے نزدیک تدبر سے کام نہ لینے ہی سے بے بصر تقلید کو فروغ ملتا ہے مگر جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے غبار شخصیت، شفاف تعلیم اور واضح رہنمائی کا تعلق ہے۔ وہ اس کے تا عمر معترف رہے۔ وہ شعری انداز میں ان کے مدحت سرا بھی رہے اور نثری طور پر اس بارگاہ ناز میں سراپا نیاز بھی۔ ان شعری اور نثری تخلیقات سے نیاز کے اس ذہن کا پتا چلتا ہے جو خوب سمجھتا تھا کہ اسلام اور ایمان کا مرکز و محور حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس محبت کے بغیر ہر ادعا بولہبی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بعد میں نیاز مذہبی اختلافی امور میں بے خطر کودتے، علما سے الجھتے اور اپنے لیے خارزار آراستہ کرتے رہے۔ مگر الحاد و انکار کے تمام تر الزامات کے باوجود ان کے دل میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ محبت قائم رہی۔ اُن کے ایک مضمون کے چند اقتباس دیکھیے:

''پچھلے ۲۵ سال کے اندر مجھے اتنی بار کافر، مرتد، ملحد و دہریہ کہا گیا ہے کہ کبھی کبھی مجھے بھی سوچنا پڑا کہ کیا حقیقتاً میں اسلام سے خارج ہو چکا ہوں کیا واقعی میرے لیے اب اس مذہب میں کوئی جگہ باقی نہیں رہی، لیکن باور کیجیے کہ کبھی مجھ کو اس کا یقین نہیں آیا اور میں نے جس قدر زیادہ غور و فکر سے کام لیا، میں اپنے خیال پر زیادہ مستحکم ہو گیا ـــــ اسلام کا جو مفہوم

میرے ذہن میں ہے اس کا تعلق زیادہ تر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے نہ کہ خدا سے ـــــ قرآن کی روح سے ہے نہ کہ الفاظ سے، کردار سے ہے نہ کہ گفتار سے ـــــ یعنی دنیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھنا چاہتی ہے۔ قرآن وحدیث سے اور میں قرآن وحدیث کو پرکھنا چاہتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے۔ لوگ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہیں جو قرآن میں بتایا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں قرآن وہ ہے جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے ظاہر کیا۔ دنیا کے نزدیک اسلام سمجھنے کی یہ منزلیں ہیں۔ خدا، قرآن اور محمد ﷺ اور میرے یہاں اس کے بالکل برعکس ان منازل کی ترتیب ہے۔ محمد ﷺ، قرآن اور خدا۔ لوگ خدا سے ڈر کر قرآن ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کرتے ہیں اور میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کر کے قرآن و خدا کو سمجھنا چاہتا ہوں ؎

تو گل از باغ می خواہی، من از گل باغ می جویم
من از آتش دخاں بینم، تو آتش از دخاں بینی

باوجود ان تمام پریشان خیالیوں اور ذہنی تشویشوں کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ایک لمحہ کے لیے بھی میرے دل سے محو نہیں ہوئی ـــــ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت جس کے متعلق میرا ایمان ہے کہ ان سے زیادہ سچا، مخلص اور مکمل انسان ہونا مشکل ہے ـــــ انسان کے ذہن کا بلندی کے اس درجہ پر پہنچ جانا کہ ذاتی اور خاندانی مفاد کا خیال تک کبھی اس کے دل میں نہ آئے۔ انتہائی کامیابی کے وقت بھی جذبۂ انتقام اس میں پیدا نہ ہو۔ دشمنوں پر قابو پا جانے کے بعد بھی لطف ومحبت وعفو ودرگزر سے کام لے اور پھر باوجود ان تمام روحانی بلندیوں کے دنیا میں زندگی بسر کرنے کی بھی ایسی راہیں بتا جائے جو واقعی دنیا کی نجات کی ضامن ہوں یقیناً بہت بڑی چیز ہیں اور اگر ان خصوصیات کا کسی ایک ہستی میں اجتماع قدرت کا معجزہ ہوسکتا ہے تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اس معجزے کے حامل تھے ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کیجیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جب آپ ﷺ غارِ حرا کے سکون وتنہائی میں اپنے ابنائے وطن کی دردناک حالت پر غور کر کے باہر تشریف لاتے تو معلوم ہوتا کہ آپ پر کوئی نہایت گہری کیفیت طاری ہے اور آپ کا سینہ جذبات کی شدت سے پھٹا جا رہا ہے لیکن آپ ضبط سے کام لیتے اور پھر غور وفکر میں مصروف ہو جاتے یہاں تک کہ زندگی کا بڑا حصہ اسی عالم میں گزر گیا اور آخر کار وہ وقت آیا کہ یہ سیلاب ابل پڑا، یہ چشمے پھوٹ نکلے اور جذبات وتاثرات کے طوفان نے الفاظ کی صورت اختیار کر لی اور انھی الفاظ کا مجموعہ ''قرآن'' ہے ـــــ یہ الفاظ دراصل کیفیاتِ روحانی کی مسموعی صورت تھے۔ ولولۂ رشد وہدایت کے روح القدس کا مظہر تھے۔ جذبۂ اصلاح وتزکیۂ اخلاق کے جبرئیل کی زبان تھے یعنی یہ وہ نطق ہمایونی تھا جو بغیر مرتبۂ نبوت ملے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہو ہی نہیں سکتا تھا اور اسی لیے یقیناً وہ خدا کا الہام تھا۔ اس کی وحی تھی۔ اس کا کلام تھا جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سنایا اور اور جسے سن کر دنیا محوِ حیرت ہوگئی اس لیے نہیں کہ وہ کوئی نئی زبان تھی، نئے الفاظ تھے بلکہ اس لیے کہ ان کے اندر نئی روح تھی، نیا اثر تھا۔ ایک قوت تھی سرِ تسلیم خم کرا دینے والی، ایک اعجاز تھا حیران ومبہوت بنا دینے والا'' (۶)

یہ ۱۹۵۴ء میں نیاز کے قلم سے نکلنے والی ایک تحریر کے کچھ اقتباس ہیں۔ اب اس سے کم وبیش اڑتیس سال قبل لکھی جانے والی نیاز کی ان تحریروں کو ایک نظر دیکھیے جو ماہنامہ ''صوفی'' کے صفحات میں بکھری ہوئی ہیں اور جو مرورِ زمانہ کی گرد

میں اس قدر دب چکی ہیں کہ ''افاداتِ نیاز'' کے کسی اشاریئے میں ان کا ذکر تک نہیں ہے مقامِ حیرت ہے کہ نگار نیازِ نمبر حصہ اول میں نیاز کے سوانحی اشاریئے ہیں، جہاں نگار سے قبل کی تحریروں کا ذکر ہے۔ وہاں ''صوفی امرتسر'' تحریر ہے حالانکہ ''صوفی'' کا تعلق ''پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات'' سے ہے۔ ''صوفی'' میں نیاز کی مطبوعہ تحریروں میں حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ بدرجۂ اتم موجود ہے گو بعد میں ان کی بوقلمون قلمی مصروفیات کی وجہ سے یہ پاکیزہ جذبہ کھل کر اور کھل کر سامنے نہیں آسکا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ جذبہ بوجوہ دب تو گیا مگر مرجھایا نہیں کیونکہ ایک ایسا مسلمان جس نے دینی اور ادبی ماحول میں پرورش پائی ہو، جس کا قلم ادبیانہ حسن کا حامل ہو جس کا ذہن رسا اور جس کی فکر رفیع ہو اور جسے اپنی حق گوئی پر ناز ہو اور اس کی خرد افروزی، تقلید پرستی کی کتنی ہی مخالف کیوں نہ ہو، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں کا منکر نہیں ہوسکتا کیونکہ آپ ﷺ ہی کی تعلیم نے بے بصیرت تقلید کی جڑ کاٹی اور سوچ کو سچائی کی روشنی عطا کی۔ گنہگار سے گنہگار مسلمان بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی سنتے ہی سراپا نیاز ہو جاتا ہے کیونکہ نہ ان کی شخصیت سے زیادہ کوئی شخصیت پاکیزہ ہے نہ ان کی بات سے زیادہ کوئی بات حق، نہ ان کے پیغام سے زیادہ کوئی پیغام واضح اور نہ ان کے دین سے زیادہ کوئی راستہ منزل رساں، وہ زبانِ مبارک تو کھلتی ہی سچائیوں کے لیے تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی عظمت، اسلام کی تکمیلی ہدایت اور قرآن کی ابدی صداقت کا اعتراف تو غیر مسلموں کو بھی ہے۔ جہاں تک اختلافات کا تعلق ہے، مقصد تعمیر ہو تو وہ رحمت ہوا کرتے ہیں۔ انسانی ذہن لغزش کرسکتا ہے کہ یہ لازمۂ بشریت ہے۔ مگر دل کی دھڑکنوں میں خلوص ہو تو لغزشیں، بشری حسن بن کر قابلِ معافی ہو جایا کرتی ہیں ـــــ اب نیاز کی ان تحریروں کو دیکھیے جو ماہنامہ ''صوفی'' میں شائع ہوتی رہی ہیں، جن کا تعلق ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۳ء تک ہے اور جن کا لفظ لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اسلام کی وقعت سے لبریز ہے۔

''صوفی'' پنجاب کے ایک دور افتادہ گاؤں سے نکلنے والا ایک ایسا دینی، علمی اور ادبی ماہنامہ تھا جس نے انیسویں صدی کے اولین عشرے سے اپنا صحافتی سفر شروع کیا اور خانقاہی نہاد رکھنے کے باوجود کم وبیش نصف صدی تک اپنے ادبی وجود کو یہاں تک منوایا کہ وقت کی اہم ادبی شخصیتیں اس میں لکھنا اور چھپنا وجہِ افتخار سمجھتی رہیں۔ آج صوفی کے شمارے نایاب میں، احقر کی رسائی جن شماروں تک ہوئی انھیں ایک نظر دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ صوفی کے حلقۂ تحریر میں وہ لوگ بھی تھے جو تب اپنی علمی حیثیت سے مؤقر سمجھے جاتے تھے اور ان لوگوں کی ابتدائی نوعیت کی تحریریں بھی ہیں جو آج ہماری ادبی دنیا میں معتبر جانے جاتے ہیں۔ اقبال سے لے کر اکبرالہٰ آبادی تک، مولانا حسن نظامی سے لے کر مولانا ابوالکلام آزاد تک اور مولانا ظفر علی خاں سے لے کر احمد ندیم قاسمی تک کتنے ہی عہد ساز اور جہت نما وجود ہیں جن کی علمی وجاہت مسلّم ہے۔ نیاز فتح پوری بھی ادباء کے اس نظامِ شمسی میں شامل تھے۔ انھوں نے نگار کے اجراء سے قبل صوفی کے لیے مسلسل لکھا ان نایاب تحریروں سے ان کے اس اسلوب کا بھی واضح اندازہ ہوتا ہے جس نے بعد میں انھیں ایک صاحبِ طرز رومانی ادیب کے طور پر متعارف کرایا۔ ان تحریروں میں شعور کا حسن اور وجدان کا تاثر واضح نظر آتا ہے اور کہیں کہیں تاثر پر تعقل اور جذبے پر منطق غالب نظر آتی ہے۔ چونکہ ان کی شعری تحریروں میں حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک والہانہ، بے ساختہ اور بھرپور اظہار ہے اور نثری تحریروں میں تاریخی صداقتوں کے حوالے سے سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ادیبانہ بیان ہے اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ ان کے ان قلمی نقوش کو محفوظ ہونا چاہیے۔ صوفی اور مدیر صوفی ملک محمد الدین اعوان سے نیاز کے

تعلقِ خاطر کا پتا اس امر سے چلتا ہے کہ جب مدیر صوفی کے بیٹے ملک محمد اسلم خاں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے انگلستان روانہ ہوئے تو بھوپال ریلوے اسٹیشن پر نیاز ان کا استقبال کرتے ہیں اور ان کی خدمت میں درجِ ذیل استقبالیہ اور دعائیہ اشعار پیش کرتے ہیں انھیں بھی نیاز و نگار کے تذکرہ نویسوں کے لیے محفوظ ہونا ضروری ہے یہ بات ہے ۱۵ اگست ۱۹۲۱ء کی۔

تمھارا چھوٹنا ہم سے اگرچہ قہر ہے اسلم
مگر چپ ہیں کہ نصرت ہے سفر کے ساتھ ہی مدغم
گوارا ہیں یہ سارے صدمے ہم کو اس توقع پر
کہ ہم سے جلد مل جاؤ گے آخر ایک دن آ کر
نہیں ہے ہمقریں ہمدم اگر کوئی تو ڈر کیا ہے
نہیں گر کوئی مونس، نہ ہو، خوف و خطر کیا ہے
توکلّ ہے خدا کا بے نیازِ رہبر و واعظ
مجھے تو بس یہی کہنا تھا، اچھا اب خدا حافظ
''بہ محفل شمع تاباں، درگلستاں رنگ و بو باشی
الٰہی، ہر کجا باشی، بہار آبرو باشی''

''صوفی'' کی کمیاب فائلوں میں نیاز کی یہ نایاب تحریریں ''تبرکات'' کی حیثیت رکھتی ہیں۔ میں نے دورانِ مطالعہ میں نیاز کی جن تحریروں کو محفوظ کیا ہے ان میں پچاس علمی، تاریخی اور دینی مضامین اور آٹھ نظمیں شامل ہیں۔ ان سے باقیاتِ نیاز، یا تبرکاتِ نیاز، کے عنوان سے نگار کا ایک خاص نمبر مرتب ہوسکتا ہے۔ میرے پیشِ نظر ان کی وہی تحریریں ہیں جن میں حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نمایاں ہے اور بالخصوص ان کا نعتیہ کلام کہ جس کا محفوظ ہونا اس لیے بھی ضروری ہے کہ دورِ حاضر کو نعت کا دور کہا جاتا ہے اور اہلِ دل توصیفِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ لفظ محفوظ کرنے کی دھن میں ہیں اور اس لیے بھی کہ آج سے کم و بیش پون صدی قبل اس عظیم نثر نگار کے نعتیہ انداز کا رنگ ڈھنگ کیا تھا اور اس لیے بھی کہ نیاز فتح پوری کی سوچ کے اس رخ کی طرف کسی مبصر اور ناقد نے اشارہ تک نہیں کیا اور مجھے یقین ہے کہ روزِ حشر میزان عدل میں یہ چند نعتیہ بول گرانمایہ سمجھے جائیں گے اور ان کا خلوص، رحمتِ حق کو آواز دے گا کہ اس دربارِ رحمت میں مغفرت بہانہ جو رہتی ہے اور وہاں کمیت نہیں، کیفیت دیکھی جاتی ہے۔

فروری ۱۹۱۶ء کے رسالہ ''صوفی'' میں ان کا ایک نعتیہ قصیدہ شائع ہوا جو ۵۳ فارسی اشعار پر مشتمل ہے۔ اسے پڑھ کر قدیم فارسی قصیدہ نگار شعراء کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اس میں خیالات کا تموج، ادا کی لطافت لیے ہوئے ہے۔ الفاظ و تراکیب کا بانکپن، مفاہیم کی صداقتوں سے ہم آہنگ ہے اور قلم کی بے پناہ روانی، فکری حسن سے بہرور ہے۔ گو لفظی شکوہ غالب ہے، مگر معنوی تاب و تب میں کہیں کمی محسوس نہیں ہوتی اس میں وہ لفظ لفظ، تاریخی صداقتیں رکھتے چلے جاتے ہیں۔ یہ الگ بات کہ دورِ حاضر جو عربی اور فارسی کے علمی ذوق سے نابلد ہے۔ اسے مشکل پسند لفظی پیچیدگیوں کا مظہر قرار دے، تب کے ''مولانا نیاز محمد خان نیاز فتح پوری'' اس نعتیہ قصیدے میں بات اس ساعت سے شروع کرتے ہیں جب خلافتِ ارضی کی ذمہ داریوں کے روبرو کائنات کی ہر رفیع و وسیع اور جسیم و وسیم چیز عاجز نظر آتی تھی۔ تب اس عظیم بار کو انسان کے

ناتواں وجود نے اٹھالیا تھا۔ پھر وہ اس کیفیت کی طرف آتے ہیں جب آدمؑ ماوطین میں تھے مگر اس وجودِ ذی جود صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار نمایاں تھے جو وجہِ وجودِ کائنات تھا اور قصیدے میں گریز کا شعر ہے۔

محمد ﷺ عربی رازِ امرِ ربانی
امین و محرم اسرارِ روحِ انسانی

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسلِ انسانی پر احسانات کا ذکر ہے، آپ ﷺ کے حسنِ صورت کا تذکرہ بھی ہے اور حسنِ سیرت کا بیان بھی۔ گویا جمالِ نبوت بھی جلوہ گر ہے اور کمالِ نبوت بھی اور آخر میں صحابہ کرامؓ اور اولیائے عظام کی نسبتوں سے وہ ملتمس ہیں کہ ان کے جسم و جان پر گزرنے والی سختیاں، آسانیوں میں بدل جائیں، ظلمتیں، نور کا لباس پہن لیں اور پریشانیاں، راحتوں کا پیش خیمہ بن جائیں، میرے نزدیک یہ ایک نعتیہ قصیدہ آج کے کئی دیوانوں پر بھاری ہے کہ تب نعت خال خال کہی جاتی تھی اور نعت کہنے کی دوڑ نہیں لگی تھی کہ ہر بانخلص اس میں شامل ہونے کی سعی کرتا ہو۔ تب نعت گوئی کے لیے عرفی کا دیا ہوا کڑا معیار بھی شعراء کے پیش نظر تھا کہ ؎

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت ست نہ صحرا ست
آہستہ کہ رہ بردمِ تیغ ست قدم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعتِ شہِ کونین ﷺ و مدیحِ کے و جم را (۷)

اور تب وہی شاعر نعت کہتا تھا جس کا دل نعت کہنے پر آمادہ ہوتا تھا یا دوسرے لفظوں میں جسے حضورِ ناز سے توصیف کی توفیق ارزانی ہوتی تھی۔ تب قرآنی انوار سے تہی، پیغمبرانہ ہدایتوں سے بیگانہ اور قلبی تعلق سے بے بہرہ قلم، غزل کو نعت بنانے کی سعی نہیں کیا کرتے تھے۔ تب بے دھڑک اور بے خطر نعت کہنے کا رواج نہ تھا بلکہ لفظوں کو پلکوں سے چننے کی کوشش میں ہمتیں ہار جایا کرتی تھیں۔ تب نعت کہتے ہوئے دل دھڑکتے اور لفظ لرزتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی ہمزبانی ہر کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سوچنے اور سوچ میں کھو جانے کا دستور تھا جب کہ اب کچھ پانے کے لیے کھو جانے کا تصور باقی نہیں رہا بلکہ من میں ڈوبے بغیر سراغِ زندگی پانے کے دعوے کیے جا رہے ہیں اور کوئی قلم بھی اپنی بے کیفیوں اور لکنتوں پر غور کرنے کے لیے تیار نہیں اور نہ یہ سوچنے پر آمادہ ہے کہ کہیں نعت کا یہ بے سوز، ساز، ناراضیٔ محبوب ﷺ کا سبب تو نہیں بن رہا؟ آج کسی غالبؔ کے قلم کی معجز بیانی ''ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم'' کہہ کر اپنی بے بضاعتی کا اظہار نہیں کر رہی بلکہ آج قدم قدم اور قلم قلم فخر و ادعا کے سانچے میں ڈھلی ہوئی رونمائیوں کے شامیانے لگے ہوئے ہیں ـــــ کوئی سوچتا ہی نہیں کہ کم لکھنا اور کام کا لکھنا، قلمکار کا اعتبار بھی ہے اور افتخار بھی، کوئی غور ہی نہیں کرتا کہ ؎

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم، فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

حق یہ ہے کہ نعت، حسنِ بیان کی رنگینی سے نہیں بلکہ سوزِ دروں کی آنچ سے لفظوں میں ڈھلتی ہے اس کے لیے درد

مند دل، ارجمند ذہن اور ہوشمند قلم کی ضرورت ہے۔

میرے نزدیک یہ نیازؔ کی نکتہ رسی، آگہی اور حق شناسی کی دلیل ہے کہ انہوں نے دینی رسوخ اور شعری شعور کے باوجود بہت کم نعتیں کہی ہیں۔ وہ خوب سمجھتے تھے کہ ہر گام پھسلنے والے قدم، تلوار کی دھار پر تا دیر نہیں چل سکتے۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں نعت کہنے کی حسرت بھی سب سے بڑی نعت بن جاتی ہے۔

ع چہ می کردیم یارب گر نبودے نارسیدنہا

نومبر ۱۹۲۱ء کے صوفی (رسول نمبر ﷺ) میں نیازؔ کی دو نعتیہ نظمیں چھپی ہوئی ہیں۔ اس میں ان کے تین مضمون بھی ہیں۔ دو مضمون مجلس میلاد اور درود شریف تو بالخصوص رسول نمبر ﷺ کے حوالے سے ہیں۔ پہلی نعت کا عنوان ہے۔

ع ہمیں کیا فکر جب ایسے شہنشہ ﷺ کے گدا ٹھہرے

یہ نظم مسدس کی ہیئت میں ہے اور نو بندوں پر مشتمل ہے۔ ولادتِ نبوی ﷺ سے قبل کی اندھیر نگری کا ذکر اور انسانی اضطراب کا بیان انتہائی دلگداز انداز میں کیا گیا ہے۔ ایک شعر دیکھیے۔

غرض ماتم کدہ پیدا تھا ہر جنبش سے مژگاں کی
حقیقی سوگواری کھل پڑی تھی طبعِ انساں کی

یونان، ہندوستان، روم اور مصر کی قدیم تہذیبی روایات کا ذکر کرنے کے بعد وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عظمت و شوکت دشتِ حجاز کے لیے مخصوص کر رکھی تھی کہ وہیں سے آفتابِ نبوت طلوع ہوا اور اس کی روشنی، ہر تاریکی کو نورانی بنا جائے اور وہ تشبیہی انداز میں کہتے ہیں کہ اس آفتابِ عالمتاب کے طلوع ہوتے ہی، عصیاں کے داغ یوں محو ہو گئے جیسے دوپہر کو انسان کا سایہ سمٹ جاتا ہے وہ اس نعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انوار یزدانی کا ایک درخشاں جلوہ قرار دیتے ہیں پھر وہ نبی کریم ﷺ کی ختم المرسلینی اور رحمتہ للعالمینی کو خوبصورت شاعرانہ انداز میں بیان کرتے ہوئے انہیں یوں ''بے مثل بشر'' قرار دیتے ہیں۔

محمد ﷺ سا اگر دنیا میں کوئی اور انساں ہے
تو میں کہہ دوں گا ہمتائے خدا ہونا بھی آساں ہے
گر انساں ہمسرِ شانِ رحیمی ہو نہیں سکتا
تو کوئی رحمتہ للعالمیں بھی ہو نہیں سکتا

اور آخر میں وہ اس دلدار و دل نشین و دل آرا جو ﷺ اقدس کو طوفانِ زندگی کا واحد سہارا قرار دیتے ہیں جیسا کہ نظم کے عنوان سے ظاہر ہے۔ اب ایک نظر یہ نعت بھی دیکھیے کہ اس میں تاریخی صداقتوں کا ذکر بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رسالت کا تذکرہ بھی اور مصائب و آلام کے طوفان میں ان کی ناخدائی پر ناز بھی۔

ہمیں کیا فکر جب ایسے شہنشہ ﷺ کے گدا ٹھہرے

O

زمین و آسماں کا ذرّہ ذرّہ وقفِ ظلمت تھا
مذاقِ آفرینش روشناسِ چشمِ حیرت تھا
نمود کاوش بے جا تھی، فقدان مسرت تھا
جہاں دل تھا وہیں ناواقفِ رمز صداقت تھا
غرض ماتم کدہ پیدا تھا ہر جنبش سے مژگاں کی
حقیقی سوگواری کھل پڑی تھی طبع انساں کی

زمانہ ہو گیا تھا جہل وعدواں کی حکومت کو
مُرجح کر لیا تھا عجز پر سب نے رعونت کو
بہت ٹھکرا چکے تھے اہلِ عالم سب حقیقت کو
سمجھنے لگ گئے تھے مدعا اپنا بغاوت کو
کہ فطرت دفعتاً چیں برجبیں ہو کر نکل آئی
لیے آغوش میں سرمایۂ علم و عمل آئی

اُدھر یونان اِک ویرانۂ صد علم و صنعت تھا
وہاں روما بھی ناز شگاہِ صد جبروت و شوکت تھا
اِدھر ہندوستاں اِک مرکزِ فخرِ قدامت تھا
اُدھر تھا مصر بھی جو نقطۂ روداد حکمت تھا
مگر یہ فخر تھا مقسوم میں دشت حجازی کے
ہوئے وقفِ عرب سب جلوے شان سرفرازی کے

مہ کامل نکل آیا غرض ظلمت ربا ہو کر
چمک اٹھا شب تاریک میں بدرالدّجیٰ ہو کر
صداقت دہر میں پھیلی نقوش جانفزا ہو کر
محمد ﷺ جلوہ آرا ہوگیا شانِ خدا ہو کر
مٹا کچھ اس طرح سے داغ عصیاں کا
سمٹ جاتا ہے جیسے دوپہر کو سایہ انساں کا

جگہ تہذیب نے وحشت کی لی، عدواں کی ایماں نے
صداقت نے مٹایا کذب دردِ دل کو درماں نے
کیا دشواریوں کو محو یکسر رنگ امکاں نے
جھکاویں اپنی اپنی گردنیں قسیس و رہباں نے
کجی دل کی مٹی کچھ ایسی فیض طبع انور سے
نکل کر جیسے ہو جاتا ہے سیدھا تار جنتر سے

تحیّر ہے زمانے کو کہ یہ افسوں تھا یا کیا تھا
سواد کفر کو جس نے مٹا کر رکھ دیا کیا تھا
بپا کی جس نے تاریکی میں یہ بزم ضیا، کیا تھا
وہ آخر کون تھا جنّ و ملک تھا، انس تھا کیا تھا
بظاہر یوں تو وہ اک فرد ہی تھا نوعِ انساں کا
بباطن تھا مگر اک تیز جلوہ نورِ یزداں کا

وہ صبر و حلم کی عادت، فداکاری کا وہ جذبہ
جمال سحرِ آگیں اور وہ عزم فلک پیما
نہیں تھا اس کا مسلک صرف ابراہیمؑ کا شیوہ
بہم تھے اس میں ایوبؑ و مسیحؑ و یوسفؑ و موسیٰؑ
نبی تھے اور اگر تارے تو یہ بدرِ درخشاں تھا
اگر وہ بدرِ روشن تھے یہ تو خورشیدِ تاباں تھا

نبوت ختم ہے اس پر یہ اپنا دین و ایماں ہے
وہ ہے مثل آپ ہی اپنا یہ مرکوز دل و جاں ہے
محمد ﷺ سا اگر دنیا میں کوئی اور انساں ہے
تو میں کہہ دوں گا ہمتائے خدا ہونا بھی آساں ہے
گر انساں ہمسر شانِ رحیمی ہو نہیں سکتا
تو کوئی رحمۃً للعالمین بھی ہو نہیں سکتا

وہی ہے اپنا آقا اور وہی مالک ہمارا ہے
اُسی کا دین و دنیا میں فقط ہم کو سہارا ہے
وجود اس کا فراغِ ہر دو عالم کا اشارا ہے
اگر طوفان ہے دنیا تو وہ اس کا کنارا ہے

ہمیں سیلاب کا کیا ڈر ہو جب وہ ناخدا ٹھہرے
ہمیں کیا فکر جب ایسے شہنشہ ﷺ کے گدا ٹھہرے

دوسری نعت چار بندوں پر مشتمل ہے، ہر بند میں چار شعروں کے بعد ٹیپ کا یہ شعر ہے۔

ز مہجوری بر آمد جانِ عالم
ترحّم یا نبی اللہ ترحّم!

نعت اردو میں ہے۔ پہلے بند میں فراق وہجر میں تڑپتے ہوئے دل کا تذکرہ ہے کہ دل میں درد فراواں ہے، زخم جاں کو مرہم نہیں مل رہا اور آنسو پلکوں کی سلاخوں پر سلگ رہے ہیں۔ دوسرے بند میں مدینے میں حاضری کی تمنا ہے کہ وہیں سکون وراحت کے خزینے ہیں وہی ایک دیوار ہے جس سے ہر دکھتی ہوئی پیٹھ ٹیک لگا سکتی ہے اور وہی ایک سایۂ دیوار ہے جس کے نیچے ہر آبلہ پا سستا سکتا ہے۔ تیسرے بند میں پھر دردِ مہجوری کی داستان ہے اور آخری بند میں پھر آرزو کی گئی ہے کہ دیارِ ناز میں حاضری نصیب ہو کہ آپ ﷺ ہی کی نگہِ کرم سے دل گرفتہ کلیاں کھل اٹھتی ہیں اور خزاں دیدہ چمن میں بہار مسکرانے لگتی ہے۔ غرض یہ نعت جدائی کے سوز میں ڈوبی ہوئی حاضری کی تمنا کا ایک غنائی اظہار ہے۔

زمہجوری برآمد جانِ عالم

تھا دل میں درد کل تک یونہی کم کم
مگر اُٹھنے لگا ہے آج پیہم
مداوا ہوگا کس سے اس تپش کا
میں کس سے چاہوں زخمِ جان کا مرہم
کہاں تک روکوں آخر اشکِ مضطر
چھپاؤں کس کس سے چشمِ پُرنم
حریف زیرِ غم کب تک رہوں گا
نہیں مجھ میں رہا ہے اب ذرا دم
زمہجوری برآمد جانِ عالم
ترحّم یا نبی اللہ ترحّم

تجھے منہ اپنا دکھلانا پڑے گا
مدینے مجھ کو بُلوانا پڑے گا
تجھے اک دن مرا چاکِ گریباں
بُلا کر پاس سلوانا پڑے گا
اگر جاں بر ہوا مایوسیوں سے
تو اِک دن تجھ کو سمجھانا پڑے گا

مجھے کیا تا قیامت تھام کر دل
یونہی خاموش رہ جانا پڑے گا
زمہجوری برآمد جانِ عالم
ترحّم یا نبی اللہ ترحّم

کہاں تک ہجر کے صدمے سہوں گا
کہاں تک صبر سے میں کام لوں گا
تو ہی انصاف کر اے فخرِ عالم
کہ تجھ سے چھٹ کے میں کیوں کر جیوں گا
ترے دیدار کو تڑپوں گا تا کے
تری فرقت میں کب تک جان دوں گا
خدارا کچھ تو بتلادے کہ کب تک
یہاں کی خاک میں چھانا کروں گا
زمہجوری برآمد جانِ عالم
ترحّم یا نبی اللہ ترحّم

مر ایمان ہے تیری گرایش
مرا اسلام ہے تیری ضیایش
یہیں سے تجھ کو دردِ دل سُناتا
نہیں شیوہ مرا لیکن نمایش
وہ عقدہ دل کا ہو یا دردِ جاں کا
ہے تجھ پر منحصر اُن کے کشایش
مری تو آرزو اب صرف یہ ہے
وہیں آکر کروں تیری ستایش
زمہجوری برآمد جانِ عالم
ترحّم یا نبی اللہ ترحّم

فروری۱۹۲۲ء کے شمارے میں ۲۱ بندوں پر مشتمل مسدس کی ہیئت میں ایک نظم ہے جس کا عنوان ہے

ع باش مرغابی کہ اکنوں کار با طوفاں فتاد

اس نظم میں حالؔی کے مسدس کا اثر بھی ہے مگر اقبالؔ کا انداز اور اس کی رجائیت غالب ہے۔ امتِ مسلمہ کے حال زار کا ایک دل گداز بیان ہے کہ وہ اسلام جس نے ایک عالم کو درسِ زندگی دیا، جس نے عرب کے سارباں زادوں کو قیامت

تک کے لیے منزل نشاں بنا دیا۔ جس نے ظلمت کو نور، انجماد کو اضطراب، تخریب کو تعمیر اور خزاں کو بہار میں بدل دیا تھا۔ آج وہی اسلام ''غریب الغرباء'' ہے اس لیے کہ مسلمان عملاً اسلام سے بے گانہ ہو گئے ہیں۔ ان کے دلوں میں نہ اسلام کی عظمت ہے اور نہ بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، نتیجہ معلوم کہ سینے ایمان سے تہی ہیں اور یہی باعثِ ہے ہمارے زوال کا کہ ہم دل تو رکھتے ہیں مگر دل میں محبوب نہیں رکھتے۔ اس نظم کے دو بند دیکھیے کہ وہ کس طرح اس حالِ زار کی ترجمانی کرتے ہیں۔

ہم نفس، اب تجھ سے میں افسانۂ دل کیا کہوں
داستانِ برہمیٔ رنگِ محفل کیا کہوں
حالِ قیس نارسائے اوجِ محمل کیا کہوں
قصۂ اندوہِ یک گم کردہ منزل کیا کہوں
ہاں زباں تک آ نہیں سکتا ہے اب دل کا پیام
ساز مجروحِ نوا ہے، لب ہے مجروحِ پیام

سینکڑوں شکوے ہیں لیکن لب پہ لا سکتا نہیں
ہیں ہزاروں قصۂ غم، پر سنا سکتا نہیں
زخم ہیں لاکھوں مگر تجھ کو دکھا سکتا نہیں
دل کا سیلِ اشک آنکھوں سے بہا سکتا نہیں
ہے ہجومِ صد ہزاراں آرزو اور دل ضعیف
جوششِ صد بحرِ طوفاں اور مرا ساحل ضعیف

اس زبوں حالی کا ذکر کرتے کرتے، ان کے دل میں قرونِ اولیٰ کے ان مسلمانوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جو ایمان کی دولت دلوں میں لے کر، بظاہر مادی بے سروسامانی کے عالم میں عرب کے ریگستان سے نکلے تھے اور نتیجہ یہ تھا کہ وقت کے کجکلاہوں کی گردنیں ان کے حضور میں فرطِ ادب سے جھک گئی تھیں۔ اس مقام پر تین بند نعتیہ انداز میں ان کے قلم سے بے ساختہ نکل گئے ہیں، دیکھیے۔

لفظ مسلم کا کبھی مفہوم تھا یکسر عمل
قوت عزم و ارادہ اس کی تھی ضرب المثل
نشرِ حق اک فعل تھا مستغنیٔ بانگِ دہل
جب ہوئے اسلام میں تحلیل یوں صد ہا ملل
بات یہ تھی جس کو عالم دیکھ کر حیران تھا
ورنہ یوں تو ابن عبداللہ ﷺ بھی اک انسان تھا

کیوں عرب کی وادیاں لبریزِ جلوہ ہو گئیں
چوٹیاں فاران کی کیوں رشکِ سینا ہو گئیں

وہ عرب کی وحشتیں، ویرانیاں کیا ہو گئیں
اس کی صحرا خیزیاں کیونکر چمن زا ہوگئیں
قوت مافوق کا یہ جلوہ تو نہ تھا
ایک انساں تھا محمد ﷺ بھی، فرشتہ تو نہ تھا
درِّ یتیمِ بے نوا تعلیم سے بیگانہ تھا
صاحبِ جاہِ سلیمان و یدِ بیضا نہ تھا
اس کی آوازِ حزیں داؤدؑ کا نغمہ نہ تھا
کچھ زباں میں اس کے افسونِ دم عیسیٰؑ نہ تھا
ہاتھ میں اس کے فقط اک نسخۂ قرآن تھا
دل میں لیکن حوصلہ تھا، عزم تھا، ایمان تھا

اسی شمارے میں نیازؔ کی ایک اور طویل نعت شائع ہوئی ہے۔ یہ نعت پانچ بندوں پر مشتمل ہے جبکہ ہر بند دس مصرعوں کا ہے۔ ٹیپ کا شعر ہے ۔

چشمِ رحمت بکشا، سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقبی، ہاشمی و مطلبی

اس نعت میں نیازؔ کا وہ مخصوص شاعرانہ لب ولہجہ نمایاں ہے جو بعد میں ان کی نثر کی جمالیاتی تاب وتب کا باعث بنا۔ یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ اردو کے بیشتر صاحبِ طرز نثر نگاروں کی ابتدا بطور رومانی شاعروں کے ہوئی ہے۔ بعد میں انہوں نے شاعری ترک کر دی مگر تغزل کا بانکپن اور ایمائی تاثر، ان کی نثر کو آخر تک فروغِ حسن عطا کرتا رہا۔ نیازؔ کی یہ نعت مترنم الفاظ، جذباتی شدت اور نزاکتِ احساس کی آئینہ دار ہے اور یہی نیاز کی شاعری کی اساسی خصوصیات ہیں اور جس کا اعتراف ان ناقدین کو بھی رہا جو نظریاتی طور پر نیاز سے کبھی متفق نہیں رہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کہ وہ نیاز کی اسلامی تعبیرات کے مخالف بھی تھے اور فکر وعمل کے اعتبار سے ان سے مختلف بھی۔ وہ بھی نیاز کی شعری صلاحیت اور ادبی انفرادیت کے قائل ہیں۔ نیاز کے بارے میں یہ انھی کے الفاظ ہیں:

''کہ نیاز صاحب سخن سنج اچھے ہیں۔ شعر کی پرکھ خوب رکھتے ہیں اور صاحبِ طرز ادیب ہیں۔'' (۸)

نیازؔ اس نعت میں نبیِ اکرم ﷺ کو شہِ شاہ وگدا، چارہ سازِ مرضاء، خدیو دوسرا، دستگیرِ ضعفاء، انیسِ غرباء اور جلیسِ فقراء قرار دیتے ہوئے۔ اپنے قلب ونظر کی سیاہیاں، روز وشب کی ویرانیاں اور گردوپیش کی خرابیاں ان کی بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے ان کی ایک نگہِ کرم کے تمنائی ہیں کہ اسی نگہِ لطف سے یاس کے سائے چھٹ سکتے اور امید کے غنچے مسکرا سکتے ہیں۔

یہ نعت فارسی میں ہے اور دورِ حاضر کی اکثریت فارسی اور عربی سے نا آشنا ہے۔ اس نا آشنائی کا نتیجہ ہے کہ اردو

سے اس کا حسن اور کیف چھن گیا ہے آج نہ کوئی ایسا جملہ نظر آتا ہے جس پر مصرعے کا گمان گزرے اور جسے پڑھ کر درد چہک اٹھے اور جسے سن کر روح مہک اٹھے۔ نسلِ نو، اردو میں سہل نویسی کا پرچار اس لیے نہیں کر رہی کہ یہ دورِ حاضر کی کوئی لسانی اور سیاسی ضرورت ہے۔ بلکہ وہ اس پر اس لیے زور دے رہی ہے کہ وہ خود ایسی اردو لکھنے سے قاصر ہے جو فارسی کی ثروت اور عربی کی عظمت سے مستنیر ہو۔ حق یہ ہے کہ آج اردو ان دو زبانوں سے کٹ چکی ہے۔ جن کی آغوشِ عاطفت میں اس نے پرورش پائی تھی۔

نیازؔ کی آخری نعت، حضرت قدسیؒ کی معروف نعت پر تضمین کی ہیئت میں ہے۔ اس نعت میں ۱۱ بند ہیں اور ہر بند میں چار شعروں کے بعد قدسیؒ کا ایک شعر بڑھا دیا گیا ہے ـــــ تضمین نہ کوئی صنف سخن ہے اور نہ کوئی شعری ہیئت، بلکہ یہ تتبع اور تقلید کی ایک شاعرانہ شکل ہے اور اس میں دوسروں کے مصرعوں اور شعروں پر ایک نوع سے گرہ لگانے کا فنکارانہ اظہار کیا جاتا ہے۔ شاعر تضمین کے لیے اسی شاعر اور اسی شعر کو چنتا ہے جس سے اسے قلبی لگاؤ ہوتا ہے۔ یہی تعلق اسے کسی کے کہے ہوئے انداز کو اپنانے اور دہرانے پر مجبور کرتا ہے۔ تضمین بسا اوقات منتخب اشعار کی وضاحت ہوتی ہے اور کبھی کبھی اس سے نئے مفاہیم بھی ابھارے جاتے ہیں۔ جناب پروفیسر منیر الحق کعبیؔ کے الفاظ میں:

> ''تضمین کی ایک متداول صورت یہ ہے کہ کسی شاعر کا ایک شعر یا ایک مصرع لے کر اس پر پوری نظم کہہ دی جاتی ہے۔ اس قسم کی تضمین میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ تضمین کیا ہوا شعر یا مصرع اپنے وہی معنی دے جو دراصل اس سے مطلوب تھے۔ بدلے ہوئے سباق میں اس کی معنویت مختلف بھی ہوسکتی ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ مختلف ہو کہ تضمین کا یہ برتر جواز ہے کہ تضمین کرنے والے شاعر نے کسی پرانے شعر یا مصرع کا ایک نیا اطلاق دریافت کیا ہے۔'' (۹)

قدسیؒ کی اس معروف نعت پر ان گنت تضمینیں لکھی گئی ہیں اور تسلسل کے ساتھ لکھی جا رہی ہیں، اس کا باعث یہ بھی ہے کہ یہ فارسی زبان میں ہونے کے باوجود ہر دور کے لیے عام فہم رہی ہے، یہ بھی کہ اس میں دل کی کیفیات کا ایک بے ساختہ اظہار ہے، اس کی مقبولیت کا باعث فکر کا وہ خلوص ہے جو یوں لگتا ہے کہ تائیدِ ایزدی سے خود بخود شعر کے پیکر میں ڈھل گیا ہے۔ آمد کی ایسی کیفیت کبھی کبھی اور کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب کوئی شعری آویزہ یا ادبی شاہ پارہ یوں مقبول ہو جائے کہ ہر قلم اس کی لَے میں لَے ملانے کے لیے بے چین ہو تو یہ ثبوت ہوتا ہے اس امر کا کہ قلم کا وہ نذرانہ، بارگاہِ ناز میں بھی قبولیت کا شرف پا چکا ہے کہ جسے محبوب محبت سے نہ دیکھے اسے عزت نہیں ملا کرتی بلکہ وہ دربدر بے آبرو ہو جایا کرتا ہے اور جسے محبوب نگہِ ناز سے نواز دے وہ اپنی خوبیٔ قسمت پر جس قدر بھی نازاں ہو کم ہے۔ قدسیؒ کی اس نعت پر پہلے لوگ فارسی میں تضمین لکھتے تھے اب اردو میں بھی اس کے اشعار پر خوبصورت گرہیں لگ رہی ہیں۔

اب ماہنامہ ''صوفی'' کے مختلف شماروں میں نیاز فتح پوری کے بکھرے ہوئے نایاب مضامین میں سے چند ایسے اقتباس دیکھیے جو نثری نعت کی حیثیت رکھتے ہیں اور نیازؔ کے اس تعلقِ خاطر کو ظاہر کرتے ہیں جو اسے اس عظیم الشان انسان صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا جن سے زیادہ کسی کی تعریف نہیں کی گئی اور جن سے زیادہ کسی نے اپنے خالق کی تعریف نہیں کی اور جس شخصیت کی ہر ادا صد ہا صد اقتوں کی امین، جس کی بارگاہ بے خزاں بہاروں کی جلوہ گاہ اور جس کے نقوشِ پا کی چاندنی،

ہر دور کی سرگرداں عقل کے لیے منزل نشاں رہی ہے۔

''تقویم اسلام میں یہ (ربیع الاول) وہ مقدس مہینہ ہے جو ایک حیثیت سے نہیں، ایک نوعیت سے نہیں بلکہ دو حیثیتوں اور دو نوعیّتوں سے سال کے تمام مہینوں میں ممتاز اور سرافراز مانا جاتا ہے یہی وہ ماہِ مسرت افروز ہے جس میں تمام نبیوں کے سردار، دونوں جہانوں کی سرکار جناب احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم رونق پذیرِ عالم ہوئے اور اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس ظلمت کدے کو منور فرمایا ؎

جہاں تاریک تھا، ظلمت کدہ تھا، سخت کالا تھا
کوئی پردہ سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اجالا تھا

یہی وہ مہینہ ہے جس میں حضرت رسالت مآب ﷺ، نے دنیائے ظاہر سے حجاب فرمایا اور اپنے مشتاقانِ دیدار کو غم اندوز فرمایا۔ ان دونوں حالتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس ماہ مبارک کی تقدیس و تعظیم سے کوئی منصف ہستی ایسی نہیں جو انکار کر سکے، حضور ﷺ پرنور کی وفاتِ حسرت آیات کی سیاہ رنگی اور تاریکی آفرینی ہر قسم کی مسرتوں پر مایوسی و مغمومی کا پردہ ڈالتی ہے لیکن حضور ﷺ کے میلاد کی عید، صبحِ بہار بن کر اس تمام ـــــ کو دور کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے جو غم و ہم کی وجہ سے مسلمانوں کے دلوں پر طاری و ساری ہوتی ہے۔''

.....

''عید میلاد کی مسرت اب سے چند سال پہلے ہندوستان کی ادبی دنیا میں اس قدر عام نہ تھی، بعض مقامات پر محفل میلاد کا انعقاد اس یادگار کو تازہ کر دیا کرتا تھا اور بس۔ لیکن اردو صحافت اور ادب العالیہ کا یہ بھی ایک زندہ معجزہ ہے کہ آج دنیائے ادب میں کوئی صحیفہ شاید ہی ایسا نامبارک ہوگا جسے عید میلاد کی مسرتوں میں حصہ گیر ہونا قسمت نہ ہوا ہو۔''

.....

''ظاہر ہے کہ جب کسی مدعیٔ دین کے دعوے کو بغیر کسی تحقیق و تنقید کے تسلیم نہیں کیا گیا اور کوئی مذہبی صداقت رد و کد سے نہیں بچی تو مذہب اسلام اور بانیٔ اسلام ﷺ کے اخلاق پر کیا کیا نکتہ چین نگاہیں نہ پڑی ہوں گی اور کس کس طرح اس کی جانچ نہ کی گئی ہوگی، چونکہ مذہب اسلام تمام ادیانِ سابقہ کا ناسخ تھا۔ چونکہ مذہب اسلام کا دعویٰ تمام مذاہب سے زیادہ بلند و ارفع تھا اس لیے اس پر بہت زیادہ غور و تعمق دنیا نے کیا اور بے انتہا کاوش اس میں نقائص پیدا کرنے کی گئی لیکن اس کو اعجازِ صداقت کہتے ہیں کہ اسلام کی جس قدر زیادہ جانچ کی گئی وہ اتنا ہی زیادہ صاف و بے لوث ہوتا گیا۔ گویا وہ ایک سونے کا ڈلا تھا کہ ہر آنچ کے ساتھ اس کی چمک اور زیادہ ہوتی گئی۔''

.....

''دنیا میں خواہ کتنی ہی کوشش صداقت کو مٹانے کے لیے کیوں نہ کی جائے، لیکن پایانِ کار سچائی غالب آجاتی ہے اور مفکرین و معاندین بھی ایک وقت اس کے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں،

یورپ والوں نے جو کچھ تحقیق کیا ہے وہ مخالفانہ حیثیت سے کیا ہے۔ اسی لیے مذہب اسلام کی صداقت کی دلیل اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ ایک دشمن بھی حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہوجائے۔ مغرب کے بڑے بڑے متعصب مورخین مثلاً میور، کارلائل بھی مجبور ہو ہو گئے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص قوت نے ان کے قلم کو مجبور کر دیا ہے اور وہ صداقت کے اظہار سے منحرف نہیں ہوسکتا وہ لوگ جو ایک مذہب کو دوسروں کی نگاہ سے دیکھنا پسند کرتے ہیں اس پر غور کریں اور انصاف کریں کہ کیا مذہب اسلام کی صداقت اب بھی معرضِ بحث میں آسکتی ہے اور کیا اب بھی نبوتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق شک وشبہ ہوسکتا ہے۔'' (۱۰)

.....

''ذکر میلاد کا حقیقی مقصود یہ ہے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے واقف ہوکر خود بھی اس کی پیروی کرنے کی کوشش کریں اور اس کے لیے ضرورت ہے کہ آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ آپ ﷺ کا اخلاق عام، آپ ﷺ کا صبر وتحمل، آپ ﷺ کا عزم و استقلال، آپ ﷺ کا لطف وکرم، آپ ﷺ کی سادہ معاشرت ومعیشت، آپ ﷺ کا تمدن لوگوں کو سمجھایا جائے جو ترقی کا حقیقی راز ہے اور اس کے لیے ضرورت ہے۔ صحیح روایات کی'' (۱۱)

.....

''درود کا حقیقی مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد رکھنا اور ان کی یاد کے ساتھ ہی ان کے اخلاق و عادات، ان کے اطوار وخصائل کو پیش نظر رکھنا ہے۔ مشہور ہے کہ جس سے زیادہ محبت ہوتی ہے اس کا ذکر اکثر کیا جاتا ہے، اس لیے درود کا اکثر پڑھنا گویا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے خلوص ومحبت کا اظہار کرنا ہے۔'' (۱۲)

.....

''ہر چند کائنات میں جن جن مذاہب کی اشاعت ہوئی ہے وہ سب ایک ایک ہادی ورہبر اور مقتدر اور رہنما کے زیرِ اثر ہوئی ہے اور ہر مذہب کے احکام وفرمان اور اوامر ونواہی اسی نبی کے ذریعہ سے امت تک پہنچائے گئے ہیں لیکن جس طرح اسلام کی شان سب سے برتر وبالا تھی اسی طرح خداوند کریم نے اس کی تبلیغ واشاعت کے لیے جو نبیؐ مبعوث فرمایا وہ بھی اس کا، ایک خاص اور محبوب وبرگزیدہ تھا۔ اس لیے اس نے احکام اسلام کی تعلیم کو رواج نہ صرف اپنے قول و کتاب سے دیا بلکہ خود اپنے افعال کا ایک ایسا نمونہ پیش کیا جو مستقل تعلیم الٰہی تھی اور بجائے خود اتنی مہتم بالشان کہ اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں ارشاد فرمایا:

" لقد كان لكم فى رسول اللّٰه اسوة حسنه "

''وہ لوگ جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عامل ہیں اور جن کے نزدیک تنہا وہی حصولِ مقصود کا ذریعہ ہے، جانتے ہیں کہ ان کا ہر کام وہ عبادات پر شامل ہو یا اعمال پر، رسول اللہ ﷺ

کی تقلید ہے اور اس سے ہٹ کر نہ ہم ارشادِ خداوندی کی تعمیل کر سکتے ہیں، نہ اوامر و نواہی کی بجا آوری اور نہ ہم کو وہ دولت حاصل ہو سکتی ہے جو نہ جن و فرشتہ کو ملی نہ شمس و قمر کو اور جس سے نہ زمین مشرف ہوئی نہ آسمان، گویا اتباعِ سنت اور تقلیدِ افعالِ نبوی ﷺ ایک معیار ہے عبادت کی مقبولیت کا۔'' (۱۳)

.....

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مسئلہ مختلف صورتوں سے زیرِ بحث آتا ہے اور ہر صورت اس میں ایک نئی اہمیت پیدا کرتی ہے۔ مثلاً ایک شخص غور کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر ایذا پہنچائی گئی اور وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ایسے عزم و ارادہ کا انسان دنیا میں کوئی پیدا نہیں ہوا اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آتا ہے۔ کوئی شخص آپ ﷺ کے اخلاق و عادات کا مطالعہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے سخت دشمنوں کے ساتھ بھی وہ سلوک کیا جو ہر طرح فطرتِ انسانی سے بلند تھا اس لیے وہ یقین کرنے لگتا ہے کہ بے شک آپ کی ہستی نہایت برگزیدہ ہستی تھی اور ایسا مافوق الفطرت وجود جسے جرمنی کا مشہور فلاسفر نیٹشے سوپر مین (انسان اعلیٰ) کہتا ہے۔ صرف اک رسول ہی کا ہو سکتا ہے۔ تیسرا شخص قرآن مجید پر غور کرتا ہے کہ اس الہامی کلام میں کن باتوں کی تعلیم دی گئی ہے اور آخر کار وہ بھی اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ جو ہستی ان الہامات کو لے کر منصۂ شہود پر آتی ہے یقیناً وہ غیر معمولی ہستی ہے اور اس کا دعویٰ نبوت کبھی غلط نہیں ہو سکتا لیکن ان تمام صورتوں کے علاوہ ایک صورت غور کرنے کی یہ بھی ہے کہ بعثت سے قبل جو جزیرہ نمائے عرب کی حالت تھی اس کو پیش نظر رکھا جائے اور پھر انصاف کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی شدید اور کہنہ ظلمت کو نور میں تبدیل کر دیا اور کیسے کیسے عقائد باطلہ کا استیصال کیا۔'' (۱۴)

.....

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک جس قدر متحمل، مستقل، جفاکش اور صاحب عزم راسخ تھی، اسی قدر فطرت الٰہیہ نے آپ ﷺ کو ابتلاء میں ڈالا اور اسی نسبت سے آپ ﷺ کے سامنے مصائب و تکالیف پیش کر کے آپ ﷺ کا امتحان لیا، جب آپ نے دینِ الٰہی کی تلقین لوگوں کو شروع کی، جب آپ ﷺ نے خدا کی شریعت حقہ کی جانب کفار عرب کو متوجہ کیا، تو مخالفت کا ایک طوفان برپا ہو گیا اور ریگستانِ عرب کا ذرہ ذرہ آپ ﷺ کا دشمن نظر آنے لگا۔ سردارانِ قریش سے لے کر ادنیٰ مزدور تک، جاہل سے لے کر عالم تک اور نجار سے لے کر شاعر تک کوئی ہستی جزیرہ نمائے عرب میں ایسی نہ تھی جس نے (الا ماشاء اللہ) آپ ﷺ کو ایذا نہ پہنچائی ہو۔''

''یہ فخر صرف مذہب اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس کے پیرو اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر عزت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص خواب میں بھی زیارتِ حضور ﷺ کر لیتا ہے تو اس پر فریفتہ ہو

جاتے اوراس کی اس قدر عزت کرنے لگتے ہیں کہ اس کا کلام ان کے لیے وظیفہ کا کام دینے لگتا ہے۔'' (۱۵)

''حقیقتاً صرف یہی ایک کتاب قرآن شریف ہے جس نے ہر فردِ انسانی کے لیے ایک قانون کی حیثیت بھی پائی ہے اور ایک راہنما و رہبر ہونے کی بھی ـــــ پھر اس پر مزید عدل وحق پرستی کا وہ مکمل و جامع نمونہ، دنیائے اخلاق کی وہ بہترین مثال، تہذیب وتمدن، اخلاق ومعاشرت کا وہ زبردست معلم جس کی نسبت ہمیں امی ہونے کا بھی یقین ہے جو خاتم النبیّن کے ساتھ رحمۃ للعالمین کے شرف سے بھی مشرف ہے اور وہ تنہا غارِ حرا میں اپنی اطاعت وعبادت سے ایک عالم کو مبہوت بنا دینے والا فردِ فرید، اپنی صداقت، اپنے دعویٰ کی صداقت کے لیے خود ایک برہانِ قاطع۔''(۱۶)

نیاز فتح پوری کی ان نایاب شعری اور نثری تخلیقات کو دیکھتے ہوئے یقین سا ہو جاتا ہے کہ وہ رحیم وکریم ذات ان کی ان تحریروں کے طفیل، ان کی بشری لغزشوں سے درگزر فرما کر، انہیں نصرتِ جاوداں سے نوازے گی کہ ؎

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

جہاں تک لغزشوں کے عذر کا تعلق ہے درج ذیل اقتباس اپنے اندر اعتراف واعتذار کا ایک ایمائی رنگ لیے ہوئے ہے، جو ان کے ایک مکتوب سے ماخوذ ہے۔ ''ہوسکتا ہے میرا دفترِ معصیت زیادہ سیاہ ہو، لیکن میں اسے غلط کہہ کر اس کی سیاہی میں زیادہ اضافہ کرنا پسند نہیں کرتا۔ جو کچھ میرے دل میں ہے وہی کہتا ہوں اور برملا کہتا ہوں اور بقول شخصے ''بہ بانگ کوس می خورم'' لیکن جو کہنا وہ نہ کرنا یا جو کرنا اسے نہ کہنا، اسے آپ کیا کہیں گے؟ غالباً فہم وفراست، درست ہے، لیکن میں پھر وہی سعدی کا شعر پڑھوں گا کہ ؎

ہیچ کس بے دامنِ تر نیست، امّا دیگراں
بازمی پوشند و مادر آفتاب افگندہ ایم'' (۱۷)

☆

ماخذ

۱۔ مضمون، نیاز فتح پوری، ہمہ جہت شخصیت (محمد اقبال جاوید)، مطبوعہ نگار کراچی
۲۔ والد مرحوم، میں اور نگار، نگارِ نیاز نمبر، حصہ اول ص ۳۴
۳۔ نیاز کا مذہب، نگار، نیاز نمبر حصہ اول ص ۱۱۳، ۱۱۴
۴۔ نیاز فتح پوری، شخصیت اور فن، ڈاکٹر عقیلہ شاہین، ص ۳۱، مطبوعہ انجمن ترقیٔ اردو پاکستان کراچی
۵۔ جدید نثر اردو، نیاز فتح پوری اور نئی نسل جشن طلائی نمبر ص ۱۸۶
۶۔ خدا، قرآن اور محمد ﷺ، نیاز فتح پوری، نگار اکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۳۳
۷۔ کلیات عرفی مطبوعہ منشی نول کشور کانپور ۱۸۸۲ء در نعت سرورِ کونین ﷺ ص ۴، ۵
۸۔ نگار، نیاز نمبر حصہ دوم ص ۱۶۲
۹۔ سلام رضا تضمین و تفہیم اور تجزیہ۔ پروفیسر منیر الحق کعبی ص ۴۵
۱۰۔ مضمون، رسول الرسل صلی اللہ علیہ وسلم، نیاز فتح پوری، صوفی رسول نمبر نومبر ۱۹۱۹ء، ص ۴
۱۱۔ مضمون، مجلس میلاد، نیاز، صوفی نومبر ۱۹۲۱ء، ص ۶
۱۲۔ مضمون، درود شریف، نیاز، صوفی نومبر ۱۹۲۱ء، ص ۸
۱۳۔ مضمون، عمل صالح اور حیات طیب، نیاز، صوفی جنوری فروری ۱۹۲۱ء، صفحہ ۴
۱۴۔ مضمون، مذاہب عرب قبل اسلام، نیاز، صوفی اکتوبر ۱۹۲۲ء، صفحہ ۹
۱۵۔ مضمون، کعب بن زہیر اور قصیدہ بردہ، نیاز، صوفی اکتوبر ۱۹۲۲ء، صفحہ ۳۲
۱۶۔ مضمون، معجزۂ اسلام، نیاز، صوفی جنوری ۱۹۲۲ء، صفحہ ۲۴
۱۷۔ مکتوبات نیاز حصہ سوم، صفحہ ۱۴۸

(۱۹۹۸ء)

☆

شورش کاشمیری۔۔۔بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں

شورش کاشمیری فطرت کی فیاضیوں کا ایک دلآویز عکس تھے۔ایک ذات میں بہت سی خوبیاں یکجا ہوگئی تھیں۔ان کی شخصیت بیک وقت کئی پہلوؤں کی حامل تھی اور ہر پہلو نگاہوں سے لپٹتا اور دل میں اتر جاتا تھا۔نثر لکھتے تھے تو قلم موجِ خرامِ یار کی طرح گل کترتا تھا۔شعر کہتے تھے تو ہر لفظ مہر و ماہ کے چہرے کا غازہ ہو جاتا تھا۔تقریر کرتے تھے تو لاکھوں دل ان کی انگلیوں کی پوروں میں کھنچ آتے تھے۔سیاست کے میدان میں گرجتے تھے تو تخت وتاج کی رعونتیں لرزہ براندام ہو جایا کرتی تھیں۔ناموسِ رسالت ﷺ کے تحفظ کے لیے از خود رفتہ ہوتے تھے،تو ان کے لیے دار ورسن،قد وگیسو بن جاتے تھے۔

گویا بظاہر وہ ایک فرد تھے،مگر فطرت نے لالے کی حنابندی اس انداز سے کی تھی کہ وہ ایک انجمن محسوس ہوتے تھے اور اب ان کے جانے کے بعد یوں لگتا ہے کہ اپنی نوعیت کا ایک عہد بیت گیا ہے۔ایثار و استقامت کا ایک ایسا دور اجڑ گیا ہے جو شعر و ادب کی رعنائیوں سے گلرنگ تھا اور اب سنّاٹے ہیں کہ روز بروز گہرے ہو کر قبرستان کے سکوت میں ڈھلتے جا رہے ہیں۔بقول شورش:

فنا ہو جائیں گے ہم اور تم آنسو بہاؤ گے
ہمارے بعد ہم جیسے کہاں سے لوگ لاؤ گے
زمیں پر جب کوئی افتادِ تازہ سر اٹھائے گی
ہماری جرأتوں کی داستانیں جگمگاؤ گے
ہم ایسے لوگ یارو آئے دن پیدا نہیں ہوتے
وفا کی آرزو لے کر ہمارے گیت گاؤ گے

شورش کی حیاتِ مستعار میں مکتب کی زیبائش کم اور نگاہوں کا فیض زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ان کی زندگی کا معتدبہ حصہ علم ونظر کی صحبتوں،قرطاس وقلم کی خلوتوں اور زنجیر و زنداں کی سنگینیوں میں گزرا۔اہلِ علم ونظر نے انھیں وہ کچھ دیا کہ شاید ہزاروں کتب خانے مل کر بھی نہ دے سکتے۔انھی شخصیتوں کی رفاقت نے ان میں جنوں وشوق کی وارفتگی پیدا کی۔یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ شورش جن علمی و دینی اکابر سے متاثر رہے،ان کی فکری راہیں کم وبیش الگ الگ تھیں،مگر تمام شخصیتیں نظریاتی اور سیاسی اختلافات کے باوجود بحیثیت مجموعی،برصغیر کی آبرو تھیں۔وہ نابغہ ہستیاں فی الواقع ذہانت کا مرقع اور استقامت کی تصویر تھیں۔شورش،علامہ اقبال،ابوالکلام آزاد،عطاء اللہ شاہ بخاری اور ظفر علی خاں سے متاثر تھے۔شورش نے دینی فہم،شعوری ذوق،فکری صلاحیت اور ہنگامہ پرور خطابت انھی عظمتوں سے حاصل کی۔عظمتوں کی اس قوسِ

قزح میں قلم کی سچائی، فکر کی برنائی اور جذبے کی توانائی، اعتدال وتوازن کے حسن کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اپنے اپنے میدان میں یہ تمام لوگ اُپی تلوار تھے۔ ان شخصیتوں میں جو فقیرانہ کج کلاہی، جو عاجزانہ بانکپن، جو شاعرانہ آہنگ، جو خطیبانہ شکوہ اور جو قلندرانہ طنطنہ جھلکتا ہے، اسی کا عکس شورشؔ میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ عشقِ رسول ﷺ ان سب کی مشترک میراث ہے۔ اسی جذبے نے انھیں ہر خوف سے بے خوف کر دیا تھا اور یہی بے خوفی حیاتِ شورش کی سب سے بڑی رعنائی ہے۔ شورشؔ سے ایک دنیا کو اختلاف رہا اور وہ خوش قسمت تھے کہ ہر دور میں ان کے بہت سے حاسد بھی رہے مگر اس باب میں شورشؔ کی انفرادیت کا اعتراف سب کو تھا اور ہے۔ اس ضمن میں شورشؔ کی قربانیاں، ختمِ نبوت کی تاریخ اور تحریک کا ایک روشن ورق ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ قلم کی ہر جنگ، سیاست کے ہر معرکے، خطابت کے ہر ہنگامے اور آزمائش کے ہر لمحے میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شورشؔ کے ولولوں کو استقامت عطا کی۔ نتیجہ معلوم کہ وہ تاج وتخت کو نیزوں پر اچھالتے، غرور وتبختر کو سرِ پائے حقارت سے ٹھکراتے اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتے رہے اور یہ مقام اس وقت تک نصیب نہیں ہوسکتا جب تک عشق، جنوں کے سانچے میں ڈھل کر الفت کی معراج نہ ہو جائے۔

شورشؔ بنیادی طور پر شاعر تھے۔ صحافت ہو یا خطابت، ان کے قلم اور زبان کا شاعرانہ لب ولہجہ، ان کی بے خوفی اور جگر داری کے ساتھ مل کر جو رنگ اور آہنگ ابھارتا تھا، وہ دیدنی بھی تھا اور شنیدنی بھی۔ افسوس کہ شورشؔ نے خود کو خطیب اور صحافی تو سمجھا مگر اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو کوئی اہمیت نہ دی۔ غالباً وہ کبھی کسی مشاعرے میں بھی نہیں گئے، حالانکہ وہ شعری صلاحیتوں کے اعتبار سے فی الواقع قادرالکلام تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ پُرگو اور بدیہہ گو بھی تھے۔ احسان دانشؔ نے شورشؔ کی شاعری کے بارے میں ایک مقام پر یوں تبصرہ کیا ہے:

''کس قدر جابر ہے فراوانیٔ ذوق کے رستے کی مسافت، میں نے شورشؔ کاشمیری مرحوم میں یہ قوت بڑی ہی منہ زور دیکھی ہے۔ وہ مرنے سے دو تین روز پہلے تک شعر کہہ کر اصلاح کے لیے بھیجتے رہے اور میں حیران تھا کہ وہ کیا جذبہ ہے، جو اس وقت بھی انھیں چین سے نہیں رہنے دیتا۔''

شورشؔ نے بیشتر نظمیں ہنگامی موضوعات پر لکھی ہیں مگر ان نظموں میں بھی ایسے اشعار موجود ہیں جو آفاقی تاب و تب لیے ہوئے ہیں، وہ جب بھی مسائلِ حیات اور سنگینیٔ حالات پر قلم اٹھاتے ہیں تو انھیں ایک ہی آستاں نظر آتا ہے، جہاں ہر مشکل کا حل موجود ہے۔ ایک ہی دیوار دکھائی دیتی ہے جس کا سایہ آبلہ پاؤں کے لیے رحمت ہے اور ایک ہی چوکھٹ نظر آتی ہے، جہاں سرگرداں عقل کو آسودگیٔ منزل کا احساس ہوتا ہے اور جب وہ محسوس کرتے ہیں کہ کائنات کی وسعتوں میں ایک ہی بارگاہ ہے، جہاں پہنچ کر روح کی ہر مسرت جاگ اٹھتی ہے اور ذہن کا ہر کانٹا پھول ہو جاتا ہے، تو ان کا قلم بے ساختہ نعت کے آویزے تراشنے اور ستارے ابھارنے لگ جاتا ہے۔ شعر تو پھر شعر ہے کہ وہ حسین ولطیف خیالات کا مرصع ومقفّٰی اظہار ہوتا ہے، مگر شورش جب نثر لکھتے ہیں تو حضور ﷺ کا ذکر نثر کو بھی رعنائیِ اظہار دے کر نعت بنا دیتا ہے۔

شورشؔ ''روایتی نعت گو'' نہیں ہیں کہ وہ صرف نعت گو کی حیثیت سے پہچانے جائیں۔ ان کی ہنگامی، سیاسی اور قومی شاعری میں جا بجا نعت کا رنگ موجود ہے۔ یہ نعتیہ سرمایہ گو مختصر ہے، مگر اس قدر وقیع ضرور ہے کہ نعت گو حضرات کی صف میں اپنا مقام بنا سکے اور اس قابل بھی ہے کہ شاعر کے لیے سرمایۂ آخرت بن سکے۔ شورش کی طبیعت برجستہ، مشاہدہ تیز،

مزاج حساس اور قلم رواں دواں تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کبھی ان کا کوئی دوست، دیارِ حجاز کی طرف روانہ ہوتا ہے تو ان کا قلم دعاؤں کے ساتھ رخصت کرتا ہے۔ مگر ان کی تمناؤں کا حسن خود بخود نعت کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ خود عمرے کے لیے جانے کا ارادہ کرتے ہیں تو قلم فیضانِ رسالت ﷺ کا ثنا خواں اور معترف نظر آتا ہے۔ بیت اللہ اور مسجدِ نبوی میں حاضری کے بارے میں ان کا نثری اور شعری تاثر اپنے اندر نعت کے بعض خوبصورت نمونے لیے ہوئے ہے۔ وہ جب سارقینِ نبوت کو لتاڑتے ہیں تو بعض اشعار بے ساختہ نعت کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ اپنے سیاسی مخالفین کو للکارتے ہیں تو اپنی ''سرکشیدگی'' کا باعث درِ حضور ﷺ پر ''خمیدگی'' ہی کو قرار دیتے ہیں اور جب دل میں رسالت مآب ﷺ کا تصور اور قلم کی زبان پر حضور ﷺ کا ذکر آتا ہے، تو سیاسی کیفیات کا بیان بھی نعت کے نور میں ڈوب جاتا ہے۔

خدائے پاک خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتے ہیں اور کلامِ پاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ثنا سے لبریز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بارہا نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب بھی فرمایا، مگر کہیں بھی نام لے کر یاد نہیں کیا، بلکہ آپ ﷺ کے صفاتی ناموں سے اعزاز کے ساتھ پکارا جبکہ دیگر انبیاءؑ کو ان کا نام لے کر خطاب کیا اور حضور ﷺ کے بارے میں سورۂ نور کی آیت ۶۳ میں مومنین کو بھی یہی حکم ہے، جب کہ تعظیم، عظمت اور احترام کا تقاضا بھی یہی ہے:

آغا شورش کاشمیریؒ اس نکتے سے آگاہ تھے۔ چنانچہ وہ نعت کے انگ کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صفاتی القاب ہی سے رنگ، ڈھنگ اور آہنگ دیتے ہیں۔ سید عاصم گیلانی کے الفاظ میں ؎

ہم ان ﷺ کا نام لے کے پکاریں تو کس طرح
خالق نے بھی نہ جن کو پکارا ہو نام سے

شورشؔ کے ہاں نثر اور نظم کے یہ نعتیہ پہلو اتفاقی اور ''ارتجالی'' ہیں۔ انھوں نے خاص طور پر نعت کو اس لیے نہیں اپنایا کہ انھیں اس راستے کی نزاکتوں کا کماحقہٗ احساس تھا۔ وہ خوب سمجھتے تھے کہ نعت گوئی تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے۔ یہاں لفظ قلم سے نہیں پلکوں سے چنے جاتے ہیں۔ یہاں نطق کو چپ لگ جاتی ہے۔ یہاں سکوت بولتا اور آنسو دردِ دل کہتے ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب تک توحید کی رفعتیں اور رسالت ﷺ کی عظمتیں پیشِ نظر نہ ہوں، جب تک آفتابِ نبوت ﷺ کی کرنوں سے خیال کے حاشیے منور نہ ہوں اور جب تک دل کا سوز، سازِ رگِ جاں نہ بنے، قلم نعت نہیں کہہ سکتا۔ غالباً یہی وہ احساس ہے، جس کی بنا پر شورشؔ اپنے دل کی جملہ عقیدتوں، قلم کی جملہ توانائیوں اور شعر گوئی کی جملہ صلاحیتوں کے باوجود ''پیشہ ور نعت گو'' نہ بن سکے۔ وہ ڈرتے اور لرزتے رہے کہ اس وجودِ ذی جود کی مدح و ثنا کے لیے کس قلم کو یارائے تحریر ہے اور کس زبان کو جرأتِ گفتار ہے کہ وہاں تو جنیدؒ و بایزیدؒ بھی نفس گم کردہ نظر آتے ہیں۔

نعت گوئی کثیر الجہات صنف ہے۔ بعض حسنِ ذات میں اس قدر محو ہیں کہ انھیں ''کیا ہوں میں اور کہاں ہوں میں'' کی فرصتِ کاوش ہی نہیں۔ وہ انوارِ ذات ہی کو نعت بنانے میں مصروف ہیں۔ بعض سیرت کو نعت کا موضوع بنائے ہوئے ہیں کہ اگر یہ روشن نشاں سامنے نہ ہوں تو منزلیں اوجھل اور راستے تاریک ہو جاتے ہیں کیونکہ حضور ﷺ کی حیاتِ مقدسہ ہی تجلّی کی روشنِ سحر ہے اور یہ روشنی دل میں اتر جائے تو ظلمتیں نور بن جاتی ہیں، راستے واضح ہو جاتے ہیں اور منزلیں خود قدم لیتی ہیں۔ بعض لوگ اپنی ذاتی کیفیات کے آئینے میں مقامِ رسالت ﷺ دیکھتے اور اس مقام کی عظمتوں کو

شعر بناتے ہیں۔بعض اپنی نعت گوئی کے لیے قدیم صحائف کا بلیغ لب ولہجہ لانے کی سعی کرتے ہیں کہ وہ اوراق نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مستنیر ہیں۔بعض محض اس لیے غزل کو نعت بناتے رہتے ہیں کہ دور نعت کا ہے اور اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ دورِ حاضر کے بعض غزل گو شاعروں نے اپنے دلِ گداختہ سے نعت کو ایسے تیور دیئے ہیں کہ ذوقِ سلیم مسحورِ لذت دکھائی دیتا ہے۔جب دل کی ارادتیں بیان کی رفعتوں سے ہم آہنگ ہو جائیں تو نعت شاخِ نہالِ غم میں بادِ سحر گاہی کا نم بن کر سما جاتی ہے۔چونکہ حبِ رسول ﷺ شورش کی عملی زندگی کی تابناکیوں اور جنون آفرین بے باکیوں کا مصدر و ماخذ تھی اور اس کے ساتھ ہی وہ ایک نغز گو شاعر بھی تھے،اس لیے ان کی نعت گوئی ایک سرمدی کیف کی شکل اختیار کر لیتی ہے، جو فی الواقع بڑے نصیب کی بات ہے اور مبدءِ فیاض کی یہی وہ دین ہے کہ وقتِ آخر بھی شورش نے ایک دوست کو گواہ بنا کر کہا کہ وہ بطور عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے سفر کر رہے ہیں۔مجیب الرحمٰن شامی کے الفاظ میں:

''شورش کی زندگی میں بہت کچھ بدلا ہوگا،سوچ کا انداز،تعلقات،دوست،دشمن،ساتھی،رفیق،لیکن معالاتِ عشق نہیں بدلے،انھوں نے دل رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نچھاور کر دیا تھا۔آخر دم تک دل کی دنیا وہیں رہی، ہر بے قراری یہاں آ کر قرار کے سانچے میں ڈھل جاتی تھی۔دیکھنے والوں نے دیکھا ہے کہ رسول ﷺ اللہ کا نام جہاں آتا وہیں ان کی آنکھیں آنسوؤں سے وضو کرتی نظر آتیں۔وہ دل کے بادشاہ تھے اور دل ان کا محمد ﷺ عربی کا غلام تھا۔اس غلامی میں بادشاہی کرتے رہے۔بے شمار دلوں پر حکومت کی اور اس حکومت کا نشہ ایسا چڑھا کہ کسی اور نشے کو خاطر میں نہیں لائے۔''

آج کل تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نعت کی بارش ہو رہی ہے۔مگر آغا شورش نے اس دور میں نعت کا پرچم بلند کیا، جب نعت گوئی کو رجعت پسندی سمجھا جاتا تھا۔شورش نے فکری افلاس کے اس دور میں اسی ایک ذکر کو فکری رفعت سمجھا اور اسی ایک ذات کو ہر آرزو کا ماحصل، ہر درد کا درماں اور ہر تلاش کی منزل قرار دیا۔انہوں نے اسی تذکرے سے بال وپر لیے،اسی نام سے ذہنی بالیدگی حاصل کی اور اسی لگن سے دل کو ولولہ اور ولولے کو اڑان عطا کی۔یہاں تک کہ ہر غم،اسی ایک غم میں ضم ہو گیا۔پروفیسر رشید احمد صدیقی کے الفاظ میں:

''شورش کاشمیری کا قلم اور زبان سیف وسناں اور شبنم وشمیم دونوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں والہانہ محبت تھی۔مرحوم کے کردار کو بنانے اور اس کو تابندہ و پائندہ رکھنے میں اس محبت اور وارفتگی کو سب سے زیادہ دخل تھا۔''

شورش کاشمیری کا نعتیہ رنگ روشِ عام سے ہٹا ہوا ہے۔نثر اور نظم میں کہیں کہیں نعت کا پیوند لگتا ہے، جیسے بات کو قبولیت کے لیے درودِ پاک میں ملفوف کر دیا گیا ہو کہ نعت درود وسلام ہی کی ایک نغماتی شکل ہے۔شورش کے ہاں کہیں اظہارِ عقیدت ہے کہ وہی ذات صلی اللہ علیہ وسلم آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے۔کہیں پندار ہے کہ اسی تعلق کی بدولت فقیر، شوکتِ پرویز کو اپنے پاؤں کی ٹھوکر پہ رکھ دیتے ہیں۔کہیں ناز ہے کہ وہ اسی ایک دروازے کے نیاز سے ابھرتا ہے۔کہیں للکار ہے کہ محبت میں توانائی اسی تصور کی رعنائی سے آتی ہے۔کہیں توحید کا اقرار ہے کہ وہی مقصود رسالت ﷺ ہے اور شورش کے کردار وعمل کی یہ جنوں آفرینی حبِ رسالت ﷺ ہی کا فیضان ہے۔

اب شورشؔ کو بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھیے کہ ان کا قلم کہیں نثر میں اور کہیں نظم میں، کن کن زاویوں سے اظہارِ عقیدت کرتا ہے اور اس ''جلوہ گاہِ ناز'' میں کیسے سراپا نیاز بن جاتا ہے۔

مکہ عقیدے کا مرکز اور مدینہ عقیدت کا محور ہے۔ وہاں جبینیں جھکتی ہیں، یہاں دل جھکتے ہیں۔ مدینہ ربانی فیوض اور انوار کی منزل ہے۔ وہ در و دیوار اسی لیے محترم ہیں کہ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ وہاں کے ذروں میں بھی ریشم کا لوچ ہے۔ وہاں کے کانٹے بھی پھول ہیں۔ مدینہ حضور ﷺ کی گزرگاہ بھی ہے اور فرودگاہ بھی، جلوہ گاہ بھی ہے اور آرام گاہ بھی۔ شورشؔ کے دل میں اس دیارِ ناز کے ذروں کو پلکوں سے چومنے کی تمنا تو ہے۔ مگر ذرے اور آفتاب کا فرق ہمت نہیں پاتا اور جب مقناطیس سوئی کو کشش کرتا ہے اور وہ وہاں تک پہنچتے ہیں تو ''تہی دامنی'' دیدۂ تر اور نقدِ جاں ہی کو ارمغاں بنا لیتی ہے۔

''ناقہ کہاں، کہ میں اس کی مہار تھام کر حرم کے حدود میں داخل ہوتا کہ یہ بھی سنتِ نبی ﷺ ہے۔ دل نے کہا پلکوں سے موتی چنو، وہاں آ گئے ہو، جہاں حضرت ابراہیمؑ آئے تھے۔ حضرت ہاجرہؑ آئی تھیں۔ حضرت اسماعیلؑ آئے تھے، جہاں حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے تھے۔ جہاں بادِ صبح گاہی میں حضرت محمد ﷺ کی سانسیں چلتی اور شب کے آویزے (تارے) ان کے آنسوؤں سے تیار ہوتے تھے۔ جہاں اب بھی حضرت بلالؓ کی اذانیں محفوظ ہیں۔ جہاں ہر چپہ ایک تاریخ ہے۔ جہاں ایک عہد کے سب سے بڑے انسان عمریں بتا گئے ہیں۔ جہاں ان کی مشعلیں روشن ہیں۔ جہاں ان کے نقشِ قدم سنگِ میل ہیں، جہاں جبرئیلؑ آتے رہے، وحی نازل ہوتی رہی اور قرآن اترتا رہا۔''

''وہ آتش فشاں پہاڑوں کا پھٹنا نہ تھا جن کی چوٹیوں سے آگ ابلتی اور ہلاکت و موت بن کر اجسامِ حیوانیہ پر برستی ہے، بلکہ وہ فاران کی چوٹیوں پر نمودار ہونے والا ابرِ رحمت تھا، جو انسانیت کی سوکھی کھیتیوں کو سرسبز کرنے اور کائناتِ ارضی کے کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے امنڈا تھا۔ تاکہ جس طرح یروشلم کے مرغزاروں کو ہدایت کی بہشت بنایا گیا تھا اسی طرح عرب کی ریتلی اور بنجر زمین کو بھی شگفتہ و شاداب کرے۔''

.....

''حجاز میں سبھی کچھ نکل آیا ہے۔ سونے کے پہاڑ بھی ہیں، سنگِ مرمر سے بڑھ کر قیمتی پتھر بھی نکلا ہے، جو اب بیت اللہ میں لگ رہا ہے۔ تیل کی بہتات ہے۔ غرض کسی چیز کی کمی نہیں۔ مگر سب سے بڑی دولت، کائنات سے بڑی دولت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم ہیں۔ حضور ﷺ کا تنفس ہے۔ حضور ﷺ کا ان پہاڑیوں پر چلنا اور آبادیوں میں سے گزرنا ہے۔ صدیاں نکل چکی ہیں، زمانہ بیت گیا ہے، کائنات نے ہزاروں پلٹے کھائے ہیں، لیکن یوں محسوس ہوتا ہے:

ع ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

یا پھر۔

گلزار کے سایوں میں وہی حشر بپا ہے
پھولوں سے ابھی تک تری خوشبو نہیں جاتی

ہائے مولانا روم، انوکھی اور سب سے جدا بات کہہ گئے:

ع آں خنک شہرے کہ آنجا دلبر ﷺ است

محسوس ہوتا ہے کہ پہاڑوں کے چہرے نورانی ہیں لیکن آنکھیں بجھی بجھی ہیں:۔

وہ آئے بزم میں اتنا تو میرؔ نے دیکھا
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

.....

''میرے اللہ! میں نہیں جانتا، میرے آقا ﷺ نے اس گھر میں کہاں کہاں اپنی جبیں تیرے حضور ﷺ میں جھکائی ہے۔کہاں کہاں ان کے قدم دھرے گئے اور کہاں کہاں ان کے انفاس نے فضا کو گلاب کیا ہے۔''

.....

''یہ سڑکیں، پہاڑوں اور پگڈنڈیوں کے جگر چیر کر اس خوبی سے بنائی گئی ہیں کہ موٹریں ان کے حسن پر لٹو ہو کر چلتی ہیں۔اس ایک خیال ہی سے طبیعت مفتخر اور بشاش ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہؓ انھی راستوں سے انھی شاہراہوں پر اپنی منزلوں کو گئے تھے۔''

''پتا چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں کھڑے ہوئے تھے۔اس پتھر سے چمٹ گیا۔اس طرح چمٹا جس طرح شیر خوار بچہ ماں کے دودھ سے چمٹتا ہے۔ چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا۔شوق واضطراب کا یہ عالم تھا کہ اس پتھر سے اپنے گالوں کو مل رہا تھا۔اس طرح لپٹ رہا تھا، جس طرح شبِ وصال حسن وعشق ملتے ہیں۔کیا خبر حضور ﷺ نے کہاں قدم رکھا ہو۔کہاں نگاہ ڈالی ہو، کہاں ان کی آواز کا حسن ٹھہرا ہو، کہاں ان کے تبسم نے ضیا بخشی ہو۔''

.....

''ایک قرآن وہ ہے جو تیس پاروں میں بند ہے اور جس کی تلاوت کرۂ ارضی کے کسی نہ کسی حصے میں روز وشب کی ہر ساعت کے ساتھ ہوتی ہے، جو اذانوں میں گونجتا، نمازوں میں دمکتا اور یاد اللہ کی تنہائیوں میں چمکتا ہے۔ جو عابدوں کا اوڑھنا، زاہدوں کا لباس، فقیروں کا توشہ، عالموں کی غذا، فقیہوں کی روشنی اور درویشوں کی متاع ہے ـــــ دوسرا قرآن وہ ہے جو تیرہ برس تک مکہ کی گلیوں میں پھرتا اور پتھر کھاتا رہا۔جس کی ریش مبارک پر خون کے قطرے جم گئے تھے۔جس کے یمین ویسار جاں نثاروں کا اور جانبازوں کا ایک لشکر جمع ہوتا گیا۔جس کے قدوم میمنت لزوم کی ایک ایک چاپ پر صدیقؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ بچھے چلے جاتے تھے۔ جو سیدۃ النساءؓ کا باپ ﷺ تھا۔حسنینؓ کا نانا ﷺ۔صلوٰۃ وسلام ہو اس عظیم انسان ﷺ پر جو خلوتوں کا ملجا اور جلوتوں کا ماویٰ ہے۔جس کا نور سب سے پہلے پیدا کیا گیا اور جس کا ظہور سب سے آخر میں ہوا اور جس پر خدا کی حجت ختم ہوتی ہے۔''

.....

''جوں جوں مدینہ کے آثار قریب ہوتے گئے، دھڑکنیں تیز ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ اندر دگرگوں ہو گیا۔عقل نے کہا، اس سے آگے جانا میرے لیے مشکل ہے۔ یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔عشق نے کہا، یہاں سے دل کی بادشاہت شروع ہوتی ہے۔ جانتے ہوا بھی تھوڑی سی دیر میں کہاں پہنچو گے۔ جہاں سے آرہے ہو، وہ اللہ کا گھر تھا، وہاں بندے کا ناز، اپنے

خالق سے ہے۔ یہ اللہ کے محبوب ﷺ کا گھر ہے۔ یہاں وجدان کی ناقہ پر عرفان کا محمل سجالو۔ آہستہ چلنا، یہ ادب والوں کا قبلہ ہے اور صرف با ادب حاضر ہو سکتے ہیں۔''

.....

''یہاں ہر ذرہ جنت ہے، جنت اور کیا ہوگی کہ سامنے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے ہیں۔ کوئی لمحہ درود وسلام اور سجدہ و تکبیر سے خالی نہیں۔ یہ تسبیح و تہلیل، قرآن و حدیث، ذکر و افکار، نوافل و وظائف اور دعا و صفا کی دنیا ہے۔ اس کی بنیادیں وہی ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھائی تھیں۔ اس کی روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہے۔ امہات المومنینؓ کی حیا چاروں طرف محیط ہے۔ صحابہؓ کی آوازیں گندھی ہوئی ہیں اور اہلِ بیتؓ بولتے چالتے ہیں۔ صرف محسوس کرنے کی ضرورت ہے اور احساس کسی کسی کو ملتا ہے۔''

.....

''کوئی شخص یہاں مادی نذرانے لے کر نہیں آتا، دل و نگاہ کے سوا کوئی نذرانہ نہیں، ادب اور عجز سب سے بڑے نذرانے ہیں۔''

پہنچوں گا بارگاہِ رسالت ﷺ مآب میں
شورشؔ ملی ہے مجھ کو بشارت یہ خواب میں
قیدِ فرنگ میں وہ زمانہ گزر گیا
جانا تھا سر کے بل مجھے ورنہ شباب میں
پایا ہے مہر و ماہ کو طیبہ کی خاک پر
دیکھا ہے عرش و فرش کو ان ﷺ کی جناب میں
اس سر کو ان ﷺ کے در پہ کٹا کے رہوں گا میں
یہ آرزو ہے اس دلِ پُر اضطراب میں
اٹھوں گا عاشقانِ محمد ﷺ کے ہمرکاب
لکھا گیا ہے میری شفاعت کے باب میں

☆

ذرہ ہوں، آفتاب کو شرما رہا ہوں میں
شورشؔ بہ عزمِ طوفِ حرم جا رہا ہوں میں
جس سر زمیں پر نقشِ قدم ہیں حضور ﷺ کے
لے کر جبینِ شوق وہاں جا رہا ہوں میں
میں اور بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضری
اس حاضری کے خوف سے تھرا رہا ہوں میں

ہمت کہاں کہ آپ ﷺ کے در پر ٹھہر سکوں
یہ سوچتا ہوں، سوچ کے گھبرا رہا ہوں میں
نعتِ رسول ﷺ، نعتِ نبی ﷺ، نعتِ مجتبیٰ ﷺ
اس گنجِ شائگاں کو لیے جا رہا ہوں میں

☆

زہے تقدیر عزت پا رہا ہوں
بحمد اللہ مدینے جا رہا ہوں
بلایا ہے مجھے میرِ امم ﷺ نے
میں اس اعزاز پر اترا رہا ہوں
رسول اللہ ﷺ کا پرچم اٹھا کر
افق سے تا افق لہرا رہا ہوں
عزیزو! عیدِ میلاد النبی ﷺ پر
یہ نعتِ دلکشا لکھوا رہا ہوں
چلا ہوں جانبِ ام القریٰ میں
حریمِ زندگی مہکا رہا ہوں
عجب ہے آتشِ ذوقِ حضوری
مسلسل پے بہ پے بھڑکا رہا ہوں
نگہباں رحمت للعالمین ﷺ ہیں
حوادث کے تھپیڑے کھا رہا ہوں
رہِ یثرب کے ذرّو! مجھ کو لینا
بڑا سر مست ہو کر آ رہا ہوں
کہاں میں اور کہاں شاہِ دوعالم ﷺ
گناہوں کے سبب گھبرا رہا ہوں
شہِ کونین ﷺ کی چوکھٹ پہ شورشؔ
جبینِ شوق کو چمکا رہا ہوں

☆

نقدِ جاں لے کے چلو، دیدۂ تر لے کے چلو
ہو مبارک تمھیں، یہ رختِ سفر لے کے چلو

ہم نشینانِ پیمبر ﷺ کی پذیرائی کو
اپنے کشکول میں اشکوں کے گہر لے کے چلو
حسن کہتا ہے رہ و رسمِ ادب مانع ہے
شوق کہتا ہے عقیدت کے ثمر لے کے چلو
شورشؔ اس رحمتِ کونین ﷺ کے دروازے پر
آہی پہنچے ہو تو بخشش کی خبر لے کے چلو

☆

قلم سے پھول کھلیں، نطق دُر فشاں ٹھہرے
وہاں چلا ہوں جہاں گردشِ زماں ٹھہرے
ازل کے دن پہ مشیّت کی مصلحت تھی یہی
کہ خاکِ طیبہ محمد ﷺ کا آستاں ٹھہرے
وہ آستاں کہ ارادت سے مہرو مہ جھکیں
وہ خاکِ پاک کہ ہر ذرہ کہکشاں ٹھہرے
ہوائے کوچۂ محبوب ﷺ! شکریہ تیرا
ترے کرم سے بیاباں بھی گلستاں ٹھہرے
یہ فکر دائرے بنتی رہی خیالوں میں
کوئی تو بات بعنوانِ ارمغاں ٹھہرے

☆

لاؤں کہاں سے شہ پرِ جبریلؑ کی اڑان
دل کھنچ رہا ہے جانبِ دربارِ مصطفیٰ ﷺ
سجدوں کی چاندنی سے جبینیں نکھر گئیں
آنکھوں میں بس گئے در و دیوارِ مصطفیٰ ﷺ

☆

میرِ امم ﷺ کی چشمِ کرم ہے شریکِ حال
بطحا کی سر زمیں کے نشیب و فراز میں
کلیاں کھلی ہوئی ہیں درود و سلام کی
سجدے مچل رہے ہیں جبینِ نیاز میں
محسوس کر رہا ہوں صحابہؓ کی صحبتیں
پہنچا ہوں آنحضور ﷺ تک اس امتیاز میں

ممکن نہیں کہ ڈھونڈنا چاہوں تو پا سکوں
ان ساعتوں کی عظمتیں عمرِ دراز میں
یہ آستاں نہیں، تو کوئی آستاں نہیں
یہ راز پا لیا ہے حرم کی نماز میں
ام القریٰ کی رونقیں، طیبہ کی نزہتیں
شورشؔ رچی ہوئی ہیں نواہائے راز میں

.....

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذاتِ گرامی ہے، جس کے لیے فیوض و برکات کی فراوانیاں وقف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں، فرشتوں کی محبتیں اور مومنوں کی عقیدتیں آپ ﷺ ہی کے لیے ہیں۔ ان رحمتوں، محبتوں اور عقیدتوں میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ یہ مقامِ محمود آپ ﷺ ہی کا حصہ ہے۔ آپ ﷺ کا ذکر بلند و بالا، آپ ﷺ کا نام روشن و تاباں، آپ ﷺ کی امت ارفع و اعلیٰ اور آپ ﷺ کا دین مکمل و اکمل ہے۔ چونکہ حضور ﷺ کے ہم پر اتنے احسانات ہیں کہ ہم تشکر کا حق ادا ہی نہیں کر سکتے، اس لیے ہم تحدیثِ نعمت اور حکمِ ربی کے تحت دعا گو رہتے ہیں کہ اس خزانۂ رحمت پر زیادہ سے زیادہ رحمت نازل ہوتی رہے کیونکہ وہ ذاتِ گرامی قدر الطافِ حق کی قاسم اور مومنوں کے لیے رؤف و رحیم ہے۔ چونکہ ہم سعی کے باوجود درود و سلام کا حق ادا نہیں کر سکتے، اس لیے ایک نوع سے بارگاہِ خداوندی میں ملتمس رہتے ہیں کہ وہ بھی درود بھیجے، کیونکہ وہی ذات سلام کا حق ادا کر سکتی ہے اور اسی کی جانب سے ہمیں درود و سلام کی توفیق ارزانی ہوتی ہے۔ سلام و درود ہی وہ واحد معیار ہے جس سے دینی قدروں کے ساتھ الفت اور ایمان کی عظمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور اب سلام کی یہ ادبی اور نغماتی کیفیت شورشؔ کاشمیری کے ہاں دیکھیے:

''دل نے کہا، کچھ پلّے ہے، یہ سوچ کر لرز گیا کہ سوائے حسرتِ تعمیر کچھ بھی نہیں.... عشق نے کہا، چل رک نہیں، کیوں رکتا ہے۔ رحمت للعالمین ﷺ کے آستانے پر جانے والے اسی طرح جاتے اور جھولیاں بھر کے لاتے ہیں۔ چشموں، دریاؤں اور کنوؤں نے کبھی کسی جام کاسہ یا مشکیزہ کی خواہش نہیں کی۔ سورج نے کبھی چراغوں سے روشنی نہیں چاہی۔ تیری رات اندھیری ہے تو اس سورج سے روشنی لے، جو آمنہؓ کی گود میں طلوع ہوا تھا۔ چودہ سو برس سے چمک رہا ہے۔ جس کے لیے کوئی غروب نہیں... یہی مدینۃ النبی ﷺ ہے۔ یہی آستانۂ رسول ﷺ ہے، سلام پڑھ، درود بھیج، یہ شہر درود و سلام کا شہر ہے:

ع آں خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

سیارہ (موٹر) رقص کی طرح پہلو بدلتا ہوا اور سڑک پر کروٹیں لیتا ہوا مدینۃ النبی ﷺ میں داخل ہو گیا۔

''جلوہ گاہِ ناز کے پردوں کا اٹھنا یاد ہے
پھر ہوا کیا اور کیا دیکھا، یہ کس کو ہوش ہے''

سلام ہو، اے مدینۃ النبی ﷺ! آج قریب چودہ سو برس ہوئے ہیں، تیری کوئی ساعت، کوئی ثانیہ، کبھی درود و سلام سے خالی نہیں رہا۔ تیری گلیاں ہم ایسوں کے لیے مصری کی ڈلیاں اور گلاب کی کلیاں ہیں۔ تیرے ذرے مہر و ماہ کو

شرماتے اور دل ونگاہ کو چمکاتے ہیں۔ تیری ہواؤں میں انفاسِ رسالت ﷺ کی خوشبوئیں بسی ہوئی ہیں۔''

.....

''اے کرۂ ارضی کے سرتاج! اے سرتاج الانبیا ﷺ کی آرامگاہ، ایک انسان کی بدولت کروڑوں انسانوں کو زندگی بخشنے والے! اے آخری نبی ﷺ کے مدفن مبارک، جس کی ذاتِ اقدس پر ۲۲ سال، ۵ ماہ کے عرصہ میں ۶۶۶۶ آیتیں نازل ہوئیں۔ اے رحمتوں اور فضیلتوں کے شہر، اے عظیم انسانوں کے مامن، اے زبان و بیان کی روح رواں، اے سپہ سالاروں کے دل کی دھڑکن، اے انشاء پردازوں کے علوِّ فکر، اے شاعروں کے تخئیل کی معراج، اے خطیبوں کے ولولۂ خطابت کی آبرو، اے عالموں کے افکار کی آرزو، اے دانش وروں کے علم وحکمت کی جستجو، اے اہلِ اللہ کے آستانۂ آخر، اے عابدوں کی جبیں کے ناز، اے زاہدوں کی محبت کے محور، اے جود وسخا کے مخزن، اے گنہگاروں کی بخشش گاہ، اے بلدۂ رسالت پناہ، اے مرکزِ دل ونگاہ، اے انس وملک کی بوسہ گاہ، اے خطا کاروں کے خطا پوش، اے ہر عہد کے فضلاء کی منزل، اے عاشقانِ صادق کے محمل، ایک ہیچ مدان اور بے سروساماں کا سلام قبول کر۔''

.....

''اے مدینۃ النبی ﷺ تو مرکزِ انوارِ الٰہی ہے، تو نے سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ کو دیکھا اور جاوداں ہوگیا۔ اللہ نے تجھے ہمیشگی بخشی ہے۔ فرشتے اللہ کے عرش سے تیرے فرش پر سلام ودرود کے تحفے لاتے ہیں۔ تو نے اسلام کو رونق بخشی اور تاریخ کو عزت دی ہے۔ تو نے ادب کو درخشاں کیا۔ تو نے قلم کو توانائی، زبان کو رعنائی، بیان کو زیبائی اور فکر کو گہرائی بخشی، ہم تیرے اور تو ہمارا ہے۔''

.....

''محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی پیغمبر ﷺ کو یہ خصوصیت حاصل نہیں اور نہ کوئی امت کرۂ ارض پر ایسی موجود ہے جو اپنے پیغمبرؐ اور ان کی آل پر شب و روز کے ہر حصہ میں اس تواتر وتسلسل کے ساتھ درود وسلام بھیجتی ہو۔ حضور ﷺ کا ذکر اس کج مج بیان کی گنہگار زبان سے اس آستانۂ حسن وجمال پر ایک فقیرانہ صدا ہے، عجب نہیں یہی توشۂ آخرت ہو۔''

.....

تمام عمر مدینے میں سونے والے کو
کہاں کہاں سے پکارا، کہاں کہاں ٹھہرے
کبھی نظیریؔ و فیضیؔ کی خوشہ چینی کی
کبھی نظامیؔ و خسروؔ کے ہم زباں ٹھہرے
کبھی عراقیؔ و عطّارؔ سے نوا مانگی
کبھی ظہوریؔ و قدسیؔ کے راز داں ٹھہرے
نظر جمی کبھی حسانؓ کے قصیدوں پر
کبھی قبیلۂ عشاق کا نشاں ٹھہرے

لوائے مہر علیؓ شاہؒ کو دوش پر رکھ کر
دیارِ گنج شکرؒ میں بھی مہماں ٹھہرے
جنوں کا درس لیا بو علی قلندرؒ سے
غزل سرائیِ حافظؔ کے ترجماں ٹھہرے
دیارِ شعر میں سعدیؔ کی ہمنوائی کی
نہ ماوریٰ کہیں پہنچے، نہ درمیاں ٹھہرے
ادب میں مرشدِ رومیؒ سے اکتساب کیا
وہ اس گروہ میں سرخیلِ عاشقاں ٹھہرے
غرض کہ اس درِ مشکل کشا تک آپہنچے
وہ ایک در کہ جہاں دورِ آسماں ٹھہرے
یہ بارگاہِ رسالت ﷺ، یہ ارمغانِ فقیر
بڑا کرم ہو جو مقبول و کامراں ٹھہرے
سلام ان پہ کہ جن سے ہے نظمِ کون و مکاں
سلام ان پر کہ جو ہادیٔ زماں ٹھہرے
سلام ان پہ جو ہم بے کسوں کی منزل ہیں
سلام ان پر کہ جو میرِ کارواں ٹھہرے
غرض کہ ان پہ درود و سلام کی بارش
جو ہر زمیں کے لیے ابرِ دُرفشاں ٹھہرے
جنونِ عشق اسی آستاں پہ لے آیا
جبینِ شوق جہاں سنگِ آستاں ٹھہرے

☆

خلق ہوئے کونین کے مولا
صلی اللہ علیہ وسلّم
خالق خود ہیں والہ وشیدا
صلی اللہ علیہ وسلّم
فرش سے لے کر عرش کی حد تک
روزِ ازل سے یوم ابد تک
سب سے افضل، سب سے اعلیٰ
صلی اللہ علیہ وسلّم

شورشؔ ہم آشفتہ سروں کا
اس دنیا میں کوئی نہیں ہے
ان کا بھروسا، ان کا سہارا
صلی اللہ علیہ وسلّم

☆

خواجۂ گیہاں، سرورِ دوراں صلی اللہ علیہ وسلّم
کون و مکاں سب آپ پہ قرباں صلی اللہ علیہ وسلّم
جانبِ بطحا عزمِ سفر ہے، گنبدِ خضریٰ پیشِ نظر ہے
آپ ﷺ کی رحمت، آپ ﷺ کا احساں صلی اللہ علیہ وسلّم
نورِ خدا کے مظہرِ کامل، حجتِ حق کے پیکرِ اکمل
سرتاپا سی پارۂ قرآں صلی اللہ علیہ وسلّم
سچی بات رکے تو کیونکر، پرچمِ شوق جھکے تو کیونکر
شورشؔ کا ہے آپ ﷺ سے پیماں صلی اللہ علیہ وسلّم

.....

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ومنصب اس قدر بلند، جامع، نازک اور پرانوار ہے کہ انسانی سوچ اپنی تمام تر رفعتوں کے باوجود نہ اس کا احاطہ کرسکتی ہے نہ اندازہ۔ ہم اپنے محدود ذہن، مسدود فکر، گنگ زبان اور لرزاں قلم کے ساتھ اس ذاتِ گرامی ﷺ قدر کے اوصاف کیا بیان کرسکتے ہیں۔ جس کا ثنا خواں خود ربِ کائنات ہے۔ جس کے لب جنبش فرماتے ہیں تو وحی کا نور بن جاتے ہیں۔ جس کی نگاہیں اوپر اٹھتی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رضا ہو جاتی ہیں۔ جس کے ہاتھ کنکر پھینکتے ہیں تو اللہ کے اپنے ہاتھوں کی سند ملتی ہے۔ چاند نے جس کے رخِ انور پر اپنی نگاہوں کا تار باندھ رکھا ہو جس کے خرامِ ناز سے راستے جھوم اٹھتے اور تاریخِ انسانی کے موڑ بن جاتے ہوں۔ جس کی تلوار جرأت وشجاعت کا فخر ہو۔ جس کا پسینا عبیر وعنبر کو شرمارہا ہو اور جس کا سراپا قرآن کی آیتوں میں ڈھلا ہوا ہو۔ الفاظ کا کوئی سا حسن، بیان کا کوئی سا تاثر، فکر کا کوئی سا زاویہ اور اظہار کا کوئی سا پیرایہ بھی نبوت کی عظمت کا کما حقہ، ترجمان نہیں ہوسکتا اور پھر جس ذات کے ساتھ عقیدت ومحبت کا تعلق ہو، اس کے بارے میں لفظ، جذبات کا ایک ادھورا سا عکس تو ہوسکتے ہیں، سچے ترجمان نہیں بن سکتے۔ کیونکہ محبت میں سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ وہ زبان نہیں رکھتی۔

اب مقام ومنصبِ رسالت ﷺ شورشؔ کے آئینۂ تحریر میں دیکھیے:

''سلام پہنچے! آمنہ کے اس لال ﷺ کو، جس نے ہمیں اپنی رحمت للعالمینی کے دامن میں پناہ دی، ہمارے بازوؤں کو کشور کشائی کی طاقت بخشی۔ ہمارے دلوں کو اپنی خندہ جبینی سے آفتاب وماہتاب کی طرح جگمگایا۔ ہمیں ایمان کی لافانی دولت سے مالا مال کیا۔ جس پر قرآنِ حکیم ایسی لازوال کتاب نازل ہوئی.... جو مسکرایا تو چمنستانِ کونین کے پھولوں

نے ہنسنا سیکھا۔ جو اٹھا تو پہاڑوں نے سر بلندی پائی۔ جس کے خرامِ ناز سے صبا نے ٹہلنا سیکھا۔ جس نے کائنات کو نورانی کیا۔ جو نور میں سب سے پہلے اور ظہور میں سب سے آخر تھا۔ جس کی توانائیوں نے ہمیں کائنات کی تسخیر پر قادر کیا۔ جس نے عرب کے بدوؤں اور حجاز کے ساربانوں کو شہنشاہوں کے گریبانوں سے کھیلنا سکھایا۔ جس نے عرب و عجم کی تمیز مٹا ڈالی۔ جس نے انسانوں پر انسانوں کی فوقیت کو ختم کیا اور تقویٰ، دیانت اور فراست کو انسانی شرف و مجد کی دلیل ٹھہرایا۔''

''سلام پہنچے! اس محسنِ کائنات کو جس کی امت کہلانے کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق ارزانی کی۔ جس نے ہمیں سکھایا کہ عبادت کے لائق صرف ایک رب ہی کی ذات ہے۔ جس کی بدولت ہماری تمام عبادتیں، تمام سجدے اور تمام طاعتیں اللہ کے لیے ہیں، جو ہمیں سیدھی راہ دکھاتا اور اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ وہ نعمتیں جو ہمارے چاروں طرف بکھری پڑی ہیں... اور سلام پہنچے، اللہ کے اس جلیل القدر پیمبر ﷺ کو، جو کائنات کی تخلیق کا باعث ہے۔ جس کا عشق ہمارا قبلۂ مراد اور کعبۂ ذوق ہے۔ جو تمام نبیوںؑ میں آخری نبی ﷺ ہے۔ جس کی ختم المرسلینی پر چودہ سو برس میں کئی رہزنوں نے دست درازی کرنا چاہی لیکن وقت کی غیرت نے انہیں نقشِ آب کی طرح محو کر دیا، اور اُن کی قبروں کے نشان فطرت کی دست بُرد سے غبارِ معصیّت بن کر اڑ گئے۔''

''سلام پہنچے! اس تاجدارِ انسانیتِ کبریٰ کو، جو ہم سب کا ملجا و ماویٰ ہے، جس پر ہم اپنے ماں باپ قربان کرتے اور مال و اولاد نچھاور کرتے ہیں جو بظاہر گنبدِ خضریٰ میں سو رہا ہے لیکن جس کی چشمِ نگراں ارض و سما کی وسعتوں اور پہنائیوں سے باخبر ہے... ہم حقیروں میں اتنی ہمت کہاں کہ حضور ﷺ کی ثنا کر سکیں، یہاں قلم عاجز اور زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں۔''

.....

میلادِ تاجدار ﷺ امم کا مہینہ ہے
ہر اک زباں پہ مدحتِ شاہِ مدینہ ﷺ ہے
ہوں ایسے التفاتِ خصوصی سے بہرہ یاب
میرے سپرد کون و مکاں کا خزینہ ہے
ان کے سوا ہے کون غریبوں کا چارہ ساز
ان کے بغیر نظمِ جہاں بے قرینہ ہے

☆

اک شخص سراپا رحمت ہے، اک ذات ہے یکسر نورِ خدا
ہم ارض و سما کو دیکھ چکے لیکن کوئی اس جیسا نہ ملا
اس ذات پہ حجت ختم ہوئی، نبیوں کی شہادت ختم ہوئی
یعنی کہ نبوت ختم ہوئی، پھر کوئی نہ اس کے بعد آیا
سورج نے ضیا اس چشم سے لی، اس نطق سے غنچے پھول بنے
اٹھا تو ستارے فرش پہ تھے، بیٹھا تو زمیں کو عرش کیا

اس نورِ مجسم سے پہلے، اس ذاتِ مکرم سے ہٹ کر
تاریخ کے ظلمت زاروں میں، جو عقدہ تھا عقدہ ہی رہا
اس نام کی عظمت عرش پہ ہے، اس شخص کا چرچا فرش پہ ہے
وہ ذات نہیں تو کچھ بھی نہیں، قرآن کی ہر آیت سے کھلا
بطحا کے مسافر دیکھ کے چل، یہ اس کے نقوشِ پا ہی تو ہیں
تاریخ کے لالہ زاروں میں از غارِ حرا تا کرب و بلا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ان کی تشریف آوری سے تمام قدیم صحائف منسوخ ہوگئے اور ہدایت وبصیرت کے پرانے چراغ بجھ گئے اوراب یہی ایک چراغ ہے، جس کی لَو بہرنوع اونچی ہے۔یہی ایک آفتاب ہے، جس کا طلوع، غروب سے نا آشنا ہے اور یہی وہ بہار ہے، جو کسی خزاں کو نہیں جانتی اور یہی وہ راستہ ہے جس کے ذرے مہ وخورشید کو شرمارہے ہیں۔جو اس راستے کی خاک نہیں بنتا، وہ خاک بسر بھی ہے اور ذلیل ورسوا بھی:۔

تجھ سے مل کر زندگی مقصودِ مہر وماہ تھی
تجھ سے کٹ کر در بدر، بے آبرو ہونے لگی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نے ایک عالمگیر اتحادِ انسانی کی بنیاد رکھی۔ہدایت اپنی تکمیل کو پہنچی۔اس آخری اینٹ نے ایوانِ اسلام کو مکمل بھی کیا اور جگمگایا بھی اور یوں انسانیت تعلیمات وبصائر کے نت نئے خانوں میں بٹنے سے بچ گئی۔اسی لیے حضور ﷺ خاتم النبیّین ہونے کے ساتھ ساتھ رحمت للعالمین ﷺ بھی قرار پائے۔نہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبیؑ ہے اور نہ رحمت وموعظت کا کوئی اور ذریعہ۔حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ واحد بھی ہے اور وحید بھی، قابلِ قدر بھی ہے اور قابلِ تقلید بھی.....اسوۂ حسنہ کی یہ رعنائیاں شورش کاشمیریؔ کے ہاں یوں جلوہ گر ہیں:

''پیغمبر ﷺ کی سیرت اس کے معجزے نہیں ہوتے، پیغمبر ﷺ کا معجزہ اس کی سیرت ہوتی ہے، جو انسانوں کی سیرتوں پر اپنی چھاپ لگا کر معاشرہ میں انقلاب لاتی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ ان کی سنت ہے، ان کے اعمال اور افعال ہیں۔''

.....

''خدا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی نبوتوں کا سلسلہ ختم کر کے دینِ ابراہیمؑ کو آخری دین قرار دیا اور فرمادیا کہ محمد ﷺ کی معرفت تمہیں اکمل وکامل نظامِ حیات دے دیا گیا ہے۔گویا جس خالق نے حضور ﷺ کی فضیلت اور عظمت کا اپنی زبان میں اظہار کر دیا ہو اس کے احسن واکمل واجمل ہونے پر مخلوق کیا کہہ سکتی ہے۔حضور ﷺ کی سیرت ہی ایک ایسی سیرت ہے، جہاں زبان ونطق کا ذخیرہ عاجز ہو جاتا ہے۔''

.....

''ہم سے پہلوں نے حضور ﷺ کے بارے میں تاریخ سے لے کر ادب تک کے میدانوں میں اتنا کچھ کہا ہے کہ اب اس میں مزید اضافہ نہیں ہوسکتا۔البتہ یہ ضرور ہے کہ ہم لوگ سیرت بیان کر کے اپنے لیے سعادت وفلاح کے مواقع پیدا

کرتے اوراس تذکرے سے اپنی روح کے لیے طمانیت، اپنے دل کے لیے روشنی اوراپنے دماغ کے لیے کشادگی پاتے ہیں۔''

.....

''انسانی زندگی کا صحیح رہنما اور انسانیت کے اضطراب کو رفع کرنے والا واحد سہارا مذہب ہے اور وہ مذہب ہے اسلام۔ اسلام کتابی مذہب نہیں بلکہ اس کی توثیق و تائید اس کے پیغمبر ﷺ کی سیرت ہے۔ جو مہد سے لحد تک کے تمام گوشوں میں اتباع کے لیے نمونۂ کامل ہے۔ اس مقدس سیرت کا ایک ایک ورق تاریخی طور پر محفوظ ہے۔ دوسرے مذاہب اوران کے داعیوں کی تاریخ اندھیروں میں جا چکی ہے اوراب ان کے پیروکار جو تاریخ پیش کر رہے ہیں، وہ گمان، قیاس اور روایت و درایت کے طلسم خانہ سے اٹھائی گئی ہے۔ اس کو مستند نہیں کہا جا سکتا۔ یہ شرف صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے اپنے پیغمبر ﷺ کی سیرت اوراپنی دعوت کے ایک ایک جز کو محفوظ کر رکھا ہے۔''

.....

''انسان عرفانِ نفس کی دولت صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے حاصل کر سکتا ہے۔ وہی ایک ذاتِ اقدس ہے جو ہمیں شعورِ ذات، تشکیلِ ذات اور تکمیلِ ذات کے منتہیٰ تک پہنچاتی ہے۔ اس منتہیٰ ہی کا دوسرا نام خود شناسی، خود نگری اور علامہ اقبالؔ کے الفاظ میں ''خودی'' ہے اور خودی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہمیں حضور ﷺ کی ذات میں ملتا ہے۔''

.....

''سیرتِ النبی ﷺ کے تاجروں نے حضور ﷺ کے فقر و فاقہ کا ذکر اپنے تن و توش کے لیے فواکہات و مشروبات کے حصول کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ وہ حضور ﷺ کی سوکھی روٹی کا ذکر کر کے اپنے لیے مرغن غذاؤں کے دسترخوان بچھاتے اور حضور ﷺ کی پھٹی کملی کا نام لے کر اپنے شانہ پر ریشم کی شال رکھتے اور اپنے بدن کو فاخرہ لباس بخشتے ہیں۔''

.....

''جوں جوں قرآن کے مطالعہ سے انسان کا عشق بڑھتا اور اس کی تعلیمات دل میں اترتی ہیں، عشقِ محمدی ﷺ سے لگاؤ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ قرآن انسان کو عقلی دلائل مہیا کرتا ہے اور سیرت قلبی دلائل۔ یہ زمانہ ہی کچھ ایسا ہے کہ نئی پود کو عقلی دلائل سے کہیں زیادہ قلبی دلائل کی ضرورت ہے۔''

.....

''کوئی پیغمبرؑ نہیں کہ اس کی سیرت اس طرح محفوظ رہی ہو۔ یہ شرف صرف خاتم الانبیا ﷺ ہی کو حاصل ہے کہ ان پر جو کتاب اتاری گئی وہ بھی جوں کی توں موجود ہے اور جس طرح آپ ﷺ کی زندگی، ولادت سے وفات تک بسر ہوئی، اس کا ایک ایک سانس، ایک ایک حرکت، ایک ایک بول کما حقہٗ محفوظ و مصؤن ہے۔ زندگی کا کوئی خفی یا جلی گوشہ ایسا نہیں، جو روایتوں کی پوری کڑیوں کے ساتھ مرتب و مدون نہ ہو۔''

.....

اس پیغمبر ﷺ کو ہمارے دیدہ و دل کا سلام
جس پیغمبر ﷺ نے کیا سرمایہ داری کو حرام

جس کا سینہ تھا خدا کے دین کی آماج گاہ
جس کے گھر آتے تھے جبریلِ امیں لے کر سلام
جس کی چوکھٹ پر شہنشاہوں کے سر جھکتے رہے
جس کی صحبت سے خزف ریزے ہوئے ماہِ تمام
پیٹ بھر کر جس پیمبر ﷺ نے کبھی کھایا نہ تھا
جس کے ہاں چولھا نہ جلتا تھا مہینوں، لا کلام
جس نے بیٹیؓ سے کہا ریشم کے پردے دیکھ کر
فاطمہؓ اور اس کے دروازے پہ ایسا اہتمام
جلوہ گاہِ قاقم و اطلس مکانِ بُو ترابؓ
دخترِ شاہِ امم ﷺ کے گھر میں تزک و احتشام
جس نے کھودیں خندقیں اپنے مبارک ہاتھ سے
جس نے باندھے پیٹ پر پتھر، وہی خیر الانام ﷺ
جس کے سر پر کج ہوئی ختمِ نبوت کی کلاہ
جس نے دی توحید کی دعوت برائے خاص و عام
جس نے انسانی بتوں کو پارہ پارہ کر دیا
ہوگیا واضح کلام اللہ سے جس کا مقام
جس نے زرداروں کو دی نارِ جہنم کی وعید
جس کے ساتھی فقر و فاقہ میں تھے تیغِ بے نیام
جس نے توڑا بندگانِ سیم و زر کا دبدبہ
جس نے چرواہوں کو بخشا بادشاہی کا مقام
جس نے عفو و درگزر کی برکتیں دو چند کیں
جس کے ذہن و فکر سے خارج تھا لفظِ انتقام
جس کی سیرت کے ورق کون و مکاں کے رہنما
ہر زمانہ کے لیے موزوں تریں جس کا نظام

☆

نقشِ توحید بٹھانے کے لیے آپ ﷺ آئے
شرک کا نام مٹانے کے لیے آپ ﷺ آئے
کج کلاہوں کی رعونت کو نگوں سار کیا
زیر دستوں کو اٹھانے کے لیے آپ ﷺ آئے

دینِ قیم کو ابد تک کی امامت بخشی
اس کی توقیر بڑھانے کے لیے آپ ﷺ آئے
زر کی بنیاد پہ انسان کی تقسیم غلط
شہر یاروں کو مٹانے کے لیے آپ ﷺ آئے
طاعتِ غیر ہے اللہ کے بندوں پہ حرام
اس حقیقت کو سجھانے کے لیے آپ ﷺ آئے

☆

غارِ حرا سے کرب و بلا کے مقام تک
دیدہ وروں پہ فاش ہیں اسرارِ مصطفیٰ ﷺ
قرآں کی آیتوں میں سراپا ڈھلا ہوا
تمثیلِ بے مثال ہے کردارِ مصطفیٰ ﷺ

☆

میرے لیے تو شرعِ مبیں میں یہی ہے شرک
غیر از خدا جزا و سزا مانگتے ہیں لوگ

☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے ایک عظیم ترین احسانِ ربی ہیں۔ آپ ﷺ نے ہمیں علم کی دولت دی۔ علم کو یقین و ایمان سے تقویت بخشی اور ایمان کے پودے کی حسن اعمال سے آبیاری فرمائی اور آپ ﷺ ہی کے ذریعے ہمیں شعورِ ذات اور عرفانِ خداوندی ملا اور یوں انسان اپنے خالق کو جاننے اور ماننے لگا اور بندہ براہِ راست اپنے مالک سے ہم کلام ہوا۔ آپ ﷺ نے جہالت کو علم کا نور دیا۔ پستیوں کو کردار کی عظمت بخشی۔ حیوانوں کو تہذیب کا غازہ عطا کیا۔ انہی کے فیض سے کفر کو اسلام، ظلمت کو چاندنی، نگاہوں کو حیا اور دلوں کو عفت ملی۔ وہ نیکی جو نفس کی طغیانیوں میں لرزاں تھی، آپ ﷺ نے اسے سلامتی کا کنارہ دیا۔ آوارہ قہقہوں کے نرغے میں پریشاں عصمت کو آپ ﷺ ہی نے چادر اور چار دیواری کا تحفظ بخشا۔ آپ ﷺ ہی وہ نور ہیں، جس نے اندھوں کو بینائی دی اور آپ ﷺ ہی کے باعث عرب کے بدوؤں کو ایمان کی وہ قوت نصیب ہوئی کہ وہ قیصر و کسریٰ کے گریبانوں سے کھیلنے لگے۔ آپ ﷺ خیرِ مجسم ہیں اور ہم اپنے پروردگار سے ہر لحظہ ملتجی ہیں کہ خیر کا یہ سلسلہ روز بروز پھیلتا ہی چلا جائے کہ وہ کون و مکاں کی وسعتوں، عرصۂ محشر کی آزمائشوں اور اُخروی زندگی کی جملہ کیفیتوں کو محیط ہے۔''

.....

آغا شورشؔ کے خیال میں یقین و ایقان کی جتنی پاکیزگیاں، فکر و عمل کی جتنی رعنائیاں اور تہذیب و تمدن کی جتنی بلندیاں ہیں، وہ حضور ﷺ ہی کا فیضان ہیں۔

''ہماری عزت، ہماری عظمت، ہماری شوکت، ہماری سطوت، ہمارا جاہ وجلال، ہماری کامرانیاں سب اسی نام کے ساتھ وابستہ ہیں۔ جب تک یہ نام زندہ ہے، تب تک ہم زندہ ہیں اور چونکہ یہ نام انمٹ ہے، اس لیے لیل ونہار کی گردشیں صفحۂ دہر سے ہمارا نام بھی نہیں مٹا سکتیں:۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا ایستادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے''

.....

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی محبت ہر مسلمان کے خون میں گردش کرتی ہے لیکن اس محبت کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں خدا کا بنا کر پوجنا شروع کر دیں اور جو کچھ کائنات کے اس سب سے بڑے محسن ﷺ نے فرمایا، اس سے بغاوت کرتے رہیں۔ حضور ﷺ کی شیفتگی ووابستگی کو مضبوط و مستحکم رکھو کہ ان کی ذاتِ اقدس ہی رحمت للعالمین ﷺ ہے۔''

.....

''کتنے ہی انسان اس ایک خیر البشر ﷺ کی بدولت کیا سے کیا ہو گئے اور یہ سلسلہ رکا نہیں، جاری ہے۔ آندھیاں آتی رہیں، طوفان اٹھتے رہے، سیلاب موجزن ہوئے، بادلوں نے گرجنا شروع کیا، بجلیاں کوندتی رہیں۔ صرصر نے صبا کو روکا، خزاں نے بہار کا نشیمن لُوٹا، پھول بادِ سموم کا لقمہ ہو گئے۔ لیل ونہار کی گردشیں رک گئیں۔ زمانہ ٹھہرتا رہا۔ صبح کا چہرہ بارہا اداس ہوا، شام لہولہان ہو گئی، رات کے دل میں خنجر تر از و ہو گئے۔ تاریخ نے پلٹے کھائے، سلطنتیں بن بن کر بگڑیں، حکومتیں تہس نہس ہوئیں، عروج وزوال کے سینکڑوں نقشے سامنے آئے۔ تخت وتاج اچھلتے رہے، انقلابات کا سیل بہتا رہا، سورج نے طلوع و غروب کی ہزاروں پستیاں اور بلندیاں دیکھیں۔ لیکن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے نوعِ انسانی کی حلقہ بگوشی کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔ تاریخ اٹھائیے اور ورق پہ ورق پلٹیئے، معلوم ہو گا کہ ایک ذات ﷺ نے چودہ صدیوں میں کروڑوں انسانوں کو نشو ونما دی، بالا و بلند کیا، دوام بخشا اور صرف ایک نسبت کی بدولت قیامت تک زندہ کر ڈالا۔ پھر یہ محض عقیدت کی بات نہیں۔ ارادت کا تذکرہ نہیں، اخلاص کا افسانہ نہیں، شوق کی دھن نہیں، عشق کا راگ نہیں، حسن کی ثنا نہیں، تعریف کا لہجہ یا ثنا کا زمزمہ نہیں، ہر ایک بات نپی تلی، صاف ستھری اور بولتی چالتی شہادت کے ساتھ موجود ہے۔''

.....

''کرۂ ارضی کی مخلوق کے اضطراب کو دور کرنا کسی انسان کے بس میں نہیں اور نہ کوئی انسانی حکمت کسی منزل میں اس کی اہل ہے۔ تمام انسانوں کا اضطراب نظامِ ربانی ہی سے دور ہو سکتا ہے اور نظامِ ربانی کی صحیح تصویر قرآن پاک میں ہے اور قرآن پاک کی صحیح تصویر حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے۔''

.....

''یہ رحمت للعالمین ﷺ کا دربار ہے۔ سورج کالے گورے پر یکساں چمکتا ہے۔ ہوا گنہگاروں کے لیے رک نہیں

جاتی۔ وہ سب کے لیے مشامِ جاں ہے۔ خوشبو پھیلنے کے لیے ہے۔ چشمے کسی کے لیے اپنے سوتے نہیں موڑتے۔ وہ سب کے لیے رواں دواں ہیں۔ لوگ آتے اور تشنگیاں مٹا کے چلے جاتے ہیں۔ آبِ رواں نے کسی تشنہ لب سے کبھی اس کی ذات پات نہیں پوچھی ہمیشہ ظروف بھر دیئے ہیں۔''

.....

''عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوئی پہاڑی وعظ نہیں اور نہ تبسمہ لینے کا نام ہے۔ عشقِ رسول ﷺ کی اساس ادب پر ہے۔ کوئی بے ادب بارگاہِ رسالت ﷺ سے فیض نہیں پا سکتا۔ جو شخص جتنا با ادب ہوگا، اتنا ہی وہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض پائے گا۔''

.....

نثار دیدہ و دل، عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی قسم
کہ یہ جنوں بھی بڑی چیز ہے خدا کی قسم
زمیں کا عجز، انہی کے قدوم کا صدقہ
فلک کے چہرۂ پُر نور و پُر ضیا کی قسم
سمندروں میں عمق ان ﷺ کے فکر و دانش کا
ازل سے لے کر ابد تک کے رہنما کی قسم
جو لب کھلیں تو شگوفے بھی کھل کھلا اٹھیں
جمالِ صاحبِ والّیل و والضُّحیٰ کی قسم
بدل گئے کبھی تیور تو آسماں کانپا
کلامِ پاک کی آیاتِ دل کشا کی قسم
کھلی ہیں ان پہ غیاب و حضور کی راہیں
نظامِ عالمِ انساں کے ارتقاء کی قسم

☆

جب سے ترے خیال کی راہ اختیار کی
عنقا ہوئی ہے فکر غمِ روز گار کی
جاں وقف کر چکا ہوں محمد ﷺ کے نام پر
یہ ہے دلیلِ خاص مرے افتخار کی
ادنیٰ ترین غلامِ رسالت مآب ﷺ ہوں
جچتی نہیں ہے بات کسی شہر یار کی

☆

حضور ﷺ سرورِ کونین پر فدا ہونا
یہی ہے میری عبادت، یہی ہے میری نماز
قسم خدا کی فقط اہلِ بیتؓ کا صدقہ
کلامِ شورشِ شعلہ نوا کا رنگِ حجاز

☆

میں خطیب العصر ہوں، شاہِ امم ﷺ کے فیض سے
ہر معاصر ہے مرے زورِ قلم کا خوشہ چیں

☆

سرورِ ﷺ عالم کا دامن تھام کر
زندۂ جاوید ہے شورشؔ کا نام

☆

وجدان ان ﷺ کے عشقِ فروزاں کا خوشہ چیں
پہنچا ہے ان ﷺ کے ذکر سے معراج پر شعور
ان ﷺ کا خیال عشق کی آوازِ اولیں
ان ﷺ کا جلال حسنِ جہاں تاب کا ظہور
ان ﷺ کے خرام سے گل و لالہ کی آبرو
ذرے ہیں ان ﷺ کی راہ گزر کے چراغِ طور
دونوں جہاں نثار، رسالت مآب ﷺ پر
پھیلا ہوا ہے مشرق و مغرب میں ان ﷺ کا نور
شورشؔ یہ سب حضور ﷺ کی چوکھٹ کا فیض ہے
رکھتا ہوں ٹھوکروں میں شہنشاہ کا غرور

☆

اس کے کرم نے زندۂ جاوید کر دیا
حد ہی نہیں ہے رحمتِ پروردگار کی
وابستگیٔ سرورِ کونین ﷺ کے بغیر
بنتی نہیں ہے بات غریب الدیار کی
رکھیں گے لاج شافعِ کونین ﷺ بالضرور
محشر کے روز شورشؔ عصیاں شعار کی

زندگی خیر وشر کی آماج گاہ اور مصائب وآلام کا مرکز ہے۔ انسان کی ذات کو بھی سکون مطلوب ہے اور اس کے

ماحول کو بھی سلامتی کی ضرورت۔ چونکہ حضور ﷺ کی رہنمائی ہر دور کے لیے ہے اور ہر دور کے مسائل اور پریشانیوں کا حل اسلام ہی کے پاس ہے۔ اس لیے ایک مسلمان جب بھی پریشان ہوتا ہے تو وہ اسی ذاتِ گرامی کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھتا ہے، جو دردمندوں کی دوا اور بے آسروں کا آسرا ہے۔

شورش کی زندگی ہنگامہ خیز اور پُر صعوبت رہی، وہاں ہمیں گریبانوں کے چاک بھی نظر آتے ہیں اور بیابانوں کی خاک بھی۔ زندانوں کی تعزیریں بھی ہیں اور زنجیروں کی جھنکار بھی۔ ایسے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پُر نور شورش کاشمیری کا ایک عظیم سہارا بن کر ابھرتی، نکھرتی اور قلب ونظر کی متاعِ عزیز بنتی محسوس ہوتی ہے:

ہم سیہ کاروں کا تیرے ما سوا کوئی نہیں
یا شفیع المذنبین ﷺ، یا رحمت للعالمین ﷺ
نت نئی افتاد پڑتی ہے یہاں اسلام پر
امتِ مرحوم صدیوں سے محرومِ یقیں
مفتیوں کے پیچ و خم کی زد میں قرآن و حدیث
واعظوں کے نرغۂ گفتار میں دینِ متیں
بن گئے حجاج و ثقفی، صاحبِ تاج و سریر
لے اڑی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
ذاکروں کے دامنِ صد چاک پر خونِ حسینؓ
شمرِ ذی الجوشن کے در پر سوز خوانوں کی جبیں
رات کے تاریک سناٹوں کی پیداوار لوگ
میکدوں میں سیرتِ خیر البشر ﷺ پر نکتہ چیں
اس حدیثِ قدس پر قرباں ہزاروں حکمراں
پادشاہوں کی نہیں، اللہ ہی کی ہے یہ زمیں
پھر کوئی صدیقِ اکبرؓ دورِ حاضر سے اٹھا
پھر کسی فاروقِ اعظمؓ کو بنا مہرِ مبیں
کوئی عثمانِ غنیؓ جُود و سخا میں بے مثال
کوئی حیدرؓ فقر و درویشی کی صبحِ اولیں
یا رسول اللہ ﷺ ہماری عاجزی کی لاج رکھ
ہم گنہگاروں پہ اپنی رحمتوں کا تاج رکھ

☆

کربلا کی رہ گزر پر ہے حسینؓ قافلہ
ابتلاء کے موڑ پر ہے امتِ خیرالانام ﷺ
یا رسول اللہ ﷺ! ان پر ہو نگاہِ التفات
ورنہ عبرت کا تماشا ہے مسلمانوں کا نام
شوق سے تہذیبِ حاضر تجربے کرتی رہے
دعوت و تذکیرِ پیغمبر ﷺ کو حاصل ہے دوام

☆

دیکھ تیری امت کی نبضیں ڈوب چکی ہیں، ڈوب رہی ہیں
دھیرے دھیرے، مدھم مدھم، صلی اللہ علیہ وسلم
دیکھ صدف سے موتی ٹپکے، دیکھ حیا کے ساغر چھلکے
سب کی آنکھیں پُرنم پُرنم، صلی اللہ علیہ وسلم
قریہ قریہ، بستی بستی، دیکھ مجھے، میں دیکھ رہا ہوں
نوحہ نوحہ، ماتم ماتم، صلی اللہ علیہ وسلم
اے آقا ﷺ! اے سب کے آقا، ارض و سما ہیں زخمی زخمی
ان زخموں پہ مرہم مرہم، صلی اللہ علیہ وسلم

☆

بات کہنے کی نہیں، لیکن طبیعت ہے غمیں
آخرت سے اٹھ چکا ہے نازنینوں کا یقیں
ہم جنہیں دانش وروں کا نام دیتے ہیں یہاں
آگہی ان کو نبوت کے معانی سے نہیں
جاں کنی کے مرحلے میں ان کا فکرِ نا تمام
ان کی زنگ آلود فطرت پر حمیّت نکتہ چیں
اس سے بڑھ کر سانحہ ممکن نہیں زیرِ فلک
آج کل بازیچۂ اطفال ہے دینِ مبیں
شورشِ آشفتہ سر کو بھی بلا لیجے کبھی
یا شفیع المذنبیں ﷺ، یا رحمت للعالمیں ﷺ

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین ﷺ ہیں کہ آپ ﷺ کی ذات پر جملہ کمالاتِ نبوت اپنی انتہا کو پہنچ گئے ہیں۔ آپ ﷺ آخر النبیّین ﷺ ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبیؑ نہیں۔ نہ آپ ﷺ کی کتاب کے بعد کوئی کتاب اور نہ آپ ﷺ کے راستے کے بعد کوئی اور راستہ۔ آپ ﷺ نے جو اصولِ زندگی دیا اور اس کے مطابق جس عمل کا اظہار فرمایا، وہ

مکمل و اکمل اور احسن و اجمل ہے۔ اس میں نہ کسی ترمیم کی ضرورت ہے اور نہ کسی اضافہ کی حاجت۔ آپ ﷺ چہرۂ رسالت کا اولین غازہ بھی ہیں اور قصرِ نبوت کی خشتِ آخریں بھی۔

ختمِ نبوت سے مراد تکمیلِ نبوت ہے کہ حضور ﷺ کی بصارت اور بصیرت اپنی تمام تر عظمتوں کی انتہا کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جاری و ساری ہے۔ کائناتِ بشریت و نبوت کی ہر سعادت، ہر بلندی اور ہر انتہا کا آغاز آپ ﷺ ہی سے ہوا اور آپ ﷺ ہی کے مقدس وجود میں ان سعادتوں، بلندیوں اور انتہاؤں کو اپنا کمال نصیب ہوا۔ یہ آفاقیت، عالمگیریت اور جامعیت حضور ﷺ ہی کا اختصاص ہے۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ ﷺ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ ﷺ است

یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر دعویدارِ نبوت کو تاریخ نے معصیت کی ایک کھلی دستاویز بنا دیا۔

شورش کاشمیری نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کے تحفظ کے لیے اپنا سب کچھ وقف کر دیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنی جان، مال اور اولاد کو بھی عزیز نہیں سمجھا۔ اسی حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایمان کی پختگی عطا کی:

خروشِ نعرۂ پیکار لے کے آیا ہوں
حکایتِ رسن و دار لے کے آیا ہوں
حیات و موت کی سنگین شاہراہوں میں
غرورِ جادۂ ایثار لے کے آیا ہوں

اس باب میں شورش کی تحریر کے کچھ اقتباسات دیکھیے:

''میرا عقیدہ ہے کہ جب فدایانِ عشقِ رسالت ﷺ کی صفیں کمزور پڑ جاتی ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دستِ گیری کرتے اور اپنی ختم المرسلینی کا تحفظ فرماتے ہیں۔''

.....

''کوئی دین اور کوئی پیغمبرؑ تاریخ کی شاہراہوں سے اس طرح نہیں گزرا، جس طرح ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم گزرے ہیں تاریخ نے ان کی رکاب تھامی اور علم نے ان کے قدم چومے۔ یہ محض دعویٰ نہیں حقیقت ہے۔ ختم المرسلین ﷺ اور خاتم النبیین ﷺ کی سیرتِ اقدس کا اقتضاء یہی تھا کہ اس کا ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف، ایک ایک شوشہ اور ایک ایک نقطہ محفوظ ہو جائے۔''

.....

''رسالت ﷺ کا اقرار محض رسالت نہیں، ختمِ رسالت ہے۔ کیونکہ ختمِ رسالت کے بغیر امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی تکمیل نہیں ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلینی سے پہلے جتنی امتیں بھی تھیں انہیں اپنے داعیوں کی تعلیمات کے باعث ہمیشہ نئے داعی کا انتظار رہتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری کتاب کے نزول سے یہ انتظار ختم ہو گیا۔ اس آخری کتاب کی بدولت حضور ﷺ آخری نبی ﷺ قرار پائے۔ نہ قرآن کے بعد کوئی کتاب اور نہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی۔ انہی دو نکات پر ملتِ اسلامیہ کی وحدت کی اساس ہے۔ اگر کسی نبی کا انتظار باقی رہتا، تو نوعِ انسانی پر وہی گزرتی، جو موسیٰ و عیسیٰ ایسے عالی شان پیغمبروں کے بعد ان کے پیروؤں کی بدولت انسانوں اور خدائی تعلیمات پر گزری۔''

.....

''آپ ﷺ سے پہلے جتنے پیغمبرؑ آئے تھے، ان کی ہدایتیں محرف ہو کر عنقا ہو گئی تھیں۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کامل ہو کر ابدی ہو گئیں۔ ہمیشہ کے لیے محفوظ و محرک۔''

.....

''سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر زمانے کے لیے رہنما ہے۔ وہ ہر معاشرے اور ہر زمانے کی ہدایت کے لیے بولتی ہے۔ یہی حال قرآن پاک کا ہے جو آپ ﷺ پر نازل ہوا اور تا بہ ابد ایک عالمگیر سچائی ہے کہ اس کے سوا اور کوئی صحیفۂ آسمانی اپنے پیروؤں کی تحریف سے محفوظ نہیں رہا۔ قرآن و سیرت ازل سے ابد تک کی ایک محفوظ و مصوّن صداقت کا نام ہیں اور یہ دعویٰ محض جذبات کی بنیاد پر نہیں، بلکہ تاریخِ انسانی کی علمی صداقتیں اس کی توثیق کرتی ہیں۔''

.....

''یہ شرف تمام نبیوںؑ اور رسولوںؑ میں صرف حضور ﷺ ہی کو حاصل ہے کہ اپنی زندگی میں اپنی دعوت کو منشاء ایزدی کے مطابق پروان چڑھایا اور جانثاروں کی ایک ایسی جماعت پیدا کی کہ تمام صعوبتوں سے گزر کر انہوں نے عالمگیر فتح حاصل کی اور جس ریاست یا معاشرے کا آغاز حادثات و واقعات کی سنگینیاں گزارنے کے بعد مدینے کی چند گلیوں سے ہوا تھا۔ وہ ریاست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہی میں ثمر آور ہو گئی اور آپ ﷺ کے صحبت نشین چند برس میں ۱۷ لاکھ مربع میل عرب ریاست کے حکمران ہو گئے۔''

.....

اسی رعایتِ انسب سے نیک نام ہوں میں
حضورِ سرورِ کونین ﷺ کا غلام ہوں میں
شہنشہوں سے مجھے کوئی واسطہ ہی نہیں
بہ فیضِ خواجۂ گیہاں بلند بام ہوں میں
مروں گا ختمِ نبوت کی پاسبانی میں
جہادِ عشقِ رسالت ﷺ میں تیز گام ہوں میں

☆

یہ ہے حضور ﷺ کا فیضانِ تربیت شورشؔ
جو ان ﷺ کا ہو گیا، اس جیسا دوسرا ہی نہیں

☆

وہ شخص جو شہِ کونین ﷺ پر فدا ہی نہیں
حیات و موت کی لذت سے آشنا ہی نہیں
سنبھال مجھ کو رسالت مآب ﷺ کی چوکھٹ
ترے بغیر مرا کوئی آسرا ہی نہیں
انہی کا ہو کے جیوں اور انہی کی رہ میں مروں
اس آرزو کے سوا کوئی مدعا ہی نہیں
اب اس مقام پہ ہوں ہمرہانِ جادۂ شوق
کہ راستوں کے خم و پیچ سے گلا ہی نہیں
الٹ دیتے ہیں بیک جنبشِ نگاہ لشکر
احد میں ابنِ قُمئہ ٹھہر سکا ہی نہیں
مرے وطن میں بھی لات و منات آپہنچے
انہیں خدا کے غضب کا ابھی پتا ہی نہیں
حضور ﷺ نے وہ کرم کر دیا کہ اہل وطن!
یہ سر خدا کے سوا پھر کہیں جھکا ہی نہیں
خدا کا قہر، رسالت مآب ﷺ کا غصہ
ڈرو کہ اس سے غضب ناک ابتلا ہی نہیں
پڑی ہے کان میں جب سے حدیثِ عشقِ رسول ﷺ
تو اس کے بعد کسی چیز میں مزا ہی نہیں
وہ بارگاہِ رسالت ﷺ کی حاضری کا نشہ
نصیب ہو تو پھر اس سے بڑا نشا ہی نہیں

☆

میں کٹ مروں گا ختمِ نبوت کے نام پر
شورشؔ ہے میرا عشقِ خدا داد، لازوال

☆

مجھے اندیشۂ شاہانِ دوراں ہو نہیں سکتا
کہ میں ہوں سرورِ کونین ﷺ کے مدحت گزاروں میں

☆

کچھ اس طرح کھلی ہے تخیّل کی شاہراہ
ہر اک خیال گوہرِ شاہوار ہوگیا

زورِ بیاں میں تازہ امنگوں کا ولولہ
افکارِ نو میں برق کی رفتار ہو گیا
بادہ کشانِ عشقِ پیمبر ﷺ نکل پڑے
اس صف میں جو بھی آ گیا سرشار ہو گیا

☆

محمد ﷺ کا پرچم اڑائے چلا جا
رسالت ﷺ کا ڈنکا بجائے چلا جا
اگر اپنی بخشش کی خواہش ہے شورشؔ
جبیں ان ﷺ کے در پر جھکائے چلا جا
ترے پاس اس کے سوا اور کیا ہے
پیامِ محمد ﷺ سنائے چلا جا
ترا آخرت میں وثیقہ یہی ہے
خدا کے لیے سر کٹائے چلا جا
خدا کے لیے سر کٹانے کا مطلب؟
نبی ﷺ کا پھریرا اڑائے چلا جا
فدایانِ شاہِ دو عالم کی راہ میں
عقیدت کے موتی لٹائے چلا جا
رسالت کی چوکھٹ پہ شاہِ امم ﷺ کو
پکارے چلا جا، بلائے چلا جا

☆

قرنِ اوّل کی روایت کے نگہدار ہیں ہم
اب بھی اس دور میں اسلام کی تلوار ہیں ہم

☆

ہم فقیرِ کج کلاہ کس دور میں پیدا ہوئے
جو خزف ریزے تھے کہلانے لگے عزت مآب
خسروانِ عہدِ حاضر کے مصاحب خوش رہیں
میں ہوں شورشؔ درگہِ میرِ امم ﷺ میں باریاب

☆

میری زبانِ کلک پہ تکبیرِ ذوالجلال
میں ہوں حضور خواجہ ﷺ کونین کا سفیر

شکرِ خدا کہ میں ہوں فقیر کفن بدوش
میری نظر میں ہیچ ہیں شورشؔ وزیر و میر

☆

مجھے ہے خواجۂ گیہاں ﷺ سے بے پناہ رغبت
انہی کا ورد ہے شورشؔ مری زباں کے لیے

☆

ظاہر و باطن مدینہ سے وفا کرتے رہو
کر رہا ہوں جانثارانِ پیمبر ﷺ سے خطاب
جس کسی نے بھی کیا ختمِ رسل ﷺ کا سامنا
اس کا تاریخی نوشتہ ہے جہنم کا عذاب
اس زمانے میں بھی اس کے جانشیں پیدا ہوئے
اسودِ عنسی پہ لعنت ہو خدا کی بے حساب
نام کیا رکھیں گے شاعر اس نئی افتاد کا
چاٹ کر نکلی ہے کر گس کی زباں خونِ عقاب
دخترِ رز کی آبرو پر مغبچوں کی چشمِ آز
صورتِ حالات پر پیرِ مغاں پا در رکاب

☆

لشکرِ طاغوت کے چھکے چھڑاتے جایئے
خدمتِ اسلام کے نقشے بناتے جایئے
خوفِ غیر اللہ کیا ہے؟ جاں کنی ایمان کی
چھوڑیئے ہر خوف، اُٹھیے، دندناتے جایئے
گنبدِ خضریٰ کا سایہ کام آئے گا ضرور
حضرتِ شورشؔ قدم آگے بڑھاتے جایئے

جس ذاتِ گرامی قدر ﷺ کی نگاہیں لطف و کرم کا پیغام ہوں اور جس کا پیغام حیاتِ ابدی کی کیف آفرینیوں کا حامل ہو، ایسی ذات سے قلبی لگاؤ کا ایمان بن جانا ایک فطری امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ درِ رسالت ﷺ سے عطا ہونے

والے لطف وکرم کی طلب ہر نگاہ کی آرزو رہی ہے اور اس نقشِ پا کی تمنا ہر مسافر کی منزل اور ہر منزل کی آبرو ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مکینوں کی عظمت سے مکان بھی محترم ہو جایا کرتے ہیں۔ نشانِ پا کی درخشانی راہوں کو بھی جبینِ شوق کی سجدہ گاہ بنا دیتی ہے۔ حسن، عشق کی آرزو بھی ہوتا ہے اور منزل و مقصود بھی جبکہ منزل کی کشش خود مسافر پیدا کرتی ہے۔ چراغ کی لو ہی پروانوں کو ذوقِ خود افروزی سکھایا کرتی ہے۔ اب طلب کا یہ سوز اور آرزو کی یہ آنچ شورشؔ کاشمیری کے ہاں دیکھیے:

''کاش میں اس ریوڑ میں ہوتا، جو حضور ﷺ چرایا کرتے تھے.... کاش! صدیقِ اکبرؓ کے ان قدموں کی چاپ ہوتا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غارِ ثور کی طرف گئے تھے..... کاش میں خلافتِ فاروقیؓ میں مجاہدین کے گھوڑوں کی گرد ہوتا.... کاش! میں عثمانؓ کے باغ کی جھاڑ ہوتا.... کاش میں کھجور کی وہ چھال ہوتا، جو علی مرتضیٰؓ کا تکیہ تھا..... وہ ریوڑ، وہ قدم، وہ گرد، وہ جھاڑ، وہ چھال کتنے بیش بہا تھے۔ مجھے اپنے انسان ہونے پر شرم آنے لگی۔ سوچ دائرے بننے لگی، خیالوں کا لاؤلشکر بندھ گیا۔ وہ تمام مقدس لوگ جو اس کمرہ کی آبرو اور ان مکانوں کا شرف تھے، میرے سامنے سے گزر گئے۔ اس طرح جیسے نور کی لکیر اندھیرے میں پھیل کر سن سے نکل جاتی ہے۔''

.....

''میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس زمانہ میں جا رہا تھا، جس زمانہ میں کائنات کا آخری نبی ﷺ اس راستہ سے گزرا تھا۔ پھر اس نے اور اس کے ہمراہیوں نے مکہ سے جاتے اور مکہ آتے ہوئے نور وظہور سے ان راستوں کو جگمگایا تھا۔ غارِ ثور سے نکل کر حضور ﷺ نے انہی راستوں کو مسافرت اور مہاجرت کا شرف بخشا تھا۔ وہ منزلیں، جو ابنِ سعد نے طبقات میں گنائی ہیں، ان کا نام رہ گیا ہے، نشان نہیں رہے، لازماً اسی راستے میں ہوں گی۔ ہر قدم انہی کا نقشِ پا ہے۔ یہ دھرتی اسی لیے تو ہیرے کی کنی معلوم ہوتی اور چاروں طرف یاقوت کا فرش بچھا ہوا نظر آتا ہے۔''

.....

''میرے پاس کچھ نہ تھا، ایک چنگاری تھی، جو سلگ کر شوق بن گئی تھی، جسارت کہہ لیجیے اور میں اس جسارت کے بل پر جا رہا تھا۔ کاش میں ان ذروں میں ہوتا، جو حضور ﷺ کے قدموں کو بوسہ دے رہے تھے۔ وہ لمحہ ہوتا جو اس عظیم مسافر کو درپیش تھا۔ سورج کی ان کرنوں میں سے کوئی کرن ہوتا، جو اس سفر میں ان کے پاؤں پر آنکھیں بچھاتی رہی ہیں اور یہ تھا میری سوچ کا محور۔''

.....

اگر ام القریٰ میں خالقِ کونین نے شورشؔ
بہ عہدِ احمدِ مرسل ﷺ مجھے پیدا کیا ہوتا
حرا کی خاک میں تحلیل مرے جسم و جاں ہوتے
محمد ﷺ کا مری لوحِ جبیں پر نقشِ پا ہوتا
قدومِ سرورِ کونین ﷺ کی عظمت کے صدقہ میں
میں خاکِ رہ گزر ہوتا تو پھر بھی کیمیا ہوتا

اِدھر کونین ہوتے آمنہ کے لال ﷺ پر قرباں
اُدھر حدِ نگہ تک جلوۂ خیر الوریٰ ﷺ ہوتا
بہر عنوان دربارِ رسالت ﷺ پر نظر رہتی
کبھی ان ﷺ پر، کبھی ان ﷺ کے غلاموں پر فدا ہوتا
بہ فیضِ التفاتِ حضرتِ حسانؓ بن ثابت
رسول اللہ ﷺ کے دربار میں مدحت سرا ہوتا
شہنشاہوں کے تخت و تاج میرے پاؤں میں ہوتے
مرا سر سید الکونین ﷺ کے در پر جھکا ہوتا
خداوندانِ دولت کے گریباں پھاڑ دیتا میں
محمد ﷺ کی قسم قرآں کے پرچم گاڑ دیتا میں

☆

قلم کا بانکپن لے کر، زباں کا ہمہمہ لے کر
یہ خواہش ہے رسول اللہ ﷺ کے دربار تک پہنچوں
مدینہ ہو مرے افکارِ گوہر بار کا مرکز
بہ فرمانِ نیاز و ناز کوئے یار تک پہنچوں
الٹ ڈالوں بیک جنبش بساطِ کہنہ و نو کو
زمیں کا رنگ بدلوں، چرخِ کج رفتار تک پہنچوں
جنوں کہتا ہے تیرا منتہیٰ ہے گنبدِ خضریٰ
عقیدت کا تقاضا ہے کہ اس دربار تک پہنچوں
''نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و با یزیدؒ اینجا''
کہاں ہمت کہ ان کے سایۂ دیوار تک پہنچوں
''ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر''
میں پہنچوں بھی تو کیونکر سید الابرار ﷺ تک پہنچوں
یہ منزل ہی کچھ ایسی ہے کہ اس خواہش میں جیتا ہوں
شہِ کون و مکاں ﷺ کے کوچہ و بازار تک پہنچوں

☆

دعا ہے مہرِ عالمتاب ﷺ کی تنویر ہو جاؤں
دعا ہے گم شدہ اسلاف کی تصویر ہو جاؤں

دعا ہے اس فضا میں نعرۂ تکبیر ہو جاؤں
دعا ہے حیدرؓ کرار کی شمشیر ہو جاؤں

☆

مجھے بدر و احد کا واسطہ، جذبِ دروں دے دے
مرے زورِ خطابت کو صحابہؓ کا فسوں دے دے
مجھے اذنِ حضوری بخش دے، ذوقِ جنوں دے دے
مجھے اسلام کی خاطر بہ ایں صورت سکوں دے دے

☆

پریشاں حال ہوں مولائے یثرب ﷺ چارہ سازی کر
زمانہ مقتضی ہے رہزنوں کو راہ بر لکھوں
بس اتنی آرزو ہے عمر کی اس آخری رو میں
خدا توفیق دے میں سیرتِ خیر البشر ﷺ لکھوں

☆

جی چاہتا ہے نعتِ پیمبر ﷺ لکھا کروں
جب تک جیوں رسول ﷺ خدا کی ثنا کروں
اب یہ دعا ہے گنبدِ خضریٰ کے آس پاس
شاہِ امم ﷺ سے عرضِ تمنا کیا کروں
قیدِ حیات، ذوقِ طلب، قصۂ وصال
دنیا کی تہمتیں ہیں انہیں لے کے کیا کروں
یہ جرم مجھ فقیر سے ہوگا نہ دوستو
اربابِ اختیار کی مدح و ثنا کروں
اس آرزو کے بعد کوئی آرزو نہیں
شورشؔ خدا کے خوف سے دل آشنا کروں

☆

عید ہے دینِ پیمبر ﷺ کے نگہبانوں کی عید
اک خدا کے ماننے والے مسلمانوں کی عید
جن کے دل میں ہے فروزاں عشقِ ناموسِ رسول ﷺ
لشکرِ دینِ ہدیٰ کے ان حُدی خوانوں کی عید

جن کے بل بوتے پہ تھا خیر الامم ﷺ کا ہمہمہ
اب کہاں اس دور میں ان چاک دامانوں کی عید
لرزہ براندام تھے جن سے کبھی دشت و جبل
خواب ہو کر رہ گئی ان سوختہ جانوں کی عید
سرورِ عالم ﷺ کی عزت کا پھریرا تھام کر
ہوگئی دو آتشہ بطحا کے مستانوں کے عید
ناز کرتے ہیں ہلالِ عید پر اہلِ زباں
ذہن کی رفعت کا طغریٰ ہے زباں دانوں کی عید
رنگ لائے گی کبھی تو عرصۂ کونین میں
خواجۂ کونین ﷺ کی چوکھٹ کے دربانوں کی عید

☆

اپنے خدا سے مانگ محمد ﷺ سے انتساب
ان ﷺ کے حضور عشق کے دیپک جلائے جا
آئے گی موت واقعتہً ایک دن ضرور
پھر موت کیا ہے، کچھ نہیں، غیرت دکھائے جا
ناموسِ مصطفیٰ ﷺ کا تقاضا ہے ان دنوں
مہر و وفا کے نام پہ گردن کٹائے جا
اسلام سے دغا کا نتیجہ ہے خود کشی
اس پُر فریب دور کے چھلّے چھڑائے جا
شورشؔ قلم کی خارہ شگافی کے زور پر
نسلِ نوی کو خوابِ گراں سے جگائے جا

☆

خواجہ ﷺ کون و مکاں کے نقشِ پا کو چوم کر
اپنی ہر تحریک میں ان ﷺ سے لگن پیدا کرو
داستانِ کربلا کے نام لیوا ہیں کہاں
ان سے کہتا ہوں لہو دے کر چمن پیدا کرو
جہد و استقلال کی تاریخ دہرائے ہوئے
اک زمانہ ہوگیا، دارورسن پیدا کرو

☆

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے ایمان کی اولین شرط ہے۔ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسلمان کے لیے محبوب ترین وجود نہیں بن جاتے، اس وقت تک ایمان کے بول خوبصورت الفاظ کا مجموعہ تو ہو سکتے ہیں، حقیقت نہیں بن سکتے۔ حبِ رسول ﷺ، نام ہے اطاعتِ رسول ﷺ کا۔ ان ﷺ کی یاد، جب دل کی دھڑکن بن جائے اور ان ﷺ کا اسوہ، زندگی کی شاہراہ تو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور وحدانیت کا نقش پختہ ہو جاتا ہے اور یہی پختگی دل کو کائنات سے بے نیاز کر دیا کرتی ہے۔ اسی خوفِ خدا کا نتیجہ، ہر خوف سے بے خوف ہو جانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد کو دل میں بسانے والے، تاج وتخت کی رعونتوں، زر و مال کی دلآویزیوں اور مجاز کی کیف آفرینیوں کو جنسِ کاسد سے زیادہ وقیع نہیں سمجھتے۔ وہ اس متاعِ غرور کا سودا نہیں کرتے بلکہ سر بیچ کر متاعِ دل و جاں خریدنے کی سعی کرتے ہیں۔

شورش کا دل، حبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور ہے۔ انہیں اس عطا پر بجا طور پر ناز ہے۔ محبت کی اس سرشاری نے انہیں جرأت و ایثار کے جو ولولے عطا کیے ہیں، ان کا وہ جا بجا اعلان کرتے ہیں۔ مگر اسی ایک حوالے سے جس کی لگن کے بغیر مسلمان مٹی کا ڈھیر ہے۔ جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال کے الفاظ میں:

''شورش کے دل کی پرورش کن عناصر نے کی؟ عشقِ رسول ﷺ، اللہ پر ایمان اور اسلام کی ہدایت پر یقین۔ حساس دلوں کی پرورش کے لیے عشقِ رسول ﷺ بڑا اہم عنصر ہے، کیونکہ جسے یہ نعمت میسر ہو، وہ صحیح معنوں میں اللہ پر ایمان اور اسلام کی ہدایت پر یقین رکھنے لگتا ہے۔''

خدا کے خوف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اظہار شورش کاشمیری کے قلم سے دیکھیے کہ اس میں فخر و ناز، عجز و انکسار سے ہم آہنگ ہو کر رجز کے سانچے میں ڈھل گیا ہے:

''سورج سب پر چمکتا ہے۔ وہ گنہگار اور پرہیزگار نہیں دیکھتا۔ اسی طرح عشق کا سورج اس گنہگار پر بھی چمکا ہے۔ میرے چمنِ خیال میں جو کچھ تھا، سورج کی اس روشنی نے تحریر کی شاخوں پر کھلا دیا ہے۔ میں علم کا ہمہمہ لے کر حاضر نہیں ہوا کہ اس سے میرے جیب و داماں خالی ہیں۔ میرے پاس عشق تھا۔ یہ اس کی صدا ہے۔ مجذوب کہہ لیجیے یا قلندر، ظاہر ہے کہ مجذوب و قلندر نیاز سے زیادہ ناز کرتے ہیں اور یہ روداد، نیاز و ناز ہی کا آمیختہ ہے۔''

.....

''ہم بہت دیر تک جبلِ رحمت پر بیٹھے رہے۔ عشق یہاں آدابِ خود آگاہی سکھاتا ہے اور عقل سر نہیوڑائے، الٹے پاؤں چلتی جاتی ہے۔ عقل اس میدان کی چیز نہیں۔ یہ عشق کا میدان ہے۔ یہاں وہی لوگ موتی چن سکتے ہیں، جن کے شیشے صاف ہوں اور کشکول غیور۔ وہ لوگ یہاں کچھ نہیں پا سکتے، جن کے دلوں پر قدرت نے مہریں لگا دی ہیں۔ جو حسن کو منطق میں تولتے اور عشق کو عقل سے ماپتے ہیں۔''

.....

''شفیع المذنبین ﷺ کی چوکھٹ پر جا رہے ہو لیکن ذرا رک جاؤ۔ وہ ٹکڑا جہاں حضور ﷺ آرام فرما رہے ہیں، بالاتفاق تمام کائنات سے افضل و برتر ہے۔ ساری کائنات مل کر بھی اس ٹکڑے کے برابر نہیں۔ تم کیا ہو؟ تمام کائنات کے روسیاہوں میں سرِ فہرست! کہاں اس گھر کی عالم پناہی اور کہاں ذرۂ حقیر کی روسیاہی؟ کہاں حضور ﷺ کا آستانۂ قدس، کہاں ننگِ خلائق کی جبینِ حقیر؟ کہاں عرش پر جانے والا احسن و اکمل، کہاں فرش پر رہنے والوں میں ارزال و اسفل:۔

نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بہ سگِ کوئے تو شُد بے ادبی''

''میری حالت یہ تھی کہ پاگلوں کی طرح پھرتا۔ جذب وسلوک کے معاملات عجیب ہیں۔ فقر وتصوف کی رمزوں سے آشنا نہیں اور نہ یہ دولت ہر شخص کو ملتی ہے اور نہ ہماں شماں ان راستوں سے گزر سکتے ہیں۔ ان منزلوں کو وہی لوگ قطع کرتے ہیں جو نفس کو مارتے اور تجلیاتِ عشق میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ میں اس انسان کی طرح تھا جو حسرتِ تعمیر کے سوا کچھ نہیں رکھتا یا اس بڑھیا کی طرح تھا، جو سوت کی انٹی لے کر یوسفؑ کی خریداری کو نکلی تھی۔ میرے اندر کے ولولے اتنے از خود رفتہ ہو گئے تھے کہ دیوانگی نے فرزانگی کو شہ مات دے کر مجھے جذبِ دروں بخشا اور لذتِ جنوں سے مالا مال کر دیا تھا۔''

.....

کاٹی ہے قید ختمِ نبوت کے عشق میں
اس آرزو میں میرِ امم ﷺ آ رہا ہوں میں
آقا ﷺ! ہماری لاج ہے اب آپ ﷺ ہی کے ہاتھ
واللّیل والضّحیٰ کی قسم کھا رہا ہوں میں
جن کے دلوں سے شرمِ پیمبر ﷺ چلی گئی
ان عالمانِ دین سے کترا رہا ہوں میں
شورشؔ! اسی کا نام ہے فیضانِ مصطفیٰ ﷺ
لوہا قلم کے زور کا منوا رہا ہوں میں

☆

میرِ امم ﷺ کی ذات سے رکھتا ہوں اختصاص
احقر کو بخشوائیں گے محشر میں بالیقیں
جاؤں گا بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں
سجدہ گہِ جہاں ہے پیمبر ﷺ کی سر زمیں

☆

جب قلم نعتِ پیمبر ﷺ میں رواں ہوتا ہے
اپنی بخشش کا سرِ حشر گماں ہوتا ہے
ان ﷺ کی تعریف و ثنا پر نہیں انساں قادر
ان ﷺ کے اوصاف کا اظہار کہاں ہوتا ہے
جھوم اٹھتی ہے وہاں رحمتِ یزداں شورشؔ
ذکر، سرورِ عالم ﷺ کا جہاں ہوتا ہے

☆

اونٹوں کے چرانے والوں نے اس شخص کی صحبت میں رہ کر
قیصر کے تخت کو روندا، کسریٰ کا گریباں چاک کیا
ہم ایسے فقیروں کی زد میں دولت بھی رہی، حشمت بھی رہی
اس در سے ہمیں جب نسبت ہے، دارا و سکندر چیز ہیں کیا

☆

پاؤں کی ٹھوکر پہ رکھتا ہوں جلالِ خسروی
میرے آقا ﷺ میرے مولا ﷺ، رحمت للعالمین ﷺ

☆

اس پیمبر ﷺ پہ شب و روز درود اور سلام
جس نے بالا کیا ہر دور کے انسانوں کو
تا ابد جس نے زمانے کو سیادت بخشی
عشق کی راہِ جہاں تاب کے دیوانوں کو
جس کی طاعت سے فزوں تر کوئی طاعت ہی نہیں
جانچ کر دیکھ لیا عشق کے پیمانوں کو
کیا سمجھتے ہیں نبوت کے حریفانِ قدیم
ہم تہی دست فقیروں کے گریبانوں کو

☆

ہم ہیں حضور ﷺ سرورِ کونین کے غلام
یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

☆

ہم سے قلندروں کا بگاڑے گا کوئی کیا
ہم ہیں رسولِ پاک ﷺ کی دہلیز کے فقیر

☆

حضور سرورِ کونین ﷺ کی رضا جوئی
عزیز ہے تو کسی مصلحت سے کام نہ لو
چلو تو میرِ امم ﷺ کا علم اٹھا کے چلو
خلافِ دیں کسی مصلحت سے کام نہ لو

☆

میں تہی ساماں غلامِ سیدِ ابرار ﷺ ہوں
میں احد کے شہسواروں کی اُپی تلوار ہوں
ہر غلط بنیاد کو مسمار کرتا جاؤں گا
خواجۂ ﷺ گیہاں کی عظمت کا علم لہراؤں گا

☆

ربِ کعبہ کی قسم ہر دور کا جاہ و جلال
خواجہ ﷺ کونین کے ناموس پر قربان ہے
میں کسی مجہول طاقت سے کبھی ڈرتا نہیں
حرزِ جاں کر لیجیے، اقرار ہے، اعلان ہے

☆

میرا قلم ہے عشقِ پیمبر ﷺ سے بہرہ مند
میں ہوں خدا کے دین کی غیرت سے مالا مال
جانا ہے مجھ کو سرورِ ﷺ کونین کے حضور
بطحا سے میرے دل کا تعلق ہے لازوال
انفاسِ مصطفےٰ ﷺ سے معطر ہے آج کل
مکہ کا پتّا پتّا، مدینہ کی ڈال ڈال

☆

پرچم اسلام کے مانند لہراتا ہوں میں
خواجۂ ﷺ کونین پر قربان ہو جاتا ہوں میں

☆

عرصۂ جنگاہ سے منہ موڑنا ممکن نہیں
خواجہ ﷺ گیہاں کا دامن چھوڑنا ممکن نہیں
قید کر سکتے ہو تم، مجھ کو مٹا سکتے نہیں
گردنِ عشقِ پیمبر ﷺ کو جھکا سکتے نہیں
دلدادگانِ شوق کی رفتار روک لو
کلک و زباں کی جرأتِ گفتار روک لو
ناموسِ مصطفےٰ ﷺ سے ارادت کے ولولے
آواز دے رہے ہیں، جہاں دار، روک لو

نسلِ نوی میں خواجۂ ﷺ کونین کے حضور
پیدا ہوئے ہیں عشق کے آثار روک لو
ہم سر بکف، پیمبرِ ﷺ دوراں کے ہیں غلام
کیوں کر رکے گی گرمیٔ بازار روک لو
جی میں سما چکی ہے شہادت کی آرزو
ہم ہیں نبی ﷺ کے غاشیہ بردار، روک لو
مانع ہے کوئی خوف، غلط ہے، محال ہے
ہم سرفراز ہوں گے سرِ دار، روک لو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کسی بھی شکل میں ہو، ہمارے لیے وجۂ افتخار ہے۔ ہماری تحریریں اور تقریریں اپنی تمام تر وجاہتوں اور عظمتوں کے باوجود بارگاہِ رسالت ﷺ کی رفعتوں میں کوئی سا اضافہ بھی نہیں کرسکتیں۔ اس ذکر سے تو ہم اپنے ہی وجود کو بلند و بالا کرتے ہیں۔ رفعتِ ذکرِ رسول ﷺ کے دوام و قیام کی ذمہ داری تو خدائے بلند و برتر نے لے رکھی ہے، ہم تو نعت کہہ کر یا سیرت لکھ کر محض یہ ثابت کرتے ہیں کہ ہم ذرّے ہیں، مگر ہمیں اسی آفتاب نے چمکا رکھا ہے یا پھر اس بات کا اعلان کہ ہماری نگاہ اجلی ہے، دھندلی نہیں، کیونکہ ''مادحِ خورشید، مدّاحِ خود'' ہوا کرتا ہے۔ شورش کاشمیری اپنے افتخار کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک انسان کو جو افتخار اور مسرت حاصل ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ الفاظ میں اس کا احاطہ نہیں ہوسکتا۔ جس ذاتِ اقدس ﷺ کی تعریف و ثنا خود ربِ ذوالجلال نے کی ہو، کلام اللہ جس کے اوصاف و محاسن پر بولتا ہو، فرشتے صبح و شام جس پر درود بھیجتے ہوں اور جس کا نام لے لے کر ہر دور میں ہزاروں انسان زندگی کے مختلف گوشوں میں زندۂ جاوید ہوگئے ہوں، اس رحمت للعالمین ﷺ کے بارے میں کوئی شخص اپنے قلم و زبان کی تمام فصاحتیں اور بلاغتیں بھی یکجا کرلے اور ممکن ہو تو آفتاب کے اوراق پر کرنوں کے الفاظ سے مدح و ثنا کی عبارتیں بھی لکھتا رہے، یا ماہتاب کی لوح پر ستاروں سے عقیدت و ارادت کے نگینے جڑتا رہے ـــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو کسی بھی انسانی سند کی ضرورت نہیں۔''

.....

''حقیقت یہ ہے کہ سرورِ کائنات کے ذکر سے انسان اپنے ہی لیے کچھ حاصل کرتا ہے۔ جس نسبت سے تعلقِ خاطر ہوگا، اسی نسبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ایک ایسی متاع بنتا چلا جائے گا کہ زبان و بیان کی دنیا اس کی تصویریں بنا ہی نہیں سکتی ہے۔''

.....

''میں یہی محسوس کرتا ہوں کہ جب بھی مجھے اس موضوع پر بولنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، میں نے اپنے نفس کو علو پایا اور اپنے خون میں اس کی گردش کے ساتھ ایک لطافت محسوس کی، جو بیان نہیں ہوسکتی۔ لیکن محسوس ضرور ہوتی ہے

اور جب محسوس ہوتی ہے تو دل و دماغ کی کائنات مختلف ہوتی ہے، جس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو علم کے بجائے عشق اور عقل کے بجائے آرزو کی لذتوں سے آشنا ہیں۔''

.....

''جن لوگوں نے اور ان کی تعداد لامحدود ہے جس جس واسطہ سے سردارِ انبیا ﷺ کے دربار میں حاضری دی، وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے اپنے دل و دماغ یا روح و نظر کا نذرانہ پیش کرتے وقت اس دربار کی رونق میں کوئی اضافہ کیا ہے۔ اس نہج پر سوچنا بھی سوءِ ادب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ظہورِ قدسی سے لے کر اب تک بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہونے والا ہر شخص اپنے ہی مقام و مرتبہ کی تعمیر و تشکیل کرتا رہا ہے۔''

.....

آغا شورشؔ کاشمیری کے یہ نعتیہ اقتباسِ نظم و نثر اس امر کی دلیل ہیں کہ ان کا دل جذب و جنوں کی آنچ سے پُرسوز اور زبان شوق و ارادت کی لَو سے مستنیر تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کی عقیدت چونکہ خداداد تھی اس لیے لازوال تھی۔ گو ان کی زندگی سیاسی نشیب و فراز کی بے کیفیوں سے عبارت تھی، مگر حالات کی کوئی سی کروٹ، وقت کی کوئی سی سنگینی اور زمانے کی کوئی سی گردش بھی ان کے اس قلبی تعلق کو مدھم نہیں کر سکی۔ بلکہ اس سلسلے میں ہر مخالفانہ یورش ان کے ادب کو چمکاتی اور ان کی خطابت کو بھڑکاتی رہی۔ وہ اس میدان میں تیغِ بے نیام تھے۔ ہر مصلحت سے بے نیاز، ہر خوف سے بے خوف اور ہر آزمائش سے دوبدو۔ مولا کریم نے انہیں شاعرانہ، ادیبانہ اور خطیبانہ صلاحیتیں بخشی تھیں۔ انہوں نے ناموسِ رسالت ﷺ کے تحفظ کے لیے ان صلاحیتوں سے بھرپور کام لیا۔ وہ خود تو قبر کی گہرائی اور تنہائی میں اُتر گئے، مگر ان کی زبان و قلم کے یہ نقوش، ادب کی ایک متاعِ گراں مایہ ہونے کے ساتھ ساتھ محبت و غیرت کا ایک دل آویز اظہار ہیں۔ اسلام پر ایمان اس وقت تک رنگ و نور کا سرچشمہ نہیں بن سکتا، جب تک دل داعیٔ اسلام ﷺ کی محبت سے لبریز نہ ہو اور یہ محبت اس وقت تک عشق و جنوں میں نہیں ڈھل سکتی، جب تک غیرت، ہر مخالف سوچ کو حقارت سے ٹھکرا نہ دے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت سے ایمان کا اظہار ہوتا ہے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔

شورشؔ کاشمیری کے دل میں سرورِ کونین ﷺ کی محبت بھی تھی اور دین کے لیے غیرت کا جذبہ بھی۔ چنانچہ وہ اسلام اور ہادیٔ اسلام ﷺ کے خلاف کسی اشارۂ ابرو کو بھی گوارا کرنے کے روادار نہیں تھے۔ اگر اس برصغیر میں ابوالکلام آزادؔ دین کی زبان، اقبالؔ دین کے ترجمان اور ظفر علی خاں دین کے حدی خوان تھے، تو عطاء اللہ شاہ بخاری دین کی للکار اور شورشؔ کاشمیری نعرۂ پیکار تھے۔ غیرت و حمیت نے اگر شورشؔ کے لب و لہجے کو تلوار کی کاٹ بخشی تھی تو محبت و ارادت نے ان کی نعت کو دودھ کی لطافت اور شہد کی حلاوت عطا کی تھی.... اور بسا اوقات یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے فطرت نے دودھ اور شہد کو ملا کر جامِ زمردیں میں ڈال دیا ہو۔ جہاں تک ان کے قلم کی عصمت، فکر کے تقدس اور اظہار کی عظمت کا تعلق ہے، اس کے لیے اس واقعہ کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

شورشؔ کاشمیری حجرِ اسود کو چومتے ہیں اور اس قدر از خود رفتہ ہو جاتے ہیں کہ الفاظ دیوانگی کی اس فرزانگی کو بیان ہی نہیں کر سکتے۔ ان کے اپنے الفاظ میں:

''حجرِ اسود کو چومتا، بار بار چومتا، کتنا خوش قسمت ہے یہ پتھر کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹ اس کو چومتے رہے اور صحابہؓ نے ان ﷺ کے بوسے کو بوسے دیئے ہیں۔ میں بار بار چومتا، پورے دائرے کو بوسے دیتا۔ اس دائرے میں شاید یہی وہ جگہ ہو، جس میں حضور ﷺ نے ہونٹ رکھے تھے۔ اپنا سر اور ٹوپی اس پر پھراتا۔ پورے چہرے کو اس سے مَلتا۔ کوئی ذرہ تو ہوگا جس کو حضور ﷺ نے چوما ہو اور ان ﷺ کے لبوں کی عظمت میرے لبوں تک آئی ہو۔ یہ سب فیض انہی کا ہے۔ میں کیا اور میری بساط کیا؟ آج تک وہ انسان پیدا نہیں ہوا جس نے میری زبان کے کسی کلمہ کو خریدنے کی جسارت کی ہو۔ یہ سب اس درِ یتیم کا فیض ہے، جس نے اونٹوں کو چرانے والوں کی تقدیریں پلٹ دی تھیں۔ اس شخص کے ہونٹوں پر فالج گرنا چاہیے۔ جو حجرِ اسود (بوسہ گاہِ پیغمبر ﷺ) کو چومنے کے بعد ان پر بکواس الفاظ لانے کا حوصلہ کرتا ہے۔''

زبان و قلم کی عصمت کا کتنا بڑا دعویٰ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا کتنا بڑا اعترافِ احسان، کہ اس نے ایک عاجز انسان کو قرطاس و قلم اور اظہار و بیان کی فصاحتیں بھی بخشیں، نور و ظلمت کا امتیاز بھی عطا کیا اور حق گوئی کے طنطنے کے ساتھ ساتھ حق کے لیے سر کٹانے کا حوصلہ بھی دیا اور یہ عظمت محبّ کا فخر نہیں، کلیتہً محبوب کی عطا ہے۔

ماخذ

۱۔ شب جائے کہ من بودم، شورش کاشمیری
۲۔ تحریکِ ختم نبوت، شورش کاشمیری
۳۔ خاتم النّبیین ﷺ، مولانا قاری محمد طیب
۴۔ گفتنی و ناگفتنی، شورش کاشمیری
۵۔ ہفت روزہ چٹان، متعدد شمارے
۶۔ کیفیات، زکی کیفی
۷۔ روزنامہ نوائے وقت، ۲۵ اکتوبر، یکم نومبر ۱۹۸۵ء
۸۔ تفہیم القرآن، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
۹۔ شام و سحر، نعت نمبر
۱۰۔ صلی اللہ علیہ وسلم، رازؔ کاشمیری
۱۱۔ نگارشاتِ شورش، محمد اقبال جاوید

(۱۹۸۶ء)

☆

نظیر لدھیانوی اور اُن کی نعت شناسی

عہدِ حاضر میں جیسے جیسے تعلیم عام ہو رہی ہے، ویسے ویسے تربیت ختم ہوتی جا رہی ہے اور تربیت کے بغیر تعلیم ایک لفظ ہے بے معنی اور ایک جسم ہے بے روح۔ آج معلومات بڑھ رہی ہیں اور علم گھٹ رہا ہے۔ ذہن تیز اور دل تاریک ہوتے جا رہے ہیں، چہرے روشن ہیں اور اندروں چنگیز سے تاریک تر:

سوچو تو سلوٹوں سے بھری ہے تمام روح
دیکھو تو اک شکن بھی نہیں ہے لباس میں

آج کا کم سن بچہ بھی وجہ و دلیل کے بغیر باپ کی بات نہیں مانتا۔ وہ ''علم'' نایاب ہو گیا ہے جو بلا چون و چرا باپ کی چھری کے نیچے گردن رکھ دیتا تھا۔ عیاں ہے کہ جوہرِ علم کا تعلق درس گاہوں سے کہیں زیادہ دل والوں کی نگاہوں سے ہے:

زندگی دے رہے ہیں آنکھوں سے
کیا سلیقہ ہے بھیک دینے کا!

حق یہ ہے کہ ''علم'' سے بصارت کو بصیرت نصیب ہوتی ہے، ذہن اور دل میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ شعور میں بیداری ابھرتی ہے۔ خود شناسی، خدا شناسی کے اسرار بتاتی ہے۔ زندگی کا سراغ ملتا ہے، راستے روشن اور منزل واضح ہو جاتی ہے۔ سوچ میں سچائی اور بات میں دانائی آتی ہے اور اندھیرے اجالوں میں بدل جاتے ہیں کہ علم اللہ کا نور ہے اور یہ نور اللہ ہی کی طرف سے عطا ہوا کرتا ہے۔ رسالت مآب ﷺ کی زبانِ صدق اظہار نے علم کو دلوں کی روشنی اور نگاہوں کا نور قرار دیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ''علم دو طرح کا ہوتا ہے، ایک علم تو وہ ہے جو زبان سے گزر کر دل میں جگہ پکڑتا ہے یہی علم قیامت میں کام آئے گا اور ایک علم وہ ہے جو صرف زبان پر رہتا ہے دل تک نہیں پہنچتا، یہ علم اللہ تعالیٰ کی عدالت میں آدمی کے خلاف حجت اور دلیل بنے گا'' اور یہ بھی سمجھایا کہ ''علم'' عمل کو آواز دیتا ہے، وہ جواب دے تو ٹھہر جاتا ہے ورنہ کوچ کر جاتا ہے۔ اقبالؒ عہدِ حاضر کی اسی ''علمی لاعلمی'' کی طرف اشارہ کر رہا ہے:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

☆

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

یہ تمہید قلم سے بے ساختہ اس لیے نکل گئی کہ میں دورِ حاضر کی نعت گوئی کے بارے میں، دورِ حاضر ہی کے ایک عظیم نعت شناس پروفیسر ڈاکٹر محمد ابوالخیر کشفیؒ کے چند جملے بطور حوالہ محفوظ کرنا چاہتا تھا جو مولانا سید محمود احمد برکاتی کے بارے میں ایک خاکہ (مطبوعہ ''تعمیرِ افکار'' کراچی، جنوری، فروری ۲۰۰۹ء) لکھتے ہوئے ان کے قلم سے بے ساختہ نکل گئے تھے:

''شعر وادب کے بغیر آدمی، انسان نہیں بنتا، شعر ہماری شخصیت کے وحشی گوشوں کو تراش کر انھیں تہذیب سے آشنا کرتا ہے۔ شعر علم سے وسعت اور توانائی حاصل کرتا ہے۔ علم کے بغیر شعر کی جو حالت ہوتی ہے، اس کا اندازہ آج کی نعتیہ شاعری سے ہوسکتا ہے۔''

ماضی میں علم سے بہرہ ور شاعر مشک وگلاب سے وضو کر کے، نعت کے لیے قلم اٹھاتے تھے مگر لرز لرز کر رہ جاتے تھے کہ انھیں مالک اور ملائک کے ارمغانِ درود وسلام کے بعد عجزِ بیان ہی بہترین بیان نظر آتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس دور میں نعتیں تو خال خال ملتی ہیں مگر نعتیہ دیوان ڈھونڈنا پڑتے ہیں، جب کہ علم کے بغیر نعت گوئی کے اِس دور میں غزلیں دھڑا دھڑ نعتیں بن رہی اور نعتیہ مجموعے اس کثرت سے منصۂ شہود پر آرہے ہیں کہ خامہ انگشت بہ دنداں اور ناطقہ سر بہ گریباں ہے کہ لوگ کیسے بے دھڑک اور بے جھجک تلوار کی دھار پر رواں دواں ہیں۔ نعت گوئی کی دوڑ میں شریک نسلِ نو کو کون سمجھائے کہ کم لکھنا چاہیے مگر کام کا لکھنا چاہیے، کون بتائے کہ علم سے تہی، نعت گوئی سے کہیں بہتر ہے کہ بیدلؔ کے اس مشورے پر عمل کر لیا جائے جو وہ سال ہا سال پہلے دے چکا ہے۔

زلافِ حمد و نعت اولیٰ است بر خاکِ ادب خفتن
سجودی می تواں بردن، درودی می تواں گفتن

گویا اللہ تعالیٰ کے حضور میں خلوصِ دل سے ایک سجدہ اور مواجہہ شریف پر ایک ''نفس گم کردہ'' حاضری، حمدیہ اور نعتیہ مجموعوں کے اجتماع سے کہیں انسب ہے۔

جناب نظیرؔ لدھیانوی کا تعلق ماضی کے اس دور سے تھا جس میں شعرائے کرام علمی صلاحیتوں، شعری رفعتوں اور قلبی نظافتوں کے باوصف، نعت کہنے سے لرزتے تھے کہ انھیں نبیٔ پاک ﷺ کی ثنا کرتے ہوئے، ہر تشبیہ، آپ کی ذاتِ اقدس سے فروتر نظر آتی تھی، اوصاف کے اعتبار سے مشبہ بہ مشبہ سے برتر ہونا چاہیے مگر نعت میں ہر مشبہ بہ مشبہ کی اجمل، اکمل اور احسن ذاتِ پاک کے مقابل انتہائی کم تر نظر آتا ہے کہ مشبہ، انسانیت کی معراج ہے اور اسی معراج کے بعد الوہیت کی حد شروع ہو جاتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ بھی بے مثال ہیں اور ان کے بعد، ان کے نبی ﷺ بھی بے عدیل ہیں، دونوں کی توصیف کے لیے تشبیہات واستعارات کا پورا ذخیرہ عاجز اور قاصر ہے۔ ویسے بھی ایک بشر، خیر البشر ﷺ کی تعریف کر ہی نہیں کرسکتا اس کے لیے انتہائی مشکل ہے کہ وہ مقامِ الوہیت کی رفعتوں اور مقامِ رسالت کی نزاکتوں کی کما حقہٗ تفہیم وتحسین کر سکے:

کتنا مشکل ہے فاصلہ رکھنا
نعت کو حمد سے جدا رکھنا

نظیرؔ لدھیانوی، غزل اور نظم کے خوب صورت شاعر تھے۔ وہ پُر گو بھی تھے اور بدیہہ گو بھی۔ انہوں نے نعتیں ضرور کہیں مگر کم، بہ مشکل ایک مختصر سا مجموعہ ''آفتابِ حرا'' جو ۱۹۸۸ء میں طبع ہوا۔ یہ مجموعہ ''کیفیت'' کے اعتبار سے اس قدر

معتبر ہے کہ جناب پروفیسر مرزا محمد منورؒ ایسی صاحبِ دل اور صاحبِ نظر شخصیت نے اس کی بھرپور انداز میں تحسین کی ہے۔ نعت نگاری کے بارے میں مرزا محمد منور کی یہ تحریر ''ادبی تبرک'' کی حیثیت رکھتی ہے۔

''حضرت اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی ہماری ملت کے نام ور اور بلند مقام شعرائے معمرین میں سے ہیں۔ میں کہ تین ماہ تک ان شاءاللہ پینسٹھ برس کا ہو جاؤں گا۔ لڑکپن سے ان کا کلام دیکھ رہا ہوں۔ برعظیم کے کئی موقر جرائد و مجلّات میں نظیر لدھیانوی صاحب کی غزلیں نظر نواز ہوتی رہیں۔ میرا خیال ہے کہ انھوں نے کوئی ساٹھ برس تو ضرور شاعری فرمائی ہوگی۔

میں حضرت لدھیانوی کو غزل ہی کے حوالے سے جانتا ہوں گو یہ نہیں جانتا کہ انھوں نے زندگی بھر میں جتنی غزلیں ارشاد فرمائیں وہ ساری جمع کیں بھی یا نہیں، اگر وہ ساری جمع ہوں تو کئی مجموعے بنیں، حضرت نظیر لدھیانوی نے جان دار غزل کہی ہے۔ وہ قادر الکلام ہیں۔ فارسی شاعری کی روایت سے بخوبی آگاہ ہیں اور شاعری کا ماضی و حال بھی ان کے سامنے ہے۔ لہٰذا ادب کے بحرِ ژخار میں غوطہ زن ہو کر آب دار موتی نکالے ہیں، فکری اور خصوصاً فنی اعتبار سے ان کی غزل کو وہ غزل قرار دیا جا سکتا ہے جسے پنجابی میں ''ٹھوکویں'' کہتے ہیں۔

نعت گوئی کارِ دشوار ہے، جو سہولت اور بے تکلفی غزل اور بعض دیگر اصنافِ سخن میں میسر ہوتی ہے، وہ نعت میں دسترس سے دور ہو جاتی ہے۔ الفاظ کا ذخیرہ تو وہی ہوتا ہے مگر نعت گوئی کے لیے مناسب اور موزوں الفاظ ملنا مشکل ہو جاتے ہیں، نتیجہ یہ کہ حدودِ نعت سے باہر جولانیٔ گفتار فصاحتِ طرار کے جلوے دکھانے والے گنگ ہو کر رہ جاتے ہیں، اسی الفبا (الف با) میں ڈھلے ہوئے مگر خاص معانی ادا کرنے کے پابند کلمات ڈھونڈے نہیں ملتے، یہ نعت کہنے والے کی مجبوری ہوتی ہے۔ دراصل شعورِ حضورِ قدسی مرعوب کر کے رکھ دیتا ہے۔ باادب نعت نگار جب قلم گار ہوتا ہے تو یہی محسوس کرتا ہے کہ اسے خود خدائے خلاق العالمین نے خصوصی زبان اور کلمات سے نواز دیا ہے ورنہ زبان کو یارائے گفتگو کہاں تھا، اس صورتِ حال کی ترجمانی کے لیے حضرت نظیر لدھیانوی کا شعر ذیل میں روشن مثال ہے اور یہ شعر ہر مخلص نعت گو کی بے زبانی اور لب کشائی کا راز بیان کر رہا ہے۔

میں تو چپ تھا کہ نہ آتے تھے بنانے الفاظ
نعت گوئی کے لیے بخشے خدا نے الفاظ

نعت میں ادب کا قرینہ نبھا جانا بہت بڑے امتحان سے گزرنا ہے۔ بقولِ عرفی ''ہشیار کہ رہ بردم تیغ است قدم را''.... ذرا بے احتیاطی ہو تو نعت اور روایتی غزل کے روایتی مضامین میں فرق ختم ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ نعت بے تکلفی بلکہ بعض اوقات بے ادبی کا ارتکاب دکھائی دینے لگتی ہے۔ خدا اہلِ ذوق کو عقیدت و ادب کی نفیس رموز سے آشنا کرے۔ دلوں کے حال خدا جانتا ہے کہ کس نے از روئے اخلاص نعت کہی اور کس نے فقط اکتسابِ زر کی خاطر قافیہ بندی کی مشقت اٹھائی، مگر پھر بھی اشعارِ نعت بڑی حد تک اعلان فرمائے دیتے ہیں کہ یہ کلمات گلے سے نکلے یا دل سے اور اس امر کا ثبوت نعت نگار کا مسلمان کی حیثیت سے سلوک و عمل ہے، مثلاً ایک شخص نعت تو کہتا ہے، لیکن ویسے اپنی محفلوں میں دین کا مضحکہ اڑاتا ہے۔ امتِ مسلمہ سے ہمدردی کو قدامت پسندی قرار دیتا ہے۔ دین کے حوالے سے مسلم اقوام اور اسلامی اوطان کے ساتھ

اسے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ مسلم معاشرے کی اچھی باتیں اسے نظر نہیں آتیں وہ فقط برائیوں اور کوتاہیوں ہی کو اچھالتا ہے۔ عالمِ اسلام کی بہتری کے لیے نہ کوئی اقدام کرتا ہے اور نہ خدا کے حضور میں دعا گو ہوتا ہے وعلیٰ ہذاالقیاس۔ طبعی امر ہے کہ کسی بھی ایسے آدمی کو اسلام پر فخر کا شعور میسر نہیں ہوتا، پھر اگر ایسا کوئی آدمی نعت کہتا ہے تو کس اخلاص کے ساتھ؟ کس دل سے؟ اور کس مُنہ سے؟ ہم حضرت نظیر لدھیانوی کی نعت کو پڑھ کر بالیقین کہہ سکتے ہیں کہ ان کا نعت نگاری سے شغف قلبی واردات کا آئینہ دار ہے۔''

اب جناب نظیر لدھیانوی کی نعت نگاری کے بارے میں جناب عارف عبدالمتینؒ کا خوب صورت تبصرہ دیکھیے:

''حضرت اصغر حسین خان نظیر لدھیانوی کی نعت کلاسیکی طرزِ نگارش کی ثروت کا ایسا اعلامیہ ہے جو ہمیشہ سے دلوں کی تسخیر کا ضامن رہا ہے، ان کی مدحت حرف وصوت پر ان کی حاکمیت کا ایسا ادعا ہے، جسے کسی چیلنج کا کوئی دھڑکا نہیں، ان کی توصیف حبِ رسول ﷺ کی ایسی جمالیاتی ترسیل ہے جس پر جمال خود فریفتہ دکھائی دیتا ہے اور ان کی ثنا سیرت کے بے مثال و لاتعداد محاسن کا ایک ایسا بین السطوری ابلاغ ہے، جو سمندر کی زیریں لہروں کی طرح غیر مرئی ہوتے ہوئے بھی مشاہدے کو آسودگی بخشتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

حضرت نظیر لدھیانوی کی نعت اس اعتبار سے بھی منفرد ہے کہ اس میں آں حضرت ﷺ کی ستائش نہ صرف صحتِ عقائد کی حامل نظر آتی ہے بلکہ ضعفِ فکر ونظر کے خلاف جہاد میں منہمک ہونے کا احساس بھی ارزانی کرتی ہے۔

حضرت لدھیانوی کی نعت اس حوالے سے بھی لائقِ اعتنا ہے کہ اس میں دردِ ذات، کربِ ملت اور اندوہِ کائنات سے یوں ہم آہنگ ہو گیا ہے کہ ان کی نگارشات پر عظمتِ فن کی چھوٹ پڑتی دکھائی دیتی ہے۔''

ثنائے رسولِ پاک ﷺ کے سلسلے میں جناب نظیر لدھیانوی کے سامنے مولانا حالیؒ اور حضرت اقبالؒ کا وہ بلند ترین معیار تھا جسے آنکھ اٹھا دیکھنے ہی سے پگڑی گرتی ہے، پروفیسر رشید احمد صدیقی نے کیسی دل لگتی بات کہی ہے:

''نعت کے حسن اور عظمت کو حالی اور اقبال نے خاص طور پر پہچانا اور اسے اتنا مشکل اور بلند کر دیا کہ آبروئے شیوہِ اہلِ نظر ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئی، یہ عشقِ رسول ﷺ ہی کا فیضان ہے کہ حالی اور اقبال نے اپنے کلام سے اردو کے بیش تر اصنافِ سخن کی جس میں غزل کافی بدنام تھی اس طرح تہذیب وتطہیر کی اور نئی جہت اور جہان بخشے کہ اردو زبان اور شاعری کی وقعت مدتِ دراز کے لیے متعین ہو گئی، عشقِ رسول ﷺ آئینِ ملت ہی نہیں، تعبیرِ انسانیت بھی ہے... نعتِ قدیم کو نعتِ جدید سے قریب لانے، اس کو مقصد دینے، متحرک کرنے اور رکھنے کی ابتدا حالی نے کی جسے اقبال نے اس درجہ تک پہنچایا جس سے آگے پہنچانا اب کسی دوسرے ہی اقبال کا کارنامہ ہوگا اور مستقبل بعید تک کسی دوسرے اقبال کا ظہور پانا آسان نہیں معلوم ہوتا۔''

گویا نعت گوئی کے سلسلے میں اقبال کی متابعت تو ممکن ہے مگر مسابقت کسی نوع بھی ممکن نہیں۔ زبان و بیان کے ضمن میں مولانا ظفر علی خاں، نظیر لدھیانوی کے سامنے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا کو صحتِ لفظی اور شکوہِ لفظی کی خوبصورت صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ ان کی تراکیب پر شکوہ برجستگی کی آئینہ دار ہوتی تھیں۔ ان کے قلم سے نکلنے والا ہر جملہ اور ہر مصرع خود بولتا اور دور سے پہچانا جاتا تھا کہ تحریر لکھنے والوں کی علمی رفعتوں کا نشان ہوا کرتی ہے، ایسے ہی لکھنے والوں کو ''صاحبِ

طرز'' کہا جاتا ہے۔

نظیر لدھیانوی کو مبدءِ فیض سے فکر و نظر اور اظہار و ادا کی جو خوبیاں عطا ہوئی تھیں، حالؔی، اقبالؔ اور ظفر علی خاں نے انھیں جلا بخشی، نظیر لدھیانوی خوب سمجھتے تھے کہ توصیفِ رسالت مآب ﷺ کے لیے قلم، حرف حرف اور لفظ لفظ آگہی افروز احتیاط کی ضرورت ہے اور یہاں سو بار سوچ کر، ایک بار قلم اٹھتا ہے اور پھر بھی توصیف کا حق ادا نہیں ہوتا:

مدحِ احمد چھوڑ دی میں نے بھی یزداں پر نظیر
ہے وہی ذاتِ مقدس مرتبہ دانِ رسول

نظیر لدھیانوی کی زندگی سنتِ رسول پاک ﷺ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، ان کی فکر بھی راست رہی اور عمل بھی شفاف۔ ایسے بے غبار کردار کا حامل انسان، جب انسانِ کامل کی مدحت کے لیے قلم اٹھائے گا تو اس کے بہکنے اور بھٹکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کی نعتوں میں نبیِ پاک ﷺ کی تاریخ ساز شخصیت کی عظمتوں کا بیان بھی ہے کہ آپ ﷺ کی رفتار، حسن کی پہچان، گفتار، صدق کا نشان، اور سیرت، اللہ کی برہان تھی۔ ان تاریخی صداقتوں کا بھی تذکرہ ہے جنھوں نے حضور ﷺ کے نقوشِ پا سے جلا پائی، فاران کی فضائیں ہوں یا صفا کی بلندیاں، طائف کی وادیاں ہوں یا مکہ کی گزرگاہیں، حرا کی خاموشیاں ہوں یا ثور کی تاریکیاں، بدر کی ملائک نوازیاں ہوں یا احد کی عبرت سامانیاں، نطقِ بلالؓ سے ابھرنے والی اذانیں ہوں یا اُسطوانۂ حنّانہ سے نکلنے والی نوائیں، ایک دل آویز انداز کے ساتھ ان کی نعت کا حسن بنتی چلی جارہی ہیں۔ وہ ذات کے ساتھ کائنات لے کر چلتے ہیں۔ ذات کا درد اور کائنات کا کرب، وہ اسی بارگاہِ ناز میں بصد نیاز پیش کرتے ہیں۔ جہاں ہر درد کی دوا بھی ہے اور ہر کرب کی شفا بھی۔ نظیر نے نعت کے ذریعے مسلمانوں کی زبوں حالی کو سہارا بھی دیا اور انھیں روشن مستقبل کی راہ بھی دکھائی، انھوں نے اپنے دور کی سیاسی اور سماجی تلخیوں کو نعتیہ آہنگ دے کر آلامِ روزگار کو آساں بنادیا، یوں غمِ دوراں اور غمِ جاناں کا ایک حسین امتزاج ان کی نعت گوئی کی ایک خصوصیت بن گیا۔ چند شعر دیکھیے:

ہر قوم سجدہ ریز ہے دشتِ حجاز میں
کوئی طرابلس کی، کوئی کاشغر کی ہے

☆

شہرِ طیبہ کی مجھے آب و ہوا درکار ہے
یعنی میں بیمارِ عصیاں ہوں، دوا درکار ہے

☆

اللہ کی جناب میں ہے التجا، حضور
ہو ختم دور کلفت و آلام کا، حضور

☆

ہاتھ میں ہے جو غلامانِ نبی کا دامن
مجھ کو پایاب ہے ہر کرب و بلا کا دریا

☆

تو بحرِ علوم اور لقب ہے ترا اُمّی
سایہ نہیں، سائے میں ترے ہر دوسرا ہے

☆

گو شانِ کریمی ہے اُسی کے لیے زیبا
تجھ کو بھی مگر حصہ کریمی سے ملا ہے
لاریب رؤف اور رحیم آپ بھی ہے وہ
تجھ کو بھی رؤف اور رحیم اس نے کہا ہے

☆

اک گوشۂ دامن ترا کونین پہ حاوی
اک نقشِ قدم تیرا ہے معمارِ دو عالم

☆

ڈال کر دینِ مبیں کی ایک سیدھی راہ پر
تُو نے دی انساں کو ہر آشوبِ دنیا سے نجات

زبان و بیان کے لحاظ سے ان کے نعتیہ اشعار قابلِ قدر اور فنی اعتبار سے قابلِ تحسین ہیں۔ ان کے ہاں بہت سے اشعار ایسے ہیں جو سہلِ ممتنع کی مثال ہیں۔ سہلِ ممتنع ایک ایسی صنعت ہے جس میں شعر لفظی اعتبار سے انتہائی سادہ سا لگتا ہے اور اس شعر کی نثر بنانے میں نہ کوئی تکلیف ہوتی ہے نہ تکلف۔ مگر وہ مفہوم کے اعتبار سے اس قدر عمیق اور تاثر کے لحاظ سے اس قدر دل آویز ہوتا ہے کہ اگر کوئی ویسا کہنا چاہے تو بہر نوع عاجز دکھائی دے۔ چند شعر بطور مثال دیکھیے:

ایک اُمی لقب کی صحبت میں
سنیے عقلِ سلیم کی باتیں
ہو کے آئی ہے شہرِ طیبہ سے
سنیے موجِ نسیم کی باتیں

☆

ہجر کے صدمے سے چوبِ خشک نالاں ہو گئی
کتنی درد انگیز ہے فرقت رسول اللہ ﷺ کی

☆

درکار گنہ گاروں کو ہے تیری شفاعت
طالب ترے الطاف کا ہر شاہ و گدا ہے
ہے سر پہ تاجِ رفعنا لک ذکرک
کب اور کسی شخص کو یہ رتبہ ملا ہے

☆

جاں میری غم نے لے کے، مجھے زندہ کر دیا
عشقِ رسول ﷺ نے مجھے پائندہ کر دیا
تاریک و تار تھا یہ جہانِ نظر فریب
تو نے نگاہ ڈال کے تابندہ کر دیا

☆

رہے دن رات ذکرِ مصطفیٰ ﷺ بس
ہمارے درد کی ہے یہ دوا بس

نہیں رکھتے ہوس ہم کیمیا کی
ہمیں حاصل ہو تیری خاکِ پا بس

☆

ہم آئے شہرِ طیبہ دیکھنے کو
ملا عرشِ معلیٰ دیکھنے کو
نظیر اک بار دیکھا جس نے روضہ
تڑپتا ہے دوبارہ دیکھنے کو

☆

گونجتی ہے ابھی فضاؤں میں
چودہ سو سال سے تری تکبیر

☆

میرے لب پر صدا ہے سدا مصطفیٰ ﷺ
ابتدا مصطفیٰ ﷺ، انتہا مصطفیٰ ﷺ
جاں بلب تھا مگر میرے لب پر رہا
مصطفیٰ ﷺ، مصطفیٰ ﷺ، مصطفیٰ ﷺ، مصطفیٰ ﷺ
مرشدِ عارفاں، مقصدِ کاملاں
پیشوا مصطفیٰ ﷺ، رہ نما مصطفیٰ ﷺ

☆

مدینے کی گلیاں، رگِ جاں ہوں جیسے
خیاباں خیاباں، گلستاں ہوں جیسے

جبینِ زمیں پر چمکتے ہیں ذرے
فلک پر ستارے درخشاں ہوں جیسے
وسیلہ مسلمان کا ان کی رحمت
لب ان کے شفاعت کا عنواں ہوں جیسے

☆

وہ رحمت ہیں، احساں ہیں، الحمدللہ
محبت کا عنواں ہیں، الحمدللہ
مدینے کی راہیں، مدینے کی گلیاں
گلستاں گلستاں ہیں، الحمدللہ

نظیر لدھیانوی کی نعت میں ''تغزل'' بدرجۂ اتم موجود ہے، تغزل، غزل کو نہیں کہتے بلکہ تغزل اظہار کی اس ایمائی کیفیت کا نام ہے جس کا حسن، ذوقِ سلیم کو مدتوں مسحورِ لذت رکھتا ہے۔ تغزل ہی شعر میں دل آویزی کی خوبی ابھارتا اور اس میں تیرِ نیم کش کی کسک اور خلش پیدا کرتا ہے، نظم ہو یا نثر، تغزل ہی اسے رعنائی عطا کیا کرتا ہے۔ نظیر کی نعتوں میں متغزلانہ سحر کی ایک جھلک دیکھیے:

دیکھے کس برتے پہ تیری تابشِ رخسار، دھوپ
گھر سے تو نکلا، ہوئی پنہاں پسِ دیوار، دھوپ

☆

نعت میں گنبدِ خضریٰ کا جو باندھا مضموں
ہوگئے حسنِ تجمل سے ضیا بار، الفاظ
رنگ و بو سے تری توصیف رقم کرتے ہیں گُل
ان کو خامے کی ضرورت ہے، نہ درکار، الفاظ

☆

پایا دامن کی ہوا سے خار و خس نے حسنِ گُل
سنگ ریزوں کو ملی تابِ 'لعالی' ہاتھ میں
کیمیا کی جستجو سے ہوگیا میں دست کش
شوق میں جب ان کی خاکِ پا اٹھالی ہاتھ میں

☆

عشق بھی محو لقا، حسن بھی مصروفِ ادا
شوقِ اظہارِ کمالات ہے، معراج کی رات

☆

نبی ﷺ کے در کا جو جاروب کش ہے
اسے کیا احتیاجِ منصب و جاہ

☆

آب و ہوا نشاط زا، شربتِ دید جاں فزا
جس کو شفا کی ہو طلب تیری گلی سے جائے کیوں
عجز و نیاز نے مجھے تیری گلی میں دی جگہ
نقش ہوں پائے ناز کا، کوئی مجھے مٹائے کیوں

☆

ضرورت کیا ہے ان کو سایۂ اشجارِ جنت کی
کہ جو کوئے محمد ﷺ میں پسِ دیوار بیٹھے ہیں

☆

مری آنکھ آئنہ دار ہو، مرا دل حریمِ نگار ہو
یہی ذرہ باغ و بہار ہو، یہی قطرہ غیرتِ یم کروں

☆

انسان ہے تو بھی، مگر انسانِ مکمل
تکمیلِ کمالات سے محبوبِ خدا ہے

☆

تیری ممنونِ کرم وسعتِ صد چین و عرب
فاتحِ روم و عجم، تیرا تبسم تہِ لب
بڑی مدت سے مسلط ہے معاصی کی گھٹا
دیکھیے اس شبِ تیرہ کی سحر ہوتی ہے کب

☆

کسی عاشق کی یہ رندانہ جرأت
کہا حق سے، ہمیں ہے مصطفیٰ ﷺ بس

☆

یہ ہم سمجھے، ہلالِ عید نکلا
ترا ابروئے زیبا دیکھنے کو

☆

حور و غلماں زمزمہ سازِ گلستانِ رسول ﷺ
عرش و کرسی زینت آرائے دبستانِ رسول ﷺ
سنبلستانِ تجمل، زلفِ پیچانِ رسول ﷺ
شمعِ خلوت گاہِ عرفاں، روئے تابانِ رسول ﷺ
ذرہ ذرہ پر ضیا ہے نور کے طوفان سے
ضوفشاں ہے ہر طرف مہرِ درخشانِ رسول ﷺ

☆

رہیں روشن نہ کیوں کر صبح تک آنکھیں ستاروں کی
ہے شب کو مشغلہ ان کا، نظارہ سبز گنبد کا
ہیں لطف اندوز یکساں یار اور اغیار رحمت سے
نہیں کچھ دخل اس بحرِ رواں میں جزر اور مد کا
کرایا نصب تجھ سے قوم نے دیوارِ کعبہ میں
دو بالا ہوگیا اس دن سے رتبہ سنگِ اسود کا

☆

مہرباں، جاوداں، کارواں، کامراں
حق رساں، حق نشاں، مجتبیٰ مصطفیٰ ﷺ

☆

خزاں نا آشنا روزِ ازل سے برگ برگ اس کا
بہارِ جاوداں وقفِ گلستانِ محمد ﷺ ہے

☆

ختم ہو سکتی نہیں شمس و قمر کی روشنی
یہ کسی کے حسنِ روز افزوں سے پاتے ہیں زکوٰۃ

☆

یادِ نبی ﷺ نہیں ہے تو کس کام کا ہے دل
پڑھتے نہیں درود کو، نطق و دہن عبث
ہر کنکری ہے فیضِ قدم سے ترے گہر
آیا نکل کے بحر سے درِّ عدن عبث
ناداں ترے پسینے کی بو سے ہے بے خبر
مست اپنی ناف پر ہے غزالِ ختن، عبث

☆

علم کی دنیا ہوئی روشن چراغِ عشق سے
سوزِ دل سے ہوگئے رمز آشنا عقل و خرد
دوست اور دشمن سے یکساں ہے محبت کا سلوک
شہرِ امکاں میں کہاں ہے آپ کی رحمت کی حد
آپ کی چشمِ کرم سے ہم بھی رکھتے ہیں امید
المدد، اے دست گیرِ خستہ حالاں، المدد
نعت کے دامن کی وسعت اس قدر ہے اے نظیرؔ
اس کا اک گوشہ ازل ہے دوسرا گوشہ ابد

نظیرؔ لدھیانوی کے نعتیہ دیوان میں ایک نعت دس اشعار پر مشتمل ہے۔ پوری نعت نبیٔ پاک ﷺ کے اسمائے مبارک سے مرتب و مربوط ہے۔ پہلے تین شعر یوں ہیں:

احمد و حامد و محمود و محمد، رحمت
مجتبیٰ، مقتصد و ہادی و نور و حجت
مصطفیٰ، ہاشمی، مکی، مدنی العربی
البطحی اور تہامی و حجازی اُمّی
قاسم و عاقب و مختار و سراج اور حکیم
وہ قریشی و ترازی و مضری و یتیم

تیسرے شعر میں انھوں نے لفظ ''ترازی'' استعمال کیا ہے، اصل لفظ ''نزاری'' ہے۔ مضر بن نزار کی اولاد میں سے۔ کسی کاتب نے نہیں معلوم کب، نقطوں کو ادل بدل دیا اور نزاری کو ترازی بنا دیا اور یہی لفظ اب معروف ہے۔ احتیاط ضروری ہے کہ یہ حضور ﷺ کا صفاتی نام ہے۔ اس لفظی لغزش سے، نظیرؔ کے تبحرِ علمی پر کوئی حرف نہیں آتا، وہ صحتِ لفظی کے نقطۂ نظر سے بہرکیف ایک سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پروفیسر جعفرؔ بلوچ مرحوم ان کے بارے میں، اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''نظیر لدھیانوی نرے ستائش گر ہی نہ تھے بلکہ مولانا ماہر القادری کی طرح حسنِ زبان و بیان کے محافظ تھے وہ اصولِ زبان و بیان کو پامال ہوتا نہ دیکھ سکتے تھے بلکہ انھیں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ ان اصولوں کو نظر انداز کر دیا جائے وہ اہلِ قلم کی فکری اور فنی نارسائیوں کی نشان دہی اور اصلاح کرتے اور تخریبِ زبان و بیان کو برداشت نہ کرتے تھے۔ اس معاملے میں وہ دوستوں اور عزیزوں کی ناراضی کی پروا بھی نہیں کرتے تھے۔ ہاں اس سلسلے میں اگر خود ان سے کوئی تسامح ہو جاتا اور کوئی اس کی نشان دہی کرتا تو اپنی غلطی پر اصرار نہیں کرتے تھے اور فوراً رجوع کر لیتے تھے۔''

مولا کریم جزائے خیر عطا فرمائے جناب خالدؔ شفیق کو کہ انھوں نے نظیرؔ کا نعتیہ دیوان، ''آفتابِ حرا'' کے نام سے شائع کیا۔ جو ۱۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں صرف وہی نعتیں ہیں جو غزل کی ہیئت میں ہیں۔ جب کہ خالد شفیق ہی کی ادارت

میں چھپنے والے رسالے ''شام وسحر'' کے نعت نمبروں میں اور عام شماروں میں بھی نظیر لدھیانوی کے طویل نعتیہ قصائد بھی ہیں اور نعتیہ ارتقا کے بارے میں تحقیقی مضامین بھی۔ جو ان کی قادرالکلامی، وسعتِ مطالعہ اور قلبی محبتوں کے مظہر ہیں۔ راقم الحروف کی دلی آرزو ہے کہ ثنائے رسولِ پاک ﷺ کے ان گلہائے عقیدت کے طفیل اللہ تعالیٰ ان کی لحد کو عنبریں رکھے اور انھیں اُخروی سرخروئی سے سرفراز فرمائے:

آنسو خوشی کے دیدۂ تر سے ٹپک پڑیں
خاموشیٔ نگہ میں ہو لطفِ نوا، حضور ﷺ
آجائے ایک حرفِ شفاعت زبان پر
سب مشکلیں نظیؔر کی ٹل جائیں یا حضور ﷺ

آخر میں حضرت نظیر لدھیانوی کا سوانحی خاکہ اور ادبی خدمات، ایک نظر میں:

نام:	اصغر حسین خاں
تخلص:	نظیؔر
ولدیت:	خان محمد نجیب خاں نشاط لدھیانوی
قومیت:	پٹھان یوسف زئی
پیدائش:	۹ فروری ۱۹۰۲ء
تعلیم:	میٹرک (گورنمنٹ ہائی سکول لدھیانہ)
وطن:	شہر لدھیانہ
آباواجداد کا وطن:	جلال آباد (افغانستان)
وفات:	۲۷ جنوری ۱۹۸۹ء

تصانیف

انتخابِ کلیاتِ میؔر (حصہ اول ودوم) ۱۹۲۵ء، انتخابِ کلیاتِ سودا (حصہ اول ودوم) ۱۹۲۵ء
انتخابِ کلیاتِ دبیر ۱۹۲۵ء
صبحِ نشاط (اپنا مجموعۂ کلام) ۱۹۴۰ء
تذکرہ شعرائے اردو (عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور)
تاریخِ ادب اردو (عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور)
شرح دیوانِ حالؔی (عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور)
منظوم دعائیں (مکتبہ کارواں کچہری روڈ، لاہور)
شرح جاوید نامہ منظوم (مکتبہ کارواں کچہری روڈ، لاہور)
لسان العصر اکبرالہٰ آبادی (مکتبہ کارواں کچہری روڈ، لاہور)

بہارستان، کلام مولانا ظفر علی خاں (مکتبہ کارواں کچہری روڈ، لاہور)
چمنستان، کلام مولانا ظفر علی خاں (مکتبہ کارواں کچہری روڈ، لاہور)
ارمغانِ قادیاں، کلام مولانا ظفر علی خاں (مکتبہ کارواں کچہری روڈ، لاہور)
فغان دہلی (مصنفہ کوکب دہلوی) پنجاب اکادمی، لاہور
داستانِ غدر (سید ظہیر الدین ظہیر) پنجاب اکادمی، لاہور
صبحِ بہار (اپنی غزلیات کا مجموعہ) مکتبہ کارواں، لاہور
فنِ تنقید اور شعرا پر تنقید (مکتبہ کارواں، لاہور)
شرح مثنوی اسرار و رموز، مثنوی پس چہ باید کرد، مثنوی مسافر (مکتبہ کارواں، لاہور)
انتخاب کلیاتِ مصحفی (مکتبہ کاروں، لاہور)
شعرِ حسن (تبصرہ بر کلام حسن بریلوی)
آفتابِ حرا (نعتیہ مجموعہ) مکتبہ مجلسِ اردو، لاہور
کلامِ رضا (تبصرہ بر کلام حضرت احمد رضا خاں بریلویؒ) اور بہت سی درسی کتابوں کے خلاصے اور ترجمے لکھے نیز غیر مطبوعہ مسودات۔

ادارے جن میں کم و بیش ۶۰ برس کام کیا

اردو مرکز لاہور (۱۹۲۵ء) روزنامہ ''زمیندار''، روزنامہ ''شہباز'' (لاہور)، روزنامہ ''احسان''، روزنامہ ''نوائے وقت''، روزنامہ ''زمزم''، روزنامہ ''شہباز'' (پشاور)، روزنامہ ''غالب'' (لاہور)، روزنامہ ''سفینہ''، روزنامہ ''امروز'' (جولائی ۱۹۵۱ء سے جولائی ۱۹۷۳ء) ماہ نامہ ''جامِ جہاں نما'' (لائل پور)، ماہ نامہ ''پاسباں'' (گورداس پور)، ماہ نامہ ''صبحِ امید'' (لدھیانہ)، ماہ نامہ ''فاران'' (فیروز پور)، ماہ نامہ ''بیسویں صدی'' (لاہور)، ماہ نامہ ''نرالا'' (لاہور)، ماہ نامہ ''شاہکار'' (لاہور) ماہ نامہ ''عالمگیر'' (لاہور) ہفت روزہ ''خیام'' (لاہور) ہفت روزہ ''سدا بہار'' (لاہور) ہفت روزہ ''پکچر'' (لاہور)، ماہ نامہ ''کاشتکارِ جدید''، روزنامہ ''امروز'' (ملتان) ۳۱ جولائی ۱۹۷۳ء کو روزنامہ ''امروز'' لاہور سے ریٹائر ہوئے۔

جن شہروں میں قیام کیا

لدھیانہ، لاہور، شیخوپورہ، (۲ سال)، گورداس پور (۵ سال)، امرتسر (۶ ماہ)، فیروز پور (۵ سال)، ملتان (ایک ماہ)، پشاور (ایک سال)، عمر کا بیش تر حصہ لاہور میں گزارا۔

(۲۰۰۹ء)

☆

حضرت مولانا سید زوّار حسین شاہؒ کی ایک نعت

سید زوار حسینؒ شاہؒ، ان خاصانِ بارگاہ میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ ظلمتوں میں اجالوں کے سفیر بنا کر بھیجتی ہے۔ آپ نے ایک عہد کو شریعت کی نزاکتوں اور طریقت کی سعادتوں سے آشنا کیا، آپ کا دل مضرابِ جنوں سے نغمہ ریز تھا، آپ کی ذات فقر و جذب کے سانچے میں ڈھل کر حسن و جمال کی ایک نظر افروز اور دل آویز کہکشاں بن گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مہکا رکھا تھا۔

دہد حق عشقِ احمد ﷺ بندگانِ چیدۂ خود را
بہ خاصاں می دہدشہ بادۂ نوشیدۂ خود را

آپ اہل اللہ کے اس عظیم سلسلے سے فیض یاب تھے جن کی دعائیں، مشیّت قبول فرماتی، جن کی توجہ سرگرداں عقل کو منزل کا سکون بخشتی اور جن کی برقِ نگاہ، دلوں کی تاریکیوں کو اجالتی تھی۔ آپ کے علوِّ سیرت، صدقِ مقال، فکرِ بلند، خوبیٔ تحریر اور فقرِ غیور کی اب ایک خوبصورت یاد ہی باقی رہ گئی ہے اور ؎

اس بوئے فقر سے ہے معطر مشامِ جاں
وہ بوئے فقر جو کہ ترے پیرہن میں تھی

مبدءِ فیض نے شاہ صاحبؒ کو شاعرانہ صلاحیتوں سے بھی نواز رکھا تھا۔ آپ کے اشعار میں ایمائیت کا وقار اور تغزل کا نکھار جلوہ گر تھا۔ چند شعر دیکھیے ؎

حمد کے لائق ہے یارب تیری ذاتِ کبریا
امر کن میں رازِ تخلیقِ جہاں مضمر کیا
گنبدِ گردوں کو بخشے انجم و شمس و قمر
انجم و شمس و قمر کو دے دیا نور و ضیا
ابر کو باراں عطا کی، خاک کو روئیدگی
گل کو بخشا رنگ و بو اور شاخِ تر کو پھل دیا
کر دیا مٹی کو تو نے لعل و گوہر، سیم و زر
قطرۂ باراں کو تو نے لولوئے لالا کیا

☆

جوانان چمن ہیں آج مستِ بادۂ صافی
نسیمِ صبح نے اک بانکپن سے لی ہے انگڑائی

☆

کس فصل کی رخصت پہ چمن خاک بسر ہے
کس رنج و الم کا رخ گلچیں پہ اثر ہے
سنبل ہے پراگندہ تو ہے سرو بھی حیراں
حسرت کا مرقع یہاں ہر ایک شجر ہے

☆

تصور موت کا اے دوستو! کر کے ذرا دیکھو
نظر آتی ہے اپنی عمرِ رفتہ خواب و افسانہ

☆

بہت تھوڑی کہی ہے ڈرتے ڈرتے داستاں دل کی
نہ ہو دل تیرا آزردہ، وگرنہ بات ہے لمبی

آپ اپنی دعاؤں کو التجائیہ اشعار کے ذریعے پر کیف بنایا کرتے تھے۔ آپ نے بزرگانِ سلف کی عربی اور فارسی مناجاتوں کے بھی منظوم اردو ترجمے کیے مگر جملہ شاعرانہ اوصاف کے باوجود، آپ کا شعری سرمایہ مختصر رہا اور اس میں صرف ایک نعت ملتی ہے۔ یہ نہیں کہ آپ کا دل حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی تھا بلکہ حق یہ ہے کہ آپ اس حقیقت سے بخوبی آشنا تھے کہ نعت کہنا کس قدر مشکل ہے۔ نعت گوئی کی انھی نزاکتوں اور رفعتوں کے پیشِ نظر جناب خورشید رضوی نے کہا تھا۔

شان ان ﷺ کی سوچیے اور سوچ میں کھو جایئے
نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہو جایئے
سونپ دیجے دیدۂ تر کو زباں کی حسرتیں
اور اس عالم میں جتنا بن پڑے، رو جایئے

حضرت شاہؒ صاحب کی وہ نعت درجِ ذیل ہے۔

کس زباں سے میں کروں نعتِ محمد مصطفیٰ ﷺ
میری گویائی ہے عاجز اور تخیل نارسا
آپ ﷺ کی مدحت سرا تورات و انجیل و زبور
آپ ﷺ کی تعریف میں رطب اللسان فرقان و نور
ذرہ ذرہ آپ کی ختم رسالت پر شہید
قطرہ قطرہ آپ کے دستِ سخاوت کی چکید

باعثِ تخلیقِ عالم، رحمتہ للعالمین ﷺ
سرورِ دیں، فخرِ موجودات، ختم المرسلیں
کحل مازاغ البصر سے چشمِ باطن کی کشود
اسوۂ حسنہ سراجِ سالکِ رب ودود
ہے سراپا نور ہی نور آپ کی ذاتِ کریم
ہے مجسم جُود ہی جود آپ کا خلقِ عظیم
آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی محرم رب العلیٰ
آپ کے ذکرِ مشرف کا ہے خود رافع خدا
میں ہوں شیدائے محمد ﷺ، غم مجھے زوّار کیا
ہیں محمد ﷺ مصطفیٰ جب شافعِ روزِ جزا

شاہ صاحبؒ کی اس نعت میں تاریخی حقائق اور فکری گداز، فنی پختگی سے ہم آہنگ ہے۔ سیرت پاک کے بعض اہم پہلوؤں کا تذکرہ ہے۔ حرف حرف، چاہت ہے اس ہستیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جس کی زبان کھلتی ہی سچائیوں کے لیے تھی۔ جس کی ہر بات صدہا صداقتوں کا صدف تھی اور جس کا ہر عمل بے خزاں بہاروں کا امین تھا، تمنا ہے، اس رحمتِ عالم کے التفات کی، جس سے زیادہ رؤف و رحیم انسان پر آج تک سورج طلوع نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہوگا اور جس کی رفتار کا انداز، جس کی گفتار کا اسلوب اور جس کے کردار کا حسن، رشد و ہدایت کا آخری معیار ہے۔

تجلّیوں سے تری مستنیر و تابندہ
زمانِ ماضی و عصرِ روان و آئندہ

اس نعت میں درج ذیل حقائق لَو دے رہے ہیں

☆ نعت گوئی ایک نازک اور مشکل صنفِ سخن ہے۔
☆ قدیم صحائف اور قرآنِ پاک ذکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لبریز ہیں۔
☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جود و سخا کا پیکر ہیں۔
☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وجہِ وجودِ کائنات، رحمتِ عالم اور ختم المرسلین ہیں۔
☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بصارت و بصیرت کے بہترینِ اوصاف سے متصف ہیں۔
☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہی مشعلِ ہدایت ہے۔
☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا انوار ہیں۔
☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر رفیع و بلند ہے۔
☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفیع المذنبین ہیں۔

میری کوتاہ نظری، ان حقائق میں مضمر معارف کو نہ کماحقہٗ دیکھ سکتی ہے اور نہ ان کا احاطہ کر سکتی ہے۔ اس لیے درجِ

ذیل اجمالی تبصرے کو تفہیمِ مطالب کے سلسلے میں محض ایک مبتدیانہ کاوش سمجھا جائے ___ اور حضرت شاہ صاحبؒ کی بارگاہ میں ایک عاجزانہ اظہارِ ارادت ___ کہ ؎

میں بڑھوں تو ایک ذرہ، تو گھٹے تو ماہِ تاباں
مرا افتخار کیا ہے، ترا انکسار کیا ہے

نعت، درودِ پاک ہی کی ایک نغماتی شکل ہے، اللہ تعالیٰ بھی نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر پیہم درود بھیج رہے ہیں، ملائکہ بھی اور ہمیں بھی یہی ذکر اور ورد اختیار کرنے کا حکم ہے۔ گویا درودِ پاک ہی نے اللہ، ملائکہ اور بندوں کو ہم زبان کر رکھا ہے، ورنہ کہاں زمین، کہاں آسمان، کہاں خاک، کہاں افلاک، ہم لوگ چوں کہ مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں کا کماحقہٗ شعور نہیں رکھتے اس لیے ہم اللہ تعالیٰ ہی سے التماس کرتے رہتے ہیں کہ وہی نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے شایاں درود بھیجتے رہیں، انوار برساتے رہیں اور رحمتیں نازل کرتے رہیں کہ ہم فکری اعتبار سے نارسا، لسانی اعتبار سے کم مایہ اور ایمانی اعتبار سے بے اعتبار ہیں ___ ہم لوگ زبان و قلم کی تمام فصاحتیں اور بلاغتیں بھی یکجا کر لیں اور ممکن ہو تو آفتاب کے اوراق پر کرنوں کے الفاظ سے مدح و ثنا کی عبارتیں بھی لکھتے رہیں یا ماہتاب کی لوح پر ستاروں سے عقیدت و ارادت کے نگینے بھی جڑتے رہیں ___ پھر بھی مدحِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا نہیں ہو سکتا کہ بشر کے لیے ممکن ہی نہیں کہ وہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے شایاں توصیف کر سکے۔ ایک ذرّہ آفتاب کی تابناکیوں کو اپنی حیثیت کے مطابق ہی سمیٹ سکتا اور بیان کر سکتا ہے۔ ؎

خیال بس میں نہیں، لفظ دسترس میں نہیں
قصیدہ کیسے کہوں پیکرِ مثالی کا

ہم نعت رسول ﷺ کے ذریعے دراصل اپنے ہی مقام کو بلند و بالا کرتے ہیں کہ ہمارا تعلق اس ذات پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جو بہر اعتبار معتبر، بہر حال اجمل، بہر نوع اکمل اور بہر کیف احسن ہے۔ ؎

فقط حصولِ سعادت کا اک بہانہ ہوا
کسی سے نعتِ پیمبر ﷺ کا حق ادا نہ ہوا

اس ذکر پاک سے تو ہم اپنی ہی بے کیفیوں کو کیف عطا کرتے ہیں کہ ___ زبانوں میں تاثیر ہے تو اسی نام سے، قلم میں ولولہ ہے تو اسی ذکر سے، بیان میں بانکپن ہے تو اسی خیال سے، دل میں سرور ہے تو اسی تصور سے، دماغ میں حسن ہے تو اسی جمال سے، آنکھوں میں نور ہے تو اسی ظہور سے ___ گویا اس ذکرِ پاک ہی نے ہماری زندگی کی ویرانیوں کو نور و سرور و حضور عطا کیا ہے۔ توصیفِ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں ہمارا انکسار ہی ہمارے ہر پیرایۂ اظہار کا افتخار ہے، جبکہ ممدوحِ عظیم و جلیل ہر لحاظ سے کائناتِ حسن بھی ہے اور حسنِ کائنات بھی ؎

کائناتِ حسن جب پھیلی تو لامحدود تھی
اور جب سمٹی تو تیرا نام ہو کر رہ گئی

کہتے ہیں کہ غزل باوضو ہو جائے تو نعت بن جاتی ہے جبکہ حق یہ ہے کہ جب تک نعت گو خود باوضو نہ ہو تو اس کی

غزل نعت بن ہی نہیں سکتی۔

لفظ جب تک وضو نہیں کرتے
ہم تری گفتگو نہیں کرتے

نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوشِ پا کی چاندنی سے اپنے روز وشب کو منور کرنے کی کوشش لفظی نہیں ''عملی نعت'' ہے اور اہل اللہ کی محفلوں میں اسی نعت کا رنگ، ڈھنگ اور آہنگ جلوہ گر ملتا ہے۔ یہ رنگ، الفاظ کو تابندگی، یہ ڈھنگ افکار کو رخشندگی اور یہ آہنگ اعمال کو زندگی عطا کرتا ہے۔ زبان، دل کی رفیق نہ ہو تو بات تاثر آفرینی سے محروم رہتی ہے۔ زبان اور دل کے بُعد سے ''شعر سازی'' تو ممکن ہے ''نعت گوئی'' ممکن نہیں۔ اسی لیے عرفیؔ نے ''نعت گوئی'' کو تلوار کی دھار پر چلنے سے تشبیہ دی تھی۔ نعت گوئی مشکل ہے ہماری فکری نارسائی کے باعث اور بے تاثیر ہے ہماری عملی بے مائیگی کی بنا پر ــــــــ حضرت کی نعت کا پہلا شعر اسی حقیقت کا مظہر ہے۔

☆

نعت کے دوسرے شعر میں اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ قرآن مجید اور قدیم صحائف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف جا بجا موجود ہے۔ اقبالؒ نے کہا تھا۔

آیۂ کائنات کا معنیٔ دیریاب تو
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو

اقبالؒ نے انبیائے کرام کے سلسلے کو رنگ و بو کے قافلوں سے تعبیر کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قافلہ سالار، کہ یہ تمام قافلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلتے رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی آیۂ کائنات کا مفہوم آخریں تھے۔ اقبالؒ نے کائنات کو ایک آیت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کا معنیٔ دیریاب قرار دیا کہ آپ ﷺ مفہوم وتصور کے اعتبار سے اول اور وجود وظہور کے اعتبار سے آخر تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وجہِ وجودِ کائنات تھے۔

مشیّت حسن کی تکمیل فرماتی ہوئی ابھری
تصور، آخری تصویر بن جاتا ہوا آیا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال اور افکار واعمال کی تعریف میں گزشتہ انبیاء بھی رطب اللساں رہے اور قدیم صحائف بھی معمور۔ قرآن کے علاوہ دیگر الہامی کتب میں جہاں بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ سلم کا ذکر آیا ہے وہ نعتیہ پیش گوئی ہی کی حیثیت رکھتا ہے۔ گویا قدیم صحائف بھی انہی پر نور یادوں سے منور ہیں۔ تورات ہو یا زبور، انجیل یوحنا ہو یا برنباس، بدھ کے ملفوظات ہوں یا بھویش پران کے اسباق، اتھر وید کے منتر ہوں یا پارسیوں کی مذہبی کتاب دساتیر کے دستور۔ گویا ہر دور کے مذہبی نوشتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پیش گوئیاں موجود ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر مذہب نے ایک ''ہادیٔ منتظر'' کے طور پر پیش کیا ہے کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فارقلیط کہا گیا ہے، کہیں منحمنا، کہیں میتر یا کہیں عظیم دیوتا، کہیں قابل تعریف، کہیں سچائی کی روح، کہیں کلکی اوتار، کہیں بھگت گرو، بعض صحائف میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی بھی واضح طور پر موجود ہے۔ میرے نزدیک یہ تمام پیش گوئیاں ''نثری نعتوں'' کی حیثیت رکھتی ہیں۔ گویا ہر دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ذکر گونجتا رہا ہے۔

رقم ہیں صحیفوں میں القاب تیرے
تو یٰسین و طٰہٰ میں طلعت نما ہے

حضرت شاہ صاحبؒ نے ''فرقان ونور'' کہہ کر قرآن پاک مراد لیا ہے کہ قرآن نے کفر وایمان کے فرق کو یوں واضح کیا کہ ظلمتیں نور بداماں ہوتی چلی گئیں اور جن کے قلبِ اطہر پر یہ کتاب پاک نازل ہوئی وہ مصورِ حقیقی کا ایک ایسا شاہکار ہیں کہ ویسا دوسرا

ع نہ ہماری بزمِ خیال میں، نہ دکانِ آئینہ ساز میں

اگر نبیؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور خیالوں میں سجا کر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دلوں میں بسا کر، قرآن پاک پڑھا جائے تو وہ ایک نوع سے ''کتابِ نعت'' ہی محسوس ہوتا ہے کہ انہی کے محاسن کا تذکرہ جا بجا ملتا ہے اور واقعات کے تسلسل کو سمجھانے کے لیے اور حقیقتوں کو دلوں میں اتارنے کے لیے انہی مقامات کی قسم کھائی گئی ہے جن کا تعلق کسی نہ کسی نوع سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی قدر سے ہے۔ قرآن پاک کے مطابق بعثتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم ترین احسان ربانی ہے اور حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا ایک خوبصورت حاصل۔ انہی اوصاف سے متصف جن کی آرزو جناب ابراہیمؑ نے کی تھی کہ وہ ذاتِ والاصفات، نہ صرف آیات اِلٰہی سنائے بلکہ ان میں مضمر لطائف و بصائر بھی بیان کرے اور صرف بیان پر اکتفا نہ ہو بلکہ اپنی نگاہوں سے دلوں کی کائنات بھی بدلے اور انہیں یوں آئینہ بنا دے کہ ان میں انوارِ الوہیت منعکس ہو جائیں، وہ انوار جو ان خاصانِ بارگاہ کو انعام کے طور پر عطا ہوتے ہیں، جن کے نقوشِ پا پر گامزن ہونے کی، ہم گنہگار، دن میں کئی بار آرزو کرتے ہیں:۔

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

اتباعِ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم حبِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ بھی ہے اور مغفرت کی سند بھی۔ جب کہ حبِ رسول ﷺ، دلیلِ ایمان بھی ہے اور تکمیلِ ایمان بھی۔ انوارِ نبوت کے کمال و جمال کا احاطہ کوئی سی عقل بھی نہیں کر سکتی۔ مدینہ سے لَو لگائے بغیر نہ سیدھا راستہ مل سکتا ہے نہ سیدھی سوچ، نہ سوچ کو سچائی نہ دل کو رعنائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجسم قرآن ہیں اور قرآن کتاب ہدایت ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر بول ہدایت کا سرچشمہ، ہر قول صداقت کا منبع اور ہر ہدایت منزل کا نشان ہے۔ گویا دل کو بصیرتیں، روح کو نزہتیں، فکر کو رفعتیں، یقین کو ثروتیں، اِتقا کو سعادتیں اور جذبے کو اڑانیں، انوار وہدایت کے اسی سرچشمے سے عطا ہوتی ہیں۔

ملی ہیں مجھ کو وہ کرنیں حضور کے در سے
کہ جن کو دیکھ لے سورج تو رخ پلٹتا ہے

O

زیرِ نظر نعت میں حضور ﷺ کے دستِ سخاوت کا ذکر بھی خوبصورت انداز میں کیا گیا ہے۔ مولانا جامیؒ کا ایک شعر ہے:۔

السلام اے تازہ تر گلبرگِ صحرائے وجود
السلام اے قیمتی تر گوہرِ دریائے جُود

اللہ تعالیٰ نے نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو جود وسخا کی ارفع خصوصیات سے نوازا تھا۔ سورہ والضحیٰ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنے احسانات کا ذکر فرماتے ہیں کہ آپ یتیم تھے، آپ کی چارہ سازی اور دستگیری کی گئی، آپ راہِ حق کے متلاشی تھے، آپ کو نورِ ہدایت عطا کیا گیا، آپ کو نادار پا کر تونگر بنا دیا گیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو، اپنے سوا، ہر ایک سے بے نیاز کر دیا۔ نتیجہ معلوم کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فقر میں صابر اور غنا میں شاکر رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فرمانِ اقدس ہے کہ تونگری ساز وسامان کی کثرت کا نام نہیں اور اصل تونگری، دل کی تونگری ہے۔ آخر میں ہدایت کی گئی کہ نہ یتیم پر سختی ہونی چاہیے اور نہ سوالیوں کو ڈانٹ ڈپٹ اور پھر انعامات کا ذکر بھی لازم ہے اور شکر بھی کہ اسی سے نعمتیں پھلتی، پھولتی اور پھیلتی ہیں۔ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ معاشرت سے یہ اندازہ لگانا غلط ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مالی اور مادی اعتبار سے کچھ نہ تھا ___ کیا نہیں تھا؟ سب کچھ تھا، مالِ غنیمت کے ڈھیر بھی تھے، سونے چاندی کے انبار بھی، احد پہاڑ کو سراپا سونا بنا دینے کی پیشکش بھی تھی مگر وہ سب کچھ سائلین میں لٹا دینے کے عادی تھے اور خود اپنے فقر ہی کو فخر بنایا کرتے تھے، کچھ پاس نہ ہو تو فقر مجبوری ہے، سب کچھ ہونے کے باوجود سادگی عظمت بھی ہے اور فخر بھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کریم تھے کہ قیمتی سے قیمتی چیزوں کو خوش دلی کے ساتھ دوسروں میں بانٹ دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواد تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عطا میں تکثیر وفراوانی تھی۔ عرب موسلا دھار بارش کو، مطر جواد کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جود وسخا کسی کو محروم نہیں رکھتی تھی۔ مجازی محبوب کے بارے میں غزل کا ایک شاعر کہتا ہے ؎

محبت کس قدر یاس آفریں معلوم ہوتی ہے
ترے ہونٹوں کی ہر جنبش 'نہیں' معلوم ہوتی ہے

مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے محبوب تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک نے تشہد کے بغیر کبھی لا نہیں کہا۔ ایک شاعر کہتا ہے کہ تشہد میں لا کہنا ضروری نہ ہوتا تو پھر ان کی لا بھی نعم ہوتی ___ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جس نے جو مانگا، اسے وہی ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی خوبصورت اور قیمتی لباس زیبِ تن فرمایا، کسی نے اسی کی آرزو کر دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً عطا کر دیا اور بسا اوقات نگاہوں کی آرزو ہی پر جود وسخا کا جذبہ جوش میں آ جایا کرتا تھا۔ بارانِ جود وسخا کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگائیں کہ جنگِ حنین سے ملنی والی غنیمت میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور خمس ۸۰۰۰ بکریاں، ۴۸۰۰ اونٹ، ۸۰۰۰ اوقیہ چاندی اور گیارہ سو جنگی قیدی ملے تھے ___ جو ضرورت مندوں میں تقسیم ہو گئے اور ذاتی قناعت وسادگی کا یہ عالم تھا کہ کئی بار فاقہ کشی کی نوبت آ جاتی تھی اور اپنی عزیز ترین بیٹی حضرت فاطمہؓ کو ان کی درخواست کے باوصف ایک خادم بھی عطا نہیں ہوتا جبکہ مسلسل چکی چلا چلا کر اور گھر میں جھاڑو دے دے کر ان کے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے، بلکہ انہیں نماز کے بعد پڑھنے کے لیے تسبیحات کا گراں قدر تحفہ دیا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے مطابق، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا سے زیادہ سخی تھے۔ رمضان کے مہینے میں اور جبرئیل امین سے ملاقات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ سخا یوں ہوتی تھی جیسے تیز ہوا چلتی ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ خود ہی جواب میں فرمایا، اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سخی ہے اور اولادِ آدم میں سب سے زیادہ سخی میں ہوں اور میرے بعد سب سے زیادہ سخی وہ شخص ہوگا جس نے علم پڑھا، پھر اس علم کو پھیلایا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے قبر سے اٹھائے گا تو وہ شخص فرد واحد نہیں ہوگا بلکہ پوری امت کی حیثیت سے حاضر ہوگا۔ نیز وہ شخص سب سے زیادہ سخی ہے جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور قتل کر دیا گیا۔''

☆

زیرِ تبصرہ نعت میں جہاں سیرتِ پاک کے بہت سے پہلوؤں کا ذکر ہے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلقِ عظیم کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عظیمہ کا تعلق ہے انہیں اس مختصر مضمون میں، اجمالاً بیان کرنا بھی ممکن نہیں کہ

ع سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے

حضرت موسیٰؑ کو اخلاقِ حسنہ عطا ہوئے کہ اتنا ہی بدلہ لیا جائے جتنا ضروری ہے، حضرت عیسیٰؑ کو اخلاق کریمانہ ملے کہ ایک تھپڑ کھا کر دوسرا گال پیش کر دو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اخلاقِ عظیمہ سے نوازا گیا کہ پتھر کھا کر دعائیں دو، خلقِ عظیم سے مراد اسلام بھی ہے اور قرآن بھی کہ جن فضیلتوں اور رفعتوں کا ذکر قرآن پاک میں ہے وہ سبھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں جلوہ گر تھیں گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں اخلاقِ حسنہ کی جملہ خوبیاں منتہائے کمال پر پہنچ کر ہم آہنگ ہوگئی تھیں۔ اسی لیے جناب عائشہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور قرآن کو ہم رنگ اور ہم آہنگ بتایا ہے۔

اے سرورِ دیں نور ہے یکسر تری سیرت
اقدار کو کرتی ہے منور تیری سیرت
یا خیر کا معمورۂ پر نور و معنبر
یا حسن کا موّاج سمندر تری سیرت
زیبائی افکار کا مصدر ترے انوار
رعنائی کردار کا جوہر تری سیرت

☆

پانچویں شعر کے پہلے مصرع میں شاہ صاحبؒ نے ''کحل مازاغ البصر سے چشمِ باطن کی کشود'' کا ذکر کیا ہے۔ اس کا تعلق واقعۂ معراج سے ہے۔ سورۂ النجم کی آیت ۱۷ میں ہے ''مازاغ البصر وماطغیٰ'' کہ نہ تو نگاہ بہکی اور نہ حد سے بڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرہ المنتہیٰ پر جبرئیل کو اصل شکل میں دیکھا کہ اس کے چھ سو پر تھے۔ ایک پر مشرق و مغرب کے درمیان فاصلے جتنا تھا۔ سدرہ بیری کا ایک درخت ہے جو چھٹے یا ساتویں آسمان پر ہے اور وہ ملائکہ کی آخری حد ہے کہ یہیں سے وہ پیغاماتِ الٰہیہ وصول کرتے ہیں۔ اس مقام کے گرد سونے کے پروانے منڈلاتے ہیں۔ یہ مقام اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مظہر ہے۔ یہاں نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں اس حد کے اندر رہیں جو ان کے لیے مقرر تھی نہ حد سے متجاوز ہوئیں نہ ادھر ادھر پھریں۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی مشاہدات اور قلبی واردات میں حقیقت و واقعیت کی کارفرمائی تھی

۔اس میں فریبِ نظر کا شائبہ تک نہ تھا جو آنکھوں نے دیکھنا تھا، وہی دیکھا اور جو دل نے قبول کرنا تھا وہی قبول کیا

نہ جھپکی آنکھ جس کی رو بروئے جلوۂ باری
سر قوسین ذاتِ ربِ عزت دیکھنے والا

گویا نگاہوں نے تجلیات سمیٹنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کی قدرتیں اور نشانیاں کما حقہ، نگاہوں نے دل کے آئینہ خانے میں منعکس کیں اور وہ مقامِ قرب نصیب ہوا جس کے بارے میں مولانا سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں کہ

''پھر شاہدِ مستورِ ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گہِ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام عطا ہوئے جن کی لطافت ونزاکت بارِ الفاظ کی متحمل نہیں ہوسکتی۔'' (سیرۃ النبی جلد۳)

گویا کحل مازاغ البصر سے چشم باطن کی یوں کشود ہوگئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی تاریکی میں دن کے اجالے کی طرح دیکھتے تھے۔ مقتدیوں کے رکوع وسجود کی کیفیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم باطن پر واضح تھیں، یہ بات بھی تاریخ نے محفوظ رکھی ہے کہ مدینہ سے بہت دور کفار سے لڑنے والے مجاہدین کی کیفیاتِ جہاد، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں بتاتے چلے جاتے تھے۔ بفضلہٖ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کے سامنے فاصلے یوں سمٹ گئے تھے کہ نجاشی حبشہ میں فوت ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز جنازہ مدینہ میں ادا فرماتے ہیں۔ غزوۂ خندق کے سلسلے میں چٹان کو توڑتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم شام، فارس اور یمن کے خزانوں کی کنجیاں ملنے کی نوید سناتے اور وہاں کے محلات ملاحظہ فرماتے ہیں، یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پوری کائنات اور قیامت تک ہونے والے واقعات منکشف کردیئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہ یوں واضح تھے جیسے ہاتھ کی ہتھیلی۔ (طبرانی بحوالہ ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد۵)

اس نعت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نورِ ہدایت قرار دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو ''سراجِ سالکِ رب ودود'' کہا گیا ہے کہ تقربِ الٰہی کا خواہش مند اسی راستے پر چل کر مقصودِ زندگی پاسکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نظامِ زندگی پیش فرمایا وہ پریشان اور گمراہ انسانیت کی رگوں میں یوں اتر گیا جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم، شاخِ گل کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انبیاء کا مشن دیگر مصلحین سے ہمیشہ مختلف رہا ہے۔ مفکرین صرف فکر دیتے رہے عمل کا نمونہ نہ دے سکے۔ شاعر صرف کانوں اور نگاہوں کو جنت عطا کرتے رہے مگر من کی دنیا کو نور عطا نہ کرسکے۔ مقنن، قانون کا ضابطہ دیتے رہے مگر خود عمل کا نمونہ نہ بن سکے۔ مگر انبیاء نظریے کے ساتھ ساتھ عمل بھی پیش کرتے ہیں اور عمل کی یہی صالحیت لوگوں کے دلوں میں تیر بن کر اتر جایا کرتی ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا آخری دستور حیات دیا جو زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے جو مکمل تھا اور ہے اور اس مکمل ضابطۂ حیات کی ایک ایک شق کی عملی تفسیر، اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ قرآن پاک متن ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس کی تشریح ہے۔ زندگی کا کوئی ضابطہ، فکر کا کوئی پہلو اور سوچ کا کوئی رخ اس وقت تک بہترین نتائج پیدا نہیں کرسکتا جب تک اس کے ساتھ صاحبِ فکر کے اپنے عمل کا نمونہ نہ ہو، جس کا اپنا دل سوز وتپش سے خالی ہے وہ دوسرے دلوں کو گداز کیسے عطا کرسکتا ہے۔ جو خود ویرانۂ احساس میں بھٹک رہا ہے وہ پریشاں حال مسافروں کو بہاروں کی رعنائی نہیں دے سکتا گویا یہ عمل کا حسن ہے جو افکار کو برنائی اور خیالات کو زیبائی عطا کرتا ہے اور یہ افراد ہی ہوا کرتے ہیں جو کائنات کا رخ بدلتے، آندھیوں سے ٹکراتے اور ناقۂ بے زمام

کوسوئے قطار لے جاتے ہیں۔شخصیات ہنگامہ پرور بھی ہوتی ہیں اور ہنگامہ خیز بھی، انقلاب آفرین بھی اور انقلاب انگیز بھی۔رہ گئے اصول، وہ تو ان ہنگاموں کوملفوف کرنے کی ایک ریشمی نقاب ہیں۔دنیا کے نکتہ وروں،فلسفیوں،شاعروں اور ادیبوں کے چراغ اس لیے فروزاں نہ رہ سکے کہ ان کے پاس صرف نظریہ تھا،عمل نہ تھا، جبکہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کوایک ضابطے کے طور پر پیش کیا اوراس ضابطے کی عملی تکمیل اپنی سیرت سے کردی۔نتیجہ معلوم کہ ان کے رخِ کردار نے ان کے پیش کردہ دستور کوعملی،ازلی اورابدی بنادیا۔اسوہ واصول کی اس جامعیت نے اسلام کوایک ایسا دین بنادیا جو ہر شخص اور ہر دور کے لیے ہے ؎

تجھ سے پہلے کا جو ماضی تھا، ہزاروں کا سہی
اب جو تاحشر کا فردا ہے وہ تنہا تیرا

مولانا حنیف ندویؒ کے الفاظ میں:

''اسوۂ حسنہ کا لفظ اگر چہ سیاق جنگ میں آیا ہے(الاحزاب ۲۱)مگر معناً اس میں عموم ہے ہر شخص جواللہ سے اور روزِ آخرت کے خوف سے ڈرتا ہواوراس کے دل میں ذکر وشغل کی محبت ہو۔ضروری ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کواپنے سامنے رکھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر لحاظ سے حسن و جمال کا پیکر ہیں۔ تقویٰ و پاکیزگی کا مظہر ہیں۔وہ تمام پیغمبرانہ اوصاف جو چہرۂ نبوت کا غازہ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں موجود ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخِ زیبا میں ہر نوع کے مشتاق کے لیے تسکینِ نظر کا وافر سامان مہیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلاصۂ انسانیت ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حرکت غیر جمیل نہیں،آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیرت وعمل کا بہترین نمونہ ہیں اور جسم وقالب سے لے کر روح کی گہرائیوں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں حسن ہی حسن ہے۔آپ قوموں اور ملتوں کے حالات پڑھیں اوران میں قائدین اور حکما وانبیاء کو دیکھیں اوران میں حسن جس مقدار میں جہاں جہاں موجود ہے اس کو نگاہ میں رکھیں اور پھر مقابلہ کریں جمالِ حبیب سے،آفتابِ نبوت سے آپ یقیناً یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوں گے کہ

ع آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری''

(سراج البیان)

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ''آپ کے ذکرِ مشرف کا ہے خود رافع خدا''اللہ تعالیٰ نے اس کا اعلان سورہ الم نشرح میں فرمایا، ذکر کی رفعت کا یہ عالم ہے کہ جہاں اللہ کا نام آتا ہے وہیں نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی آتا ہے۔ اذان،نماز اور دیگر عبادات اور گزشتہ صحائف میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اپنی تمام تر فضیلتوں کے ساتھ موجود ہے۔ ملائکہ کی محفلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ تواتر اور تسلسل کے ساتھ ہوتا ہے ـــــ یہ ایک جغرافیائی حقیقت ہے کہ زمین گول ہے اور گھومتی ہے۔اس کا جو حصہ سورج کے سامنے آتا ہے وہاں دن اور جو اوٹ میں چلا جاتا ہے وہاں رات ہوتی ہے۔اوقاتِ عالم مختلف ہیں گویا ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا جبکہ کہیں نہ کہیں نماز کا وقت نہ ہو اور کوئی نہ کوئی مسلمان نماز نہ پڑھ رہا ہو اور جنابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیج رہا ہو۔گویا کائنات کا ہر لمحہ ذکرِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور ومشکبو ہے ؎

ہر لمحہ، ہر صدی کا، ازل سے، افق افق
صلِّ علیٰ کا سرمدی نغمہ سنائے ہے

آج سائنسی حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اذان کا سلسلہ کرۂ ارضی میں پیہم اور متصل انداز میں جاری وساری ہے اور جب تک یہ اذانیں گونجتی رہیں گی اللہ کے ساتھ ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی بھی رفعت آفرین رہے گا۔

رفعتِ ذکرِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک یہ لطیف اشارہ بھی ہے کہ قرآن پاک کا محافظ خدا ہے اور اسے بہر حال محفوظ رہنا ہے اور متنِ قرآنی کی وضاحت سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک سہو ونسیان سے کلیتًا پاک ہے۔ بہر اعتبار معتبر اور بہر نوع قابلِ تقلید ہے اس لیے لازم ہے کہ قرآن کے ساتھ ساتھ سیرت کا تقدس بھی موجود ومحفوظ رہے۔

☆

نعت کے آخر میں نعت نگار، آخرت کے ہر خوف سے بے خوف ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شافعِ روزِ جزا ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، ان کے دل کی انگشتری کا نگینہ ہے۔ میدانِ حشر میں پریشاں حال مخلوق ہر نبی کی بارگاہ میں جائے گی مگر خوفِ الٰہی کے باعث کسی کو بھی التماس کی ہمت نہیں ہوگی، ایسے میں جملہ مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ رحمت میں پہنچے گی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حقِ شفاعت کا حوالہ دے کر اسے مطمئن کریں گے اور حضورِ حق میں سجدہ ریز ہو کر اس پیرائے میں حمد وثنا کریں گے کہ رحمتِ حق جوش میں آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کا حق بھی عطا کرے گی اور امتِ محمدیہ کی مغفرت کی نوید بھی ملے گی کہ تب آپ ہی کو مقامِ محمود کا شرف نصیب ہوگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ہاتھوں میں لوائے حمد ہوگا اور جملہ انبیاء اس علم کے سائے میں ہوں گے۔ اس روز ہر تعلق کٹ جائے گا صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق قائم بھی رہے گا اور کام بھی آئے گا۔ یہ بھی فرمانِ رسالت مآب ہے کہ ہر نبی کو سندِ قبول کے ساتھ ایک دعا مانگنے کی اجازت دی گئی اور تمام انبیا وہ خاص دعا، دنیا ہی میں مانگ چکے ہیں، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کو روزِ حشر پر، عاصیوں کی مغفرت کے لیے اٹھا رکھا۔ کیونکہ از روئے حدیث اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نصف امت کی مغفرت کا حق دیا تھا یا شفاعت کا اختیار۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاعت کے اختیار کو پسند کیا کیونکہ اس طرح جملہ خطا کار فیض یاب ہو سکتے تھے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شفاعت گنہگاروں ہی کے لیے ہے۔ ؎

ہم گنہگاروں کا تیرے ماسوا کوئی نہیں
یا شفیع المذنبیں یا رحمۃ للعالمیں

بروزِ حشر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی معزز ومکرم ہوں گے، وقار وافتخار کا ہر رنگ اور آہنگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے وقف ہوگا جملہ مخلوق مہر بہ لب ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس کے ترجمان ہوں گے۔ سبھی پریشان ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نوید شفاعت ان کے لیے وجہِ مسرت ہوگی کہ جملہ خزانوں کی کنجیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دستِ رحمت میں ہوں گی یہاں تک کہ جس شخص کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے دوزخ سے نکال کر جنت میں لے جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری التماس یہ فرمائیں گے کہ جس نے بھی لا الہ الا اللہ کہا

ہے اسے بھی جنت میں لے جانے کی اجازت دی جائے اللہ تعالیٰ اپنی عظمت وجلالت کی قسم کھا کر اس کام کو اپنے ذمے لے لیں گے اور یوں سبھی جنت میں پہنچ جائیں گے۔

☆

حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ نعت جب تک زیرِ غور رہی، میں یہی سوچتا رہا کہ ماضی میں راسخ الایمان، صاحبِ عرفان اور قادرالکلام شخصیات نعت کہتے ہوئے لرزا کرتی تھیں کہ کہیں قلم کی ہلکی سی چوک سے ایمان ہی سلب ہو کر نہ رہ جائے۔

نعت میں کیسے کہوں ان کی رضا سے پہلے
میرے ماتھے پہ پسینا ہے ثنا سے پہلے

عرفیؔ کا مشہور شعر ہے

عرفیؔ مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بردمِ تیغ است قدم را

مگر آج ہر با تخلص ''بلا تامّل'' تلوار کی دھار پر محوِ خرام ہے کیا یہ سچ نہیں کہ ہمارا (الا ماشاء اللہ) ظاہر قرآن وسنت کے مطابق ہے نہ باطن، نہ حقائقِ قرآنی کا ہمیں کوئی خاص فہم ہے اور نہ انوارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی علاقہ ___ مگر ''نعتیہ دیوانوں'' کے ڈھیر ہیں کہ لگتے چلے جا رہے ہیں۔ اہتزازِ نفس ہے کہ ابھرا ابھر کر کوچہ و بازار تک آ گیا ہے۔ غزل کا مرجع بدل بدل کر نعتیں کہی جا رہی ہیں۔ کاش ہم سمجھیں کہ نعت گوئی ایک نازک ترین اور مشکل ترین صنفِ سخن ہے کہ یہاں اس وجودِ ذی جود کی توصیف پیشِ نظر ہوتی ہے جس کی رکاب تھامنے کے لیے سردارِ ملائکہ مجبور ہے۔ جس کے عتبۂ عالی کو بوسہ دے کر زمین ارجمند اور آسمان سربلند ہے۔ جس کا اسوہ سرمایۂ نجات ہے اور خود خالقِ کائنات جس کا مدح خواں اور خود قرآن جس کی کتابِ نعت ہے۔ بنابریں لازم ہے کہ مدحت نگار ذاتی اعتبار سے قرآن وسنت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہو اور فنّی اعتبار سے اس کے قلم سے نکلنے والا ہر لفظ موزونیت اور موسیقیت کی میزان میں تلا ہوا ہو۔

کیا یہ امر واقعی نہیں کہ آج ہماری بسیار نویسی اور ہمارے فکری تکرار نے بات کو اس قدر بے کیف کر دیا ہے کہ دورِ حاضر کے نعتیہ دواوین کو لوگ محض چوم کر رکھ چھوڑتے ہیں۔ پڑھتے نہیں ___ کیا یہ ضروری نہیں کہ ہم نعت کہنے سے پہلے اقبالؒ کے اس شعر پر غور کریں۔

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینہ میں اسے اور ذرا تھام ابھی

اقبالؒ تو رنگ و بوئے رسالت مآب ﷺ کے بغیر درود پڑھتے ہوئے بھی، آب آب ہو رہا ہے۔

چوں بنامِ مصطفیٰ ﷺ خوانم درود
از خجالت آب می گردد وجود
چوں نداری از محمد ﷺ رنگ و بو
از درودِ خود میالا نامِ او

کیا ہم اس بارگاہِ ناز کے احترام میں اپنے بے لگام قلم، روک نہیں سکتے جہاں جنیدؒ و بایزیدؒ بھی نفس گم کردہ آتے ہیں اور جہاں دل والے کوشاں رہتے ہیں کہ دل کے دھڑکنے کی صدا بھی نہ آئے بیدلؔ مدتوں پہلے ''دورِ نعت سرائی'' کو یہ ہدایت دے گیا تھا ؎

زلافِ حمد ونعت اولیٰ است برخاک ادب خفتن
سجودے می تواں بُردن، درودے می تواں گفتن

الغرض نعت گوئی کی وادیٔ جمیل میں قدم قدم احتیاط اور قلم قلم احترام لازم ہے، یہاں سر کے بل چلنا پڑتا ہے اور لفظوں کو پلکوں سے چننا ہوتا ہے کہ میرے نزدیک یہ ایک ''شعری عبادت'' ہے۔ حافظ شیراز نے غزل کے انداز میں سمجھایا تھا کہ ؎

خوشا نمازِ نیازِ کسے کہ از سرِ صدق
بہ آبِ دیدہ و خونِ جگر طہارت کرد

مفہوم یہ ہے کہ وہ کس قدر خوش نصیب ہے جو محبت کی دنیا میں پاکیزگیٔ خاطر کے ساتھ، آنسوؤں اور خونِ جگر سے وضو کر کے، نمازِ نیاز ادا کرتا ہے۔

نعت بھی ایک ''نمازِ نیاز'' ہے۔ اس کے لیے نعت گو کو یوں مطہّر ہونا چاہیے کہ اس کا دل ایک خلوت خانہ ہو اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی محبت ہو کہ وہی دلیلِ ایمان ہے اور دل کی تڑپ، پلکوں پر ستارے بن کر فروزاں رہے اور ساتھ ہی ساتھ ''خود احتسابی'' کی توفیق بھی نصیب ہو کہ ؎

اشکِ اخلاص جسے کہتے ہیں اے دیدۂ تر!
تیرے دریا میں وہ انمول گہر، ہے کہ نہیں؟

اور پھر خونِ جگر مطلوب ہے کہ اسی سے لفظوں کو تاثیر اور رعنائی ملتی ہے اور فنِ شعر کو اعجاز کا حسن عطا ہوتا ہے۔ غالبؔ کے الفاظ میں ''حسنِ فروغِ شمعِ سخن'' کے لیے ''دل گداختہ'' ضروری ہے اور احسان دانشؔ کے خیال میں وہ نغمہ بھی خام ہے اور مغنّی بھی ناتمام ہے جو سوزِ دل کو سازِ رگِ جاں بنانے پر قادر نہیں ہے، گویا فکرِ حسیں کو اسلوبِ حسیں سے ادا ہونا چاہیے ؎

بھیگا ہوا لہو میں ہے لفظوں کا پیرہن
خونباریٔ غزل مرے فن کی اساس ہے

حضرت سید زوار حسین شاہ صاحبؒ کی یہ نعت فکری اور فنّی اعتبار سے انتہائی متوازن ہے۔ جذب و شوق، واقعیت کی انگلی تھام کر شعر بنتے چلے جا رہے ہیں۔ تاریخی حقائق، سادگی کے پیرہن میں مسکرا رہے ہیں اور سرور و کیف کی ایک کہکشاں جھلملاتی محسوس ہوتی ہے۔

(۲۰۰۸ء)

☆

رازؔ کاشمیری کا حمدیہ اور نعتیہ آہنگ

برادرِ عزیز صبیح رحمانی کی ایک تالیف ''اردو حمد کی شعری روایت'' (اپریل ۲۰۱۹ء) میں ۲۱ تحقیقی مقالات ہیں، پیش لفظ خود ایک قابل قدر مقالہ ہے جس میں انھوں نے اردو حمد کے آغاز اور پھیلاؤ کو خوب صورت تحسینی انداز میں سمیٹا ہے۔ اس تالیف کے صفحہ ۳۲۶ پر ڈاکٹر طفیل احمد مدنی کا ایک مضمون ہے، جس کا عنوان ہے۔ ''حمد و مناجات بیسویں صدی میں'' اس مضمون کا اختتامیہ یوں ہے۔

''آخر میں اس سلسلے کو ایک پاکستانی شاعر راز کاشمیری کی مناجات پر تمام کرنے کو جی چاہتا ہے۔ راز صاحب پاکستان کے اُبھرتے ہوئے حمد و مناجات و نعت نگاروں کی صفِ اوّل میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ غزل کی سادگی، سپردگی اور تعلقِ خاطر کو حمد و مناجات میں رچا کر پیش کرتے ہیں۔ الفاظ اور تراکیب میں اعلیٰ ذوق کے حامل ہیں۔ قارئین ان کی قادرالکلامی، وارفتگی، سپردگی اور اثر انگیزی کا اندازہ فرمائیں۔ ملاحظہ ہو:

تو دافعِ ہر رنج و الم بارِ الٰہا
ہم لوگ ہیں محتاج کرم بارِ الٰہا
اٹھتی ہیں ہر اک سمت ہی مایوس نگاہیں
کب تک یہ گراں باریٔ غم بارِ الٰہا
منسوب ہے یہ ارضِ وطن نام سے تیرے
لہرائے سدا اس کا علم بارِ الٰہا
بے برگ و ثمر نخلِ سرِ راہِ وفا ہیں
تو بادِ صبا، ابرِ کرم بارِ الٰہا
آئے ہیں درِ قدس پہ ہم سر کو جھکائے
اک عرض ہے بادیدۂ نم بارِ الٰہا
تیرے ہی تصرف میں ہے بگڑی کا بنانا
تابع ہیں ترے لوح و قلم بارِ الٰہا
جس قوم سے خم کھاتے تھے کل مشرق و مغرب
اب اس میں نہ وہ دم ہے نہ خم بارِ الٰہا

افکار پہ ہے فلسفۂ غرب مسلط
اذہان ہیں اوہامِ عجم بارِ الٰہا
سینے ہوئے محروم تب و تابِ یقیں سے
ہم بھول گئے راہِ حرم بارِ الٰہا
ہم تیری ہدایت کے طلب گار ہیں تجھ سے
بھٹکے ہیں تری راہ سے ہم بارِ الٰہا
کٹتا ہے تو کٹ جائے مگر اپنی دعا ہے
سر ہو تو ترے در پہ ہو خم بارِ الٰہا
مل جائے سبو ہم کو مئے عشقِ نبی ﷺ کا
مطلوب نہیں ساغرِ جم بارِ الٰہا
تو صاحبِ اجلال ہے تو صاحبِ اکرام
پھر ہم پہ ہو بارانِ نعم بارِ الٰہا
پھر لذتِ توحید سے کر ہم کو شناسا
پھر جذبۂ وحدت ہو بہم بارِ الٰہا
پھر امتِ مرسل بنے تقدیرِ زمانہ
اسباب ہوں پھر سے وہ بہم بارِ الٰہا
تو دافعِ ہر رنج و الم بارِ الٰہا
ہم لوگ ہیں محتاجِ کرم بارِ الٰہا

اس سے پتا چلتا ہے کہ مضمون نگار کا تعلق پاکستان سے نہیں بلکہ ان کے اسمِ گرامی کے ساتھ ''مدنی'' کا لفظ ایک دل آویز تعلق کا مظہر ہے اور یہ بھی کہ انھوں نے جناب راز کاشمیری کو ایک پاکستانی شاعر لکھا ہے اور پاکستان کے ابھرتے ہوئے حمد و مناجات اور نعت نگاروں کی صفِ اوّل میں ایک نمایاں مقام کا حق دار قرار دیا ہے، محترم راز کاشمیری کا سوانحی خاکہ درج ذیل ہے۔ اس سے زیرِ نظر اقتباس اور راز کاشمیری سے مضمون نویس کے تعلقِ خاطر کی زمانی حیثیت کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

نام:	خواجہ عبدالمنان
ولدیت:	خواجہ عبدالغنی
قلمی نام:	خواجہ عبدالمنان راؔز، رازؔ کاشمیری، نقش فریادی۔ رازی
تصانیف:	دوانمول ہیرے، جاگو اور جگاؤ، صلی اللہ علیہ وسلم (مطبوعہ) قومی نغمے، زادِ سفر، رختِ گل (زیرِ طبع)
تاریخ پیدائش:	یکم مارچ ۱۹۳۲ء
مقام پیدائش:	گوجرانوالا شہر۔
پتا:	حاجی پورہ۔ گوجرانوالا

تعلیم: ایم۔اے(اردو)بی ایڈ

بطور معلم وصدر معلم: ملت ہائی سکول ملتان، جناح میموریل سکول گوجرانوالا محبوب عالم ہائی سکول گوجرانوالا۔ عطا محمد ہائی سکول گوجرانوالا۔ پی بی ماڈل ہائی سکول گوجرانوالا۔ ڈویژنل پبلک سکول ماڈل ٹاؤن لاہور۔ اصلاحِ معاشرہ ہائی سکول شاد باغ لاہور۔ تعلیم وتربیت ہائی سکول چاہ میراں لاہور۔ گورنمنٹ کیمونٹی ہائی سکول مزنگ لاہور

وفات: ۹فروری۱۹۸۶ءتین بجے بعد دوپہر(میوہسپتال لاہور)

تدفین: قبرستان کلاں گوجرانوالا

نہیں معلوم کہ راز مرحوم کی یہ مناجات انھوں نے کس رسالے میں پڑھی؟ تب لاہور سے خالد شفیق ''شام وسحر'' شائع کیا کرتے تھے۔(۸۱۔۱۹۸۰ء)''شام وسحر'' کو حمدیہ اور نعتیہ ادب میں اولین نوعیت کا امتیازی مقام حاصل ہے۔ راز کاشمیری کی حمدیہ اور نعتیہ منظومات اس رسالے میں باقاعدگی سے شائع ہوا کرتی تھیں، ممکن ہے یہ مناجات، مضمون نگار نے ''شام وسحر'' ہی کے کسی شمارے میں پڑھی ہو اور اُسے محفوظ کر لیا ہو، کیونکہ راقم الحروف نے راز کاشمیری کا نعتیہ دیوان ''لوح بھی تو، قلم بھی تو'' (۱۹۸۸ء) ان کی وفات کے بعد شائع کیا تھا اور ان کی بیشتر حمدیہ اور نعتیہ تخلیقات ان کی ڈائریوں سے لی تھیں۔ بعد میں ان کی بکھری ہوئی غزلوں کو گورنمنٹ کالج گوجرانوالا کے ادبی مجلّہ ''مہک'' میں محفوظ کیا تھا، ان کے آغاز میں یہ مناجات ہے، جب کہ ''لوح بھی تو، قلم بھی تو'' میں یہ شامل نہیں ہے، اس کے آغاز میں درج ذیل دیگر مناجات ہیں:۔

ارض وسما میں حمد سزا رَبِّ ذُوالجلال
رَبِّ عظیم ربِّ علا رَبِّ ذُوالجلال

ہر دل میں تیری شانِ جلالت کا اعتراف
ہر لب پہ تیری مدح وثنا رَبِّ ذُوالجلال

سورج میں، ماہ وانجم وپروین میں جلوہ گر
تیرے جمال کی ہے ضیا رَبِّ ذُوالجلال

کلیاں ہیں تیرے ذکر میں گم، پھول معتکف
محوِ طواف بادِ صبا رَبِّ ذوالجلال

دریا ودشت وکوہ کو ہیبت تری محیط
پابندِ حکم ابر وہوا رَبِّ ذُوالجلال

پھیلے ہوئے ہیں تیرے مظاہر اُفق اُفق
ہر شے میں تُو ہے جلوہ نما رَبِّ ذُوالجلال

مُنکر ترے بھی تیرے کرم سے ہیں فیضیاب
لاریب تُو ہے سب کا خدا رَبِّ ذُوالجلال

سب پر ہیں تیری بخششیں بے حد وبے حساب
محتاج تیرے شاہ وگدا رَبِّ ذُوالجلال

آیا ہُوں سر خمیدہ تری بارگاہ میں
لب پر ہے میرے حرفِ دعا رَبِّ ذُوالجلال

میں سربسر ہُوں گردِ خطا میں اَٹا ہُوا
تُو سربہ سر عطا وسخا رَبِّ ذُوالجلال

جو لوگ سرفراز ہیں انعام سے ترے
مجھ کو بھی اُن کی راہ دکھا رَبِّ ذُوالجلال

ہو مرحمت تو ازنِ فکر و نظر مجھے
مقصد مرا ہو تیری رضا رَبِّ ذُوالجلال

حاضر ہے راز لب پہ دعائے کرم لیے
ہر حرف مستجاب ہو یا رَبِّ ذُوالجلال

O

بابِ کرم ہو مجھ پہ بھی وا ربِّ ذوالجلال
ہو ذوقِ نعت مجھ کو عطا ربِّ ذوالجلال

بخشی ہے جس نے مشعلِ توحید کی ضیا
لکھوں ثنا اُسی کی سدا ربِّ ذوالجلال

بھیجا رسولِ پاک کہ ہے رحمتِ تمام
احسان ہم پہ ہے یہ ترا ربِّ ذوالجلال

خیرالبشر کے فیض سے خیرالامم ہیں ہم
یہ بھی ہے لطفِ خاص ترا ربِّ ذوالجلال

تیرے کرم کی بھی کوئی حد ہے نہ انتہا
وہ بھی ہیں بحرِ لطف و عطا ربِّ ذوالجلال

حُبِّ رسُول کی ہو مرے دل میں روشنی
اُسوہ ہو، میرا راہ نما ربِّ ذوالجلال

تخلیقِ مصطفےٰ ہے ترے فن کا شاہکار
حقِّ ثنا ہو کیسے ادا ربِّ ذوالجلال

پیشِ نظر مقامِ رسالت رہے مرے
توحید کی ہو دل میں ضیا ربِّ ذوالجلال

آتے ہیں جن کے در پہ شہنشاہ سر بہ خم
میں بھی ہوں اُن کے در کا گدا ربِّ ذوالجلال

تیرا ترے فرشتوں کا میں ہو کے ہم نوا
بھیجوں درود صبح و مسا ربِّ ذوالجلال

رحمت سے تیری اُن کی شفاعت نصیب ہو
ہے راز کی بس اتنی دعا ربِّ ذوالجلال

O

وردِ زباں ہے اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر
دل کی زباں ہے اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر
مرکزِ جاں ہے محورِ جاں ہے سرِّ نہاں ہے، حرف عیاں ہے
کیفِ بیاں ہے اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر
شمس و قمر میں شام و سحر میں برق و شرر میں بحر و بر میں
جلوہ نشاں ہے اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر
حمدِ خدا ہے حرفِ دعا ہے ردِّ بلا ہے وجہِ شفا ہے
مونسِ جاں ہے اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر
آقا و مولیٰ، ملجا و ماویٰ، اعلیٰ و ادنیٰ، یکہ و تنہا
تجھ سا کہاں ہے اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر

تیرا صحیفہ صادق و اصدق تیری ہستی کامل و اکمل
رہبرِ جاں ہے اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر
ذات ہے تیری پاک منزّہ رتبہ تیرا اعلیٰ و ارفع
تو ذی شاں ہے اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر
پھول پہ بھنورا، شاخ پہ بلبل، سرو پہ قمری، آم پہ کوئل
زمزمہ خواں ہے اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر
تیری اطاعت، تیری عبادت، موجبِ رحمت باعثِ راحت
فرحتِ جاں ہے اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر
اسمِ معظم، حرفِ مکرّم، ذکرِ صحابہ ورد پیمبر
حسنِ اذاں ہے، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر
تیرا ہی جلوہ ہر ہر سُو ہے کوئی نہیں بس تُو ہی تُو ہے
رازؔ کہاں ہے اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر

O

رازؔ کی شاعرانہ اٹھان فطری تھی، عروض و اوزان کے وہ اتنے ماہر نہ تھے اور نہ ہی انھوں نے کسی استادِ فن سے اکتسابِ فیض کیا تھا، طبیعت گو موزونیت اور لطافت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی مگر محض موزونیت کی میزان میں الفاظ کو تولنے اور جوڑنے کا نام شاعری تو نہیں بلکہ شاعری کیف و تاثر سے عبارت ہے یہ وہ حقیقت ہے جو حسن کی آغوش میں آنکھ کھولتی، فکری صداقتوں سے بال و پر لیتی اور اپنی جنوں سامانیوں سے مہر و ماہ شکار کرتی ہے۔ احسان دانش ایک مقام پر بڑے ہی پتے کی بات کہہ گئے ہیں۔

> ''چونکہ شاعر بنتا نہیں پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے اس میں استاد کی اتنی ہی رہنمائی ہوتی ہے کہ کچھ عرصہ نوک پلک درست کر دے، ورنہ جب صداقت، جذبہ اور موزونیت کا آپس میں تعارف ہو جاتا ہے۔ تو جہاں تک استعداد روشنی کرتی اور علم و تجربہ مشعل دکھاتے ہیں۔ اس راہ کے راہرو ٹھوکر نہیں کھاتے اور ہر مشکل خود بخود آسانی میں تبدیل ہوتی چلی جاتی ہے۔''

رازؔ طبعی موزونی کے ساتھ ساتھ وسیع المطالعہ بھی تھے، ان کے سینے میں ایک تڑپ، ایک خلش اور ایک کسک سی تھی کہ ہر لحظہ انہیں سیماب پا رکھتی تھی، دینی بصیرتیں انہیں ورثے میں ملی تھیں۔ نتیجہ معلوم کہ ان کی آنکھوں میں حیا کی معصومیت، دل میں ایمان حلاوت اور افکار و اعمال میں خشیت الٰہی کی جھلک نمایاں تھی جب کہ ان کی شاعری، ان کی شخصیت کی سچی عکاس ہے۔ اس میں ایک باوفا انسان کا وقار، ایک سچے مسلمان کا سوز و ایقان اور ایک وہبی شاعر کا حسن

اسلوب جلوہ گر ہے۔ان کے اس شعر پر ان کی زندگی ہی نہیں، ان کی شاعری بھی پوری اترتی ہے ۔

نور عفت سے روشن ہیں قلب و نظر
گرچہ رہنے کو شہر ہوس میں رہے

راز کی غزل بیشتر مقامات پر اسی لیے ''باوضو'' سی محسوس ہوتی ہے کہ خود راز ایک صحیح الدماغ اور سلیم النظر انسان تھے ___ ایک اچھا شاعر عموماً ایک اچھا انسان بھی ہوتا ہے اور ایک اچھا انسان اگر سچا مسلمان بھی ہو اور اس کی زندگی بساط بھر حسن اعتدال کے ساتھ بھی گزری ہو تو اس کی اخروی فوز و فلاح کے قابل رشک ہونے میں کیا شبہ باقی رہ جاتا ہے ___ یہ دعویٰ نہیں بلکہ اس رحیم و غفور ذات بلند و برتر کی بے مثال شفقت سے وابستہ ایک فطری حسنِ ظن ہے، جسے مثالب کو گھٹانے اور محاسن کو بڑھانے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ راز ہی کا شعر ہے ۔

میں رحمتوں کے باب سے ہو کر نکل گیا
میزان عدل میرے عمل تولتی رہی

راز تو رحمتوں کے باب سے ہو کر نکل گئے ___ مگر اس فانی دنیا میں، ان کے یہ شعری نقوش اپنے اندر لازوال نوعیت کی تازگی اور بالیدگی لیے ہوئے ہیں ۔

کہیں ایثارِ غم جاتا ہے ضائع
چمن شاداب ہے شبنم نہیں ہے

غزل، حیات و کائنات کو نوکِ مژہ پر تولنے کی سعیٔ جمیل کا دوسرا نام ہے۔ یہ ستارے توڑ توڑ کر آفتاب ڈھالنے کا عمل ہے، یہ دل میں اسی لیے اترتی ہے کہ اس میں فن اور فسوں منتہائے کمال پر پہنچ کر ہم آہنگ ہو جاتے ہیں اور اسے ادب کی حیات مستقلہ اسی لیے کہتے ہیں یہ محض ''صنف سخن ہی نہیں، معیار سخن'' بھی ہے۔ راز کاشمیری کی شعری کاوشوں کو دیکھ کر تاسف سا ہوتا ہے کہ موت کے باعث قریۂ غزل اس آواز سے محروم ہو گیا جس میں روایت اور درایت کا ایک حسین امتزاج ہے۔ یہ آواز کبھی شعلہ محسوس ہوتی ہے کبھی شبنم، کبھی پیار لگتی ہے، کبھی پیکار ___ میرے نزدیک ان کی غزل صلاحیت اور صالحیت کی ایک دلآویز قوسِ قزح ہے۔

جس طرح ہر سر تراشیدہ قلندر نہیں بن سکتا اور ہر نبض دیکھنے والا، حکیم نہیں ہوا کرتا، اسی طرح ہر ''باتخلص'' کو شاعر نہیں کہا جا سکتا۔ جنوں کے لیے عشق کا گداز مطلوب ہے، حکمت کے لیے علمی فراست درکار ہے جبکہ شاعری کے لیے ذہن کی وہ جودت چاہیے جسے انتہائے فرزانگی نے ابتدائے دیوانگی سے بچا بچا کر رکھا ہو ___ ورنہ میر و غالب اور قیس و فرہاد میں فاصلہ ہی کتنا ہے؟ پہلے لوگ سیروں لہو خشک کر کے شعر کہتے اور خود کو فن کی دنیا میں منواتے تھے جبکہ آج محض شاعر کہلوانے کے لیے شعر جوڑے جاتے ہیں۔ شعر سازوں کی اس بھیڑ میں راز کی ذات اور راز کی بات غنیمت تھی کہ ان سے مل کر اور ان کی بات سن کر یوں لگتا تھا کہ ان کے ہاں معصومیت، فکر و فن کی لطافتوں میں ڈھل گئی ہے۔ ان کی غزل پڑھتے ہوئے لفظ لفظ، ایک ابھرتی ہوئی پختگی، ایک لپکتی ہوئی بجلی اور ایک مچلتی ہوئی نغمگی کا احساس ہوتا ہے۔

راز کاشمیری کی غزل کے رنگ و آہنگ کا اندازہ چند درج ذیل اشعار سے کیجیے ۔

باطل کی شب تیرہ و تاریک ہے لرزاں — پھیلی تو ہے اب حق کی ضیا، دیکھیے تو کیا ہو
مظلوم کی آہوں سے ہلا عرش بالآخر — ظالم کے مقدر میں سزا، دیکھیے کیا ہو

منزلیں از خود ترے زیرِ قدم آجائیں گی — درگزر کر رہ گزر سے، راہ کے رہبر کو دیکھ
دستِ آزر کی ہنر مندی تو دیکھی ہے بہت — کار فرما دستِ نورِ دیدۂ آزر کو دیکھ

کس قدر روشن زمانہ آئے ہے — آدمی سے آدمی کترائے ہے
آدمی کے خوں کا پیاسا، آدمی — آئینے سے آئینہ ٹکرائے ہے

پیمانۂ وفا ہوں، گرا دیجیے مجھے — پاؤں میں یونہی، اپنے جگہ دیجیے مجھے
تیرے ستم کی آگ سے مہکوں گا اور بھی — عنبر وفا کا ہوں میں، جلا دیجیے مجھے

دل کا ہر زخم ہرا رہنے دو — شاخ پر پھول کھلا رہنے دو
جانے کب پھیر لے، سورج آنکھیں — طاق میں دیپ جلا رہنے دو

آہیں، آنسو، حسرتیں، مایوسیاں، رسوائیاں — ہم کو راہِ عشق میں کیا کیا نہ نذرانے ملے
بزمِ جذب و عشق کے آداب ہی کچھ اور ہیں — بے خبر، اہلِ خرد، ہشیار دیوانے ملے

اس کا اندازِ تغافل مجھ کو تڑپاتا رہا — ایک نشتر سا مرے دل میں اتر جاتا رہا
دیر تک پلکوں پہ میری اشک لہراتے رہے — دیر تک اک بام پر سایہ سا لہراتا رہا

ہو شفق کی روشنی کا یا گلوں کا تذکرہ — بات پہنچے گی بالآخر آپ کے رخسار تک
تیری خاطر ساری دنیا سے رقابت مول لی — پھول تو ہیں پھول، مجھ سے بدگماں ہیں خار تک

یہی منزل کی ہوں گی دوریاں جب ہم نہیں ہوں گے — یونہی بڑھتے رہیں گے کارواں جب ہم نہیں ہوں گے
جبیں کے بس نشاں ہوں گے، نشاں روشن نشاں ہوں گے — کہاں ہوگا یہ سنگِ آستاں، جب ہم نہیں ہوں گے

محبت کا کہاں ہوگا نشاں، جب ہم نہیں ہوں گے — کسے ہوگا یہ احساسِ زیاں جب ہم نہیں ہوں گے
قفس والوں، چمن والو، سرِ مقتل یہ کہتے ہیں — یہاں ہوگی ہماری داستاں، جب ہم نہیں ہوں گے

رازؔ کاشمیری کی متغزلانہ رفعتوں اور نعتیہ فضیلتوں کا اعتراف ان کی زندگی میں بھی ہوتا رہا اور ان کی وفات کے بعد سیارہ لاہور، فروغ گوجرانوالا، خبر ونظر گوجرانوالا اور مہک گوجرانوالا کے خصوصی شمارے شائع ہوئے، جن میں معروف نثر نگاروں اور شعراء نے رازؔ کاشمیری کو نثری اور شعری خراجِ تحسین پیش کیا، جس کا تفصیلی جائزہ ایک الگ مقالے کا متقاضی ہے۔

جہاں تک رازؔ کاشمیری کی نعتیہ مطبوعات کا تعلق ہے، انھوں نے ۱۴۰۰ھ میں ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی ردیف میں کہی گئی نعتوں کا ایک انتخاب اسی عنوان سے شائع کیا۔ یہ ردیف، درود پاک ہی کی ایک مختصر صورت ہے اور مولانا مودودیؒ کے الفاظ میں:

> ''کثرتِ درود ایک پیمانہ ہے جو ناپ کر بتا دیتا ہے کہ دینِ محمد ﷺ سے ایک آدمی کو کتنا لگاؤ ہے اور نعمتِ ایمان کی کتنی قدر اس کے دل میں ہے۔''

الغرض، درود وسلام ہمارے لیے وجہِ رحمت ہے۔ پل صراط کے اندھیروں میں نور اور تمازتِ محشر میں عرش کا سایہ ہے۔ یہ قربِ رسالت مآب ﷺ کا ذریعہ بھی ہے اور ایک پاکیزہ محرک بھی کہ یاد کا جواب، یاد سے ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے بھی، فرشتوں کی جانب سے بھی اور خود حضور ﷺ کی طرف سے بھی اور اسی یاد پر تعلق کی بنیاد استوار ہوتی ہے۔ یہی وہ تذکرہ ہے جس سے اعمال کا حسن نکھرتا ''لحد'' عنبریں ہوتی اور مغفرت کے ایوان وا ہو جاتے ہیں۔

درود افضل ترین عمل ہے، ایک ایسا نور ہے جس سے اعمال کی تاریکیاں دُھل جاتی ہیں اور دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ قبولیتِ دعا کے لیے ''درود'' اُچک لے جانے والی بجلی سے بھی زیادہ تیز رفتار ہے۔ گویا درود ہماری دعاؤں کا محافظ، رضائے الٰہی کا حاصل، سعادتوں کا سرچشمہ اور خود ہمارے اعمال کی بہترین زکوٰۃ ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے الفاظ میں:

> ''صلوٰۃ و درود کا مقصد ہے، نبی ﷺ کی ثنا و تعظیم، رحمت و عطوفت کے ساتھ اور نعت بھی ثنا و تعظیم اور رحمت و عطوفت ہی کے گرد گھومتی ہے۔''

نعت گو ثنا و تعظیم اور رحمت و عطوفت کو غمِ جاں، غمِ جاناں اور غمِ دوراں سے ہم آہنگ کر کے اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ اس کی لَے، کہیں ذات میں گم ہو جاتی ہے۔ کہیں صفات کو آئینہ دکھاتی ہے۔ گاہے اشکوں کو صوت و صدا بناتی اور کبھی لرزشوں کو نغمگی عطا کرتی ہے۔ کہیں دل کی بے چینیوں کا اظہار ہو جاتی ہے اور کہیں غم دوراں کی کلفتوں کا تذکرہ۔ گویا نعت ذاتی ہوتے ہوئے بھی کائناتی وسعتوں کی آئینہ دار ہے۔ یہ اُمت کی ایک ایسی فریاد ہے جو اس ذاتِ اقدس کے حضور میں پیش کی جاتی ہے۔ جو فی الواقع ثنا و تعظیم کے قابل ہے، جس کی رحمت بیکراں ہے اور جس کی عطوفت ضرب المثل:

اب بھی مجھے سرکار ﷺ کی رحمت پہ یقیں ہے
کل بھی مجھے سرکار ﷺ کی رحمت پہ یقیں تھا

درود وسلام، نماز کا ایک لازم جُز ہے اور نماز مومن کی روحانی معراج ہے جبکہ نعت شاعر کی قلمی اور فکری معراج ہے۔ گویا نعت، درود وسلام ہی کی ایک مترنم اور غنائی شکل ہے۔ جس کے سوتے دربارِ نبوت سے پھوٹتے اور جس کے سلسلے رخسارِ نبوت سے تاب و تب لیتے اور اُسوۂ رسول ﷺ سے پھلتے، پھولتے اور پھیلتے ہیں۔ درود وسلام کا یہ غنائی سلسلہ کعبؓ بن زہیر کے لیے سامانِ عفو، حسانؓ کے لیے وجہِ دعا، بصیری کے لیے پیغامِ شفا اور جامی کے قلم کی نوک پر مچل کر، پیکِ دور افتادگاں بنتا نظر آتا ہے۔ اردو میں محسنؔ کاکوروی، شہیدیؔ، امیر مینائی، حالیؔ، اقبالؔ اور ظفر علی خان مختلف ادوار میں درود وسلام کی انہی شعری کڑیوں کو وارداتِ قلبی اور حادثاتِ دوراں کی روشنی میں جوڑتے اور موڑتے نظر آتے ہیں۔ خوش نصیب

لوگ، جنہیں مولا کریم نے شعر گوئی کی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ وہ ہمیں ہر دور میں آنسوؤں، تمناؤں، دھڑکنوں اور لرزشوں کو زبان دیتے نظر آتے ہیں اور غیر شاعر حضرات ان آنسوؤں کو موتیوں کی طرح سنبھالتے، تمناؤں کو متاعِ عزیز سمجھ کر دل سے لگاتے اور لرزشوں کو محبت کی دین سمجھ کر یک جا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

راز کاشمیری کی اس کاوش کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس ذاتِ اقدس ﷺ پر بار بار درود کے مواقع فراہم ہو گئے ہیں۔ اللہ کرے کہ ان نعتوں کو پڑھتے پڑھتے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' دلوں کی انگشتری کا نگینہ بن جائے۔

کتاب کے آغاز میں جناب حفیظ تائب کا دیباچہ گو مختصر ہے، مگر اپنے اندر تخلیقی اور علمی جامعیت لیے ہوئے ہے اور فنِ نعت کے بعض ایسے گوشوں کی نشاندہی ہوتی ہے، جن کے بارے میں تحقیق و جستجو کی ضرورت ہے۔ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' میں ہیئت کے نئے تجربات بھی ہیں جن سے فکر کو نئی راہیں اور ذوق کو نئی منزلیں ملی ہیں۔ ان نعتوں کی تعداد ۱۸۰ ہے اور شعراء کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے ہے۔ بالخصوص نعت میں، انتخاب کے مرحلے بہت کڑے اور تقاضے بہت کٹھن ہوتے ہیں۔ انتخاب نام ہی کانٹ چھانٹ کا ہے جبکہ شاعر کے لیے اس کی ہر تخلیق عزیز اور محبوب ہوتی ہے وہ کسی لمحے بھی اسے کٹتا اور بٹتا نہیں دیکھ سکتا۔

دوست نوازی اور احباب پروری انتخاب کے معیار کو گرا دیتی ہے۔ اس لیے مرتب کو احباب کی ناراضی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ دوست جتنے ناراض ہوں گے انتخاب اتنا ہی دقیع ہوگا۔ پھولوں کو سبدِ گل چیں سے بہر حال گلہ مند اور گل چیں کے دامانِ نگاہ کی تنگیوں کو گلہائے حسیں کی فراوانیوں سے بہر کیف معذرت طلب رہنا چاہیے۔ ویسے بھی دوستی ایک دشوار گزار سفر ہے۔ جناب راز ہی کا شعر ہے ؎

یہ بھی ہے اک کربلائے آزمائش کا سفر
دوستی سے راز مشکل راستہ کوئی نہیں

ہر مرتب اپنے ذوق، اپنے شوق، اپنی نظر اور اپنی فکر کے مطابق اشعار چنتا ہے۔ نظر اور شوق کو زنجیریں نہیں پہنائی جا سکتیں۔ تخلیق کا حسن خود ناظر کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اسلوب و ادا کا جادو خود بولتا ہے۔ مہک، زماں و مکاں اور حدود و قیود سے بے نیاز ہو کر پھیلتی ہے۔ آفتاب اپنی آپ دلیل ہوتا ہے اور عظمت خود اپنا اظہار۔ سرِ رہگزر کھلا ہوا ہر پھول جنت نگاہ اور ہر رُخ قابلِ نظارہ نہیں ہوتا اور نہ ہر انگڑائی دل پر نور کی قوس کھینچ سکتی ہے۔ وہ نظارے یقیناً انمول اور نایاب ہوتے ہیں، جو خود نگاہوں سے لپٹ جاتے ہیں اور جنبشِ مژگاں بھی بار ہو جاتی ہے۔ انتخاب کرنے والے کو ایسے ہی نایاب منظر ڈھونڈنا ہوتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر منظر کو دلآویزی کا دعویٰ ہوتا ہے۔

تم چاندنی ہو، پھول ہو، نغمہ ہو، شعر ہو
اللہ رے! حسنِ ذوق مرے انتخاب کا

اس کتاب کی نعتیں سالہا سال کی مسلسل تلاش اور پیہم جستجو کا نتیجہ ہیں۔ معلوم نہیں، مرتب نے رسالوں کے کتنے فائل کھنگالے ہوں گے نعتوں کے کتنے دیوان دیکھے ہوں گے اور کتنے ہی احباب سے التماس کی ہوگی اس کا اندازہ فہرست کو ایک نظر دیکھ لینے سے ہو جاتا ہے۔ راز کاشمیری نے بے شمار بکھرے ہوئے موتیوں کو یکجا کر کے ایک ایسی لڑی میں پرو دیا ہے کہ یہ سلکِ عقیدت ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کا روپ دھار کر، عقدِ ثریا کی رفعتوں اور مہر و ماہ کی تابانیوں پر خندہ زن ہے۔ کیونکہ یہ ان نغموں پر مشتمل ہے، جو نہ شب و روز کی گردشوں کے تحت ہیں، نہ کسی فصلِ گل و لالہ کے محتاج اور نہ ہی کسی بہار و

خزاں کے پابند۔ یہ تو اس وجودِ ذی جود ﷺ کا تذکرہ ہیں جن کا اسمِ گرامی دفترِ کونین کا سر رشتۂ آغاز ہے۔ جو خود روحِ بہاراں ہیں اور جن کے تبسم کی ضیا شب کی ظلمتوں کو سحر بناتی، جن کے قدموں کی چاپ تاریخ کے رُخ متعین کرتی، جن کے لبوں کی جنبش، خزاں کو نکہتیں بانٹتی اور جن کی نگاہوں کا التفات، سنگ ریزوں کو جلا دے کر نگینہ بنا دیتا ہے ؎

سورج نے ضیا اس چشم سے لی، اس نطق سے غنچے پھول بنے
اٹھا تو ستارے فرش پہ تھے، بیٹھا تو زمیں کو عرش کیا

O

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ میں نے ان کی نعتوں کا مجموعہ ''لوح بھی تو، قلم بھی تو'' ان کی وفات کے بعد شائع کیا تھا، کتاب کا نام جناب حفیظ تائب مرحوم نے عطا فرمایا تھا۔

اگر حفیظ تائب گوجرانوالا سے نہ ہوتے تو میں بے ساختہ لکھ دیتا کہ رازؔ کاشمیری گوجرانوالا کے حفیظ تائب تھے۔ دونوں کے دل میں ایمان کی حلاوت، آنکھوں میں حیا کی معصومیت اور اعمال میں خشیتِ الٰہی کی جھلک نمایاں، دونوں ایک دوسرے کے رفیق اور فدائی، دونوں ایک عرصہ دل کے داغوں کو چراغ بنا کر اور آنسوؤں کے تاروں کا ساز اٹھا کر غزل سرار ہے اور پھر دونوں غزل کی محلِ سرا سے ہوتے ہوتے نعت کے ایوانِ معلّٰی میں داخل ہوئے، دونوں شُستہ اور پاکیزہ ذوق کے حامل، دونوں جذب و شوق کی رفعتوں سے بہرہ ور ___ اور دونوں کی طبیعت کا رُخ جب نعت کی جانب آیا تو دونوں خود کو بھول کر، رنگ و نور کی اس دلآویز دنیا میں ایسے گم ہوئے کہ دو جہاں کے راستے بلاتے رہے مگر ان کی محبوبِ نظر ایک ہی شخصیت اور مقصودِ نظر ایک ہی چوکھٹ رہی۔ رازؔ کاشمیری مرحوم نے جہاں یہ کہا ؎

کل تک تو رازؔ سر خوشِ جامِ غزل تھا میں
اب میں ہوں اور زمزمِ نعتِ رسول ﷺ ہے

وہاں یہ اعترافِ حقیقت بھی موجود ہے کہ ؎

کوئی منزل جچے کیوں کر نظر میں
ملے جب ان ﷺ کا رستہ دیکھنے کو

یہی وہ مقام ہوتا ہے جب کاہشِ جاں اور غمِ این و آں، غمِ جاناں میں ضم ہو جاتے ہیں اور یہیں سے اس ایمان و یقین کی بنیاد پڑتی ہے جسے سینے میں لے کر اہلِ دل حوادثِ زمانہ سے ٹکراتے، تلاطم دوراں سے کھیلتے، خارزادوں میں آبلے لے کر چلتے، خسروانہ رعونتوں کو سرپائے استحقار سے ٹھکراتے اور رَسن و دار کی رفعتوں پر مسکراتے ہیں، مجید امجد کے الفاظ میں

کیا لوگ تھے کہ جو غمِ جاناں میں مر مٹے
اے روزگار، کیوں تری گردش نہ تھم گئی

ایمان کی سرفروشی اور محبت کا یہ والہانہ پن رازؔ کاشمیری کو ورثے میں ملا تھا۔ گھٹی میں پڑی ہوئی روایات سے انسان چاہے بھی تو بغاوت نہیں کر سکتا۔ مگر رازؔ کاشمیری نے اس توارثی نعمت کو سنبھالا، سنوارا اور نکھارا، یہی وجہ ہے کہ ان کی غزل میں بھی ایک رکھ رکھاؤ، قرینہ اور وقار موجود ہے۔ انہی کی غزل کا ایک شعر ہے ؎

نُورِ عفت سے روشن ہیں قلب و نظر
گرچہ رہنے کو شہرِ ہوس میں رہے

اور حقیقت یہ ہے کہ ''شہرِ ہوس'' میں عفتِ قلب اور عصمتِ نظر اسی کو نصیب ہوسکتی ہے جس کی فضائے دل بطحا کے اس وجودِ اکمل واطہر ﷺ کی سیرت سے مستنیر ہو جس کی حیا سے دنیا پارسائی کا سبق لیتی رہی۔ جس کے خرامِ ناز سے ریت کے ذروں کو ریشم کا لوچ ملتا رہا اور جس کے انفاس کی مہک کا فیض ہے کہ عرب کا ریگستان آج بھی دنیا کو نکہتیں عطا کرتا چلا جا رہا ہے۔

رازؔ کاشمیری کی نعت ان کے پختہ دینی مزاج کی آئینہ دار ہے، انھیں حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں از خود رفتہ ہو کر بھی توحید کی رفعتوں کا پاس رہتا تھا۔ وہ حمد کی وسعتوں اور نعت کی نزاکتوں سے آشنا تھے، انھیں کماحقہٗ احساس تھا کہ ہر نبی کے آنے کی بنیادی غرض و غایت ہی یہ ہے کہ عبد اور معبود کے بگڑتے اور بکھرتے تعلق کو واضح اور محکم کیا جائے، ہر نبی کی تعلیم کا بنیادی ستون توحید رہا ہے اور یہ ایک فطری امر ہے۔ کو جب خدا کا خوف اور آخرت کا تصور دل میں جاگزیں ہو تو اخلاق و کردار خود بخود عفت کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں رازؔ خوب جانتے تھے کہ عقیدت، مبالغہ بن کر گمرہی ہو جایا کرتی ہے۔ اس لیے جہاں انھوں نے حمد اور نعت کے بنیادی فرق کو ہر مقام پر پیشِ نظر رکھا وہاں نعت کو سیرتِ رسول اللہ ﷺ کا حسین عکس بنانے کی امکانی کوشش بھی کی کہ عہدِ حاضر کو اپنی ظلمتیں اُجالنے کے لیے انہی تابانیوں کی ضرورت ہے۔

۱۳ اگست ۱۹۶۳ء کو سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ''سیر و سفر'' ملتان کے نعت نمبر کے لیے پیغام دیتے ہوئے نعت گوئی کے تقاضوں پر یوں روشنی ڈالی تھی:

> ''نبی کریم ﷺ کی مدح و منقبت بھی آنحضور ﷺ کی ذاتِ اقدس سے ہماری عقیدت و محبت کے اظہار کا ایک فطری اور مستحسن ذریعہ ہے بشرطیکہ اس میں حدودِ شرعیہ کو ملحوظ رکھا جائے۔ مشرکانہ عقائد و تخیلات سے اجتناب کیا جائے اور عشقیہ شعر و شاعری کی مبتذل ترکیبات و تلمیحات کو استعمال میں نہ لایا جائے۔ لیکن ایک بنیادی حقیقت جو رسولِ کریم ﷺ کے کسی نام لیوا مسلمان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونی چاہیے۔ وہ یہ ہے کہ آنحضور ﷺ دنیا میں محض زبانی خراجِ عقیدت وصول کرنے کے لیے تشریف فرما نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ آپ ﷺ کی بعثت کا اصل مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں خراجِ اطاعت پیش کیا جائے۔ آپ ﷺ کا فرمانِ مبارک یہ ہے کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک اس کی خواہشات و مرغوبات اس تعلیم کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لے کر آیا ہوں۔''

چونکہ رازؔ کاشمیری کے دل میں مولائے محترم کے لیے محبت کے بے پناہ جذبات تھے اس لیے وہ نعت نگاری میں بھی اسی روش پر گامزن رہے جس کی طرف مولانا نے اشارہ فرمایا ہے اور یہی نعت گوئی کا حقیقی مقصود و مُدعا ہے۔ رازؔ کاشمیری کا یہ شعر اسی ضرورت اور اسی صداقت کا اظہار کر رہا ہے ؎

تعلیم ہے یہ رازؔ کلام مجید کی
طاعت خدائے پاک کی ہے طاعتِ رسولؐ

''لوح بھی تو، قلم بھی تو'' میں شائع شدہ نعتوں کے چند پہلے شعر (مطلع) درج ذیل ہیں ؎

آپ ﷺ سے پہلے جہانِ خشک و تر کچھ اور تھا
آپ ﷺ کی آمد پہ عالم سر بہ سر کچھ اور تھا

ربِ کعبہ کی عطاؤں کے سہارے لکھنا
نعت سرکار کی زمزم کے کنارے لکھنا

لطفِ ذکرِ مصطفیٰ ﷺ آتا رہا
صحنِ جاں میں چاند لہراتا رہا

نعت ان کی ہے، قلم ہے اپنا
نعت گو، دیدۂ نم ہے اپنا

میں غلام شہِ حجاز ہوا
ساری دنیا سے بے نیاز ہوا

اک جلوہ رنگ و نور کا مسحور کر گیا
آیا ہی تھا خیال ابھی روئے پاک کا

لب پر رہی حضور ﷺ کی مدحت تمام شب
مجھ پر رہی ہے ان کی عنایت تمام شب

آنکھوں کا نور آپ ﷺ ہیں، دل کا سرور آپ ﷺ
وجہِ سکونِ قلب و نظر ہیں حضور آپ ﷺ

پڑھتا رہا حضور ﷺ کی سیرت تمام رات
ہوتی رہی ہے یوں بھی زیارت، تمام رات

پیشِ نگاہ سرورِ عالم ﷺ کا در ہے آج
کتنی بلندیوں پہ ہماری نظر ہے آج

قلب و نظر میں آپ ﷺ ہی رہتے ہیں جلوہ گر
دنیا و دیں میں آپ ﷺ کا اسوہ ہے راہ بر

ظلمتِ زیست کی چھٹی، دل کی فضا ہے روشن
ان کے پیغام سے ہر صبح و مسا ہے روشن

دنیائے بے ثبات سے لینا ہے کیا مجھے
کافی ہے نورِ اسوۂ خیرالوریٰ مجھے

زندگی حُبِ نبی ﷺ میں گر بسر ہوتی نہیں
معتبر ہو لاکھ، پھر بھی معتبر ہوتی نہیں

خیر البشر کہوں انھیں، خیر الوریٰ کہوں
تہذیب و ارتقا، کا انھیں راہ نما کہوں

کردار ضیا بار، تو گفتار شگفتہ
ہر دور میں ہیں آپ ﷺ کے افکار شگفتہ

گل بہ داماں ان کے دم سے شاخسارِ زندگی
نقشِ پا سے ان کے روشن رہگزارِ زندگی

سرمایۂ نجات ہے الفت حضور ﷺ کی
شمعِ رہِ حیات ہے سیرت حضور ﷺ کی

میرا مقصودِ نظر ہے وہ نگارِ زندگی
ہے ثنا خواں جس کا خود پروردگارِ زندگی

ہے درِ سرورِ کونین ﷺ سے نسبت میری
کوئی دیکھے تو ذرا رفعت و عظمت میری

تصور میں شہرِ نبی ﷺ چاہیے
خیالوں کی محفل سجی چاہیے

جب نظر گنبدِ خضریٰ پہ لگی ہوتی ہے
ہر طرف نور کی چادر سی تنی ہوتی ہے

اس انتخاب کے آخر میں راز کاشمیری کا ایک طویل نعتیہ قصیدہ ملاحظہ فرمائیے:۔

O

تاریخ کا حصّہ ہیں وہ ایّامِ پُرادبار
دُنیا پہ مسلّط تھی جہالت کی شبِ تار

بھڑکی ہوئی ہر سمت تھی جب آتشِ نمرود
تھا کوئی نہ لیکن جو بنا دے اِسے گلزار

انسان کی صورت میں نظر آتے تھے عفریت
اشرار سے آباد تھے سب کُوچہ و بازار

تھے رنگ و نسب جاہ و حشم باعثِ عزّت
ٹھہرے تھے زر و مال ہی توقیر کا معیار

پتّھر تھے وہ خود اور تھے پتّھر کے پُجاری
تھے جسم قوی اُن کے مگر روح تھی بیمار

عورت تھی فقط اُن کے لیے ایک کھلونا
بیٹی کا وجود اُن کی نگاہوں میں تھا اِک خار

تھے بُغض و عداوت میں وہ مشہورِ زمانہ
رہتے تھے شب و روز قبائل سرِ پیکار

اخلاق و مروّت کا تصوّر بھی تھا مفقود
اِنسان نظر آتا تھا اِنسان سے بیزار

قانون تھا کوئی نہ کوئی ضابطۂ زیست
زنجیرِ عداوت میں تھا ہر شخص گرفتار

تھا خیر سے مطلق نہ کوئی اُن کو تعلّق
یکسر تھے وہ بدکیش و بداندیش و بداطوار

آنکھوں میں حیا تھی نہ دلوں میں تھی محبّت
ہر شخص ستم پیشہ تھا ہر شخص ہوس کار

ہر خُوئے بد اُن کے لیے سامانِ طرب تھی
ہر ایک خباثت پہ اُنہیں رہتا تھا اِصرار

کچھ اُن میں شرافت نہ طہارت کی رمق تھی
سب فاسق و فاجر تھے سبھی رندِ قدح خوار

تہذیب و تمدّن نہ سیاست نہ فراست
تعلیم نہ تدبیر نہ افکار نہ کردار

اِک جنگ جو چھڑتی تھی تو چلتی تھی وہ برسوں
کٹ مرتے تھے ہوتے نہ تھے وہ صُلح پہ تیّار

القصّہ بہر سمت تھی پھیلی ہوئی ظلمت
القصّہ بہر سمت شقاوت کی تھی یلغار

O

O

ظاہر ہوئے ناگاہ نئی صُبح کے آثار
ظلمات کے سینے سے ہویدا ہوئے انوار

خورشیدِ جہاں تاب کی کرنیں تھیں کہ تھے تیر
نکلے جو کماں سے، دلِ ظلمت سے ہوئے پار

لہرانے لگی وادیٔ جاں جُھوم اُٹھے دل
بطحا سے اُٹھا جُھوم کے وہ ابرِ گہربار

تاحدِّ نظر رقص میں تھے شوخ نظارے
تھی نغمہ فشاں موجِ صبا، وجد میں اشجار

عرفان کی نکہت سے معطّر تھی فضائیں
فیضان سے جس کے تھا جہاں طیبۂ عطّار

ناگاہ گرا کنگرہ، ایوانِ عجم کا
آتش کدۂ پارس ہوا راکھ کا انبار

پتّھر ہوئے مصروفِ ثنائے شہِ دوراں
دف بجنے لگے پتّوں کے، جھکنے لگے اشجار

اک نعرہ سے گونج اُٹھی فضا ارضِ عرب کی
اِک نغمہ سے معمور ہوئے قریہ و امصار

گونجی یہ صدا گنبدِ افلاک سے ہر سو
مبعوثِ جہاں ہوتے ہیں سب نبیوں کے سردار

یہ آمدِ سلطانِ دو عالم کی سحر ہے
سلطانِ دو عالم کہ ہیں جو سیّدِ ابرار

وہ اسوہ و سیرت میں ہیں جو معنیٔ قرآں
وہ ختمِ رسل، سرورِ دیں، احمدِ مختار

وہ نجمِ ازل ماہِ ابد، مہرِ جہاں تاب
ضو بخش، ضیا ریز، ضیا پاش، ضیا بار

وہ حامدؐ و محمودؐ، وہ احمدؐ وہ محمدؐ
ایماں کی ردا، دیں کی قبا، عزم کی دستار

وہ ابرِ عطا، بادِ کرم، بارشِ رحمت
وہ بحرِ سخا، موجِ وفا، قلزمِ ایثار

وہ شمعِ ہدیٰ، مشعلِ حق، خلق کی قندیل
وہ بابِ سحر، بامِ قمر، نور کا مینار

وہ جنّتِ دل، خلدِ نظر، روح کا فردوس
انوار ہی انوار وہ مہکار ہی مہکار

ہے راز یہ مدحِ شہِ والا کا تقاضا
ہو جائیں قصیدے میں غزل کے بھی کچھ اشعار

O

O

اُس یوسفِ کونین کا عالم ہے خریدار — جس کے لیے بر پا ہُوا تخلیق کا بازار
کب گزرے گا یہ ہجر کا موسم مرے آقا — اِک عمر سے دل میں ہے مرے حسرتِ دیدار
کب تک میں جدائی کی کڑی دھوپ سہوں گا — کب ہوگا مقدر میں ترا سایۂ دیوار
کب غنچۂ دل شاخِ تمنّا پہ کھلے گا — کب پھیلے گی سینے میں ترے شہر کی مہکار
اے ذات تری باعثِ تزئینِ دو عالم — اے ذات تری خامۂ تخلیق کا شہکار
اے ذات تری سرورِ خوبانِ جہاں ہے — قرآن سراپا ہے ترا اُسوہ و کردار
ہر دَور میں سیرت تری معیارِ صداقت — ہر عہد میں ہیں تازہ بتازہ ترے افکار
یا ور ہو کسی شب مری قسمت کا ستارا — ہو جائے مجھے خواب میں سرکار کا دیدار
درکار زر و مال نہ منصب کی تمنّا — ہوں آپ کی اک چشمِ عنایت کا طلبگار
کس عَتبۂ عالی کا طواف اُس کا ہے مقصود — گردش میں جو دن رات ہے یہ گنبدِ دوّار
ہوں وقفِ ثنائے شہ دیں میرے شب و روز — کرتا ہی رہوں شام و سحر مدحتِ سرکار
ہو یوں بھی کہ اک روز پہنچ جاؤں مدینے — ہوں پیشِ نظر نور فشاں گنبد و مینار
میں عرض کروں درگہِ عالی پہ بصد عجز — ہو رآز پہ بھی چشمِ کرم سیّدِ ابرار
لایا ہوں پئے نذر کچھ اشعارِ عقیدت — گو شان کے شایاں نہیں پیرایۂ اظہار

شاید یونہی کچھ حق ہو ادا نعتِ نبیؐ کا
ہاں پڑھتے رہو صلِ علیٰ رآز لگاتار

O

O

وہ نورِ مبیں، سرورِ دیں، احمدِ مختار
وہ مطلعِ عالم پہ ہے خورشیدِ ضیا بار

مایوس نہ لوٹا کبھی اُس در کا سوالی
دربارِ گُہر بار ہے سرکار کا دربار

مسجودِ ملائک ہے بشر جن کی بدولت
بخشیں شرف و عظمتِ انساں کی وہ اقدار

آقا و غلام ایک ہوئے مٹ گئی تفریق
پیش ایسا کیا عدل و مساوات کا معیار

دن رات رہیں اُن کے لیے لب پہ دعائیں
جو لوگ شب و روز رہے درپئے آزار

ملبوس میں پیوند تو بستر ہے چٹائی
ہیں گرچہ تصرّف میں زر و سیم کے انبار

عورت کے حقوق اور فرائض میں توازن
ہاں آپ کی تعلیم تمدّن کا ہے شہکار

رکھی گئی دُنیا میں مواخات کی بنیاد
مسمار ہوئی رنگ و زر و نسل کی دیوار

اللہ رے دربار کے ضو بار ستارے
عثمانؓ ، ابوبکرؓ ، عمرؓ ، حیدرِ کرّارؓ

سلمانؓ و بلالؓ و انسؓ و طلحہؓ و صفوانؓ
عمارؓ و سعیدؓ و ابوذرؓ ، جعفرِ طیارؓ

کس کس کا کریں تذکرہ کس کس کو سراہیں
سب خُلق کی تصویر سبھی پیکرِ ایثار

سب حق کے پرستار سبھی دیں کے فدائی
مکّے کے مہاجر کہ مدینے کے ہوں انصار

جنّت ہے نگاہوں کے لیے خُلدِ مدینہ
ہے دل کے لیے وجہِ سکوں آپ کا تذکار

لاریب ہے ختم آپ پہ ہر شانِ نبوّت
اِس میں نہیں کچھ شائبۂ حجّت و تکرار

تا حشر نہ آئے گی کوئی اور شریعت
تا حشر سب ادوار ہیں بس آپ کے ادوار

O

(۲۰۱۹ء)

سید ضمیر جعفری کی ایک نعت

سید ضمیر جعفری ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں، غزل، نظم اور نثر ہر سہ اصناف ادب میں ایک انفرادی حیثیت کے حامل ہیں۔ وہ ایک قد آور اور چھتنار وجود ہیں۔ نثر میں ان کے فکاہی مضامین اور سفرنامے قابل ذکر ہیں۔ ان کی ملّی نظموں کا بھی اپنا ایک مقام ہے۔ بطور مزاح نویس انہیں نہ اہل نظر، نظر انداز کر سکتے ہیں نہ تماشائی۔ طنز و مزاح کی کاٹ انتہائی گہری ہوتی ہے۔ یہ دل کے سوز و تپش سے بال و پر لیتا ہے۔ حق یہ ہے کہ ادب کے جس نقطۂ عروج پر بیان کی خوبیاں، ذہن کے تنقیدی زاویے اور قلم کی تعمیری شوخیاں پختہ تر ہو کر ایک معیاری لطافت بن جائیں، اسے طنز و مزاح سے تعبیر کریں گے۔ اسے مشاہدے کی قوت جنم دیتی، ذہن کی پختگی سنوارتی اور تخئیل کی رفعت تیرِ نیم کش بنا دیتی ہے۔ جذبات، کیفیات اور معاملات کی سنگینی کو خفیف ہنسی میں اڑا دینا، اسی قلمکار کا کمال ہے جسے فطرت نے ''رازدارِ خوئے آدم'' بنا دیا ہو۔ ورنہ ''خندہ برنادان و دانامی زنم'' ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ میں بنیادی طور پر ضمیر ضمیری کی ادبی وارفتگی کو ذوق کے اسی مقامِ رفیع پر دیکھتا ہوں یہی وہ اساسی صلاحیت ہے جو ان کی نثر میں ستاروں کی طرح دمکتی اور غزل میں کلیوں کی طرح چٹکتی ہے۔ نثر ہو یا شعر، اس کا تاثر تغزل کی خوبی میں پوشیدہ ہے اور تغزل تحریر کے اس کیف کو کہتے ہیں جو قاری کی رگ رگ میں یوں اتر جاتا ہے جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم، شاخِ گل کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے۔ ضمیر جعفری کی غزل کے درج ذیل چند شعر ان کے مشاہدے کی گہرائی اور گیرائی کے ساتھ ساتھ اظہار و ادا پر ان کی ماہرانہ گرفت کے بھی آئینہ دار ہیں۔

درد میں لذت بہت، اشکوں میں رعنائی بہت
اے غمِ ہستی، ہمیں دنیا پسند آئی بہت
بے سہاروں کی محبت، بے نواؤں کا خلوص
آہ یہ دولت کہ انسانوں نے ٹھکرائی بہت

☆

تو نے دیکھا ہی نہیں پیار سے ذروں کی طرف
آنکھ ہوتی تو ستارے بھی نمایاں ہوتے

☆

شب کو تو ایک قافلۂ گل تھا ساتھ ساتھ
یا رب، یہ کس مقام پر آئی سحر مجھے

☆

چند آنسو ہیں کہ ہستی کی چمک ہے جن سے
کچھ حوادث ہیں کہ دنیا کو جواں رکھتے ہیں

☆

حسن ہر شے پر توجہ کی نظر کا نام ہے
بارہا کانٹوں کی رعنائی نے چونکایا مجھے
غنچہ و گل، مہر و مہ، ابر و ہوا، رخسار و لب
زندگی نے ہر قدم پر یاد فرمایا مجھے

☆

زندگی صدیوں کا حاصل، زندگی صدیوں کا روپ
زندگی جو چشمکِ برق و شرر کی بات ہے
منزل اک رہرو کا تھک جانا ہے، ورنہ زندگی
اک مسلسل رہگزر، پیہم سفر کی بات ہے

☆

جتنا بڑھتا گیا شعورِ ہنر
خود کو اتنا ہی بے ہنر پایا

☆

خدا معلوم دل کو جستجو ہے کن جزیروں کی
نہ جانے کن ستاروں کی ضیا کو دیکھتا ہوں میں
یہ کیا غم ہے، مرے اشعار کو نم کر دیا جس نے
یہ دل میں کس سمندر کی گھٹا کو دیکھتا ہوں میں

ان کی غزل کے یہ چند شعر حافظے کے افق سے قلم کی نوک پر اس لیے آ گئے ہیں کہ مقصودِ تحریر یہ تھا کہ ایک ایسا غزل گو جب نعت گوئی کی طرف آئے گا تو اس کی نعت بھی گدازِ فکر کا شاہکار ہو جائے گی۔ بشرطیکہ صاحبِ تحریر کا دل، حبِ نبی ﷺ کی اُس دولت سے بہرہ ور ہو جس سے ایمان کے ایوان بھی قائم ہیں اور دل کی دنیائیں بھی تاباں۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ لاشعوری طور پر غزل میں جب یہ کہہ گئے کہ کس غم نے ان کے اشعار کو نم کر دیا ہے ان کے دل میں کس سمندر کی گھٹا ہے۔ دل کو کن جزیروں کی تلاش ہے اور کچھ ستارے ہیں جن کی ضیا ان کے تصور کی کہکشاں ہے ___ تو نعت کہتے ہوئے انہیں احساس ہو گیا ہو گا کہ یہی وہ غم ہے جس کے نم سے شعر نشاطِ روح بنتا ہے۔ یہ یقین بھی ابھرا ہو گا کہ بطحا سے اٹھنے والی گھٹا ہی خارزاروں کو گلزاروں میں بدلتی ہے۔ یہ خیال بھی آیا ہو گا کہ ستاروں کی ضیا بھی۔ صاحبِ معراج صلی اللہ علیہ وسلم کے گردِ سفر کا نور ہے ___ اور پھر یہی تو وہ نقوش پا ہیں کہ مل جائیں تو کسی اور منزل کی آرزو ہی نہیں رہتی۔

شاید اسی کا نام ہے توہینِ جستجو
منزل کی ہو تلاش ترے نقشِ پا کے بعد

گو ضمیر جعفری کا نعتیہ سرمایہ مختصر ہے مگر نعت نیاز و ناز کی وہ دنیا ہے جہاں کمیت نہیں، کیفیت دیکھی جاتی ہے۔ یہاں نعتیہ مجموعوں کی ضخامت اور الفاظ و تراکیب کا شکوہ و جمال کام نہیں دیتا یہ تو ایک ایسی بارگاہِ بندہ نواز ہے، جہاں بہت کچھ کہنے کے باوجود، تشنگی کا احساس بدستور رہتا ہے۔ یہاں تو آنسو، زبان بنتے اور سکوت تکلمِ بلیغ کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ جنیدؒ و بایزیدؒ کی ایک نفس گم کردہ حاضری پر شوکتِ اظہار سے معمور ہزاروں نعتیں قربان۔

حضور عجزِ بیاں کو بیاں سمجھ لیجے
تہی ہے دامنِ فن آستاں پہ کیا لاؤں

اور جناب مشفق خواجہ کے الفاظ میں ''آرائش دماغ کی کاوش کا نتیجہ ہوتی ہے اور سادگی، دل کی محویت کا، دل کی باتیں، دل کی زبان ہی میں اچھی لگتی ہیں۔''

دل کی یہی محویت، ضمیر جعفری کی زیرِ نظر نعت کے ایک ایک حرف میں تاثر بن کر دھڑک رہی ہے اور یہی وہ تاثر ہے جو ان کی اس نعت کو پسندیدگی کی اس سطح تک لے آیا ہے کہ اسے راقم الحروف کی خلوت بھی گنگناتی ہے اور جلوت بھی۔ حسنِ ارادت کے ساتھ ساتھ فنی اعتبار سے بھی یہ نعت انتہائی گراں قدر ہے۔ یوں لگتا ہے کہ ان کے دل کی ساری عقیدتیں، قلم کی نوک پر مرتکز ہو کر، لَو دے رہی ہیں۔ علامہ طالب جوہری نے ٹھیک کہا ہے کہ ''جو نعت ادب کے بلند پایہ مقامات کو چھو لے اسے تائیدِ غیبی بھی یقیناً حاصل ہوتی ہے'' اور میرے دل کی آواز بھی یہی ہے کہ یہ نعت، حضورِ ناز میں باریاب ہے اور یہ ایک بے غبار حقیقت ہے کہ حقیقی نعت کے لیے قلم بعد میں اٹھتا ہے اور منظوری پہلے ہو چکی ہوتی ہے۔

دہد حق عشقِ احمد ﷺ بندگانِ چیدۂ خود را
بہ خاصاں می دہد شئہ بادۂ نوشیدۂ خود را

اب اس خوبصورت نعت کے ایک ایک شعر کا رنگ اور آہنگ دیکھیے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے۔ انہوں نے کسی دنیاوی عالم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں فرمایا بلکہ جب حرا کی بھرپور خلوتوں میں جبرئیلؑ نے انہیں پڑھنے کے لیے کہا تو جواب یہی تھا کہ میں تو اُمی ہوں اور پھر حرا کا ایک ہی نورانی لمحہ عرب کے اس عظیم اُمی کو علم کا شہر بنا گیا کہ آپ ﷺ کی زبانِ صدق اظہار سے فصاحت و بلاغت کے چشمے ابلنے اور دریا بہنے لگے اور بڑے بڑے فصیح البیان اس افصح العرب کے حضور میں تہی مایہ نظر آنے لگے اور اس اعتراف پر مجبور ہو گئے کہ ان جملوں کی زمین تو آسمان سے آئی معلوم ہوتی ہے اور پھر فکر کی کونسی دنیا ہے جو اس اُمی کے طفیل گل و گلزار نہیں بنی اور دانش کے وہ کون سے ایوان ہیں جنہیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی لسانی بلاغتوں نے رنگ و نور کی کہکشاں عطا نہیں کی۔ اس تناظر میں سید ضمیر جعفری کی اس نعت کا پہلا شعر دیکھیے

وہ اک اُمّی کہ ہر دانش کو چمکاتا ہوا آیا
وہ اک دامانِ بخشش پھول برساتا ہوا آیا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلانِ نبوت ایک طرف باطل کے کاشانوں پر بجلی بن کر گرا۔ دوسری طرف سعید روحیں، صوتِ ہادی ﷺ کی طرف کھنچ کے رہ گئیں، حالی کے الفاظ میں ''کڑک اور دمک دور دور اس کی پہنچی'' دل ایمان سے سرشار ہوئے اور وقت کی متمدن سے متمدن حکومتیں عرب کے سارباں زادوں کے قدموں میں جھک گئیں نتیجہ معلوم کہ وہ آمرانہ رعونتوں کو نیزوں پر اچھالتے رہے اور ان کی ٹھوکر تاجِ سلطانی سے کھیلتی رہی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کا گداز، پتھروں کو موم بنا گیا۔ آپ ﷺ کے دم سے زندگی کے خواب کو تعبیر مل گئی۔ زمانے کی ویرانیاں، لالہ وگل کو شرمانے لگیں۔ تخریب، تہذیب میں بدل گئی، شر خیر ہو گیا اور جو خود گمراہ تھے وہ نشانِ منزل بن گئے اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سانسوں کی مہک ہے کہ جس کے فیض سے عرب کا ریگستان ایک دنیا کو نکہتیں بانٹتا چلا جا رہا ہے۔ حق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی خاتم کونین کے رخشندہ نگیں ہیں۔ سید مناظر احسن گیلانی کے الفاظ میں:

''یوں آنے کو سب ہی آئے، سب میں آئے، سب جگہ آئے (سلام ہو ان پر) بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے لیکن کیا کیجیے کہ ان میں جو بھی آیا جانے ہی کے لیے آیا پر ایک اور صرف ایک جو آیا اور آنے ہی کے لیے آیا ___ وہی جو اگنے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا چمکا اور چمکتا ہی چلا جا رہا ہے۔ بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ جو آج بھی اسی طرح پہچانا جاتا ہے اور ہمیشہ پہچانا جائے گا جس طرح کل پہچانا گیا تھا کہ اسی کے اور صرف اسی کے دن کے لیے رات نہیں۔ ایک اسی کا چراغ ہے کہ جس کی روشنی بے داغ ہے۔''

ان تعارفی سطور کی روشنی میں اس نعت کے چند اور شعر دیکھیے۔

وہ اک نغمہ کہ انسانوں کو چونکاتا ہوا آیا
وہ اک جذبہ کہ ارمانوں کو دھڑکاتا ہوا آیا
وہ اک نرمی کی سنگ و خشت کے سینے میں جا اتری
وہ اک شیشہ کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوا آیا
وہ اک عظمت کہ مظلوموں کے چہروں پر دمک اٹھی
وہ اک بندہ کہ سلطانوں کو ٹھکراتا ہوا آیا
وہ ایک مستی کہ ہستی کو جلا دیتی ہوئی پھیلی
وہ اک عالم کہ ہر عالم پہ چھا جاتا ہوا آیا

اللہ تعالیٰ مصور حقیقی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دستِ قدرت اور ان کی رعنائی فکر کا ایک ایسا آخری شاہکار جو ہر اعتبار سے معتبر، ہر لحاظ سے مکمل، ہر رخ سے اجمل اور ہر انداز سے احسن ہے، جس جیسا آئینہ نہ ہماری بزمِ خیال میں ہے اور نہ دکانِ آئینہ ساز میں۔ آب وگل کی مدتوں کی آرائشوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اک آدمی ﷺ کونین کا یوں حاصل بنا کہ سورج اس چشم سے ضیا لیتا، غنچے اس نطق سے پھول بنتے ہیں وہ اٹھتے ہیں تو پہاڑ سر بلندی پاتے ہیں، وہ چلتے ہیں تو ریت کے ذروں کو ریشم کا لوچ مل جاتا ہے۔ وہ مسکراتے ہیں تو چمنستانِ کونین کو شگفتگی اور بالیدگی کا حسن عطا ہوتا ہے اور یوں لگتا ہے کہ بہار انھی نگاہوں کی ایک جنبش کا انتظار کر رہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ کامل کے مقابلے میں لفظوں

کا یہ سارا حسن ایک طرف اور سید ضمیر جعفری کا یہ ایک شعر ایک طرف کہ اس میں اتمامِ حسن کے ساتھ، اتمامِ رسالت کی شان بھی جلوہ گر ہے ۔

مشیّت حسن کی تکمیل فرماتی ہوئی ابھری
تصور آخری تصویر بن جاتا ہوا آیا

اس امر کی صداقت سے نہ ماضی انکار کرسکتا ہے نہ حال اور نہ مستقبل کر سکے گا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ بے ٹھکانا انسانیت کا آخری ٹھکانا ہے۔ یہیں پہنچ کر سرگرداں عقل کو منزل کا سکون ملتا ہے اور سکون بھی ایسا، جیسے اک زخمی پرندہ آشیاں تک آ گیا ہو۔ شاعرِ مشرقؒ نے جب محسوس کیا کہ دانش افرنگی اور ایمان زناری ہوگیا ہے تو حکیم الامتؒ، امت کی ان روحانی بیماریوں کے علاج کے لیے مولائے یثرب ﷺ ہی کے حضور میں پہنچے کہ انہی کی چارہ سازی سے مردہ دلوں کو زندگی اور افسردہ روحوں کو تابندگی نصیب ہوتی ہے۔ ہمارے دل فی الواقع خراب اور ہماری آنکھیں سراب ہیں۔ انہی ﷺ کی نگہِ کرم انہیں سرسبز و شاداب کرسکتی ہے۔ صورتِ حال یہ ہے کہ ساری دنیا ہماری تباہی پر ہنس رہی ہے مگر ہمیں اپنے حالِ زار پر رونا نہیں آتا ایسے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے التفات سے ہماری خاکستر میں شمعِ شبستاں کے انداز آسکتے ہیں اور یہ حقیقت بھی ہے کہ ۔

خود وقت کو ملتا ہے سکوں اُن کی گلی میں
سنتے ہیں وہاں گردشِ ایام نہیں ہے

اور اب ضمیر جعفریؔ کی اس دلآویز نعت کا آخری شعر پڑھیے ۔

ترے در کے سوا آسودگیٔ دل کہاں ملتی
ترے در پر زمانہ ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا

اس شعر کو کئی بار پڑھیے عین ممکن ہے کہ ہماری قلبی ویرانی، روحانی ناآسودگی، فکری بے مائیگی اور دینی بے بضاعتی کو منزل کا حسن مل جائے۔ طلب میں سچائی اور سفر میں رعنائی ہو تو منزل مسافر کو خود کھینچ لیا کرتی ہے۔

نعت گوئی انتہائی مشکل صنفِ سخن ہے۔ اس وادی میں قدم قدم احتیاط اور قلم قلم احترام کی ضرورت ہے یہاں عقیدت کو ہر گام سنبھلنا پڑتا ہے کہ یہی ارادت ذرا بے راہ ہو جائے تو توصیف، توہین بن جاتی ہے اور مدح نگار، ایمان ایسی دولت سے یوں محروم ہو جاتا ہے کہ اسے احساس تک نہیں ہوتا۔ سید ضمیر جعفریؔ کی یہ نعت اس نقطۂ نظر سے انتہائی متوازن ہے۔ جذب اور شوق، واقعیت کی انگلی تھام کر شعر بنتے چلے جا رہے ہیں۔ تاریخی حقائق، سادگی کے پیرہن میں مسکرا رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہری حسن ان کی سیرت کے تقدس سے ہم آغوش ہے۔ گویا غازۂ جاں کی بدولت چہرہ گلگوں نظر آ رہا ہے۔ اس نعت کو پڑھ کر والہانہ جذبوں کو توانائی اور حکیمانہ بصیرتوں کو رعنائی ملتی ہے اور اس مختصر سی نعت میں رنگ و نور اور سرور و کیف کی ایک کہکشاں جھلملاتی محسوس ہوتی ہے اور میں اس نعت کے جمال میں، شاعر کا کمال کم دیکھتا ہوں بلکہ اسے بڑے نصیب کی بات قرار دیتے ہوئے، سراسر ممدوحِ عظیم و جلیل صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا سمجھتا ہوں۔

(۱۹۹۸ء)

آہنگِ حجاز

پنڈت بال مکند عرش ملسیانی ۲۰ دسمبر ۱۹۰۸ء کو قصبہ ملسیان ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد جوش ملسیانی ایک فاضل استاد اور اردو کے معروف غزل گو تھے۔ شاعر باپ کے شاعر بیٹے نے نہ صرف شعر و ادب کی آغوش میں آنکھ کھولی بلکہ انہیں جو ماحول ملا، اس کی ہواؤں اور فضاؤں میں بھی شعر و سخن کی خوشبو رچی ہوئی تھی، علامہ اقبال کی ملّی شاعری اپنے شباب پر تھی، ملک کے ادبی رسائل کو جوش ملسیانی کا کلام وقیع بنا رہا تھا۔ حفیظ جالندھری کے ترانے گوشے گوشے اور کونے کونے میں گونج رہے تھے۔ ایسے ادب نواز، ادب پرور اور ادب آمیز دور میں عرش نے غزلیں بھی کہیں اور نظمیں بھی۔ مگر تغزل اور غنائیت ہر مقام پر ان کے شعر کی پہچان رہی۔ انہوں نے قدیم شعری روایات کا احترام کرتے ہوئے جدید عصری اور شعری تصورات و رجحانات کا ساتھ دیا۔ ان کی غزل ذات کی ترجمان بھی رہی اور کائنات کی عکاس بھی۔ زبان کی شستگی اور تیکھا پن انہیں ورثے میں ملا تھا کیونکہ وہ جس باپ کے بیٹے تھے انہیں ''داغِ سخندان'' کی شاگردی کا شرف حاصل تھا۔ عرش کی شاعری ان کی نفاستِ فکر اور حسنِ زبان و ادا کی آئینہ دار ہے اور اس کے ساتھ عصری تقاضوں کی ترجمانی اس کے آفاقی ہونے کی دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وقت کے ممتاز نقاد، ان کی شعری عظمتوں کے بجا طور پر معترف ہیں۔ عبدالقادر سروری نے لکھا تھا:

''عرش ''سرِّ دلبراں'' کے ذاتی تجربوں کو بھی، کبھی تو حدیثِ دیگراں کے پردے میں پیش کرتے ہیں اور کبھی اس مہین پردے کو چاک کر کے اپنے ذاتی تجربوں کو بے نقاب کر دیتے ہیں۔ اس مرحلے پر پہنچ کر عرش کی فکر کے ڈانڈے ہمارے عصر کی ان شعری تحریکوں سے مل جاتے ہیں جنہیں پرانی تحریکوں سے ممیّز کرنے کے لیے کبھی ترقی پسند شاعری اور کبھی نئی شاعری کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔''

جوش ملیح آبادی کے الفاظ میں:

''عرش کی شاعری میں روح اور بیان میں حرارت پائی جاتی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ ان کی اکثر نظموں میں مغز اور تفکر کے آثار نمایاں ملتے ہیں۔''

سید احتشام حسین ان کی شاعرانہ وجاہت کا یوں اعتراف کرتے ہیں:

''عرش کا ذوقِ سخن پاکیزہ اور اندازِ بیان پرخلوص ہے۔ جذبے میں گرمی اور نرمی کا امتزاج ہے۔ خیال میں شعریت اور سچائی کا میل ہے۔''

نیاز فتح پوری کا تبصرہ یوں ہے:

''عرشؔ کو شاعری کا ذوق ورثے میں ملا ہے اور ایک مستحق کی حیثیت سے ملا ہے وہ ان شعراء میں سے نہیں ہیں جو علم سے بے نیاز ہو کر شاعری کرتے ہیں بلکہ ان کا شمار ان پڑھے لکھے وسیع المطالعہ شعراء میں سے ہے جو لغت، عروض اور معانی کے نکات سے بھی واقف ہیں۔ انہوں نے جہاں جہاں فارسی ترکیبیں استعمال کی ہیں ان سے ان کی پوری ''کارآگہی'' ظاہر ہوتی ہے اور اس لیے ان کے کلام میں وزن ہے اور استادانہ معقولیت ''

رشید احمد صدیقی کے الفاظ میں:

''عرشؔ نے اپنی شاعری کا مطمحِ نظر عظمتِ اولادِ آدم اور انسان کی عام محبت کو بنایا ہے۔ شاعری اور انسانیت کا اس سے بڑا تصور اور کیا ہو سکتا ہے۔''

ناممکن ہے کہ ایسا شاعر جس کے شعور نے سوچ کی صالحیت کے ساتھ آنکھیں کھولی ہوں۔ جو عظمتِ آدم کا ترجمان اور رفعت آدم کا عکاس ہو اور جس کے دل میں انسان کی محبت ہو۔ وہ اس عظیم و جلیل انسان ﷺ سے متاثر نہ ہو، جس کی سیرت کی رفعتوں کو فرشتے بھی سلام کرتے ہوں۔ جس کی حیا سے دنیا پارسائی کا سبق لیتی ہو جس کی تعلیم نے سسکتی انسانیت کو سکون اور راحت کا پیغام دیا ہو، جس کے نقوشِ پا کی تابانیوں سے دلوں کی وادیاں درخشاں ہوں۔ جس کے فیضِ نفس سے کلیاں چٹکتی اور پھول مسکراتے ہوں اور جو ذاتِ اقدس ﷺ ہر دور کی ممدوح بھی رہی ہو اور محسن بھی ___ گویا عرشؔ ملسیانی اگر نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مائل ہوئے تو یہ میلان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود ذی جود کا فیضان بھی ہے اور عرشؔ ملسیانی کے ذوقِ سلیم کا تقاضا بھی۔

'' آہنگِ حجاز'' عرشؔ کا نعتیہ کلام ہے جسے مرکزِ تصنیف و تالیف نکودر نے ۱۳ جولائی ۱۹۵۳ء کو انتہائی محبت اور عقیدت سے چھاپا تھا۔ سبز رنگ کے خوبصورت سرورق کی پیشانی پر یہ اشعار مرقوم ہیں:

کوثر چکد از لبم بایں تشنہ لبی
خاور دمد از شبم بایں تیرہ شبی
اے دوست ادب کہ در حریمِ دلِ ماست
شاہنشہِ انبیاء، رسولِ عربی ﷺ

کتاب ظاہری اور معنوی لحاظ سے عقیدت و ارادت کا مرقع ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کو اپنی جان، مال اور اولاد سے عزیز تر جاننا، ایک مسلمان کے ایمان کی دلیل تو ہے مگر ایک غیر مسلم کا عقیدت و ارادت میں ڈوب کر، ایک کتابچۂ نعت چھاپ دینا، ثبوت ہے اس امر کا کہ شاعر کا ذوق پاکیزہ اور بصیرت بے عیب ہے۔ کچھ انہی خیالات کا اظہار کتاب کے شروع میں مولانا عبدالماجد دریابادی نے کیا ہے:

'' آفتاب کو آفتاب کہہ کر اگر آپ نے پکارا اور آفتاب کو آفتاب مان لیا تو یہ آپ کا احسان، آفتاب پر کیا ہوا؟ یہ ثبوت تو صرف اس کا ہوا کہ آپ کی بصارت چشم بد دور صحیح و سالم ہے۔

مادحِ خورشید، مدّاحِ خود است
کیں دو چشم روشن و نامرمد است

پیمبر ﷺ کے جوہرِ پیمبری کو اگر آپ نے پہچان لیا تو اور جوش میں آ کر نعرۂ نعت بلند کیا تو یہ ثبوت صرف اس کا ہوا کہ آپ کی بصیرت ماشاءاللہ درست و بے عیب ہے اور آپ کا حاسۂ باطنی زندہ و بیدار۔''

''آہنگِ حجاز'' میں گیارہ نعتیں ہیں۔ دل کا خلوص، ذوق کی پاکیزگی اور فنی لطافت نقطۂ عروج پر پہنچی ہوئی ہے۔ پہلی نعت میں عرشؔ ملسیانی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سرورِ کائنات، حسنِ نمودِ زندگی، رنگِ رخِ حیات، رونقِ شش جہات اور شانِ بشر کا منتہا یوں قرار دیتے ہیں:

فیضِ عمیم سے ترے قلب و نظر کی وسعتیں
مومنِ حق پرست کا حوصلۂ نجات تو
تیرے عمل کے درس سے گرم ہے خون ہر بشر
حسنِ نمودِ زندگی، رنگِ رخ حیات تو
موردِ التفات ہم، تیری نوازشات سے
ذاتِ خدائے پاک سے وقفِ نوازشات تو
مدحِ سرائے مصطفیٰ ﷺ ہے تو عمل بھی چاہیے
عرشؔ جو ہو سکے تو ہو عزم میں پر ثبات تو

دوسری نعت نغمگی اور بے ساختگی کا شاہکار ہے۔ جی چاہتا ہے کہ نعت نگار کے قلم کو چوم لیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آفاقی اور دائمی نبوت کا دلکش اظہار بھی ہے اور عظمتِ اسلام کا اعتراف بھی۔ عرشؔ، آستانِ نبوت ﷺ کی گدائی اختیار کر کے تاج و تخت کی سطوتوں کو سر پائے استحقار سے ٹھکراتے دکھائی دیتے ہیں اور زندگی کی اوگھٹ گھاٹیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی رہبری کو مسلم قرار دیتے ہیں۔

زمانے بھر میں مسلّم پیمبری ہے تری ﷺ
جو نقشِ قلبِ جہاں ہے وہ برتری ہے تری ﷺ
ترا گدا ہوں غرض کیا ہے بادشاہوں سے
مجھے شہی سے بھی افضل گداگری ہے تری ﷺ
جسے دوام میسر، وہ تیری دارائی
نہیں زوال جسے وہ سکندری ہے تری ﷺ
بسیط فرش سے تا عرش، تیری شان بلند
زمانے بھر میں مسلّم پیمبری ہے تری ﷺ

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت، سیرت و صورت کے تقدس کی ایک دلآویز کہکشاں ہے، غازۂ جاں کی بدولت چہرۂ رسالت بھی گلگوں تھا اور ماحول بھی منور۔ آپ ﷺ افصح العرب تھے۔ آپ ﷺ کا ہر بول بلاغت کی جان اور فصاحت کی کان تھا۔ آپ ﷺ کی گفتار صدقِ اظہار کے سامنے، ہر دور میں، فصیحانِ تمرّد خو جھکتے رہے ہیں۔ انہی حقائق کا

اظہارِ عرشؔ یوں کرتے ہیں:

رخِ مصطفیٰ ﷺ کا جمال اللہ اللہ
زباں کا وہ حسنِ مقال اللہ اللہ
جہاں کے لیے مژدۂ عیدِ عرفاں
عرب کے فلک کا ہلال اللہ اللہ
جہالت کی ظلمت ہر اک دل سے بھاگی
یہ تنویرِ شمعِ خیال اللہ اللہ
اتر آئے خود عرش و کرسی سے جلوے
نبوت کا اوجِ کمال اللہ اللہ

پنڈت بال مکند عرشؔ ملسیانی روضۂ اقدس کی زیارت کے آرزومند بھی ہیں اور ان کے نزدیک زمانے کی گوناگوں تلخیوں میں حصولِ سکون و راحت کا ایک ہی طریق ہے کہ زبان اللہ کی حمد و ثنا میں محو ہو اور دل انوارِ نبوت کا گہوارہ ____ عرشؔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں ہی کے عقیدے کے مطابق باعثِ تکوین و تزئینِ کائنات سمجھتے ہیں۔ دو شعر دیکھیے

توحید کی مے کا لطف اٹھا، ایمان کے جام و مینا سے
جب ساقی، ساقیٔ کوثر ہو پھر عذر بھلا کیا پینے میں
اس گیسوئے مشکیں سے پھیلی گلزارِ زمانہ میں خوشبو
اس چہرۂ زیبا کی ہے جھلک، جو آب ہے اس آئینے میں

حقیقت یہ ہے کہ وہی ایک آستانہ ہے جہاں جبینِ دل جھکتی ہے۔ اس آستانِ ناز پر سکوت بولتا اور آنسو چھلکتے ہیں۔ وہاں اَن کہے حرفِ ارادت پذیرائی پاتے ہیں اور جب درِ نبوت سے نسبتِ خالص پیدا ہو جاتی ہے تو دل کے شکوک دھل جاتے ہیں اور عُقدے کھل جاتے ہیں۔ عرشؔ کہتے ہیں:

تجلّی عام ہو اور وا درِ اسرار ہو جائے
جبینِ دل جو نقشِ آستانِ یار ہو جائے
کمالِ ضبط کی خاطر گوارا ہی نہیں مجھ کو
کہ حرفِ آرزو شرمندۂ اظہار ہو جائے
زہے شانِ براہیمی کہ نمرودوں کی دنیا میں
وہ جس آتش کو بھی کہہ دے وہی گلزار ہو جائے

حیاتِ انسانی مصائب و آلام کے نرغے میں ہے۔ سکھ کے موسم چند ایک اور فصلِ غم کا گوشوارہ وسیع و بسیط ہے۔ قلب و نظر کی پریشانیوں سے۔ آسودگی کی کلیاں سرِ شاخ مرجھا سی گئی ہیں:

سکونِ دل جہانِ بیش و کم میں ڈھونڈنے والے
یہاں ہر چیز ملتی ہے سکونِ دل نہیں ملتا

عرشؔ ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وجہِ سکونِ خاطر سمجھتے ہیں اور انہی کی شفاعت کو اُخروی دنیا کا سہارا گردانتے ہیں:

معطر فضا، مست ساری خدائی
صبا مشک افشاں مدینے سے آئی
امیدِ شفاعت پہ جیتا رہا ہوں
مری عمر بھر کی یہی ہے کمائی
چل اے عرشؔ ہو تو مدینے کا عازم
نہیں راس دنیا کی ہنگامہ آرائی

''آہنگِ حجاز'' کی آٹھویں نعت اس زمین میں لکھی گئی ہے جس میں بہت سے مسلمان شعرا نے بھی اس ذاتِ گرامی قدر کے حضور میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔ عرشؔ اس معروف زمین میں لالہ وگل کھلاتے اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو گردابِ حیات کا سہارا، نگاہوں کا نور اور ایک ایسا ستارہ قرار دیتے ہیں جس پر مطلعِ عالم کو ناز ہے چند اشعار دیکھیے:

طوفانِ زندگی کا سہارا تمہی ﷺ تو ہو
دریائے معرفت کا کنارا تمہی ﷺ تو ہو
ہاں، ہاں تمہی ﷺ تو ہو دلِ عالم کے دلنواز
دلدار و دل نشین و دل آراء تمہی ﷺ تو ہو
لطفِ خدائے پاک شفاعت کے بھیس میں
فیضِ عمیم کا وہ اشارا تمہی ﷺ تو ہو
جاتی ہے عرشؔ پر یہ تمہارے ہی فیض سے
میری دعائے دل کا سہارا تمہی ﷺ تو ہو

نویں نعت بھی محبت کے ایسے ہی جذبات لیے ہوئے ہے۔ اس میں عرشؔ تصورِ نبوت کو خاتمِ دل کا نگینہ قرار دیتے ہوئے حبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دل کے خزانے کی پونجی بتاتے ہیں اور آستانِ مدینہ پر دل جھکا دینے کو، حیاتِ مستعار کا ماحصل سمجھتے ہیں ___ دسویں نعت میں عرشؔ، ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حشر میں ایک حسین ارمغان بنا کر لے جانا چاہتے ہیں اور قلب ونظر کی جلا کے لیے اسی آفتاب سے اکتساب نور کرنے کو کہتے ہیں۔ اب ان اشعار کی نغماتی کیفیت اور غنائی تاثر ملاحظہ ہو:

دل کو اگر ہے نور بنانے کی آرزو
کر اکتسابِ نور اسی آفتاب سے
ذکرِ نبی ﷺ کروں گا تو کہہ دوں گا حشر میں
لایا ہوں ارمغاں یہ جہانِ خراب سے

ہونا ہے عرشؔ دولتِ دیں سے جو بہرہ ور
تو بھی رجوع کر شہِ دیں ﷺ کی جناب سے

آخری نعت فارسی میں ہے۔ جو امیر خسروؔ کے خوانِ سخن کی خوشہ چینیوں کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔

زباں افسانۂ دل بود، شب جائے کہ من بو دم
نظر، نظارۂ منزل بود ، شب جائے کہ من بودم
نہ محفل دیدم و نے محفل آرائے دگر دیدم
ہماں یک جانِ محفل بود، شب جائے کہ من بودم
ہر آں نجمے کہ کسبِ نور کر دے از نگارِ من
شبیہِ ماہِ کامل بود، شب جائے کہ من بودم
ملائک دست بستہ، عرشؔ و کرسی، لطف آمادہ
محمد ﷺ صدرِ محفلِ بود، شب جائے کہ من بودم

الغرض عرشؔ ملسیانی نے اس کتابچۂ نعت میں دل کی جس محبت، نگاہ کی جس تمنا اور قلم کے جس حسن کا اظہار کیا ہے، اسے نہ اہلِ نظر، نظر انداز کر سکتے ہیں اور نہ تماشائی، جذبۂ خلوص، نفاستِ اظہار کے سانچے میں ڈھل کر سحر حلال ہو گیا ہے۔ خود ان کا تخلص عرشؔ ان کی فکری پاکیزگی کا آئینہ دار ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ فطرت کی جانب سے اس تخلص کا انتخاب نعت گوئی ہی کے لیے کیا گیا تھا اور انہوں نے اس تخلص سے کما حقہ، فائدہ اٹھایا ہے اور یوں لگتا ہے کہ اس ''قلمی نام'' کا منتہائے مقصود بھی یہی تھا۔

(۱۹۸۹ء)

☆

نذیر قیصر ـــــ ایک قابلِ قدر مسیحی نعت گو

بعض تقاضے انسان کے اندر موجود تو ہوتے ہیں مگر انسان کو ان کا احساس نہیں ہوتا۔ یہ غیر محسوس کیفیت مدتوں چھائی رہتی ہے اور نا گہانی طور پر کسی اشارے یا کسی واقعے سے جاگ اٹھتی اور واضح فکری اظہار کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کچھ ایسی ہی صورت نذیر قیصر کو بھی پیش آئی جب عطاء الحق قاسمی نے اس کی ایک غزل کے تہہ منظر میں چھپی ہوئی نعتیہ کیفیت کا اسے احساس دلایا اور کہا کہ یہ شعر تو واقعۂ معراج کا عکس بردار معلوم ہوتا ہے۔

ہوا کی لہر میں آہٹ ہے کس کے قدموں کی
کیا ہے کس نے سفر، اختیار کس کے لیے؟

گو شعوری طور پر یہ غزل نعت کے اسلوب میں نہیں کہی گئی تھی مگر اس ایک اشارے نے لاشعور کو شعور اور شعور کو شعر بننے میں مہمیز کا کام دیا اور نذیر قیصر کا ذہن مدتوں سوچتا رہا کہ کہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں شاعرانہ صلاحیتیں، سخن کے تقدس کی اس معراج کے لیے تو ودیعت نہیں کیں، جس کا دوسرا نام نعت ہے۔ اسی سوچ کو جب توفیقِ ایزدی نصیب ہوئی تو، ان کے قلم سے پابند اور آزاد ہئیت میں بہت سے ایسے شعر پارے نکلے جن میں نعت کی ایک شعوری کیفیت موجود ہے اور حق یہ ہے کہ لکھوانے والے نے ان کے قلم کو توفیق، فکر کو رعنائی اور الفاظ کو زیبائی خود عطا کی ـــــ اور یوں ہوا ان کے لیے موذن بنا دی گئی ـــــ ورنہ کتنے ہی غزل گو ہیں کہ وہ اپنے بعض اشعار کو نعت بنا جاتے تو شاید وہ شعر ان کی بخشش کا بہانہ بن جاتے، مثال کے طور پر۔

زبان پہ بار خدایا، یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

☆

پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال
پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا
خامے نے پائی طبیعت سے مدد
بادباں کے اٹھتے ہی لنگر کھلا
مدح سے ممدوح کی دیکھی شکوہ
عرض سے یاں رتبۂ جوہر کھلا

(غالب)

لوگ کہتے ہیں اسے تاریخِ انسانی کے موڑ
راستے جب جھوم اٹھتے ہیں تری رفتار سے

(احمد ندیم قاسمی)

خوشبو بتا رہی کہ وہ راستے میں ہے
موجِ ہوا کے ہاتھ میں اس کا سراغ ہے

(پروین شاکر)

خود وقت کو ملتا ہے سکوں ان کی گلی میں
سنتے ہیں وہاں گردشِ ایام نہیں ہے

(سجاد باقر رضوی)

کاش ان شعروں کو بھی کوئی اشارہ مل جاتا جو غزل کو نعت بنانے میں معین و معاون ہوتا میں سمجھتا ہوں کہ احساس کی اس بیداری کی تہہ میں بھی کوئی نہ کوئی نادیدہ قوت ضرور کام کر رہی ہوتی ہے۔ ایسے اشارے بھی کب انسانی بس میں ہیں۔ یہ بات بڑے ہی نصیب کی ہے اور یہ فیصلے بڑے ہی کرم کے ہیں۔ اسی کا نام رضائے خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہو تو تازیانے بھی بیکار جاتے ہیں، وہ چاہے تو پھول کی پنکھڑی بھی جگر میں آگ لگا جاتی ہے نہ چاہے تو انسان خروشِ سلاسل میں سوتا رہے اور چاہے تو خندۂ گل سے جاگ جائے۔ یہ مشیت ہی تو ہے جس کے تحت سراب کے سینے سے حباب اٹھتے، خزف، حریفِ گہر بنتے اور صدف کی تنہا تاریکیوں کو موتیوں کی تابانی عطا ہوتی ہے ___ کچھ ایسی ہی بات ہے کہ نذیر قیصر کی تنہا تاریک راتیں، دیوار پر آویزاں اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پھوٹتی ہوئی روشنی سے ایک عرصہ مستنیر رہیں اور پھر ایک شب یہ روشنی لفظوں کی صورت اختیار کر گئی، خوبصورت شعری آویزے، ان کے قلم کی نوک پر لَو دیتے رہے۔ ان کا یہ شعر اسی نورانی کیفیت کے سہانے کیف کی طرف اشارہ کر رہا ہے:

خوشبو اسم بنے اور اس کے آگے نور کا ہالہ
آج کی رات اس ہالے کو میں تنہا دیکھنے والا

اسم محمد ﷺ کی یہ خوشبو اور تابش ان کے نعتیہ مجموعے (اے ہوا مؤذّن ہو) میں بجنسہٖ محفوظ ہے۔ انہوں نے ان نعت پاروں میں نہ کوئی اضافہ کیا ہے نہ ترمیم، جو ہے وہ فطرت کی نوازش ہے۔ کسی کی عطا اور دین میں تصرف ہو بھی نہیں ہو سکتا ___ اسے مولا کریم کے کرم ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کتابت شدہ اسمائے گرامی ملتے رہے، کبھی صادقین کی معرفت، گاہے، زوارِ حسین کے وسیلے سے اور وہ انہیں اپنے گھر کی زینت اور نگاہوں کا نور بناتے رہے۔ یوں کوئی، کسی خاص مقصد کے لیے۔ اس لالے کی حنابندی کرتا رہا اور اس حنابندی کا اولین اظہار یوں ہوا۔

چراغِ نورِ مصطفیٰ ﷺ دلوں میں ہے
وہ آفتابِ کم نما دلوں میں ہے
زمین جس کے سائے کو ترس گئی
اس اجنبی کا نقشِ پا دلوں میں ہے

لرز رہا ہے جس سے سازِ حرفِ کن
کبھی سنو کہ وہ صدا دلوں میں ہے

''آفتاب کم نما'' کی ترکیب غریب و نامانوس ہے مگر ندرت آفرین ہے کہ اسی آفتاب کے فیض سے ذرے، ماہتاب اور قطرے، قلزم بنے اور چونکہ وہ ذاتِ اقدس ﷺ وجہِ وجودِ کائنات ہے۔ اسی لیے نذیر قیصر اسی صدا سے، سازِ حرفِ کن میں ارتعاش محسوس کرتے ہیں اور آرزومند ہیں کہ کاش وہ صدا دلوں میں سرور اور نگاہوں میں نور بن کر سما جائے۔

جب قدرت حضرت عبدالمطلب کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد رکھوا رہی تھی تو اہل مکہ اس نامانوس نام پر حیران ہو گئے تھے۔ تب حضرت عبدالمطلب نے اس یقین کا اظہار کیا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس بچے کی تعریف میں ایک عالم رطب اللساں رہے۔ ہمارا تعریف کرنا تو ہماری مجبوری ٹھہری، حضور صلی اللہ علیہ وسلم محمد بنتے ہی تب ہیں جب ان کی تعریف اغیار کی زبان سے ادا ہو۔ ایسا ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔ دوسروں کی یہ توصیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی احسان ہے نہ اسلام پر، بلکہ یہ تو ثبوت ہے اس امر کا کہ واصف کی اپنی نگاہ سلامت، سوچ شفاف اور تحریر اجلی ہے۔ گویا مادحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم دراصل اپنی ہی مدح کر رہا ہوتا ہے۔ سورج کو سورج کہہ کر پکارنا، سورج پر احسان تو نہیں ہوا کرتا۔ نذیر قیصر کے ان اشعار کا بے ساختہ پن، ان کی اپنی فکری صالحیت کی دلیل ہے۔

لفظ کو داستان کس نے دی
پتھروں کو زبان کس نے دی
راہ کے بے نشان ذروں کو
رفعتِ آسمان کس نے دی
بے وجودوں کو عزم کس نے دیا
بے وقاروں کو شان کس نے دی

☆

دھرتی پر پھیلائے کس نے روشنیوں کے کھیت
تیرے پاؤں کو چومنے والی پاک مقدس ریت

☆

زینہ زینہ گھوم رہے ہیں منظر ذات صفات
ہیروں جیسی آنکھیں جن کی، شعلوں جیسے ہات

☆

آنکھ میں آنسو ہجر کا
دل میں بارش نور کی
اسم، کتاب، چراغ پر
بجلی چمکی طور کی

ایک مسافر بے نوا
دل میں لگن حضور ﷺ کی

دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لگن کا ابھرنا، ایک نعمت ہے اور اس نعمت کا نعت کی شکل میں اظہار فرضِ عبدیت ہے اسے ازلی اور ابدی حیثیت حاصل ہے۔ یہ ترانے گونجتے رہیں گے جب تک کائنات قائم ہے جب تک پھول میں مہک، بلبل میں چہک، سبزے میں لہک، ستاروں میں دمک اور سورج میں چمک باقی ہے۔ یہ ترانے، عقیدت اور اطاعت کے کرشمے ہیں اور یہ دونوں خوبیاں۔ انتہا کو چھو کر بھی ناتمام ہی رہتی ہیں۔ زبان شایانِ شان بول کے لیے، قلم کما حقہ، اظہار کے لیے اور فکر مطلوب ومقصود زیبائی کے لیے کوشاں رہتی ہے اور بسا اوقات عجز بیان ہی کو بیان بنانا پڑتا ہے کیونکہ اظہار کا کوئی سا پیرایہ بھی انوارِ نبوت سمیٹ نہیں سکتا، حق کا ادا ہونا، ناممکنات میں سے ہے۔ کیونکہ ذرہ، آفتابِ عالمتاب کی ہر لحظہ پھیلتی ہوئی بے کراں کرنوں کو حسبِ ظرف ہی سمیٹ سکتا اور حسبِ استطاعت ہی بیان کرسکتا ہے، حسن کی تصویر کشی میں لفظ ہمیشہ عاجز ہی رہے ہیں۔ نگاہ خود ہی رخِ تاباں پر بکھر جائے تو وہ الفاظ کو اظہار کا کوئی سا لہجہ بھی نہیں دے سکتی۔ نذیر قیصر کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

''یہ قرض ازل سے ابد تک کا ہے جو ادا ہو کر بھی ادا نہیں ہوتا، اس قرض میں انسان حضرت جنیدؒ کے صحو کے عالم سے واپس آنے کے بعد بھی واپس نہیں آتا، وہ موجود ہو کر بھی غیر موجود رہتا ہے۔''

اور اب ان کے تین شعر دیکھیے:

حمد لکھوں کہ نعت کیا لکھوں
عکسِ ذات وصفات کیا لکھوں
لوح پر انگلیاں مچلنے لگیں
آیتِ کائنات کیا لکھوں
حرف در حرف نور بکھرا ہے
میں سیاہی کے ساتھ کیا لکھوں

نذیر قیصر چاہتے ہیں کہ نعت، بکھری اور الجھی ہوئی انسانیت کے لیے اتفاق وشائستگی کا ایک پاکیزہ ذریعہ بن جائے، شر مٹے اور خیر پھیلے، نفرت، محبت میں بدل جائے اور دل کی دوریاں، دور ہوں۔ جس طرح اک عرب ﷺ نے آدمی کا بول بالا کیا تھا، اسی طرح نعت، بھی آج کے بھٹکے اور بہکے ہوئے انسان کو باخدا انسان بنانے میں بہترین کردار ادا کرسکتی ہے۔ بشرطیکہ وصفِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرقہ وارانہ تعصب سے بچایا جائے۔ نذیر قیصر اس کتاب کے دیباچے میں، نعت گوئی کے جس مقصد کی طرف اشارہ کررہے ہیں وہ قلم کی اس دنیا میں نشانِ راہ بن سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

''آج کی دنیا میں جہاں انسان ایک دوسرے سے کٹ کر دور پڑے مرجھا رہے ہیں۔ نعت کہنے کا سب سے بڑا مقصد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ نبوت کو اجاگر کرنا ہے، جس میں بنی نوع انسان کے لیے محبت، انصاف، آزادی اور عالمگیر اخوت کا پیغام ہے۔ آج نعت کہنے کا سب سے بڑا مقصد رسول کریم ﷺ سے رسمی عقیدت کے بجائے ان کے

عالمی پیغام کوانسانوں تک پہنچانا ہے اور تیزی سے مٹتے اور مرجھاتے ہوئے انسانوں کو تحفظ دینا ہے ___ میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آج کی تیسری دنیا کے انبوہِ عظیم کے مظلوموں کی امامت اور قیادت عالم اسلام کرسکتا ہے۔لیکن اس کے لیے ہمیں سب سے پہلے اسلام کے حقیقی تصور کو گرد وغبار سے باہر لانا ہوگا اور ہمیں رنگ ونسل، قبیلوں اور فرقوں کے رائج اسلام کے بجائے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عالمی اسلام کو رائج کرنا ہوگا۔ جو تمام انسانوں اور جہانوں کے لیے ہے کیونکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام میں رب کا تصور رب المسلمین کا نہیں بلکہ رب العالمین کا ہے ___ قرآن مجید کے صفحات فرد کے بجائے اجتماع کو خیر کثیر کی بشارت دیتے ہیں ___ ہمیں آج رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ بعثت کی پیروی میں انسانوں کو تحفظ اور سلامتی کی بشارت دینی ہے۔ ہمارا یہ عمل رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت اور محبت کا عملی اظہار ہوگا ___ اور یہی ہمارا نعت کہنا ہے۔'' اب ان کی ایک آزاد نعت دیکھیے

قسم شاخِ زیتون کی
امن کے شہر کی
میری راتوں کے پیالے میں، دن
قطرہ قطرہ
لہو بن کے گرتا ہے
صبحوں کی دہلیز پر
سولیوں کے گلے مل کے روتی ہوائیں
ترا راستہ دیکھتی ہیں
قسم شاخِ زیتون کی
امن کے شہر کی
اور لہو میں بکھرتے پروں کی
سبز گنبد سے کوئی کرن بھیج دے
کوئی حرفِ سخن بھیج دے

☆

سانس لیتی ہوئی صبحوں کی قسم
آئیں گے شاخوں میں گلاب
موسمِ درد گزر جائے گا
شبنمی ہاتھ اندھیرے کی گرہ کھولیں گے
آئینہ چہروں سے بھر جائے گا

چاند مہکے گا
ستاروں پر قدم رکھ کے
صبا گزرے گی
سبز گنبد سے کرن اترے گی

امن کے شہر اور سانس لیتی ہوئی صبحوں کو دلیل بنا کر، دلوں کے فاصلوں کو مٹانے کی آرزو، نعت میں تازہ گوئی ایک خوبصورت مثال ہے۔ اس دور کے دریدہ بدن اور مجروح دل تقاضا کرتے ہیں کہ انسانی طرزِ عمل موجِ صبا کے مانند ہو کہ وہ صحنِ چمن میں یوں داخل ہوتی ہے کہ اس کے پاؤں کے نیچے آنے والے شبنم کے موتی ٹوٹنے نہیں پاتے۔ سبک خرامی اور دل آرامی کے یہ انداز صرف اور صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نقوشِ پا کی تابانیوں سے مل سکتے ہیں۔ نذیر قیصر کہتے ہیں۔

قلم نے اسم اتارا ہے
کاغذ، حرف ستارا ہے
تیرا پہلا نقشِ قدم
صبح کا پہلا تارا ہے
آگ اور خون کی لہروں سے
میں نے تجھے پکارا ہے

چونکہ اس دورِ پُر آشوب میں، اسلام کی پاکیزہ تعلیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شفاف کردار ہی انسانی اخوت کا ایک ذریعہ ہے اس لیے ضروری ہے کہ غیر مسلم حضرات اپنی سلامتیٔ فکر کا ثبوت دیتے ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے فطری لگاؤ کا نثر و نظم کی صورت میں اظہار کریں۔ ان کا یہ قلبی اور قلمی اعتراف انسان کو انسان سے آگاہ کرے گا اور یہ آگہی سکون و امن کے ایوان کھولتی چلی جائے گی۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہمارا تو ایمان ہی اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک ہم جملہ انبیائے کرام کی اس دنیا میں تشریف آوری کے خوبصورت مقصد کو بہ صمیمِ قلب تسلیم نہ کریں۔ فطرت اس ضرورت کا خود بخود اہتمام کرتی رہی کیونکہ اخوت کی جہانگیری اور محبت کی فروانی مقصودِ فطرت ہے اور ''اے ہوا مؤذن ہو'' اسی فطری سلسلے کی ایک خوبصورت کڑی ہے۔

اس مجموعۂ نعت میں بعض مقامات پر زیتون اور شاخِ زیتون کی قسم کھا کر، زخم زخم اور لہولہو انسانیت کے لیے، سبز گنبد سے امان چاہی گئی ہے۔ قرآن مجید میں واقعات کے تسلسل کو سمجھانے کے لیے مختلف قسمیں موجود ہیں۔ جن میں زیتون کی قسم کو بھی بطور دلیل لایا گیا ہے۔ قرآن پاک کی ہر دلیل اپنے اندر معنوی حسن رکھتی ہے۔ زیتون غذا بھی ہے اور دوا بھی ہے۔ ''زیتون کے لفظ میں ایک اور لطیف اشارہ ہے کہ جب زیتون سے روغن نکال لیا جاتا ہے تو اس سے دوسرے فوائد کے علاوہ چراغ بھی روشن ہو سکتا ہے اور وہ اپنے اردگرد تمام چیزوں کو منور کر دیتا ہے۔ اسی طرح وہ روح جو قفسِ عنصری میں مقید ہے اگر بقدرِ طاقتِ بشری اس کو بھی علائقِ مادیہ سے پاک وصاف کر لیا جائے تو پھر اس سے بھی بہت سی تاریک روحیں منور اور ظلماتی قلوب روشن ہو سکتے ہیں۔'' نذیر قیصر کی اس نعت میں زیتون کے علاوہ صحرا، صحرا کی پہلی بارش، ابر اور رعد کو بھی بطور قسم

استعمال کیا گیا ہے۔ ؎

قسم زیتون کی
صحرا کی
صحرا میں اترتی پہلی بارش کی
ترے قدموں سے اڑتی دھول کا پیاسا
مرا دل ہے
قسم ہے ابر کی
اور رعد کی تسبیح کی
جب شب کی انگشتِ شہادت
روشنی میں ڈوب کر ابھرے
فلک مکتوب کی صورت
دنوں، سالوں، مہینوں میں بکھر جائیں
ترے اسرار سینوں میں بکھر جائیں

ایک نعت میں وہ سانس لیتی ہوئی صبحوں کی قسم کھاتے ہیں اور قرآن پاک کہتا ہے والصبح اذا تنفس (۸۱/۱۸)
درج بالا نعت میں ''رعد کی تسبیح'' بھی نصِ قرآنی ہی سے مستعار ہے تیرھویں سورہ کی تیرھویں آیت میں ویسبح الرعد بحمدہٖ آیا ہے۔

ان کا ایک شعر ہے ؎

وہی منزلوں کا سراغ ہے، وہ طاقِ شب میں چراغ ہے
وہی رہگزر، وہی قافلہ، وہی لوح لوح قلم قلم

اور اب قرآن پاک کی آیت کا ترجمہ دیکھیے۔ ''اللہ کے نور کی مثال ایسی ہے گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے اور چراغ ایک قندیل میں ہے اور قندیل گویا موتی کا سا چمکتا تارا ہے۔ اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے یعنی زیتون کہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف، اس کا تیل خواہ آگ اسے نہ بھی چھوئے جلنے کو تیار ہے۔ روشنی پر روشنی'' (۲۴/۳۵)

ایک مقام پر انہوں نے امن کے شہر کی قسم بھی کھائی ہے۔ یہ تمام دلائل، قرآن کے ساتھ نذیر قیصر کے مطالعاتی لگاؤ کا ثبوت ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرکزِ جمال و کمال ہیں اور ان کے محبوب ﷺ کا جلوہ بھی صبحِ ازل کی ضو اور شامِ ابد کی لَو ہے۔ قدیم صحائف اپنی تمام تر تحریف کے باوجود، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرنور یادوں سے منور ہیں۔ ہر نبی نے انہیں ایک ہادیٔ منتظر کے طور پر پیش کیا ہے۔ انسان اس کائنات کی رونق اور رعنائی ہے اسی کے لیے یہ بزم آراستہ کی گئی ہے۔ چاند تاروں کو

ضیا، انسان ہی کے لیے دی گئی ہے۔ انسانیت کے حسن کا خلاصہ انبیاء ہیں، انبیاء کا عطر اور جوہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ ﷺ زندگی کے خواب کی ایک حسین تعبیر ہیں۔ آپ ﷺ کے روپ میں مشیّت نے حسن کی تکمیل فرمائی ہے اور آپ ﷺ مصورِ حقیقی کا آخری شاہکار ہیں۔ نذیر قیصر آپ ﷺ کے مقامِ نبوت اور شانِ نبوت کو یوں سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

کاغذ، قلم، دوات بھی تو
معنی بھی، آیات بھی تو
لمبی سبز کھجوروں میں
چاند کی پہلی رات بھی تو
شبنم شبنم صفحوں میں
کرنوں کی برسات بھی تو
موسم موسم رنگوں میں
خوشبو کی سوغات بھی تو
صبح و شام مسافت میں
دور بھی تو اور سات بھی تو
سوتی، جاگتی آنکھوں میں
دن بھی تو اور رات بھی تو

☆

دن سے پہلے سورج آئے اور رات سے پہلے شام
صبحیں ترے نقش قدم ہیں، خوشبو ترا قیام

☆

آسماں آسماں قدم اس کے
معجزے خاک پر رقم اس کے
لہر بکھری ہے یم بہ یم اس کی
تارے اترے ہیں خم بہ خم اس کے
صفحہ صفحہ بشارتیں اس کی
حرف جاری قلم قلم اس کے

☆

سکوت صبح میں تیری صدا بھی شامل ہے
تری صدا میں ہجومِ دعا بھی شامل ہے

ابھرتی لَو کو ہر اک برگِ نو کو چومتا ہوں
نجوم و گل میں ترا نقشِ پا بھی شامل ہے
مرے زمانوں کے موسم میں تری خوشبو سے
گئے زمانوں کا وہ سلسلہ بھی شامل ہے

اس مجموعۂ نعت کا نام ''اے ہوا مؤذّن ہو'' انتہائی معنی خیز ہے۔ ہوا واقعی مؤذن ہے۔ حق یہ ہے کہ اس کی لہریں کسی ایک لمحے کے لیے بھی اذان کی آواز سے خالی نہیں رہتیں۔ سائنسی اور جغرافیائی نقطۂ نظر سے، کہیں دن ہے، کہیں رات اور اوقاتِ عالم مختلف ہیں۔ کرۂ ارض میں ہر لمحہ، کہیں نہ کہیں نماز کا وقت ہوتا ہے گویا ایک سیکنڈ بھی ایسا نہیں گزرتا کہ جب کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی مسلمان اذان نہ دے رہا ہو۔ یوں ایک ساعت کے لیے بھی اذان کا سلسلہ نہ رکتا ہے، نہ ٹوٹتا ہے۔ کلمے سے کلمہ، گونج سے گونج اور لَے سے لَے ملتی چلی جاتی ہے۔ یوں اللہ کی کبریائی اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑائی کے بلند بانگ اعلان سے اوقاتِ عالم کا لمحہ لمحہ لرزتا اور گونجتا رہتا ہے اور یہی پیہم گونج ورفعنا لک ذکرک کی صداقت کا ابدی ثبوت ہے۔ اب نذیر قیصر کی ایک نعت دیکھیے کہ ان کا قلم کیسے اس صداقت کا اعلان کر رہا ہے کہ ہوا ہر لحظہ مؤذن ہے اور ایک ایک لمحہ، ذکرِ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نور و نکہت سمیٹ رہا ہے اور سمیٹتا رہے گا۔ یہاں تک کہ کائنات کی بساط لپٹ اور سمٹ جائے گی۔ حق یہ ہے کہ اس کائنات کے قیام و دوام کا انحصار اسی ذکر کی پائندگی پر ہے۔ ؎

ہوا مؤذّن ہے
بام و در میں چراغ اونچے کرو
کہ سینوں سے رات اترے
سیاہیوں میں بندھے لبوں سے
ستارۂ صبح کی بات اترے
افق بریدہ فلک ہواؤں کا منتظر ہے
لہولہو پاؤں، جلتی آنکھیں
پکارتی ہیں
وہ ہم سفر ہے
وہ رہنما ہے
سنو!
سفر میں وہی صدا ہے

نذیر قیصر کی ان نعتوں سے ایک دلکشا تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ ذہن فرحت اور ذوق آسودگی سے بہرور ہوتا ہے۔ یہ نعتیں اپنے اندر ایک ایسی استعاراتی شان لیے ہوئے ہیں۔ جسے اظہار و بیان کی جمالیاتی آبرو کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اشاراتی انداز میں کی جانے والی بات، بلاغت آفرین ہوتی ہے۔ اس سے تاثّر ابھرتا ہے۔ بات کھل کر کی جائے تو بسا

اوقات بے لطف ہو جاتی ہے اور اشاروں کی آبرو رہ جاتی ہے جبکہ لفظ صدا بن کر رسوا ہو جاتے ہیں۔ بالخصوص نعت میں کنایاتی انداز اختیار کرنا، اسی کے بس میں ہے جس کا قلم اظہار پر قادر اور جس کا فکر صحت مندی کا حامل ہو۔ اظہار میں توانائی اور سوچ میں سچائی نہ ہو تو اشارے بھی تماشا بن جاتے ہیں۔ نذیر قیصر اشاروں میں وہ باتیں کر جاتے ہیں جن کی وضاحت کے لیے دفتر مطلوب ہیں ؎

اے ہوا مؤذّن ہو
سرِ شاخ روشن ہو
کوئی بوند لہر بنے
کوئی بحر دامن ہو
تیری شال ابر بنے
کوئی دھوپ درپن ہو
تیرے ہاتھ مشعل ہوں
مرا حجرۂ تن ہو

☆

چوموں پاؤں وہ ہجرت والے
ہجرت والے، برکت والے
کونپل کونپل، شبنم شبنم
لمحے بھیج زیارت والے
جلتے شہروں پر پھیلا دے
بادل اپنی رحمت والے
میرے صفحوں پر بھی لکھ دے
حرف وہ نور و نکہت والے
میرے زخموں پر بھی رکھ دے
اپنے ہاتھ شفاعت والے

☆

صفحہ شب خالی تھا تیرے ہاتھوں نے
حرف ستارہ لکھا اور اچھال دیا
کھل نہ سکا جو ارض و سما کی آنکھوں پر
تو نے وہ منظر دامن میں ڈال دیا

شعر میں تاثر، تغزل سے آتا ہے اور ایمائیت تغزل کی روح ہے۔ یہ تغزل دل میں سرور و کیف بن کر اترتا ہے۔ تغزل ادا کے حسن اور اظہار کی ندرت سے بال و پر لیتا ہے۔ اداؤں ہی سے نگاہ و دل شکار ہوتے ہیں۔ بات کرنے کی بھی ادا ہوتی ہے اور یہی ادا، نکہتِ گل کو بھی صدا بنا دیتی ہے۔ حسنِ ادا کے لیے ایسے برجستہ، موزوں اور ریشمی لفظ مطلوب ہیں۔ جس سے ذہن خود بخود تصویریں بناتا چلا جائے۔ اس سے معنوی قوت نکھرتی ہے اور ذوقِ سلیم مدتوں مسحور لذت رہتا ہے۔ تغزل اظہار و بیان کی وہ صلاحیت ہے جس سے جذباتی حقائق کا تنوع سمٹ کر، ذہن اور دل دونوں کو ایک ہی ادا میں رضا مند کر جاتا ہے۔ یہ تغزل کا حسن ہے، جس نے نذیر قیصر کی بعض نعتوں میں وہ کیفیات پیدا کر دی ہیں کہ انہیں پڑھ کر دل جھومتا اور روح سرخوشی محسوس کرتی ہے۔ ان کے اشعار میں موسیقیت کا سحر ہے۔ جسے وہ لفظی تکرار سے ابھارتے اور نکھارتے چلے جاتے ہیں۔

حرف میرے ہیں صدا اس کی ہے
ان دریچوں میں ضیا اس کی ہے
میرے صفحوں میں، میرے لفظوں میں
پھول اس کے ہیں، صبا اس کی ہے
میں شکستہ ہوں، خطا میری تھی
میں سلامت ہوں، رضا اس کی ہے
میں فقط طاقِ حرم ہوں قیصر
شمعیں اس کی ہیں، ہوا اس کی ہے

☆

ثنا لکھوں تو ثنا میں کمالِ فن اترے
ترا جمال ورق پر کرن کرن اترے
میں چوم لوں جو کسی ساعتِ گریزاں کو
مرے بدن سے زمانوں کا پیرہن اترے

☆

وہی حرف حرف، صدا صدا، وہی لوح لوح قلم قلم
کہیں جرسِ گل، کہیں نقشِ پا، وہی لوح لوح قلم قلم
وہی ہست ہے وہی بود ہے، وہی رنگ و بو کی نمود ہے
وہی عکس ہے، وہی آئینہ، وہی لوح لوح قلم قلم
وہی یم بہ یم، وہی جو بہ جو، وہی لہر لہر کی جستجو
وہی بادبان، وہی ہوا، وہی لوح لوح قلم قلم

وہی پھول ہے، وہی ابر ہے، وہی امتحان میں صبر ہے
وہی شامِ جبر میں حوصلہ، وہی لوح لوح قلم قلم

نذیر قیصر نے روایتی اسلوب سے ہٹ کر اظہار کی جدید ہیئتوں کو اپنایا ہے۔ یہ وقت کا تقاضا ہے۔نعت کا روایتی انداز، ماضیٔ بعید کے مولود ناموں، معراج ناموں اور نور ناموں کی شکل میں شاعری کا حصہ ہے یا پھر حمد و نعت بطور تبرک، آغازِ کلام میں استعمال ہوتی تھی۔ یہ چیزیں شاعری کا حصہ تو تھیں مگر شاعری کا حسن نہیں ان میں جذب و شوق تو تھا مگر ایمائیت کی نشتریت نہیں تھی۔ یہ توصیف اخروی سرمایہ تو تھی مگر زندگی آمیز اور زندگی آموز نہ تھی۔ یا دوسرے لفظوں میں انقلابی رنگ و آہنگ سے خالی تھی۔نعت کو مقصدیت کی عظمت حالؔی اور اقبالؔ نے عطا کی۔اسے ایک انقلاب آفریں جہت اور ایک کیف افزا انداز بخشا۔ان کی کوششوں سے نعت اخلاقی تقدیس اور فکری تہذیب کا ایک ذریعہ بنی۔انسانیت کی تعبیر، تطہیر اور تعمیر کے لیے انہوں نے ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جس ڈھنگ سے استعمال کیا اس سے خوددار دو شاعری کو ایک آبرومندانہ وقعت ملی۔اس آبرو کو قائم رکھنے میں۔آج حالؔی اور اقبالؔ ہی کا تتبع ہو رہا ہے اور اس آبرو میں کسی معنوی اور مقصدی اضافے کے لیے، کسی دوسرے حالؔی اور اقبالؔ کی ضرورت ہے۔جو دور دور تک دکھائی نہیں دیتا ___ اس لیے وقتی تقاضا یہ ہے کہ گفتۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کما حقہٗ آگاہ ہو کر، حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دل میں بسا کر اور قلم کو ادب کے قرینے سکھا کر، اظہار کی جدید ہیئتوں کو اپنایا جائے یوں نعت گوئی حالؔی اور اقبالؔ سے ہم آہنگ رہتے ہوئے، وسعت پذیر ہوگی۔نذیر قیصر نے اسی ضرورت کے تحت آزاد نظم کی صورت میں بہت سی نعتیں کہی ہیں۔ مثال کے طور پر۔

دنیا چاند ستارے ڈھونڈے
تو نے ریت چنی
پہلی صبح نے در کھولا
جب تیری چاپ سنی

☆

راوی ہو یا میگھنا
دجلہ ہو یا نیل
مجھ کو راہ دکھائے
اس کے.....
ہاتھوں کی قندیل

☆

ایک ہاتھ پر سورج رکھا
ایک ہاتھ پر چاند

تیرے پاؤں کی دھول کے آگے
دونوں پڑ گئے ماند

میں نذیر قیصرؔ کی نعت گوئی میں دانش مندی اور دردمندی کی وہ جھلک دیکھ رہا ہوں جو مقصدی نعت گوئی کے لیے اساسی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے ساتھ ان کی نعت سرائی میں ایک ایسی طلب اور چاہت بھی ہے جو چاہنے کے باوجود لفظوں میں بیان نہیں ہو رہی۔

گنبد سبز پہ تاروں کا ہجوم
اور سرِ باب دعا دل میرا
صبح کے ساتھ جھکی شاخِ گلاب
شاخ کے ساتھ جھکا دل میرا
جن زمانوں میں تری خوشبو تھی
ان زمانوں کی ہوا دل میرا

☆

اک حرف لبوں پہ رک گیا ہے
اس حرف کو کائنات کر دے
پیاسی ہیں شجر شجر کی شاخیں
بادل کو ہوا کے ساتھ کر دے

☆

نعت گوئی ایک نازک اور مشکل صنفِ سخن ہے اسے اپناتے ہوئے دین و دانش اور شعر و سخن کی بہترین صلاحیتیں رکھنے کے باوجود قلم لرزتے رہے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ توصیف حد سے بڑھ جائے یا تحریر شایانِ شان ترجمانی سے قاصر رہے۔ اس لیے میری دعا ہے کہ مولا کریم نذیر قیصرؔ کے حسنِ نیت، خلوصِ اظہار، قلبی محبت اور فکری صالحیت کو قبول فرمائے اور لغزشوں کو معاف فرمائے (گو وہ غیر مسلم ہوئے ہوئے اس کے مکلّف بھی نہیں ہیں) اور حق یہ ہے کہ اس بارگاہِ بندہ نواز میں کمیّت سے کہیں زیادہ کیفیت بار پاتی ہے اور کیا عجب ہے کہ نذیر قیصرؔ کا یہ مختصر مجموعۂ نعت گوئی کی دنیا میں نئی جہتوں کا علمبردار اور خود ان اپنی زندگی میں انقلابی تبدیلیوں کا پیش خیمہ ثابت ہو، کیونکہ میں ان کے قلم میں اپنی اس آرزو کا نمو بھی دیکھ رہا ہوں اور اس کی نمود بھی۔

(۱۹۹۳ء)

☆

نعت اور آدابِ نعت گوئی

(افاداتِ کشفی کی روشنی میں)

جناب سید محمد ابوالخیر کشفی سے میں ذاتی طور پر شناسا نہیں ہوں۔ نام ضرور سن رکھا ہے مگر ان کی تحریروں سے تعارف نعت رنگ کی وساطت سے ہوا، جوں جوں انہیں پڑھتا گیا، توں توں روحانی طور پر ان کے قریب ہوتا چلا گیا اور ظاہری شناسائی بے معنی سی ہو کر رہ گئی کہ ؎

تصور خود بنا لیتا ہے ''تحریروں'' سے تصویریں
مری محفل میں نا دیدہ بھی نادیدہ نہیں ہوتے

ان کی ''نعت شناسی'' سے متعلق یہ طویل مضمون از خود چار حصوں میں بٹ گیا ہے۔

ا۔ جناب کشفی کی تحریر کے آئینے میں ان کی اپنی شخصیت کے خال و خط کہ تحریر پر لکھنے والی شخصیت کی چھوٹ تو بہر کیف پڑا کرتی ہے ؎

آیا کہاں سے نالۂ نَے میں سرورِ مے
اصل اس کا نے نواز کا دل ہے کہ چوب نَے

ب۔ ان کی عقیدت، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم و جلیل شخصیت کا کس انداز سے طواف کرتی ہے؟

ج۔ ان کے نقطۂ نظر سے نعت کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟

د۔ آدابِ نعت گوئی کے بارے میں ان کے نظریات کیا ہیں؟

گو حوالے ساتھ ساتھ موجود ہیں مگر ان کے اقتباسات، میری تحریر کے تسلسل میں ضم ہو گئے ہیں

ع تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

گویا زیرِ نظر سطور میں پروفیسر محمد ابوالخیر کشفی کی تحریروں میں بکھرے موتیوں کو ایک انشائی ربط کے ساتھ یکجا کرنے کی امکانی سعی کی گئی ہے۔

☆

جناب سید محمد ابوالخیر کشفی ایسی خود شناس اور خدا آگاہ شخصیات روز روز پیدا نہیں ہوتیں، ان کے لیے گردشِ لیل و نہار کو مدتوں منتظر رہنا پڑتا ہے۔ اس دورِ فتنۂ آخر زماں میں دل و نگاہ، آگہی کے اسی کیف کے لیے ترس رہے ہیں۔ نہ دن یادوں سے معطر ہیں، نہ راتیں اشکوں سے منور، نہ چراغِ رخ ہے نہ شمعِ وعدہ، گل ہیں کہ سرِ شاخ جل گئے ہیں اور دل ہیں

کہ سرِ شام بجھ گئے ہیں ـــــ کوئی ویرانی سی ویرانی ہے۔ ساری دنیا ہماری حالت پر ہنس رہی ہے مگر ہمیں اپنی حالت پر رونا نہیں آتا۔

ہم وہ تھے جن کو خندۂ گل نے جگا دیا
ہم وہ ہیں جو خروشِ سلاسل میں سو گئے

ایسے میں اگر کوئی شخصیت ایسی ہے جس کے دل میں ایمان کی حلاوت، روح میں خشیتِ الٰہی کی جھلک، آنکھ میں حیا کی معصومیت اور تحریر میں عدل و خیر کی تعبیر ہے تو جہاں اس نعمت کے لیے بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز تشکّر ہوں وہاں اس شخصیت کے لیے بھی اپنے دل کی دعائیں اور قلم کی نوائیں وقف کر دینا اپنا فرض انسانیت جانتا ہوں، ایسے خوش نصیب خال خال ہیں جو التجاؤں کے جلو میں قلم اٹھاتے، حرف حرف اجالتے، لفظ لفظ نکھارتے، خود نعت کہتے اور دوسروں کی لکھی ہوئی نعتیں پڑھتے پڑھتے رات کی تاریکی سے صبح کی روشنی تک پہنچ جاتے ہیں تو بے ساختہ اپنی کیفیت کا اظہار یوں کر جاتے ہیں ـــــ لیجیے فجر کی پہلی اذان فضا میں بلند ہو رہی ہے۔ مؤذن اللہ کی وحدت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دے رہا ہے اور اب وہ کہنے ہی والا ہے کہ الصلوٰۃ خیر من النوم۔ اذانِ فجر کے بارے میں اقبالؔ نے کیا خوب کہا ہے

وہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

آج رات آپ کی شاعری نے مجھے غفلت سے دور رکھا اور میں آپ کے دل کی دھڑکنیں سنتا رہا اور میں نے اپنے آپ کو روحانی طور پر ادب و احترام اور دیدۂ نم کے ساتھ مواجہہ شریف میں کھڑے ہوئے پایا۔''

اللہ تعالیٰ نے جناب کشفیؔ کو بیدار دل اور تابندہ ذہن سے نواز رکھا ہے، ذہن و دل کی اس پاکیزہ ہم آہنگی کا فیض ہے کہ وہ جب بھی نعت کے موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو ان کی اس منزہ فکری اور مطہر قلبی کے باعث قاری کو بھی بقدرِ ظرف گداز و تپش اور نیاز و ناز کی دولت ملتی ہے اور اس کا تصور اس ستھرے اور نکھرے ماحول میں پہنچ جاتا ہے جس کے حسن و تاثر کو الفاظ کا کوئی سا پیرایہ، اظہار کو کوئی سا سلیقہ اور شاعری کا کوئی سا قرینہ بھی بیان نہیں کر سکتا۔ اسی سے ہلکا سا اندازہ ہو سکتا ہے کہ صاحبِ تحریر خود سرور و کیف کے کن جذبوں سے بہرہ ور ہے۔ انہوں نے محسنؔ کاکوروی کے کلام میں مدتوں پہلے پڑھا تھا کہ رات کعبے میں برائے وضو داخل ہو رہی ہے، سناٹا اور انفاسِ ہوا ہم آغوش ہیں اور غلافِ کعبہ میں جذبات کی لرزشِ خفی، محسنؔ چشمِ تصور سے دیکھتا ہے اور کشفیؔ جب حرم کعبہ میں پہلی بار داخل ہوتے ہیں تو ان کا دل زندہ انہی اشعار کی اثر آفرینیاں وہاں محسوس کرتا ہے ـــــ میں نے دیکھا ہے کہ غلافِ کعبہ میں حرکت سی تھی۔ غلاف، کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ رات نے غلاف کو اپنا پردہ بنا لیا تھا۔ انسانی آوازوں کے درمیان خاموشی کا ایک جزیرہ تھا اور رات خاموشی کے اس جزیرے میں انفاس ہوا سے پیامِ دوست سن رہی تھی، سنگِ اسود ازلی اور ابدی خوشبوؤں کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔''

مدینہ شریف میں حاضری، ہمت کی بات ہے حق یہ ہے کہ راقم الحروف سے تو ڈھب سے سلام بھی پیش نہیں ہو سکا

تھااور اقبالؒ، اقبال جاوید کے درِدل پر بار بار دستک دیتا تھا کہ ؎

چوں بنامِ مصطفیٰ ﷺ خوانم درود
از خجالت آب می گردد وجود
چوں نداری از محمد ﷺ رنگ و بو
از درودِ خود میالا نام او ﷺ

دل کی خباثتیں اور نظر کی حماقتیں ابل ابل کر اور ابھر ابھر کر روبرو آتی تھیں، نگاہ اٹھتی نہ تھی، لب ہلتے نہ تھے اور قدم اٹھتے نہ تھے اور ____ زبان بمشکل یہی کہہ پائی تھی ؎

نہ فکر بس میں، نہ قابو نظر پہ ہے آقا ﷺ
دل و دماغ کی دنیا ہے تیرگی کے لیے
زمانے بھر میں تجلّی بکھیرنے والے
کچھ اہتمام مرے دل کی روشنی کے لیے

حق یہ ہے کہ ندامت کا یہ احساس جب اپنے نقطۂ عروج کو چھوتا ہے تب لطف و کرم انسان کا احاطہ کر لیتا ہے اور کرب آسودگی میں بدل جاتا ہے کہ وہ ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم رؤف و رحیم بھی حد سے زیادہ ہے اور اس کی دعا بھی وجہِ سکونِ دل، جناب کشفی، مدینہ منورہ میں حاضری کی کیفیت یوں بیان کرتے ہیں ____ ''میں نے اپنے آپ کو مسجدِ نبوی ﷺ کے روبرو پایا، اب میں آئینے کے سامنے کھڑا تھا اور اس آئینے میں میرے مقابل تمام عیوب برہنگی تھے۔ اپنی زندگی کی ہر شکن میرے سامنے تھی، میری نگاہیں جھک گئیں، ہمت کر کے پھر نگاہیں آئینے کی سمت اٹھائیں، اس آئینے میں میرے سارے داغ موجود تھے اور ان داغوں کے درمیان میرا دل تھا۔ سیاہ، ہوسِ لالہ رخاں سے داغ داغ ____ مگر ان داغوں کے درمیان ایک روشن نقطہ تھا، دیکھتے دیکھتے یہ نقطہ بڑھتا گیا۔ روشن تر ہوتا گیا، داغ مدھم پڑ گئے، مجھے خود بخود معلوم ہو گیا کہ یہ عشقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ نقش تھا جو ہر مسلمان کی طرح میرے دل میں بھی موجود تھا اور جسے مسجد نبوی ﷺ کے آئینے نے مہر صفت بنا دیا اور آئینے نے مہر صفت دل بلکہ مہر درخشاں کو اپنی آغوش میں لے لیا۔''

انسان جب دیارِ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دیتا ہے تو وہ سراپا التجا بن جاتا ہے، کائنات نوکِ مژہ پر تل جاتی ہے۔ ہر لمحہ دعاؤں سے مستنیر رہتا ہے۔ وہاں درد چھلکتا اور آنسو بولتے ہیں۔ لرزشوں کو زبان مل جاتی ہے اور دھڑکنیں، داستانِ دل کہتی ہیں ؎

مرے دردِ نہاں کا حال محتاجِ بیاں کیوں ہو
جو لفظوں کا ہو مجموعہ وہ میری داستاں کیوں ہو

جناب کشفی کو جب بھی اللہ تعالیٰ نے وہاں حاضری کی توفیق دی تو انہوں نے غزل کے اشعار میں حضوری کا جو کیف محسوس کیا، وہ ان کی حیاتِ مستعار کی متاعِ عزیز بن گیا اور ان اشعار کو آج بھی جب ان کی تنہائی دہراتی ہے تو نظر میں پھول کھل کر اور دل میں شمعیں جل کر، تصور کی دنیا کو رعنا بنا جاتی ہیں کہ ؎

بچھڑ کے بھی تری یادوں کی رہگزر میں رہے
سفر کے بعد بھی ہم حالتِ سفر میں رہے

ایک مقام پر وہ اپنی کیفیت کا اظہار یوں بیان کرتے ہیں ___ راقم الحروف کو قیامِ ارض مقدس کے دوران میں اردو کا کوئی اور شاعر اتنا یاد نہیں آتا جتنا حسرت موہانی اور ان کے اشعار یاد آتے ہیں۔ غالباً یہ دل بیدار حسرت کے نغموں کی جزا ہے۔ اکثر میں نے اپنی کیفیت مولانا کے شعروں کے ذریعے بیان کی ہے یا مولانا میری دید میں شامل ہو گئے ہیں۔ گنبد ___ اور ___ دریا کے درمیان کوئی ذہنی اور شعری تلازمہ نہیں ہے مگر دور سے جب گنبد خضری پر نظر پڑتی ہے تو مولانا یاد آ جاتے ہیں۔

جب دور سے گنبدِ خضریٰ نظر آیا
بہتا ہوا اک نور کا، دریا نظر آیا

مولانا کی آنکھوں میں جھلملاتے آنسوؤں نے اس تلازمہ کو جنم دیا ہے ___ ایک بار میں نے غارِ ثور تک پہنچنے کا قصد کیا لیکن اپنی صحت اور غار کے راستے کی دشواریوں کے خیال اور اندیشے نے اس قصد کو فسق کیا۔ اس مجبوری اور بے قراری کی ملی جُلی کیفیت اور فضا میں مولانا یاد آئے ؎

غمِ آرزو کا حسرتؔ سبب اور کیا بتاؤں
مرے شوق کی بلندی، مرے حوصلے کی پستی''

غزل کے اشعار نے ان کی تحریروں ہی کو نہیں، ان کی تمناؤں کو بھی رنگ و آہنگ کی ایک دنیا دی ہے۔ حضرت ثاقب کانپوریؔ نے ایک مقام پر لکھا تھا کہ ''غزل کی علامتوں اور اشاروں کی معنویت ہر دور میں بدل جاتی ہے۔'' مگر جناب کشفی کے ہاں معنویت ہر موقع اور ہر ساعت بدل جاتی ہے ؎

نیا ہے لیجیے جب نام اس کا
بہت وسعت ہے میری داستاں میں

گو ہر دور نعت ہی کا دور رہا ہے کہ یہ صنفِ سخن ازل انوار بھی ہے اور ابد آثار بھی۔ مگر دورِ حاضر میں نعتوں کی بارش ہو رہی ہے۔ ہر نوع کی نعتیں لکھی جا رہی ہیں۔ دل سے بھی اٹھ رہی ہیں۔ زبان سے بھی اور محض قلم سے بھی۔ جو نعت قاری کے دل کی دھڑکن کو تیز نہیں کرتی، چاہت کو کیف اور انتظار کو اضطراب عطا نہیں کرتی وہ فکری گداز سے تہی، صرف خوبصورت الفاظ کا مجموعہ ہے، رنگینیٔ حسن بیان اپنی جگہ، مگر سوزِ دروں کی آنچ کا مقام اپنا ہے اور ہر دو کا حسین امتزاج ہی نگاہ کو مائل، ذہن کو قائل اور دل کو گھائل کیا کرتا ہے۔ آج بفضلہٖ قابلِ قدر نعتیں بھی لکھی جا رہی ہیں اور یہ نعتیں فی الواقع حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تازہ تر کر رہی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس محبت کے طفیل، ہمارے ایمان پر نکھار آ رہا ہے ہمارا تشخص واضح ہو رہا ہے۔ ہمارا حوالہ ایک حقیقت بن رہا ہے اور یہی محبت، یہی تشخص اور یہی حوالہ ہماری نشاۃ ثانیہ کا ایک خوبصورت ذریعہ ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ ___ ''اگر ذکرِ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم یوں نہ ہو رہا ہوتا تو ہمارے معاشرے کی صورت کیا ہوتی؟ ہم اپنا تشخص کھو بیٹھتے، اقدارِ حیات سے محروم ہوتے، کسی جبر کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھتی، غیروں کی تقلید ہماری اجتماعیت کو مٹا دیتی۔ آج ہمیں احساس

زیاں ہے تو اسی ذکر گرامی سے اور یہی ذکر ہماری باز آفرینی کے تمام امکانات اپنے دامن میں رکھتا ہے کہ درِ مصطفیٰ ﷺ سے وابستگی ہی ہمارے ایمان کی کسوٹی اور دکھ درد کا علاج ہے۔''

انسان کے دل میں حقیقت، حسن اور خیر کی طلب کا جو والہانہ جذبہ ہے اس کے بے ساختہ اظہار کا نام شعر ہے۔ حرفِ تمنا جو رو برو نہ کہا جا سکے وہ شعر کے پردے میں بے اختیار ادا ہو جاتا ہے۔ عبدالرحمٰن بجنوری کے الفاظ میں ''شعر کو تصویر پر ترجیح ہے کہ تصویر ساکن ہے اور شعر متحرک، تصویر اپنے قائم کردہ انداز کو نہیں بدل سکتی، شعر ایک کیفیت کی مختلف حرکات کو ظاہر کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ تصویر رقبۂ حیات پر ایک نقطہ ہے۔ شعر ایک دائرہ ہے۔'' اب درج ذیل اشعار میں جناب کشفی کی چلتی پھرتی، بولتی چالتی اور سمجھتی سمجھاتی شخصیت کے مختلف پہلو دیکھیے اور پھر اپنے دل کے آئینے میں جھانکیے اور سوچیے کہ یہ متحرک تصویر، تصور کا حسن ہے یا نہیں ۔

قرآن کے اوراق میں پڑھتا ہوں انہی ﷺ کو
اُس مصحفِ ناطق کی تلاوت پہ نظر ہے

☆

غیب بھی ان ﷺ کے کرم سے مری نظروں پہ کھلا
میں نے دیکھی ہے مدینے میں بہشتِ صد رنگ

☆

خاموش سی اک طرزِ فغاں لے کے چلا ہوں
آنکھوں سے نہاں اشکِ رواں لے کے چلا ہوں
سرکار ﷺ کے قدموں سے جبیں، عرش معلیٰ
محراب کے، سجدوں میں نشاں لے کے چلا ہوں
اب گنبدِ خضریٰ کے سوا عکس، نہ منظر
آنکھوں میں محبت کا بیاں لے کے چلا ہوں
ہر قیدِ زماں اور مکاں ہے مری نخچیر
جو زندہ رہے اب وہ سماں لے کے چلا ہوں
طیبہ کی ہر اک راہ مری راہ نما ہے
سرکار ﷺ کے قدموں کے نشاں لے کے چلا ہوں

☆

اسم محمد ﷺ سے اندھیروں میں جلائی قندیل
برق تابندہ ہے کشفی کی زباں کو دیکھو

☆

میرے اشکوں سے بنے گنبدِ خضریٰ کی شبیہ
تیری رحمت ہو عطا دیدۂ نم کی صورت

☆

اوراقِ شمائل کا یہ اعجاز تو دیکھو
آنکھوں میں بسی صورتِ سلطانِ ﷺ مدینہ

☆

روضۂ پاک کا ہر نقش بصیرت کا نشاں
پھر مجھے ساعتِ بیدار کی یاد آتی ہے
وادیٔ خواب میں دیدار کا لمحہ چمکا
پھر اسی لذتِ دیدار کی یاد آتی ہے

☆

کشفی کی نگاہوں میں اب نقش نہیں کوئی
محرابِ تہجد میں سرکا ﷺ نظر آئے

جناب کشفی کے قلم پر جہاں بھی اور جب بھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے تو ان کی نگاہوں کی تمنائیں قلم کی نوک پر لَو دیتی محسوس ہوتی ہیں۔ ان کی سوچ ایک ہی محور کے گرد گردش کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی توصیفی شعر ہو یا جملہ، جہاں بھی وہ بشری خصوصیات سے بلند تر کوئی نکتہ دیکھتے ہیں تو ان کا ذہن فوراً بشر سے خیر البشر ﷺ اور محدود سے لامحدود کی طرف منتقل ہو جاتا ہے خواہ کہنے والے کے ذہن میں وہ نکتہ ہو یا نہ ہو، ان کی ذہنی اور قلبی وابستگی دیارِ نازہی کے طواف میں مصروف رہتی ہے ؎

آدمی کیوں نہ ہو جائے ثنا خوانِ نبی ﷺ
جب خدا مدحت سرا ہے آپ، ان کی ذات کا

اللہ تعالیٰ کا ذکر بہر نوع بلند ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو بھی رفعت عطا فرمائی ہے اور اس رفعت کی عظمت یہ ہے کہ اوقاتِ عالم کا ایک ثانیہ بھی ایسا نہیں گزرتا جو اس ذکر سے معمور نہیں ہوتا، یہ ایک سائنسی حقیقت ہے کہ طلوع وغروبِ آفتاب کے ضابطے ہر مقام پر مختلف ہیں۔ کہیں دن، کہیں رات، اوقات بھی مختلف۔ یوں کہیں نہ کہیں نماز کا وقت ہوتا ہے گویا درود وسلام کے نغمے ہر لحظہ گونجتے رہتے ہیں اور نعت درود وسلام ہی کی ایک نغماتی شکل ہے—— ''انسانیت کی پوری تاریخ میں کسی نبی کا نام معجزۂ الٰہی کے درجے پر فائز نظر نہیں آتا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، یہ ایک لفظ کامل ترین ثنا اور نعت ہے۔ محمد ﷺ وہ ہے جو موجبِ توصیف ہو، مجموعۂ خوبی ہو اور جس سے زیادہ تکمیل وکمالِ آدمیت و اخلاق کا کوئی اور نمونہ اور نمائندہ نہ ہو اور جس کا حق پورا کر دیا گیا ہو۔ ذات وشخصیت اور نام کی کامل ہم آہنگی پہلی اور آخری بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ یہی نام فکر کا سرچشمہ اور جذبہ کے طلوع ہونے کا مطلع ہے اور یہی نام نعت

کے الفاظ کی ٹکسال ہے۔ یہی نام کارگہِ فکر ہے اور اس میں ڈھلنے والا ہر ستارہ ہمارے مقدر کی سمت کا اشاریہ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات چودہ صدیوں میں وقت کے انقلابات کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ ہمارے سامنے آرہے ہیں۔ یہ وہ پھول ہے جس کا کھلنا جاری ہے۔ ہر پنکھڑی کے کھلنے کے ساتھ صل اللہ کی آواز چٹک کا اعلان بن کر کانوں سے قلب تک کا سفر کرتی ہے۔ اس ذات کی مدح وثنا کا سلسلہ جاری ہے۔ اپنوں کے دل اور غیروں کے ذہن اور فکر، اعترافِ عظمتِ سرور ﷺ کائنات میں مصروف ہیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک سینہ انوار الٰہی سے مستنیر اور علومِ الٰہی سے معمور تھا۔ اس میں کونین کی وسعتیں سمٹ گئی تھیں۔ وہ قرآن پاک کی کیفیات و برکات کا خزینہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے متن کو ہزار ہا سینوں میں محفوظ کر دیا اور نبیٔ پاک ﷺ کی سیرت کو ہمیشہ کے لیے مشعلِ ہدایت بنا دیا کہ وہ اس متن کی ایک بشری تشریح اور عملی توضیح تھی۔ نعت رب کریم کے وعدۂ بشارتِ رفعِ ذکر کے سلسلۂ گراں ارز کی ایک کڑی ہے۔ رفعنا لک ذکرک اس میں'' لک'' کا ٹکڑا ملاحظہ ہو ـــــ ''تمہاری خاطر تمہارے ذکر ﷺ کا آوازہ بلند کیا گیا۔ یہ تسلی اس وقت دی گئی تھی جب باطل کی تہ در تہ اندھیریوں میں شمعِ رسالت کی لَو نے چند ہی قلوب کی فضاؤں میں چراغاں کیا تھا اور اس لمحے سے آج تک یہ ذکر لبوں پر، آواز کے دائروں میں، دلوں کی دھڑکنوں میں، پلکوں کے جگنوؤں میں اور شعر وسخن کی وادیوں میں جاری ہے۔ اس رفعِ ذکر کا سلسلہ تو نورِ محمدی ﷺ کی تخلیق کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا اور اس لمحہ سے جب لوح محفوظ پر آپ ﷺ کے اسمائے گرامی محمد ﷺ اور احمد ﷺ ثبت کیے گئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

حضور سرورِ دیں علیہ الصلوٰۃ والسلام نے توحید کو دین کی اساس قرار دیا ہے اور اس ملت کا جگر دیکھیے کہ انہیں کیا کچھ نہ کہنے کے جذبہ کے باوجود اس توحید کی پاسداری کرتی ہے۔ ویسے میں یہ کیسے بھول جاؤں کہ محمد ﷺ اور احمد ﷺ کا مادہ ح۔م۔د ہے یہ وہ ذاتِ گرامی ہے کہ جس کے افعالِ محمودہ اور صفاتِ محمودہ نے اسے مقامِ محمود کی بلند ترین مسند پر بٹھا دیا۔ چودہ صدیوں کی دوری کے باوصف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دلوں کی دھڑکنوں میں شامل ہی نہیں بلکہ ان دھڑکنوں کا آہنگ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کے لیے آپ ﷺ کی صفات اور مقام بلند سے آگہی لازم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن ورعنائی کے چشمہ تک پہنچنا واجب ہے اور یہ جاننا ناگزیر ہے کہ مقام محمود وہ مقام ہے جہاں آدمی حزن اور خوف سے بالاتر ہو جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اس مقام پر فائز تھے ہی ـــــ ان ﷺ کا ذکر بھی ان کے مدح خوانوں کو حزن وخوف سے بے نیاز کر دیتا ہے۔''

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری پہچان اور ہماری آبرو ہیں۔ کاش ہم بھی محبت اور اطاعت کے ذریعے ان کی پہچان بننے کی کوشش کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اطاعت ہی تعلقِ خاطر کے پاکیزہ سلسلوں کو شگفتہ رکھ سکتی ہے۔ یہ تعلق مرجھا جائے تو ہماری زندگی دھندلا جائے گی، پہچان ماند پڑ جائے گی اور رسوائی مقدر ہو جائے گی۔

تجھ سے مل کر زندگی مقصودِ مہر و ماہ تھی
تجھ سے کٹ کر در بدر بے آبرو ہونے لگی

راغبؔ مرادآبادی نے غالبؔ کے ایک مصرع کی تضمین یوں کی تھی۔

جو سب سے محترم بعد خدا ہے
'ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا ہے'

اور جناب کشفی اس پر اس انداز سے تبصرہ کرتے ہیں کہ توحید کی رفعتیں اور رسالت ﷺ کی عظمتیں اپنی تہیں کھولتی چلی جاتی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں ___ ''غالب کا یہ شعر بہت خوبصورت ہے۔ لیکن راغب صاحب کی تضمین پڑھ کر مجھے محسوس ہوا جیسے غالب کا دوسرا مصرع سو سال سے زیادہ عرصے سے اس مصرع کا منتظر تھا۔

غالب نے وحدت الوجود کی بات کی تھی ___ ذاتِ رب میں فنا ہو کر مقامِ بقا پر پہنچنا، مقصودِ حیات ہو سکتا ہے لیکن جہاں تک ہماری پہچان اور تشخص کا سوال ہے، اس کا رشتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔''

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بھیجے ہوئے وہ، آخری آدمی، تھے جن پر تمام دنیاوی اور اخروی نعمتیں تمام ہو گئی تھیں اور ان ﷺ جیسا نہ ہماری بزمِ خیال میں، نہ دکانِ آئینہ ساز میں ___ اور وہ، آخری آدمی انسان کی تقدیر ہی نہ تھا بلکہ فرش نشین ہوتے ہوئے، عرش کی توقیر بھی تھا اور ___ ''اب خدا کے اس آخری آدمی ﷺ کا عہد ہے جس کا دامن روزِ حشر سے بندھا ہوا ہے۔ وہ آخری آدمی جو برزخ کبریٰ ہے۔ انسان اور خدا کے درمیان۔ وہ جو عرش و فرش کے درمیان وسیلہ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسان کی تقدیر کا دوسرا نام ہے اور ان کا لایا ہوا دین، تقدیرِ کائنات ہے، وہ جو انسان کی تقدیر ہے جس کی رسالت پایانِ وقت تک پھیلی ہوئی ہے، اس کے معجزے بھی ماضی کا حصہ نہیں ہو سکتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو جاوداں معجزے ہیں۔ قرآنِ حکیم اور اسوۂ حسنہ۔

لیکن اربابِ نظر کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے معجزات بھی ابدیت آثار ہیں۔ نبی ﷺ کا کوئی معجزہ اور زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہو سکتا جس کا رشتہ اور علاقہ عالمِ انسانیت سے نہ ہو۔''

جناب کشفی نے مقامِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو، اپنی تحریروں میں جا بجا سمجھانے کی کوشش کی ہے، کیونکہ اس آگہی کے بغیر نعت محض ''بیت بازی اور شعر سازی'' ہے۔

کشفی بالکل درست فرماتے ہیں کہ اسی نام اور اسی ذکر نے ازل کو ابد سے ملا رکھا ہے۔ ہر دنیاوی سعادت اور ہر اخروی سرخروئی اسی چوکھٹ سے وابستہ ہے، جہاں بھی اجالا ہے وہ اسی سراجِ منیر کا فیض ہے اور جہاں بھی اندھیرا ہے وہ اسی نور کو آواز دے رہا ہے ___ ''دین و دنیا ___ یہ بھی تو دو کرے ہیں۔ آپ کسی بھی انتہا پر پہنچ جائیں۔ ازل سے ابد تک کا سفر کر لیں، دونوں انتہاؤں کا توازن وجود محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ نظر آئے گا۔ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ابدی معجزہ ہے، لیکن ذاتِ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی بے نشانی کا نشان اور اس کے ہونے کی دلیل ہے۔''

اقبالؒ کے درجِ ذیل خوبصورت اشعار کے اثرات جناب کشفی کی تحریروں میں جا بجا ملتے ہیں۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ ﷺ اُو را بہا ست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ ﷺ است

اوران کا یہ جملہ نثری نعت ہی تو ہے کہ ــــــ ''کائنات کی ہر بہار سامانی نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پرتو جمیل ہے اور بہار سامانی کے ہر امکان کے پیچھے اسی نام کا عکس ہے۔'' اقبالؒ دورِ حاضر کا ایک عظیم مسلمان تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقِ خاطر نے اسے بالا بلند کر دیا تھا اور اسی محبت نے اسے بلالِ مشرق اور کلیم ایشیا بنا دیا تھا۔ جناب کشفی کے الفاظ میں ــــــ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقبالؒ کے لیے سب سے بڑا حوالہ، نقطۂ تناظر اور محل تناظر ہے وہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے زندگی کو دیکھتے ہیں اور زندگی کے احوال، اطراف و جوانب کا جائزہ لیتے ہوئے انہیں اس ذاتِ اقدس واکمل کی گیرائی اور وسعت کا اندازہ ہوتا ہے اس دنیا میں جہاں کہیں جہانِ رنگ و بو نظر آئے جس کی زمین سے آرزو اور تمناؤں کے ہزار رنگ پھول اگ رہے ہوں۔ اس جہان رنگ و بو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور نظر آتا ہے۔ جہاں کہیں نور ہے، آرزو ہے، رنگ و بو ہے۔ وہاں ہر شے، ہر وجود تلاشِ مصطفیٰ ﷺ میں مصروف نظر آتا ہے۔''

اب ان کے مجموعۂ نعت ''نسبت'' کے آئینے میں اسی خیال کو شعری پیرہن میں دیکھیے ۔

دیارِ مشرق سے لے کر دیارِ مغرب تک
یہ مشتِ خاک تری جستجو میں زندہ ہے

☆

ظلمت نے چراغ اپنے بجھائے تو ہیں لیکن
اک اسمِ محمد ﷺ تو اجالے کے لیے ہے

☆

رحمتہ للعالمیں ﷺ کے نور سے رخشندہ ہو
ایسا اندازِ نظر سب سے جدا ہم کو ملے

☆

غبارِ تشنہ لبی میں نگاہِ امت کو
اسی کی ذات کا دریا دکھائی دیتا ہے
جہاں میں ذاتِ محمد ﷺ میں سینکڑوں جلوے
نگاہِ شوق کو کیا کیا دکھائی دیتا ہے

☆

لولاک لما ایک حقیقت کا ہے اظہار
ہے نقشِ جہاں پرتوِ تابانِ محمد ﷺ

☆

فصلِ خزاں میں احمدِ ﷺ مختار سے بہار
وہ رنگ اور نمود کا اک دائرہ بھی ہے

کردار جس کا حشر کے دن تک مثال ہے
قائم رہے فضا میں وہ ایسی صدا بھی ہے
معراج جس کی آدمِ خاکی کا ہو عروج
اس کے سوا جہاں میں کوئی دوسرا بھی ہے؟
نام اس کا لب کے واسطے اک موجِ سلسبیل
پیشانیٔ نظر کے لیے نقشِ پا بھی ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت خودشناسی سے لے کر خداشناسی تک کا ایک ایسا ذریعہ ہے کہ ویسا کامل ذریعہ کسی بھی فکری، مذہبی اور دنیاوی نظام کے پاس نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے نقوشِ پا تک پہنچ جانے کا نام ہی انسانی معراج ہے ــــــ ''انسان کے لفظ کا مادہ ا۔ن۔س۔ ہے اور اس مادہ کے مفاہیم میں مشاہدہ، دیکھنا اور احساس کرنا شامل ہے۔ انسان نے اس خاکداں میں آکر آنکھ کھولی اور زمین و آسمان کے مشاہدے کو تعمیرِ حیات و ذات کا وسیلہ بنالیا۔ اس نے زمین کو دیکھا، فلک کو دیکھا، مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو دیکھا اور یوں پہلے اپنے آپ کو پہچانا، اپنے خالق کو پہچانا، اس مادہ کے معنی میں یقین، ادراک اور معرفت کے مفاہیم بھی شامل ہیں۔ ان مفاہیم کو سامنے رکھیے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ختم المرسلین ﷺ، فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے واسطے اور وسیلے سے آدمی نے اپنے آپ کو پہچانا، وہی اس کارگہِ شیشہ گری کی تخلیق اور ایجاد کا سبب تھے۔ وہ انسانیت کا نقطۂ معراج اور عبد و معبود کے درمیان وصل کی علامت تھے۔ مشاہدۂ انفس و آفاق، احساس کی انتہائی نزاکت اور دیکھنے کا کمال ان کی ذات میں مجتمع ہوگیا تھا اور اسی لیے آدمی، انسان اور اس کے کمالات اور امکانات پر غور کرنے والا ہر شخص اسی بارگہِ مصطفیٰ ﷺ میں پہنچ جاتا ہے۔''

''حق یہ ہے کہ ــــــ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر سے آدمی کردار اور اعمال کے اعتبار سے یکسر بدل جاتا ہے۔ رات، دن کی چادر اوڑھ لیتی، وحشت، انس اور شائستگی میں بدل جاتی ہے۔ سیرت سازی قرآن حکیم کا موضوع اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے اور سنت کا حاصل ہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ آج بھی تذکارِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آدمی کی زندگی نئے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔'' اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اعجاز آفرین شخصیت اور انقلاب آفرین سیرت کی ایک جھلک جناب کشفی کی نعتوں کے آئینے میں دیکھیے کہ بعض اوقات جو بات نثر کے کئی صفحے واضح نہیں کر پاتے اسے کسی شعر کے دو مصرعے آئینہ کر جاتے ہیں۔ بقول ورڈزورتھ: ''شاعری تمام علمِ انسانی کی جان اور اس کی لطیف ترین روح ہے۔''

امکان مرے تیری نبوت کی گواہی
تو مطلعِ امکانِ بشر، سیّدِ عالم ﷺ

☆

نام سے ان ﷺ کے بدل جاتا ہے انساں کا وجود
ربِ کعبہ کا کرم، ان کی عطا میں شامل

☆

تاریخ کے ایواں میں اجالا ہوا جس سے
وہ زندہ و پائندہ نوا سب کے لیے ہے
اک اسمِ محمد ﷺ کے سوا لوحِ ابد پر
دیوار و درِ بامِ حرم کچھ نہیں لکھتے

☆

کس نام سے ملتی ہے شفا اہلِ جہاں کو
کونین کو یہ حرفِ دعا کس سے ملا ہے

☆

انسان کی وحدت ہے محمد ﷺ کا کرشمہ
اس بزم میں تفریق عرب ہے نہ عجم ہے

☆

آپ ﷺ کے نام میں ہر لفظ کا مفہوم ملے
میرے سرکار ﷺ ہیں ہر دور کی زندہ فرہنگ

☆

ہر اک لفظ کے معنی سے اک جہاں پیدا
تری نوا سے ہوا حرفِ جاوداں پیدا
یہ اہلِ سیف و قلم، صاحبان جود و عطا
نقوشِ پا سے ہوئے کتنے کارواں پیدا

☆

ہر مطلعِ انوار اسی نام سے روشن
خورشید کو خیرات ملی اس کی جبیں سے
ہاں اسمِ محمد ﷺ ہے مرے نطق کی توقیر
الفاظ کو مفہوم ملا، سرورِ دیں سے

☆

سرکارِ دو عالم ﷺ کی بصیرت کا ہے صدقہ
ہر سلسلۂ فکر و نظر زندہ ہے ہم سے
تاریخ، محمد ﷺ کا نشانِ کفِ پا ہے
انسان کو معراج ملی ان ﷺ کے قدم سے

دنیا و آخرت کی ہر معراج، ہر حسن اور ہر توقیر نامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو لبوں پر سجانے اور مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلوں میں بسانے سے عبارت ہے۔ ''تعلق کی استواری ہی سے محبت، شاداب رہ کر، غنچہ سے گل اور گل سے گلزار بنتی ہے ____ ہم سب شجرِ محمدی ﷺ کے برگ و بار ہیں اور اسی شجر سے وابستگی ہمارے قیام و بقا کی تدبیر ہے۔''

ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں، یہ درود بھی دراصل دعا ہے جو ہم فی الحقیقت اپنے لیے کرتے ہیں کہ اس خزانۂ رحمت پر جتنی زیادہ رحمت نازل ہوگی ہم ''عالمین'' پر اتنی ہی زیادہ تقسیم ہوگی کہ وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کل بھی رحمت تھے اور آج بھی ہیں اور آنے والے ہر دور کے لیے بھی ان کی رحمتہ للعالمینی ہم عاصیوں کی واحد آس ہے۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت آدمی کے مرتبوں کو بلند کرتی ہے۔ ان کے لیے مقام محمود کی دعا بھی ہمارے لیے اس بلندی سے قربت کا سبب بنے گی کیونکہ مقامِ محمود تو ان ﷺ کے رب کی طرف سے ان ﷺ کے لیے ہدیہ ہے۔ یہ دعا تو ہمارے لیے ترفع کا ایک وسیلہ ہے۔''

اب بغیر کسی ترتیب کے مقامِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جناب کشفی کے قلم سے نکلے ہوئے کچھ نثر پارے دیکھتے جایئے کہ موتی بکھرے بھی بھلے معلوم ہوتے ہیں۔

☆

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی آدم کے بہترین طبقوں میں اور خیر القرون میں پیدا کیا گیا اور آپ کا قرن، آپ کا قرن ہے اور یہ قرن ہمیشہ ہمیشہ قرن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طور پر تاریخ انسانی کے سر پر درخشاں تاج کی طرح چمکتا رہے گا ____ احمد ﷺ اور محمد ﷺ یہ دونوں نام ایک دوسرے کا ضمیمہ ہیں۔ یہ کائنات اور اہل ایمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ستائش میں مصروف ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود پاک اللہ تعالیٰ کی حمد میں مصروف۔ محمد ﷺ کے معانی میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ جس کی بے شمار خصلتیں حمد و ستائش کی سزاوار ہوں ____ آپ ﷺ نبی تو بہ تھے آپ ﷺ کو جنہوں نے دیکھا، جنہیں قربت کی سعادت نصیب ہوئی وہ ان راستوں سے پلٹ آئے جو گمرہی و ضلالت کے راستے تھے ____ ہمارے برے اعمال کا خسران آپ ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر لوٹ آنے سے سعادت و توفیق میں بدل جاتا ہے۔ مومن تو آپ ﷺ کے لیے سب کچھ تھے ہی، آپ ﷺ تو کفار کی بھلائی اور ہدایت کی دعاؤں اور تمنا میں اپنی راتیں یوں کاٹ دیتے کہ کائنات کے دل کی دھڑکنوں میں بھی اضطراب پیدا ہو جاتا ____ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محض اپنی جماعت کی کثرت کی وجہ سے ''سید'' نہیں ہیں بلکہ آپ ﷺ کی ذات تو قیر و سعادت اور جلالت و سیادت کا منبع ہے اور انہی عناصر سے آپ ﷺ کا خمیر گوندھا گیا ____ آپ ﷺ تو انسان کی قبائے ذات کو اپنے رب کی صفات کے رنگوں میں رنگنے کے لیے تشریف لائے تھے، آپ ﷺ کی تعلیمات کا مقصد ہی زمین کو توازن، اعتدال، امن و امان، نور اور عدل کا گہوارہ بنا دینا تھا اور جو فساد بر و بحر پر پھیل گیا تھا اس سے نجات دلانا تھا ____ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت وحدت آدم کی دلیل بھی ہے اور اعلان بھی ____ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہہ شریف میں آج بھی بے حد پست آواز میں سلام پیش کرنا چاہیے۔ یہاں جنبش لب کا آہنگ بھی برقرار رکھنا ایمان کی علامت ہے۔ یہی وہ مقامِ فلک رفعت ہے جس کے بارے میں کہا گیا ؎

ادب گاہ ایست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

یہاں اہلِ ایمان کو فضا میں اڑتے ہوئے پرندوں کے اندازِ پرواز میں بھی ادب کے قرینے نظر آتے ہیں اور فضا بھی سانس روکے ہوئے دست بستہ کھڑی دکھائی دیتی ہے ___ جو صاحبانِ عقل ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجۂ صبا کے لہجے میں لب کشا ہوتے ہیں ___ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام آدمی کے تقویٰ کا پیمانہ ہے ___ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت ہی وہ نقطہ ہے جس پر قوم مسلم کی تمام پراگندہ قوتیں اور منتشر جذبات جمع ہو جاتے ہیں اور یہ وہ ایمانی رشتہ ہے جس پر اسلامی اخوت کا نظام قائم ہے ___ آپ ﷺ کی صفات کی تکرار ہمیں البقرۃ سے قرآنِ حکیم کے آخر تک ملتی ہے اور سیاق و سباق بدلنے سے یہ تکرار نئے نئے پہلوؤں اور مطالب کو سمیٹ کر ایک جہانِ نو کی تخلیق کرتی ہے ___ اللہ کے احکام کی تقلید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے یہی دنیا جنت کا دیباچہ بن جاتی ہے ___ نذیر میں بشیر کا پہلو بھی موجود ہے۔ نذیر اپنی محبت اور شفقت کی بنا پر لوگوں کو ان کے غلط طرزِ حیات سے ڈراتا ہے ___ ان ﷺ کی زندگی کے ہر لمحے اور پہلو کو ایک معجزہ بنا دیا گیا، ایسا معجزہ جو رواں دواں ہے اور ایک عہد سے دوسرے عہد تک پہنچتا ہے۔ زیادہ درخشاں اور تابناک ہو کر، جنت اسی دنیا کا تسلسل اور اسی زندگی کا تکملہ ہے ___ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عادل ترین انسان تھے اسی لیے وہ شہادت کے مثالی پیکر ہیں۔ قرآن مجید کتاب عدل ہے جو انسانی معاشرے کو ہر فساد، ہر ناہمواری، ہر ظلم سے بچاتی ہے۔ مسلمان اگر عدل اور اعتدال کی روش کو چھوڑ دے تو وہ انسانوں پر شاہد نہیں رہے گا اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کے لیے غم، دکھ اور جراحت کا سبب بنے گا ___ جس کا قلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی روشنی سے جتنا روشن ہوگا۔ اسی درجہ وہ معتبر ہوگا۔''

دورِ حاضر کے ''باتخلص حضرات'' اگر قرآن و حدیث اور کتب سیرت کے غائر مطالعے سے بے توفیق ہیں۔ اگر صحابہؓ کا نعتیہ آہنگ بھی ان کے سامنے نہیں اور اگر صلحائے امت کے رنگِ نعت گوئی تک بھی ان کی رسائی نہیں تو وہ کم از کم درج بالا اقتباسات پر غور فرمائیں بلکہ بار بار غور فرمائیں۔ روئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خوئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اپنے ظاہر و باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کی طرف مخلصانہ توجہ فرمائیں اور اللہ پاک سے توصیف و مدحتِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مانگیں، توفیق ارزانی ہو اور روح القدس کی تائید شریکِ خامہ محسوس ہو تو قلم اٹھائیں ورنہ سکوت ہی کو تکلّمِ بلیغ سمجھیں ؎

ڈوبا ہوا سکوت میں ہے جوشِ آرزو
اب تو یہی زباں مرے مدعا کی ہے

آخر آج کتنے ہیں جن کے دل کی دھڑکنیں، روح کی لرزشیں اور نگاہوں کی تمنائیں، نعت سرائی سے پہلے یوں قلم کی نوک پر لَو دیتی ہیں کہ ؎

ذکر اس نورِ مجسم کا ہے کرنا مقصود
مالکِ لوح و قلم تو مرے لفظوں کو اجال

☆

قلم خوشبو کا ہو اور اس سے دل پر روشنی لکھوں
مجھے توفیق دے یا رب کہ میں نعتِ نبی ﷺ لکھوں

اب ثنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جناب کشفی کے بکھرے ہوئے خیالات کو اور جا بجا دی گئی ہدایت کو ایک انشائی ترتیب کے ساتھ یکجا کرنے کی سعی کر رہا ہوں۔ ان کی بکھری ہوئی عالمانہ اور عارفانہ تحریروں میں بارگاہِ ناز کے راز بھی ہیں اور نوائے سوز و ساز بھی، تمناؤں کے خاکے بھی ہیں اور شعر و ادب کے سلسلے بھی۔ الغرض ؎

کچھ حقائق، کچھ معارف، کچھ لطائف، کچھ نکات
اس طرح بکھرے پڑے ہیں جیسے تاروں کی برات

ان ایسا ذوقِ نگارش اور طرزِ بدیع اس دورِ کم سواد میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ ان کا قلم ندرتِ افکار کے جوہر دکھاتا اور دانش و حکمت کی راہوں کو سجاتا چلا جاتا ہے۔ ان کی تحریریں پڑھ کر فی الواقع روح مہکتی اور درد چہکتا ہے۔ جناب حفیظ تائب کا یہ شعر میرے خیال کا مویدٔ ہے ؎

تعجب کیا جو میرے لفظ لو دینے لگیں
خیالوں میں ہمیشہ گنبدِ اخضر چمکتا ہے

حسن کہیں بھی ہو، کسی رنگ اور آہنگ میں ہو، وہ تحسین کا مستحق ہے اور یہ تحسین بہر نوع حسن آفرین تک پہنچتی ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس و اجمل اللہ تعالیٰ کا عظیم ترین اور حسین ترین شاہکار ہے۔ ایک بہترین نمونۂ عمل ہے۔

جناب کشفی نے اپنے مختصر مگر انتہائی معتبر نعتیہ مجموعے ''نسبت'' کے حرفِ آغاز کے طور پر جو چند سطور لکھ دی ہیں میرے خیال میں نعت کے بارے ان کی سوچ کا ہر زاویہ، فکر کا ہر انداز اور وجدان کا ہر رخ، ان میں سمٹ گیا ہے۔ یوں سمجھیے کہ وہ نثر میں تغزل کے ایمائی انداز میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں۔ ان کے خیال میں نعت، اللہ تعالیٰ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عزیز ترین سمجھ کر، ان ﷺ کے نقوشِ پا کی چاندنی سے قلب و نظر اور روز و شب کی ظلمتوں کو اجالنے کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عزیز ترین کہہ دینا جتنا آسان ہے، اتنا ہی دشوار بھی ہے اور یہ دشواریاں نگہِ ناز کے تلطفِ خاص ہی سے آسانیوں میں بدل سکتی ہیں۔ نعت قلمی حاضری کا نہیں بلکہ قلبی حضوری کا عکس جمیل ہے اور حضوری دور رہ کر بھی قرب کے لمحے عطا کیا کرتی ہے اور غافل انسان نہ صاحبِ حضور ہوتے ہیں نہ صاحبِ سرور۔ وہ قریب رہ کر بھی دور ہوتے ہیں اور یاد رہے کہ سرور، حضوری ہی کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے اور اگر ان لمحاتِ سرور میں کائنات تھمی ہوئی سی، گردشِ ایام رکی ہوئی سی اور دل کی دھڑکنیں، پلکوں کی نمی میں ڈھلی ہوئی سی محسوس ہوں تو یہ بے سجدہ و قیام نوعیت کی ایک اسی نمازِ نیاز ہے جس پر کئی نعتیہ دیوان رشک کر سکتے ہیں۔ نعت گوئی کی توفیق سراسر عطائے محبوب ہے۔ اپنا کوئی سا فخر بھی نہیں ہے۔ خیال کا گداز بھی، لفظوں کا حسن بھی، اظہار کا تقدس بھی، لرزتے لبوں کا سکوت بھی اور سرِ مژگاں کانپتے ہوئے ستارے بھی، بڑے ہی نصیب کی باتیں ہیں اور بڑے ہی کرم کے فیصلے ہیں ؎

التفاتِ سید سادات ﷺ کب محدود ہے
وسعتِ دامن بھی دیتے ہیں عطا کرتے ہوئے

جناب کشفی لکھتے ہیں: ''نعت گوئی، اپنی جان کی قیمت پر سرورِ دنیا و دیں صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں پہنچنے کا نام ہے ...ہم اسی سفر میں مصروف ہیں اور منزل بہت دور ہے۔نعت گوئی اپنے وجود کی سچائیوں کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضری کا نام ہے۔شاید حضوری کا یہ لمحہ ہمیں حرف وصوت کی دنیا میں کبھی مل جائے،نعت گوئی مواجہہ شریف میں قیام کے ان چند لمحوں کا نام ہے جو وقت گزراں کے تصور کو مٹا دیتے ہیں،نعت گوئی اس انتظار کا نام ہے جس کا پورا مفہوم ہمیں نہیں معلوم، رحمت اور عطائے بے کراں کا انتظار،نعت دل زندہ کے ساتھ بیداری کی ساعت کا نام ہے۔

ع نگاہے یارسول اللہ ﷺ، نگاہے ''

قلب ونظر اور جسم وجاں کی ہم آہنگی کا یہی وہ قیمتی لمحہ ہے جب انسان خود کو بھول جاتا ہے اور ''کیا ہوں میں'' کی فرصتِ کاوش باقی نہیں رہتی۔یوں حیاتِ مستعار کا ہر غم،ایک ہی غم میں ضم ہو جاتا ہے اور آسودگیٔ خاطر کے یہ احوال شعری پیکر میں ڈھل کر شاعر کے ساتھ ساتھ قاری اور سامع کے لیے بھی نشاطِ روح کا سبب بن جاتے ہیں، یوں نعت انفرادیت سے نکل کر اجتماعیت کے ایک وسیع تر دائرے میں آ کر سوز و درد کی نعمت بانٹتی چلی جاتی ہے گویا ''نعت فرد کا نغمۂ تنہائی اور استغاثۂ شخصی بھی ہے اور ایک مسلم معاشرہ میں ایک اجتماعی سرگرمی اور تقریبوں کی اساس بھی۔''

نعت،توصیفِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ضروری نہیں کہ یہ توصیف شعر ہی میں ہو،عربوں کے نزدیک تو شعر نام ہی کلامِ موزوں کا ہے۔خوبصورت خیال کو دل آویز لفظوں میں ڈھلا ہوا ہونا چاہیے۔یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک ارفع خیال کو اجمل پیرایۂ اظہار فطری طور پر مل جاتا ہے۔جناب انور جمالؔ نے درست لکھا ہے کہ ''جذبے کی شدت لفظوں کو خود حسن ترتیب دے دیتی ہے۔جذبہ فن کا پیش رو ہے، جذبے کی صداقت فن کی ارفعیت کو جنم دیتی ہے۔'' اور وہ یہ بات مدینہ کی بچیوں کے اس موزوں کلام سے اخذ کرتے ہیں جو ہجرت کے اختتام پر روئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولین جھلک دیکھنے کی آرزو میں پڑھا جا رہا تھا۔وہ حیران اس امر پر ہیں کہ ان معصوم بچیوں کو پہلے عروض واوزان سکھائے گئے تھے،شعر رٹائے گئے تھے یا جذبے کی صداقت خود بخود موزونیت کی میزان میں تل گئی تھی۔میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات ہی کا حسن ہے جس کی بنا پر بعض موزوں نثری جملے سن کر شعر بھی شرما جاتے ہیں۔بعض نثری تحریریں اس قدر سحر آفرین ہوتی ہیں کہ وہ قارئین کو ایسا شعری کیف دے جاتی ہیں کہ ذوقِ سلیم مدتوں مسحورِ لذت رہ سکتا ہے۔چودھری افضلؔ حق کی ''محبوب ﷺ خدا'' اور مولانا مناظر احسن گیلانی کی النبی ﷺ الخاتم'' اور گئے گزرے دور میں مولانا ظفر علی خاں، آغا شورش کاشمیریؔ اور جناب عامر عثمانیؔ کی سیرت سے متعلق بعض تحریریں نثری نعتوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔گویا یہ جذبے ہی کی صداقت ہے جس کے سبب پیرایۂ اظہار کے یہ سبھی مناظر،احسن بن گئے ہیں،مولانا ابوالخیر کشفیؔ نے ایک مقام پر شبلی نعمانی کے اس ایک صفحے کو جو ظہور قدسی سے متعلق ہے اور خواجہ حسن نظامی کی بعض تحریروں کو بہترین نعتیں قرار دیا ہے۔گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق تحریر میں جب ''عشق، خیال اور فن تینوں اجزا مل کر ایک وحدت کی صورت اختیار کر جائیں'' تو اسے ہم نعت ہی کے حسن سے تعبیر کریں گے۔نعت ایک ایسی دل آویز اور دل نواز صنفِ سخن ہے جو خود خیال کو رعنائی، لفظ کو زیبائی اور انداز کو توانائی عطا کرتی ہے کیونکہ اس کی اساس فرضی نہیں بلکہ اس حقیقی محبت پر استوار ہے جس پر ایمان کا ایوان ایستادہ ہے اور ''یہی محبت،لفظوں میں ایک کیمیاوی تغیر برپا کرتی ہے کہ محبت اپنی کیمیا آپ ہے۔'' احسان

دانش کہاں یاد آ گئے ہیں، کہتے ہیں ۔

وفا کا سوز تو کندن بنا دیتا ہے انساں کو
محبت جس کو خاکستر کرے گی کیمیا ہوگا

''نعت سازی'' آسان ہے کہ ''باتخلص'' حضرات تلوار کی دھار پر ''بے خوف وخطر'' چلے جا رہے ہیں، نعتیہ دیوانوں کے ڈھیر لگتے چلے جا رہے ہیں کہ دورِ نعت کا ہے اس لیے نعتیں تو لکھنی چاہئیں، مگر ''نعت گوئی'' کہیں مشکل امر ہے کہ اس میدان میں بڑے بڑے قادر الکلام عاجز نظر آتے ہیں، ماضی بعید میں بہت سے نفوسِ قدسیہ ایسے نظر آتے ہیں جو حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کی صلاحیت سے بھی بہرہ ور تھے، مگر وہ چند ایک نعتوں سے آگے نہ جا سکے کہ کہیں کسی لفظ سے عمر بھر کی بنی، بگڑ نہ جائے، آج کتنے ہیں کہ نعت کہنے کی کوشش میں جن کی جبینوں پر پسینا چمکتا اور جن کے ہاتھوں میں قلم لرزتا ہے۔ کون سمجھائے کہ ''حسرتِ نعت'' بھی ایک عظیم نعت ہوا کرتی ہے ۔

پہلے صلاحیت تو ہو پیدا مرے کردار میں
نذرانہ لے کر نعت کا تب جاؤں اس دربار میں

''نعت گوئی اگر شمشیر کی دھار پر سفر ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب، حرف و بیان کے اس پل صراط سے گزرنا ہے جس کے نتیجے میں آنے والے پل صراط کے سفر کی کیفیت کا تعین ہوگا'' جب تک نعت گو، اطاعت وحب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں خود سپردگی اور بے خودی کی دنیا میں نہ پہنچ جائے اس وقت تک اس کے فن میں تاثر نہیں آ سکتا۔ مانیے کہ آج بیشتر نعتیں، نعت نمبروں میں محض شمولیت کی خاطر لکھی جا رہی ہیں، بعض اوقات نعتیہ طرحی مشاعروں میں سنانے کے لیے مجبوراً نعت کہی جا رہی ہے، بیشتر نعتیں، برائے بیت لکھی جا رہی ہیں، صرف دنیاوی محفلوں میں سنانے کے لیے اور دنیا ہی سے واہ واہ سننے کے لیے۔ ایسی نعت مدتوں کے بعد وجود میں آتی ہیں جو انہیں سنائی جاتی ہے، جن کے لیے لکھی جاتی ہے، تب دنیا کو سنانے کی حاجت رہتی ہے نہ آرزو، بلکہ اہلِ دل، خود وہ نعت سننے کے لیے بے چین ہوا کرتے ہیں۔ جب چاہنے والا خود کو محبوب کی چاہت میں گم کر دیتا ہے تو اس کی پکار اور فریاد کا مخاطب محبوب ہی ہوا کرتا ہے۔ نعت یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے لکھی جاتی ہے مگر انہیں سنائی بھی جاتی ہے یا نہیں؟ افسوس کہ بیشتر نعتیہ مجموعے اور ان کی تقاریب رونمائی محض شوکتِ نفس اور اہتزازِ ذات کے مظاہرے ہیں۔ یاد رہے کہ ''میں'' کی دنیا ہمیشہ ''تُو'' سے محروم رہا کرتی ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ نعتیہ شاعروں کی تصویر کشی ارادتاً کرائی جاتی اور چھپوائی جاتی ہے جب کہ تصویر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدگی کی سند حاصل نہیں ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ ''حی علی الصلوٰۃ'' کے بلاوے پر لبیک صرف اس لیے نہیں کہی جاتی کہ اس سے مشاعروں کا تسلسل ٹوٹتا اور مجمع بکھرتا ہے (مستثنیات ہر مقام پر ہوتی ہیں، مگر حکم ہمیشہ اکثریت پر لگا کرتا ہے)۔ اس دورِ نعت گوئی میں، کثرتِ نعت گوئی کو نقد و نظر کے کڑے پیمانوں کے ذریعے قابو میں رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ لازم ہے کہ ___ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مہرِ درخشاں کے حضور میں، نعت گو اپنے آپ کو یوں رکھ دے کہ یہ قطرہ اپنا وجود کھو بیٹھے کہ یہی عشرتِ قطرہ ہے۔''

نعت گوئی ارادت ومحبت ہی کا نہیں، شکر وسپاس کا بھی ایک شعری اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

اوران کی تعلیمات کی شکل میں ہمیں دنیاوی اوراخروی زندگی کی سرخروئی کے سلیقے اور قرینے عطا فرمائے۔اگر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نہ ہوتی تو ہمارے جسم و جان کا ہر لمحہ دھواں دھواں ہوتا، کیونکہ وہی ایک محفل، تجلّی کی روشن سحر ہے اور وہیں سے نور وحضور کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔اس طرح نعت گوئی درود وسلام کی ایک نغماتی شکل بھی ہے اور ''نمازِ نیاز'' کی ایک دل آویز صورت بھی۔صوری طور پر نعت ایک شعری سانچا ہے مگر معنوی اعتبار سے عبادت کا آہنگ لیے ہوئے ہے۔اس کے لیے سچے ادراک اور گہرے عرفان کی ضرورت ہے۔جناب محسن احسان کے الفاظ میں ''نعت میں نہ عبارت آرائی کام آتی ہے نہ مضمون آفرینی اور نہ ہی نری عقیدت اور تنہا وفورِ محبت، اس صنف میں کامیابی کی اولین شرط یہ ہے کہ ممدوح کی ذات وصفات کا صحیح عرفان حاصل ہو، اس کی عظمت ورفعت کا گہرا نقش لوحِ دل پر ثبت ہو اور نعت گو جو کچھ کہے وہ کسی لمحے کی ترنگ یا خیال کی امنگ میں نہ کہے بلکہ اپنے تمام تر فکری سرمائے اور قلبی جذبات کے رنگ میں ڈوب کر، اعترافِ عظمت اور شکرانۂ نعمت کے طور پر علم وعمل کی گواہی کے ساتھ کہے۔''

نعت گوئی کی صلاحیت، اللہ تعالیٰ کی عطا اور گنبد خضریٰ کی رضا پر منحصر ہے اور حق یہ ہے کہ یہ عطا اور یہ رضا، فیض اور فیضان کے بے کراں سلسلے ہیں۔فیض میں لبالب ہوکر بہہ نکلنے کا مفہوم پایا جاتا ہے اور فیض مستحق تک بخوبی پہنچ جائے تو اُسے ''فیضان'' کہتے ہیں جبکہ فیاضی سے مراد یہ ہے کہ دینے والا، اتنا دے کہ دامن کی کوتاہی کا احساس شدید تر ہو جائے، گویا لطفِ جمال کے منتہائے کمال پر پہنچ کر، نوازنے کا دوسرا نام فیض اور فیضان ہے۔حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور توصیفِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسی توفیق ونوازش کا دل آویز ثمر ہیں۔

شعر و ادب بھی، آہ فغاں بھی ہے ان کا فیض
پیشِ حضور ﷺ، اپنی متاعِ ہنر کریں

اگر قدح نوش کم ظرف ہے تو جام اس تک آیا ہی نہیں کرتا اور ساقی کا تلطف جسے نوازتا ہے وہ فی الواقع خاصانِ بارگاہ میں سے ہوتا ہے۔

دہد حق عشقِ احمد ﷺ بندگانِ چیدۂ خود را
بہ خاصاں می دہد شہ، بادۂ نوشیدۂ خود را

نعت گوئی، فنِ شعر کی معراج ہے۔ذوقِ شعر کو درست سمت کا مل جانا اور فکری صلاحیت کو صالحیت کا نصیب ہو جانا خوبیٔ قسمت کی بات ہے اور جس دربار سے لطف وکرم کے یہ فیصلے ہوتے ہیں۔اس کے بارے میں ''غلط بخشی'' کا تصور بھی آدمی کو ایمان سے محروم کر دیتا ہے۔

ہم نے اللہ تعالیٰ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے جانا، مانا اور پہچانا۔ہم نے طور پر تجلیوں کی بارش دیکھی، نہ نخلِ طور کو دمکتا پایا اور نہ کوہِ سینا کو جھکتے اور گرتے دیکھا۔بس ایک زبانِ صدق اظہار نے اس سب سے بڑی صداقت کا پتا دیا۔حقیقت یہ ہے کہ ان ﷺ کے حوالے کے بغیر ان ﷺ کے رب کی حمد، ایک بے روح لفظ ہی کی حیثیت رکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حوالے کے بغیر نعت، جناب کشفی کے نزدیک ''سیکولر نوعیت کی نعت'' ہے۔چونکہ جناب کشفی حسن اتفاق سے خود نعت گو بھی ہیں اس لیے مبصر اور تذکرہ نگار کو ایک نظر یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ وہ خود اپنی نعتوں میں، مدینہ طیبہ کا ذکر کس پیرائے

میں کرتے ہیں۔آپ بھی ملاحظہ کیجیے

درکار نہیں مجھ کو کوئی سایۂ دیوار
طیبہ کی ہوا غم کے ازالے کے لیے ہے

☆

طیبہ کا سفر مرحلۂ خوف و رجا ہے
ہونٹوں پہ تبسم ہے مگر آنکھ تو نم ہے

☆

ہے کشادِ درِ دل سیﷺ والا کی عطا
درد و احساس مدینے کی ہوا میں شامل
ماہِ دو ہفتہ کئی رنگ لیے آیا ہے
رنگِ فردوس مدینے کی ضیا میں شامل

☆

جادۂ عشقِ محمدﷺ کا تسلسل دیکھو
نہیں اس راہ میں یارو کوئی منزل، کوئی سنگ
آسماں گنبدِ خضریٰ سے فروتر نکلا
یہ حقیقت ہے نہیں کوئی نظر کا نیرنگ

☆

ہم مدینے کی زمیں میں اس طرح مدفون ہوں
خاکِ پائے مصطفیﷺ، بس یہ صلہ ہم کو ملے

☆

وجودِ حضرتِ انساں کے ارتقا کے لیے
ہوا مدینے میں اک تازہ آسماں پیدا

☆

روشن ہے مرے خواب کی دنیا مرے آگے
تعبیر بنا گنبدِ خضریٰ مرے آگے
افلاک کو جھکتے ہوئے دیکھا ہے نظر نے
ہے خوابِ گہ شاہِ مدینہﷺ مرے آگے

☆

ہے ماہ دو ہفتہ ترے کاشانے کی قندیل
ہے خاک بسر اوجِ ثریا تیرے آگے
تھا درد کے دریا میں تلاطم ترے پیچھے
سمٹا ہے مرے درد کا دریا ترے آگے

☆

جناب کشفی لکھتے لکھتے ،نعت کے بارے میں بعض ایسے خوبصورت جملے اور بلیغ تراکیب لکھ گئے ہیں، جو بظاہر بے ساختہ ہیں مگر اپنے اندر مفہوم ومطالب کی ایک دنیا لیے ہوئے ہیں۔ایک نظر دیکھنے سے قبل اقبال ساجد کا یہ شعر بھی گنگنا لیجیے کہ ؎

ترے عکسوں پہ گویا آج بھی ہے دسترس میری
یہ جب شیشے میں آتے ہیں مری تحریر بنتے ہیں

☆ نعت ،نغمۂ نور ہے۔
☆ نعت روح کا ترانہ ہے۔
☆ یہ روحانی تغزل ہے۔
☆ ایک ایسی جنبش لب ہے جس میں روح لفظوں میں ڈھل جاتی ہے۔اسی نسبت سے لفظ معتبر ہو جاتے ہیں۔
☆ شعر میں جذبے کی بے کرانی اور اس مرکزِ صدق وصفا سے شاعر کا تعلق ہی اس کی جہت متعین کرتا ہے۔
☆ نعت میں الفاظ خود بخود خوشبو اور روشنی کے قالب میں ڈھل جاتے ہیں۔
☆ یہ ذکر زبان و اسلوب کے ان سارے قرینوں اور سلیقوں کا تقاضا کرتا ہے، جو ذہن ،فن اور زبان پر انسانی دسترس کی آخری حدوں پر نظر آتے ہیں۔
☆ نعت ایک سیارۂ نور اور شرارِ معنوی ہے۔
☆ نعت ،ایک مستقل صنف سخن ہے،ہیئت کی بنیاد پر نہیں،موضوع کی بنیاد پر
☆ نعت ایک تجلّیِ مسلسل ہے۔
☆ لفظ،حضور ﷺ کی خاکِ پا سے مس ہو کر آئینہ صفت اور قیمت میں روکش لعل وجواہر ہو جاتے ہیں۔
☆ نعت کو تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور شاعر کے رشتہ کی دستاویز ہونا چاہیے۔

نعت گوئی کے ضمن میں خود جناب کشفی اپنی ایک نعت میں کچھ شرائط یوں عائد کر رہے ہیں ؎

ذہن کو اپنے سجا لوں تو ترا ﷺ نام لکھوں
اپنے لمحوں کو اجالوں تو ترا ﷺ نام لکھوں
شہرِ طیبہ میں گزاری ہوئی ہر ساعت کی
یاد کو دل میں بسا لوں تو ترا ﷺ نام لکھوں

گنبدِ سبز کے سائے میں وہ صدیوں کا خرام
اس کی تصویر بنا لوں تو ترا ﷺ نام لکھوں
روضۂ پاک کے نظارے کو نغمے کی طرح
روح کے ساز پہ گا لوں تو ترا ﷺ نام لکھوں
میرے مولا ﷺ، تری کملی سے ابھرتا سورج
اس کو آئینہ بنا لوں تو ترا ﷺ نام لکھوں
تیری برکت سے منور ہوئیں، جن کی آنکھیں
ان کے لہجے کو نبھا لوں تو ترا ﷺ نام لکھوں
خواجۂ وسعتِ افلاک و زمیں تجھ پہ سلام
تیری لو دل میں بڑھا ہوں تو ترا ﷺ نام لکھوں

(نعت گوئی کے بارے میں جناب کشفی کے اقتباسات مختلف نعتیہ دیوانوں کے دیباچوں سے مقتبس ہیں)

(۲۰۰۱ء)

☆

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ

(حمد و نعت کے آئینے میں)

یہ اشرف المخلوقات جانے، نہ جانے، سمجھے، نہ سمجھے، حقیقت یہی ہے کہ جملہ مخلوق اپنے اپنے رنگ سے خالقِ کائنات کی حمد سرا ہے کہ حمد، ذکر کی ایک حسین کہکشاں اور یاد کی ایک دل آویز قوسِ قزح ہے۔ یہ نفس نفس زیبائی، قلم قلم رعنائی اور لفظ لفظ سچائی ہے۔ یہ دل کی سعادت، جبیں کا نور اور نطق کی معراج ہے۔ یہ ہم خاکیوں کا اعزاز اور قدسیوں کا شعار ہے۔ اس سے نیاز کو ناز اور سجدوں کو گداز ملتا ہے۔ یہ تحدیثِ نعمت اور نیازِ عبدیت ہے۔ یہ عبدِ مجبور کا سہارا اور عبدِ شکور کا ناز ہے ___ اور نعت اس ذاتِ اقدس کی ثنا ہے، جن کی حیثیت اس کائنات کے لیے اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم ترین احسان کی سی ہے جو نہ ہوتے تو کائنات نہ ہوتی۔ لولاک لما خلقت الافلاک کو گو ضعیف حدیث کہا گیا لیکن اس کے ضعف میں بھی حقیقت کی ایک پوری قوت پوشیدہ ہے اور حقیقت یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وجہِ وجودِ کائنات ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتارِ حسیں، تاریخ کے رخ موڑتی اور تمدن کے رنگ نکھارتی رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نطقِ عنبر فشاں کا فیض ہے کہ کون و مکاں کو نکہتیں عرب ہی کے صحرا سے مل رہی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے کوچے کو چھو کر گزرنے والی ہوائے مشک بو سے دل کے غنچے نمو پاتے اور روح کے آنگن مسکراتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے محاسن کی دھنک پرفشاں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوشِ پا کی چمک منزل نشاں ہے اور رہے گی۔

حمد و نعت کے بارے میں درجِ بالا سطور بے ساختہ قرطاس و قلم کو ''نواز'' گئی ہیں کہ پیشِ نظر جناب محمود احمد غازیؒ کی ایک حمد اور کچھ نعتیہ منظومات ہیں۔ وہ بنیادی طور پر شاعر نہیں تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں طبعِ موزوں اور قلبِ سلیم سے نواز رکھا تھا اور شعر، کلامِ موزوں ہی کا دوسرا نام ہے۔ حق یہ ہے کہ علمائے کرام اور صوفیائے عظام کی اکثریت شعر کہتی تو نہیں تھی مگر ان کی تحریروں اور تقریروں میں آمد کی ایک ایسی بے ساختگی ہوتی تھی کہ ان کے جملوں پر بھی مصرعوں کا گمان گزرتا تھا۔ ؎

لہو جلا کے کیا لفظ کا دیا روشن
زمیں اٹھائی، اسے آسماں کیا ہم نے

اور بعض کی فکری صالحیت تو باقاعدہ شعری ستارے ابھارتی اور اجالے بانٹتی رہی۔ بعض اللہ والوں کی تحریروں میں اساتذہ کے مستعمل اشعار اہم نکات کی صرف وضاحت ہی نہیں کرتے بلکہ ان کے حسنِ ذوق کا دل آویز اظہار بھی ہیں اور یوں لگتا ہے کہ وہ اشعار اسی موقع اور محل کے لیے وجود میں آئے تھے اور ان کے حسنِ استعمال پر تو شعر کہنے والوں کی روح

بھی وجد کرتی ہوگی۔ سوزِ دل کو سازِ رگِ جاں بنانے کے لیے جاں گداز مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ؎

کہاں زمانے کا ذہن پہنچا مرے تصور کے بانکپن تک
ہزار عالم گزر چکے ہیں، شعورِ فن سے خلوصِ فن تک

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کو ۱۸ سال کی عمر میں (۱۹۶۸ء) ایک نابینا مصری شاعر (شیخ صاوی علی شعلان) کی صحبت میسر آئی، موصوف کو حکومتِ پاکستان نے کلامِ اقبال کے منظوم عربی ترجمے کے لیے مدعو کیا تھا۔ غازی مرحوم کلامِ اقبال کا عربی نثر میں ترجمہ کرتے اور مصری شاعر اسے عربی نظم کا روپ دیتے تھے۔ اس مشق سے ان کے فارسی اور عربی ذوق کا جلا ملی۔ انھیں اسی عمر میں کلامِ اقبال ازبر ہوگیا تھا اور مطالب دل میں اتر گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ''ام الشرق'' کے نام سے کلامِ اقبال کا عربی میں ترجمہ بھی کیا۔ گو انھیں شاعری سے دلچسپی نہ تھی۔ مگر فیضانِ اقبالؒ نے ان کی فکر کو صالحیت اور تحریر کو دل نشینی کی ایک ایسی کیفیت عطا کی کہ نثری بے کیفیاں، لطف اور لطافت کے سانچے میں ڈھل گئیں اور اقبالؒ ہی کی آرزو تھی کہ کوئی ایسا بالغ نظر ابھرے جو اسلامی اصولوں کا عہدِ حاضر کے سماجی ضوابط کے ساتھ موازنہ کرے اور پھر اسلامی ضوابط کی برتری ثابت کرے کہ وہ اصول الہامی اور بہر نوع مکمل ہیں اور دیگر قوانین انسانی ذہن کے ساختہ پرداختہ ہیں اور ہر لحہ ترمیم و تنسیخ کے محتاج ___ محترم محمود احمد غازیؒ نے شعوری یا لاشعوری طور پر اقبالؒ کی اس آرزو کی تکمیل میں اپنے ذہن و فکر، قلب و نظر اور قرطاس و قلم کی بہترین صلاحیتوں کو صرف کیا ___ اقبالؒ کو حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حبِ قرآن ہی نے عظمت عطا کی تھی اور اس کی اس رفعت کو چھونے والا، کوئی دور دور تک نظر نہیں آتا کہ اقبالؒ تخیل کا مجدد اور تصور کا امام تھا، اس کی شراب عرب کی کھجور سے کشید ہو کر آئی تھی۔ وہ ہر جلوے میں کلیم، شعلے میں خلیل، غبار میں سوار، مشتِ خاک میں پارۂ الماس، جسدِ خاکی میں انگارا، خاکستر میں چنگاری اور چنگاری میں فروغِ جاوداں ڈھونڈتا تھا، وہ بلالِ مشرق بھی تھا اور کلیمِ ایشیا بھی ___ اور مجھے جناب غازیؒ کی زیرِ نظر منظومات میں اقبالؒ ہی کی اثر آفرینیاں نظر آتی ہیں، یہاں تک کئی مصرعے اقبالؒ ہی سے مستعار ہیں میں انھیں کلامِ اقبالؒ اور پیغامِ اقبالؒ کے تاثر کا ایک خوبصورت نتیجہ سمجھتا ہوں۔

جناب غازیؒ کی یہ منظومات غزل کی ہیئت میں ہیں، غزل وہ حقیقت ہے جو حسن میں بستی ہے، یہ قلزم کو قطرے میں سمیٹنے پر قادر ہے۔ بہت سی نظمیں مل کر بھی غزل کے ایک مصرعے سے آنکھ نہیں ملا سکتیں اور ___ یہ تخیل کی وہ معراج ہے جو دیوانگی میں قیسؔ و فرہادؔ اور فرزانگی میں میرؔ و غالبؔ کو عطا ہوتی ہے ___ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان منظومات کو دیارِ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فضا اور ہوا نصیب ہوئی کہ وہاں ہر رنگ خود بہ خود آہنگ کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ وہاں دھڑکنیں، دردِ دل کہتی ہیں، آنسو چھلکتے اور سکوت بولتا ہے ؎

کسی کے رو برو بیٹھا رہا میں بے زباں ہو کر
مری آنکھوں سے حسرت پھوٹ نکلی داستاں ہو کر

محمود احمد غازیؒ رب العالمین کے گھر میں ہیں، یاس، آس کے دامن میں مسکرا رہی ہے۔ رحمتوں کے در کھلے ہیں اور ہر ایک باریاب ہے ؎

مرے جذبوں کو ساری وسعتیں تو نے عطا کی ہیں
مرے احساس کے شام و سحر تیرے عطا کردہ

یہ لفظوں کے گہر، یہ آرزؤں کے حسیں خاکے
دعاؤں میں جو آتے ہیں نظر، تیرے عطا کردہ

جمال میں جلال اور جلال میں جمال لیے، یہ واحد مرکز ہے جس کے گرد حضوری کا کیف وسرور والہانہ انداز میں گھومتا اور جھومتا چلا جاتا ہے۔ جذب وجنوں کا یہ بانکپن اسی بھری کائنات میں، صرف اور صرف اسی گھر کا حصہ ہے ___ محمود احمد غازیؒ یہاں، اپنی ذات کے ساتھ کائنات لے کر چلتے ہیں انھیں امتِ مسلمہ کی بے چارگی مغموم کیے ہوئے ہے، ان کی نگاہوں کی تمنائیں، دل کی دھڑکنیں اور روح کی لرزشیں فریاد کناں ہیں کہ ؎

آگ ہے، اولادِ ابراہیمؑ ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

ان کے چند حمدیہ اشعار دیکھیے کہ ان کے دل کی دھڑکنوں کو کیسے زبان مل گئی ہے۔ ؎

شہیدِ نازِ او بزمِ وجود است
قتیلِ جلوہ اش سرخ و کبود است
تلامیذ خلیلاں اندر آتش
کمال آزراں نار و وقود است
چہ پرسی از نماز عاشقانش
تفنگ و تیر و تکبیر و سجود است
جلال و کبریائے رب کعبہ!
بہر سو در جہاں اورا نمود است
بہرسو کہکشانِ رنگ وبو بینم، خرددنگ است
'من ایں دانم کہ من ہستم، ندانم ایں چہ نیرنگ است'

ان کی ایک نعت کا عنوان ہے ''جمالِ خواجہ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر اجمل، اکمل اور احسن تھے کہ الفاظ، اپنی تمام تر رعنائیوں کے باوجود سراپا نگاری سے قاصر ہیں۔ فطرت کا سارا شباب اور کائنات کا سارا نکھار بھی یکجا کر لیا جائے پھر بھی اس شہِ انجم مطاف کی تصویر کشی ناممکن ہے۔ جس کی مسکراہٹوں سے کلیاں چٹکنا سیکھتی تھیں اور جس کے خرامِ ناز سے ریت کو ریشم کا لوچ مل جاتا تھا۔ ؎

رنگ، خوشبو، صبا، چاند، تارے، کرن، پھول، شبنم، شفق، آبِ جو، چاندنی
تیرے معصوم پیکر کی تخلیق میں حسنِ فطرت کی ہر چیز کام آ گئی

اللہ تعالیٰ کی عطا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیا سے، جنابِ غازیؒ کی بصیرت کا وہ عالم ہے کہ دونوں عالم کی درخشانی دل کے آئینے میں جھلک رہی ہے اور علوم ومعارف کی تابانیوں نے انھیں جگمگا رکھا ہے اور یہ کرم ہے اس ذاتِ عظیم و جلیل صلی اللہ علیہ وسلم کا جو بہ ظاہر گنبدِ خضرا میں آرام فرما ہے مگر جلوے ہیں کہ ہر دور کو روشن کیے ہوئے ہیں۔

تجلیوں سے تری مستنیر و تابندہ
زمانِ ماضی و عصرِ روان و آئندہ

جناب غازیؒ بھی انھی انوار کے ہالے میں ہیں، دیارِ ناز کے اس قیام نے انھیں کھلا ہوا پھول اور کُھلا ہوا نافہ بنا رکھا ہے اور یہ فیض ہے اس ذاتِ گرامی قدر صلی اللہ علیہ وسلم کا، جو جس راستے سے گزر جاتی تھی خوشبو خود غمازی کرتی تھی کہ ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے۔ ؎

خوشبو بتا رہی ہے کہ وہ راستے میں ہیں
موجِ صبا کے ہاتھ میں ان کا سراغ ہے

اب جمالِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں محمود احمد غازیؒ کے وہ اشعار دیکھیے جو انھوں نے ۲۲ دسمبر ۲۰۰۴ء کو مدینہ منورہ کی عنبر فشاں فضاؤں میں کہے نہیں بلکہ ان سے کہلوائے گئے تھے

نعت میں کیسے کہوں ان کی رضا سے پہلے
میرے ماتھے پہ پسینا ہے ثنا سے پہلے

☆

دو عالم راتواں دیدن بمینائے کہ من دارم
کراباشد میسر چشم بینائے کہ من دارم
کند پروردگارم رازدانِ علّم الاسماء
زہے تابانیٔ دانش بہ طیبائے کہ من دارم
شمم روشن زنور جاں فزاء، روزم نشاط افزا
کجا طور کلیمے پیش سینائے کہ من دارم
بہ چشم ظاہرِ تو مصطفیٰ در روضۂ اش پنہاں
بہ ہر سو جلوہ اش تاباں بہ پہنائے کہ من دارم
جمال خواجۂ طیبہ دو عالم راکند روشن
نگوید لن ترانی کس بسینائے کہ من دارم
مقامِ مصطفیٰ بینی اگر بادیدۂ دل بیں
ندارد کس چناں چشمے بہ دنیائے کہ من دارم
مہ تاباں مہ انور اگر خواہی کہ می بینی
بیابیں آں مہ کامل بہ صحرائے کہ من دارم
دلم چوں کہکشاں روشن شوداز دیدہ ام ریزد
زہے تابش، خوشا نورے بدنیائے کہ من دارم

بقائے جاوداں یا بم جمالِ مصطفیٰ بینم
عبیر افشاں ہمیں آیم ز صحرائے کہ من دارم

''مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' سے متعلق جناب غازیؒ کی نعتوں میں بعض قرآنی اشارات ہیں، ان پر بساط بھر روشنی ڈال رہا ہوں تا کہ قارئین ان نکات کے حسنِ استعمال سے کیف اندوز ہوسکیں۔

ہبوطِ آدمؑ کے ساتھ ہی رشد وہدایت کی ترسیل کا وعدہ بھی تھا اور وعدہ کرنے والا وہ، جو بہر کیف وعدہ وفا کرتا ہے۔ چنانچہ رنگ و بو کے اس قافلے کا رواں دواں رہنا، الوہی منشا تھا، جسے نبوت کہتے ہیں، ہر نبی اس قافلۂ رنگ و بو کا ممتاز راہی بھی تھا اور قافلہ سالار کا منتظر اور مخبر بھی ـــــ جناب غازیؒ کے ان نعتیہ اشعار کے مطابق، آخر میں وہ آئے جن کے انوار سے ہر نبی کا نور مستعار تھا کہ آنے والے کا نور تجلیاتِ ربانی کا پرتو تھا۔ نور، روشنی ہے اور روشنی اللہ کی عطا ہے جو اللہ والوں کا مقسوم ہے نبوت کی یہ روشنی، نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے تکمیل کو پہنچی، تکمیل کے بعد، نہ کسی اضافے کی ضرورت ہوتی ہے نہ ترمیم کی۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمالِ کاملاں بھی ہیں اور جمالِ مرسلاں بھی۔ ہونے والے خلیلِ کبریا بھی ہوئے، کلیمِ کبریا بھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے حبیبِ کبریا۔

انبیاء روشن ز نور مصطفیٰ
مصطفیٰ روشن ز نور مبتدا
انبیاء از فیض او نور قمر
طالب نورِ محمد بحر و بر
اے محمد تو کمال کاملاں
مصطفیٰ رازِ جمال مرسلاں
پور آزر را خلیلی دادہ اند
ہم کلامی باشباں بخشیدہ اند
پور مریم روح حق نامیدہ شد
ہم چناں پیغمبری بخشیدہ شد
برتر آمد از رسولاں مصطفیٰ
آں حبیب کبریا در اصطفا

☆

نور یزداں ہر کجا از مصطفیٰ
ایں جہاں تابد زنورِ مصطفیٰ
از کمالِ مصطفیٰ کامل ہمہ
در صلائے مصطفیٰ شامل ہمہ

از چراغِ مصطفیٰ روشن ہمہ
از فروغش تاب ایں گلشن ہمہ
از درِ پیغمبری مارا نصیب
در پناہش ہر فقیر و ہر غریب

☆

اس امر کی صداقت میں نہ ماضی شبہ کرسکتا ہے نہ حال اور نہ مستقبل کر سکے گا کہ جہاں جہاں روشنی ہے وہ اس چراغِ رسالت ہی کی دین ہے اور جہاں جہاں ظلمت ہے وہ روشنی کے لیے مدینے ہی کی طرف لپک رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''سراجِ منیر'' کہا گیا، جناب غازیؒ کے مطابق چراغ (لفظ سراج غالباً فارسی لفظ چراغ کا معّرب ہے) کی تشبیہِ محض تفہیمِ مطالب کے لیے ہے ورنہ دنیا کے چراغوں کو اس چراغ سے کیا نسبت، جسے نورِ حق نے روشن کیا ہوا اور روشن تر رہنا جس کا مقدر ہو، حق یہی ہے کہ کائنات کو جمال وکمال کی ہر کیفیت، اسی سراج منیر سے ملتی رہی ہے اور ملتی رہے گی۔ ''سراج'' کے لفظی اور بنیادی مفہوم میں حسن کی دل آویزی بھی پائی جاتی ہے۔ زیب وزینت کی نظر نوازی بھی اور جمال کا کمال بھی ___ جو سراج، نعت نگار کے پیشِ نظر ہے۔ اس کے مقابل نہ آفتاب کا چراغ جل سکتا ہے نہ ماہتاب کا، بلکہ ہر چراغ اس کے روبہ رو داغ داغ ہے۔ اب اس ''سراجِ منیر'' کی کرنوں سے مستنیر جناب غازیؒ کے کچھ نعتیہ اشعار دیکھیے۔

ہر دو عالم بر فروخت از مصطفیٰ
مستنیر ہر ذرۂ خاک از مصطفیٰ
روشن از نور سراجش ہر بشر
از تب و تابش جمالِ بحر و بر
بر تر است و بہتراز روشن چراغ
نور تابانش کجا دارد چراغ
ایں مثال است از برائے فہم ما
ورنہ کے باشد چراغ را ایں بہا
ایں چراغ روشن آمد در مثل
ایں چراغاں را نباشد آں امل
نیست ایں تشبیہ در باب کمال
درمنال و در فضیلت، در جمال
ہست ایں تشبیہ از بہر نگہ
چشم ما در امر حق کور و سیہ

ایں مثالاں از برائے فہم ما
تا نباشد مشکلے در فہم ما
آں درودے چوں خلیل آزری
برترش آمد درود داوری
برتر از نور چراغست در بہا
در لطافت نور دین مصطفیٰ

☆

شہرت و آوازۂ نور چراغ
پیش نور مصطفیٰ ہست داغ داغ
از قمر برتر چراغست در کمال
آفتاب راہم نباشد آں کمال
ہر دو را نور کمال است از خدا
ہر دو را شان جمال است از خدا
دیگراں را ماہتاب است بے اثر
نور او بر دیگراں است کوروکر
آفتابے روشنے دارد شکوہ
زو منور عالم صحراء و کوہ
مصطفیٰ روشن تراز نور ہمہ
مصطفیٰ برترز آفتاب ہمہ

☆

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''شاہد'' ہیں، حق وصداقت کے، وہ جہاں کہیں بھی ہو، کہ وہ انسانیت کی مشترکہ میراث ہے اور شاہد کا حق وصداقت کی منزل تک پہنچنا نتیجہ ہے۔ مشاہدے کی معراج کا، عقل واستدلال کا نہیں کہ وہ نہ تو رہ نشیں ہے نہ راہی۔ نہ اسے راستے کا علم ہے نہ منزل کا۔ شاہد، اپنے مشاہدے کی بنیاد پر حقائق کا اظہار کرتا ہے اور کسی حقیقت کے حواس کی گرفت میں آجانے کا دوسرا نام مشاہدہ ہے ___ اور پوشیدہ حقائق کو بے نقاب دیکھنے والا ''نبی'' کہلاتا ہے اور ان حقائق کو دوسروں تک پہنچانے والا ''رسول'' کہلاتا ہے اور جب رسول اپنے متبعین کے اعمال واحوال کی نگرانی کرتا ہے تو ''شہید'' کہلاتا ہے۔ یہ بھی صداقت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم، روزِ حشر ہم پر گواہ ہوں گے اور ہم پہلی امتوں کے بارے میں، اللہ پاک، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ پاک کی حقانیت کی روشنی میں گواہی دیں گے اور ہماری اس گواہی سے ان کی قسمتوں کے فیصلے ہوں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''نذیر'' ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار، اللہ تعالیٰ اور اس کی رحمتوں کا انکار ہے اور اقرار

کی جزا اور انکار کی سزا مل کے رہے گی۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کج روی اور گم رہی کے سنگین نتائج سے انسانیت کو متنبہ فرمایا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''بشیر'' ہیں کہ احکامِ الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرنے والوں کو حسنِ عاقبت کی خبر دیتے ہیں اور رشد وہدایت کا وہ صحیفہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ہم تک پہنچا جو فوز وفلاح کا آخری نقیب ہے۔

جس نے انسانیت کو یاس وقنوط کی جگہ رجا و تیقن عطا کیا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ یک وقت جنت کی بشارت بھی دیتے ہیں اور جہنم سے ڈراتے بھی ہیں۔ یوں جمال وجلال اور ترغیب وترہیب کو بہترین توازن عطا ہوا اور ظاہر ہے کہ ایمان خوف ورجا کے مابین ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''شفیع'' ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہم عاصیوں کا واحد سہارا ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ جلال میں شفاعت وہی کر سکیں گے جنھیں اجازت عطا ہوگی اور صرف اسی کے لیے، جس کے لیے اجازت ملے گی، یہ شفاعت ملائکہ بھی کریں گے، انبیاء بھی، شہدا بھی، صالحین بھی، حفاظ بھی، مگر اللہ تعالیٰ پر کسی کا دباؤ نہیں ہوگا، سوائے قرآن مجید کے، کہ وہ اللہ ہی کا کلام ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''ذکرِ رفیع'' کے حامل ہیں کہ اوقاتِ عالم کا ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی رفعت کا اعلان نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی رفیع ہے اور ان کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی۔ رفعِ ذکر، سنتِ نبوی کے تحفظ کی یقین دہانی بھی ہے کہ جس طرح قرآن کا متن سینوں میں محفوظ ہے، اسی طرح اس متن کی عملی تشریح بھی بہ ہر رنگ محفوظ ہے ___ جناب غازیؒ کی درج ذیل نعت میں مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے انھی حقائق کا ذکر ہے، بلیغانہ انداز سے کہ

ع سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے

شاہد و روشن چراغ و ہم نذیر
او گواہ و او شفیع وہم بشیر
داعیٔ راہ خدا ہم راہنما
رافع ذکر خدا قبلہ نما
کاملان و انبیاء بودند بسے
معجزات حق بیاوردند بسے
نور شاں محدود و فانی بودہ است
درزمان و در مکاں آنی بودہ است
مصطفیٰ آورد ہزاراں معجزات
عظمتش برتر زکون و کائنات
در قرآن و در نماز و حج ببیں
تا ببینی معجزات دائمیں

اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیائے کرام کو دلیلِ نبوت کے طور پر معجزات عطا فرمائے، تاکہ کفار، حق کی عظمتوں کے قائل ہوسکیں مگر وہ جملہ معجزات، وقتی، ہنگامی اور فانی وآنی تھے کیوں کہ ان کی نبوت بھی محدود تھی مگر نبیِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کی شکل میں ایک دائمی معجزہ عطا کیا گیا۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بھی دائمی تھی۔ قرآن پاک کتابِ زندہ ہے، زندگی آمیز بھی ہے، زندگی آموز بھی اور زندگی بخش بھی۔ اس کی رشد وہدایت کا اسلوب جاوداں ہے، اس کی فصاحت و بلاغت کے مقابل عرب کے جملہ فصیحانِ تمر دخو عاجز ہوکر رہ گئے تھے ____ معراجِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا اعجاز، ایک ایسی فضیلت، ایک ایسی رفعت اور ایک ایسی قربت ہے کہ کسی اور نبی کو نصیب نہ ہوئی۔ نماز اسی معراج سے عطا ہونے والا تحفہ ہے جو ہماری معراج ہے کہ ہمیں اس کے طفیل اس ذاتِ بلند و برتر سے ہم کلامی کا شرف ملتا ہے جو رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی۔ اسی نماز میں ہماری دنیاوی آسودگی اور اُخروی سرخ روئی مضمر ہے ____ تاریخ بتاتی ہے کہ جب مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں کو نا قابل بیان تکلیفیں دی جارہی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وطنِ مالوف سے نکالنے کی سازشیں ہورہی تھیں اور یہ بھی طے پاچکا تھا کہ اس شمعِ ہدایت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گل کردیا جائے۔ عین اس عالم میں آسمان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عروج وارتقا کے سامان ہورہے تھے۔ قضا وقدر کے دفاتر میں معراج وتقدم کے ہنگامہ خیز چرچے تھے ____ چنانچہ اللہ کی مشیت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھایا اور مسجد اقصیٰ تک لے اڑی، پرواز اور اڑان کا یہ منظر اس لیے تھا کہ جس شخص کو تم وطن سے نکال رہے ہو، ساری دنیا اس کا وطن قرار پائے گی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان تک گئے اور حجب واستار کو چیرتے ہوئے جناب باری تک پہنچ گئے۔ باتیں ہوئیں، اسرارِ دین سمجھائے گئے، نمازیں عطا ہوئیں، شریعت کی تفصیلات دی گئیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ قربِ الٰہی کا بلند ترین مقام حصہ میں آیا ____ محمود احمد غازیؒ کی درج ذیل نعتوں میں قربِ حق کی انھی حقیقتوں کا دل نواز اور روح پرور تذکرہ ہے۔

انبیاء را معجزات آمد دلیل
تاکہ باشد عظمت شاں را دلیل
معجزاتے کہ انبیاء آوردہ اند
ہم نشان رفعت شاں بودہ اند
با قدیماں معجزہ بد ظاہری
از محمد معجزہ شد قاہری
ظاہری باشد دلیل آفلین
قاہری آرد حیات خالدین
ظاہراں را زندگی باشد قلیل
قاہراں را سرمدی راہ و سبیل
ظاہری را از ید بیضا مثال
قاہری بیں در کلام ذوالجلال

ایں کلام ذوالجلال آمد دلیل
بر ثبوت عظمت پور خلیل

☆

بر سماوات و فلک رفت مصطفیٰ
تابیارد معجزات با صفا
تو گماں داری کہ اسراست یک سفر
من ہمی بینم درونش صد گہر
از کمال مصطفیٰ گیرند کمال
در جمال مصطفیٰ جویند جمال
از فلک آوردہ است سوز و سرور
نے فقط فردوس و حور و ہم قصور
سوز و ساز مصطفیٰ در کائنات
کائنات گیرد از و نور و ثبات

☆

آمد از اسرا نماز مومناں
در نماز آمد عروج مومناں
زیں عروج مصطفیٰ مارا ضیا
زیں نماز باصفا مارا بقا
نور دیں بارد نماز مومنے
سر دیں دارد عروج مومنے
چوں ہمہ اعجاز ھا مارا مفید
ہم عروج مصطفیٰ مارا مفید
اے خوشا آں مسلم روشن ضمیر
کز ضیائے مصطفیٰ شد مستنیر
از بیان معجزات مصطفیٰ
ماہمہ از نور یزداں باصفا
از کمالات و جمال احمدے
در ہمہ عالم جمال سرمدے

ایں سعادت از برائے مومناں
ایں کمال آمد برائے مسلماں
ہر کمالش ازرہ درس و عبر
ذکر او بالد ہمی فکر و نظر

☆

از دعائے پور آزر برکتش
در نوید پور مریم ذروتش
از وجود مصطفیٰ نور خدا
در دلم از ابتدا تا انتہا
از رسول خالق کون و مکاں
در وجودم نور علم و امتناں
امتنان خالق ارض و سما
بر ثبوت نعمت یزداں ندا
در کمال مصطفیٰ مارا سبق
اتباع مصطفیٰ آمد حق
اے خوشا ایں ماہ پر نور رجب
اے خوشا آں ساعت ماہ رجب
در طلب از قصہ اسرا عبر
گر تو داری جذبۂ فکر و نظر
ملت بیضا ز اسرا مستنیر
مرد حق! تو ہم ازو نورے بگیر

☆

نعت، رفعتِ ذکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ ربانی کا ایک دل نواز تسلسل ہے، حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دل کی گہرائیوں میں اتر جانا، اساسِ نعت، گنبدِ خضرا سے دوری کا احساس، گدازِ نعت اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چراغِ زندگی بن جانا، مقصودِ نعت ہے۔ نعت، سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ایک منظوم صورت ہے۔ جناب غازی کا ایک خوبصورت نثری اقتباس دیکھیے۔

''مدائحِ نبوی کو بھی ادبیاتِ سیرت یا منظوم سیرت کا ایک حصہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ صحابہ کرامؓ بلکہ ان سے پہلے ہی سے مدائحِ نبوی کا رواج چلا آرہا ہے۔ بعض اشعار جناب عبدالمطلب سے بھی منسوب ہیں جب ان کا انتقال ہوا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر آٹھ سال تھی لیکن اس وقت بھی جناب عبدالمطلب نے ایک موقع پر بعض شعر کہے تھے جو سیرت

ابنِ ہشام وغیرہ میں نقل ہیں۔ جناب ابو طالب نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ شعر کہے تھے جن میں سے ایک شعر بہت مقبول و مشہور ہے۔ (ترجمہ یوں ہے) ؎

''وہ گوراچٹا مکھڑا جس کا نام لے کر بادلوں سے بارش برسانے کی دعا کی جاتی ہے۔ جو یتیموں کا ٹھکانا اور بیواؤں کا سہارا ہے'' جب سیدنا ابوبکر صدیقؓ بیمار تھے، آپؓ کا بالکل آخری وقت تھا۔ غشی کی کیفیت تھی اور اس کے بعد انتقال ہو گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور والد کے بسترِ مرگ پر ہونے کے موقع پر شدید غم کی کیفیت میں انھوں نے یہ شعر پڑھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فوراً آنکھیں کھولیں اور فرمایا یہ شعر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے کسی اور کے لیے نہیں کہا جا سکتا اس کے بعد پر غشی کا دورہ طاری ہو گیا۔ جناب ابو طالب کا کہا ہوا یہ شعر اس وقت سے ہی صحابہ میں بہت مشہور تھا۔ اس وقت سے آج تک ہر شاعر اور ہر ادیب اپنی مقدور اور بساط کے مطابق منظوم خراجِ عقیدت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کو پیش کرتا چلا آ رہا ہے۔ فارسی اور اردو کا دامن اس بارے میں سب سے زیادہ وسیع ہے۔ اس میں اگر کوئی لسانی عصبیت کارفرما نہ سمجھی جائے تو میں یہ عرض کر سکتا ہوں کہ اردو اور فارسی کا دامن نعتیہ کلام اور منظوم سیرت کے معاملے میں عربی سے بھی زیادہ وسیع ہے۔''

جناب محمود احمد غازیؒ کی یہ نعتیں فارسی زبان میں ہیں، یہ ایک لسانی اور ادبی حقیقت ہے کہ فارسی نے عربی کی بلاغت کو حلاوت عطا کی ہے اور اردو نے اس حلاوت کو فصاحت کی شگفتگی سے نوازا ہے، اسی لیے کہتے ہیں کہ اردو نے عربی اور فارسی کا دودھ پی کر پرورش پائی ہے۔ نقد و نظر سے متعلق بلیغ اور مغلق اصطلاحات سے قطع نظر، ان نعتوں کا مجموعی اعتبار سے جائزہ لیتے ہوئے، مجھے یہی دیکھنا ہے کہ غازیؒ مرحوم نے کیا کہا اور کیسے کہا؟ حق یہ ہے کہ انھوں نے اپنی نعتوں میں جو کہا وہ قرآن و حدیث کی واضح روشنی میں کہا اور خوب صورت انداز سے کہا یوں ان کی نعتیں حسن و عشق اور علم و عرفان کا ایک دل آویز امتزاج بن گئی ہیں۔ عقیدہ اور عقیدت دونوں نکھر نکھر کر، قاری کے وجدان کو نکھارتے چلے جاتے ہیں، ان کے ہاں جوش ہے کہ ہوش کا دامن تھام کر چل رہا ہے۔ جنوں ہے کہ شعور سے راہ نمائی لے رہا ہے اور عقیدت ہے کہ بصیرت کی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے۔ ان کی نعتوں میں محبّ سراپا آرزو ہے اور محبوب سراپا نوازش۔ نتیجہ معلوم کہ آرزو کی تاب و تب ہے کہ جگمگاتی ہی چلی جا رہی ہے۔ تمناؤں کی زیرِ نظر قوسِ قزح ہمارے تاریخی آثار کو یوں لفظ لفظ روشن کرتی چلی جا رہی ہے کہ ناظر، تصور کی دل آویزیوں میں کھو سا جاتا ہے اور ماضی کی درخشانی، حال کی لٹی ہوئی صبحوں اور بجھی ہوئی شاموں کو اجالتی چلی جاتی ہے، جناب محمود احمد غازی کی یہ آرزوئیں، اپنے جلو میں جھلملاتے آنسوؤں کا خراج بھی لیے ہوئے ہیں اور لرزتے قلم کا نیاز بھی کہ یہی وہ بارگاہِ ناز ہے جس کی محبت ہمارا قبلۂ مراد اور کعبۂ شوق ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ جناب محمود احمد غازیؔ کا نعتیہ سرمایہ اس قدر مختصر کیوں ہے، جب کہ وہ حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بہرہ ور تھے اور شعری صلاحیتوں سے بھی متصف، وہ راسخ الایمان بھی تھے اور قادر الکلام بھی، وہ دینی اقدار کے مظہر بھی تھے اور شرعی آداب کے نمائندہ بھی، ان کی عالمانہ وجاہت بھی مسلمہ تھی اور مومنانہ بصیرت بھی ____ میرے نزدیک اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انھیں احساس تھا کہ

☆ نعت میں محض لفظی خوش نمائی سے بات نہیں بنتی۔

☆ وہ خوب سمجھتے تھے کہ وہ کوئی کم مرتبہ شاعر نہ تھا جس نے نعت گوئی کو تلوار کی دھار پر چلنے سے تشبیہ دی تھی۔

☆ وہ اس حقیقت سے بھی آشنا تھے کہ مشک و گلاب سے ہزار بار منہ کو دھو کر بھی وہ اسم پاک زبان پر لانا کمال بے ادبی ہے۔

☆ انھیں بیدلؔ کا علم تھا کہ اس نے مدتوں پہلے کہا تھا۔

زلافِ حمد و نعت اولیٰ است بر خاکِ ادب خفتن
سجودے می تواں بردن، درودے می تواں گفتن

☆ وہ خوب جانتے تھے کہ ایک ہی ذاتِ بلند و برتر، مرتبہ دانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور وہی آدابِ ثنا بھی جانتی ہے۔

☆ وہ ماضی بعید کی ان عظیم شخصیات سے بہ خوبی آشنا تھے جو نعت کہتے ہوئے لرزا کرتی تھیں کہ کہیں قلم کی کوئی ہلکی سی چوک، خطرے اور خسارے کا باعث نہ بن جائے۔

(۲۰۱۵ء)

☆

محمد علی ننکانوی۔ایک گم نام نعت گو

محمد علی شیخ ننکانوی یکم مارچ ۱۹۱۴ء کو پیدا ہوئے اور گزشتہ دنوں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ان کی جملہ صلاحیتیں بحقِ ننکانہ محفوظ و محدود رہیں۔فطرت نے انہیں شعری ذوق عطا کیا تھا اور یہ ذوق فی الواقع ''منہ زور'' ہوتا ہے۔چنانچہ وہ ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کرتے رہے۔انہیں نہ کسی استاد کی صحبت میسر آئی کہ اس ذوق میں نکھار کے ساتھ وقار پیدا ہوتا اور نہ اہلِ فکر وفن کی محفلیں ملیں کہ وہ علمی دنیا میں معروف ہو سکتے۔مگر ان کی شاعرانہ وجاہت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ نگینہ بہر کیف نگینہ ہوتا ہے،خواہ وہ مٹی اور پتھروں میں رلتا رہے یا گردنِ خوباں کی زینت بنے۔بات قسمت اور نصیب کی ہے۔

دورِ حاضر اخبار واشتہار کا دور ہے۔اس عہدِ نمود ونمائش میں بہت سے کریہہ منظر بھی اپنی ''رخ نمائیوں'' پر فخر کر رہے ہیں اور بہت سے صاحبِ نظر ہیں کہ اپنے گلے میں اپنی ہی بانہوں کو ڈال کر خود کو کرب کی صلیب پر لٹکائے پھرتے ہیں۔شیخ موصوف ایسے ہی انسانوں میں سے ایک تھے۔انہوں نے اپنے بعد بہت سا شعری ذخیرہ چھوڑا ہے۔انہیں علمی ماحول ملتا تو اس ذخیرے کی تاب وتب کچھ اور ہوتی۔مگر پھر بھی انکے ہاں ایسے قیمتی موتی موجود ہیں،جن کی تابانی سنگینیٔ گردشِ ایام پر خندہ زن ہے۔

چونکہ وہ قدیم،روایتی اور کلاسیکی دور سے تعلق رکھتے تھے۔اس لیے ان کی شاعری میں جدت سے زیادہ روایت کی پاسداری ہے۔غزل سے زیادہ ان کی نظم پر کشش ہے۔جن نظموں میں مزاح کا عنصر ہے،ان میں نسبتاً پائیداری ہے اور وہ ذوقِ سلیم کو مدتوں مسحورِ لذت رکھ سکتی ہیں۔جہاں وہ طنز سے کام لیتے ہیں،وہاں ان کے قلم کی کاٹ بے پناہ ہے۔بہر کیف غزل ہو یا نظم،نعت ہو یا منقبت،ہنگامی موضوعات ہوں یا وقتی تقریبات،ان کی نگارشات میں تاثر کی وہ نشتریت موجود ہے، جسے ہم تغزل کا نام دیتے ہیں،افسوس کہ ایک دور افتادہ مقام کے گوشۂ تنہائی میں،ان کا درد وغم شعری آویزوں سے کھیلتا رہا اور وہ نمائش وستائش سے بے نیاز،دل پر گزرنے والی اور نگاہ سے ٹکرانے والی ہر کیفیت کو تغزل کا حسن دیتے رہے۔

مرحوم کی نعتیں،دیگر اصنافِ سخن کے مقابلے میں زیادہ دل آویز اور پر تاثیر ہیں۔کیونکہ نعت ہیئت وانداز کے اعتبار سے تو قدیم وجدید ہو سکتی ہے،مگر وہ جذبہ جو نعت کے پسِ پردہ کارفرما ہوتا ہے، وہ بہر کیف خالص،شفاف اور پاکیزہ ہے۔یہ الگ بات کہ بعض کے ہاں اس جذبے کا اظہار سادہ و بے کیف ہے اور بعض اس جذبے کو اس انداز سے شیشۂ شعر میں اتارتے ہیں کہ آبگینہ،تندیٔ صہبا سے پگھل پگھل جاتا ہے۔

نعت قلبی عقیدت کے ساتھ ساتھ اس امر کا اظہار بھی ہے کہ اسی نسبتِ جلیلہ سے ہم بالا و بلند ہیں۔نعت اسی احسان کا ایک شعری پیرایہ ہے۔احسان کا یہ اعتراف خلوصِ دل سے ابھرتا اور عقیدت کے سانچے میں ڈھلتا ہوا،تشکر کا ایک ایسا حسن بن جاتا ہے، جسے دنیوی اور اُخروی مرحلوں کے لیے ایک بہترین زادِ راہ بھی کہہ سکتے ہیں۔یہ اعترافِ

احسان کتنا ہی مختصر اور کتنا ہی ناکافی کیوں نہ ہو، نیتوں کی صداقت ہی اس کا غازہ ہے۔ نیت ٹھیک، نگاہ روشن، فکر درست اور اظہار مؤثر ہو تو دو چار اشک بھی طوفانِ نوح بن سکتے ہیں۔ ورنہ اس ذاتِ گرامی ﷺ قدر کی سیرت وصورت کے جمال و کمال کے اظہار واعتراف کے لیے شعروادب کے جملہ قرینے اور فکر ونظر کے تمام سفینے بھی ناکافی ہیں۔

ہم لوگ شکستہ ناخن اور سوختہ پر ہیں۔ لرزیدہ قلم اور کج مج بیاں ہیں۔ ہماری نعت گوئی تو محض ایک تعلق کا اظہار ہے یا اس حوالے سے اپنی ذات کی پہچان۔ یہ الگ بات ہے کہ آج یہ پہچان روحِ عصر میں سمٹ کر کائنات کی وسعتوں کو محیط ہو رہی ہے۔ ہر عہد کی اپنی صورت اور خصوصیت ہوتی ہے اور یہی صورت اور خصوصیت اس دور کے آئینہ ادب میں حرف و صوت کی کرنیں بن کر ضوریز ہو جایا کرتی ہے۔ آج کا شاعر چونکہ اپنی ذات کے ساتھ کائنات لے کر چلتا ہے۔ اس لیے آج کی نعت میں اسوہ وادا کے ساتھ ساتھ ذاتی کرب بھی ہے اور قلبی بے چینی بھی۔ جغرافیائی رنگ بھی ہے اور تہذیبی ڈھنگ بھی۔ سیاستِ دوراں کی نیرنگی بھی ہے اور تاریخِ عالم کی شوخ چشمی بھی۔ ابدی قدریں بھی ہیں اور مقامی روایتیں بھی اور یوں نعت میں عصرِ حاضر کی روح تو آ گئی ہے، مگر اکثر یوں لگتا ہے، جیسے نعت کا سوز غزل کی بھینٹ چڑھ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کہیں نعت کو حسنِ ذات کے ذکر نے مجاز بنا دیا ہے اور کہیں مقام نبوت ﷺ کی ناشناسی نے حمدِ ربانی اور ثنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی فرق نہیں رہنے دیا۔

شاعری جمالِ بخیہ گری ہے اور نعت گوئی کمالِ شیشہ گری بن جائے تو آبگینہ ہے۔ ٹوٹ جائے تو ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کا کرب، انگاروں سے زیادہ تیز اور تلواروں سے زیادہ بے باک ہوتا ہے گویا نعت میں بیان واقعیّت پر مبنی ہو تو وہ توشۂ آخرت ہے اور اگر عقیدت مبالغہ ہو جائے تو اعمال کے سلب ہونے کے ساتھ ساتھ جہنم کے شعلوں کی وعید بھی ہے۔ نعت گوئی کے لیے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم ترین شخصیت کی رفعتوں اور وسعتوں کی معنوی آگہی ضروری ہے۔ لاکھ محبت اور ارادت کا دعویٰ ہو جب تک یہ آگہی اطاعت کا سرور بن کر نوکِ قلم کا نور نہیں بنے گی نعت روایت اور رسم کے دائرے سے باہر نہیں آ سکتی ـــــ شانِ ربوبیت اور مقامِ رسالت ﷺ کی آگہی نصیب ہو، شیشۂ خاطر شفاف اور کاسۂ چشم غیور ہو، قلم میں زور اور بیان میں تقدس ہو تو نعت عظمتِ انسانی کے ایوان کھولتی چلی جاتی ہے اور پھر اس بحرِ بے کراں کی وسعتوں میں ''گنبدِ آبگینہ رنگ'' بھی ایک ''حباب سا'' دکھائی دیتا ہے اور بشریت، اکملیت سے ہمکنار ہو کر عبدہٗ کے مقامِ بلند پر فائز ہو جاتی ہے اور یوں سوزِ آرزو، متاعِ بے بہا ہو کر مقامِ بندگی کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔

اب اس ''ادراک'' کا اندازہ کیجیے، جو محمد علی شیخ کی غیر مطبوعہ بیاضوں سے اخذ کیے گئے ان اشعار میں جلوہ گر ہے۔ شیخ موصوف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہِ کرم کے تمنائی ہیں۔ انہیں غمِ جاناں اس لیے گوارا ہے کہ اس سے آلامِ روزگار آسان ہو جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک حضور ﷺ کی یاد دنیا کی سعادت اور عقبیٰ کا سہارا ہے۔ ان کے اشعار سے پتا چلتا ہے کہ دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تڑپ ہو اور گنبدِ خضریٰ روبرو ہو تو پھر آرزوئے دید زنجیر ہو جاتی ہے۔ قربِ حضور ﷺ چونکہ روح کا سرور ہے، اس لیے یہ نصیب ہو تو نہ ہاتھ کسی اور دعا کے لیے اٹھتے ہیں، نہ نگاہ کسی اور در کی طرف جاتی ہے اور نہ قدم کسی دوسری منزل کی طرف رخ کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ نقوشِ پا تو ہر آرزو کا ماحصل ہیں۔ وہ مل جائیں تو منزل مل جاتی ہے اور منزل مل جائے تو ہر تلاش توہینِ جستجو ہو جایا کرتی ہے۔

روضۂ اطہر پہ جا کے پھر نہیں لوٹے قدم
آرزوئے دید اک زنجیر سی پہنا گئی
آمنہؓ کی گود میں چمکا جو وہ ماہِ عرب
آسماں پر چاند تاروں کی نظر شرما گئی
ان کی نظروں میں نہیں جچتا شہنشاہوں کا تاج
تیرے کوچے کی گدائی جن کے دل کو بھا گئی
مصطفےٰ ﷺ دیکھا کیے تا دیر اس کو رو برو
وہ تجلی طور پر موسیٰؑ کو جو تڑپا گئی
شیخ جس نے جان دے دی مصطفےٰ ﷺ کے واسطے
زندگانی اس کی سمجھو، اپنا مقصد پا گئی

☆

اے شوق! آج تیرے قرینے کی بات ہے
محفل میں مصطفےٰ ﷺ کے مدینے کی بات ہے
آئیں گے نا خدائی کو، محبوبِ کبریا
امت کے ڈگمگاتے سفینے کی بات ہے
مرٹنا ان کی راہ میں سمجھا ہے موت تو
اے بے خبر! یہ موت ہی جینے کی بات ہے
عشقِ نبی ﷺ کے جام کی مستی، میں کیا کہوں؟
کہنے کی دوستو نہیں، پینے کی بات ہے
دونوں جہاں کی رحمتیں اتریں زمین پر
اول ربیع کے پاک مہینے کی بات ہے
انگشتری ہے جس کے لیے ساری کائنات
اس طرفہ شاہکار نگینے کی بات ہے
دیوانۂ رسول ﷺ کا ہے کام کیا وہاں
دامانِ ہوش کو جہاں سینے کی بات ہے
خوشبو ہر ایک پھول کی حیرت میں گم ہے شیخ
کس رشکِ بوستاں کے پسینے کی بات ہے

☆

عیاں زمانے پہ جنت کا راز کیوں نہ کرے
ہوا ہے کوچۂ بطحا کی، ناز کیوں نہ کرے

جہاں کی رحمتیں بٹتی ہیں ان کی چوکھٹ پر
یہاں جو آئے وہ دامن دراز کیوں نہ کرے
شرابِ تند سے شیشے پگھل ہی جاتے ہیں
پھر ان کا تذکرہ دل کو گداز کیوں نہ کرے
فغاں کو ڈھالا ہے جس نے طرب کے نغموں میں
وہ میرے سوزِ مسلسل کو ساز کیوں نہ کرے

☆

مسیحا کے لیے افلاک پر آرام کافی ہے
دوامِ زندگی کو مصطفیٰ ﷺ کا نام کافی ہے
فزوں تر ہے کرم تیرا، فزوں تر کر طلب میری
مرا دامن ہے نا کافی، ترا انعام کافی ہے
ترے کوچے میں پڑ رہنا، تری چوکھٹ پہ سر رکھنا
گدائے کوچۂ یثرب کو اتنا کام کافی ہے
لبوں پہ دم، نظر کے سامنے ہے روضۂ اقدس
تمھاری مغفرت کو شیخ یہ انجام کافی ہے

☆

مظلوم دلوں پر راحت کے سامان کی بارش ہوتی ہے
وہ محسن بن کر آئے ہیں، احسان کی بارش ہوتی ہے
تاریکی ٹھٹتی جاتی ہے، ہر مشکل کٹتی جاتی ہے
سب عقدے کھلتے جاتے ہیں، عرفان کی بارش ہوتی ہے
احساس کی تلخی مٹتی ہے اور یاس کی ظلمت چھٹتی ہے
امید کے بادل امڈے ہیں، امکان کی بارش ہوتی ہے
وہ نازشِ بزم امکانی، جب محوِ تکلم ہوتے ہیں
اسلام کے بادل چھاتے ہیں، ایمان کی بارش ہوتی ہے

☆

بہارِ زندگی کا خوشنما آغاز آیا ہے
شکستہ ہمتوں کا شہپرِ پرواز آیا ہے
نحیف و بے کس و مظلوم کا دمساز آیا ہے
تبسم جان فزا لے کر لبِ اعجاز آیا ہے
مبارک ہو مریضوں کو کہ چارہ ساز آیا ہے

طلب کی حضرت آدمؑ نے جن کے نام سے نصرت
کلیمؑ اللہ کو جس کی اطاعت کی ہوئی چاہت
مسیحاؑ کو رہی جس نور کے دیدار کی حسرت
ازل سے منتظر تھی جس کی، چشمِ شاہدِ فطرت
وہی حسنِ مجسم، وہ سراپا ناز آیا ہے

وہ جس کے نور سے شمس و قمر نے پائی تابانی
عطا کی حق نے جس کو دین و دنیا کی نگہبانی
وہ رازِ انجمن سازی، وہ شمعِ بزمِ امکانی
وہ خلقِ اولیں، وہ باعثِ تخلیقِ انسانی
زمین و آسماں کی گردشوں کا راز آیا ہے

خدا کے بعد سب سے برتر و ارفع جو ہستی ہے
وہ جس کے نام میں تسنیم اور کوثر کی مستی ہے
وہ جس مرقد پہ ہر دم نور کی بارش برستی ہے
بلندی آسماں کی جس کے پانے کو ترستی ہے
زمیں کی پستیوں کے پاس وہ اعزاز آیا ہے

وہ جس کو حق سے مانگا تھا براہیمی دعاؤں نے
بشارت جس کی چاہی تھی مقدس التجاؤں نے
خبر دی جس کے آنے کی، سدا مہکی ہواؤں نے
ازل سے راہ دیکھی جس کی آمد کی فضاؤں نے
خلائیں منتظر تھیں جس کی، وہ شہباز آیا ہے

☆

جو شخص تری شان کو پہچان گیا ہے
اس شان پہ سو جان سے قربان گیا ہے
اے رحمتِ عالم، مری کشتی کی خبر لے
منجدھار میں لے کر اسے طوفان گیا ہے
تا رفعتِ افلاک، مرا درد ہے پہنچا
اس سے بھی بلند آپ ﷺ کا درمان گیا ہے
اللہ رے! وہ خاک کہ جس خاک سے اٹھ کر

اک خاک نشیں، عرش پہ میہمان گیا ہے
توحید کا سیلاب جو اٹھا تھا عرب سے
بت خانوں کو کرتا ہوا ویران گیا ہے
کیوں شیخ پریشان پھرے تیری گلی سے
اس در سے کبھی کوئی پریشان گیا ہے

☆

عشقِ نبی ﷺ میں درد کی ہرگز دوا نہ مانگ
کچھ درد اور مانگ لے، لیکن شفا نہ مانگ
وہ جام مانگ، جس میں ہو حبِّ نبی ﷺ کی مے
ساقی کے دستِ فیض سے اس کے سوا نہ مانگ
کملی کا اس کی سایہ اگر ہو نصیب شیخ
قسمت پہ اپنی ناز کر، ظلِ ہما نہ مانگ

☆

شافیٔ کوثر، شافعِ محشر
ہادیٔ اکبر، شاہِ مدثر
آیۂ اطہر، رحمتِ عالم
صلی اللہ علیہ وسلم

عظمتِ دوراں، مظہرِ یزداں
لطفِ فراواں، ضامنِ ایماں
حسنِ درخشاں، نورِ مجسم
صلی اللہ علیہ وسلم

جیسا کہ ابتداء میں لکھا جا چکا ہے کہ جناب محمد علی شیخ کو کسی صاحبِ فن کی صحبت نصیب نہیں ہوئی کہ ان کا ذوقِ شعر مزید سنور کر نکھر سکتا اور خود انہیں موت نے اپنے کلام پر نظرِ ثانی کی مہلت نہیں دی۔ یہ تو محض فن کی بات ہے۔ جہاں تک ان کے دل کے خلوص اور روح کے گداز کا تعلق ہے، اس کی جزاء اس بارگاہِ ناز سے انہیں ضرور ملے گی، جہاں سکوت بولتا اور آنسو درِ دل کہتے ہیں۔

(۱۹۸۶ء)

☆

محمد افضل طور کا ذوقِ نعت

خامہ خواہم از گُلاں از قدسیاں خواہم زباں
تا ثنائے سیدِ ﷺ سلطانِ بحر و بر کنم

(طور)

زندگی کا حسن ناتمام آرزوؤں سے عبارت ہے۔ ہر آرزو پوری ہوتی رہے تو زندگی بے کیف ہو کر رہ جائے زندگی، مضمونِ تسخیر ہے تو آرزو افسونِ تسخیر۔ انسان قتیلِ آرزو ہے تو فطرت شہیدِ آرزو، ____ اور دل شہرِ آرزو بھی ہے اور مدفنِ آرزو بھی ۔

آرزوؤں کے جنازے کیوں اترتے ہیں یہاں
یہ میرا دل ہے تمناؤں کا مدفن تو نہیں

میرے دل کے ویرانے میں ایک ایسی حسرت بھی مدفون ہے جس کا کرب، اس حیاتِ مستعار میں شاید کبھی کم نہ ہو سکے ____ اور وہ افضل طور مرحوم سے ملنے کی تمنا ہے جو بوجوہ مجروحِ یاس ہو کر رہ گئی ہے اور یوں میرا، ان کا تعلق صرف قلم تک محدود رہا۔

مثالِ ما لبِ دریا و حالِ مستسقی ست
د ہند شوق ولے فرصتِ نظر ندہند

مجھے ان کے مکاتیب سے ان کی شعری صلاحیتوں، روحانی فضیلتوں اور قلبی پاکیزگیوں کا اندازہ تو ہو چکا تھا اور میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ کیسے کیسے گوہرِ یکتا کونوں اور کھدروں کا مقدر بنے ہوئے ہیں اور کیسے کیسے بونے ستائشِ باہمی کی بیساکھیوں کے سہارے قد آور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور کیسے کیسے کریہہ المنظر خودنمائی اور خودستائی کے اس دور میں ''یوسفِ دوراں'' بنے ہوئے ہیں اور زمانہ کیسی کیسی جنسِ کاسد کو گراں ارز بناتا چلا جا رہا ہے۔ ۔

بارش کے کتنے قطرے کہ فطرت میں تھے بلند
پائی نہ گود سیپ کی، گوہر نہ ہو سکے
ناقدریٔ جہاں سے خدائے سخن ہزار
مٹی ہوئے سخن کا پیمبر نہ ہو سکے

نسبی وجاہت، ادبی ذوق، صوفیانہ تاب وتب، قلندرانہ جمال اور شاعرانہ کمال، افضل طور کو ورثے میں ملا تھا۔ ان کا

خاندانی سلسلہ ایک طرف امام علی نقیؒ سے ملتا ہے تو دوسری طرف ان کے جدِ امجد سلسلۂ طریقت میں حضرت طاہر بندگی فاروقیؒ سے بیعت اور والد سلسلۂ عالیہ قلندریہ چشتیہ سے منسلک تھے۔ وہ اردو، فارسی، عربی کے علاوہ سنسکرت، گورمکھی اور انگریزی میں بھی استادانہ دستگاہ رکھتے تھے۔ ان کا خاندان علومِ شرقیہ میں حوالے اور سند کی حیثیت رکھتا تھا، خود جنابِ طور نوشاہی سلسلۂ تصوف سے وابستہ تھے۔ یوں اہل بیتؓ کی محبت، صحابہ کرامؓ کی عظمت اور بزرگانِ سلف کا تقدس ان کی رگوں میں خون کی طرح گردش کرتا تھا۔ ان کی شخصیت جذب وشوق کی ایک نادر کہکشاں تھی۔ وہ قریشی و فاروقی تھے۔ قادری و نوشاہی بھی اور چشتی و نقوی بھی۔ انہیں جناب علیؓ سے وارفتگی کی حد تک محبت تھی۔ نسبی پس منظر سے کہیں زیادہ۔ اس لیے کہ تصوف کے جملہ سلاسل علومِ نبوی ﷺ کے اسی دروازے تک پہنچتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں یہیں سے شروع ہوتے ہیں۔ انہی کا شعر ہے ؎

شریعت کے، طریقت کے، حقیقت اور عرفاں کے
سبھی رستے اسی شاہراہ سے ہو کر نکلتے ہیں

افضل طورؔ کی شاعری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا خوانی بھی ملتی ہے۔ اہلِ بیتؓ کی سچی محبت بھی، صحابہ کرامؓ کی عقیدت بھی اور اولیائے کرام کے دامانِ بہار کی کچینی بھی ____ انہیں زندگی کی رعنائی بھی انھی وسیلوں سے ملی، روح کی برنائی بھی انہی خزینوں سے عطا ہوئی۔ نگاہوں کو تاثیر بھی یہیں سے ملی اور قلم کو پرہما کی جنبش بھی انہی بارگاہوں سے نصیب ہوئی ____ نسبت کی عظمت ہی بے کسوں کو معراجِ آرزو تک لے جایا کرتی ہے۔ ان کے یہ اشعار انہی فیوض و برکات کا اظہار و اعتراف ہیں ؎

خواجۂ یثرب کے صدقے میں مجھے بخشی گئی
شعر کے پردے میں مدحت حیدرِ کرارؓ کی

☆

ز فیضِ نوشۂ سچیارؒ و بو ترابؓ و حسینؓ
ملا ہے مجھ کو فنافی الرّسول کا اعزاز

☆

اہلِ نسبت کی حضوری کے تصدق طورؔ وہ
آج میرے رو برو حدِّ نظر تک آگئے

☆

لے جائے کربلا کو، نجف کو، مدینے کو
میرا سلامِ شوق بوقتِ سحر نسیم

☆

نجف میں، کربلا میں اور مکے اور مدینے میں
ہمیشہ تک رہیں یہ طورؔ مے خانے محمد ﷺ کے

☆

فیضِ نگاہِ نوشۂ سچیارؒ کے طفیل
قائم رہیں گی حشر تک میری یہ باقیات

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اہلِ بیتؓ، اہلِ صفا اور اہلِ دل سے نسبت کا نتیجہ نور و حضور و سرور ہے۔ اسی تعلقِ خاطر سے افضل طورؔ کی فکری صلاحیتوں میں نکھار اور شعری خوبیوں میں وقار پیدا ہوا۔ وہ فکر و خیال کی بے نام وادیوں میں گھومنے کے بجائے حقیقتوں کے امین اور صداقتوں کے عکاس بن گئے۔ نتیجہ معلوم کہ گھٹی میں پڑی ہوئی عرفانی روایات، غزل کے پیرہن میں لَو دینے لگیں اور تصوف کے رچاؤ نے ان کے قلم کو سرِ طور لہرانے والی تجلیوں کا ترجمان بنا دیا اور یوں ان کا تغزل گداز و حسن کی ایک دلآویز کہکشاں بن گیا۔ شبلی نعمانی نے شعر پر تصوف کے اسی تاثر کو یوں بیان کیا ہے:

''شاعری اصل میں اظہارِ جذبات کا نام ہے۔ تصوف سے پہلے جذبات کا سرے سے وجود ہی نہ تھا۔ قصید مداحی اور خوشامد کا نام تھا۔ مثنوی واقعہ نگاری تھی۔ غزل زبانی باتیں تھیں۔ تصوف کا اصلی مایۂ خمیر، عشقِ حقیقی ہے جو سرتاپا جذبہ اور جوش ہے۔ عشقِ حقیقی کی بدولت مجازی کی بھی قدر ہوئی اور اس آگ نے تمام سینہ و دل گرما دیے۔ اب زبان سے جو نکلتا تھا گرمی سے خالی نہیں ہوتا تھا، اربابِ دل تو ایک طرف اہلِ ہوس کی باتوں میں بھی تاثیر آ گئی۔''

سوچتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں کہ فطرت نے اس غیر معروف شاعر کو کس کس فیاضی کے ساتھ، حسن و کمال کی کس کس ادا سے نوازا تھا۔

ان کے وہ خطوط جو میرے نام آتے رہے اور ان کا وہ مجموعۂ کلام جوان کی وفات کے بعد منصۂ شہود پر آیا، وہ دونوں میرے اس یقین کے مؤید ہیں کہ جنابِ طورؔ خونِ دل سے چمن آراستہ کرنے اور خوشبو کے لب و لہجے میں بات کہنے کا فن جانتے تھے۔ ان کا دل محیطِ گریہ تھا۔ نتیجہ معلوم کہ جب ان کے دل کے ساز پر چوٹ پڑتی تھی تو ان کے لفظ آنسوؤں کی طرح سلگتے تھے کہ وہ خود ایک سلگتا نغمہ تھے۔ ان کے قلم کا نور بتاتا ہے کہ ان کے وجود کی تعمیر عناصرِ اربعہ سے نہیں، فنونِ لطیفہ سے ہوئی تھی۔ وہ آنسوؤں میں مسکرانے کے عادی تھے۔ انہوں نے دل کے سوز کو غزل کا ساز دیا اور خود تہِ دامانِ خزاں رہتے ہوئے بہاریں ایجاد کرتے رہے۔ خود کہتے ہیں ؎

جلو میں حسنِ تغزل نثار کو لے کر
رواں ہے بحرِ خیالات میں سفینۂ دل
مری غزل سے نہ کیوں حسنِ آگہی جھلکے
جڑا ہے خاتمِ افکار میں نگینۂ دل

شعر انسانی فطرت کی خلقی افتاد کا بدیہی اظہار ہے۔ یہ فطری صداقتوں کا ایک نغماتی کیف ہے بلکہ خود ایک صداقت ہے اور ہمارے گردوپیش کتنی ہی صداقتیں ہیں جو دل و نگاہ میں سماتی، قلم کی نوک پر مچلتی اور صفحۂ قرطاس پر نقشِ دوام بن کر جگمگاتی ہیں، شام و سحر کی آغوش میں پلنے والا طلوع و غروب، ہوا کا بے پرواخرام، بہاروں کا بے نیازِ حسن، چاند کی طباشیری کرنوں کا والہانہ رقص اور سورج کی حدت آمیز ضیاپاشی ___ کتنی ہی صداقتیں ہیں جنہیں فطرت انتہائی فیاضی کے ساتھ ہمارے لیے نچھاور کرتی چلی جاتی ہے اور ہم ان سے بقدرِ ظرف استفادہ کرتے اور متاثر ہوتے ہیں۔

بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں، جنہیں اضطراب کا وہ نقطۂ کمال نصیب ہوتا ہے جہاں تاثر کی حد ختم ہوتی ہے اور شاعری کی حد شروع ہوتی ہے ـــــ اور حسنِ شعر کا کمال یہ ہے کہ صداقتوں کے بجائے خود ''صادق'' کا ثنا خواں اور مدحت طراز بن جائے کہ صداقت نام ہی ''صادق ﷺ'' کے نقشِ قدم کو چھو لینے کا ہے اور اسی کا نام معراجِ زندگی ہے۔ ؎

شاید اسی کا نام ہے توہینِ جستجو
منزل کی ہو تلاش ترے نقشِ پا کے بعد

گوجرانوالا کے اس گوشہ نشین شاعر کے کلام کا بیشتر حصہ اس کی بے نیازیوں اور دوستوں کی دراز دستیوں کی نذر ہو گیا۔ اگر ان کا کلام ان کی اپنی زندگی میں چھپ سکتا تو یقیناً بہت کچھ محفوظ ہو جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک پُر گو، زود گو اور بدیہہ گو تھے۔ طبیعت آمادہ ہوتی تو قلم موجِ خرام یار کی طرح گل کترتا چلا جاتا تھا۔ ان کے پسماندگان نے ان کے کلام کو ''تجلیاتِ طور'' کے نام سے محفوظ کرنے کی سعی کی ہے۔ اس کتاب میں نعتیں بھی ہیں، غزلیں بھی اور مناقب بھی۔ فارسی اور پنجابی کلام بھی موجود ہے۔ ہر شعر شستگیٔ فن اور پختگیٔ فکر کا آئینہ دار ہے۔ بعض اشعار براہِ راست قاری کے دل پر دستک دیتے ہیں۔ کاش انہیں زندگی میں اپنے کلام پر نظرِ ثانی کا وقت مل جاتا تو ان تجلیات کا رنگ اور آہنگ کچھ اور ہوتا۔ مگر نہ موت ٹلتی ہے اور نہ وقت کسی سے وفا کرتا ہے، مگر وہ اہلِ دل جو زندگی میں خود پر موت طاری کر لیتے ہیں جب مرتے ہیں، تو ان کی موت، زندگی کی تمہید ہو جایا کرتی ہے ـــــ ایک وقت آئے گا کہ ان کی متصوفانہ بصیرتوں اور شعری صلاحیتوں کا کماحقہٗ اعتراف ہوگا کہ اجالا جہاں بھی ہو، وہ خود کو منوائے گا اور صداقت جہاں بھی ہو وہ دل میں اترے گی۔ اس نظامِ کار میں تعویق و تاخیر تو ہو سکتی ہے مگر اسے روکا نہیں جا سکتا۔ احمد ندیم قاسمی کے الفاظ میں:

''اونچی شاعری آخر کار اپنے آپ کو منوا لیتی ہے۔ المیہ صرف یہ ہے کہ عموماً ایسی شاعری کرنے والے کی زندگی اس اعتراف کے اجالے سے محروم رہ جاتی ہے۔''

افضل طور کی نعتیہ شاعری جذب و شوق کے اس والہانہ پن سے عبارت ہے جس کے نہ ہونے سے ایمان جاتا رہتا ہے اور جس کے ہونے سے دل کی دنیا نور و نکہت کی جلوہ گاہ بن جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہمارے لیے معیارِ عمل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہر عمل کے لیے واحد کسوٹی ـــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت دلیلِ ایمان ہے اور کمالِ ایمان یہ ہے کہ یہ محبت تمام محبتوں پر غالب آ جائے۔ اپنی جانِ عزیز سے بھی عزیز تر۔ افضل طور کی نعتوں میں حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم گداز کے سانچے میں ڈھل کر جنوں کو چھوتا محسوس ہوتا ہے اور دیارِ ناز کا تصور آتے ہی ان کے دامانِ نظر میں پھول کھلتے چلے جاتے ہیں۔ تعلقِ خاطر کی انتہا یہ ہے کہ زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہ ہو جو محبوب کی یاد تازہ نہ کر رہا ہو، گدازِ عشق کی ابتدائی منزل تصور اور یاد ہے۔ اس کے بعد ذکر، فکر میں ڈھل جاتا ہے اور یاد، خوشبو بن کر رگ و ریشے میں اتر جاتی ہے۔ افضل طور کی نعت کے آئینے میں ان کے تصور کی رعنائی دیکھیے کہ یہ سب کچھ انہیں اس بارگاہِ ناز سے ملا جس کی رفعتوں کو آسمان بھی جھک کر ملتا اور جس کی چوکھٹ کو ہوا کی ہر موج بوسہ دے کر گزرتی ہے۔ ؎

میرے نصیب میں تھا کہاں سوزِ مستقل
اس آستانِ قدس کا فیضان ہی تو ہے

☆

میں ہوا ہوں طور جب سے خاکِ راہِ عاشقی
ہوش والے داد دیتے ہیں مجھے، اشعار کی

☆

سر وہ سر، احمدِ مرسل کا ہو سودا جس میں
دل وہ دل ہے کہ جو ہوا الفتِ شہ ﷺ سے معمور

☆

ملا ہے مجھ کو بدولت تری یہ سوز و گداز
غمِ حبیبِ دو عالم، ہو تیری عمر دراز

☆

فقیرِ کوئے محمد ﷺ کا یہ مقامِ عظیم
کہ اس کے ہاتھ میں ہے نبضِ حادث اور قدیم

☆

لگتے ہیں یہاں لبِ اظہار پر تالے
یا رب! یہ محبت کا ہے دستور نرالا
جس غم نے مجھے دولتِ تسلیم و رضا دی
یا رب! نہ کبھی ہو مرے اس غم کا مداوا
آنکھوں سے مری اشکِ ندامت ہوئے جاری
جب سامنے آیا وہ نظر گنبدِ خضریٰ

☆

ہمیں نہ خطرۂ حشر اور نہ خوفِ روزِ حساب
کہ عاشقوں کو شعورِ نشیب ہے نہ فراز

☆

گھٹائیں اٹھتی ہیں رحمت کے آسمانوں سے
سجائی جاتی ہے جب بزمِ عاشقانِ رسول ﷺ

☆

زمانے بھر کے فرزانے جبیں سائی کو آتے ہیں
دو عالم کی خبر رکھتے ہیں دیوانے محمد ﷺ کے

☆

نظم کے سانچے میں ڈھل کر قصہ ہائے درد و غم
نعت کی صورت زبانِ شعر تر تک آگئے
ہم کو سب کچھ مل گیا ہے، ہم نے سب کچھ پا لیا
ان کے در کے تھے سوالی، ان کے در تک آگئے

☆

حضور! نعت نے بخشا ہے وہ مقام مجھے
بلند تر ہے حدِ عقل سے مری پرواز

☆

جس کو ملا مقام فنافی الرّسول کا
اس خوش نصیب کو ملا پروانۂ نجات
میری ہر اک غزل مری ساری نگارشات
وابستہ آپ ﷺ ہی سے ہیں اے جانِ کائنات

اس جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی وابستگی ہی کا نتیجہ ہے کہ افضل طور کو اصنافِ سخن میں نعت ہی بھائی ہے۔ ذکرِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نزدیک ایک ایسی عبادت ہے جس سے نگاہ دھلتی اور دل نکھرتا ہے۔ مدینہ ان کے لیے ایک ایسا دارالسلام ہے جہاں ہر کرب کو سکون، ہر زخم کو مرہم، ہر سفر کو منزل اور ہر جستجو کو حاصل نصیب ہوتا ہے۔ رعنائیِ تصور نے ان کے فکر کو اس نوع کی یکتائی اور یکجائی عطا کی ہے کہ انھیں ہر نقش محبوب ہی کا سراپا دکھائی دیتا ہے۔ انھیں اس عطائے محبوب پر بجا طور پر ناز ہے کہ وہ نعتِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے چن لیے گئے ہیں۔

قمریانِ باغِ نعت مصطفیٰ ہستیم ما
بر زبانِ ما نیاید داستانے دیگرے
منتخب کر دم زمینِ نعت در اصنافِ نظم
ایں زمیں را طور باید آسمانے دیگرے
جز مدینہ بہر ما آشفتگاں، دارالسلام
از کجا آریم ما دارلامانے دیگرے
من کہ آں پابند گشت کوئے ذی جاہِ رسول ﷺ
شوکتِ طرفہ ترے داریم، شانے دیگرے

☆

حضور ﷺ آپ ہی کا ذکر زیست ہے مری
یہی ہے میری عبادت یہی ہے میری نماز

☆

مری غزل ثنائے محمد ﷺ کی ہے نقیب
اور میری نعت شانِ رسالت ﷺ کا ہے پیام
اصلِ سجود آپ ﷺ کا ذکرِ جمیل ہے
عینِ قعود آپ ﷺ کا ہے فکرِ ذوالکرام

☆

سر زمینِ دل و دیدہ میں ہوئی بارشِ نور
جب کبھی ذکرِ رسالت سے سجی بزمِ سرور

☆

دل میں ان کے تقدس کا تصور رخشاں
اور طیبہ کا سفر ہو تو غزل ہوتی ہے

☆

اور تو سب کچھ ہوا نذرِ فراموشی مگر
میٹھی میٹھی یاد رہتی ہے مجھے سرکار ﷺ کی

☆

دل جب سے ہوا محرمِ اسرار حقیقت
ہر نقش مجھے ان کا سراپا نظر آیا

دونوں جہاں، جمالِ محمد ﷺ پہ ہیں نثار
وہ انتخابِ حسن ہیں یہ حسنِ انتخاب

☆

وہ حسن میں ہیں منفرد، یکتا میں عشق میں
میرا ہے کچھ جواب نہ ان ﷺ کا ہے کچھ جواب

☆

تو ہی تو ہے مرے اشعار میں اے جانِ جہاں
ہے ترا حسن نمایاں مرے افسانوں میں

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر سمجھتے ہیں۔ دنیا والوں کے قلم تو محض ذرّوں کی زبانیں ہیں کہ وہ سورج کی روشنی کو جتنا سمیٹ پاتے ہیں اس کا عشرِ عشیر بھی بیان نہیں کر سکتے۔ تاریخ انسانی کے ہر موڑ پر ہر نبی کا کمال خود کو منواتا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیین ہیں اس لیے آپ ﷺ کی ذاتِ اطہر میں جملہ انبیائے کرام کے امتیازات اور کمالات انتہائے کمال پر پہنچ کر ہم آہنگ ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ نبوی اور بشری فضیلتوں کے خاتم ہیں اور

کسی فضیلت کا جو خاتم ہوتا ہے وہی اس کا فاتح بھی ہوا کرتا ہے۔ آفتاب اگر انوار وتجلیات کا سرچشمہ ہے تو خاتم بھی ہے۔ روشنی کا ہر مقام اگر آفتاب پر ختم ہوتا ہے تو اجالے کے ہر مقام کا آغاز بھی وہیں سے ہوتا ہے۔ گویا ہر منتہا، خود مبداء بھی ہوا کرتا ہے۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جامع کمالات ہیں تو خاتمِ کمالات بھی ہیں۔ فاتحِ کمالات ہیں تو افضل الکمالات بھی ہیں۔ مقامِ رسالت ﷺ کی ایک جھلک افضل طوؔر کی نعت کے انداز میں دیکھیے:

تشریحِ مقاماتِ محمد ﷺ نہیں ممکن
وہ نظمِ مرصع ہو کہ ہو نثرِ مقفیٰ

☆

وہ احمد ﷺ مکی، مدنی، مطلبی ہے
ممدوح مرا جودوسخا کا ہے جو سراپا

☆

اک شور اٹھا حشر میں جب طوؔر وہ آئے
یوں حشر میں اک اور ہوا حشر سا برپا

☆

ازل سے لے کے یہ اب تک ہے سجدہ گاہِ رسل
بڑے مقام کا حامل ہے آستانِ رسول ﷺ
اب اس سے بڑھ کے ہے کیا رتبہ سرفرازی کا
نزول وحی کی صورت بنی لسانِ رسول ﷺ
یہ ایک جلوۂ محبوبیت کا پرتو تھا
فرازِ عرش پہ ہے سیرِ لا مکانِ رسول ﷺ

افضل طوؔر، بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں اپنے دل سے ابھرنے والی بعض تمناؤں کو پیش کرتے ہیں۔ وہ آرزو کرتے ہیں کہ کاش ان کی جبینِ شوق اس سنگِ در تک جا پہنچے جو اہلِ دل کا قبلۂ شوق اور کعبۂ مراد ہے اور عقیدت کی جبیں جس کے تصور سے نورانی رہتی ہے وہ اس ایک نگہِ رحمت کے تمنائی ہیں جس سے دل کی کلیاں پھول بن جاتی اور خزاں نصیب روز وشب، بہاروں کے امین ہو جاتے ہیں۔ وہ تمناؤں کے چراغوں کی لَو اس لیے اونچا رکھتے ہیں کہ ان کے دل کے آنگن میں کبھی تو کاروانِ بہار ٹھہرے گا اور وہ اس ایمان کے ساتھ زندہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نقوشِ پا کی تابانیاں زندگی کو رشکِ سحر بنا سکتی ہیں۔

مجھ کو بھی ملے ذکر کا گنجینۂ مخفی
مجھ کو بھی ملے فکر کی دولت مرے آقا ﷺ

☆

مدت سے منتظر ہوں حضوری نصیب ہو
مجھ پہ بھی اک نظر ہو شہنشاہِ بحر و بر
اے تاجدارِ کون و مکاں یوں بھی کاش ہو
میری جبینِ شوق ہو اور تیرا سنگِ در

☆

ہو آپ ﷺ کا کرم تو یقیناً چمک اٹھے
دھندلا گیا ہے مطلعِ ذوقِ تصورات

☆

اک نظرِ کرم ہو مری جانب مرے مولا ﷺ
اے مالکِ کون اور مکاں، خواجۂ بطحا ﷺ

☆

اے کاش مجھے بھی تو ملے اذنِ حضوری
اے کاش! مدینے سے مجھے آئے بلاوا

☆

کرم کی ایک نظر مجھ پہ تاجدارِ حجاز
ہے تو کریم، تری ذات ہے غریب نواز
الٰہی! اتنا کرم، ایک بار ہو جائے
مرا ہو سر بہ درِ آستانِ شاہِ حجاز ﷺ

☆

ہو جائے کاش! آج قبولِ شہِ انام ﷺ
اک تحفۂ درود اور اک ہدیۂ سلام
روزِ حساب اپنی شفاعت کے واسطے
دامانِ التفاتِ محمد ﷺ کو لیں گے تھام

☆

میں اپنی زیست کا حاصل وہ لمحہ سمجھوں گا
کوئی پکارے مجھے کہہ کے قصہ خوانِ رسول ﷺ

☆

نوازش ہو، کرم ہو، اڑ کے جا پہنچوں مدینے میں
وہاں رو رو سناؤں ماجرا آہستہ آہستہ

☆

ایک مدت سے ہیں خاموش تمنا کے چراغ
وہ جو آئیں تو اجالا ہو شبستانوں میں
اس پہ بھی اک عنایت کی نظر ہو جائے
یہ تیرا طؔور بھی ہے، تیرے ثنا خوانوں میں

☆

طؔور مجھ کو ہے اس معراج والے کی تلاش
دیدۂ انجم بھی جس کے واسطے بے خواب ہے

جب طلب صادق اور تمنا خالص ہو تو وہ شرفِ قبول پا لیا کرتی ہے، آرزو کا اظہار جب دھڑکنوں کی زبان، آنسوؤں کے پیرائے اور لرزشوں کے لب و لہجے میں کیا جائے تو قبولیت ایسی تمنا کا خود استقبال کیا کرتی ہے، مانگنے کا ڈھب آتا ہو تو لطف وعطا اور جود وسخا کی موجیں خود مچلتی، اچھلتی اور کشکولِ آرزو کو سیراب کر دیا کرتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو طلب سے کہیں بڑھ کر ملتا ہے۔

ع من بہ بوئے مست وساقی پر دہد پیمانہ را

دعا میں خلوصِ عجز ہو تو وہ لبوں پر آنے سے پہلے ہی مستجاب ہو جایا کرتی ہے۔ راز کاشمیریؔ کے الفاظ میں

کس عجز سے پہنچی تھی دعا بابِ اثر تک
کس شان سے لوٹی ہے دعا بابِ اثر سے

معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہِ خداوندی سے افضل طؔور کی تمناؤں کو بھی پذیرائی ملی، اسی لیے وہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بھی سراپا تشکر اور مجسمِ سپاس دکھائی دیتے ہیں کہ وہ نہ ہوتے تو آرزو کا ہر خاکہ بے رنگ ہوتا:

اس چشمِ ناز شوقِ رسالت کی خیر ہو
حاصل ہے جس کو حسنِ ادب کی پیمبری

☆

بخشا مرے افکار کو وہ سیلِ روانی
رکتا ہی نہیں اب مرے جذبات کا دھارا

☆

محشر میں صدا گونج اٹھی صلِّ علیٰ کی
اس لطفِ مجسم نے اس انداز سے دیکھا

☆

یہ نعتِ پیمبر ﷺ کا صلہ مجھ کو ملا ہے
ہر صنفِ سخن پر ہے مری فکر کا سکہ

☆

مری غزل میں حقیقت کے رنگ میں ہے مجاز
یہ نعتِ سید کون و مکاں کا ہے اعجاز

☆

دربار فیض بارِ رسالت مآب میں
تقسیمِ لطف کی ہے بہر سو صدائے عام
اللہ رے! نصیب کہ مجھ کو عطا ہوا
رنگِ غزل میں نعتِ پیمبر ﷺ کا اہتمام

☆

خدا کی رحمتیں اس پر تصدق ہوتی جاتی ہیں
یہ کس کے لب پہ محشر میں ہیں افسانے محمد ﷺ کے

☆

جو درِ سیدِ شہ والا گہر تک آگئے
وہ نجاتِ اخروی کے بام و در تک آگئے
پیشگی یوں داد نعتِ مصطفےٰ ﷺ مجھ کو ملی
پیشوائی کو مری شمس و قمر تک آگئے

☆

اور تو پاس مرے کچھ نہیں سامانِ نجات
میرے دامن میں ہے اک نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر خوبی خالقِ حقیقی کی دین اور ہر برائی ہماری اپنی پیدا کردہ ہے۔ اگر کسی دل کو نورانی فضا اور کسی قلم کو توفیقِ ثنا ملتی ہے تو اسے اپنا فخر نہیں گردانا چاہیے بلکہ محبوب کی عطا سمجھ کر سراپا نیاز ہو جانا چاہیے۔ ہم تو تشکیک کے صحراؤں میں بھٹکنے والے راہی ہیں۔ ہمیں اگر یقین و ایقان کی دولت ملی ہے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فیض ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اس کائناتِ رنگ و بو کا ہر قافلہ یا تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض یاب ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں ہے۔ چونکہ منزل دلکش ہے اس لیے مسافر آبلہ پائی کے باوصف چلتے رہتے ہیں اور ان کے لیے راستے کے کانٹے بھی پھول بن جاتے ہیں۔ چونکہ شمع کی لَو ضو ریز ہے، اس لیے پروانے اپنی نارسائیوں کے باوجود لپکتے ہی رہتے ہیں۔ چونکہ محبوب ﷺ رؤف و رحیم ہے اس لیے محبّ اپنی تہی دامانیوں ہی کو متاعِ وفا بنا لیتے ہیں افضل طور کا سرمایۂ افتخار بھی عجز و انکسار کا یہی جذبہ ہے:

اگر نہ کر سکے تائیدِ نصرتِ یزداں
کہاں یہ خاک کا پتلا کہاں بیانِ رسول ﷺ
ثنائے خواجۂ یثرب ہے ذہن سے بالا
خدا کی ذات فقط ہے مزاج دانِ رسول ﷺ

☆

بندہ نواز! ایک نگاہِ کرم ادھر
یہ طوؔر آپ ﷺ کے ہے غلاموں کا بھی غلام

☆

حشر میں تابشِ خورشید کا کیا ڈر انھیں
جو گداگر دامنِ خیر البشر ﷺ تک آگئے

☆

بقدرِ شوق اسے شاہِ رسولانِ جہاں، ہم بھی
درودوں اور سلاموں کے لیے نذرانے آ پہنچے
نسبت مجھے وہی ہے رسالت مآب ﷺ سے
ذرے کو جتنا واسطہ ہو آفتاب سے

آخر میں افضل طور مرحوم کی ایک خوبصورت نعت تاریخ کے سپرد کر رہا ہوں کہ یہ انھوں نے اپنے ایک مکتوب کے ذریعے (مجلّہ مہک کے لیے) مجھے عطا کی تھی اور غالباً انھوں نے اسے اپنی کسی بیاض میں بھی محفوظ نہیں کیا ورنہ یہ ان کے مجموعۂ کلام میں ضرور شامل ہوتی:

حضور ﷺ مظہرِ قرآن برملا ٹھہرے
حضور ﷺ مرکزِ جذباتِ انبیاء ٹھہرے
ہے سر وہی کہ ہو جس میں حضور ﷺ کا سودا
جبیں! جو آپ ﷺ ہی کے سنگِ در پہ جا ٹھہرے
غمِ حضورِ رسالت مآب ﷺ کافی ہے
غمِ زمانہ سے کہہ دو کہ دور جا ٹھہرے
مری نگاہ کا مرکز، مری نظر کا محیط
حضور ﷺ سیدِ کونین، مصطفےٰ ٹھہرے
جو محوِ ذکرِ رسالت مآب ﷺ ہو اس کی
نظر میں کرسی و عرش اور فرش کیا ٹھہرے
حضور ﷺ ہی سے مکمل ہے جملۂ لولاک
اسی خبر کا محمد ﷺ ہی مبتدا ٹھہرے
رسولِ پاک ﷺ سے نسبت مری رہے قائم
رسولِ پاک ﷺ کا غم، دل کا آسرا ٹھہرے
وہ دل کہ وسعتِ کونین پر جو بھاری ہے
حضور ﷺ ازل ہی سے اس دل کا مدعا ٹھہرے

ہر ابتدا کی ہوئی ابتدا، بنامِ حضور ﷺ
ہر انتہا کی محمد ﷺ ہی انتہا ٹھہرے
کوئی نگاہِ مشیّت میں طورؔ آ نہ سکا
حضور ﷺ پاک ہی محبوبِ کبریا ٹھہرے

جنابِ افضل طورؔ کا نعتیہ سرمایہ، قامت کے اعتبار سے جتنا مختصر ہے، قیمت کے لحاظ سے اتنا ہی گراں مایہ ہے۔ باقی اصنافِ سخن چونکہ اس دنیا کے لیے ہوتی ہیں اس لیے وہ یہیں رہ جاتی ہیں مگر حمد و نعت شاعرانہ صلاحیتوں کا ایک ایسا پیرایۂ اظہار ہے جو یہاں بھی وجہِ عزت ہے اور وہاں بھی باعثِ افتخار ہے اور وہ شب و روز فی الواقع سعادتوں کے امین ہوتے ہیں جو ذکرِ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بسر ہوتے ہیں ورنہ دنوں کا کام گزرنا اور راتوں کا کام کٹنا ہے۔ بہتر مقصد کے لیے سعی و کاوش بہتر نتائج کی حامل ہوا کرتی ہے۔

افضل طورؔ چونکہ بھرپور شاعرانہ صلاحیتوں کے حامل تھے۔ ان کے خیالاتِ حسیں کو موزونیت کے سانچے میں ڈھلتے ہوئے دیر نہیں لگتی تھی۔ وہ زود نویس اور بسیار گو تھے اس لیے گمان گزرتا ہے کہ انھوں نے بہت سی نعتیں کہی ہوں گی جو اس طرح ان کے بہت سے دوستوں کے پاس محفوظ ہوں گی۔ ضروری ہے کہ امانت حقدار کو لوٹا دی جائے تاکہ جانے والے کی روح بھی آسودہ ہو اور جاننے والوں کو اس دن شرمندہ نہ ہونا پڑے جب انسان کو خود اسی کے سامنے بطورِ شہادت لایا جائے گا اور تب نہ زبانِ خنجر چپ رہے گی نہ آستیں کا لہو، انسان کو اپنا احتساب اور حساب یہیں کر لینا چاہیے۔ حفیظؔ ہوشیار پوری نے بسترِ مرگ پر ایک غزل کہی تھی۔ اس کا ایک شعر ہے۔

میرے چشم و گوش و لب سے پوچھ لو سب کچھ یہیں
مجھ کو میرے سامنے لاؤ شہادت کے لیے

ماخذ

۱۔ خاتم النبیین ﷺ ـــــ مولانا قاری محمد طیب
۲۔ تجلیاتِ طورؔ ـــــ محمد افضل طورؔ
۳۔ مہک ـــــ گوجرانوالہ نمبر
۴۔ شعر العجم ـــــ شبلی نعمانی
۵۔ کلیاتِ مجید امجد ـــــ تاج سعید
۶۔ روضۃ الریاحین ـــــ امام ابی محمد عبداللہ ابنِ اسعد یمنی

(۱۹۸۸ء)

☆

خالد شفیق کی نعتیہ خدمات

پروفیسر رشید احمد صدیقی، پطرس بخاری کے بارے میں اپنے ایک تاثراتی مضمون میں لکھتے ہیں کہ ''وہ اپنی نجی تحریروں میں کبھی کبھی اپنے سے بھی زیادہ دل کش معلوم ہونے لگتے تھے، یہ فن اور شخصیت دونوں کا اعجاز ہے۔'' فن اور شخصیت کہ ہم آہنگی فطرت کی دین ہے ورنہ اکثر مشاہیر کی تحریریں پڑھ کر ان سے ملنے، ان کے حضور میں دوزانو بیٹھنے، ان کا قلم چومنے اور ان سے آٹو گراف لینے کو دل مچلتا ہے مگر جب کبھی ان کا قرب نصیب ہو جائے یا باہم کوئی معاملہ پیش آجائے تو طبیعت کچھ یوں مکدر ہو جاتی ہے کہ ان سے مصافحہ کرنے سے بھی اِبا کرتی ہے۔ کیوں کہ جہاں بھی لوگوں کا رنگ دیکھتے ہی دیکھتے بدل جاتا ہو، جہاں ایک چہرے پر کئی چہرے سجے ہوں، جہاں ملنے والے، قدم قدم نئے سانچے میں ڈھلتے جاتے ہوں اور جہاں بھی زبان، دل کی رفیق نہ ہو وہاں لفظی خوش نمائی تو ہوگی مگر عمل کی سیہ دلی اس خوش نمائی سے دل ربائی کا کیف چھین لے گی اور بے ساختہ زبان پکار اٹھے گی کہ:

ہائے! ہم کس خیال میں گم تھے
دوستی کے لباس میں تم تھے

دورِ حاضر میں بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ تحریروں ہی کے قریب رہا جائے اور صاحبِ قلم کے تصوراتی ہیولیٰ کو قائم رکھا جائے کہ تصور بہر نوع حسین ہوتا ہے اور تصور کا یہ حسن، خیال کو رعنائی دیتا رہتا ہے مگر کیا کیجیے کہ حکم ہمیشہ اکثریت پر لگتا ہے اور صورتِ حال کچھ یوں ہے:

معنی ہیں معدوم، تحریریں بہت
ہے عمل مفقود، تقریریں بہت
بغض دل میں، منہ پہ تعریفیں بہت
کفر دل میں، لب پہ تکبیریں بہت
ایک اہلِ درد ہی ملتا نہیں
ورنہ دردِ دل کی تدبیریں بہت

ایسے میں اگر کوئی شخصیت ایسی ہو جس کے دل کی دھڑکنیں، نگاہوں کی تمنائیں اور روح کی لرزشیں، قلم قلم، حرف حرف اور لفظ لفظ لو دے رہی ہوں، جسے پڑھ کر اسے ملنے اور مل کر اسے پڑھنے کو طبیعت بے چین رہتی ہو، جس کی سوچ کا رخ سچ کی طرف راغب ہو اور جو صداقتوں کے لیے صادق ﷺ کے نقوشِ پا کی چاندنی کے لیے ہر لمحہ بے قرار ہو، اللہ تعالیٰ

نے جس کے فکر کے مجازی رنگ کو حقیقی آہنگ دے دیا ہو، جو ہر دنیاوی شہرت سے بے نیاز اور ہر شخصی تعریف سے بے پروا ہو جو اپنے گلے میں اپنا ہی ڈھول ڈال کر بجانے کے بجائے گوشۂ تنہائی میں اپنے گلے میں اپنی ہی بانہوں کو ڈالے ہوئے ہو اور صرف اس امر کا آرزومند ہو کہ اس کے قلم کا کوئی ایک حرف، اس کے دل کی کوئی ایک دھڑکن اور اس کی پلکوں پر لرزنے والا کوئی ایک آنسو، بارگاہِ ناز میں بار پا جائے اور جس کے لیے یہ باریابی کائنات کی ہر نعمت سے برتر ہو.....جس شخصیت سے مل کر، کرم کے فیصلوں اور نصیب کی باتوں پر یقین سا آنے لگ جائے، جس کے لیے دیدہ و نادیدہ دوستوں کی سحر خیزیاں دعا گو رہتی ہوں اور مبدءِ فیض نے جس کی کلکِ ثنا کو نور کی موجوں میں رکھ دیا ہو، اس شخصیت کا ذکر فردوسِ گوش اور اس کی یاد نشاطِ روح کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ تمہید اس لیے بے ساختہ قلم کی نوک پر آ گئی کہ جناب صبیح رحمانی نے فون پر بتایا کہ وہ ''نعت رنگ'' میں ماہنامہ ''شام وسحر'' (مدیر جناب خالد شفیق) کے ضخیم نعت نمبروں کے تذکرے کے لیے ایک گوشہ وقف کر رہے ہیں اور ایک تعارفی، تحقیقی اور ادبی جائزہ مرتب بھی ہو چکا ہے، میں نے عرض کیا کہ یہ سعادت تو میں لینے کا آرزومند تھا کہ خالد شفیق نعت کے اولین خدمت گزاروں میں سے ہیں اور ''شام وسحر'' نے نعت نمبروں کی اشاعت کا آغاز تب کیا تھا جب وقت کی ترقی پسندیاں، نعت گوئی کو رجعت پسندی قرار دیتی تھیں اور بطورِ صنف سخن نعت کو کوئی مقام حاصل نہ تھا۔ آج بفضلہٖ ہر مدیر اپنے رسالے کو نعت کا رنگ دینے کے لیے بے قرار اور ہر قلم، نعت کہنے کے لیے بے چین ہے۔ بہر کیف صبیح رحمانی مستحقِ تبریک ہیں کہ انھیں خالد شفیق ایسے گوشہ نشین کی نعت شناسی کا اعتراف کرنے کی توفیق ملی ہے۔ گو یہ اعتراف انتہائی تعویق سے ہوا ہے مگر یہ اعتراف، خود معترف کی فکری صالحیت اور نگہی سلامتی کی دلیل ہے کہ سورج کو سورج کہنا، سورج پر کوئی احسان نہیں ہوا کرتا، بلکہ:

مادحِ خورشید، مداح خود است

سچی بات یہ ہے کہ کام کی نوعیت دیر یا سویر خود کو منوا لیتی ہے۔ بشرطے کہ اس کے مزاج میں خلوص کا امتزاج ہو:

یہ صداقت کی روایت ہے ازل سے تا ابد
گلشنِ فن میں کبھی بادِ فنا آتی نہیں
پھول اگر مرجھا بھی جائے، ٹوٹ بھی جائے اگر
نام کی اور کام کی خوش بو کبھی جاتی نہیں

میں یہ چند سطور لکھ کر، خود کو اس عظیم ثنا خوانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ثنا خوانوں میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔ اس یقین کے ساتھ کہ یہ شمولیت میرے لیے اخروی سرخ روئی کا سبب بنے گی اور روزِ حشر، میری دنیاوی بے کیفیاں خوش بوؤں کے دائروں کا عکس لے کر (ان شاء اللہ) رنگوں کے ساحل پر کھڑی ہوں گی، جس طرح اہلِ دل کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی غلامی وجہِ فخر و ناز رہی ہے، اسی طرح میرے لیے ثنا خوانِ رسالت ﷺ کی ثنا خوانی وجہِ مباہات ہے۔ بسا اوقات مجھے نعت گو احباب کی قسمت کی برنائیوں، فکر کی رعنائیوں اور قلم کی زیبائیوں پر رشک سا آتا ہے، میں نے ''مخزنِ نعت'' (میں نے یہ انتخاب نعت جناب شفیق بریلوی (ارمغانِ نعت) جناب فرمان فتح پوری (اردو کی نعتیہ

شاعری) اور جناب ممتاز حسن (خیر البشر ﷺ کے حضور میں) کے فوراً بعد ترتیب دیا تھا اور درج بالا تینوں تالیفات سے مختلف نعتیں یک جا کر کرنے کی سعی کی تھی نیز قدیم و جدید شعراء کے گل ہائے نعت کو قرآنی، علمی اور تاریخی اشارات سے مربوط بھی کیا تھا اور انھی تعلیقات کی بنا پر رائٹر زگلڈ نے اسے ایک تخلیقی کاوش قرار دیتے ہوئے انعام کا مستحق قرار دیا تھا) کی ابتدا بھی اسی رشک سے کی تھی کہ:

''اگر میں شاعر ہوتا تو نعت کہتا مگر یہ وہ عطیۂ ربانی ہے جو عطا ہوتا ہے، لیا نہیں جاتا، پھر سوچا کہ اگر میں نعت کہہ نہیں سکتا تو کم از کم وہ قلم تو چوم سکتا ہوں جنھیں فطرت نے نعت گوئی کی توفیق بخشی ہے کہ شاید عقیدت کے یہی بوسے میرے لیے توشۂ آخرت ہو جائیں:

سجا کر لختِ دل سے کشتیِ چشمِ تمنا کو
چلا ہوں بارگاہِ حسن میں لے کر یہ نذرانہ''

جناب خالد شفیق کے نعتیہ رجحانات پر، دورِ حاضر کے، معروف نعت گو یوں تبصرہ کرتے ہیں:

خالد شفیق نعت کی تخلیق میں گزشتہ پندرہ سال سے مستعد ہیں۔ ان کی نعت وابستگی کی عمدہ مثال ہے جو قال تک محدود نہیں رہی بلکہ ان کے حال میں ڈھل گئی ہے۔

(حفیظ تائب)

محبوب سے جب محبت کی جاتی ہے تو اس کی اداؤں، اس کی زندگی کے اصولوں کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے، ہر لمحے اس کی رضا کے حصول کے لیے انسان کوشاں رہتا ہے۔ برادرِ محترم خالد شفیق نے جنابِ رسالت مآب ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کو شعر ہی میں بیان نہیں بلکہ اپنی زندگی کو اس معیار پر ڈھالنے کی کوشش بھی کی ہے۔ اسی لیے ان کی شاعری میں اخلاصِ باطن، سچائی کا عنصر زیادہ نظر آتا ہے اور یہ سعادتِ عظمیٰ کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔

(حافظ لدھیانوی)

راقم الحروف کی دانست میں رسالے کا ضخیم نعت نمبر نکالنے کی طرح جناب خالد شفیق نے ڈالی تھی....انھوں نے ''شام وسحر'' کے مسلسل چھ نعت نمبر شائع کیے، جن پر مستزاد ایک سیرت نمبر بھی تھا۔ یہ سلسلۂ ذہب ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۷ء تک کم و بیش تین ہزار صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ نعت کے فروغ کے لیے جناب خالد شفیق کی یہ ایک عظیم خدمت تھی جس میں انھوں نے مسلسل سات سال تک اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں صرف کیں، اس گراں بہا خدمت سے ان کی نعت سے دل بستگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ خود سپردگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، ان مبارک سات برسوں کے ''شام وسحر'' خالد شفیق کے سحر و شام کی عبادتوں کا نورانی دور ہے، جس کی جزا کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

(علیم ناصری)

خالد شفیق کے ہاں آخرِ شب کے آنسوؤں کی نمی لفظوں میں ڈھل کر ان کے لیے توشۂ آخرت بن گئی ہے، ان کی نعت کا ہر لفظ انھی آنسوؤں سے وضو کر کے نوکِ قلم پر سجدۂ شکر بجالاتا ہے۔

(ریاض حسین چودھری)

میں نے اپنی تالیف ''بیسویں صدی کے رسول نمبر ﷺ'' میں ''شام وسحر'' کے نعت نمبروں کو یوں خراجِ محبت پیش کیا تھا:

''شام وسحر'' لاہور کے چھ ضخیم نعت نمبروں کو جناب خالد شفیق نے انتہائی عقیدت اور محنت کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ خالد شفیق کو اللہ تعالیٰ نے علمی رسوخ اور نعت گوئی کے ساتھ ساتھ فکر ونظر کی جو پاکیزگی عطا کر رکھی ہے وہ ہر صاحبِ قلم کا سرمایۂ حیات نہیں ہوا کرتی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں توفیق عطا کی اور انھوں نے سیرتِ رسول ﷺ اور نعتِ رسول ﷺ کے موضوع پر ''شام وسحر'' سے وہ کام لیا ہے جس کی تابندگی، سنگینیٔ گردشِ ایام پر خندہ زن رہے گی۔''

وطنِ عزیز میں ''نعت نمبروں'' کی روایت قائم کرنے اور اس روایت کو ایک جذبہ اور تحریک بنانے میں خالد شفیق کے مقام کو نہ اہلِ نظر، نظر انداز کر سکتے ہیں نہ تماشائی۔ ''شام وسحر'' نے جہاں ثقہ قلم کاروں کو فنِ نعت گوئی پر لکھنے پر آمادہ کیا، وہاں بہت سے نئے ادیبوں اور شاعروں کی یوں حوصلہ افزائی کی کہ آج نعت کے سلسلے میں وہ خود ایک معتبر حوالہ بن گئے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خالد شفیق میں کسی قسم کی کوئی ''مدیرانہ رعونت'' نہیں ہے۔ وہ تب بھی اور اب بھی عجز و انکسار ہی کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ انھوں نے ''شام وسحر'' (اب حمایتِ اسلام) کو ذاتی تشہیر اور شخصی نمائش کا ذریعہ کبھی نہیں بنایا، جب کہ ''شام وسحر'' ایسے وقیع رسالے کا مدیر ہونا، اس کے بہت سے سیرت نمبر اور نعت نمبر مرتب کر دینا اور ان شماروں کا معیار کے اعتبار سے اعتباری، ضخامت کے لحاظ سے منفرد اور زمانی نقطۂ نظر سے اولیت کا حامل ہونا، کچھ کم اعزاز نہیں ہے۔ اس کے باوجود جلوت کی ہوس سے دور رہنا اور خود کو اجاگر کرنے کی کوئی سی کوشش بھی نہ کرنا، ان کی فطری سعادتوں اور نسبی نجابتوں کی دلیل ہے۔ ان کے عاجزانہ اسلوبِ حیات ہی نے انھیں اہلِ دل کی نگاہوں میں بلند و بالا کر رکھا ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ کبریائی اور بڑائی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو زیب دیتی ہے۔ انسان کے لیے فخر کا ہر دعویٰ، غرور کا ہر زاویہ اور تکبر کا ہر رخ دلیلِ رسوائی اور انکسار کا ہر انداز وجہِ رعنائی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی ہر صلاحیت عطا ہے اور اس کو منوانے کی ہر کوشش خطا ہے۔ انھی کے حمدیہ اشعار ہیں:

زمانے بھر کے سب علم و ہنر تیرے عطا کردہ
مرا حسنِ نظر، ذوقِ نظر، تیرے عطا کردہ
مرے جذبوں کو ساری وسعتیں تو نے عطا کی ہیں
مرے احساس کے شام و سحر، تیرے عطا کردہ
ہمیں دیتا ہے تو ہی حوصلہ منزل کو پانے کا
طلب منزل کی اور عزمِ سفر تیرے عطا کردہ
مرے دامن میں تھیں محرومیاں یکسر، مگر اب ہیں
متاعِ نعت کے لعل و گہر تیرے عطا کردہ
مدینے کی طرف اڑتا چلا جاتا ہوں ہر لحظہ
مرا ذوقِ سفر، زادِ سفر، تیرے عطا کردہ

یہ لفظوں کے گہر، یہ آرزوؤں کے حسیں خاکے
دعاؤں میں جو آتے ہیں نظر، تیرے عطا کردہ

وہ ذاتِ بلند و برتر جس کا کام ہی عطا کرنا ہے، وہ کسی کو محروم نہیں رکھتی۔ ہر جمال اپنا اظہار اور ہر کمال اپنی نمود چاہتا ہے۔ نہ پھول کی خوشبو اس میں مقید رہ سکتی ہے، نہ آفتاب کے انوار اور نہ معطی کی عنایات۔ دنیا کے مخیّر لوگوں سے بار بار مانگا جائے تو وہ اکتا جاتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ایسے رحیم و کریم ہیں کہ ان سے نہ مانگا جائے تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ ان کے خزانے بھی لامحدود ہیں اور ظرف بھی، بس مانگنے کا ڈھب آنا چاہیے:

منگتے کا ہاتھ اٹھتے ہی داتا کی دین ہے
دوری قبول و عرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے

خالد شفیق اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہیں کہ ادب پہلا قرینہ ہے، محبت کے قرینوں میں۔ وہ اس بارگاہ اور اس کے آداب خوب جانتے ہیں جہاں جبریل بھی ادب کے سانچے میں ڈھل کر اترتے تھے اور جہاں جنیدؒ و بایزیدؒ بھی ''نفس گم کردہ'' حاضر ہوتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے یہ تحریک بھی چلائی کہ نعت کہتے ہوئے ''تو، تم اور تیرا'' ایسے الفاظ استعمال نہ کیے جائیں اس پر اب تک بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری ہے۔ بعض اس نقطۂ نظر کے ہم نوا ہیں اور بعض اس پابندی کے خلاف کہ جہاں بھی کسی ذات کی انفرادیت یا عظمت کی فردیت کا اظہار ہوگا اور یہ ثابت کرنا مقصود ہوگا کہ اس ذات کے مقابل کوئی اور نہ تھا، نہ ہے اور نہ ہوگا، تب یہی ضمیریں حق ادا کریں گی اور انھی سے شعری حسن بھی نکھرے گا اور فکری گداز بھی۔

جناب خالد شفیق کا مجموعۂ نعت ''عالم افروز'' کے نام سے ۱۹۹۶ء میں مجلسِ اردو کے طباعتی اہتمام سے منظر عام پر آیا۔ ان کی غزل بھی متین و حسین خیالات کا عکس تھی اور نعتوں میں بھی ان کی گفتار کا دھیما پن اور ان کے مزاج کے لطافت نمایاں ہے۔ عجز و انکسار ان کے ذوقِ نعت کا افتخار ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان کی گوشہ گیری اور کم آمیزی نے ان میں تصوف کی خوبو پیدا کر دی ہے۔

عجب اندازِ از خود رفتگی ہے
بھری محفل میں سب کے درمیاں، گم

اور یہی صوفیانہ گھلاوٹ، ان کی نعتوں میں بھی جلوہ گر ہے۔ جس طرح نعت کہہ کر ان کی قلبی بے قراریوں کو ایک آسودگی نصیب ہوتی ہے بعینہٖ قارئین کو بھی ایک نوع کی روحانی طمانیت کا احساس ہوتا ہے۔ ان کے ہاں نہ بھاری بھرکم الفاظ ہیں، نہ پرشکوہ تراکیب کی مشکل پسندیاں۔ تصنع اور بناوٹ کا کوئی سا شائبہ بھی نظر نہیں آتا، بلیغانہ سلاست کا ایک رواں دواں پیرایہ ہے اور یوں لگتا ہے کہ دل کی چاہتیں اور ذہن کی سوچیں بے ساختہ شعر کے خوبصورت پیکر میں ڈھلتی چلی جا رہی ہیں۔ ان کی نعت میں آورد نہیں بلکہ آمد کی ایک بے پناہ کیفیت ہے۔ ذہنی کاوش اور فکری عمل کا کوئی خاص دخل نظر نہیں آتا۔ صرف جذبے کا حسن جا بہ جا اپنی موجودگی کا احساس دلاتا ہے اور ردیف و قوافی کی پابندیاں، جذبے کی طغیانیوں میں بہتی دکھائی دیتی ہیں۔

خالد شفیق کی شاعرانہ اٹھان بطورِ غزل گو شاعر کے تھی۔ غزل ایک جاندار صنفِ سخن ہے، ایمائیت اس کی خصوصیت

ہے۔ یہ حیات و کائنات کو نوکِ مژہ پر تولنے اور سمندر کو قطرے میں سمیٹنے کا عمل ہے۔ تغزل، شعر کے اس تاثراتی انداز کو کہتے ہیں جو قاری کے ذہن کو قائل اور دل کو گھائل کرتا چلا جاتا ہے۔ اسی سے بات تیر نیم کش بنتی ہے۔ یہ دل اور دماغ دونوں کو ایک ہی ادا میں رضامند کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ نثر ہو یا نظم، غزل ہو یا قصیدہ، تغزل ہی اسے ادا کا بانکپن اور اسلوب کی کاٹ عطا کرتا ہے۔ فنی اعتبار سے ایک اچھا غزل گو ہی ایک اچھا نعت گو ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ نعت، اس وجودِ ذی جود ﷺ کی توصیف کا نام ہے جو کائناتِ حسن بھی ہے اور حسنِ کائنات بھی جو رخِ جمالِ الٰہی کا آئینہ ہے جس کی ہر سوچ الہام اور جس کا ہر بول وحی ہے، جس کی نگاہوں سے سورج ضیا پاتا اور جس کے نطق سے غنچے پھول بنتے ہیں۔ جو ذات کے اعتبار سے اکمل، بات کے لحاظ سے احسن اور کردار کے اعتبار سے اجمل ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس ذاتِ اقدس کی تعریف کے لیے وہ اسلوب اختیار کرنے کی امکانی سعی کی جائے جو بہر طور ارفع اور دل آویز ہو۔ چوں کہ فنی لحاظ سے شعر کی ہیئت کو رنگ و نور کی کہکشاں غزل ہی عطا کرتی ہے۔ اسی لیے آج نعتیں غزل ہی کے فارم میں لکھی جا رہی ہیں کہ:

غزل سوزِ دروں کی آنچ سے لفظوں میں ڈھلتی ہے
فقط رنگینیٔ حسنِ بیاں سے کچھ نہیں ہوتا

گویا جو سوزِ دل کو سازِ رگِ جاں نہیں بنا سکتا وہ مغنّی ناتمام ہے اور اس کا نغمہ خام اور خالد شفیق، غزل کی اس نشتریت سے بخوبی آشنا ہیں اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ نعت کا جو شعر بھی کہا جائے وہ معنوی اور صوری لحاظ سے ممدوحِ عظیم و جلیل ﷺ کی شان کے شایاں ہو، گو حق تو ادا نہیں ہو سکتا مگر آرزو کا خلوص ضروری ہے اور تائیدِ روح القدس کی طلب بھی لازم، خالد شفیق یوں دست بہ دعا ہیں:

ربِ علیم، کر مجھے پابندِ اعتدال
مجھ کو شعورِ معنیٔ بین السطور دے
ہوں میرے لفظ دینِ محمد ﷺ کے پاسباں
فن کو مرے حفاظتِ حق کا شعور دے

محترم انور سدید نے ان کے مجموعۂ نعت کے دیباچے میں لکھا ہے کہ:

''پچھلے دنوں خالد شفیق سے ملاقات ہوئی تو میں نے از راہِ شوق ان سے دریافت کیا، ''آپ نیا سفرِ حج کب اختیار کر رہے ہیں۔''

ایک توقف کے بعد بولے، ''انور سدید! آپ کو یہ سوال کس طرح سوجھا؟'' میں نے بلا توقف جواب دیا، ''آپ کی نعت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ سعادت کئی مرتبہ نصیب ہو چکی ہے۔ تاہم تمنا بے تاب اور آرزو باقی ہے۔ یہ کہہ کر میں نے ان کے چند اشعار پڑھے، ان اشعار میں نہ صرف تشنگیٔ آرزو کے عناصر موجود ہیں بلکہ سیرابی کی کیفیت بھی محسوس ہوتی ہے۔ سیرابی ان کی نعت کے آخری شعر پر محسوس ہوتی ہے، تشنگی کا احساس ان کی نعت کے آغاز پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر یوں لگتا ہے کہ پہاڑ سے چشمۂ عقیدت پھوٹا ہے اور ہزاروں میل کا سفر کر کے سمندر میں مل گیا ہے۔''

یہ جناب خالد شفیق کی چاہت کا خلوص ہے کہ مولا کریم انھیں دیارِ ناز میں بار بار بلاتے اور نوازتے ہیں، ظاہر ہے

کہ جب تک بلاوا نہ آئے لبوں سے ''لبیک'' کا لفظ نکل ہی نہیں سکتا.... یہ سفر بھی عجب دھج کا ہوتا ہے کہ یہاں سیرابی اور تشنگی کی کیفیات ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ گویا حصولِ تشنہ لبی ہے، شدید تشنہ لبی۔ انسان بچھڑ کر بھی یادوں کی رہ گزر میں رہتا اور سفر کے بعد بھی حالتِ سفر میں زندگی گزارتا ہے۔ فطرتِ ہستی، شہیدِ آرزو ہے اور انسان قتیلِ آرزو، یوں محسوس ہوتا ہے کہ خالد شفیق کے شام و سحر آرزو اور انتظار ہی کے گرد گھومتے رہتے ہیں۔ ان کی حیاتِ مستعار میں انتظار ساغر بھی ہے اور شربِ مدام کا کیف بھی، گداز دل بھی ہے اور حسنِ ادا بھی۔ وہ شعلہ بجاں بھی ہیں اور نغمہ بہ لب بھی۔ ان کی ملتمس نگاہیں، اسی بارگاہِ بندہ نواز کا طواف کرتی رہتی ہیں جہاں تمناؤں کی بے قراریوں کو آسودگی نصیب ہوتی ہے، تمنا کی بے قراری ہی کا دوسرا نام انتظار ہے اور انتظار میں جوشِ آرزو تیز تر ہوتا رہتا ہے گویا تمنا کے محور اور انتظار کی قوس کے بغیر چاہت کا کوئی دائرہ بھی مکمل نہیں ہو پاتا، غالبؔ نے کہا تھا:

پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا!
افسونِ انتظار، تمنا کہیں جسے

میں بنیادی طور پر تمنا اور انتظار ہی کو خالد شفیق کی نعت گوئی کا حسن سمجھتا ہوں اور اب تبرکاً ان کے چند وہ نعتیہ اشعار، جن میں انتظار کا کیف اور آرزو کا سوز، جذب و جنوں کی رفعتوں کو چھو رہا ہے گو وہ اشعار بھی کم نہیں جن میں جنوں، شعور سے رہنمائی لیتا، جوش، ہوش کا دامن تھام کر چلتا اور عقیدت، عقیدے کی آنکھوں سے دیکھتی ہے ..... جہاں ہر لحظہ نیا طور اور نئی برق تجلی ہو، وہاں شوق کے مرحلے کبھی طے نہیں ہوا کرتے.....

پھر ارضِ مقدس سے سندیس ہمیں آئے
پھر ہم کو بلائیں وہ، ہم بارِ دگر جائیں
پھر روضے کے جلووں سے سیراب ہوں یہ آنکھیں
جانا ہو مدینے کو یہ شام و سحر جائیں
اب زیست کا ہر لمحہ حرمین میں ہی گزرے
ہم لوگ دعاؤں میں اب ایسا اثر چاہیں
حاصل ہو شرف پھر سے دیدارِ مدینہ کا
ہم دل کے تڑپنے کا بس اتنا ثمر چاہیں

☆

یوں مدینے کے چکر لگاتا رہوں
جس طرح چاند کے ساتھ ہالہ رہے
سبز گنبد تصور میں ہو ضو فشاں
اور پلکوں میں اشکوں کی مالا رہے

☆

ہماری راہِ منزل پر ستارے بن کے چمکیں گے
وہ دل میں نقش جو ہم نے ابھارے ان کی چاہت کے
اجالے زندگی میں ہر طرف پھیلیں گے اب خالدؔ
لیے پھرتا ہوں پلکوں پر ستارے ان کی چاہت کے

☆

سب مدینے کا رختِ سفر باندھ لو
گلشنِ جاں میں گر تازگی چاہیے
حاضری کا سندیسہ ملے گا، مگر
عرض ان ﷺ سے بصد عاجزی چاہیے
جا کے طیبہ میں رو رو پکاروں گا میں
روشنی، روشنی، روشنی چاہیے

☆

ہوک سی دل سے اٹھی اور میں تڑپ کر رہ گیا
جب کوئی ساتھی چلا شہرِ مدینہ کی طرف

☆

اس شہرِ بے مثال کی یادیں ہیں با کمال
سوچوں میں جب بھی ڈوبا، مدینے پہنچ گیا

☆

جب ان کے تصور کو بساتا ہوں نظر میں
ہو جاتا ہے کچھ اور اجالا مرے گھر میں

☆

ہر اک لمحہ، ہر اک لحظہ ٹٹولا میں نے اپنا دل
مجھے تو دامنِ دل میں ملیں، یادیں مدینے کی

☆

اس راہ پہ اشکوں کے حسیں پھول بکھیروں
جس راہ سے رہوار مدینے کی طرف جائے

☆

اے کاش مقدر ہو سفر جانبِ طیبہ
تکتا ہوں میں اب شام و سحر جانبِ طیبہ

خوابوں میں نکلتا ہوں، میں جس وقت بھی گھر سے
ہو جاتا ہوں مائل بہ سفر جانبِ طیبہ

☆

وہ چاہیں تو بے زادِ سفر مجھ کو بلا لیں
تکتے رہیں سب زادِ سفر دیکھنے والے
اک بار کے دیدار سے کیا ہوگی تشفی
منظر تو ہیں وہ بارِ دگر دیکھنے والے

☆

سوتا ہوں رات، دل میں تمنا لیے ہوئے
یارب! کبھی حضور ﷺ کا مکھڑا دکھائی دے

☆

جس بات کے کہنے کا لفظوں کو نہ تھا یارا
وہ بات کہی ہم نے اشکوں کے وسیلے سے

☆

کب میرے مقدر کی سیہ رات کٹے گی
کب ہوگا مرے گھر میں اجالا شہِ والا ﷺ

☆

رنگ لائے گا مرا عشقِ مدینہ دیکھنا
خود پہنچ جائے گا ساحل پر سفینہ دیکھنا
کاش ہو میرے مقدر میں درِ خیر البشر ﷺ
کاش ہو میرے مقدر میں مدینہ دیکھنا
ان کی یادوں کی گھٹاؤں کو اُمڈ آنے تو دو
پھر مری آنکھوں میں ساون کا مہینہ دیکھنا

آخر میں جناب خالد شفیق کا اپنے بارے میں ایک نثری اقتباس:

''عشقِ مجازی نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اس راہ پر ڈال دیا جس پر گھٹا ٹوپ اندھیروں کا راج تھا، اندھیرے ہی اندھیرے.... ظلمتیں ہی ظلمتیں..... میں ایک مدت تک اس ایک راہ پر بھٹکتا رہا... آنکھوں کو کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا.... میں ٹھوکریں کھاتا، آگے ہی آگے بڑھتا رہا، دور تک روشنی نہ تھی نہ کوئی منزل..

ایسے میں اچانک کسی نے جیسے میرا ہاتھ تھام لیا ہو، میں ایک سحر زدہ انسان کی طرح اس کے ساتھ تھوڑی دور چلا .... پھر

یکا یک اندھیرے دھندلکوں میں تبدیل ہونے لگے اور میں ایک بند دروازے کے سامنے تھا... کسی نے میرے کان میں اس در پر دستک دینے کو کہا.... میں جھجکا... اور پھر لرزتے ہاتھوں سے اس بند دروازے پر دستک دی... ایک بھینی بھینی خوش بو (جس نے میرا مشامِ جاں معطر کر دیا) کے ساتھ روشنی کا سیلاب سا اُمڈ آیا، تمام ماحول روشنی میں نہا گیا، میری روح اور میرے قلب ونظر میں روشنی ہی روشنی پھیل گئی، اب میرے سامنے ایک خوب صورت اور روح پرور فضا اور دل آویز روشنی میں نہائی ہوئی ایک کشادہ راہ تھی، جس پر چھتنار درخت مستی کے عالم میں جھکے ہوئے تھے اور دور ایک سبز گنبد روح پرور اور عالم افروز کرنیں بکھیر رہا تھا۔''

(۲۰۰۳ء)

☆

''جانِ جہاں'' کی کیف آفرینیاں

(غزل پر نعت کا احسانِ عظیم)

(عرصہ ہوتا ہے برادرم راز کاشمیری جناب حافظ محمد افضل فقیر کا نعتیہ کلام ''جانِ جہاں'' لے کر میرے پاس آئے اور آرزو کی کہ میں اس پر کچھ لکھوں (غالباً وہ گوجرانوالا میں اس کتاب کی تعارفی تقریب منعقد کرنا چاہتے تھے) میں نے اپنی علمی لاعلمی اور ادبی بے مائیگی کا اظہار کیا، میرا اعتذار اور راز کا اصرار بڑھتا گیا، میں نے کہا کہ کتاب دیکھوں گا اگر کیف، دل میں اترا تو وہ خود بخود تحریر بن جائے گا، چنانچہ وہی ہوا۔ بعد میں راز کاشمیری پیہم بیماریوں کے نرغے میں رہے اور ـــــ پھر

موت نے چپکے سے جانے کیا کہا
زندگی خاموش ہو کر رہ گئی

آج وہ سطور کاغذات کے انبار سے مل گئیں ـــــ جنہیں میں محفوظ کر رہا ہوں، تاکہ مرحوم کی روح بھی آسودہ ہو اور صاحبِ کتاب تک مرحوم کی آرزو بھی پہنچ جائے۔ یہ قلم برداشتہ اور بے ساختہ سی تحریر، تراش کی صنعتوں اور خراش کی جراحتوں سے کم وبیش محفوظ ہے۔ اس لیے اس کی بے ترتیبی اور پریشانی ہی کو اس کا حسن سمجھا جائے)

شاعری کیفیاتِ قلب ونظر کا ایک نغماتی اظہار ہے اور غزل شاعری کی ایک بے ساختہ اور لطیف شکل۔ یہ ایک تصوراتی دنیا ہے اور اس کا محبوب بھی ایک تخیلاتی پیکر، اس کی یاد بھی ایک خیالی بات، یاد کی تڑپ بھی ایک مصنوعی جذبہ اور تڑپ کا گداز بھی ایک خود ساختہ کیفیت ـــــ اسی لیے شاعر تصورات کی بے نام وادیوں میں خود بھی بھٹکتے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ قرآن نے اسی بنیاد پر شعر کی مخالفت کی۔ مگر وہ اشعار جو واقعیت اور صداقت کے گرد گھومتے ہوں، جو گم کردہ راہ، انسانیت کو نشانِ منزل دیں۔ اسلام انہیں قدر کی نظر سے دیکھتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ جب غزل میں متصوفانہ افکار کی آمیزش ہوئی تو غزل سنور گئی، اس کا تیکھا پن دل میں تراز و ہونے لگا اور اس کا مبالغہ گداز بن کر، نشاطِ روح ہو گیا اور اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ جب سے غزل کو شعراء میں نعت گوئی کا شوق ابھرا ہے۔ اس وقت سے یوں محسوس ہو رہا ہے۔ جیسے صدیوں سے بھٹکنے والے مسافر کو ایک ساعت میں منزل مل گئی ہو، جیسے جبینِ شوق کو یکا یک ایک واضح چوکھٹ نظر آ گئی ہو، جیسے جذبے کو کیف، کیف کو گداز اور گداز کو رنگ ونور کی ایک ایسی کہکشاں نصیب ہو گئی ہو جو فی الواقع تمنا کا حاصل ہو۔

بحرِ کرم ہے، موجِ کفِ دست
پیغامِ ہمت ہر نقشِ پا ہے

سینوں میں جذبات، جذبات میں سوز
یہ بھی کرم ہے وہ بھی عطا ہے
آسودگی ہے بیتابیوں میں
اس کی نوازش سب سے جدا ہے
رنگِ پریدہ، اشکِ چکیدہ
حرفِ دعا ہے، شرحِ وفا ہے

غزل نے شاعری کو محض کیفیات کا ترجمان کہا جبکہ نعت نے دل کو ایسا محبوب دیا جو حسنِ کائنات بھی ہے اور کائناتِ حسن بھی، حافظ محمد افضل فقیر کے یہ اشعار، نعت کے اسی فیضان کا ثبوت ہیں۔

جانِ مراد ہے شہِ طیبہ ﷺ کہیں جسے
ہر شان کے ظہور میں یکتا کہیں جسے

☆

کسے اندازہ ہو اس حسن کی رعنائی کا
جس کے جلووں سے آزردہ دلوں کی تالیف

☆

وہ نورِ ازل ہے، نظر افروزِ ابد ہے
کس طرح سراپائے پیمبر ﷺ کو سراہیں

☆

حق جس کی رضا چاہے، انساں اسے کیا چاہے
خلد ایک ادا چاہے رعنائی قامت سے

☆

یتیمی کے چراغِ ضوفشاں سے
زمانے میں اجالا ہو رہا ہے

غزل نے صرف جمالِ یار کا ذکر کیا نعت نے جمال وجلال کے امتزاج کو عقیدت وارادت کی آخری حدوں تک پہنچا دیا۔

گزرتا ہے ادب گاہِ نبی ﷺ سے کاروانِ شب
سمیٹے نکہتِ خلدِ بریں آہستہ آہستہ

غزل نے صرف عشق کی بات کی، نعت نے عشق کو یوں جزوِ زندگی بنایا جیسے بادِ سحر گاہی کا نم، شاخِ گل کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے۔

کاروانِ محبت کی منزل مدینہ
کاہشِ جاں ہے گرداب، ساحل مدینہ

☆

سرکار ﷺ کی تنویر ہے کاشانۂ جاں میں
دیکھے کوئی عزّ و شرف اس گھر کے مکیں کا

☆

وارفتگیٔ شوق عجب تھی دمِ آخر
محسوس ہوا جیسے مدینہ کا سفر ہو

☆

وہ سوزِ دروں ہے سند قربِ الٰہی
جس نے گہرِ اشک، حضوری میں بکھیرے

☆

سوزِ غمِ دوری ہے جو سازِ حضوری ہے
کیا شانِ صبوری ہے کیا عظمتِ دل ریشی

☆

شاعری میں تصوراتی محبوب کی محفل صرف رقیبوں سے پر رونق رہتی ہے مگر نعت کی بزمِ ناز میں آہوں کو رسائی، آنسوؤں کو پذیرائی اور سکوت کو گویائی ملتی ہے ؎

وہ رحمتِ یزداں ہے، سرمایۂ ایماں ہے
وابستۂ داماں ہے دارین کی خورسندی

☆

کب الٰہی سوئے طیبہ سفر اپنا ہوگا
زیست کی راہ میں ہر سمت اجالا ہوگا
در و دیوار کے انوار کو تکتے تکتے
رات کٹ جائے گی آنکھوں میں سویرا ہوگا
دل نشیں کتنے وہ لمحاتِ حضوری ہوں گے
عجب انداز وہ انعام و عطا کا ہوگا

☆

ایک مشتِ خاک ذوقِ حضوری سے پرفشاں
خاموش ہے مگر لبِ گویا لیے ہوئے

شاعر اپنی ترنگ میں، کوئے یار سے سوئے دار، ایک لمحے میں آنکلتے ہیں مگر یہاں عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دار و سن کو قد و گیسو سمجھ کر چوما، جان دی مگر محبوب کے پائے ناز میں کانٹے کی خلش بھی برداشت نہ کی۔ تاریخ میں کتنے ہی خبیبؓ اور زیدؓ ہیں، جن کا ایثار، عشق کا وقار ہے جناب افضل فقیر کے ان اشعار کو بھی دیکھتے جایئے کہ یہ انہی حقائق کے عکاس ہیں۔

ذکرِ محمد ﷺ عربی، جانِ عاشقاں
ہے جس کے دم سے گرمیٔ ایمانِ عاشقاں
مہر و وفا ہے سرورِ دین ﷺ سے فروغ گیر
مہر و وفا کہ ہے سرو سامانِ عاشقاں
اصحابِ مصطفیٰ ﷺ کی ارادت کے رنگ کو
کہیے طراوتِ چمنستانِ عاشقاں

نعت نے مزدور کی مظلومیت، سرمایہ داری کی چیرہ دستی اور بندہ و آقا کے امتیاز کے بارے میں گیت گانے والے شاعروں کو ایک ایسا وجودِ ذی جود دیا جو خود ایک مزدور تھا جو اپنے ہاتھوں سے گارا اٹھاتا، اینٹیں لاتا اور چٹانیں توڑ کر خندق بناتا رہا اور جس نے مساواتِ انسانی کا ایک لافانی ضابطہ عطا کیا۔

جسے آزادیٔ اقوام کا منشور کہیں
آخری حج پہ شہِ دین ﷺ کا خطابِ اقوام
کسی ابیض کو فضیلت کسی اسود پہ نہیں
عربی سے عجمی ہے نہ کسی رتبہ میں کم

غزل یونہی خرام ناز سے گل کترتی رہی۔ مگر نعت کے بے مثال ممدوح ﷺ نے اپنی رفتارِ حسیں سے بطحا کے ریگزاروں کو ریشم کا لوچ بخشا اور اسی شہ ﷺ انجم مطاف کے قدموں کے فیض سے راستے جھومتے اور تاریخِ انسانی مرتب ہوتی رہی۔ ''جان جہاں'' کے یہ اشعار میرے اسی خیال کے موید ہیں۔

ہے فکر یاں تجلّیِ فاراں سے مستنیر
اس انجمن میں تذکرۂ برقِ طور کیا

☆

سرورِ عالم نے انساں پر کیا کیا احساں فرمائے
اس نے دشت نوردوں کو اسرارِ خدائی سمجھائے

☆

بخشا سکوں حضور ﷺ کے فیضانِ عام نے
دیکھا سحر کا نور، زمانے کی شام نے

پیرایۂ حیات ہے سرمایۂ نجات
پیغام جو دیا ہے رسولِ ﷺ انام نے

غزل گو، عالمِ فراق کی مایوسیوں میں موت کی غیر حقیقی سی آرزو کرتا ہے جبکہ نعت گو، موت سے بے خوف ہو کر، اسے اس لیے سینے سے لگا لیتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

جانِ فقیر مستِ دوامِ حضور ﷺ ہے
رکنے نہ پائے جسم کے دیوار و در سے ہم

شاعری کی دنیا میں، عاشق خاسر و خائب نظر آتا ہے۔ مگر اس محفلِ ناز میں خالی جھولیاں بھری جاتی ہیں۔ گمرہوں کو شعورِ ذات کی دولت ملتی اور عجز کا وہ پندار نصیب ہوتا ہے جو شوکتِ جم اور سطوتِ پرویز کو حقارت کے پاؤں کی ٹھوکر پہ رکھ دیتا ہے۔ جناب فقیر کے یہ اشعار حقیقت بھی ہیں اور حقیقت پر مبنی بھی۔

ہم بے کسوں پہ آپ ﷺ کی رحمت ہے بیشتر
کمتر نہیں جہاں میں کسی تاجور سے ہم

☆

انداز التفاتِ پیمبر ﷺ ہے دیدنی
کوئی نظر اٹھی نہ تقاضا لیے ہوئے
پہنچے گناہ گار حریمِ رسول ﷺ میں
الطاف بے کراں کا سہارا لیے ہوئے

غالبؔ محض فرضی محبوب کی خیالی اداؤں کو بلائے جاں کہتا رہا۔ مگر نعت کی دنیا میں ایسا حقیقی محبوب ﷺ جلوہ گر ہے جس کی عبارت میں فصاحت کی شان، جس کی اشارت میں بلاغت کارفرما اور جس کی اداؤں میں ایمائیت کا کمال ضوریز ہے اور جس کی ادا کا ایک ایک رخ تاریخ میں محفوظ ہے۔

امت اس جنبشِ لب پہ نہ فدا ہو کیوں کر
جس کی ہر ایک ادا کا ہے بیاں دینِ حنیف

☆

گل ہر لفظ سے آتی تھی بوئے شوکتِ معنی
وہ اندازِ خطابِ دل نشیں آہستہ آہستہ

☆

رسولِ ہاشمی ﷺ کے جلوہ ہائے نور کی خاطر
حرم کی سر زمیں سے ہو کے گزرے کارواں برسوں

غزل کا شاعر صرف دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا تصور، فرش سے عرش تک پہنچ جاتا ہے۔ مگر نعت گو کے سامنے واقعۂ معراج انسانی رفعتوں کے آخری کمال کا نشان بن کر ابھرتا ہے اور ارض و سما کے سارے فاصلے سمٹ کے رہ جاتے ہیں۔

افضل فقیر کے یہ شعر اسی کمالِ پروازِ انسانی کے ترجمان ہیں۔

تابشِ حریم ذات اس کے دم قدم سے ہے
لامکاں میں سیر اس ﷺ کی، عرش پر خرام اس کا

☆

معراج سے ظاہر ہے مقامِ شہِ لولاک ﷺ
بطحا کی طرف ہے نگہِ دیدۂ افلاک

☆

ہوئی حقیقتِ ذات اس میں فاش انساں پر
کوئی سفر نہیں معراج کے سفر کی طرح

الغرض شاعری جو شہوات ولذّات کا طبلِ پُر ہنگام تھی۔نعت نے اسے فکر کی متانت، جذبے کی صداقت اور بیان کا حسن دیا۔ یہ نعت ہی کا فیضان ہے کہ اس نے مجاز کو ایمان کا عرفان بخشا، بے نام وادیوں کو نام دیا اور سوزِ دل کو سازِ رگ جاں بنا دیا۔ وہ شاعری جو تعلیا نہ خودنمائیوں کا آئینہ تھی، اسے عجز کا وقار اور انکسار کی رفعت ملی۔سخن کی وہ دنیا جو محض سلب شدہ عظمتوں کی نوحہ گر تھی اسے عظمتوں کا ایک ازلی اور ابدی خزانہ ملا۔نعت ہی کی وجہ سے فلسفی کی سرگرداں عقل کو منزل کا سکون نصیب ہوا۔دلوں کے اضطراب کو عقیدے کی گہرائی اور سوچ کی رفعت ملی۔ دنیا بھر کے نظاموں، فلسفوں اور تہذیبوں کو ایک دلآویز مرکز عطا ہوا۔نعت نے جذبے کو تاثر، آنسو کو موتی اور نیاز کو ناز بنایا۔ سچی عقیدت نے قلم کو ایک انوکھا درد اور اسلوب کو ایک نرالی کشش عطا کی۔

میں نے حافظ محمد افضل فقیر کی نعتیہ شاعری میں، شوق کا یہی والہانہ پن، اظہار کی یہی ندرت اور اسلوب کی یہی کشش محسوس کی ہے جو ان کا اپنا کمال نہیں بلکہ کسی کی عطا معلوم ہوتی ہے، یہ اس بارگاہِ امی ﷺ لقب سے تعلق کا نتیجہ ہے کہ ان کے ہر بیانِ حسن کو حسنِ بیاں مل گیا ہے۔

درِ حبیب سے ذوقِ ثنا ملا ہے فقیر
یہ لطفِ خاص بھی شاملِ نوازشات میں ہے

وہ کتنے خوش قسمت ہیں کہ ان کے دل کی دھڑکنوں، روح کی لرزشوں اور نگاہوں کی تمناؤں کو اظہار کا نور ملا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ کسی کی نوازش خاص نے انہیں محبت کی وہ تپش اور جنوں کی وہ آنچ عطا کر دی ہے جس کے بارے میں غالباً احسان دانش نے کہا تھا۔

وفا کا سوز تو کندن بنا دیتا ہے انساں کو
محبت جس کو خاکستر کرے گی کیمیا ہوگا

میں اس نکتے پر زیادہ زور نہیں دینا چاہتا کہ حسن، احساسِ جمال سے بیگانہ ہی رہے تو اچھا ہے۔جنوں چونکہ ایک نعمت ہے بلکہ اہلِ نظر کے نزدیک وہ الفت کی معراج ہے۔اس لیے یہ الفاظ محض تحدیثِ نعمت کے طور پر لکھے جا رہے

ہیں۔ جنوں کا یہی وہ سوز ہے جو فرازِ دار پر چمکتا ہے۔ اسی سے شعلے، گل بداماں ہو جاتے ہیں۔ یہی لبِ منصور پر گونجتا اور محرابِ خنجر میں سجدہ گزار رہتا ہے اور اسی سے قلب ونظر کشادہ ہوتے اور حیات وکائنات کے راز کُھلتے اور کِھلتے ہیں۔

تو بھی اک آفتاب کا خالق ہے اے جنوں!
چاکِ سحر سے چاک گریباں ملا کے دیکھ

اور ''جانِ جہاں'' میں اسی آفتاب کی تاب وتب شعری افق پر نغماتی فکر کی صورت میں جگمگا رہی ہے۔ حافظ محمد افضل فقیر کے نعتیہ کلام میں علم وفضل کا کمال، تغزل کے پیرہن میں لو دے رہا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک موجِ نور رواں دواں ہے اور فکر ونظر کے گوشے مستنیر ہو رہے ہیں۔ اس میں نوائے شوق، کیفیتِ حضوری لیے ہوئے ہے اور مشتِ خاک اسی ذوقِ حضوری سے پرافشاں نظر آ رہی ہے۔ تصور کا حسن، تابشِ مژہ سے بہرہ ور اور شفاعت کی آرزو، آنسوؤں کے نم سے ہم آغوش ہے۔ یہاں تک کہ دل بیتاب کی آہیں، دید کی طلب میں ڈوب کر حضوری کا شوق اور روح کی سرمستی بن گئی ہیں۔

''جانِ جہاں'' حافظ محمد افضل فقیر کی فکری تکمیل کا مظہر ہے۔ کیونکہ دین توحید کی رفعت، رسالت ﷺ کی عظمت اور بزرگانِ سلف کی ارادت کا نام ہے۔

دیں سراپا سوختن اندر طلب
انتہائش عشق، آغازش ادب

میں نے اکثر دیکھا ہے کہ حسنِ ارادت، مبالغے کی حدوں کو چھو کر بے وقعت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تصورِ توحید، بے راہ ہو کر گستاخی کی حدوں کو چھو لیتا ہے۔ جبکہ توحید وادب کی یکجائی کا دوسرا نام دین ہے اور مجھے ''جان جہاں'' میں احترام وارادت کا ایک ایسا ہی نقشۂ نظر آیا ہے۔

اس کتاب میں اردو کی ہمہ گیری کے ساتھ ساتھ عربی کی بلاغت بھی ہے اور فارسی کی حلاوت کے پہلو بہ پہلو پنجابی کی جامعیت بھی جلوہ ریز ہے۔ دورِ حاضر کے بارے میں کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ محض اردو کا دور ہے۔ فارسی اور عربی سے نئی پود کم وبیش نابلد ہے۔ آج سکولوں اور کالجوں میں یہی دو مضمون ہیں جو بیوہ کے آنسوؤں کی طرح پریشان ہیں۔ اردو نے چونکہ فارسی اور عربی کا دودھ پی کر پرورش پائی ہے۔ اس لیے گیسوئے اردو تا دمِ تحریر منّت پذیرِ شانہ ہیں۔ اگر صاحبِ دیوان۔ فارسی اور عربی اشعار کا ترجمہ بھی لکھ دیتے تو اظہار کے ساتھ ساتھ ابلاغ کے تقاضے بھی پورے ہو جاتے اور مجھ ایسے پڑھے لکھے ان پڑھ کچھ نہ کچھ سمجھنے کے قابل بھی ہو جاتے ہیں۔

میں نے آغاز میں بعض اشعار محض دلیل کے طور پر دیئے ہیں۔ جہاں تک اشعار کے انتخاب کا تعلق ہے۔ پسند اور ناپسند کلیتہً ایک ذاتی مسئلہ ہے۔ اربابِ نظر کا سرمایۂ ذوق الگ الگ ہوتا ہے۔ میں اس کتاب کو سراپا انتخاب بھی قرار نہیں دیتا اور اپنا انتخاب بھی آپ پر ٹھونسنا نہیں چاہتا۔ منتخب اشعار ایک نوع سے شاعر کی توہین ہوا کرتے ہیں جس سے یہ شائبہ ہوتا ہے کہ شاید یہی اشعار قابلِ ذکر ہیں جب کہ محبت، کل سے کی جاتی ہے، جز سے نہیں۔

خارِ صحرا کو بھی سینے سے لگانا ہی پڑا
اے بہار آخر وہ بندہ تھا تری درگاہ کا

نیاز فتح پوری کے الفاظ میں ''پھول کے رنگ و بو سے لطف اٹھانے والے، پنکھڑیوں کی ناہمواری کو نہیں دیکھتے، موسیقی پر وجد کرنے والے، ساز کے حسن و فتح سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ شعر کا مقیاس تو صرف وجدان ہے۔''

''جانِ جہاں'' بہر کیف ایک انسانی کاوش ہے اور انسانی کاوش کا حسن اس کے ناتمام رہنے میں ہے مگر میں نے محسوس کیا ہے کہ اس میں نوا کا گداز دل کی دھڑکنوں سے ہم آہنگ ہے۔ فن، تغزل میں تحلیل ہو گیا ہے ـــــ اور تغزل محبت کی زبان کا دوسرا نام ہے ـــــ میں نہ مبصر ہوں نہ ناقد۔ اربابِ نقد و نظر کو ممکن ہے اس میں کچھ خامیاں بھی دکھائی دیں کہ وہ دو اور دو چار کی دنیا میں رہتے ہیں مگر یاد رکھیے کہ ریاضی نہ شعر کی وسعتوں کو ناپ سکتی ہے اور نہ خیال کی بلندیوں کا اندازہ کر سکتی ہے۔ اسے کیا پتا کہ گل کے چٹکنے سے کیا پیغام ملتا ہے۔ اسے کیا معلوم کہ خوشبو کس سرعت سے مشامِ جاں تک پہنچتی ہے، وہ کیا جانے کہ ٹوٹتے تارے کے دھوئیں میں کونسی حیرت پوشیدہ ہوتی ہے۔ اسے کیا علم کہ رنگ، نگاہوں کو کیسے کیف عطا کرتا اور موسیقی کیسے نشاطِ روح بنتی ہے؟ ـــــ ناقد تو جرسِ کارواں کا پابند ہے اور ہم لوگ اپنے دل کی دھڑکنوں کو کسی کی آوازِ پا سمجھنے پر مجبور ہیں۔ وہ تو ایمن وطور کی تلاش میں سرگرداں ہے اور ہم اپنے ہی چراغِ مزار کے پروانے ہیں ـــــ

میں یہ بھی بتاتا جاؤں کہ صاحب کتاب سے مرا کوئی سا ربط بھی نہیں ہے۔ میں انہیں رسائل کے وسائل سے جانتا ضرور ہوں مگر پہچانتا نہیں۔ مری معروضات کا محرک، صاحب کتاب نہیں، خود کتاب ہے اور جب تقاضا کتاب اور کلام کا ہو تو معذرت، جرم اور خاموشی منافقت بن جایا کرتی ہے۔ آخر میں اگر کتاب کے بارے میں ایک جملے کا اضافہ کر دوں تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ ''جانِ جہاں'' میں افضل فقیر کے دل کی آواز، حسنِ اسلوب کے سانچے میں ڈھل کر سحرِ حلال بن گئی ہے اور شعر خود شاعر کا تعارف کرا رہا ہے ؎

آیا کہاں سے نالۂ نے میں سرورِ مے
اصل اس کی نے نواز کا دل ہے کہ چوبِ نے

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اچھائیاں بہر کیف اور بہر نوع مولا کریم کی دین ہیں اور خامیاں ہماری اپنی پیدا کردہ ہیں۔ ''جانِ جہاں'' میں بیان کا جو حسن، فکر کی جو رفعت اور جذب کی جو کیفیت ہے وہ کلیتہً مولا کریم کے الطافِ بے پایاں کا نتیجہ ہے ؎

شمعِ نظر، خیال کے انجم، جگر کے داغ
جتنے چراغ ہیں تری محفل سے آئے ہیں

اور یہی وہ تصور ہے جس کی سب سے بڑی رعنائی یہ ہے کہ اس کے آتے ہی انسانی فخر و ناز، عبودیت کی معراج کو چھو کر، سراپا نیاز ہو جاتا ہے۔

آخر میں مری دعا ہے کہ مولا کریم شاعر کے نوکِ قلم پر مچلنے والے آنسوؤں کو قبول فرمائے اور انہیں شاعر اور قاری دونوں کے لیے توشۂ آخرت بنا دے ؎

می توانی کہ دہی اشکِ مرا حسنِ قبول
اے کہ دُر ساختہ ای قطرۂ بارانی را

(۱۹۸۷ء)

☆

التفاتِ سیّد سادات ﷺ

''ریاضِ مدحت'' پروفیسر سید ریاض حسین زیدیؔ کا مجموعۂ نعت ہے۔ جبکہ درجِ بالا عنوان جناب حفیظ تائبؔ مرحوم کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے۔

التفاتِ سیّدِ سادات ﷺ کب محدود ہے
وسعتِ دامن بھی دیتے ہیں عطا کرتے ہوئے

اللہ تعالیٰ عطا کرنے والے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بانٹنے والے، وہ رب العالمین ہیں اور یہ رحمتہ للعالمین محتاج کی طلب محدود ہوسکتی ہے مگر عطا و تقسیم کا دائرہ محدود نہیں ہوا کرتا کہ بات اپنے اپنے ظرف کی ہے۔ بندہ جب اپنی جبینِ نیاز کو جھکا کر کہتا ہے کہ ''ایاک نعبد'' تو اللہ حکم دیتے ہیں کہ یہ بندہ جو لایا ہے قبول کرلو اور جب ''ایاک نستعین'' کہتا ہے تو حکم ہوتا ہے کہ جو کچھ مانگتا ہے اسے دے دو اور حق یہ ہے کہ شاہوں کے خزانوں کی ساری رونق سائلوں ہی کے دم قدم سے ہوتی ہے اور اگر پکار میں دل کی دھڑکنیں بھی شامل ہو جائیں تو طلب سے کہیں سوا ملتا ہے۔ مقصود احساسِ محرومی کی شدت اور نگہِ طلب کا اس معطی اور منعم کے دروازے پر مرکوز ہونا ہے جسے محروم لوٹانے سے تکلیف ہوتی اور بامراد لوٹانے میں لطف آتا ہے۔ سخی کا دروازہ ہر لحظہ، ہر ایک کے لیے کھلا ہوتا ہے جبکہ طلب کا خلوص، جذبۂ سخا کو بال و پر عطا کرتا ہے اور یہ بھی لازم ہے کہ محتاج و سخی کے درمیان کوئی حجاب نہ ہو، جس طرح ہر حسن اپنے اظہار کے لیے بیتاب ہوتا ہے، اسی طرح ہر عطا، اپنی نمود کے لیے بے قرار رہتی ہے۔ عطا، سائل کی صدا کے مطابق نہیں بلکہ معطی کی ادا کے مطابق ہوا کرتی ہے۔ اسی لیے عطا کے ساتھ ساتھ دامن کو بھی وسعت ملتی چلی جاتی ہے۔

اے مخیّر! حد سے بڑھ کر حسن کی خیرات دے
ہم گدا ہیں پر تری بخشش کے پیمانے بھی ہیں

عطا کے بعد، عطا کی قدر ضروری ہے، لازم ہے کہ اس عطا کی بقا کے لیے انسان فکرمند رہے اور اس میں اضافے کے لیے آرزومند ــــــ کمی اور محرومی کے احساس کے ساتھ آرزو ابھرتی اور نکھرتی ہے۔ معطی بھی رحمٰن و رحیم ہے اور اس کی لامحدود عطاؤں کا امین اور اس کے بے خزاں خزانوں کا قاسم بھی حرص کی حد تک رؤف و رحیم۔ اس لیے قاسم کے وسیلے سے معطی کے ساتھ تعلق کو قائم و دائم رہنا چاہیے اور درود و سلام اس نسبت کے قیام و دوام کی ایک شرعی شکل ہے اور نعت، درود و سلام کا ایک شعری انداز۔ ریاض زیدیؔ کہتے ہیں۔

حاضر ہوں میں حضور ﷺ! سلامِ نیاز ہے
آقا، ترے کرم کا درِ فیض باز ہے

میں آگیا ہوں مانگنے، کر دیں عطا مجھے
دستِ کرم حضور ﷺ کا بندہ نواز ہے
عزت مآب ہوگیا جو آپ ﷺ کا ہوا
جس پہ نظر ہے آپ ﷺ کی، وہ سرفراز ہے

ریاض حسین زیدی کی نعتیہ شاعری میں بلاشبہ ان کی محبت کا خلوص بھی جلوہ گر ہے، فن اور جذبے کا ایک حسین امتزاج بھی واضح ہے۔ املاء وانشا اور زبان و بیان کی اغلاط بھی نہیں ہیں (جبکہ دورِ حاضر کے بیشتر ''ابوالکلاموں'' اور ''میر تقیوں'' کے ہاں اس نوع کی لکنتیں فراواں ہیں۔) اس میں بھی کلام نہیں کہ ان کے ہاں نکتہ رسی بھی ہے اور معنی آفرینی بھی۔ لطفِ زبان بھی ہے اور ندرتِ اظہار بھی۔ عرفان و آگہی، اسلوب و ادا کے سلیقے سے ہم آہنگ ہے۔ عقیدت، عقیدے کی انگلی تھام کر رواں دواں ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری کو رنگ، سوزِ دروں کی آنچ نے اور آہنگ غزل کی ایمائیت نے عطا کیا ہے کہ ؎

بات کرنے کی ادا ہوتی ہے
نکہتِ گل بھی صدا ہوتی ہے

مگر میرے پیشِ نظر ایک اساسی نکتہ ہے اور وہ ہے ان کا نسبی پس منظر، دل کی تڑپ اور سیدِ سادات صلی اللہ علیہ وسلم کا التفات اور یہ التفات ایک ایسی نعمت ہے جس کے حصول کی محض آرزو بھی، رنگ و نور کی ایک ایسی کہکشاں ہے کہ آرزو مند کو عمر بھر مسحورِ لذت رکھتی ہے۔ یہی وہ التفات ہے جس سے فکر کو رعنائی، عزم کو توانائی، بیان کو زیبائی اور محبت کو برنائی نصیب ہوتی ہے۔ ؎

صد عالم آفرید ز نور و سرور و علم
فکری کہ منسلک بہ خیال محمد ﷺ است

جہاں تک سید ریاض حسین زیدی کے خاندانی پس منظر کا تعلق ہے، اس نصیب پر وہ جتنا شکر ادا کریں اتنا ہی کم ہے۔ ایسے اجداد کسی کسی کو نصیب ہوتے ہیں اور ایسے اخلاف بھی کم کم ہوتے ہیں جنہیں اسلاف کی نسبتوں سے یاد کیا جاتا اور یاد رکھا جاتا ہے۔ ان کے والد گرامی قدر حکیم سید اکبر علی زیدیؒ اور برادر اکبر حضرت سید کوثر زیدیؒ نہ صرف پختہ فکر شاعر تھے بلکہ تصوف کی چاشنی نے ان کے علمی رسوخ کو عمل کا حسن اور ان کی شعری صلاحیت کو تقدس کا بانکپن عطا کر رکھا تھا۔ ان کے خسر، علامہ سید محمد یعقوب شاہ، خانوادۂ سادات گیسو درازؒ سے متعلق ایک عالی مرتبت صاحب نظر تھے اور پھر ان کے چچا حضرت سید نفیس الحسینی کی قلبی نزہتوں اور قلمی آرائشوں سے کون ہے جو آشنا نہیں ہے۔ ایسے خاندان کے چشم و چراغ سے مجھے بہت پہلے توقع تھی کہ کاش وہ شعر کی بے نام وادیوں میں بھٹکنے اور بہکنے کے بجائے ان راستوں کی طرف آجائیں جو ایک واضح، روشن اور پرنور منزل کی طرف جاتے ہیں اور یہ اعتراف، قلم کے لیے وجہِ طمانیت ہے کہ ان کی غزل بھی بہرنوع معتبر رہی ہے اور حسب ونسب کی پاکیزہ فضا کا فیضان، زندگی کے ہر مرحلے میں ان کی رفتار و گفتار کا وقار رہا ہے۔ ؎

کیسے کوئی عزیز روایات چھوڑ دے
کچھ کھیل ہے کہ کہنہ حکایات چھوڑ دے

گھٹی میں تھے جو حل، وہ خیالات چھوڑ دے
ماں کا مزاج، باپ کے عادات چھوڑ دے

مقامِ شکر ہے کہ وہ اب غزل کے سراب سے منہ موڑ کر، اس راہِ شوق پر گامزن ہیں جہاں ہر لحظہ نیا طور ہے نئی برقِ تجلی ـــــ ۱۹۸۸ء میں حضرت سید محمد یعقوب شاہؒ کی آرزو نے ان سے ایک نعت کہلوائی بلکہ لکھوائی، ظاہر ہے کہ اس مردِ درویش کی نگہِ دلنواز ہی نے آورد کی کیفیت کو آمد کا کیف عطا کیا ہوگا کہ وہ اہل اللہ کے اس قافلے سے فیض یاب تھے جن کی تمنائیں مشیت قبول فرماتی، جن کی توجہ سرگرداں فکر کو منزل کا سکون بخشتی اور جن کی برقِ نگاہ دل کی ظلمتوں کو اجالتی ہے۔ یاد رہے کہ وہ فکری تقدس کے ساتھ ساتھ شعری موزونیت سے بھی بہرہ ور تھے۔

یہ زخم آسودگانِ فن بھی کیا درویش سیرت ہیں
اجالے بانٹتے ہیں اور دیا گھر میں نہیں رکھتے

یہ بھی التفات و نسبت کے اس روحانی سلسلے کی ایک خوبصورت کڑی ہے کہ ۱۹۹۷ء میں اللہ تعالیٰ انہیں اپنے اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے تک لے گئے اور حق یہ ہے کہ بلایا اسے ہی جاتا ہے جسے نوازنا مقصود ہوتا ہے۔ دیارِ ناز کی اس حاضری نے قسمت کی اس تابانی کو فراوانی عطا کی اور یوں عمر بھر کی آبلہ پائیوں کو راحتِ منزل ملی اور شعری آوارہ خرامیوں کو نعت کا حسن نصیب ہوا۔

جب عشق اپنے مرکزِ اصلی پہ آ گیا
خود بن گیا حسین زمانے پہ چھا گیا

یہ ہے ایک اجمالی، روداد ''ریاضِ مدحت'' کی ترتیب و تدوین اور طباعت و اشاعت کی اور ریاض زیدی کے اپنے الفاظ میں:

''میں شرح صدر سے اعتراف کرتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کا حق مجھ سے ادا نہیں ہو سکتا، میں تو اسے بحرِ بے کراں سے ایک آدھ قطرہ حاصل کرنے کا بھی دعویدار نہیں ہوں، اپنی بے بضاعتی کا مجھے احساس ہے، یہ حقیقت ہے کہ کیف و سرور کی وہ گھڑیاں میرے لیے نہایت دل نشین ثابت ہوئیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پر لطف نے مجھے نعت گوئی کی توفیق عطا کی۔''

اور یہ بات خوش آیندہ ہے کہ ریاض زیدی منزل کی چاندنی میں ڈوب کر بھی، سراپا فخر نہیں بلکہ سراپا عجز ہیں۔ میں اس انکسار ہی کو ان کا سرمایۂ افتخار سمجھتا ہوں۔ بے بضاعتی کا اعتراف، ان کا نعتیہ امتیاز ہے کیونکہ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ نعت گوئی سراسر محبوب کی عطا ہے، محبّ کا ذاتی فخر نہیں ہے۔ یہی احساس طلبگار کو ہر لحہ عطاؤں کی ضیاؤں میں رکھتا ہے، کہتے ہیں۔

بے آب سا کنکر ہے گرا نما یہ گہر سے
دیکھا ہے جسے آپ ﷺ نے شفقت کی نظر سے
ظلمت کا ہر اک نام و نشاں مٹتا رہا ہے
انوار فشاں ہوتا ہے ذرہ اسی در سے

حاصل ہے مرا کچھ تو یہی عشقِ نبی ﷺ ہے
سایہ مجھے شاداب ملا پاک شجر سے
صد شکر مجھے آپ ﷺ سے انعام ملا ہے
نسبت کا شرف مجھ کو ملا آپ ﷺ کے گھر سے

بے آب سے کنکر کو گراں مایہ گہر بننے کے لیے کن جانگداز مرحلوں سے گزرنا پڑا، اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک نظر، پس منظر پر ڈال لی جائے کہ ریاضؔ، مجاز کی بھول بھلیاں سے نکلنے اور حقیقت کی دنیا میں آنے کے کس قدر تمنائی رہے ہیں، دل کے کسی گوشے میں چاہت کی تڑپ ضروری ہے۔ اس کو پذیرائی کب ملتی ہے اس کا انحصار، محبوب کی رضا پر ہے۔ زنجیرِ در ہلانا اپنا کام ہے۔ دروازہ کھولنا کسی اور کا منصب ہے۔ جب محبوب مائلِ لطف و کرم ہوتا ہے تو ظلمت کو نور، تشکیک کو یقین اور گمرہی کو منزل بنتے ہوئے دیر نہیں لگتی۔ ریاض زیدیؔ کے درجِ ذیل اشعار دیکھیے کہ ان کی شعری صحرا نوردی، آسودگیٔ منزل کے لیے، خوابوں کے سرابوں سے نکلنے کے لیے اور احوال کے جمود کو توڑنے کے لیے کس کس انداز سے تڑپ رہی ہے یہ بھی اندازہ ہوگا کہ ان کے حالِ دل کی بے کیفیاں، نشاط و کیف کے لیے کس نوع سے ترس رہی ہیں۔

ہو ریاضِ کم نظر پر بھی بہار آسا نظر
آپ ﷺ کے دم سے خزاں، رشکِ گل و گلزار ہے

☆

ہر سمت اندھیرا ہے، مدینے کی طلب ہے
فریاد کناں ہوں، مرا احوال عجب ہے

☆

کب چشمِ کرم ہوتی ہے مجھ پر مرے مولا
میں آپ ﷺ کی رحمت کا طلبگار ہوں کب سے

☆

بے حال ہوں ، بے چین ہوں بے حد، مرے مولا
تو بھیج کہیں سے جو مدینے کی ہوا ہو

☆

خوں چکیدہ ہوں ستم ہائے جہاں سے دم بدم
اے مسیحائے زمانہ! میری بگڑی بھی سنوار

ریاض مدحتؔ، کے آئینے میں سوزِ طلب کے ساتھ ساتھ، حصولِ مقصد کے بارے میں اشارے بھی موجود ہیں۔ سکون و عافیت سے لبریز ایک طمانیت بھی نظر آتی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ کوئی جلوہ ہے کہ جنت نگاہ بن کر، ہر نظارے سے بے نیاز کر گیا ہے، کوئی حقیقت ہے کہ بصارت کو بصیرت کے انوار بخش گئی ہے، سماعت ہے کہ ایک نوائے شوق کے سوا، ہر آواز

پر بند ہو چکی ہے۔ زبان ہے کہ صرف اسی کی توصیف میں رطب اللساں ہے جس کی تعریف میں وہ ذات میں مصروف ہے جس کے لیے ہر تعریف وقف ہے۔ اب اس لطف و التفات کی ایک جھلک دیکھیے کہ ریاض زیدی اپنی خوبیِ تقدیر پر کس انداز سے نازاں ہیں۔

آپ ﷺ کی چشمِ عنایت کا کرم ہے آقا ﷺ
آپ ﷺ نے بگڑے مقدر ہیں بنائے

☆

فیضِ نبی ﷺ سے ہوتا ہے ذرہ بھی آفتاب
بے ننگ و نام، ارفع و اعلیٰ دکھائی دے

☆

کیف و سرور و جذبِ دروں سے ہوئی ہے نعت
جس نے ریاضؔ، صاحبِ عرفان کر دیا

☆

یہ بھی ریاضؔ حسنِ مقدر کی بات ہے
کیا قلب و جاں میں نعت سمائی ہے آپ ﷺ سے

☆

روش روش پہ اجالے، نفس نفس خوشبو
خوشا کہ میرا مقدر بھی ماہتابی ہے

☆

پذیرائی ملی بے دست و پا کو
مقدر مسکرایا بے نوا کا
ریاضِ دل کشادہ تر ہوا ہے
کھلا روزن یہاں غارِ حرا کا

☆

جو خاک نشیں آپ ﷺ کے قدموں میں پڑا ہے
وہ عرش نشیں آپ ﷺ کے صدقے میں ہوا ہے

☆

صحرا میں جو شاداب مناظر کی نمو ہے
یہ بھی تو اسی سایۂ اقدس کی ضیا ہے

بر آئی ریاضؔ آج ریاضت مری دیکھو
یہ نعت مری شاہِ مدینہ ﷺ کی عطا ہے

☆

بہ فیض نورِ نبی ﷺ آنکھ میں ہے بینائی
مرا ضمیر، محبت کا پاسبان ہوا
ریاضؔ نعت سرائی خدا کی سنت ہے
بہ فیضِ نعت زمیں سے میں آسمان ہوا

☆

آپ ﷺ کی بخیہ گری کا فیض ہے
چاک دامانی سلی ہے آپ ﷺ سے

☆

اوہامِ بلا خیز کی ظلمت ہوئی کافور
روشن مرے افکار ہوئے ماہِ عرب سے

☆

سلیقہ نعت کہنے کا عطا کر کے مجھے آقا ﷺ
کرم ایسا کیا غنچے ریاضِ دل میں کھلتے ہیں

☆

جس طرح انگشتری میں ہو نگیں
گنبدِ خضرا ہے یوں دل میں بسا

☆

آپ ﷺ کی خوشبو سے مہکا ہے جہانِ معرفت
آپ ﷺ کی رحمت سے تاباں زندگی کی رہگزار

☆

حبِ نبی ﷺ کی فیض رسانی نہ پوچھیے
کانٹے میں حسن آگیا کھلتے گلاب کا

آخر میں دیکھیے کہ ریاضِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں، یہ بلبل، محبت کی کس قدر خوب صورت ادا اور احترام کے کس قدر قابلِ تحسین جذبے کے ساتھ چہک رہا ہے۔ بارگاہ کی عظمتوں اور رفعتوں کے پیشِ نظر سائل کے لیے لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے سوال کو بھی شایانِ شان، اپنی نوا کو بھی دل نشین اور اپنے اظہار کو بھی موثر بنائے ـــــ شعر وہی اثر آفرین ہوتا ہے

جو دل کی پہنائیوں سے ابھرتا اور لفظی برجستگی کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ ساز کی رگیں بے کار ہیں اگر صاحب ساز کا لہو ان میں رواں دواں نہ ہو، وہ نغمہ خام ہے اور وہ مغنّی ناتمام جو سوزِ دل کو سازِ رگ جاں بنانے کا ہنر نہیں جانتا، دنیائے نعت میں قلبِ سلیم کے ساتھ ساتھ قلم کے اس خرامِ ناز کی بھی ضرورت ہے جو لفظ لفظ کو پھول بناتا چلا جائے اور ممدوحِ عظیم و جلیل صلی اللہ علیہ وسلم سے دل جتنا قریب ہوگا یہ لفظی پھول اتنی ہی زیادہ مہک بکھیرتے اور بانٹتے چلے جائیں گے۔ سید ریاض زیدی کے درج ذیل اشعار میں حضوری کا کیف بھی ہے اور حسنِ ادا کی کیفیت بھی۔

صدق و صفا کی جلوہ نمائی ہے آپ ﷺ سے
کارِ جہاں کی کارکشائی ہے آپ ﷺ سے

☆

مجھے تو آپ ﷺ ہی کا فقر معتبر ٹھہرا
مرا مزاج فقیری ہے، بوترابی ہے

☆

وہ ذرہِ ناچیز کو خورشید بنا دیں
پستی کے مقدر میں یہاں اوج لکھا ہے
بے مایہ پہ انمول خزانے کا کھلا در
قطرے کو یہاں رتبہ سمندر کا ملا ہے

☆

کلی جب بھی چٹکتی ہے نبی ﷺ کا ذکر کرتی ہے
انہی کا نام لے کر گل ہمیشہ مسکراتا ہے

☆

زندگی جو بس شکست و ریخت تھی
ایک سانچے میں ڈھلی ہے آپ ﷺ سے
سارے گلشن میں مہک سی چھا گئی
اک کلی دل میں کھلی ہے آپ ﷺ سے

☆

جو مانگنے آتا ہے جہانوں کے سخی سے
ممکن ہی نہیں گھر کو تہی دست گیا ہو

☆

جو بھی صفت ہے، اس کی حدِ انتہا حضور ﷺ
دیکھیں تمام شانیں، جہانوں کے شاہ میں

☆

روش روش پہ بہاراں، چمن چمن خوشبو
خدا نے حاصلِ گلشن جو اک اتارا ہے

☆

مرے آقا ﷺ، تری رحمت کا جب بھی ذکر کرتا ہوں
تو لمحے زندگی کے مسکرا کر مجھ سے ملتے ہیں

☆

مرے قلب حزیں میں آپ ﷺ کی یادیں دھڑکتی ہیں
ستارے میری آنکھوں کے مری قسمت بدلتے ہیں

☆

یہ التجا کریں گے رسالت مآب ﷺ سے
قسمت سے آگئے ہیں یہاں پر، یہاں رہیں
ضعف یقیں نہ پاؤں کی زنجیر بن سکے
آقا ﷺ درونِ دل مرے جذبے جواں رہیں

☆

تھا ہر سو پیاس کا صحرا، اچانک
سمندر اک لبوں تک آگیا ہے

☆

آپ ﷺ کی مدحت سرائی، بے کراں
بحر و بر میں، ہر نگر میں، جا بجا

☆

نقشِ قدم حضور ﷺ کا ہے جس کے سامنے
جنت نشان اس کو ہر اک راستا ملا

غزل وقارِ سخن ہے اور منفرد نعت سرائی، معراجِ سخن اور یہ معراج عطا ہے۔ مبدءِ فیض اور صاحبِ معراج ﷺ کی ،اس لیے ضروری ہے کہ ان نوازشات کے لیے، ہر سانس، سراپا سپاس بنا رہے۔

سانس لینا بھی اک عبادت ہے
شرط یہ ہے خیال ان کا ہو

شکر، بیک وقت نعمتوں کا اعتراف بھی ہے اور نعمتوں میں اضافے کا باعث بھی، کیونکہ لغوی اعتبار سے ''شکر'' میں لبریز ہو جانے اور اظہار کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے شکر عنایات کا وفور اور بندے کی جانب سے ممنونیت کا ظہور ہے، اللہ تعالیٰ نظر کو جلووں کی طالب اور جبیں کو سجدوں پر مائل رکھے اور زبان اسی کی ثنا کرتی رہے جس کی عطا ہے، فکر کی پاکیزگی، عمل کی صالحیت، نطق کا سلیقہ اور حرف تراشی کا قرینہ ـــــ ماہر القادری کہاں یاد آ گئے، کہتے ہیں ؎

تجلّیات کی کوئی کمی نہیں ماہرؔ
دعا یہ مانگ کہ آئینہ آبدار رہے

(۲۰۰۸ء)

☆

کیفِ مسلسل

جناب پروفیسر محمد عبداللہ جمال سے میری شناسائی کم وبیش نصف صدی کو چھو رہی ہے، دو چار برس کی بات نہیں، یہ شناسائی، خلوصِ قرب کو پہنچ کر بھی، ایک عرصہ، ان کی شاعرانہ صلاحیتوں سے نا آشنا رہی۔ خود اس شہر کے ادبی حلقے بھی اس محرومی میں میرے شریکِ حال رہے ان کی ہمت ہے کہ وہ شاعری کے ''منہ زور تمّوج'' کو ایک مدت روکنے، سنبھالنے یا دوسرے لفظوں میں اسے پختہ تر کرنے میں کامیاب رہے، اس عالم میں جبکہ بہت سے ''باتخلص حضرات'' فنِ شعر سازی میں خود کو منوانے میں بڑے زوروں کے ساتھ مصروف تھے اور ہیں۔ محشر بدایونی کہتے ہیں ؎

سلیقہ فن کا سیکھو مجھ سے یارو
زباں کو شعلہ، دل کو راکھ کر لو

ماضی قریب میں، میں نے جب ان سے ایک غزل سنی تو میں ایک گونہ تحیر کے ساتھ انہیں دیکھتا رہا اور جب نعت سنی تو ایک رشک آفرین اور حسرت آمیز کیفیت کے ساتھ خود کو دیکھنے میں محو ہو گیا کہ ؎

دن کٹ رہے ہیں کشمکشِ روزگار میں
دم گھٹ رہا ہے سایۂ ابرِ بہار میں
آتی ہے اپنے جسم کے جلنے کی بو مجھے
لٹتے ہیں نکہتوں کے سبو جب بہار میں

اور پھر سوچا کہ یہ تو عطائے محبوب ہے کہ اس کے بغیر نعت کا ایک بول بھی نصیب نہیں ہو سکتا کہ یہ ہے ہی بڑے نصیب کی بات ورنہ کتنے ہی شاعر ہیں کہ اپنی جملہ قادر الکلامی کے باوجود نعت گوئی کے شرف سے محروم ہیں اور پھر جب میرے بار بار کے اصرار پر انہوں نے حرف حرف پھیلتی ہوئی اس خوشبو کو دوسروں تک پہنچانے کا ارادہ کیا تو بہت سی خوبصورت نعتیں قطار اندر قطار ان پر اترنا شروع ہو گئیں۔ میں ان کے اس کیفِ مسلسل کا شاہد ہوں ـــــ بارانِ لطف و کرم اور اس قدر لگاتار، التفاتِ نگاہِ ناز اور یوں پیہم ـــــ یہاں استحقاق کا کوئی ذکر نہیں، کریم کی یہی شان ہے کہ بلا استحقاق دے، استحقاق کے ساتھ جو دیتا ہے وہ کریم نہیں کہلاتا، کیونکہ استحقاق، ادائے حق کو واجب کر دیتا ہے اور جب ادائے حق واجب ہوا تو ایک قسم کا دَین ٹھہرا اور دین کا دینا کرم نہیں ہوتا اور نہ کریم کی یہ شان ہوتی ہے ـــــ اور مجھے یہ شہادت دینے میں قطعاً کوئی باک نہیں کہ فطرت خود بخود لالے کی حنابندی میں مصروف رہی ہے، تبھی یہ اوراق یکجا ہوئے ہیں ؎

نعت میں کیسے کہوں ان کی رضا سے پہلے
میرے ماتھے پہ پسینا ہے ثنا سے پہلے

حق یہ ہے کہ نعت کے لیے منظوری پہلے ہو جاتی ہے اور قلم بعد میں اٹھتا ہے اور منظوری کے ساتھ ساتھ جب حضوری کی نعمت بھی مل جائے تو کیف ونشاط کے اس عالم کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ نعت گو ''تعلّیا نہ خودنمائیوں'' سے بچنے کی ارادی کوشش کرے کہ ستائشِ دنیاوی سے، سعادتِ اخروی کے گلاب مٹی ہو جایا کرتے ہیں۔ ایک واقف حال کا کہنا ہے کہ ؎

شان ان ﷺ کی سوچیے اور سوچ میں کھو جائیے
نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہو جائیے

میرے خیال میں اس چپ کے نتیجے میں جب نعت ہو جائے تو اس کیف کی پائندگی کے لیے بھی چپ ضروری ہے کہ

ع ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

اپنے منہ سے اپنی تعریف، توہینِ انسانیت ہے اور خود اپنی تعریف سننے کی آرزو، اندھا اور بہرہ ہونے کی واضح دلیل ہے اور یوں جبینِ ناز پر بل پڑنے کا اندیشہ ہے۔ جبکہ حمد ونعت ہی وہ مقام ہے جہاں محبت، غیرت کے گرد گھومتی ہے اور دوئی کا کوئی سا نقش بھی گوارا نہیں کرتی۔ تحسین طلبی اور ذاتی فخر و ناز سے سعادتوں کا قافلہ رک جاتا، فکر و خیال کا چشمہ سوکھ جاتا اور اعمال کا حسن یوں سلب ہو جاتا ہے کہ احساس تک نہیں ہوتا، میں یہ بات فرمودۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں لکھ رہا ہوں کہ وہ زبانِ مبارک کھلتی ہی صداقتوں کے لیے تھی۔ نعت گوئی کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لیے ستائش باہمی کی انجمنوں سے بچنا ضروری ہے ـــــ ویسے تحسینِ ناشناس سے سکوتِ قدر شناس کہیں بہتر ہوتا ہے کہ کم از کم اس سے نہ فخر ابھرتا ہے نہ عجب بال و پر لیتا ہے اور نہ صلاحیتوں کو زنگ لگتا ہے۔ ؎

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نگہ، آئینۂ دل ہے مکدر

اور یہ دور نہیں سمجھ رہا کہ ؎

آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر

کسی کو پانے کے لیے خود کو بھولنا پڑتا ہے، نعت گوئی کا مقصد و مدعا، رضائے محبوب ہے۔ اس رضا کے حصول کے بعد، ہر آرزو ہیچ ہے ؎

ترا خیال ہے، تیرا جمال ہے، تو ہے
مجھے یہ فرصتِ کاوش کہاں کہ کیا ہوں ''میں'' ؟

ـــــ اور پھر خیال و جمال اس ذاتِ گرامی قدر ﷺ کا، جو مسکرائی تو چمنستانِ کونین کے غنچوں نے ہنسنا سیکھا، جس کے خرامِ ناز نے ریت کو ریشم کا لوچ دیا، جس کی گردِ سفر نے فضائے کہکشاں کو نورانی بنا دیا، رفتار سے لے کر کردار تک، جس کا ایک ایک رخ اور ایک ایک زاویہ، تاریخِ انسانی کا ایک دل آویز موڑ بن گیا، جس کے کوچے میں پہنچ کر، خود وقت کو سکون ملتا

اور گردش ایام رک جاتی ہے، جس کے سایۂ دیوار میں ہر آبلہ پا، سستا سکتا ہے اور جس کے سانسوں کی مہک کا فیض ہے کہ عرب کا ریگستان، ایک عالم کو نکہتیں بانٹتا چلا جا رہا ہے۔ ؎

السلام اے تازہ تر گلبرگِ صحرائے وجود
السلام اے قیمتی تر گوہر دریائے جُود

غازۂ جاں نے جن کے ظاہر کو اس قدر لطیف اور گلگوں بنا دیا تھا کہ وہ جس راستے سے گزر جاتے تھے، گام گام اور قدم قدم خوشبو بکھر جاتی تھی اور خود راستے، گزرنے والے کا پتا دیتے تھے ؎

خوشبو بتا رہی ہے کہ وہ راستے میں ہیں
موجِ صبا کے ہاتھ میں ان کا سراغ ہے

اس رواں دواں خوشبو کے ذکر نے، اگر پروفیسر محمد عبداللہ جمالؔ کے نعتیہ مجموعے (مہرِ جہاں فروز) کو حرف حرف خوشبو بنا دیا ہو تو یہ شعری مبالغہ نہیں بلکہ واقعاتی حقیقت ٹھہرے گی۔ میں یہ بات تعریف کے رنگ میں نہیں بلکہ تعارف کے طور پر لکھ رہا ہوں کہ ان کی نعت گوئی میں سوچ کے نئے زاویے اور اسلوب کے جدید انداز ہیں، سیرت پاک کا جمال لفظ لفظ لو دے رہا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ نعت، جب سے ممدوح عظیم و جلیل صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا آئینہ بنی ہے، تب سے وہ ذہنی تطہیر اور فکری تہذیب کا ذریعہ بھی بن گئی ہے۔ کیونکہ سیرت کے یہی وہ نقوش ہیں جن کی روشنی ہر دور کے ہر بھٹکتے انسان کے لیے منزل نشاں ہے اور زیرِ نظر نعتیہ مجموعے میں، محبت و عقیدت کے سلسلے، تحسینِ سیرت ہی سے پھلتے، پھولتے اور پھیلتے دکھائی دیتے ہیں۔

شمعِ نظر، خیال کے انجم، جگر کے داغ
جتنے چراغ ہیں، تری محفل سے آئے ہیں

محمد عبداللہ جمالؔ مشکل اور ادق قافیوں میں، خوب صورت مضامین، بڑی آسانی سے بیان کر جاتے ہیں۔ سنگلاخ زمینوں میں، گلہائے محبت کی شگفتگی، فردوسِ نظر ہی نہیں نشاطِ روح بھی ہے، الفاظ میں ایک سلیقہ اور اسلوب میں ایک قرینہ ہے اور انہیں کما حقہ احساس ہے کہ ذکر اس بارگاہِ ناز کا ہے جہاں جنیدؒ و بایزیدؒ بھی نفس گم کردہ آتے ہیں اور جس کی مدحت کے لیے الفاظ، پلکوں سے چننا پڑتے ہیں، ذوق کو شوق، شعر کو شعور، نوا کو گداز اور صلاحیت کو صالحیت، کرم کے فیصلوں کے نتیجے میں ملا کرتی ہے۔ اس لیے فخر و ناز کے بجائے شکر و سپاس لازم ہے کہ اس سے نعمتیں بڑھتی ہیں۔ ؎

کلکِ ثنا کو نور کی موجوں میں رکھ دیا
یعنی گدازِ عشق کو ہونٹوں میں رکھ دیا
کتنا کرم کیا ہے، خدائے رحیم نے
ان ﷺ کی ثنا کو ڈوبتی سانسوں میں رکھ دیا

اور یہ بھی مقامِ شکر ہے کہ ان کے ذہن کی بیداری نے کسی مقام پر بھی جنوں کو تماشا نہیں بننے دیا۔ ہر گام پر عقیدت، عقیدے کی انگلی تھام کر چل رہی ہے اور جذب و سرور کے والہانہ پن کے ساتھ ساتھ ان کے ایمائی لہجے کی

فنکارانہ گرفت، یقیناً اہل دل کو مدتوں مسحور لذت رکھے گی۔ چونکہ پروفیسر محمد عبداللہ جمالؔ غزل گو بھی ہیں اور غزل، قطرے میں سمندر سمیٹنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس لیے جب ایک غزل گو اپنی تمام تر ایمائی بلاغت آفرینیوں کے ساتھ نعت کہتا ہے تو نعت میں بھی تاثر کی ایک دنیا سمٹ جاتی ہے کہ وہاں بات ذہن سے ابھرتی ہے اور یہاں دل کی گہرائیوں سے، غزل شاعری کی ایک بے ساختہ اور لطیف شکل ہے۔ یہ ایک تصوراتی دنیا ہے اور اس کا محبوب بھی ایک تخیلاتی پیکر اور اس کی یاد بھی محض شاعرانہ بات، یاد کی تڑپ بھی ایک مصنوعی جذبہ اور تڑپ کا گداز بھی ایک خود ساختہ کیفیت، اسی لیے شاعر تصورات کی بے نام وادیوں میں خود بھی بھٹکتے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، قرآن نے اسی بنیاد پر شعر کی مخالفت کی، مگر وہ اشعار جو واقعیت اور صداقت کے گرد گھومتے ہوں جو گم کردہ راہ، انسانیت کو نشانِ منزل دیں، اسلام انہیں قدر کی نظر سے دیکھتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ جب غزل میں متصوفانہ افکار کی آمیزش ہوئی تو غزل سنور گئی، اس کا تیکھا پن دل میں تر از و ہونے لگا اور اس کا مبالغہ، گداز بن کر، نشاطِ روح ہو گیا اور اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ جب سے غزل گو شعراء میں نعت گوئی کا شوق ابھرا ہے، اس وقت سے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے صدیوں سے بھٹکنے والے مسافر کو ایک ساعت میں منزل مل گئی ہو جیسے جبینِ شوق کو ایک واضح چوکھٹ نظر آ گئی ہو۔ جیسے جذبے کو کیف، کیف کو گداز اور گداز کو رنگ و نکہت کی ایک ایسی نظر افروز کہکشاں نصیب ہو گئی ہو جو فی الواقع تمناؤں کا حاصل ہو اور یہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت کا فیض ہے ؎

فرمانروائے قلب و نظر، رحمت تمام
مردِ جلیل، خضرِ ملل، والیٔ انام
تو نے خیال و ذہن کو بخشا ہے وہ مقام
تاریخ کی جبیں کے ستارے ترے غلام
بدلا وہ تو نے ذہن کو، دل کو، مزاج کو
حیرت شکستہ آئنے لائی خراج کو

غزل نے شاعری کو محض کیفیات کا ترجمان بنایا جبکہ نعت نے دل کو ایسا محبوب دیا جو حسنِ کائنات بھی ہے اور کائناتِ حسن بھی۔ جو ازل انوار بھی ہے اور ابد آثار بھی۔

تجلیوں سے تری مستنیر و تابندہ
زمانِ ماضی و عصرِ روان و آیندہ

دیارِ ناز میں حاضری کی آرزو، پروفیسر محمد عبداللہ جمالؔ کے اشعار میں جا بجا مچل رہی ہے۔ یہ تمنا، بجائے خود حسن کی ایک دنیا ہے، تصور کی جنت ہے اور سوچ کی ایک حسین دھنک ہے اور جاننے والے یہ جانتے ہیں کہ کسے، کب باریاب فرمانا ہے اور کسے انتظار کی شدت میں رکھنا ہے کہ انتظار میں جوشِ آرزو تیز تر ہوتا رہتا ہے اور آرزو کا یہی وہ سوز ہے جس سے شعر کی تاثیر، قاری کے دل کو یوں نوازتی ہے جیسے بادِ سحر گاہی کا نم، شاخِ گل کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے ؎

پوچھو تو اس حسینِ فلک بارگاہ سے
کیا ہر ستارہ اہلِ طلب کی جبیں نہیں

یاد رہے کہ نعت گوئی ایک انتہائی مشکل صنفِ سخن ہے، یہ عبادت ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ، فرشتوں کی ہم زبانی بھی ہے۔ یہ محض ترکیب سازی اور قافیہ بندی نہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں لفظ، لفظ شریعت اور عقیدت کے پہرے ہیں۔ غزل گوئی ذوق اور ظرف کا امتحان ہے جب کہ نعت گوئی عقیدت اور عقیدے کی کڑی آزمائش ہے۔ اسی منزل پر شعری دنیا میں، جولانیٔ گفتار کے جلوے دکھانے والے انگشت بدنداں اور سر بہ گریباں دکھائی دیتے ہیں۔ یہ درود وسلام کی ایک نغماتی شکل ہے اور درود وسلام مقصودِ فطرت بھی ہے اور رمزِ مسلمانی بھی۔ یہ امر، میرے کے لیے انتہائی اطمینان کا باعث ہے کہ زیرِ نظر نعتوں میں عقیدے کے افتخار اور عقیدت کے نکھار کے ساتھ ساتھ عجز کا وقار بھی ہے اور عجز ہی وہ عبادت ہے جو ادا ہونے سے پہلے ہی مقبول ہو جاتی ہے عجز، بندوں ہی کی متاعِ ناز ہے یہی وہ چیز ہے جو اللہ کے ہاں نہیں ہے۔ عجز و نیاز ہی میں نیت کا حسن اور دل کا خلوص، منتہائے کمال کو پہنچ کر ہم آہنگ ہو جاتا ہے ؎

مرے شعور نے رکھا مجھے غرور سے دور
میں آسماں پہ سہی، پھر بھی رہگزر میں ہوں

حضرت حسانؓ کی نعت گوئی کے لیے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم روح القدس سے تائید طلب فرمایا کرتے تھے۔ چونکہ نعت، ارشادِ خداوندی کی تعمیل کی ایک سعیِ جمیل ہے۔ اس لیے جب کوئی شاعر اپنے دل کی ساری عقیدتوں، روح کی ساری لرزشوں، نگاہوں کی ساری تمناؤں کو سمیٹ کر اور نوکِ مژگاں پر حیات و کائنات کی ساری رعنائیوں کو تول کر، نعت کے لیے قلم اٹھاتا ہے تو محبوبِ حقیقی کے ملکوتی ہونٹوں پر تبسم سا بکھر جاتا ہے اور یہی وہ تبسم ہے جو فکر کو لذت و حلاوت، اظہار و ادا کو نیرنگی و طرفگی اور دل کی دنیا کو سوز و تڑپ کا ایک حسین انداز دے جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ میں نے سطور بالا میں نعت گوئی کو عبادت کی ایک شکل قرار دیا ہے۔

جمالِ صورت کے ساتھ ساتھ کمالِ سیرت کے بیان نے، اس مجموعۂ نعت کو ایک واقعاتی تاثر اور ایک تہذیبی وقار بخش دیا ہے۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی کے الفاظ میں:

''عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آئینِ ملت ہی نہیں، تعبیر و تعمیرِ انسانیت بھی ہے۔''

اور سچ یہ ہے کہ نعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی وابستگی کا ایک خوبصورت اظہار ہے اور اسی سے شوق و طلب کو محبت کا وہ معیار ملتا ہے کہ ہر ماسوا، سرپائے استحقار پر ہوتا ہے ؎

عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

حق یہ ہے کہ ذکرِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاعری ہی کو نہیں، جملہ اصنافِ ادب کو تعمیر و تطہیر کے لافانی نقوش عطا کیے ہیں ؎

آہ و فغاں بھی، شعر و ادب بھی ہے ان کا فیض
پیشِ حضور ﷺ اپنی متاعِ ہنر کریں

اکبر، حالی اور اقبال کی روح پرور غزل میرے اس خیال کی مؤید ہے اور یہ ایک نا قابل تردید صداقت ہے کہ اقبال کے بالواسطہ اور بلاواسطہ اثرات سے اردو شعر و ادب صدیوں مستنیر رہے گا، صرف اس لیے کہ اقبال نے اپنی شاعری کے لیے اس پیغام کو چن لیا تھا جو صدہا صداقتوں کا صدف اور بے خزاں بہاروں کا امین ہے ـــــ اور یہی وہ ذکر ہے جس سے خود زبان و قلم کو آبرو اور قلب و نظر کو کیف ملتا ہے، یہی وہ تذکرہ ہے جس نے ہر دور کی سرگرداں عقل کو سکونِ منزل، بھٹکتے ہوئے شعور کو قلبی رعنائی اور بے ذوق سجدوں کو روحانی زیبائی عطا کی ہے اور اس مجموعۂ نعت میں یہی سکون، یہی رعنائی اور یہی زیبائی دامن کشِ قلب نظر ہے اور یہ خصوصیات عام نہیں، خاص ہیں، معمولی نہیں، غیر معمولی ہیں۔

میں نے نعت گوئی کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ دراصل محمد عبداللہ جمالی کے نعتیہ اشعار کے مطالعہ ہی سے ابھرے ہیں، یوں سمجھیے کہ ان خیالات کے پردے میں بات انھی کے مضامین و مقاصد کی ہے کیونکہ میں فن ہی سے نہیں، فنکار سے بھی بخوبی آشنا ہوں اور خود کو بجا طور پر ''محرمِ رازِ درونِ میخانہ'' کہہ سکتا ہوں۔ یہ امر میرے لیے وجہِ تشکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ ایسے غیر شاعر اور بے مایہ انسان کو نعت گو حضرات کے قلم چومنے کی توفیق ارزانی فرمائی ہے۔ میں اسی نسبت کو، اپنے لیے وثیقۂ آخرت سمجھتا ہوں ؎

میں خاکِ محض، میں انبارِ گل، میں مشتِ غبار
تری نگاہ جو پڑ جائے کیمیا ہوں میں
تو رحمتوں کا تجمل، تو شفقتوں کا جمال
یہ میری سوچ کا محور نہیں کہ کیا ہوں میں

میں نے اپنے اس مضمون میں نعت گو کے اشعار کا کوئی حوالہ ارادتاً نہیں دیا کہ میں اپنا انتخاب قارئین پر مسلط نہیں کرنا چاہتا اور نہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ کتاب میں صرف اتنے ہی اشعار قابلِ ذکر ہیں۔ یوں قاری اور شاعر دونوں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ ویسے بھی تعارفی سطور کا مقصد، قاری کے ذوقِ مطالعہ کو مہمیز لگانا ہے نہ کہ اس پر اپنی پسند ٹھونسنا۔

(۲۰۰۲ء)

☆

صدیق شاہد کا نعتیہ تغزل

غزل ایک معروف صنفِ سخن کا نام ہے جبکہ تغزل اس کیفیت کو کہتے ہیں جو کسی تحریر میں فکری گداز بن کر لو دیتی ہے، رمز وایما، سے بال و پر لیتی اور لطف و لطافت کے سانچے میں ڈھل کر، ذہن کو قائل اور دل کو گھائل کرتی چلی جاتی ہے۔ اس کیفیت کا احاطہ کرنا ویسے ہی دشوار ہے، جیسے رنگ کو کسی آہنگ میں ڈھالنا، خوشبو کو حواس میں مقید کرنا اور موجِ نور کو لفظوں میں زنجیر کرنا، ناممکنات میں سے ہے۔ تغزل ایک غیر مرئی شے ہے جسے محسوس تو کیا جاسکتا ہے، بیان نہیں کیا جاسکتا، یہاں نطق کو سکتہ ہے، ادراک و خرد مجبور ہیں، سرخوشی کا یہ کیف جہاں بھی ہوگا، تغزل کہلائے گا، نثر و نظم کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ آستیں، آگ سے تر ہو، نطق پلکوں پہ شرر ہو اور رات سولی پر بسر ہو، تب کہیں جا کر بستانِ گداز مہکتا ہے ؎

کہاں زمانے کا ذہن پہنچا مرے تصور کے بانکپن تک
ہزار عالم گزر چکے ہیں شعورِ فن سے خلوصِ فن تک

میرؔ کا سوز و ساز، آتشؔ کی گرمیٔ گفتار، غالبؔ کی نکتہ آفرینی، مومنؔ کی نازک خیالی، داغؔ کی ندرتِ اظہار، حسرتؔ کی شاعرانہ ساحری، فانیؔ کی فغانِ نیم شبی، اقبال کی مفکرانہ عظمت اور اصغرؔ کی تحیرانہ سرشاری کا حسین امتزاج جب کسی تحریر و تقریر کے مزاج میں جلوہ گر ہوگا تو اسے تغزل کا نام دیا جائے گا۔ یہ الگ بات کہ غزل کی دنیا میں، اس کے سنورنے اور نکھرنے کے مواقع کہیں زیادہ ہیں کہ ؎

موجِ گل، موجِ صبا، موجِ غنا، موجِ شراب
ہے یہ سب سلسلۂ نقشِ کفِ پائے غزل

اور تغزل ؎

ایسا انداز کہ الفاظ میں غنچوں کی چٹک
ایسا اسلوب کہ ہر بول میں ایمائے غزل

ڈاکٹر سید عبداللہ کے الفاظ میں:

''تغزل دراصل بیان کی اس دل آسا، خیال انگیز اور دردمندانہ کیفیت کا نام ہے جو جذبات، درد و شوق کے امتزاج سے پیدا ہوتی ہے۔ الفاظ و جذبات کی اس دھیمی موسیقی کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی لطافت کو کسی قسم کا ثقل اور کسی نوع کی رکاکت گوارا نہیں، سخت و کرخت الفاظ، شدید جذبات کے جھٹکے، تند و تیز موسیقی، بوجھل فکریت اور گراں بار حکمت بھی روحِ تغزل کے خلاف ہے۔''

صدیق شاہد ایک خوش فکر غزل گو کے روپ میں ابھرے تھے اور اب ان کی غزل باوضو ہو کر نعت کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ غزل گداز فکر سے ابھرتی ہے۔ اس کا ہر شعر آہ بن کر اٹھتا، آنسو بن کر گرتا اور تیر بن کر دل میں ترازو ہو جاتا ہے۔ یہ ایک ادبی صداقت ہے کہ پست خیالی نے غزل کو رسوائی جبکہ بلند خیالی نے رعنائی دی۔ قابلِ تحسین امر یہ ہے کہ صدیق شاہد اس کوچۂ مجاز میں بھی وقار و اعتبار کی علامت بنے رہے۔ ان کی غزل گوئی کے بارے میں احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں کہ

''صدیق شاہد کے کلام کا مطالعہ کرتے ہوئے کئی مقامات پر مجھے یوں محسوس ہوا ہے جیسے کوندا لپکا ہے جب کسی شاعر کے ہاں اس طرح کا ایک شعر بھی دستیاب ہو جائے جو دل و دماغ میں چکا چوند مچا دے تو یہ بڑی بات ہے اور صدیق شاہد کے ہاں تو قاری کو متعدد مقامات پر اس طرح کی جگمگاہٹوں کا تجربہ حاصل ہوگا۔''

ان کے نعتیہ تغزل کا جائزہ لینے سے قبل ان کے سوزِ دروں اور رنگینیٔ حسنِ بیان کی ایک جھلک ان کی غزل کے آئینے میں دیکھیے ؎

شوق سے پالے کئی میں نے تمنا کے طیور
سیکھتا جاتا ہوں اب ان کو رہا بھی کرنا

☆

رخ پہ کرنوں کو سجائے ہوئے سورج نکلا
اب کسے یاد ہے وہ شب کی مصیبت کیا تھی
پھول کی دلکشی و حسن پہ مرنے والے
شاخ سے پوچھ کہ تخلیق کی زحمت کیا تھی

☆

کل کے سورج کو کہاں ڈھونڈ رہے ہو لوگو!
کل کا سورج تو لہو بن کر افق میں ڈوبا

☆

غیرتِ عشق کو نہیں منظور
تیرا شکوہ کریں زمانے سے

☆

کان میں گونج اٹھی شہنائی
پھر ترا نام سنا ہو جیسے

☆

خلوص و مہر و مروت سے توڑ کر ناتا
بشر نے دل میں بسا لیں کدورتیں کیا کیا

☆

سو زبانیں جو منہ میں رکھتا ہے
آج اس کا ہی بول بالا ہے

اوراب ایک مسلسل غزل ۔

خوب ہے سلسلۂ لطف و عطا رہنے دے
اور کچھ دیر درِ فیض کو وا رہنے دے
اتنا اونچا بھی نہ دیوارِ عداوت کو اٹھا
پیار کا کوئی دریچہ تو کھلا رہنے دے
میں بھی پلکوں پہ سجاتا ہوں لہو کی بوندیں
تو بھی ہاتھوں پہ سجا رنگِ حنا رہنے دے
ساتھ چلنا ہے تو پھر خود کو بدلنا ہوگا
ورنہ ترغیب کی زحمت نہ اٹھا، رہنے دے
ہر شبِ غم کے تعاقب میں سحر ہے شاہدؔ
بیم و امید کا یہ کھیل بنا رہنے دے

اورتصور کیجیے کہ یہی شاعر جب نعت کی ان فضاؤں میں غزل سرا ہوگا ـــــ جہاں لطف وعطا کے سلسلے پھلتے، پھولتے اور پھیلتے ہی چلے جاتے ہیں۔ جہاں فیض کے ایوان ہرلحظہ کھلے ہیں، جہاں محبت کے دریچے کبھی بند نہیں ہوتے، جہاں نہ شبِ غم کی ظلمتیں ہیں نہ غمِ دوراں کی کلفتیں، بلکہ وہاں تو خود زمانے کی گردشوں کو سکون، ٹھہراؤ اور طمانیت کی ایک دنیا ملتی ہے ـــــ تو پھر جذب وکیف اور اظہار وبیان کا عالم کیا ہوگا؟ انہی کا شعر ہے ۔

وسعت یک دو قدم ہے یہ زیاں گاہِ مجاز
ایک بے پایاں سمندر میں اترنا چاہوں

عہدِ حاضر کے صاحب دل اور صاحب نظر نعت گو، جناب حفیظ تائبؔ، ان کی نعت سرائی کو یوں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں کہ

''غزل گوئی کی بھرپور مشق کے زیر اثر، صدیق شاہد نے نعت میں متغزلانہ اسلوب اپنایا مگر اس انداز کو انہوں نے کچھ ایسا شائستہ، پاکیزہ اور ادب آشنا کر لیا جس کا اعلیٰ درجے کی شاعری تقاضا کرتی ہے۔ تعلقِ خاطر کے اظہار کے ساتھ شوقِ زیارت اور حسرتِ حضوری کے بیان میں تغزل عجب بہار دکھاتا ہے لیکن ان کا کمالِ فن یہ ہے کہ مضامین سیرت کو بھی انہوں نے نرم ونازک لب ولہجہ میں لکھا ہے۔ یوں قادرالکلامی کے ساتھ عمدہ فنی وفکری جمالیات ان کی نعت کی شناخت بنتی نظر آتی ہے۔''

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی عظمتوں، فکری رفعتوں اور روحانی نزہتوں سے انکار، حیات وکائنات کی ابدی صداقتوں کا انکار ہے۔ اسی باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت، بلاتمیز مذہب وملت ہر دور اور ہر زبان کا افتخار رہی ہے۔ ہم مسلمانوں کا تعلق چونکہ ان سے دینی اور دلی ہے اور ان ﷺ کے حضور میں درود وسلام کے نذرانے پیش کرنا ہمارے لیے الوہی حکم بھی ہے اور اخلاقی فرض ہونے کے ساتھ ساتھ ایک قلبی تقاضا بھی۔ اس لیے درود وسلام کی پرخلوص کثرت خود بتاتی

ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارا کتنا روحانی تعلق ہے۔نعت بھی چونکہ درود وسلام ہی کی ایک نغماتی شکل ہے اس لیے لازم ہے کہ اس کا تعلق ذہن سے زیادہ دل سے ہو اور یہ بھی ضروری ہے کہ فرطِ عقیدت کے باوجود دل کے بے پایاں جذبات شرعی حدود کے اندر سمٹے رہیں کہ افراط وتفریط سے اعمال کے گلاب، مٹی ہو جاتے ہیں کیونکہ ہر بات کا حسن اعتدال میں پوشیدہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ قدیم اساتذہ اور نامور صوفیاء شعری صلاحیتوں سے بہرہ ور ہونے کے باوجود نعت کہنے کا حوصلہ نہیں کرتے تھے، گو اس سلسلے میں توفیق بھی اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے عطا ہوتی ہے، آج ہر قلم نعت کہنے کی تمنا کر رہا ہے تو کہیں ضروری ہو جاتا ہے کہ حزم واحتیاط کے تقاضوں کو قلم قلم اور لفظ لفظ پیشِ نظر رکھا جائے کہ ہم فنی اعتبار سے قدیم اساتذۂ سخن کے ہم پلہ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے اور صوفیائے کرام کی قلبی پاکیزگیوں کا تصور بھی ہمارے لیے محال ہے۔

صدیق شاہد کے نعتیہ کلام کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ نعت گوئی کے یہ کڑے تقاضے ان کے پیشِ نظر ہیں۔ان کے ہاں شوق کے والہانہ پن اور ذہن کی جودت وجدت کا ایک متوازن امتزاج ہے۔گویا محبت وارادت کی سرمستیاں، حواس وہوش کا دامن تھام کر رواں دواں ہیں، ان کے اشعار کی غالب اکثریت دلی محبتوں کی عکاس ہونے کے ساتھ ساتھ شرعی اعتبار سے معتدل اور شعری لحاظ سے معتبر ہے اور اسی اعتدال واعتبار نے اسے قلبی اہتزاز اور روحانی کیف کا باعث بنا دیا ہے۔چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

صرف تقلیدِ محمد ﷺ میں ہے انساں کا فروغ
لوگ سمجھتے ہی نہیں نکتہ یہ دانائی کا

☆

علی الصباح اجالے کی بھیک لینے کو
ہر اک کرن تری ﷺ دہلیز پر اترتی ہے

☆

دل شکستہ دیارِ حبیب ﷺ کی جانب
گرہ میں اشکِ ندامت لیے روانہ ہوا

☆

سلیقہ نعت کو درکار پاکیزہ سخن کا ہے
یہ نازک کام ہے اور امتحاں شاعر کے فن کا ہے

☆

امت ہیں پیمبر ﷺ کی، کیا خوف ہمیں تجھ سے
ہیں گرچہ تری زد میں اے دورِ فتن ہم بھی

☆

مانا کہ نارسائی نے روکے رکھا مجھے
پر شوقِ دید ہاتھ سے جانے نہیں دیا

☆

آپ ﷺ کے دم سے ہستی دمکنے لگی
سارے عالم کی روحِ رواں آپ ﷺ ہیں

☆

ہے قصدِ نعت پیمبر ﷺ، میں باوضو ہو لوں
کہ پہلی شرط طہارت ہے اس بیاں کے لیے
وفورِ شوق نے گویائی چھین لی مجھ سے
میں تارے توڑ کے لاتا اس آسماں کے لیے

☆

کہیے قلم سے جھک کے درود آپ ﷺ پر لکھے
یہ شکر کا محل ہے، یہ رحمت کی بات ہے

☆

ہم خاک نشینوں کے مقدر میں یہی ہے
تکتے رہیں روضے کو تصور کی نگہ سے

☆

روضۂ پاک فقط ایک نظر دیکھا تھا
شوقِ مضطر نے دگرگوں مری حالت کر دی

☆

اے کاش جانتے وہ نبی ﷺ کی فروتنی
جواڑ رہے ہیں کبر کی مہلک ہواؤں میں
لازم ہے اتباع کو کامل سپردگی
ترمیم کچھ تو کیجیے اپنی اداؤں میں

☆

ان ﷺ کی تعلیم کہ تھی خیر، جب اس کو چھوڑا
ہم تہی دست و زیاں کار بنے، خوار ہوئے

☆

رہ نوردِ شوق کو جب حوصلہ مل جائے گا
درگہِ خیر الوریٰ ﷺ کا راستا مل جائے گا

راستے منزل بہ منزل ہی ہوا کرتے ہیں طے
سرورِ عالم ﷺ کے ملنے سے خدا مل جائے گا
رنجِ عالم تو ابھرنے ہی نہیں دیتا حضور ﷺ
کیا کبھی مجھ کو بھی اذنِ ارتقا مل جائے گا
ایسا پُر امید ہوں ان ﷺ کی عطائے عام سے
قطرہ مانگوں گا تو اک بحرِ عطا مل جائے گا
روشنی کی ہو طلب صادق تو کچھ مشکل نہیں
چاہنے والوں کو وہ نور الہدیٰ مل جائے گا

☆

دامانِ دو عالم میں بندھا گوہرِ صد رنگ
یا خاتمِ ہستی کا وہ ﷺ تابندہ نگیں ہے

☆

باز ہو بابِ کرم ان ﷺ کا تو میں سوچتا ہوں
یہ درودوں ہی کی ایک شکلِ پذیرائی ہے

☆

ہوتی ہے شب و روز جہاں نور کی بارش
وہ مرکزِ انوار مدینے کی زمیں ہے

☆

وہ تقدس کا افق ہیں اور میں غرقِ گناہ
لاکھ ان کا قرب چاہوں، فاصلہ رہ جائے گا
بھیجتے رہیے درود ان پر کہ ہے قوت القلوب
بعد مرنے کے بھی جس کا ذائقہ رہ جائے گا

☆

نعت رسول ﷺ ہاشمی جب بھی رقم کریں
عجز و نیاز و حسنِ عقیدت بہم کریں

اوراب ایک مسلسل نعت ۔

وہ راحتِ جاں ہے وہ تمنائے جہاں ہے
وہ سرور و سر تاجِ ہدایت نفساں ہے

رحمت کی پھواروں میں سدا بھیگا رہوں میں
آسودۂ الطاف مرا قریۂ جاں ہے
ہم سوختہ جاں روضے پہ کیا نذر کو لاتے
دریائے ندامت ہے کہ آنکھوں سے رواں ہے
اخلاق و فضائل کی بہت بحث ہو لیکن
مانے گا زمانہ کہ یہ معیار کہاں ہے
اک شکل عبادت کی اسے جانتے ہیں ہم
توصیفِ پیمبر ﷺ میں جو مصروف زباں ہے
یہ عشقِ محمد ﷺ کی حرارت ہے سراسر
شاہدؔ ترے سینے میں اگر قلبِ تپاں ہے

یہ ایک بے غبار صداقت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محبّ، خدا کا محبوب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدح خواں، اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ شخصیت ہے اور یہ وہ شرف ہے جس کے حصول کے لیے ہر آرزو قربان ہوسکتی ہے چونکہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نعت گو مقربِ الٰہی ہونے کا شرف پالیتا ہے اسی لیے نعت سنتے وقت، نعت گو منبر رسالت ﷺ پر بٹھایا جاتا تھا اور وہ شخصیت خود نیچے بیٹھ جاتی تھی جس کی آنکھ سے سورج ضیا لیتا، جس کے نطق سے غنچے پھول بنتے، جس کے اٹھنے سے ستارے زمین پر آجاتے اور جس کے بیٹھنے سے فرش، عرش ہو جاتا تھا اور محض یہی وجہ ہے کہ نعت کہنے والوں کے لیے روح القدس کی تائید مانگی جاتی تھی اور یہی سبب ہے کہ نعت کہنے والوں کو وہ ردائے پاک عطا ہوتی تھی جس کا ہر تار، صد ہا صداقتوں، بے خزاں بہاروں، لازوال سعادتوں اور بیش بہا نعمتوں کا امین تھا ـــــ اور صدیق شاہد خوش نصیب ہیں کہ انہیں عطا کرنے والے نے نعت گوئی کے شرف سے نوازا ہے اور قابلِ قدر ہیں کہ وہ دل کی بات کو برجستہ الفاظ میں بیان کرنے کا ڈھب جانتے ہیں ورنہ نعت گوئی ہر قلم کے بس کی بات نہیں ہے۔ میرے نزدیک نعت وہ ''نمازِ نیاز'' ہے جس کے لیے صدقِ دل، آبِ دیدہ اور خونِ جگر کی ضرورت ہے، جب تک دل کے خون سے کشید ہونے والے آنسوؤں سے وضو نہ کیا جائے، نعت میں کیف آ ہی نہیں سکتا، میں نے ''نمازِ نیاز'' کی ترکیب حافظؔ کے اس شعر سے مستعار لی ہے ۔

خوشا، نمازِ نیازِ کسی کہ از سرِ صدق
بہ آبِ دیدہ و خونِ جگر طہارت کرد

اور ایسی نعت گوئی، شاعر اور قاری دونوں کے لیے وجہِ سعادت ہوا کرتی ہے اور سوچتا ہوں کہ کسی سعادت آفریں لمحے میں صدیق شاہدؔ نے اپنے لیے مجموعۂ نعت کا نام ''باریابی'' رکھ کر اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ نعت کی فضا میں فیضان پہلے عطا ہوتا ہے اور قلم بعد میں اٹھتا ہے۔ وہاں نیتوں، آنسوؤں اور دھڑکنوں کا خلوص دیکھا جاتا ہے، کمیت سے کہیں زیادہ کیفیت مطلوب ہے۔ نتیجہ معلوم کہ ''باریابی'' پہلے ہو جاتی ہے اور کتاب کہیں بعد میں شائع ہوتی ہے۔

(۲۰۰۱ء)

☆

بسملؔ صابری کی ایک نعت

(تاثراتی جائزہ)

بسملؔ صابریؔ دورِ حاضر کی ایک معروف شاعرہ ہیں، وہ بنیادی طور پر غزل گو ہیں۔ روح کی کسی لرزش اور دل کی کسی دھڑکن نے ان کے اس شعر کی زندگی کو پائندگی عطا کر دی ہے کہ وہ ضرب المثل بن چکا ہے ؎

وہ عکس بن کے مری چشمِ تر میں رہتا ہے
عجیب شخص ہے پانی کے گھر میں رہتا ہے

جب کہ ان کے کلام میں جمالیاتی دلپذیری کے حامل اور بھی بہت سے اشعار ہیں کہ وہ سوزِ دروں کی آنچ سے لفظوں میں ڈھلے ہوئے ہیں ؎

دل مرا ٹوٹا تھا بسملؔ ہوگئی ہر شے اداس
یوں مری روداد، دنیا کی زباں تک آ گئی

سچی بات یہ ہے کہ غزل فکر و نظر کی وہ معراج ہے جہاں زندگی نوکِ مژہ پہ تلتی اور سمندر قطرے میں سمٹ جاتا ہے۔ سوچ میں سچائی اور اظہار میں رعنائی ہو تو لفظ لفظ لو دینے لگ جاتا ہے۔ فکر و خیال اور اظہار و بیان کی یہی وہ چاندنی ہے جس سے تغزل نکھرتا ہے۔ یاد رہے کہ تغزل صرف غزل کے رنگ و آہنگ کا نام نہیں بلکہ تاثر کی اس ایمائیت کا نام ہے جو تیرِ نیم کش بن کر دل میں تر از و ہو جاتی ہے۔ نثر ہو یا شعر، تغزل کا حسن ہی اسے دل آویز بناتا ہے ؎

وہ نغمہ خام ہے وہ مغنّی ہے نا تمام
جو سوزِ دل کو سازِ رگِ جاں نہ کر سکے

ایک غزل گو کو جب اللہ تعالیٰ نعت گوئی کی توفیق عطا کرتا ہے تو ادا کے تیور اور اظہار کے اسلوب اس کی نعت کو بھی تاثر کی ایک ایسی کیفیت بخش دیتے ہیں کہ اسے نہ اہلِ نظر، نظر انداز کر سکتے ہیں نہ تماشائی۔ ویسے بھی نعت کے لیے غزل کی ہیئت اس لیے موزوں ہے کہ غزل فکر کی ہر رفعت، نگاہ کے ہر رخ اور دل کی ہر دھڑکن کا ساتھ دے سکتی ہے مگر شاعر کے دل میں محبت کی جو شدت ہوتی ہے اس کی حدت کو کسی حد تک محسوس تو کیا جا سکتا ہے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ہم صرف یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک سچی بات کو کس انداز سے بیان کیا گیا ہے گویا کہی گئی بات سے ہم لطف تو لے سکتے ہیں مگر اس کی لطافت کو ناپ نہیں سکتے بالکل ویسے ہی جیسے صبا کے دوش پر سوار خوشبو کو محسوس تو کیا جا سکتا ہے، زنجیر نہیں کیا جا سکتا اور نعت، ایک ایسے وجودِ ذی جود کا شعری تذکرہ ہے جس کی ہم رکابی میں خود خوشبو فخر محسوس کیا کرتی تھی اور وہ ہر راہرو کو بتایا کرتی تھی کہ روح بہاراں کا گزر ادھر سے

ہوا ہے ۔

خوشبو بتا رہی ہے کہ وہ راستے میں ہیں
موجِ صبا کے ہاتھ میں ان کا سراغ ہے

یہ تمہید اس لیے قلم سے بے ساختہ نکل گئی کہ پیشِ نظر بسمل صابری کی ایک نعت ہے جو ان کے مجموعۂ کلام (پانی کا گھر) کے آغاز میں ہے، بحیثیتِ مجموعی دیکھا جائے تو اس نعت میں توصیفِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے کہ اس کے بغیر نعت کے آہنگ میں نکھار نہیں آتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے التفاتِ فراواں کا تذکرہ بھی ہے اور دل سے ابھرنے والی التجاؤں کا اظہار بھی کہ آرزو کے بغیر زندگی ایک لفظ ہے بے معنی اور ایک خاکہ ہے بے رنگ، کیونکہ آرزو کا سوز ہی قوسِ حیات کو حلقۂ کامل بناتا ہے اور تخلیقِ کائنات کا سارا عمل، رنگ و بو کے قافلوں (انبیائے کرامؑ) کا سارا تسلسل اور دنیائے آب و گل کا سارا حسن، اسی ذاتِ اقدس ﷺ کے گرد گھومتا ہے جو آرزوئے جاں بھی ہے اور جانِ آرزو بھی ۔

بزمِ الست، دارِ فنا، جلوہ گاہِ حشر
پہنچی ہے لے کے ان کے تمنا کہاں کہاں

زیرِ نظر نعت کے پہلے شعر میں اس حقیقت کو سمیٹا گیا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم وجہِ وجودِ کائنات ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازل انوار بھی ہیں اور ابد آثار بھی۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے جلوے صبحِ ازل کی ضو اور شامِ ابد کی لَو ہیں۔ پہلے انبیاء کی نبوت بھی محدود تھی اور ان کی رشد و ہدایت کا سلسلہ بھی مخصوص۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زمان و مکان کی جملہ وسعتوں کے لیے مبعوث کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم کی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ ہدایت پوری امتِ مسلمہ کو سونپ دیا گیا ۔

تجلیوں سے تری مستنیر و تابندہ
زمانِ ماضی و عصرِ روان و آئندہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم شاہد ہیں اپنی امت ہی کے لیے نہیں، دیگر انبیاء کے لیے بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنی اپنی قوم کو پیغامِ الٰہی پہنچا دیا تھا اور یہ گواہی اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے یقینی علم کی بنیاد پر ہوگی۔ بسمل صابری اس تفصیل کو کس درجہ سادگی سے بیان کر گئی ہیں ۔

تری صدائیں زمینوں میں آسمانوں میں
تو اک ذات ہے لیکن ہے سب جہانوں میں

یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لاتے تو پوری کائنات دھواں دھواں ہوتی۔ نہ عرفانِ ذات نصیب ہوتا نہ عرفانِ حق، الوہیت اور ربوبیت سے ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے آشنا کیا، اللہ تعالیٰ کے بعد عظمت و رفعت کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا مقام ہے ۔

یہی ہے فلسفۂ انّما اَنا بشرٌ
خدا کے بعد سبھی کچھ کہو خدا نہ کہو

شاعرہ نے اس نعت کے دوسرے بند میں، نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ''انتہائی مہربان'' کا تصور پیش کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہربانی کل بھی امت کے لیے وقف تھی، آج بھی وقف ہے اور مستقبل میں بھی وقف رہے گی، اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم ہیں اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمتِ عالم، قرآن پاک نے انہیں مومنوں کے لیے رؤف ورحیم قرار دیا ہے۔ حرص کی حد تک، عربی میں لفظ ''حرص'' میں آرزو کی شدت پائی جاتی ہے، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری دنیاوی عافیت اور اخروی سرخروئی کے لیے انتہائی تڑپ رکھتے ہیں۔ نعت کا مذکورہ بند یوں ہے ؎

ترا وجود ہی بنیاد ہے خدائی کی
خدا کے بعد میں قائل تری بڑائی کی
نہیں ہے تجھ سا کوئی میرے مہربانوں میں

اسلوب وادا کے اسی تیور کو ''سہلِ ممتنع'' کہتے ہیں کہ پڑھ کر خیال کیا جائے کہ ایسا کہنا تو بہت آسان ہے کہنے پہ آئیں تو معجز بیان، عاجز آجائیں۔ شاعرِ مشرقؒ نے ایک مقام پر کہا تھا ؎

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ ﷺ اُو را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ ﷺ است

گویا، جہاں جہاں روشنی ہے وہ فیضِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جہاں جہاں تاریکی ہے وہ اجالے کے لیے مدینے کی طرف لپک رہی ہے۔ بسمل صابری، اس نعت میں انوارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرد وپیش ہی کو نہیں، قلب ونظر کو بھی اجالے عطا کیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے تاریکیاں یوں ''نفرو'' ہوگئیں جس طرح سورج کی اولین کرن، رات کی ساری ظلمتوں کو نگل جاتی ہے کہ ظلمت فی الواقع بے وجود ہوتی ہے اور وہ نام ہے روشنی کے نہ ہونے کا

تری نگاہ سے تاریکیوں میں راہ بنے
فقیر تیرے کرم سے جہاں پناہ بنے
تری حرارتیں، روحوں کے سرد خانوں میں

اس بند میں اس صداقت کا اظہار بھی ہے کہ اس ایک در کی غلامی کے لیے، تاج وتخت حقارت کے پاؤں کی ٹھوکروں میں رہے ہیں اور روحانی سوز وگداز، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا فیض ہے۔ فانیؔ کہاں یاد آگئے، کہتے ہیں ؎

اس نورِ مجسم کے افسانے کو کیا کہیے
ہے شمع بھی پروانہ، پروانے کو کیا کہیے

پانچواں بند یوں ہے ؎

بڑے ہی پیار، بڑے التفات سے نکلی
تری مہک، مرے صحرائے ذات سے نکلی
میں ڈھونڈتی تھی بہاروں میں، گلستانوں میں

مجھے انتہائی مسرت ہے کہ شاعرہ نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پیار اور التفات ایسے خوبصورت الفاظ استعمال کیے ہیں اور ان کی نعت ''عشق'' ایسے بازاری لفظ کے استعمال سے بچ گئی ہے۔ ''عشق'' کا لفظ نہ قرآن پاک میں ہے نہ احادیث کے ذخیرے میں، اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''حب'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ محبت میں پاکیزگی اور تقدس ہے جبکہ ''عشق'' ایک ایسا مرض ہے جو ہوس کے گرد گھومتا ہے۔ شاعرہ اس بند میں نبیِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے الطاف و التفات کا ذکر کر رہی ہیں اور ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی بیان کر رہی ہیں کہ زندگی کے تپتے ہوئے صحراؤں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے گل و گلزار کھلائے، مولانا جامیؒ نے کہا تھا۔

السلام اے تازہ تر گلبرگِ صحرائے وجود
السلام اے قیمتی تر گوہرِ دریائے جُود

بسمل صابریؔ اس نعت میں، اسلاف کی تابندہ روایات کو نظم کرنے کی توفیق بھی طلب کر رہی ہیں کہ تاریخ ہماری گزشتہ عظمت کی دلچسپ داستان ہے، یہ ہمارے کمالِ شوکتِ اسلاف کا پرشکوہ تذکرہ ہے اور اس کے مطالعہ کا مقصود یہی ہے کہ گرے ہوئے دل و دماغ ہمیشہ کے لیے گرے ہوئے نہ رہیں بلکہ ابھریں، بلند ہوں اور یہاں تک بلند ہو جائیں کہ عزت کی سب سے اونچی سطح پر پہنچ جائیں۔

تاریخ عقدہ ہائے سلف کی کلید ہے
رشتہ یہی میان قریب و بعید ہے

اس نعت میں ایک ایسی آرزو کا ذکر بھی ہے جو انتہائی دل آویز اور نادر ہے۔

مجھے بھی رابعہ بصریؒ کی زندگی مل جائے
سیاہ بخت ہوں میں، مجھ کو روشنی مل جائے
کمی نہیں، مرے آقا، ترے خزانوں میں

اللہ تعالیٰ معطی ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم قاسم، کسی نعت گو کا شعر ہے۔

وہ قاسمِ نعمت ہیں جو مانگوں گا ملے گا
ہوتے ہیں خزانے یہیں تقسیم خدا کے

بسمل صابریؔ بھی حضرت رابعہ بصریؒ (۷۱۴ء ـــــ ۸۰۱ء) کے نقوش پا سے چاندنی سمیٹنے کی تمنا کر رہی ہیں۔ اپنے دور کی وہ عارفہ جو زہد و اتقا، میں اپنی مثال آپ تھیں، جن کی دعائیں مستجاب اور تعلیمات موثر تھیں، حضرت مالک بن دینارؒ، سفیان ثوریؒ اور شفیق بلخیؒ ایسی شخصیات جن کی محفل میں حاضری کو اپنے لیے شرف سمجھتی تھیں، جن سے بے شمار کرامات ظہور میں آئیں جو رات کے سناٹوں میں، اپنے مکان کی چھت پر بیٹھ کر، درج ذیل دعا مانگا کرتی تھیں۔

''اے میرے مالک! ستارے چمک رہے ہیں اور آدمیوں کی آنکھیں نیند میں بند ہیں اور ہر کوئی اپنی خلوت میں ہے اور میں ہوں کہ یہاں اکیلی ہوں تیرے ساتھ۔ اے میرے مالک اگر میں دوزخ کے خوف سے تیری عبادت کرتی ہوں تو، تُو مجھے دوزخ میں جھونک دے اور اگر میں جنت کی توقع میں تیری عبادت کرتی ہوں تو مجھے جنت سے محروم کر دے لیکن اگر میں محض تیری ہی خاطر تیری عبادت کرتی ہوں تو مجھ سے اپنے لازوال حسن کو پوشیدہ نہ رکھ۔''

آخری بند میں نبیؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض کا اعتراف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ پاک نے فکر کو یوں رعنائی اور الفاظ کو یوں زیبائی عطا کی ہے کہ ہر لفظ آئینے کی طرح درخشاں ہے اور ہر مصرع جنتِ نگاہ اور فردوسِ گوش ہے یہاں تک کہ اشعار کی زمین، آسمان سے آئی معلوم ہوتی ہے، حق یہ ہے کہ ـــــ زبانوں میں تاثیر ہے تو اسی نام صلی اللہ علیہ وسلم سے، قلم میں ولولہ ہے تو اسی ذکر سے، اظہار میں بانکپن ہے تو اسی خیال سے، دل میں سرور ہے تو اسی تصور سے، دماغ میں حسن ہے تو اسی جمال سے، آنکھوں میں نور ہے تو اسی ظہور سے ـــــ

مثالِ آئینہ لفظوں کے سنگ ہیں بسمل
مرے کلام میں جنت کے رنگ ہیں بسمل
مری زمین ہے پوشیدہ، آسمانوں میں

(۲۰۱۱ء)

☆

غلام رسول عدیمؔ کی نعت گوئی

نعت گوئی کے اس بھرپور دور اور اظہار و ابلاغ کے اس دل کش عہد میں، ایک ایسے نعت گو کا ذکر مقصود ہے، جو نمود و ستائش اور ردّ و قبول سے بے نیاز، اپنے ہی بوریائے فقر پر قانع اور اپنی ہی آگ میں جل کر کیمیا ہو رہا ہے۔ جس کی زندگی محنت کے اس خلوص کے گرد گھومتی ہے، جس پر بسا اوقات عظمتیں بھی ناز کرتی ہیں۔ اس کا خاندان بھی علمی نہیں ہے اور نہ اس کے پاس شعر و ادب کی کوئی نسبی روایت ہے، بلکہ اس نے اپنے گرد و پیش کو اپنے ہی خونِ جگر سے سنوارا اور نکھارا ہے۔ فطرت اسی طرح تاریکیوں میں موتیوں کی پرورش کرتی ہے.... اور اسی طرح بہت سے پھول صحراؤں میں تاب و تب دکھا کر مرجھا جاتے ہیں.... میری مراد پروفیسر غلام رسول عدیمؔ (شعبۂ اردو گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ) سے ہے جنہیں فطرت نے دینی شعور، ادبی ذوق، شعری عظمت اور تحقیقی جذبہ عطا کیا ہے اور یہ بھی اللہ ہی کا فضل ہے کہ انہیں ان فطری نوازشوں کا احساس ہے اور وہ تحدیثِ نعمت کے طور پر ان ودیعتوں کو محنت شاقہ اور شوقِ مطالعہ سے سنوارتے رہتے ہیں۔ اس موقع پر مقصود ان کی نعت گوئی کا اجمالی کا ذکر ہے۔ اتفاقاً راقم کی نظر سے ان کی نعتیہ بیاض گزری اور اس کا سرسری مطالعہ ان سطور کا محرک بنا۔ اس تحریر کا علم خود صاحبِ بیاض کو بھی نہیں ہے اور ممکن ہے، اس کی اشاعت مزاج یار کی برہمی کا باعث بن جائے، کیونکہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں، جن کی بے نیازی اعترافِ حقیقت کو بھی تملق کا رنگ دے کر ٹھکرا دیتی اور پھر گوشۂ عزلت کی شہنشہی میں مگن ہو جاتی ہے:

کتنے ہی پھول فرد تھے خوشبو میں، رنگ میں
بلبل کی آنکھ یا کفِ گل رخ نہ پا سکے
کتنے ہی دل سلگتے رہے سوزِ عشق میں
جاں سے گئے، نہ دل کی لگی کو بتا سکے

مولا کریم کا احسان ہے کہ آج نعت گوئی رجعت پسندی نہیں رہی، بلکہ فخر اور شناخت ہو گئی ہے۔ ایک ایسی قوم کی، جو دیندار بھی ہے اور زندہ بھی۔ جو اپنی کھوئی ہوئی عظمتوں کو پانے کے لیے بے چین اور اپنی تاریخ دہرانے کے لیے بے قرار ہے، جو ماضی کے تابناک حوالے سے حال کی تعمیر اور مستقبل کا وقار چاہتی ہے... جس قوم میں آرزو کی یہ خلش پیدا ہو جائے، وہ مٹا نہیں کرتی اور نہ کوئی اسے مٹا سکتا ہے۔ شوق و ذوق کی جس دنیا میں ہم ہیں، وہاں گلشن نما قفس اور گلپوش دام، موجِ رنگ بن کر بھی، اڑانوں کو اسیر نہیں کر سکتے اور تیرگی ہمدوشِ ثریا ہو کر بھی نظر کو فریب نہیں دے سکتی۔ وقتی طور پر سوچ کا آفتاب گہنا بھی جاتا ہے اور ذہن کا تابندہ رخ بادلوں کی اوٹ میں بھی آ جاتا ہے۔ مگر گہن کا کام چھٹنا اور ابر کا کام

کھلنا ہے۔ جب کہ چمکنا آفتاب و ماہتاب کی فطرت ہے۔ ماضی میں بوجوہ یہ ملی شناخت مدھم ہوگئی تھی مگر آج ایک بار پھر تاباں اور بفضلہٖ اب تاریکیوں کی کوئی سی یورش بھی ان اجالوں کا سامنا کرنے کی جسارت نہیں کرسکتی....دورِ حاضر کی نعت گوئی اسی شناخت کا مترنم اظہار اور اسی نور کا دلکش اعتراف ہے اور یہ بھی اسی ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض ہے، جس کی بارگاہِ بندہ نواز سے مغلوبِ گماں انسانوں کو خودی کا احساس، بھٹکے ہوئے آہوؤں کا منزل کا سکوں، افسردہ جبینوں کو سجدوں کا نور، بے کیف دلوں کو عشق کا سوز اور ذہن کی پریشاں خیالیوں اور قلم کی بے رنگ لکنتو کو یقین و محبت کا سرمایہ ملتا ہے:۔

شمعِ نظر، خیال کے انجم، جگر کے داغ
جتنے چراغ ہیں تری محفل سے آئے ہیں

اب آیئے کچھ لمحے اس گوشہ نشیں اور غیر معروف شاعر کی محرابِ نعت میں گزاریں کہ شاید یہی لمحے ہمارے لیے توشۂ آخرت بن جائیں کہ:۔

زندگانی کا خلاصہ ہے وہ اک لمحۂ شوق
جو تری یاد میں اے جانِ جہاں ﷺ گزرا ہے

پروفیسر موصوف کے نعتیہ کلام کا یہ مختصر انتخاب کسی عمیق مطالعہ کا نتیجہ نہیں۔

جھکتے ہیں جہاں جن و ملائک یہ وہ در ہے
رہتے ہیں جہاں مرسلِ اعظم ﷺ یہ وہ گھر ہے
لایا ہوں پئے نذر، مرے محسنِ اعظم
اس جامِ عقیدت میں مرا خونِ جگر ہے
اس گنبدِ افلاک میں تاروں کی یہ کثرت
اے راہیٔ معراج تری گردِ سفر ہے
اب تک ہے مدینے کی ہوا عطر بداماں
اس پاک فضا میں تری سانسوں کا اثر ہے
ہو مجھ کو عطا، آہِ سحر گاہی کی لذت
شایانِ دل غمزدہ، اب آہِ سحر ہے
اب آنکھ میں آنسو بھی نہیں، اے شہِ عالم ﷺ
یوں رویا ہوں اب تارِ نظر، بارِ نظر ہے

☆

تجھ پہ اے سرورِ دیں، ہاشمی و مطلبی
کم ہے جتنا بھی کرے ناز علو النسبی

تو نے ایماں کی جبیں کو وہ دیا ذوقِ سجود
جس کی ہر لغزشِ مستانہ میں تھی در طلبی
مئے توحید کے نشے میں جو سرشار ہوئے
آن کی آن میں بھولے وہ شرابِ عنبی
ساربانوں کو جہاں بان بنایا جس نے
باعثِ عظمتِ انسان ہے وہ نبیوں کا نبی ﷺ
تیری توصیف میں الفاظ کہاں تک چنیے
حرفِ ہر لفظ پہ ہے وسوسۂ بے ادبی

☆

یتیمِ مکہ، جہاں بھر کا بادشاہ بنا
مہاجرِ رہِ یثرب، جہاں پناہ بنا
چمک کچھ ایسی ملی رہ گزار بطحا کو
ہر ایک ذرہ چمک کر مثالِ ماہ بنا
تری عطا جو چلی ڈھونڈنے گداؤں کو
ہر اک گدائے تہی دست کج کلاہ بنا
مقدمہ جو ہوا پیشِ داورِ محشر
درودِ احمدِ مرسل ﷺ، مرا گواہ بنا
جو ذکرِ خواجۂ طیبہ میں رات کھویا رہا
دلِ عدیمؔ محبت کی جلوہ گاہ بنا

☆

شوق کی منزلیں اور جنوں کے قدم
ایک وابستگی اور لاکھوں ستم
میں حضورِ شہ ﷺ دوسرا یوں رہا
جیسے کوئی گدا پیشِ اہل نعم
میری سو لغزشیں، التفات اک ترا
لاکھ عصیاں مرے، ایک ترا کرم
میری بے چارگی مانگتی ہے فقط
اک دلِ درد مند اور اک چشمِ نم

ایک دیرینہ خواہش کی تکمیل ہو
میرے لب چوم لیں بڑھ کے تیرے قدم
تیرے دربار سے میری وابستگی
رنگ لائے گی اک دن خدا کی قسم
میری نامہ سیاہی پہ شب کا گماں
ہے دلیلِ نمودِ سحر، لا جرم
آ گئی میرے حصے میں نعتِ نبی ﷺ
روزِ اول نصیبہ ہوا جب رقم

☆

نبی ﷺ کی نعت میں جو لفظ کہہ دیا ہوگا
بروزِ حشر وہی میرا آسرا ہوگا
جب آفتابِ نبوت ہوا تھا جلوہ طراز
گھڑی وہ کیسی حسیں ہوگی، دن وہ کیا ہوگا
وہ کیسے لوگ تھے، جو روحِ عصر بن کے رہے
تری نگاہ نے کس کس کو چن لیا ہوگا
متاعِ عشقِ محمد ﷺ سے جو رہا محروم
سیاہ بخت نہ ہوگا تو پھر وہ کیا ہوگا

☆

خدا کے فضل کا ضامن ہے ان کا لطفِ عمیم
انہی کے لطف و کرم کا ثمر ہے قلبِ سلیم
خدا کے بعد ہے بے مثل، ذاتِ پاکِ حضور ﷺ
نہ کوئی ثانیٔ عظمت، نہ مرتبے میں سہیم
طفیلِ حلقہ بگوشی، جہاں پناہ بنے
متاعِ فقر تھی جن کی قلندرانہ گلیم
کسی کے لطف و کرم کا کرشمۂ ادنیٰ
تصوراتِ فلاطوں، تجلیاتِ کلیمؑ

☆

ہو شاخچۂ نخلِ تمنا مرا شاداب
اک جوئے کرم، باغِ محبت میں جو آجائے
جس نکتے کو قارونِ لغت پا نہیں سکتے
اک امی ﷺ لقب سے یہ کہو کوئی، بتا جائے
رکھا ہے نہاں خانۂ دل اس لیے خالی
گزرے جو ترا خیال، تو شاید یہیں آجائے
ہے میری تمنا کہ میں اس شہر کو دیکھوں
ڈرتا ہوں کہ پہلے ہی مجھے موت نہ آجائے

☆

مائل لطف ہیں وہ کوئی گدا ہو تو سہی
ابرِ رحمت امڈ آئے گا، دعا ہو تو سہی
بزمِ طیبہ کا یہ دستور نرالا دیکھا
خود سکھا لیتے ہیں آہنگ، نوا ہو تو سہی
پَرِ جبریل کا اندازِ پریدن، ممکن
نوکِ خامہ پہ محمد ﷺ کی ثنا ہو تو سہی
بدرقہ آج بھی مائل بہ حدی خوانی ہے
کارواں پیروِ آوازِ درا ہو تو سہی
کل قیامت کو میں لپٹوں گا ترے دامن سے
شافعِ روزِ جزا، حشر بپا ہو تو سہی

☆

یہ نغمہ کسی ساز کا پابند نہیں ہے
بے سود ہیں مردنگ و مزا میرو دف و نے
جب شوقِ نبی ﷺ جادہ نمائی کو نہ آیا
دو گام بھی مجھ سے تو کبھی ہو نہ سکے طے
آقا ﷺ جہاں تیری ہی رحمت کی نظر سے
صد رومی و رازی میں بہر روم و بہر رے
آقا ﷺ کی گدائی میں ہے کچھ لطف نرالا
اب مجھ کو نہیں خواہش اورنگِ جم و کے

اے راہ روِ راہِ تمنائے مدینہ
اس راہ میں ہے ولولۂ شوق بڑی شے

☆

ایقان مصطفیٰ ﷺ، مرا ایمان مصطفیٰ ﷺ
محشر کی سختیوں میں مری آن مصطفیٰ ﷺ
میرے نبی ﷺ، عطیۂ فطرت، زمین پر
قدرت کا کائنات پہ احسان مصطفیٰ ﷺ
دعویٰ خدا کا ہے کہ میں ربِ قدیر ہوں
اس کے ثبوت کے لیے، برہان مصطفیٰ ﷺ
عرفانِ ذات ان ﷺ کی تجلی کا فیض ہے
ہیں معرفت کے نور کی پہچان مصطفیٰ ﷺ
شانیں ہیں ان گنت مرے پروردگار کی
لیکن ہیں ان میں سب سے بڑی شان مصطفیٰ ﷺ

☆

خالق نے کس ہنر سے بنایا ہے وہ ﷺ بدن
تصویرِ قدس، اس پہ قیامت کا بانکپن
مالی نے جس کے واسطے تزئینِ باغ کی
تو ہی وہ ایک پھول ہے اے غایتِ چمن
پھیلی جہاں میں نور کا دریا لیے ہوئے
اس مہرِ نیمروز کے چہرے کی ہر کرن
کل بھی ہر ایک بات تھی ان کی دلیلِ حق
معیارِ صدق آج بھی ہے ان کا ہر سخن
پھر دلنواز ادا کی ضرورت ہے بزم کو
اے روحِ بزمِ دہر، اے فانوسِ انجمن

☆

اک مرکزِ نگاہ کو سو بار دیکھنا
اک آستاں کو مطلعِ انوار دیکھنا

دربارِ ﷺ میں اذنِ حضوری اگر ملے
ملحوظ ہوں مراتبِ دربار، دیکھنا
ہے شرحِ درد سوئے ادب ان ﷺ کے سامنے
وا ہو مبادا پھر لبِ اظہار، دیکھنا
اس شہرِ آرزو کی ہر اک شے ہے دیدنی
ہر خارِ رہ کو غیرتِ گلزار دیکھنا
پہنچوں اگر حضورِ رسالت مآب ﷺ میں
پھر میری دید، دیدۂ سرشار دیکھنا
نادم ہوں، کس زبان سے کیا کہہ رہا ہوں میں
گفتار دیکھنا، مرا کردار دیکھنا

☆

جب مرحمت ہوا مجھے خامہ عناتاً
موضوعِ نعت چن لیا میں نے بداہتاً
تعبیر جن کی ہو سفرِ جادۂ حجاز
اے کاش آئیں خواب، سہانے بشارتاً
کافور ہوگی نامہ سیاہی مری ضرور
گو ایک بار ہی وہاں پہنچوں زیارتاً
اے سر زمینِ وادیٔ بطحا کے ساکنو!
اس رو سیاہ کو نہ یوں دیکھو اہانتاً
مطلوبِ حق ہے پیرویٔ جادۂ رسول ﷺ
قرآن سے یہ بات لی میں نے ولالتاً
ہر گامِ زندگی پہ ہوں سرکا ﷺ ہی حکم
منصوص، محکمات سے ہے یہ صراحتاً
وہ یارِ غار و افضلِ اصحاب ہوگئے
آقا ﷺ نے جن کو لے لیا ہمرہ رفاقتاً
میں روز و شب بصیرتاً جس کا در کا ہوں غلام
حسرت یہ ہے کہ دیکھ لوں اس کو بصارتاً
تیرے عدیمؔ کی ہو یہ معراجِ زندگی
دیدار خواب میں جو ہو اس کا شباہتاً

پروفیسر موصوف کے اس غیر مطبوعہ نعتیہ کلام پر ایک نظر ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ انہیں اظہار پر قدرت حاصل ہے اور لفظ بڑھ بڑھ کر مطالب کے قدم لے رہے ہیں، جبکہ آج کا شاعر کم سے کم محنت کر کے زیادہ سے زیادہ شہرت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسی کا نتیجہ آئے دن کی رخ نمائیاں اور ستائش باہمی کی خود فریبیاں ہیں۔ ادبی تن آسانوں نے پہلے ''بلینک ورس'' میں پناہ لی۔ خالی دماغ، وہاں بھی نہ چل سکے، کیونکہ وہاں قدرے فکر و تدبر ضروری تھا اس لیے ''نثری نظم'' کو رواج دیا گیا تا کہ ہینگ اور پھٹکری کے بغیر رنگ نکھرتا چلا جائے جب کہ پابند شعری کوششیں ایک ستھرے اور نکھرے ذہنی ریاض کی طلبگار رہوتی ہیں۔ یہاں تو اعراب کی ہلکی سی لغزش بھی واضح نظر آتی ہے۔ کیونکہ عروض و اوزان ''موزونیت کی میزان میں الفاظ کو تولنے کا نام ہے اور نقطۂ تعدیل کو پانے کے لیے صدہا نازک سے نازک اور گراں سے گراں اوزان سے کام لیا جاتا ہے۔ یہ اوزان شاعری نے موسیقی سے مستعار لیے ہیں۔'' خیال وہبی چیز ہے اور زبان و بیان اکتسابی۔ خیال کی دنیا میں چراغ سے چراغ روشن ہو جاتا ہے مگر عروض و اوزان تو چول سے چول بٹھانے کا فن ہے، جس کے لیے نالۂ شب گیر، صبحِ بلا خیز اور آہِ شرر ریز کی کثرت کے ساتھ ساتھ فنی مشق و ممارست بھی ضروری ہے۔ اس دھواں دھار، تیز رفتار اور مشینی زندگی میں، دنوں کی یہ تپش اور راتوں کا یہ گداز کسے میسر ہے، میسر ہو تو فرصت نہیں ــــــ یہ تو ''اظہارِ بے ابلاغ'' کا دور ہے جس میں ہر بوالہوس، حسن پرستی کا تمغا لٹکائے پھرتا ہے، ورنہ شاعری تو وہ وادی ہے جہاں ایک مصرعِ تر کے لیے سیروں لہو خشک ہوتا ہے۔ خونِ جگر کی اسی رعنائی سے تاثر عبارت ہے۔ آج بھی وہی شعر دل میں اترتا ہے جو عروض و اوزان کی موسیقیت کے سانچے میں ڈھلا ہوتا ہے۔ آزاد، معریٰ اور نثری نظم نہ تنہائی کی نعمت ہے۔ نہ نشاطِ روح، نہ فردوسِ گوش اور نہ جنت نگاہ..... مقامِ مسرت ہے کہ یہ گمنام شاعر تقطیع کے نشیب و فراز اور عروض کی اوگھٹ گھاٹی کا سرپٹ راہی بھی ہے اور افتاں و خیزاں بحروں کا شناور ہونے کے ساتھ ساتھ سنگلاخ زمینوں میں گلزار کھلانے کے فن سے بھی کماحقہٗ آشنا ہے۔

ان کے فکر کی صداقت، تحریر کا حسن بن کر نگاہ سے لپٹتی اور دل میں اتر جاتی ہے۔ یہ تاثر اور یہ رعنائی، گدازِ دل اور نشاطِ روح کے بغیر ناممکن ہے، کیونکہ جذبِ دروں نہ ہو تو حسنِ بیان کی رنگینی بھی، کیف پیدا نہیں کر سکتی۔ گداز و نشاط کی یہ دولت لَو اور لگن کے بغیر نہیں ملتی۔ غالبؔ نے کہا تھا:

تھی جو اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائیِ خیال کہاں

مگر نعت کی دنیا میں جس عظیم و جلیل شخصیت کا تصور پیشِ نظر ہوتا ہے۔ اس کا جمال و کمال، ہر زمانے کے لیے ہے۔ اس لیے اس کی صورت و سیرت کا بیان بھی جاودانی ہے اور زمانے کی کوئی سی گردش، وقت کی کوئی سی کروٹ اور حالات کی کوئی سی سنگینی بھی، نیاز و ناز اس کے تذکرے کو دھندلا نہیں سکتی۔

دنیا کی محفلوں کے دیئے سارے بجھ گئے
روشن جب اس کی بزم کی قندیل ہوگئی

گویا جاوداں ذات ﷺ کے جاوداں تذکرے نے غلام رسول عدیمؔ کے کلام کو آفاقیت اور جاذبیت عطا کر دی ہے۔ مندرجہ بالا نعتیہ اشعار محض رسمی قافیہ پیمائی نہیں، بلکہ ان میں قاری کو چونکا دینے والی صلاحیت موجود ہے۔ ادا کا یہی وہ

حسن، مواد کی یہی وہ جامعیت اور تاثر کا یہی وہ شرارہ ہے، جسے تغزل کہتے ہیں اور جب تغزل، گداز آشنا ہو جائے تو پھر اس کی کاٹ بے پناہ ہوتی ہے اور بسا اوقات وہ دل و نگاہ کو ایک ہی ادا میں رضامند کر جایا کرتا ہے۔

مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قلمی ذخیرہ، شاعر کے لیے ایک بہترین زادِ سفر ہے کیونکہ یہ اس ذاتِ گرامی ﷺ کا شعری تذکرہ ہے، جس کی رحمت للعالمینی ہمارے شبستانِ حیات کا واحد چراغ ہے۔ شعر تو پھر شعر ہے۔ اس ذات سے تو دل کی کوئی دھڑکن، نظر کی کوئی تمنا اور روح کی کوئی لرزش بھی مخفی نہیں، وہاں تو بے زباں آنسوؤں اور بے نام جذبوں کی بھی پذیرائی ہے:۔

وہی ہے سننے والا ان کہے الفاظ چاہت کے
وہی ہے ان لکھے حرفِ ارادت دیکھنے والا

دورِ حاضر، ستائش اور نمائش کا دور ہے۔ آج سیرتیں اوجھل اور رخ نمائیاں عام ہیں۔ تحسینِ باہمی اور گروہ بندی کی وجہ سے عظمتیں گوشہ گیر ہو کر رہ گئی ہیں۔ خوشامد روگ نہیں، چاہت بن گئی ہے۔ آج تعریف ہے، تو ناشناسانہ اور تنقید ہے تو معاندانہ، نقد و نظر کی یہ خیرہ مذاقی ادبی نشو و بلوغ کے لیے زہرِ ہلاہل سے کم نہیں۔ یہی وجہ ہے کو دروغ، فروغ بن گیا ہے اور سائے اخباروں میں چھپ کر معتبر ہوتے چلے جا رہے ہیں:۔

بارش کے کتنے قطرے کہ فطرت میں تھے بلند
پائی نہ گود سیپ کی، گوہر نہ ہو سکے
نا قدریٔ جہاں سے، خدائے سخن ہزار
مٹی ہوئے، سخن کا پیمبر نہ ہو سکے

کیا عجب ہے کہ یہ سطور پڑھ کر کوئی اہلِ دل، اس زمزمۂ شوق اور کہکشانِ محبت کو شائع کر کے، اپنے لیے سرمایۂ آخرت بنا لے۔ یہ ایک آرزو ہے جو بے ساختہ قلم کی نوک پر آ گئی ہے۔ التجا نہیں اور خیر میں سبقت لے جانے والے، نگاہوں کی تمنا کو لفظ کب بننے دیتے ہیں؟ البتہ مولا کریم سے التجا ضرور ہے کہ شاعر کے دل میں مدینہ منورہ میں حاضری کی جو تڑپ ہے، وہ پایۂ مراد تک پہنچے، کہ یہی وہ دروازہ ہے جہاں سوال کرنے سے عزت بڑھتی ہے، گھٹتی نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اذنِ حضوری وہیں سے ملتا ہے اور وہی خوب جانتے ہیں کہ کس کے لیے انتظار کو طویل یا مختصر کرنا ہے

(۱۹۸۵ء)

☆

نعتیہ ہائیکو اور اقبال نجمی

(ہائیکو کا پہلا نعتیہ مجموعہ)

یہ دور فی الواقع غزل کا دور ہے۔ نظم، مثنوی اور قصیدے کا روایتی انداز ہولے ہولے معدوم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ آج نظم بھی وہی مقبول ہے جو غزل کی ہیئت میں ہوتی ہے۔ آزاد، معریٰ اور نثری نظم میں بعض خوبصورت تجربے ضرور ہوئے مگر وہ غزل کے مانند شاعر کے ذوق اور قاری کے ظرف کو اپنی گرفت میں نہ لے سکے۔ رباعیات بھی کسی حد تک چلیں مگر وقت کی آواز نہ بن سکیں۔ خوب سے خوب سے تر کی تلاش نے ذہن شاعر کو نت نئے اسلوب سجھائے جن میں ذاتی اپج کے ساتھ ساتھ، بدیسی شعری رجحانات کی تقلید نمایاں ہے، چنانچہ ثلاثی اور ہائیکو کا رواج دور حاضر کے شعری تجربات کا ایک خوبصورت رخ ہے۔ ہائیکو، جاپانیوں ہی کی طرح، اپنے اندر نفاست و لطافت اور جدت و جودت لیے ہوئے ہے۔ گو غزل کے ہر شعر میں مضمون کی وحدت ہوتی ہے مگر خیالات کے پھیلاؤ کو سمیٹنے کے لیے مسلسل غزل یا قطعہ بند اشعار کہے جا سکتے ہیں۔ رباعی بھی ایک مشکل صنف سخن ہے کہ اس میں فکری تموّج کو چار مصرعوں میں سمیٹنا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ہائیکو بظاہر آسان مگر درحقیقت ایک انتہائی مشکل شعری اسلوب ہے کہ اس میں تین ننھے منے مصرعوں میں وہ بات کہہ دی جاتی ہے جس کے اظہار کے لیے کئی نثر پارے مطلوب ہوتے ہیں۔ اس میں پھیلنے کی کوئی سی گنجائش بھی نہیں ہے کہ یہاں قطرے میں قلزم کو سمیٹنا اور نوکِ مژہ پر زندگی کو تولنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ اپنے اندر جامعیت کا کمال اور بلاغت کا جمال لیے ہوئے ہے۔ میرے نزدیک یہ اس مصروف ترین، تیز رفتار اور عدیم الفرصت مشینی دور میں اظہار و ابلاغ کا ایک موثر ذریعہ ہے اور یوں لگتا ہے کہ یہ نو وارد شعری صنف، غزل کے مقابل نہ صرف اپنا مقام بنائے گی بلکہ اسے قائم بھی رکھے گی اور نثری نظم کی طرح شعلۂ مستعجل ثابت نہیں ہوگی بشرطیکہ اہل فن نے اس نوا کی پرورش جگر کے خون سے کی اسے قبولیت کا جو شرف مل رہا ہے وہ نتیجہ ہے اردو زبان کی قوتِ جاذبہ اور اس زبان کے شاعروں کی قلبی وسعت اور طبعی جودت کا، دل اور ذہن کی کھڑکیوں کو بند کر لینا اور باہر سے کسی تازہ جھونکے کا روادار نہ ہونا، فکری حبس کا باعث ہوا کرتا ہے، تازہ گوئی شگفتہ اور شاداب فضا کی متقاضی ہوا کرتی ہے۔ اخذ اور جذب کا جذبہ کسی زبان کے ادبی ارتقاء کے لیے ضروری ہوا کرتا ہے۔ مگر ہر اجتہاد کو ہمارے ادبی اور ملی میلانات کے سانچے میں ڈھل کر ابھرنا چاہیے۔ باہر سے آنے والے ہر ادبی رنگ کو ہمارے ثقافتی آہنگ میں ڈھلنا ہوگا۔ ہائیکو کی ہیئت جاپانی ہے مگر اردو شاعروں نے اس میں تخیل کی وہی رعنائی، ادراک کی وہی گہرائی اور اظہار کی وہی توانائی ابھارنے کی سعی کی ہے جس سے غزل کی ایمائیت بال و پر لیتی ہے۔ چونکہ اس کے تینوں مصرعے بہت مختصر ہوتے ہیں اس لیے اس میں لفظی بازیگری کے کرتب دکھانے کی گنجائش نہ ہونے کے برابر ہے، ویسے

بھی چھوٹی بحر میں تراکیب کے شکوہ کی جگہ سادہ الفاظ میں دل کی بات بیان کی جاتی ہے، جو تین مختصر جملوں میں جذبے کی تمام کلفتوں کو نہیں سمیٹ سکتا اسے ہائیکو کی جگہ وہ انداز بیان اپنانا چاہیے کہ سننے والے اکتا کر کہہ اٹھیں۔

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے میں

سہل ممتنع اس صنف سخن کی خاص صنعت ہے کہ ہر ایک کہے کہ ایسا میں بھی کہہ سکتا ہوں۔ کہنے پر آئیں تو معجز بیان عاجز آ جائیں پروفیسر رشید صدیقی نے ایک مقام پر بڑے پتے کی بات لکھی تھی کہ:

''سادگی، شائستگی اور اختصار لکھنے اور کہنے کے بنیادی اصول ہیں۔''

اور ہائیکو میں جب تک ان تینوں زریں اور بنیادی اصولوں کو نہ اپنایا جائے بات بنتی ہی نہیں، بلکہ تشنہ اور ادھوری رہتی ہے۔

اقبال نجمی کے نعتیہ ہائیکو انہی تین خصوصیات کے حامل ہیں اور ان کی یہ سعی اس اعتبار سے قابل قدر ہے کہ انہوں نے اس ہیئت میں نعت کہنے کا تجربہ کیا ہے اور میرے نزدیک یہ تجربہ فنی اعتبار سے کامیاب ہونے کے ساتھ ساتھ کیف افزا ہے کہ بعض مقامات پر تصور جھومتا اور روح وجد کرتی ہے۔ ذہن سے کہیں زیادہ دل سرخوشی محسوس کرتا ہے کہ نعت، مسلمان کے دل کی محبت کا وہ بے ساختہ اظہار ہے جس کا دوسرا نام ایمان ہے۔ یہ سلام وثنا کی نغماتی شکل ہے، میرے نزدیک یہ ایک ''نماز نیاز'' ہے۔ گو ہر دور نعت ہی کا دور رہا ہے مگر دور حاضر میں نعت گوئی جس حسن ادا کے ساتھ پھل، پھول اور پھیل رہی ہے اور جس تیزی کے ساتھ نعت نے خود کو ایک وقیع اور رفیع صنف سخن کے طور پر منوایا ہے، اس میں توفیقِ ایزدی ساتھ ساتھ کہنے والوں کے شوقِ بے حد کو بھی بڑا دخل ہے۔ لگن اور لگاؤ کے بغیر نعت کے لیے قلم اٹھانا خود فریبی ہے۔ عام شاعری میں دل گداختہ کے بغیر ''حسن فروغ شمع سخن'' کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا مگر یہاں تو آنسوؤں کو زبان دی جاتی اور لفظوں کو پلکوں سے چنا جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ دور حاضر کو اپنی پہچان مل گئی ہے اور یہ احساس ہو گیا ہے کہ سرورِ کونین ﷺ کے حوالے اور ان کی بارگاہِ ناز سے نسبت کے بغیر ایک مسلمان کی پوری کائنات ایک لفظ ہے بے معنی اور ایک خاکہ ہے بے رنگ، اقبال نجمی کہتے ہیں ؎

یہ ستارے جو مسکراتے ہیں
تیرے در ہی سے نور پاتے ہیں
میں نے دیکھا ہے بار ہا نجمی

☆

ہر فضیلت کا فیض تجھ سے ہے
ہر سعادت کا تو ہی منبع ہے
تیرا دنیا پہ دست رحمت ہے

☆

جن کے آنے سے عزتیں پائیں
جن سے دنیا کی رونقیں قائم
ان کو جانِ بہار کہنے دو

☆

میری بخشش کا اک حوالہ ہے
ہر دعا میں اثر کی صورت ہے
نام تیرا ہی اسمِ اعظم ہے

☆

بات کرتا ہوں جب مدینے کی
سوچ وادی میں پھول کھلتے ہیں
مجھ پہ آئے بہار کا موسم

☆

آپ ﷺ کے ذکر ہی میں راحت ہے
آپ ﷺ کے پیار ہی میں جینا ہے
آپ ﷺ کی یاد اک خزینہ ہے

☆

تو نے ہم کو وہ روشنی بخشی
جس نے منزل سے آشنا کر کے
ہم پہ رستے نجات کے کھولے

پہلے نعت صرف نظم کے انداز میں کہی جاتی تھی۔طویل قصیدے بھی رقم کیے جاتے تھے۔دور حاضر میں نعت نے غزل کا آہنگ اپنایا اور حق یہ ہے کہ ممدوحِ عظیم وجمیل (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جمال وکمال نے خود غزل کو واقعیت کا ایک دائمی حسن عطا کیا۔آزاد نظم میں بھی بعض خوبصورت نعتیں کہی گئیں اور اب ہائیکو کے تین مصرعوں میں اس حسنِ کائنات کے پرتو سمیٹنے کی سعی ہو رہی ہے جو خود کائناتِ حسن ہے جب کہ ذرہ اپنے ظرف کی وسعت کے مطابق ہی آفتابِ عالمتاب کی کرنوں کو سنبھال سکتا ہے۔مدحت اس ذات کی ہو رہی ہے جس کے بارے میں شورشؔ کہتے ہیں کہ ؎

سورج نے ضیا اس چشم سے لی
اس نطق سے غنچے پھول بنے
اٹھا تو ستارے فرش پہ تھے
بیٹھا تو زمیں کو عرش کیا

اقبال نجمی کی زیرِنظر کتاب گوایک نشست میں پڑھی جاسکتی ہے مگر جب قاری کسی مقام پر رک کر، ایک لمحے کے لیے سوچتا ہے تو بعض شعری آویزوں کی معنوی تاب وتب اس کے ذہن اور دل دونوں کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لاتے تو ہماری پوری دنیا دھواں دھواں ہوتی۔ اگر ان کے نقوشِ پا کی چاندنی میسر نہ آتی تو انسانیت شرک اور تشکیک کے صحراؤں میں بھٹک رہی ہوتی، یہ احساس بھی ابھرتا ہے کہ اسی وجودِ ذی جود کے اتباع سے ہماری ویرانیوں میں بہاروں کا نکھار آسکتا ہے اور یہی نعت گوئی کا مقصود ہے۔ دورِ حاضر کی نعت گوئی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ حسنِ ذات سے زیادہ حسنِ سیرت پر زور دے رہی ہے کہ یہی سیرت اطہر اپنے اندر دنیاوی اور اخروی زندگی کی بہترین سعادتیں لیے ہوئے ہے۔ اقبال نجمی کے یہ نعتیہ ہائیکو اس امر کو واضح کر رہے ہیں کہ حضور ﷺ ہی کا اسوہ بے غبار صداقتوں کا امین ہے اور ان اوراق کو دیکھتے دیکھتے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ جب تک مسلمان اس اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا رہے۔ ایک دنیا ان کے قدموں تلے رہی، جب تک دل محبوب کے تصور سے آباد رہے، چاند سورج ہم پر ناز کرتے رہے اور اسی تصور کے دھندلا جانے کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ایک دنیا ہم پر ہنس رہی ہے مگر ہمیں اپنی حالت پر رونا نہیں آتا۔ یہ مختصر مختصر نعتیں طویل نعتوں سے کہیں زیادہ مؤثر ہیں۔ تاثر محسوس کیا جاتا ہے، طوفانِ نوح کے مقابلے میں چند آنسوؤں کو تولا نہیں جاتا، نجمی ان نعتوں کے ذریعے یہ صداقت ابھارنے میں کامیاب ہیں کہ حبِ رسول ﷺ کے بغیر نہ اتقاء نصیب ہوسکتا ہے نہ ارتقاء۔ چند شعر دیکھیے۔

تیرے آنے سے ہی تمدن نے
زندگی کا لباس پہنا ہے
تازگی کی بہار دیکھی ہے

☆

آندھیاں کفر کی چلیں بے شک
آپ ﷺ ہی کا چراغ جلنا ہے
آپ ﷺ ہی کا چراغ جلتا ہے

☆

سخت مشکل اگرچہ جینا ہے
ٹوٹا پھوٹا میرا سفینا ہے
تو مرے حوصلوں کا مرکز ہے

☆

تیری چاہت کا معجزہ دیکھوں
سانس ٹوٹے تو میرے ہونٹوں پر
نام تیرا ہو، جام تیرا ہو

☆

مشفق و چارہ گر شہ والا
مرشدِ عارفاں تری ہستی
رہبرِ کاملاں ترا اسوہ

☆

دل میں کتنے سوال اٹھتے ہیں
دل میں جتنے سوال رکھتے ہیں
تیرا اسوہ جواب ہے سب کا

☆

کتنی صدیاں گزر گئیں لیکن
تیری جانب ہی دیکھتے پایا
آدمیت کو ارتقاء کے لیے

☆

تیرے الطاف کی ہوئی بارش
مجھ کو شاداب کر گئی پل میں
میں سلگتا سراب تھا پہلے

☆

جھوٹ کے بت سبھی گرا دوں گا
حق کی خاطر لڑوں گا باطل سے
تیری سیرت کی چاندنی لے کر

آخری تین موزوں جملوں میں وہ سبھی کچھ آ گیا ہے جس کا تقاضا ایک مسلمان سے قرآن کرتا ہے۔ اسلام ایک انقلابی دین ہے اور مسلمان ایک خاموش مبلغ۔ اس نے پہلے خود کو بدلنا ہے اور پھر کائنات میں انقلاب لانا ہے۔ انگیٹھی جب تک خود انگارا نہیں بنتی وہ کمرے کو گرم نہیں کر سکتی۔ جب تک دیارِ عشق میں، ایک مسلمان اپنا مقام پیدا نہیں کرتا نہ وہ نیا زمانہ ابھار سکتا ہے اور نہ نئے صبح و شام پیدا کر سکتا ہے۔ قوتِ عشق ہی سے پستیوں کو رفعتیں ملیں گی اور اسمِ محمد ﷺ ہی سے دہر کی ظلمتوں میں اجالا ہوگا، یہی تاریخ کا فرمان ہے اور یہی وقت کا فیصلہ۔

الغرض اقبال مجمی کا یہ کامیاب شعری تجربہ قابلِ تحسین بھی ہے اور قابلِ تقلید بھی۔ میری دعا ہے کہ مولا کریم اسے ان کے لیے سرمایۂ آخرت بھی بنائیں اور جدید شعراء کو یہ انداز اپنانے کی توفیق بھی بخشیں کہ یہ انداز اپنے اندر سادگی کا حسن، شائستگی کی شان اور اختصار کا تاثر لیے ہوئے ہے۔ طویل نظموں کو پڑھنے اور مشکل استعارات و تراکیب میں الجھنے کے لیے، آج کے مصروف انسان کے پاس نہ وقت ہے نہ ہمت۔

(۲۰۰۵ء)

☆

ڈاکٹر بشیر عابد کا نعتیہ تغزل

نعتِ رسول پاک ﷺ، ثنا و توصیف کی ایک ایسی پاکیزہ، نازک اور ارفع شعری شکل ہے جس میں لفظ لفظ اور قلم قلم احتیاط کی ضرورت ہے، عام مدحت سے، یہ کہیں عظیم و رفیع ہے ـــــ ''مدح، ممدوح کے محاسن کی ایک ایسی سچی تصویر ہے جو خوب صورت الفاظ میں ہو اور جس سے ممدوح کی شخصیت اور اس کے ذاتی خصائص کی یوں وضاحت ہو کہ ابہام و التباس کی کوئی صورت باقی نہ رہے'' ـــــ اس لیے لازم ہے کہ نعت گو کو شعر و سخن کی نزاکتوں کا کماحقہٗ احساس بھی ہو اور اس کے دل میں ممدوحِ عظیم و جلیل کے لیے احترام، محبت اور خلوص کے جذبات بھی ہوں اور اس سے کہیں بڑھ کر، اس کی عملی زندگی اور ظاہری ہیئت، امکانی حد تک، نبیٔ کریم ﷺ کی ہدایات کے مطابق ہو، اگر یہ نہیں تو اسے تلوار کی اس دھار پر چلنے سے بچنا چاہیے۔

نعت گوئی مجاز کی بے نام وادیوں میں بہکنے اور بھٹکنے والے شاعروں کو سکونِ منزل عطا کرتی ہے ایک ایسا درد دیتی ہے جس کے بعد کسی اور چوکھٹ کی حاجت باقی نہیں رہتی، ایک ایسی دیوار مہیا کرتی ہے جس سے ہر دکھتی ہوئی پیٹھ ٹیک لگا سکتی ہے اور ایک ایسی یاد بخشتی ہے جو دل کو ہر نقشِ ماسوا سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

رنگِ جذب و شوق جو بن پر ہو، تب ہوتی ہے نعت
دل کا ویرانہ مہک اٹھتا ہے، جب ہوتی ہے نعت
طاقِ فکر نارسا میں، ان کی یادوں کے چراغ
گر نہ ہوں صبح و مسا روشن، تو کب ہوتی ہے نعت؟

گویا، دنیائے نعت میں قلب سلیم کے ساتھ ساتھ قلم کے اس خرامِ ناز کی بھی ضرورت ہے جو لفظ لفظ کو پھول بناتا چلا جائے اور یہ بھی حق ہے کہ رسولِ پاک ﷺ سے جتنا قلبی لگاؤ ہوگا، یہ لفظی پھول اتنی ہی زیادہ مہک بکھیرتے اور بانٹتے چلے جائیں گے۔

یہ کس نے دے کے دل اپنی محبت ڈال دی اس میں
ذرا سا دل دیا، دل میں متاعِ دوجہاں رکھ دی

بشیر عابؔد، ایک خوش فکر غزل گو کے روپ میں ابھرے تھے اور اب اُن کی غزل ''باوضو'' ہو کر نعت کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ یہ ایک ادبی صداقت ہے کہ پست خیالی نے غزل کو رسوائی جب کہ بلند خیالی نے رعنائی دی، قابلِ تحسین امر یہ ہے کہ بشیر عابؔد اس کوچۂ مجاز میں بھی وقار و اعتبار کی علامت بنے رہے۔ اُن کے نعتیہ تغزل کا جائزہ لینے سے قبل اُن کے سوزِ دروں اور رنگینیٔ حُسنِ بیان کی ایک جھلک اُن کی غزل کے آئینے میں دیکھیے۔

پھر قیامت کا رہے گا انتظار
اس نے پھر آنے کا وعدہ کر لیا

☆

درویش کی خود داریٔ عظمت کے مقابل
اک ذرّۂ بے آب سکندر نظر آیا

☆

اب عدوات پر اتر آیا ہے کھلے عام تو کیا
دشمن جاں تھا مرا جانِ جہاں پہلے بھی

☆

اب کے خود کو اس طرح تیار کرنا ہے مجھے
ناؤ کاغذ کی، سمندر پار کرنا ہے مجھے
کربلائے ظلم میں حق بات کہنے کے لیے
اپنی جاں کو پیکرِ ایثار کرنا ہے مجھے

☆

یہ دلِ وحشی اُسی کوچے میں عابدؔ جائے ہے
اپنے پاؤں میں اگرچہ لاکھ زنجیریں رکھوں

☆

دئیوں کی بھیڑ میں رسمِ وفا نبھانے کو
یہ کون شخص ہے جو دل جلا کے لے آیا

☆

شب تنہائی میں غمگین و مغموم
فقط جلتا دیا ہے اور میں ہوں

☆

وہ دیپ جو لائیں نہ مسرت کا سویرا
پلکوں کی منڈیروں پر جلائے نہیں جاتے

☆

ہم اہلِ وفا ہوتے ہیں اس درجہ کے صابر
روتے ہیں مگر آہ کو نالہ نہیں کرتے

☆

دار چو مے رقص نیزے پر کرے
عشق اپنا بھی نرالے ڈھنگ کا

☆

غزل کی بے نام وادیوں میں بھٹکتے اور بھٹکتے بشیر عابد کے دل میں آرزو کی ایک چبھن سی محسوس ہوتی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ یہ صحرانورد کسی ایسے گل کدے کی تلاش میں ہے جہاں دل کی بے چینیوں کو ایک نوع کا سکون مل سکے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ شعری ساز کسی ٹھکانے کی چاہت میں سرگرداں ہے۔

سمندر چار جانب موج در موج
سفینے بادباں بھولے ہوئے ہیں

☆

جب محبت ترے پیکر میں اتر جائے گی
زندگی پھول کے مانند نکھر جائے گی

☆

اس خاک کے پُتلے میں نہاں جتنے نظارے
مہتاب ہی مہتاب، ستارے ہی ستارے

☆

زندگی ہے اک غبار خاطر رنج و ملال
اس بیا باں کو سحر آثار کرنا ہے مجھے

☆

مری آنکھوں کا آنسو روتے روتے
خوشا، حرفِ دعا تک آگیا ہے

☆

شہر سارا دامن ابر کرم سے تر ہوا
ہم تہی دامن چلے آئے بھری برسات میں

☆

زیست کی خانہ بدوشی میں بشیر
ساتھ میرے دل کا ویرانہ رہا

☆

وفا کا سلسلہ ہے اور میں ہوں
کسی کا نقشِ پا ہے اور میں ہوں

☆

جس دن سے وہ انجمن میں اپنی خورشید جمال آ گیا ہے
حرفوں کو زبان مل گئی ہے، لفظوں کو کمال آ گیا ہے

☆

جب آنسو حرف دعا تک پہنچا، دعا، بابِ اثر تک گئی اور ایک شان سے لوٹی تو بشیر عابؔد کے دل کا بیاباں، سحر آثار ہو گیا، زندگی پھول کے مانند نکھر گئی، حرفوں کو زبان ملی، لفظوں کو کمال نصیب ہوا اور بشیر عابؔد کو وہ نقشِ پا مل گیا جس کے مل جانے کے بعد، منزل کی تلاش، توہینِ جستجو کے مترادف ہے، نتیجہ معلوم کہ بھٹکتے، تڑپتے اور پھڑکتے شاعر کو سکینت اور طمانیت کی سرشاری یوں نصیب ہوئی۔

ع جیسے اک زخمی پرندہ آشیاں تک آ گیا

سجا کر رکھ لبوں پر اپنے عابؔد
مٹائے دل سے غم اسمِ محمد ﷺ

☆

آپ کا چوم کے جب روضہ، صبا آتی ہے
اپنے ہونٹوں پہ لیے صلِّ علیٰ آتی ہے
جھوم اٹھتا ہے مرے دل کی امیدوں کا چمن
سوئے طیبہ سے ادھر جب بھی گھٹا آتی ہے

☆

آپ کے در پہ ہوئے اشک مہکتی کلیاں
آپ کے در پہ ہوا قلب تکلّم آثار

☆

روح تک وجد میں آ جاتی ہے میری عابؔد
نعت کو جب میں کبھی لحنِ گلو کرتا ہوں

☆

آپ سے شاخِ تمنا پہ بہار
زندگی پھولی پھلی آپ سے ہے

☆

باب کرم کے سامنے بیٹھا ہوں خواب میں
روضے پہ، میرے شوق کی ٹھہری نگاہ ہے

☆

محبت کا سویرا، پیار کا بہتا ہوا دریا
محمد ﷺ، موجۂ بادِصبا، سامانِ رحمت ہیں

☆

ہر خارِ زیست، مثلِ گلِ تر ہوا بشیرؔ
ہونٹوں پہ جب سے میرے درودِ حضور ہے

☆

چمک اٹھے ہیں ستارے مرے مقدر کے
ہوا ہے جب سے تعلق مہِ تمام کے ساتھ

☆

ہوا اک نگاہِ کرم کا اشارہ
ملے دل کی کشتی کو سکھ کے کنارے

☆

آپ کی نعت کے صدقے سے جو حاصل ہے مجھے
میرے آقا، وہ سبھی جاہ و چشم آپ کا ہے

☆

گوشۂ ایمن بہارِ گنبدِ خضریٰ کا نور
زندگی نے سایۂ دیوار پایا ہے وہاں

☆

غنچۂ ہائے شوق کی ٹھنڈی ہوائیں آگئیں
جب تصور میں اتارا، گنبدِ خضریٰ کا روپ

☆

کٹ گیا، صحرائے ہجر و درد کا لمبا سفر
خانۂ دل میں کرم گُستر گھٹائیں آگئیں

☆

سر شکِ چشم پہ کھلتی ہوئی بہار کا رنگ
سکونِ قلب کے ساماں محمد عربی ﷺ

☆

اب بشیر عابدؔ کا سکونِ قلب کی نعمت مل چکی ہے اور وہ نعت کے اُن فضاؤں میں غزل سرا ہے جہاں لطف وعطا کے سلسلے پھلتے پھولتے اور پھیلتے ہی چلے جاتے ہیں۔ جہاں فیض اور فیضان کے ایوان ہر لحظہ کھلے ہیں، جہاں محبت کے دریچے کبھی بند نہیں ہوتے، جہاں نہ شبِ غم کی ظلمتیں ہیں نہ غمِ دوراں کے کلفتیں بلکہ وہاں تو خود زمانے کی گردشوں کو سکون اور ٹھہراؤ کی ایک دنیا ملتی ہے۔

خود وقت کو ملتا ہے سکوں اُن کی گلی میں
سنتے ہیں، وہاں گردشِ ایام نہیں ہے

یہ عمر بھر کی غزل سرائی ہی کا اثر ہے کہ بشیر عابدؔ کی نعتوں میں تغزل کی شستگی اور شائستگی قلم لَو دے رہی ہے ــــــ ''تعلق خاطر کے اظہار کے ساتھ شوقِ زیارت اور حسرتِ حضوری کے بیان میں تغزل عجب بہار دکھاتا ہے، لیکن ان کا کمالِ فن یہ ہے کہ مضامینِ سیرت کو بھی انہوں نے نرم و نازک لب ولہجہ میں لکھا ہے۔ یوں قادرالکلامی کے ساتھ عمدہ فنی اور فکری جمالیات ان کی نعت کی شناخت بنتی نظر آتی ہے۔'' اُن کے ہاں شوق کے والہانہ پن اور ذہن کی جودت وجدت کا ایک متوازن امتزاج ہے۔ گویا محبت اور ارادت کی سرمستیاں، حواس وہوش کا دامن تھام کر رواں دواں ہیں۔ چند شعر دیکھیے۔

ہر سانس کی گرہ میں ہے تیرا درود و ذکر
میرا کہاں ہے دل یہ تری جلوہ گاہ ہے
بوسے نے تیرے اُس کا مقدر کیا بلند
ورنہ نظر میں کعبے کا پتھر سیاہ ہے
اترے ہوئے ہیں شبنمی کلیوں کے قافلے
ذکر و ثنا سے وجد میں نورِ پگاہ ہے

☆

کاش، اک روز بلاوا لے کر
میرے گھر بادِ سحر آ جائے
جو عظمتِ شہانہ ترے بوریا میں تھی
دیکھی نہیں ہے شان وہ تختِ سمور میں

☆

ماہِ حرا نے جب سے بکھیری ہے روشنی
شامِ جہاں میں صبحِ عدن کا ظہور ہے

☆

ٹھوکر پہ رکھے سطوتِ جمشید و سکندر
اس دور میں بھی شانِ غلامانِ محمد ﷺ

☆

اک آن حمد رب ہے تو اک آن نعتِ پاک
حاصل ہوا لبوں کو حسیں امتزاج ہے

☆

آپ سے حسنِ یقیں کا ہے وقار
عظمتِ نوعِ بشر آپ سے ہے

☆

ہر صدا پائی مہکتے پھول کی صورت حسیں
ہر قدم مثلِ صبا رفتار پایا ہے وہاں

☆

ہر آتا جاتا لمحہ ثنا خوانِ مصطفیٰ ﷺ
ہر آتا جاتا سانس درود و سلام ہے

☆

آئنہ دیکھا ترے اخلاق کا جس نے اُسے
نرم خوئی، صبر، شفقت کی ادائیں آگئیں

☆

کس کی تعظیم میں جھکتے تھے سرِ راہ درخت
دھوپ میں ابر ہوا، مثلِ ردا کس کے لیے

☆

گھپ اندھیرا تھا آپ ﷺ سے پہلے
کب سویرا تھا آپ ﷺ سے پہلے
مثلِ شاخِ شکستہ ہر کوئی
بے بسیرا تھا آپ ﷺ سے پہلے

☆

نرم خُو، صادق امیں، تم پر سلام
سبز گنبد کے مکیں، تم پر سلام

پیشوائے مومنیں تم پر سلام
تاج دارِ مرسلیں، تم پر سلام
صاحبِ لولاک، وجہِ کائنات
زائرِ عرش بریں، تم پر سلام
ہالۂ رحمت میں تیرے شش جہات
نور حق، ماہِ مبیں تم پر سلام
حاصلِ عقبیٰ و دنیا سر بہ سر
رہبر ہر آن وایں تم پر سلام

☆

اس سلام کے بعد ایک مسلسل نعت ؎

احمد مرسل، رسولِ مصطفیٰ ﷺ کی روشنی
ڈھل گئی قرآن میں غار حرا کی روشنی
آپ کے اخلاق کی چلتی رہے گی حشر تک
دشت ہائے زیست میں، بادِ صبا کی روشنی
وادیٔ فاراں سے پھیلی دہر کے چاروں طرف
ہادیٔ کونین کے صدق و صفا کی روشنی
کس نے توڑا کفر کے جبر و ستم کا سلسلہ
کس نے دکھلائی ہمیں راہِ ہدیٰ کی روشنی
کون تھا جس نے عطا کی بے زبانوں کو زباں
کون تھا جس نے عطا کی لا الٰہ کی روشنی
وہ مقدس نام جس پر خود خدا بھیجے درود
آؤ، سب کر لیں اُسے حرفِ دعا کی روشنی
آپ کے فرمان کا ہر لفظ تابندہ اصول
آپ کی سیرت کا ہر پہلو، بقا کی روشنی
حبس کے بے نور زندانوں میں دم گھٹنے لگا
بھیجیے مولائے کل، ٹھنڈی ہوا کی روشنی
اے حبیبِ لم یزل کر دیجیے نظر کرم
مجھ سے عابدؔ کو بھی مل جائے ثنا کی روشنی

☆

بہ حمداللہ، بشیر عابدؔ کو ''ثنا کی روشنی'' مل گئی اور یہ ایک بے غبار صداقت ہے کہ حضور ﷺ کا محبّ، خدا کا محبوب اور حضور ﷺ کا مدح خواں، اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ شخصیت ہے ___ اور یہ وہ شرف ہے جس کے حصول کے لیے ہر آرزو قربان ہوسکتی ہے۔ چوں کہ نبیٔ کریم ﷺ کا نعت گو، مقرّبِ خداوندی ہونے کا شرف پالیتا ہے اسی لیے نعت سنتے وقت، نعت گو کو منبرِ رسالت مآب ﷺ پر بٹھایا جاتا تھا اور وہ عظیم و جلیل شخصیت خود نیچے بیٹھ جاتی تھی جس کی آنکھ سے سورج ضیا لیتا، جس کے نطق سے غنچے پھول بنتے، جس کے اٹھنے سے ستارے زمین پر آجاتے اور جس کے بیٹھنے سے فرش، عرش ہوجاتا تھا اور محض یہی وجہ ہے کہ نعت کہنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے روح القدس کی تائید مانگی جاتی تھی اور یہی سبب ہے کہ نعت کہنے والوں کو وہ ردائے پاک عطا ہوتی تھی جس کا ہر تار، صدہا صداقتوں، بے خزاں بہاروں، لازوال سعادتوں اور بیش بہا نعمتوں کا امین تھا ___ اور بشیر عابدؔ خوش نصیب ہیں کہ انھیں، عطا کرنے والے نے، نعت گوئی کے شرف سے نوازا ہے اور قابلِ قدر ہیں کہ وہ دل کی بات کو برجستہ الفاظ میں بیان کرنے کا ڈھب جانتے ہیں، ورنہ نعت گوئی ہر قلم کے بس کی بات نہیں۔ ان کے زیرِ نظر مجموعۂ نعت میں، سکون و عافیت سے لبریز ایک طمانیت کا احساس ملتا ہے، یوں لگتا ہے کہ کوئی جلوہ ہے کہ فردوسِ نظر بن کر، انھیں ہر نظارے سے بے نیاز کر گیا ہے، کوئی حقیقت ہے کہ بصارت کو بصیرت کے انوار بخش گئی ہے۔ سماعت ہے کہ ایک نوائے شوق کے سوا، ہر آواز پر بند ہوچکی ہے۔ زبان ہے کہ اسی کی توصیف میں ''رطب اللساں'' ہے جس کی تعریف میں وہ ذاتِ بلند و برتر بھی مصروف ہے جس کے لیے ہر تعریف وقف ہے۔

(۲۰۱۵ء)

☆

ثنائے خواجہ (ﷺ)

نعتیہ شاعری ـــــ ایک نظر میں

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مطلب ہے بہت تعریف کیا گیا، احمد کا مطلب ہے بہت تعریف کرنے والا، گویا آپ ﷺ وہ عظیم الشان انسان ہیں جن سے زیادہ کسی کی تعریف نہیں کی گئی اور جن سے زیادہ کسی نے اپنے خالق کی تعریف نہیں کی۔ خدا ان کا نعت خواں ہے اور قرآن میں جا بجا انہی کی ثنا ملتی ہے۔ کلام الٰہی ازل سے ابد تک ہے۔ گویا نعتِ رسول ﷺ ازلی بھی ہے اور ابدی بھی۔ منشائے فطرت بھی ہے اور تقاضائے ازل بھی۔ حکمِ خداوندی بھی ہے اور خلقی افتاد کا ابدی اظہار بھی۔ دل کی آواز بھی ہے اور روح کی تڑپ بھی، اللہ تعالیٰ چونکہ مرکزِ جمال و کمال ہے اس لیے محبوبِ خدا ﷺ کا جلوہ بھی صبحِ ازل کی ضو اور شامِ ابد کی لو ہے۔

حضور ﷺ کی شان میں کہا جانے والا ہر کلمہ نعت ہے۔ مگر اصطلاحاً ہم ایسی ہر منظوم کوشش کو نعت کہتے ہیں جس میں ستائشِ رسول ﷺ کی دلآویزیاں ہوں۔ جہاں تک نعت کے آغاز کا تعلق ہے۔ چونکہ حضور ﷺ، باعثِ تکوینِ کائنات ہیں۔ سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ ہیں، اس لیے تخلیقِ کائنات کا منشائے ربانی اور خود تخلیقِ کائنات اپنے اندر یادِ رسول ﷺ لیے ہوئے ہے کہ وہ ذاتِ اقدس، نور میں سب سے اول اور ظہور میں سب سے آخر ہے۔ قرآن کے علاوہ دیگر الہامی کتب میں جہاں بھی نبیٔ کریم ﷺ کا ذکر آیا ہے وہ نعتیہ پیش گوئی ہی کی حیثیت رکھتا ہے۔ گویا قدیم صحائف بھی انہی پر نور یادوں سے منور ہیں۔ تورات ہو یا زبور، انجیل یوحنا ہو یا انجیل برناس، بدھ کے ملفوظات ہوں یا بھولیش پران کے اسباق، اتھروید کے منتر ہوں یا پارسیوں کی مذہبی کتاب دساتیر کے دستور، گویا ہر دور کے مذہبی نوشتوں میں حضور کے بارے میں پیش گوئیاں موجود ہیں۔ آپ کو ہر مذہب نے ایک ''ہادیٔ منتظر'' کے طور پر پیش کیا ہے۔ کہیں آپ ﷺ کو فارقلیط کہا گیا، کہیں منحمنا، کہیں متیریا، کہیں عظیم دیوتا، کہیں قابلِ تعریف، کہیں سچائی کی روح، کہیں کلکی اوتار، کہیں بھگت گرو، بعض صحائف میں تو آپ ﷺ کا اسم گرامی بھی واضح طور پر موجود ہے۔ میرے نزدیک یہ تمام پیش گوئیاں ''نثری نعتوں'' کی حیثیت رکھتی ہیں۔ گویا ہر دور میں آپ ﷺ ہی کا ذکر گونجتا رہا ہے۔ ؎

رقم ہیں صحیفوں میں القاب تیرے
تو یٰسین و طٰہٰ میں طلعت نما ہے

جہاں تک دیگر ''تحریری ثنائے رسول ﷺ'' کا تعلق ہے، رسول پاک ﷺ کی ولادت سے قبل یمن کے ایک بادشاہ تبع (تبع کا لفظ دراصل یمن کے شاہی خاندان میں بطور لقب استعمال ہوتا تھا) کے نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ جن میں

وصفِ نبی ﷺ کے ساتھ ساتھ دل کی بے تاب تمناؤں کا اظہار بھی ہے۔ یہ اشعار اولین نعت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاریخ نے نجران کے اسقف قس بن ساعدہ کے چند اشعار بھی محفوظ رکھے ہیں۔ جو حضور ﷺ کی تعریف میں غائبانہ کہے گئے تھے۔ آپ ﷺ کی ولادت کے بعد، جب سیدہ آمنہ نے آپ ﷺ کو حلیمہ کے سپرد کیا تو اس نے تامل کیا کیوں کہ آپ ﷺ یتیم تھے۔ اس وقت آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے چند اشعار کہے جن میں یہ پیش گوئی موجود ہے کہ یہ بچہ عظیم و جلیل ہوگا۔ غلاموں اور غریبوں کا ملجا و ماویٰ بنے گا۔ ہم اسے بھی نعت ہی کہیں گے۔ حضرت ابو طالب کے کچھ ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جن میں حضور ﷺ کے پیش کردہ دین کی تعریف ہے۔ آپ ﷺ کی مدینے میں تشریف آوری کے وقت انصار کی بچیوں نے جس والہانہ انداز سے آپ ﷺ کا استقبال کیا اور جو مدحیہ اشعار پڑھے، انہیں ہم فنِ نعت کی بنیاد اور مضمونِ نعت کا نچوڑ کہہ سکتے ہیں۔ ہجرت نبوی ﷺ اور انصار بچیوں کے ان نعتیہ نغموں کی طرف قدیم الہامی کتابوں میں بھی اشارے ملتے ہیں۔ جہاں تک عہدِ نبوت کا تعلق ہے ہمیں صحابہ کرامؓ کی بہت سی نعتیں ملتی ہیں۔ آپ ﷺ کی وفات پر کہے جانے والے بے ساختہ اشعار بھی نعت ہی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت حسان بن ثابتؓ اور حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کو بالخصوص یہ شرف حاصل ہے کہ ان کے اشعار بارگاہِ رسالت میں پڑھے جاتے تھے اور حضور ﷺ کی مسرت و ابتہاج کا باعث ہوتے تھے۔ حضرت کعب بن زہیرؓ ایک ایسے شاعر ہیں جنہوں نے دربارِ نبوی ﷺ میں اپنا قصیدہ پیش کیا تھا اور حضور ﷺ نے خوش ہو کر اپنی ردائے مبارک انہیں عطا کی تھی اور صحابہؓ سے فرمایا تھا کہ اسے سنو۔ اس قصیدے میں باقاعدہ تشبیب و گریز اور مدح و ثنا موجود ہے۔ تشبیب عاشقانہ اور مقامی رنگ میں ڈھلی ہوئی ہے تاریخ میں ایک قصیدہ جنّیہ بھی محفوظ ہے کہ ایک جن شاعر نے حضور ﷺ کی شان میں اشعار کہے، ان کی فصاحت و بلاغت واقعی انسانی نہیں، جنّاتی ہے۔ حضور ﷺ کی وفات کے کئی سال بعد، حضرت بصیریؒ نے قصیدہ بُردہ لکھا، وہ اپنے اندر جو تاریخی صداقت، فکری عظمت، لسانی وقار اور روحانی لگاؤ لیے ہوئے ہے اس نے اُسے ایک ایسی قابلِ قدر کاوش بنا دیا ہے کہ بعد میں آنے والے عربی، فارسی اور اردو نعت گو شعراء نے اس شمعِ فکر سے اپنے چراغ جلائے۔

اسلامی فتوحات کا سلسلہ بڑھا تو ایرانی شعراء نے بھی نعت کو سعادتِ دارین سمجھ کر اپنایا۔ سعدیؒ، جامیؒ اور قدسیؒ کے ذکر کے بغیر نعت گوئی کا تصور ہی نامکمل ہے۔ بزرگانِ سلف میں امام ابوحنیفہؒ، عبدالقادر جیلانیؒ، معین الدین چشتیؒ، شیخ عطارؒ، شمس تبریزؒ، مولانا رومؒ، بوعلی قلندرؒ، نظام الدین اولیاءؒ اور امیر خسروؒ کا نعتیہ کلام، ثنائے خواجہ کی انہی روایات کو آگے بڑھاتا نظر آتا ہے۔ برصغیر کی قدیم زبانوں میں بھی نعتیہ نقوش ملتے ہیں۔ ایرانی شاعری نے اردو شعر و سخن کو جس انداز، جس شکل اور جس صورت سے متاثر کیا وہ ایک ادبی صداقت ہے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اہلِ ہند نے نعت لکھنا، ایرانیوں سے سیکھا، کیونکہ نعت تو دل کی ایک ایسی دھڑکن اور نظر کی ایک ایسی تمنا ہے جو تقلید و اکتساب سے بے نیاز ہے۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ اردو شاعر ہیئت اور مواد کے اعتبار سے اہلِ ایران سے متاثر رہے۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر کے شاعر اب تک فارسی میں نعت لکھتے ہیں اور اردو نعت پر بھی فارسی کے اثرات ملتے ہیں۔

اردو میں اولین نعت غالباً فخر الدین نظامیؒ کی ہے جو ان کی مثنوی ''کدم راؤ، پدم راؤ'' میں موجود ہے۔ یہ بہمنی دور کی تصنیف ہے اور اس کا زمانہ ۸۲۵ھ ہے۔ یہ کتاب قدیم اردو کا نمونہ ہے جس میں ہندی اور سنسکرت کے الفاظ عام ہیں۔

اس کا ایک نعتیہ شعر ہے۔

تو ہیں ایک ساجا گسائیں امر
سری دوی تیں کا جگ تو را دگر

اس کے بعد ۹۰۹ھ کی ایک کتاب ''نوسرہار'' کا سراغ ملتا ہے۔ جسے ایک شاعر اشرف نے تصنیف کیا ہے۔ یہ بھی ایک مثنوی ہے۔ اس میں نعت کے ۱۲۱ اشعار ہیں۔ ۹۸۶ھ کی ایک کتاب ''خوب ترنگ'' میں خوب محمد چشتی گجراتی نے بھی نعتیہ اشعار لکھے ہیں، مثلاً

مثل محمد ﷺ ہوئے نہ کوئے
سب اس کی تفصیل سو ہوئے
ذات سو ذاتوں مانہ تمام
جسم محمد ﷺ عین اجسام

اس کے بعد محمد قلی قطب شاہ اور مولانا وجہی کا دور آتا ہے۔ اس دور میں دکن کے بہت سے شعراء نے فنِ نعت کی طرف توجہ دی، ان کا کلام دیکھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اب صاف اور سلیس اردو کا دور آرہا ہے۔ زبان نکھر رہی ہے۔ پراکرت، ہندی اور سنسکرت کا بوجھل پن لطافت اختیار کر رہا ہے۔ وجہی کی مثنوی قطب مشتری میں بھی نعتیہ اشعار موجود ہیں۔ چند اشعار دیکھیے۔

محمد ﷺ نبی ناؤں تیرا اہے
عرش کے اپّر ناؤں تیرا اہے
اسی ہو ایک لاکھ پیغمبر آئے
ولے مرتبہ کوئی تیرا نہ پائے

عموماً اس زمانے میں، مثنوی یا قصیدے کے انداز میں نعت کہی جاتی تھی۔ محمد قلی قطب شاہ پہلا شاعر ہے جس نے نعت کو غزل کی ہیئت میں اپنایا۔ اس کی زبان میں نسبتاً نکھار، اظہار میں حسن اور اسلوب میں شگفتگی ہے۔

اسمِ محمد تھے رہے جگ میں خاقانی مجھے
بندہ نبی کا جم رہے سہتی ہے سلطانی مجھے

اس دور کے دیگر نعت گو شعراء میں بیجاپور کے معظم اور حیدرآباد کے سید بلاقی قابلِ ذکر ہیں۔ ان دونوں نے معراج نامہ لکھا ہے۔ قطب شاہی دور کے ایک شاعر مختار نے ایک مولود نامہ بھی لکھا ہے۔ جس کا ایک شعر یوں ہے

محمد ﷺ پو مختار کون کرندا
توں ایمان اس کا اچھیگا سدا

اسی دور میں فتاحی نامی ایک شاعر کا مولود نامہ بھی ملتا ہے۔ جس کا نمونہ یہ ہے

سو فتاحی مولود کر سب تمام
نبی پر ہزاراں سو بھیجا درود

بیجاپور کے ایک مشہور شاعر نصرتی بھی گیارھویں صدی کے اختتام سے تعلق رکھتے ہیں۔ان کی کتاب ''علی نامہ'' میں ان کا نعتیہ کلام موجود ہے۔محمد قلی قطب شاہ سے لے کر نصرتی تک کے شعراء کے کلام پر ایک نظر ڈالنے سے زبان کی شگفتگی اور بیان کی قدرت میں ایک نمایاں ارتقاء ملتا ہے۔نصرتی کا یہ شعر زبان و بیان کے اعتبار سے خاصا شفاف ہے۔ ؎

تمہیں اے شہنشاہِ دنیا و دیں
شجاعت کی ہے صف کا کرسی نشیں

ہاشمی بھی اسی دور کا شاعر ہے مگر اس کے مقابلے میں نصرتی کا کلام زیادہ سلیس ورواں ہے۔اس دور میں عموماً معراج نامے ملتے ہیں یا وفات نامے جو ایک نوعیت سے نعتیہ مثنویاں ہیں۔جن میں اعظم محمد بن مجتبےٰ مہدوی، کمال ــــــ لچھمی نرائن صاحب اورنگ آبادی کے اسماء قابلِ ذکر ہیں۔لچھمی نرائن غالباً اولین ہندو شاعر ہیں جنہوں نے نبیٔ پاک ﷺ کے حضور خراجِ عقیدت پیش کیا ہے،ان کے کلام کا ایک شگفتہ نمونہ دیکھیے۔یہ شعر معراج کے بارے میں ہے ؎

عجائب رات تھی وہ نور افشاں
کہ ہر کوکب تھا اک مہرِ درخشاں

میر محمد باقر آگاہ کی ایک نعتیہ مثنوی ''راحت جان'' بھی اسی دور کی یادگار ہے اس کا قلمی نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔یہاں تک آتے آتے اردو کس قدر نکھر چکی تھی۔اس شعر سے اندازہ کیجیے ؎

بہترین ذکر و طاعت اے پسر
ہے نبی ﷺ کا ذکر ہر شام و سحر

ان کے علاوہ فدوی، مفتون اور عجزی کے نام قابل ذکر ہیں۔تیرھویں صدی کے دکنی نعت گو شعراء میں شیر محمد ایماں، اعزالدین نامی، معین شاہ، عبداللہ خیر، حیات میسوری اور ناظم حیدرآبادی قابلِ ذکر ہیں۔

اردو شاعری میں نعت تقریباً ہر صنفِ سخن میں موجود ہے۔مگر زیادہ تر نعتیں غزل کی ہیئت میں ہیں۔اس میں کچھ فارسی شاعری کا اثر ہے اور کچھ اس لیے بھی کہ غزل میں محبوب کا ذکر جس ایمائیت سے ہوسکتا ہے۔وہ کسی اور صنفِ سخن میں ممکن نہیں۔علاوہ ازیں مولود کی محافل اور سماع کی مجالس میں غزل آسانی سے پڑھی اور سنائی جاسکتی ہے اور اس کا ایجاز دل میں اترتا چلا جاتا ہے۔

قدیم اساتذہ میں کرامت علی شہیدی ایک ایسے نعت گو ہیں جن کی نعتیں رسمی نہیں ہیں۔ورنہ کم وبیش ہر اردو شاعر کے ہاں ایک آدھ نعت ضرور مل جاتی ہے۔کیوں کہ ہر شاعر روایتاً دیوان کے آغاز میں حمد اور نعت لکھتا تھا۔ایسی نعتیں عموماً کیف سے خالی ہیں، شہیدی نے نعت کو دل کی عمیق کیفیتوں کے ساتھ اپنایا ہے ان کی نعتیں اپنے اندر سوز و درد کی ایک دنیا لیے ہوئے ہیں۔خصوصاً ان کی ایک آرزو تو لفظ بہ لفظ قبول ہوئی، جس کا اظہار ان کے اس شعر میں ہے ؎

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقید کا

غلام امام شہید کے ہاں دل کے گداز کے ساتھ ساتھ جو لفظی شکوہ ہے وہ قدیم فارسی کے قصیدہ گو شاعروں کی یاد

تازہ کر رہا ہے۔ان کی نعتیں پڑھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ خیال کی وسعتیں اور دل کی عقیدتیں، الفاظ و تراکیب کے خوشنما پیرہن میں سمٹ کر تغزل کا معیار ہوگئی ہیں۔

محسن کاکوروی، اردو ادب میں نعت کے ایک ایسے اولین شاعر ہیں جن کی وجہ سے اردو نعت نے بطورِ صنفِ سخن اپنا مقام حاصل کیا۔انہوں نے آنے والے شاعروں کے لیے بہترین نقوش چھوڑے۔انہوں نے اپنا پہلا نعتیہ قصیدہ، گلدستۂ رحمت کے نام سے، سولہ برس کی عمر میں لکھا تھا۔ جو فکر کی رفعت اور لسانی پاکیزگی کا ایک ارفع نمونہ ہے۔حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے نعت کا حق ادا کیا ہے۔ان کا مشہور قصیدہ لامیہ پڑھ کر حضرت کعب بن زہیرؓ یاد آجاتے ہیں۔جنہوں نے اپنے نعتیہ قصیدے میں باقاعدہ تشبیب، گریز اور مدح کا لحاظ رکھتے ہوئے بہترین ادبی اور فنی روایات قائم کی تھیں۔انہوں نے تشبیب میں عرب کی مقامی علامتوں کا ذکر کیا تھا۔محسن کے اس قصیدے میں مقامی ہندووانہ رنگ، ماحول اور روایات کا ذکر بھی اسی انداز کی یاد تازہ کر رہا ہے۔قصیدے کی تشبیب میں عموماً فارسی شعراء کا تتبع کیا جاتا ہے۔مگر محسن نے ایک نیا اسلوب اپنایا۔وہ مقامی رنگوں اور علامتوں کا استعمال ہے۔اگر ان علائم و رموز کو گریز کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو مفہوم نکھر آتا ہے اور بات واضح ہوتی چلی جاتی ہے۔الغرض ان کا یہ قصیدہ جہاں اردو ادب میں نئی روایات کی بنیاد ہے۔وہاں فنی، لسانی اور فکری نقطۂ نظر سے بھی لاجواب ہے۔یہ ایک مسلسل غزل ہے کہ سرور کیف میں ڈوب کر، سحر و فسوں ہوگئی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ محسن نعت کو رسم کی وادی سے نکال کر، مقصد کی دنیا میں لے آئے۔

محسن کاکوروی کے بعد امیر مینائی قابلِ ذکر ہیں۔وہ محسن سے متاثر ہیں۔انہوں نے بھی نعت کو بطور مقصد اپنایا اور ایک ایسا نعتیہ سرمایہ چھوڑ گئے جو اپنے اندر عقیدت کا جوش، تاریخ کی واقعیت اور سیرت کا تذکرہ لیے ہوئے ہے۔ان کے بعد حالی آتے ہیں جنہوں نے نعت کو صرف محاسن نبوت تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے مسلمانوں کے ادبار و زوال کے درد مندانہ بیان کے ساتھ ضم کر کے یوں پیش کیا ہے کہ غمِ جاناں، غمِ دوراں بن گیا ہے۔حالی کے ہاں لفظی صناعی کے بجائے اظہار کی سادگی ہے اور اس سادگی میں دل کا خلوص اور تغزل کا لوچ بھی شامل ہے اور اسی نقشِ قدم پر آج کا شاعر چل رہا ہے۔حالی کا مسدس ایک پر درد نعت ہے۔تاریخی صداقتوں اور شعری لطافتوں نے اسے ادبی شاہ پارے کے ساتھ ساتھ ایک ایسا محرک بھی بنا دیا ہے جس میں ملتِ اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے رموز مضمر ہیں۔

کہتے ہیں کہ فنی لحاظ سے اگر غالب نہ ہوتے تو اقبال بھی نہ ہوتے۔مگر حقیقت یہ ہے کہ مقصدی نقطۂ نظر سے اگر حالی نہ ہوتے تو اقبال بھی نہ ہوتے۔حالی نے جس بنیاد پر شعر و سخن کی قوسِ قزح سجائی، اقبال نے اس میں رنگ و نور کا اضافہ کیا۔باقاعدہ اور روایاتی نعت نہ حالی کے ہاں ہے اور نہ اقبال کے، اقبال نے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے محرک کے طور پر پیش کیا چونکہ ان کی پوری شاعری قومی اور ملّی ادب ہے اس لیے ان کے ہاں نعت کے الگ عنوان سے کوئی خاص چیز نہیں ہے۔اقبال قوم کے حالِ زار پر خون کے آنسو روتے ہیں تو انہیں مولائے یثرب ﷺ کے سوا کوئی اور چارہ ساز نظر نہیں آتا۔اسی ایک ذات پر ان کی نگاہیں مرتکز اور اسی ایک چوکھٹ پر ان کے قدم رک جاتے ہیں کہ منزل مقصود وہی ہے۔

شاید اسی کا نام ہے توہینِ جستجو
منزل کی ہو تلاش ترے نقشِ پا کے بعد

ان مقامات پر اقبال کا قلم ایسے موتی اگلتا، ایسے پھول بکھیرتا اور ایسے ستارے ابھارتا ہے کہ ان کی پوری شاعری قرآن، نعت اور امتِ مسلمہ کی تفسیر و تعبیر ہو جاتی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ حالی نے جو بات آنسوؤں اور ہچکیوں میں کہی، اقبال نے اسے جرأت مندانہ اور ولولۂ مردانہ کے ساتھ بیان کیا۔ عشق کا یہی بانکپن اقبال کا نشانِ امتیاز ہے۔

اقبال کے ساتھ ہی، نعت کی دنیا میں، مولانا ظفر علی خاںؔ ایک قادر الکلام شاعر اور عظیم بدیہہ گو کی حیثیت سے ابھرتے ہیں۔ وہ بیک وقت سیاست دان، شاعر، ادیب، مقرر اور انگریز دشمن تھے۔ مگر ان تمام خصوصیات کے علاوہ وہ ایک سچے مسلمان اور ایک عظیم عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ وہ وقتی، ہنگامی اور سیاسی موضوعات کو اپنی شاعری کا رنگ و روغن بناتے رہے۔ نتیجہ معلوم کہ وقت گزرنے کے ساتھ ان ادب پاروں کی تاب مدھم ہوتی چلی گئی، مگر ان کی نعتیں ''نقشِ جاوید'' کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی نعتوں میں فکر کی بلندی، الفاظ کا دبدبہ اور عشق کا سوز موجود ہے۔ انہوں نے تاریخِ اسلام کے واقعات کو بھی نظم کیا ہے اور اسوۂ رسول ﷺ کے مختلف پہلوؤں کو بھی بیان کیا ہے۔ الغرض ان کے کلام کا یہ حصہ دل کی عقیدتوں اور قلم کی جولانیوں کا ایک دلکش اظہار ہے۔

ظفر علی خاں کے بعد بیدم وارثیؔ ایک اہم شخصیت ہیں۔ وہ چونکہ صوفی منش تھے اس لیے ان کے حال اور قال کی صدائیں ایک تھیں۔ انہوں نے نعت رسماً نہیں لکھی بلکہ مجاز کے رنگ میں حقیقت کی ترجمانی کی ہے۔ ان کے ہاں جذب و سرور کی وہ تمام کیفیتیں موجود ہیں جو تصوف کا خاصا ہیں۔ میلاد کی کوئی محفل درود و سلام کی کوئی مجلس اور سماع کی کوئی تقریب ان کے کلام کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ گویا ان کی شاعری خواص کے لیے نشاطِ روح اور عوام کے لیے فردوسِ گوش کی حیثیت رکھتی ہے۔

مولانا احمد رضا خاںؒ کو بھی دنیائے نعت میں ایک خاص مقام حاصل ہے ان کی شاعری، حمد، نعت اور منقبت پر مشتمل ہے۔ ان کے نعتیہ کلام میں، جذبات کی شدت ہے مگر انداز کا حسن لیے ہوئے۔ عشق کا عمق ہے مگر اسلوب کی سادگی کے ساتھ، ارادت کا جذبہ ہے مگر تغزل کی نشتریت میں چھپا ہوا، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جو والہانہ پن، مولانا کی شخصیت اور شاعری میں نظر آتا ہے اس نے ان کی نعت گوئی کو ایک مستقل ادبی حیثیت دے دی ہے کیونکہ وہی فن پارہ عظیم ہوتا ہے جو فنکار کی شخصیت کا سچا اور اجلا عکس ہو۔

حفیظ جالندھریؔ کا شاہنامۂ اسلام اس نقطۂ نظر سے ثنائے رسول ﷺ ہے کہ وہ دراصل حضور ﷺ ہی کا تذکرہ ہے۔ رزم و بزم کی اس داستان میں عشق کی آنچ تاریخی حقیقتوں سے ہم آہنگ ہے۔ شاہنامۂ اسلام ایک منظوم تاریخ اور مترنم صداقت ہے اور ہمیں اس میں جا بجا خالص نعت کے اجزاء بھی ملتے ہیں۔

عبدالعزیز خالدؔ دورِ حاضر کے ایک منفرد اور صاحبِ اسلوب نعت گو ہیں۔ ان کی علمیت کے سامنے سر جھکتا اور ان کے عشق و جنوں کے روبرو، روح و دل دوزانو ہوتے ہیں۔ ان کی نعت گوئی، قدیم و جدید فکر، اساطیری اور تاریخی روایات و تلمیحات اور قرآنی ادب کا ایک قابل قدر علمی اظہار ہے۔ وہ مصرعوں اور جملوں میں تاریخی وسعتیں سمیٹتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے سامنے نعت کی وہی عظیم روایت ہے جو کعب بن زہیرؓ سے لے کر محسن کاکوروی تک محیط ہے محسن کی طرح انہوں نے بھی نعت کو رسم کے بجائے مدعا و مقصود بنایا ہے۔ انداز ان کا اپنا ہے۔ دورِ حاضر کو ان کی شاعری اس لیے مشکل معلوم ہوتی

ہے کہ آج عربی اور فارسی کا ذوق اٹھ گیا ہے اور ہماری اکثریت علمی نقطۂ نظر سے مفلس و نادار ہے۔ بہر کیف خالد نے فنِ نعت کو ایک نیا رنگ اور آہنگ دیا ہے۔ ان پر یا تو کسی شاعرِ عہدِ عتیق کا دھوکا ہوتا ہے یا کسی شاعرِ فردا کا تصور ابھرتا ہے۔

آغا شورش کاشمیری چونکہ ظفر علی خاں کے معنوی فرزند تھے۔ اس لیے ان کا ادب بھی خطابت کا آہنگ لیے ہوئے تھا۔ ان کی شاعری رجزیہ انداز کی ہے۔ اس میں جوشِ جنوں، سوزِ دروں اور جذبِ دل شامل ہے۔ انہوں نے ظفر علی خاں کی طرح ہنگامی، وقتی اور سیاسی ادب کے ساتھ ساتھ نعتیں بھی لکھی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان کے قلم کے تیور ان کی ہنگامی تحریروں کو بھی تر و تازہ رکھیں گے مگر میں سمجھتا ہوں کہ ان کی نعتوں کا مختصر سا سرمایہ، ان کے بقائے دوام کے لیے کافی ہیں۔

جہاں تک دیگر جدید نعت گو شعراء کا تعلق ہے۔ بہت مشکل ہے کہ ہر شاعر پر تفصیلی بحث جائے کہ

ع سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

امجد حیدر آبادی، اسیر بدایونی، اکبر وارثی، اقبال سہیل اعظم گڑھی، ملک منظور حسین منظور، حمید صدیقی لکھنوی، بہزاد لکھنوی، ضیاء القادری، ماہر القادری، نعیم صدیقی، محشر رسول نگری، حافظ لدھیانوی، اعظم چشتی اور عبدالکریم ثمر نعت گوئی کا تصور آتے ہی قلب و نظر میں اُبھر آتے ہیں۔

حافظ مظہر الدین ایک اہلِ دل بزرگ ہیں۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ورثہ میں ملا ہے۔ ان کا نعتیہ کلام گدازِ فکر کا ایک ایسا مرقع ہے کہ وہ خود بخود نگاہ میں جچتا اور روح میں سماتا چلا جاتا ہے۔ اسلاف کی کہی گئی نعتوں میں عشق کا جذبہ بدرجۂ اتم موجود ہے۔ مگر تغزل کا وہ لوچ نہیں جو جدید شعراء کے ہاں ہے۔ خدا کرے کہ جدید شعرء کے دل بھی اسلاف کے سوز و درد سے معمور ہو جائیں۔ اگر آج کے شاعر کو ساز کے ساتھ سوز بھی مل جائے تو سونے پر سہاگا ہے۔ تاہم حافظ مظہر الدین کے ہاں دردِ دل شعر کے سانچے میں ڈھل کر حسن ہو گیا ہے۔ گویا وہ قدیم و جدید کا ایک حسین امتزاج ہیں۔ حفیظ تائب کا ذکر کیے بغیر اردو کا کوئی نعتیہ تذکرہ مکمل نہیں ہو سکتا۔ انہیں پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کا وجود، تغزل کا غازہ اور لطافت کا آنچل لے کر، بطحا کے ذروں میں تحلیل ہو رہا ہے۔

حکم ربانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات اور نعمتوں کا شکر ادا کرو، ان کا تذکرہ کرو اور انہیں عام کرو۔ سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ اپنے احسان کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

ترجمہ: ''بے شک احسان کیا اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر کہ انھی میں سے ایک رسول ان میں اٹھایا جو تلاوت کرے اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھے اور ان کے نفوس کو پاک صاف کر کے نکھارے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔''

اور جب حجۃ الوداع کے موقع پر دین مکمل کر دیا گیا تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ آج نعمت پوری کر دی گئی۔ گویا حضور ﷺ کا وجود پاک احسانِ ربی ہے اور دین اسلام نعمت ربی، ہر دو مکمل و اکمل ہیں۔ گویا اسلام اور حضور ﷺ دونوں کے ذکر کا دوسرا نام تحدیثِ نعمت ہے۔ تحدیثِ نعمت کے فرض کو پورا کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ قرآن خود انہی نعمتوں کا ایک حسین و جمیل تذکرہ ہے۔ عہدِ نبوت سے لے کر اب تک، اسی ذکر سے فضائیں معمور اور اسی یاد سے دل منور ہیں۔ قرآن کی تفاسیر ہوں یا سیرت کی کتابیں۔ احادیثِ رسول ﷺ ہوں یا فقہی مسائل، صوفیاء کی داستانیں ہوں یا اولیاء کے ملفوظات،

سب تحدیثِ نعمت ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔اسی طرح نعت بھی احسان وانعامِ ربانی کا ایک مترنم اظہار ہے۔

جس طرح قرآن عزیز کی تفسیر اس وقت تک ناممکن ہے جب تک مفسر مقامِ رسالت سے کماحقہٗ آگاہ نہ ہو۔اسی طرح نعت بھی اس وقت تک نہیں کہی جاسکتی جب تک حضور ﷺ سے روحانی وابستگی نہ ہو۔محض روایتاً یا رسماً نعتیہ اشعار لکھ دینا اور بات ہے اور دل کی بے چین کیفیتوں، آنکھوں کی بے قرار آرزوؤں اور روح کی متلاطم لہروں کا قلم کی نوک پر مچل کر، روشنائی کے قطرے میں سمٹ جانا دوسری بات ہے۔احسان دانش کے الفاظ میں:

''اب رہ جاتا ہے عشق ومحبت کا سوال، جہاں کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا اور انسان جذبات وجنوں کے ہاتھوں میں کھیلتا ہے۔جب عقیدت اور محبت کا آمیزہ رگ وریشے میں گردش کرنے لگ جاتا ہے تو انسان کو اپنا پتا نہیں ملتا۔اس وقت جو آنسوؤں کا خراج آنکھیں ادا کرتی ہیں وہ بھی نعت ہے اور جو خامشی ہونٹوں کو کپکپا دیتی ہے وہ بھی نعت ہے۔اس وقت جو رعشہ دار ہاتھ، قلم سے ادا کرتے ہیں وہ بھی نعت ہے۔بات تو صرف قبولیت کی ہے۔کون سا عجز مقبول ہوتا ہے اور کونسی نعت حضور ﷺ پسند فرماتے ہیں۔''

نعت ایک متعین شخصیت کو سامنے رکھ کر لکھی جاتی ہے اور شخصیت بھی ایسی، جس کا ہر قول اور ہر فعل انسانی اخلاق کی تکمیل کا مظہر ہے۔جو مجسم قرآن ہے، جو شاہکار یزدانی ہے اور جس کی نگاہوں کی ہر جنبش، لبوں کی ہر حرکت، انگلیوں کا ہر اشارہ اور پاؤں کا ہر نقش، تاریخ نے عظمت سمجھ کر محفوظ کرلیا ہے۔

بہرِ تسکین دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر
وہ جو وقت ناز کچھ جنبش ترے ابرو میں ہے

اس ذاتِ گرامی ﷺ کا تذکرہ، اپنے اندر صداقت اور تاثر کے جو خطوط رکھتا ہے کوئی عام توصیفی صنفِ سخن اس کی گرد کو بھی نہیں چھو سکتی۔اس لیے دیگر اصنافِ سخن کے مقابلے میں، نعت دل کے درد کا ایک ایسا بے ساختہ اظہار ہے کہ اس کے اندر عقیدت وارادت کی ایک دنیا سمٹ جاتی ہے۔نعت، اسوۂ رسول ﷺ کا ایک دلآویز عکس ہے۔یہ ایک ایسی توصیف ہے جو مبالغے سے دامن بچاتی اور تاریخی سچائیوں کے ساتھ ساتھ چلتی ہے اور ایک ایسا ناز ہے جو نیاز کی ادائیں سنبھالے ہوئے ہے۔نعت ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے جس پر دل کی ساری محبت اور نگاہ کا سارا پیار مرتکز ہو جاتا ہے۔نعت نے مسلمانوں کو اس لحاظ سے مرکزیت عطا کی ہے کہ ہر مسلمان کا مدعا ایک ہی ذات گرامی ﷺ ہے

ہر راہ پہنچتی ہے تری چاہ کے در تک
ہر حرفِ تمنا ترے قدموں کی صدا ہے

نعت کو محض اس لیے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ایک مخصوص شخصیت، مخصوص ملت اور مخصوص پیغام سے متعلق ہے۔یہ صنفِ سخن ادبی نقطۂ نظر سے بھی اپنا ایک مقام رکھتی ہے۔اگر محض موضوعاتی شاعری سمجھ کر اسے، اس کا حق نہ دیا جائے تو پھر ہر زبان کے شعری ادب کا معتدبہ حصہ بیکار ہو کر رہ جائے گا کہ اس نوع کی شاعری ہر زبان کا فخریہ سرمایہ ہے۔فرمان فتح پوری کے الفاظ میں:

''کالیداس کے ڈرامے، ہومر کی الیڈ واوڈیسی، ویاس کی مہا بھارت، تلسی داس کی رامائن، فردوسی

کا شاہنامہ، نظامی گنجوی کا خمسہ، ورجل کی اینیڈ، ملٹن کی فردوس گم گشتہ، ڈانٹے کی طربیہ ربانی اور گوئٹے کی فاؤسٹ، سب موضوعاتی شاعری کے ذیل میں آتی ہیں۔ لیکن کیا محض اس بنا پر کوئی شخص ان نظموں کو کم مرتبہ خیال کرے گا۔ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر اس نوع کی دوسری نظموں کو کم مایہ اور بے وقعت خیال کرنا مناسب بات نہ ہوگی، بلکہ انیس کا مرثیہ ہو یا حالی کا مسدس، میر حسن کی مثنوی سحر البیان ہو یا دیا شنکر نسیم کی گلزار نسیم، شبلی اور اقبال کی تاریخی نظمیں ہوں یا امیر و محسن کے نعتیہ قصیدے، ہمارے دور میں حفیظ کا شاہنامہ ہو یا ماہر القادری کی ظہور قدسی، محشر رسول نگری کی فخرِ کونین یا عبدالعزیز خالد کی فارقلیط، ان میں سے کسی ایک کو بھی بشرطیکہ وہ شاعرانہ لوازم پر پوری اترتی ہو۔ محض موضوعاتی شاعری کی بنا پر نظر انداز کرنا ناانصافی ہوگی۔''

ناقدین غالباً نعت کو ایک ''منظوم وعظ'' سمجھتے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے بطور صنفِ سخن اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ حالانکہ شعری ادب میں قصاید کا اپنا مقام ہے۔ قصیدہ بھی، کسی شخصیت ہی کی مدح سرائی کا دوسرا نام ہے۔ مگر نعت، قصیدے سے بہت مختلف ہے۔ قصیدے میں ایک عام آدمی کی تعریف اس مبالغے سے کی جاتی ہے کہ خوبصورت الفاظ، دروغ کو فروغ کا رنگ دے دیتے ہیں۔ مگر نعت کی حدود مقرر ہیں۔ اس میں حد سے بڑھنا، بے ادبی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ مولانا حسن مثنیٰ ندوی کے الفاظ میں:

''نعتیں نہ تو امراء القیس کے قصیدے سے کوئی مناسبت رکھتی ہیں نہ ''مدیحِ کے وجم'' سے، عرفی نے اس نکتے کو یوں واضح کیا ہے ؎

ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعتِ شہ کونین ﷺ و مدیحِ کے وجم را

ہوشیار، خبردار، نعتِ شہ کونین ﷺ اور مدیح کے وجم کے فرق سے غافل نہ ہونا، ان دونوں کا رنگ جدا، ڈھنگ جدا، آہنگ جدا، اس کے لیے ''طلاقت لسان'' کی جگہ ''صداقتِ بیان'' ضروری ہے۔ ہنگامۂ وہم وگمان کی جگہ، جوشِ ایمان وایقان اور آشفتگی وشوریدہ سری کی جگہ محبت وشیفتگی درکار ہے۔ ''مدیح کے وجم'' یعنی بادشاہوں اور فرمانرواؤں کی شان میں جتنا مبالغہ کرو، حسن سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہاں کوئی بات خلافِ واقعہ ہرگز نہ ہو یہاں ذرا سا مبالغہ بھی سراسر عیب ہو جاتا ہے۔ اسی لیے فکر کی پختگی، نظر کی وسعت اور علم وخبر اور قوتِ تمیز مطلوب ہے، نعت شہِ کونین ﷺ بڑی نزاکتِ احساس اور بیداریٔ شعور چاہتی ہے۔'' قصیدے سے نعت اس لیے بلند تر ہے کہ اس انسان کی شان میں کہی جاتی ہے جس کا ثنا خوان خود خدا ہے۔ بعض رسمی اور واجبی نعتوں کو چھوڑ کر، ہمارا نعتیہ ادب اپنے اندر دل کی جو وابستگی، فکر کی جو رفعت، تاریخ کی جو واقعیت، ممدوح کی جو عظمت اور زبان کی جو پاکیزگی لیے ہوئے ہے۔ وہ کسی دوسری صنفِ سخن کو نصیب ہی نہیں ہو سکتی اور یہی وہ خصوصیات ہیں جو ایک ادب پارے کو ابدیت عطا کرتی ہیں۔ وقار عظیم کے الفاظ میں:

''نعت گوئی شاعری کی بڑی مقدس اور پاکیزہ روایت ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس پاکیزہ روایت کی چودہ سو سالہ تاریخ میں عربی، فارسی اور اردو کے صدہا شاعر ایسے ہیں جنہوں نے نعت گوئی کو محض عقیدت مندی کے اظہار اور حصولِ ثواب کا ذریعہ بنایا اور اس لیے نعت کی صورت میں جو شاعری کی، اس کا انداز عموماً بڑا رسمی سا ہے۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ عقیدے کے

اظہار اور حصولِ ثواب کی بنا پر ظہور میں آنے والی شاعری میں ایسے جواہر بے بہا کی بھی کمی نہیں جن کی چمک دمک اور آب و تاب ابدی ہے۔''

صوفیائے کرام نے برصغیر پاک و ہند پر جذب و اثر کے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں، انہوں نے ادب و شعر پر بھی اثر ڈالا ہے۔ اردو کے بیشتر شاعر صوفیا سے متاثر رہے اور بہت سے تصوف کے مسلک پر چلتے رہے۔ وہ صوفیانہ خیالات اور اسلامی افکار کو شعر میں جگہ دیتے رہے۔ صوفیائ سماع کے رسیا تھے۔ سماع ان کے نزدیک پاکیزگیٔ قلب اور طہارتِ فکر کا ایک ذریعہ تھا، شعر، سماع کا رکنِ رکین ہے اور حمد و نعت پر مشتمل اشعار، سوز و سرور کا بہترین ذریعہ، گویا نعتیہ شاعری میں گداز، غنا، سوز اور تاثر، تصوف کی دین ہے۔

نعت گوئی شاعر کی سب سے بڑی آزمائش ہے۔ یہ ایک لطیف، نازک، پاکیزہ اور پرسوز صنفِ سخن ہے۔ یہ ایک دوزانو اور باوضو غزل ہے۔ اس کے لکھنے، پڑھنے اور سمجھنے کے لیے دلِ گداختہ کی ضرورت ہے۔

نعت کے مفہوم کو اہلِ خرد سمجھیں گے کیا
نعت تو اک نغمۂ رنگیں ہے دل کے ساز کا

گویا یہ نیاز و ناز کی ایک ایسی کائنات ہے جہاں ذوق کو سرمدی سرور اور شوق کو کیف و دوام عطا ہوتا ہے۔ یہ عشق و محبت کا میدان اور قلب و نظر کی دنیا ہے۔ یہاں روح کی لرزش، داستانِ غم سناتی اور محبت کے آنسو، دردِ دل کہتے ہیں۔ عالمِ نعت گوئی میں جب جنوں نغمہ بار ہوتا ہے تو کونین جھومتے اور جہانِ ہوش زیر و زبر ہو جاتا ہے اور جنوں ہی جادہ، جنوں ہی رہبر، جنوں ہی منزل بن جاتا ہے۔ وفورِ عشق و مستی کا یہی وہ مقام ہے جہاں وہی اول ہوتے ہیں، وہی آخر، وہی ابتدا، وہی انتہا۔

وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

یہ مقامِ رسالت کی وسعتیں اور نزاکتیں ہیں کہ کوئی سا قلم بھی ان عظمتوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ ضیائے اولیں بھی ہیں اور شاہکارِ آخریں بھی۔ کائناتِ حسن بھی ہیں اور حسنِ کائنات بھی۔ شعلۂ طورِ معرفت بھی ہیں اور شمعِ حریمِ دلبری بھی۔ آپ ﷺ صبحِ آگہی بھی ہیں اور ایسا خورشیدِ یقیں بھی کہ اس کی ضوفشانی سے باطل کی ظلمتیں کافور ہو جاتی ہیں۔ آپ ﷺ سرتاجِ انبیاء بھی ہیں اور الطافِ حق کے قاسم بھی، کمالِ رحمت باری کی انتہا بھی ہیں اور ٹوٹے دلوں کا آسرا بھی، غرض

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اقبال نے کہا تھا۔

فطرتِ ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو

دراصل خوب سے خوب تر کی تلاش، عملِ تخلیق کا جوہر ہے۔ اللہ نقاشِ ازل اور مصورِ حقیقت ہے۔ تخلیق خواہ انسانی ہو یا ربانی، محبوب کی تلاش کا دوسرا نام ہے۔ مصور کی تمام صلاحیتیں ایسے عظیم پیکر کو وجود میں لانے کے لیے وقف رہتی ہیں جس میں اس کے تمام فکری زاویے، منتہائے کمال پر پہنچ کر اس طرح ہم آہنگ ہو جائیں کہ اس سے بہتر اور اس جیسی

دوسری شبیہہ ناممکن ہو۔ اللہ احسنُ الخالقین ہے۔ اس کے پیشِ نظر، انسان کامل تھا۔ اسی کے لیے کائنات کی تخلیق کی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روپ میں مصورِ حقیقی نے اپنے کمالِ فن کا مظاہرہ کیا کہ سورج اس آنکھ سے ضیا مانگتا اور اس نطق سے غنچے پھول بنتے ہیں۔ کوہسار اس قامتِ زیبا سے سربلندی پاتے اور صبا اس خرامِ ناز سے ٹہلنا سیکھتی ہے۔

ہر صبحِ گلستاں ہے ترا روئے بہاریں
ہر پھول تری یاد کا نقشِ کفِ پا ہے

اور بقول غالب ؎

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

گویا آپ ﷺ کے وجودِ اقدس میں عرش وفرش کی جملہ رعنائیاں سمٹ کر حسنِ فکر کی ایک دلآویز کہکشاں بن گئی ہیں ؎

رنگ، خوشبو، صبا، چاند، تارے، کرن، پھول، شبنم، شفق، آبجو، چاندنی
تیرے معصوم پیکر کی تخلیق میں، حسنِ فطرت کی ہر چیز کام آ گئی

نعت کے آئینے میں جمالِ رسالت کی ایک جھلک دیکھیے ؎

رخِ مصطفٰے ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں، نہ دکانِ آئینہ ساز میں

(لطف بدایونی)

آب و گل میں مدتوں آرائشیں ہوتی رہیں
تب کہیں اک آدمی کونین کا حاصل بنا

چمکتی ہے بجلی سی ابر سیہ میں
ترا چہرہ زلفوں میں لَو دے رہا ہے

(عبدالعزیز خالد)

وابستہ تجھ سے نسخۂ کونین کا ظہور
جلوہ فگن ہے چاند ستاروں میں تیرا نور

(سرمد مظاہری)

جو حسن میرے پیشِ نظر ہے اگر اسے
جلوے بھی دیکھ لیں تو طوافِ نظر کریں

(مظہرالدین)

نعت نے سراپا نگاری کے فن کو بھی واقعیت عطا کی ہے۔ بیشتر نعت گو شعراء نے حضور ﷺ کے قد و رخ کے بارے میں اشعار کہے ہیں۔ حضور کی شخصیت کا ہر پہلو اور ہر انداز تاریخ میں محفوظ ہے۔ اس لیے اس میں مبالغے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حضور ﷺ کا ظاہری حسن چونکہ بے مثال و بے عدیل ہے اس لیے اس کا اظہار شعر کو بھی تاثر اور دلکشی عطا کرتا ہے۔ اس حسن عالمتاب کا بیان تو نثر کو بھی شعر بنا دیتا ہے۔ ہجرت کے دوران میں آپ ﷺ تھوڑی دیر کے لیے ام معبد کے خیمے میں قیام پذیر ہوئے تھے۔ وہیں آپ کے فیض سے ایک بکری کے خشک تھنوں سے دودھ چھلک پڑا تھا۔ ام معبد کے خاوند نے جب بیوی سے اس بابرکت مہمان کا حلیہ پوچھا تو ام معبد نے سراپائے رسول ﷺ جس فصاحت و بلاغت سے بیان کیا تھا اسے ہم فن سراپا نگاری کی بنیاد کہہ سکتے ہیں۔ ''شعر منثور'' میں تصویر کشی کی ایک جھلک دیکھیے۔

''پاکیزہ رو، تاباں و کشادہ چہرہ، خوش وضع سر، زیبا قامت کہ دیکھنے والی آنکھ پست قدی کا عیب نہیں لگا سکتی، نہ طویل کہ طوالت آنکھوں میں کھٹکے، آواز جاندار، کچھ ایسی کہ خاموش ہو جائیں تو وقار چھا جائے اور کلام فرمائیں تو پھول جھڑیں۔ روشن مردمک، سرگیں چشم، باریک و پیوستہ ابرو، مخدوم اور مطاع۔ اس کے ساتھی اسے گھیرے رہتے ہیں۔ جب کوئی حکم دیتا ہے تو تعمیل کے لیے سب ٹوٹے پڑتے ہیں۔''

نعت عشق کی سرمستیوں، دل کی دھڑکنوں اور نگاہوں کی سجدہ ریزیوں کے گرد گھومتی ہے۔ مگر اس میدان عشق و سرور میں بھی شاعر ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ وہ اپنے مقام کو بھی پہچانتے ہیں اور ممدوح کی عظمتوں سے بھی آشنا ہیں۔ عاشق، محبوب پر فدا ہونے کو سب سے بڑا فخر سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک آستانِ ناز کا سنگِ در، خوش قسمت ہے کہ محبوب اس پر پاؤں رکھ کر گزرتا ہے اور اسے قدم بوسی کا شرف ملتا ہے۔ جنگ احد میں ایک صحابی زخمی ہو گئے تھے۔ ان کی زندگی کا شعلہ آخری لپک لے رہا تھا کہ رسالت مآب ﷺ کا گزر ادھر سے ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''کوئی خواہش ہو تو بتاؤ'' جاں بلب صحابیؓ نے اپنا زخمی جسم گھسیٹا اور سر حضور ﷺ کے قدموں پر رکھ دیا اور اپنی جان، جان آفریں کے حوالے کرتے ہوئے، احد کے دامن میں، نعت کا مقطع، اپنے خون کی سرخی سے لکھ دیا ؎

منم و ہمیں تمنا کہ بوقتِ جاں سپردن
بہ رخ تو دیدہ باشم تو درونِ دیدہ باشی

عجز و انکسار کا یہی جذبہ، اکثر نعت گو شعراء کے نوک قلم پر مچلتا دکھائی دیتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ساتھ دیارِ رسول ﷺ بھی شعراء کے لیے عقیدت کا مرکز رہا ہے۔ وہ دل کی تمام محبتیں اپنی پلکوں میں سمیٹ کر، اس دیارِ پاک کو دیکھتے رہے ہیں۔ وہاں کا ہر ذرہ، سجدہ گہِ جبینِ عقیدت ہے کہ محبوب سے تعلق رکھنے والی ہر چیز محبوب ہوتی ہے۔ وہ مقام جہاں جہاں آپ ٹھہرے، جہاں جہاں سے گزرے، جہاں جہاں رکے اور جہاں جہاں رکوع و سجود کیا، وہ نیاز و شوق کی جلوہ گاہیں ہیں۔ مکان تو اینٹ اور پتھر ہی سے بنائے جاتے ہیں۔ مگر وہ مکین کے تعلق سے بلند و بالا ہو جاتے ہیں۔

مدینہ کعبہ صفت محترم زعالم شد
بہ افتخارِ قیام تو یا رسول اللہ

خدا بھی اسی تعلق کی وجہ سے ان مقاماتِ مقدسہ کی قسم کھاتا اور واقعات کے تسلسل کو سمجھانے کے لیے انہیں بطورِ شہادت پیش کرتا ہے۔عقیدت کی نگاہیں ان فضاؤں کو بھی پیار سے دیکھتی ہیں۔جنہوں نے چہرۂ اقدس کا نظارہ کیا ہے۔محبت بھرے دل ان ہواؤں کی نکہتوں کو بھی سلام کہتے ہیں جو زلفِ معنبر سے کھیلتی رہی ہیں۔ان درختوں کی لطافت بھی قابل قدر ہے جن کی چھاؤں میں حضور ﷺ تشریف فرما ہوئے۔جن ذروں نے آپ ﷺ کے قدم چومے وہ کحلِ جواہر بنے،جن غاروں کے دل آپ ﷺ کے وجود سے نورانی ہوئے ان کی جلوہ بار خلوتیں،ارادت کی سجدہ گاہیں ہیں اور وہیں سے دل ونگاہ، انوار کی خیرات اور جلووں کی بھیک سمیٹتے ہیں ۔

اوروں کو دیں حضور یہ پیغامِ زندگی
میں موت ڈھونڈتا ہوں زمین حجاز میں

☆

ہے جن کا جلوۂ زیبا فروغِ قلب و نظر
چلو کے دیکھنے ان پاک بام و در کو چلیں

☆

ہر گام کو دیکھا ہے محبت کی نظر سے
شاید کہ وہ گزرے ہوں اسی راہ گزر سے

☆

عجب ہے کیف، عجب ہے خمار آنکھوں میں
بسا ہوا ہے نبی ﷺ کا دیار آنکھوں میں

☆

زمانہ وجد کناں اب بھی ان کے طوف میں ہے
جو کوہ و دشت کبھی تیری جلوہ گاہ بنے

حبِ رسول ﷺ ہمارا ایمان ہے۔ بلکہ ایمان کی تکمیل ہے۔ناموسِ رسالت پر کٹ مرنا،مسلمان کی واحد آرزو ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے دل میں عشقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو۔محبت اور محبوب دونوں ہمارے دل میں ہوں۔ اسی میں ہماری دنیوی اور دینی سرخروئی کے رموز پوشیدہ ہیں۔اللہ کا وعدہ بھی بقول اقبال یہی ہے ۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ہمارے ادبار وانحطاط کا باعث یہی ہے کہ ہم میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فقدان ہے۔ہم دل رکھتے ہیں، محبوب نہیں رکھتے اور محبوب کے بغیر دل ایک ایسا پھول ہے جس میں خوشبو نہیں ہے۔جب تک محبوب اور منزل متعین نہ ہو۔ ارادوں میں ولولے،نگاہوں میں رفعت،جذبوں میں مستی اور عزائم میں سربلندی نہیں آتی۔سفر سے پہلے منزل کا تعین

ضروری ہے۔اگر مدعا سامنے ہوتو انسان جہد وعمل کی دنیا میں سرگرم رہتا ہے۔وہ اپنے تلووں سے کانٹوں کو دعوت نیش دیتا،انہیں خونِ جگر پلاتا اور صحراؤں میں باغبانی کی بنیاد رکھتا ہے۔خیال کی لَو اور یاد کی ضو،انسان کو ابھرنے اور بڑھنے میں مدد دیتی ہے۔محبت کی چاندنی سے منزلیں نکھر جایا کرتی ہیں۔یہاں تک کہ انسان موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتا ہے ؎

لو لگا کر ترے پیار کی جوت سے
مسکراتی رہی موت پر زندگی

آج ہماری نامرادی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ نہ ہمارے تصور میں محبوب کی دلکشی ہے نہ منزل کی تمنا،نتیجہ معلوم کہ ہماری صفیں کج،دل پریشاں اور سجدے بے ذوق ہوکر رہ گئے ہیں۔عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک سازِ رگ جاں نہیں بنتا، جب تک اسوۂ رسول ﷺ محورِ حیات نہ ہو اور اسوۂ رسول ﷺ جزوِ کردار نہیں بنتا، جب تک قرآن پیشِ نظر نہ ہو۔ تعلیماتِ قرآنی اور فرمودات نبوی ﷺ کا نتیجہ خدا کا خوف ہے اور جب خشیتِ الٰہی روح میں گداز بن کر سماتی اور آنکھ سے آنسو بن کر ٹپکتی ہے تو انسان غیر اللہ سے بے خوف ہوجاتا ہے۔

ہماری تاریخ عشقِ رسول ﷺ اور قربانی وایثار کے بے شمار واقعات محفوظ رکھتی ہے۔حضرت خبیب بن عدیؓ کو کفار نے تختۂ دار پر لٹکا دیا تھا، نیزوں سے ان کا وجود چھلنی کیا جارہا تھا۔جگر پارہ پارہ ہورہا تھا کہ کسی نے پوچھا کہ ''کہو اب تو تم پسند کرتے ہوگے کہ محمد ﷺ پھنس جائے اور میں چھوٹ جاؤں''،تو عشق نے یہ جواب دیا تھا کہ ''میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ حضور ﷺ کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے۔'' جناب خبیبؓ نے تختہ دار پر جو فی البدیہہ اشعار کہے تھے وہ ایمان اور جاں فروشی کی ایک قابل قدر داستان ہیں،سرپیش کرنا تو عشق کی ایک ادنیٰ سی روایت ہے ؎

سر بیچ کر متاعِ دل و جاں خریدنا
سودا ہے وہ کہ جس میں خسارہ کوئی نہیں

گویا عشقِ رسول ﷺ کا حاصل خوف خدا ہے۔یہی خوفِ خدا،انسان کو شعلوں میں کودنے، پہاڑوں سے ٹکرانے، سمندروں میں اترنے،تاج وتخت کو نیزوں پر اچھالنے اور سولیوں کو چومنے کا حوصلہ عطا کرتا ہے۔خدا کے اسی خوف اور ایمان کی اسی استقامت کی جھلک نعت کے آئینے میں دیکھیے ؎

اے شہِ کونین ﷺ، در پر غیر کے جھکتے نہیں
تیرے سنگ آستاں کے واسطے جو سر بنے

(خوشی محمد ناظر)

دربار شہہ میں بھی، میں اگر سر کشیدہ ہوں
اس کا یہ سبب، مرا پندار آپ ہیں

(احمد ندیم قاسمی)

ارم آفریں خاکِ پائے محمد ﷺ
حریفِ سکندر، گدائے محمد ﷺ

(اثر صہبائی)

ہم سر بکف، پیمبر دوراں ﷺ کے ہیں غلام
کیونکر رکے گی گرمیٔ بازار روک لو

(شورش کاشمیری)

زندگی میری ہے طائف کے سفر کا پرتو
میں نے پائی ہے ستم سہنے کی عادت تجھ سے

(عارف عبدالمتین)

ہے ہیچ محمد ﷺ کی غلامی کے مقابل
وہ دولت قاروں ہو یا شوکتِ پرویز

(علیم ناصری)

میں اور عدوئے دیں کی سنوں پھر بھی چپ رہوں
گردن بھی ہو اگر تہہ خنجر، غلط غلط

(امین گیلانی)

نعت گو شعراء ملت کے حال زار، زمانے کی تلخیوں اور وقت کی سنگینیوں کو دربارِ رسالت میں پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ذات درد کا درماں اور زخم کا مرہم ہے۔ ان کے نزدیک آپ ﷺ وہ ماہِ تمام ہیں جس کی تابشیں، لٹی ہوئی صبحوں اور بجھی ہوئی شاموں کو منور کرتی ہیں۔ جدید اردو شعراء اپنی ذات میں کائنات سمیٹ کر، حضور کے پیش ہوتے ہیں، آج کا شاعر حضور ﷺ کے صوری محاسن کا ذکر بھی کرتا ہے۔ مگر تاریخ اور سیرت پر بھی روشنی ڈالتا چلا جا رہا ہے اور یہی خوبی نعت کو رسم و روایت کے بجائے ایک عظیم مقصدی ادب بنا دیتی ہے۔ جہاں تک تغزل کی ایمائیت، شعر کی حلاوت اور ادب کی چاشنی کا تعلق ہے۔ دورِ حاضر کی نعت ایک ارفع مقام رکھتی ہے۔ چند مثالیں دیکھیے ۔

ظہورِ نورِ ازل کو نیا بہانہ ملا
حرم کی تیرہ شبی کا چراغِ خانہ ملا

(حفیظ ہوشیار پوری)

اے رہروانِ شوق یہاں سر کے بل چلو
طیبہ کے راستے کا تو کانٹا بھی پھول ہے

(کوثر نیازی)

اس کی ہمت ہی چراغِ راہ تھی اس کے لیے
وہ رہِ منزل میں خود منزل نشاں بنتا گیا

(محشر رسول نگری)

وہ جس کے لطف سے کھلتا ہے غنچۂ ادراک
وہ جس کا نام نسیمِ گرہ کشا کی طرح

(سراج الدین ظفر)

باطل مٹا حضور ﷺ کی آمد سے اس طرح
غائب ہوں جیسے ظلمتیں نورِ سحر کے بعد

(انجم وزیرآبادی)

جو تیری یاد میں گزرے وہی پل زندگی ٹھہرے
بظاہر ساری گھڑیاں، سارے لمحے ایک جیسے ہیں

(شہزاد احمد)

غنچۂ دل کے لیے وجہِ نمو
تیرے کوچے کی ہوائے مشکبو

(جمال سویرا)

وہ رسول ﷺ دوسرا، وہ تاجدارِ بحر و بر
جس کے قدموں پر جھکا تھا قیصر و کسریٰ کا سر

(منظور حسین شور)

کہکشاں ہے تیرے رہوارِ مقدس کا غبار
تیرے نقشِ پا ہیں فردوسِ بریں کے لالہ زار

(ساغر صدیقی)

ہر دل کی تسلی ہے، ہر غم کی دوا ہے
کیا چیز ہے مولا تری خاکِ کفِ پا بھی

(منور بدایونی)

اس غم کو یوں بڑھائیو، یارب کہ جس طرح
بجلی کی ضرب دامنِ ابرِ سیاہ میں

(فضل حق)

اردو کے نعتیہ ذخیرے پر ایک نظر ڈالیں تو بعض ایسے نام بھی ملتے ہیں جن کا شمار معروف شعراء میں نہیں ہوتا، مگر اُن کے اشعار میں عشق کا جو سوز اور بیان کا جو حسن ہے، وہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ یہ کوئی ضروری بات نہیں کہ ہر غزل گو، نعت گو بھی ہو، کیونکہ نعت تو ایک ایسا روحانی کیف ہے جو دل پر نازل ہوتا، قلم پر اترتا اور کاغذ پر بکھرتا ہے اور یہ کیف، اکتساب سے کہیں زیادہ، خدائے بخشندہ کا لطف و کرم ہے۔ ایسے ہی چند غیر معروف شاعر مگر نامور نعت گو حضرات کے

اشعار دیکھیے۔

آپ ﷺ کے دم سے مشرف ہوگئی خاکِ حجاز
ورنہ مٹی کے لیے کیسا شرف، کیا امتیاز

(جعفر)

معراجِ عشق، اوجِ تمنا، فروغِ حسن
خالق کو جس پہ ناز ہے وہ مہ جبیں ہو تم

(سعیدالظفر)

خوشبو بسی ہے تیری نسیم و شمیم میں
کھلتی ترے نفس سے ہے نسرین و نسترن

(سعید)

وہ کیسے لوگ تھے جو روحِ عصر بن کے رہے
تری نگاہ نے کس کس کو چن لیا ہوگا

(عدیم)

سوالِ بے ضرورت اپنی عادت
عطائے بے طلب شانِ محمد ﷺ

(ریاض)

کمالِ صانع صحِ ازل تری تخلیق
ترے وجود سے روشن یہ خاکدانِ وجود

(مظہرعارف)

نظروں کو روکشِ غم دوراں بنا دیا
تیرے کرم نے مجھ کو مسلماں بنا دیا

(امیرابن الغازی)

بہت سے غیر مسلم حضرات نے بھی نعتیں کہی ہیں۔ بعض نعتیں پڑھ کر اس امر کا احساس ہوتا ہے کہ ان پر اردو اور فارسی کا گہرا اثر ہے۔ چونکہ اردو اور فارسی میں نعتیہ سرمایہ بھی خاصا ہے جو دورانِ مطالعہ میں لاشعوری طور پر دل میں اتر جاتا ہے۔ دوسرے اس دور میں تقریباً ہر دیوان حمد و نعت سے شروع ہوتا تھا اور وہ لوگ چونکہ متعصب نہ تھے اس لیے انہوں نے جہاں اردو کو اپنایا وہاں اس اندازِ آغاز کو بھی اپنا لیا۔ ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ چونکہ ان کے ہاں کوئی ایسی ہمہ صفت موصوف شخصیت نہیں ہے جو کونین کا سررشتۂ آغاز ہوسکتی ہو اس لیے وہ یہ روش اپنانے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن غیر مسلم شعراء کی بعض نعتیں ایسی ہیں کہ انہیں نہ تو اہل نظر، نظر انداز کر سکتے ہیں نہ تماشائی، ان کے بعض مصرعے تو ضرب المثل بن گئے ہیں اور اکثر نعتیں اعتدال کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں اور یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ یہ تاثر آ نہیں سکتا جب تک سوز دروں کی آنچ

لفظوں میں نہ ڈھل جائے۔ آخر یہی کہنا پڑتا ہے ؎

قیس ہو، کوہ کن ہو یا حالی
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

عشق ایک نعمت ہے جو اللہ کی دین ہے۔ گداز ایک خصوصیت ہے جو اکتساب کی محتاج نہیں اور محبت ایک ایسی خوبی ہے جو تصنع سے بے گانہ ہے۔ غیر مسلم شعراء میں، پنڈت ہری چند اختر، تلوک چند محروم، عرش ملسیانی، کشن پرشاد، امر چند قیس اور جگن ناتھ آزاد ایسی شخصیات ہیں، جن کے جذبات کی صداقت کے حضور، ہمارے قلب و نظر جھکتے ہیں، ان کا نعت میں رطب اللسان ہونا، بانیٔ اسلام ﷺ پر کوئی احسان نہیں، کیوں کہ آفتاب کو آفتاب کہنا، آفتاب پر احسان نہیں، بلکہ اس بات کا ثبوت ہے کہ دیکھنے والی نظر، دھندلی نہیں۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فضیلت وہ ہے جس کی شہادت غیروں کی طرف سے ہو۔ اب غیروں کی چند شہادتیں دیکھیے ؎

کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا

(ہری چند اختر)

میں لکھتا رہا نعت اور حق نے شب بھر
قمر کو مری پاسبانی میں رکھا

(کوثری)

سلام اس پر جلائی شمعِ عرفاں جس نے سینوں میں
کیا حق کے لیے بے تاب سجدوں کو جبینوں میں

(جگن ناتھ آزاد)

احد اور احمد میں ہے فرق اتنا
یہ بندہ ہوا ہے، وہ مولا ہوا ہے

(کشن پرشاد)

ہاں، ہاں تمہی تو ہو دلِ عالم کے دلنواز
دلدار و دلنشین و دلآرا تمہی تو ہو

(عرش ملسیانی)

ابتدا سے لے کر اب تک کی نعتیہ شاعری پر ایک نظر ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ ہر دور کی شاعری اپنے اندر مخصوص پہلو لیے ہوئے ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے نعت گو حضرات نے جو دیکھا جس رنگ اور جس شکل میں دیکھا، اسے عقیدت کے پیرائے میں بیان کر دیا، وہاں مبالغے کی کوئی بات نظر نہیں آتی، کیوں کہ ان کے قول و فعل میں مطابقت تھی۔ وہ عشق کا صرف لفظی دعوے ہی نہیں کرتے تھے بلکہ عمل کی دنیا میں بھی پورا اترتے تھے۔ اس کے علاوہ جو

نعتیں حضور ﷺ کے روبرو پڑھی جاتی تھیں۔ اگر ان میں کوئی مبالغہ ہوتا تو حضور ﷺ ٹوک بھی دیتے تھے اور بسا اوقات تصحیح بھی فرما دیتے تھے۔ حضرت کعب بن زہیرؓ کے جس شعر پر حضور ﷺ نے اپنی ردائے مبارک عطا فرمائی تھی وہ یہ تھا۔

ان الرسول لسیف یستضاء بہ
مھند من سیوف اللہ مسلول

حضرت کعبؓ نے ''سیوف الہند'' کہا تھا۔ حضور ﷺ نے ''سیوف اللہ'' فرما کر شعر میں ترمیم فرمائی، اس درستی نے بات کو واقعیت اور آفاقیت بخش دی کہ واقعی حضور ﷺ ایک ایسی تلوار ہیں جس سے روشنی ملتی ہے اور آپ ﷺ اللہ کی تلواروں میں سے ایک کھنچی ہوئی تلوار ہیں۔ ہند عرب ہی میں ایک ایسا علاقہ ہے جہاں کی تلواریں مشہور تھیں۔ ہند کے لفظ سے بات ایک خطے تک رہ جاتی ہے اور حضور ﷺ کی عالمگیر تبلیغ محدود نظر آتی ہے۔ آہستہ آہستہ وقت گزرتا گیا۔ حضور ﷺ کے چہرۂ پرنور کو دیکھنے والی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔ بعد میں آنے شعراء نے تصور و خیال کے سہارے نعتیں کہیں۔ جس میں مبالغے نے حقیقت کی جگہ لے لی۔ اس مبالغے کو عقیدت کا نام دیا گیا۔ یہی وہ بات ہے جس نے نعت گوئی کو ایک نازک مرحلہ بنا دیا اور تصور و خیال کی انہی تصویر آرائیوں نے نعت کو بطور ایک سخن ابھرنے نہ دیا۔ کیونکہ غلو نے اس کی واقعیت سلب کر لی تھی مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ ہر دور کی نعتیہ شاعری کا بیشتر حصہ، تاریخ، سیرت، فضائل اور محاسن کے گرد گھومتا رہا۔ آج کی نعت، فضائل و شمائل کے ساتھ ساتھ انفرادی درد اور غمِ دوراں کی بھی عکاس ہے۔ یہ مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیفیتِ ذات کی بھی ترجمان ہے اور ستم ہائے زمانہ کی بھی آئینہ دار۔ اسی خوبی نے نعت کو دوسری شعری اصناف سے بالاتر کر دیا ہے۔

الغرض نعت گوئی ایک ارفع اور نازک مقام ہے۔ ارفع اس لیے کہ جس ذاتِ اقدس کی تعریف مالک کون و مکاں کرتے ہوں۔ اس کا حق کیسے ادا ہوسکتا ہے۔

اور نازک اس لیے کہ احتیاط کے تقاضے کڑے ہیں، قلم اور زبان کی ہلکی سی لغزش ایمان کے آبگینے کو ٹھیس پہنچا سکتی ہے۔

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بردمِ تیغ است قدم را

مجید امجد کے الفاظ میں ''جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں ذرا سی لغزش، نعت کو حدودِ کفر میں داخل کر سکتی ہے۔ ذرا سی کوتاہی مدح کو قدح میں بدل سکتی ہے۔ ذرا سا شاعرانہ غلو ضلالت کے زمرے میں آسکتا ہے۔ ذرا سا عجز بیان اہانت کا باعث ہوسکتا ہے۔ فنِ شعر کے لحاظ سے اس کام کے لیے کمال سخنوری اور نفسِ مضمون کے لحاظ سے اس کے لیے کمال آگہی درکار ہے اور پھر ان دونوں چیزوں کو جلا جس چیز سے ملتی ہے وہ عشق کا سرمدی جذبہ ہے جو لفظوں کو تجلیات سے بھر دیتا ہے اور معانی میں وسعتیں سمو دیتا ہے۔ یوں نعت ایک مقدس آزمائش ہے۔ بیان عقیدت کی رو سے جوہر ایمان کی آزمائش اور غایت غایات کی جستجو کے ضمن میں قوت وادراک کا امتحان، سچی نعت لکھنے والے کا مرتبہ، انسانی اکتسابات کی معراج ہے۔ اس کا ہر سانس دیدار حبیب ﷺ کی منزل ہے وہ فرشتوں کا ہم زباں ہے۔ وہ تمام ارواح مبارکہ

کا ہم نوا ہے۔اس کی زبان پر اس (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدح ہے۔جس کی مدح خود ذات باری نے کی ہے۔اس کی فکر لامحدود کی حدیں متعین ہیں۔وہ قدم قدم پر نص قرآنی کا پابند ہے۔اس کا ہر لفظ زنجیرِ احتیاط بھی ہے اور اس کا ہر حرف سرشارِ احترام بھی۔احتیاط کی قدغن یہ کہ کہی گئی بات، قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق ہو اور احترام کا تقاضا یہ کہ مدح، مرتبۂ رسالت کی حقیقی سطح پر فائز ہو۔''

اس لیے نعت گوئی کے حقیقی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے دل دھڑکتے، روح کانپتی، قلم لرزتے، زبان لڑکھڑاتی اور سانس اکھڑتی ہے۔اگر کسی قلم میں نعت گوئی کی صلاحیت موجود ہے تو یہ بھی اللہ کا کرم اور حضور ﷺ کی عنایتِ خاص ہے کہ اسی کرم اور اسی عنایت سے دلوں کے حجاب دور ہوتے، فکر و نظر کے ایوان کھلتے، درماندہ ہمت پاتے اور پسماندہ آگے بڑھتے ہیں۔اسی فیض سے، زبانوں کو تکلم کا حسن عطا ہوتا اور قلم میں پرہما کی جنبش پیدا ہوتی ہے۔

(۱۹۷۹ء)

☆

پسند اپنی اپنی، خیال اپنا اپنا

o

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا؟
کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا؟

o

نمبر شمار	نام کتاب	تبصرہ نگار	رسالہ / کتاب	سنِ اشاعت
۱۔	مخزن نعت	راز کاشمیری	شام وسحر۔لاہور	۱۹۷۹ء
۲۔	"	"	مجلّہ۔کراچی	۱۹۷۹ء
۳۔	"	احسان اللہ طاہر	مفیض۔گوجرانوالا	۲۰۰۸ء
۴۔	تیرا وجود الکتاب ﷺ	ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی	السیرۃ۔کراچی	۲۰۰۱ء
۵۔	"	پروفیسر محمد اکرم رضا	نعتیہ ادب کے تنقیدی نقوش	۲۰۱۲ء
۶۔	"	ڈاکٹر عزیز احسن	نعت رنگ ۱۲۔کراچی	۲۰۰۱ء
۷۔	"	احسان اللہ طاہر	مفیض۔گوجرانوالا	۲۰۰۸ء
۸۔	کعبے پہ پڑی جب پہلی نظر	ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری	السیرۃ۔کراچی	۲۰۰۶ء
۹۔	نعت میں کیسے کہوں؟	پروفیسر محمد اکرم رضا	نعتیہ ادب کے تنقیدی نقوش	۲۰۱۲ء
۱۰۔	دل جس سے زندہ ہے	ابوالحسن مغل	کاروانِ نعت۔لاہور	۲۰۱۷ء
۱۱۔	شعری التجائیں	سید عزیز الرحمٰن	سیارہ۔لاہور	۲۰۱۱ء
۱۲۔	لوح بھی تو، قلم بھی تو	احسان اللہ طاہر	مفیض۔گوجرانوالا	۲۰۰۸ء
۱۳۔	پروفیسر اقبال جاوید کی نعت شناسی	ڈاکٹر عزیز احسن	نعت رنگ ۲۱۔کراچی	۲۰۰۹ء

''مخزنِ نعت''

(۱)

مخزن نعت ۲۰۰ سے زائد شعراء کے نعتیہ کلام کا انتخاب ہے جسے تین ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، یعنی تبرکات، سلکِ عقیدت اور اعترافِ عظمت۔

تبرکات کا باب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے قبل کی نعت سے لے کر مولانا ظفر علی خاں کی نعت تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں تقریباً ۵۷ نعتیں اور ۱۰۶ صفحات ہیں۔ یہ باب اور خصوصاً اس باب کا ابتدائی حصہ مرتب کی کاوش و تحقیق کا حسین و جمیل نمونہ ہے۔ سلکِ عقیدت کے عنوان سے متعلق باب میں جدید اردو شعراء کا نعتیہ کلام ہے۔ اس میں معروف شعراء کے ساتھ ساتھ غیر معروف شعراء بھی شامل کیے گئے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر اقبال جاوید نے شعوری طور پر شعراء سے زیادہ نعتوں کے معیار کو سامنے رکھا۔ تمام نعتیں ادب، شریعت اور جذب و شوق کے لحاظ سے بلند پایہ ہیں۔

اعترافِ عظمت میں غیر مسلم شعراء کا کلام شامل ہے جو عقیدت کے لحاظ سے مسلمان شعراء سے کم نہیں ہیں۔

مخزنِ نعت صرف منتخب نعتوں کا مجموعہ ہی نہیں ایک تحقیقی کتاب بھی ہے۔ ابتداء میں ثنائے خواجہ کے عنوان سے نعتیہ شاعری پر ایک بسیط تحقیقی مقالہ بھی شامل ہے، جو مرتب کے علم و فضل، تحقیق و تنقید اور وسعتِ مطالعہ پر دال ہے۔ اس تحقیقی مقالہ کے علاوہ ہر نعت پر تشریحی نوٹ دیئے گئے ہیں اور یہ حواشی قرآنی، تاریخی، شعری اور ادبی حقائق و معارف پر مشتمل ہیں۔

پروفیسر اقبال جاوید نے نعتیہ انتخاب میں ایک نئی طرح ڈالی ہے اور اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے نئے راستوں اور نئی منزلوں کی نشاندہی کی ہے۔ مخزنِ نعت ایک ایسی قابلِ قدر کاوش ہے جسے ہم ذوق و شوق، شعر و ادب اور فکر و نظر کا ایک حسین امتزاج کہہ سکتے ہیں۔

(۲)

مخزنِ نعت ایک ممتاز و منفرد انتخابِ نعت ہے، جسے قدیم و جدید شعراء کرام کے گلہائے عقیدت و محبت سے سجایا گیا ہے۔ اس کتاب کے فاضل مرتب پروفیسر محمد اقبال جاوید ہیں، آپ گورنمنٹ کالج (گوجرانوالا) میں شعبۂ اُردو کے صدر ہیں۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید دلِ تپیدہ کے مالک ہیں۔ بارگاہ رسالت مآب ﷺ کے حضور جس تحقیق و جستجو سے انھوں نے اس انتخاب کو مرتب کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس نعتیہ انتخاب کو انتہائی اہم مقام حاصل ہے۔ اس طور پر اب تک کسی جانب سے بھی پیش رفت نہیں ہوئی۔

فاضل مؤلف نے اس دکھ کے ساتھ اس انتخاب کو مرتب کیا ہے کہ نعتِ رسول ﷺ کو بطور صنفِ سخن ادب میں ایک نمایاں مقام حاصل ہونا چاہیے تھا مگر ایسا نہیں ہوا۔ انھوں نے شبلی کی ''شعرالعجم'' اور پنجاب یونیورسٹی لاہور کی ''تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند'' کے مرتب کرنے والوں سے بھی شکوہ کیا ہے کہ اس میں بھی فنِ نعت کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ وہی صدائے کرب ہے جس کا برملا اظہار نعت پر ہر کام کرنے والے نے کیا ہے۔

مخزنِ نعت بھی نعتیہ ادب کے دلنشین سلسلے کی ایک موثر اور پاکیزہ کڑی ہے۔ ابتدا میں اقبال جاوید نے ''غرضِ تمنا'' کے نام سے اس نعتیہ انتخاب کا ذکر کیا ہے اور پھر ثنائے خواجہ (ﷺ) کے حوالے سے نعتیہ شاعری کی تاریخ فن اور اس کے اقدار پر سرسری روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب کے دیگر مندرجات حسب ذیل ہیں۔

''نغماتِ سرمدی'' کے عنوان سے ان ''تبرکات'' کو جمع کیا ہے جو ولادتِ نبوی ﷺ کے زمانہ ماقبل سے مولانا ظفر علی خاں تک چلے آئے ہیں۔ سلک عقیدت میں ان جدید شعراء کرام کے گلہائے سعادت کو پرویا ہے جس کی خوشبو اور توانائی زمانے کے سرد و گرم سے ہمیشہ معرا رہی ہے۔ جدید شعراء کی نعتوں کا انتخاب ردیف کی ترتیب سے مزین ہے۔ اعتراف عظمت میں غیر مسلم شعراء کا اظہارِ مودت بھی موجود ہے۔ خصوصی نگارشات جو مخزنِ نعت کے ضمن میں ان تک پہنچی تھیں انھیں بھی کتاب میں شامل کیا ہے۔ آخر میں اشارات و ماخذ بھی بڑے کام کی چیز ہے۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت جو اسے دوسری کتابوں سے ممیّز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر نعت کے اختتام پر حاشیے میں فاضل مؤلف نے ان قرآنی تلمیحات، علمی و شعری مصطلحات اور تاریخی اشارات کی بھی نشاندہی کی ہے جو ہر نعت گو نے اپنی نعتوں میں روا رکھے ہیں۔ اس اہم اقدام سے فاضل مرتب کی بالغ نظری اور وسعت علمی کا پتہ چلتا ہے۔

مخزنِ نعت کو علمی کتاب خانہ کبیر اسٹریٹ اردو بازار لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس وقت اس کا ہدیہ بارہ روپے تھا۔ یہ کتاب ۲۳x۳۶=۱۶ کے سائز ۲۹۴ صفحات پر محیط ہے۔ اس کا سالِ اشاعت مارچ ۱۹۷۹ء ہے۔ جبکہ اس کا قطعہ تاریخ ۱۹۷۶ء ہے جسے رضی شیرازی نے لکھا ہے مخزنِ نعت کو نہایت اہتمام سے شائع کیا گیا ہے۔

(۳)

پروفیسر محمد اقبال جاوید کا نام تحقیقی و تنقیدی حوالے سے کسی تعارف کا محتاج نہیں، آپ نے دینی ادب کے حوالے سے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ ''تیرا وجود الکتاب'' نعتیہ مضامین کا مجموعہ ہے جس میں فارسی، عربی، اردو اور پنجابی کے بڑے بڑے صوفی نعت گو شعرا جو کہ صاحب حال اور صاحب قال بزرگ تھے ان کے فکر و فن کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح بیسویں صدی میں شائع ہونے والے قرآن نمبر اور ''رسول نمبر'' کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ بھی آپ کی بڑی اعلیٰ ادبی خدمات ہیں۔ گو کہ آپ شاعر نہیں ہیں جس کا آپ نے برملا اعتراف بھی کیا ہے مگر آپ ایک سخن فہم اور مردم شناس انسان ہیں۔ میاں محمد بخش نے ایسے لوگوں کے بارے میں کہا تھا کہ

مر مر اک بناون شیشہ مار وٹا اک بھن دے
دنیا اُتے تھوڑے رہندے قدر شناس سخن دے

اسی سخن شناسی کی بدولت ۱۹۷۹ء میں آپ نے ایک نعتیہ کتاب مرتب کی جس کا نام آپ نے ''مخزن نعت'' رکھا۔

اس میں قدیم وجدید شعرا کرام کے نعت نذرانے پیش کیے گئے ہیں۔

کتاب کا انتساب والدہ ماجدہ کے نام کیا گیا ہے اور وہ حدیث جس کا ترجمہ ہے کہ ''جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔'' بھی درج ہے۔ کتاب کو چار عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے ذیلی عنوان کا نام ہے۔ نغماتِ سرمدی، تبرکات، جس میں کل ۵۷ نعتیں ہیں۔ اقبال جاوید چونکہ فارسی ادب کے بھی استادر ہے ہیں اس لیے آپ کا فارسی زبان و ادب کا ذوق بھی اعلیٰ پائے کا ہے۔ فارسی نعتوں میں امام اعظم ابوحنیفہؒ سے لے کر دلی دکنی تک کے مشہور شعراء کی نعتیں ہیں جن میں بڑے بڑے لوگوں کے نام آتے ہیں۔ جیسے خواجہ معین الدین چشتیؒ، مولانا جلال الدین رومیؒ، شیخ شرف الدین بوعلی شاہ قلندرؒ، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جیسے بزرگ شامل ہیں۔ اسی طرح باقی نعتیں اردو کی ہیں جن میں مولانا ظفر علی خاںؒ تک کے بڑے بڑے نعت گو اور مقبول و مشہور شعراء کا کلام شامل ہے۔

ایسے بڑے بڑے نابغہ روزگار لوگوں کے کلام کا انتخاب ایک سخن شناس صاحب حال اور صاحب قال انسان ہی کر سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے کوشش کی ہے کہ ایک مضمون کو جو کہ کسی بھی نعت میں آیا ہے اگر اسی طرح کا مضمون کسی اور شاعر نے کسی اور انداز سے باندھا ہے تو اس کو نیچے حاشیہ میں بیان کر دیا جائے یہ مرتب کی سخن فہمی کا بڑا ثبوت ہے۔ اسی طرح پوری کتاب سے آپ کا سیرت اطہر کا مطالعہ اور قرآن پاک کے افکار کی گہرائی سے مطالعہ بھی اپنے رنگ بکھیرتا دکھائی دیتا ہے۔ اقبال جاوید صاحب نے کوشش کی ہے کہ ان نغماتِ سرمدی میں اس طرح کی نعتوں کا انتخاب کیا جائے کہ ہر نعت اپنا الگ رنگ اور انداز دکھاتی نظر آئے۔ اس حصے کے چند شعرا کے کلام سے نمونے ملاحظہ کریں۔

بہشت چیز ہی کیا ہے کہ ایک سجدے میں
ہمیں تو مل گئے دونوں جہاں مدینے میں

(محمد داؤد خاں اختر شیرانی)

بادشاہوں کو کیا فقر میں مغلوب امیرؔ
وجہ یہ ہے کہ خدا خود تھا نگہباں ان کا

(مفتی امیر احمد امیر مینائی)

کتاب کے دوسرے حصے کا نام ''سلکِ عقیدت'' ہے جس میں جدید اردو شعراء کے گلہائے نعت رکھے گئے ہیں۔ اس حصے کی ابتدا شورش کاشمیری کی اس نعت سے ہوتی ہے۔

اک شخص سراپا رحمت ہے اک ذات ہے یکسر نورِ خدا
ہم ارض و سما کو دیکھ چکے لیکن کوئی اس جیسا نہ ملا

اور شرقی جالندھری کی نعت جو کہ مدینہ منورہ میں لکھی گئی اس کے اس شعر پر اس حصے کا اختتام ہوتا ہے۔

میں کیا ہوں مرے جیسے یہاں لاکھوں پڑے ہیں
قربان یہاں سارا عرب، سارا عجم ہے

اس حصے میں ۳۳ نعتیں ہیں جو کہ آپ نے ردیف وار رکھی ہیں۔ یعنی پہلے وہ نعتیں جن کی ردیف الف ہے اور پھر اس ترتیب کے ساتھ نعتیں ہیں۔ اس میں بھی بڑے بڑے نام ہیں جو کہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں بلکہ اس حصے میں زیادہ

نام وہ ہیں جو کہ اب دار فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔ جیسے شورش کاشمیری، قیوم نظر، انجم رومانی، حفیظ جالندھری، ناصر کاظمی، عبدالرب نشتر، راز کاشمیری، راسخ عرفانی، احسان دانش اور اس طرح کے کئی بڑے بڑے نام۔

اعترافِ عظمت میں غیر مسلم شعرا کے کلام کے نمونے ہیں اور خصوصی نگارشات میں مختلف قدیم و جدید شعراء کا کلام ہے۔ جس میں درود و سلام کے نغمے اور نعتیں ہیں۔ اقبال جاوید نے ''ثنائے خواجہ ﷺ نعتیہ شاعری ایک نظر میں'' کے عنوان سے عرض تمنا کے بعد جو مضمون لکھا ہے وہ اردو نعتیہ ادب کی ایک مختصر، مگر جامع تاریخ ہے جس میں آپ نے نعتیہ اشعار کو برمحل اور بڑے ذوق سے استعمال کیا ہے۔ غیر مسلم شعرا کی نعتوں کے علاوہ اس میں ۲۰۸ نعتیں ہیں جو قاری کو ایک نیا ولولہ عطا کرتی ہیں۔ نذر صابری کی ایک نعت جو کہ اقبال جاوید کے اعلیٰ ذوق کی نشاندہی کرتی ہے:

کسی کو تخت ملا، تاجِ خسروانہ ملا
کسی کو تیغ ملی، زورِ ترکمانہ ملا
کسی کو سوز ملا، جذبِ عاشقانہ ملا
کسی کو حسن ملا، نازِ دلبرانہ ملا
کسی کو عقل ملی، علم کا خزانہ ملا
کسی کو سجدے ملے، گریۂ شبانہ ملا
کسی کو کشف ملا، ذوقِ عارفانہ ملا
کسی کو خامۂ مشکینِ شاعرانہ ملا
یہ نقوش ہیں باطل یہ سب فنون ہیں خام
اگر جبیں کو محمد ﷺ کا نقشِ پا نہ ملا

☆

''تیرا وجود الکتاب''

(۱)

جناب پروفیسر محمد اقبال جاوید اردو کے ایک مستند اور صاحب نظر ادبی نقاد ہیں، بالخصوص اردو شاعری پر وہ جو کچھ لکھتے ہیں اس میں بصیرت کے ساتھ توازن بھی ہوتا ہے۔ اردو کے دس عظیم شاعر، اس کی مثال ہے۔

انہوں نے اپنی صلاحیتیں بڑی حد تک دین اور دینی ادب کے لیے وقف کر دی ہیں۔ تیرا وجود الکتاب اولیائے کرام رحمہ اللہ علیہم کی نعتیہ شاعری کا ایک تنقیدی جائزہ ہے۔ ان شعراء میں فارسی اور اردو کے چودہ نعت گو صوفی شامل ہیں۔ ان میں سے کچھ تو ولی اللہ اور ارباب طریقت کے طور پر معروف ہیں۔ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت بوعلی قلندرؒ، حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مہر علی شاہؒ، حضرت خواجہ محمد یارؒ اور کچھ وہ ہیں جنہوں نے ادبیات کی تاریخ میں اپنا نقش دوام قائم کیا ہے اور وقت کی موجِ رواں پر اپنا نام تحریر کیا ہے۔ حضرت احمد جام، شیخ سعدی، رومی، مولانا جامی، مولانا احمد رضا خاں، قاضی محمد سلیمان منصور پوری، بیدم شاہ وارثی رحمہ اللہ۔

پروفیسر محمد جاوید اقبال کی تنقید میں علمی شعور، تاریخ کا زندہ احساس اور ذوقِ لطیف کی وہ نمود ہے جس کے بغیر ادبی تنقید وجود میں نہیں آسکتی۔ ان کی تنقید کو مجموعی طور پر تاثراتی اور جمالیاتی کہا جا سکتا ہے اور اس کو ان کے دینی مطالعے نے گہرائی بخشی ہے۔

پروفیسر جاوید اقبال صاحب کے اسلوب میں تخلیقی شان ہے جو ان کی تنقید کو بھی تخلیق کی سطح پر پہنچا دیتی ہے۔ تیرا وجود الکتاب کے صفحات میں ان کے خوبصورت اسلوب کے جلوے ہر جگہ موجود ہیں۔ ایک مختصر اقتباس نمونے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

''الوہی تعلمات ہمیشہ گردش وقت پر خندہ زن رہا کرتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آفتابِ رسالت ہیں۔ آپ ﷺ کی آمد سے افقِ نبوت کے تمام ستارے چمک اٹھے ہیں اور نہ اس آفتاب کو غروب ہے اور نہ ان ستاروں کے مقدر میں تنک تابی۔''

یہ چند جملے گہری معنویت بھی رکھتے ہیں۔ آفتاب تو ستاروں کو کھا جاتا ہے لیکن آفتابِ محمدی ﷺ نے کردار اور سیرت کے ستاروں کو نئی چمک دی ہے۔ یہ انداز کتاب میں عام ہے۔

اگر پروفیسر صاحب نے ماضی قریب کے کچھ اور بزرگوں اور اہل اللہ کو شامل کر لیا ہوتا تو مناسب ہوتا۔ حضرت آسی غازی پوری، مولانا اشرف علی تھانوی، خواجہ عزیز الحسن مجذوب، حضرت اصغر گونڈوی، مولانا محمد احمد پھول پوری، حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ، علامہ سید سلیمان ندوی اور مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ علیہم (اس فہرست میں اضافہ کیا جا سکتا

ہے۔ یہ نام تو مجھے ان سطور کی تحریر کے وقت یاد آ گئے)

(۲)

پروفیسر محمد اقبال جاوید کی زیرِ نظر تصنیف ۲۰۰۱ء میں فروغِ ادب اکادمی گوجرانوالہ کے زیرِ اہتمام طبع ہوئی۔ ۳۶۴ صفحات پر مشتمل یہ تصنیف لطیف اولیائے کرام کے ذوقِ نعت کی خوش بو لیے ہوئے ہے۔ چودہ صوفیائے عظام اور اولیائے کرام کا تذکرہ نہایت تاریخی اور تحقیقی انداز سے کیا گیا ہے۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید ممتاز ماہر تعلیم، نام ور محقق نعت، انشائے لطیف کے جواہر لٹانے والے قلم کار ہیں۔ آپ کی بہت سی کتب (مختلف موضوعات کے حوالوں سے) شائع ہو چکی ہیں۔ چوں کہ ہمارے مقالے کا موضوع تنقیداتِ نعت ہے اس لیے ہم نے ان کی نعتیہ کتب کا ہی انتخاب کیا ہے۔ علم و ادب اور فکر و فن میں پروفیسر صاحب کے متعدد حوالے ہیں مگر آپ کا سب سے بڑا حوالہ حمد و نعت سے غیر معمولی محبت اور صوفیائے کرام کے تذکار سے وابستگی ہے شاید اس کا سبب ان کے والدِ محترم حضرت مولوی محمد شریفؒ کی روحانی تربیت میں پوشیدہ ہے۔ راقم نے ایک طویل عرصہ ان کی سربراہی میں پڑھایا اور اس طور ممتاز صاحبِ قلم کو پڑھنے کا موقع بھی ملا۔ انھیں سرکارِ دو عالم ﷺ کی نسبت سے پیار ہے۔ ان کی تحریریں مدت سے ممتاز جرائد نعت کی زینت بن رہی ہے، ماہ نامہ شام و سحر نے نعت نمبروں کا سلسلہ جاری کیا تھا اس کے لیے دل کھول کر لکھا۔ ماہ نامہ نعت کے لیے لکھتے رہے اور اب جب کہ ''نعت رنگ'' اوجِ مدحتِ حضور ﷺ پر جگمگا رہا ہے تو قارئین ان کی مسلسل تحریروں کے عادی ہو چکے ہیں۔ یہ سب رب کریم کی مہربانی اور سرکارِ عالی مرتبت کا فیضِ عام ہے جو اندھیروں کو روشنی، گم ناموں کا شہرتِ عام اور وابستگانِ نعت کو زندگی کا دوام بخشتا ہے۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید نے ''تیرا وجود الکتاب'' کے لیے ایسی چودہ شخصیات کا انتخاب کیا جن کا تعلق دبستان تصوف سے بھی ہے اور وہ نعت کے حوالے سے بھی حوالے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

آپ کی تحریروں میں غیر معمولی دل کشی اور روانی ہے۔ آورد نہیں آمد ہے ان کی نثر پر انشائے لطیف اور انشائے لطیف پر شعریت کا گمان گزرتا ہے۔ فقروں کے جال بنتے اور خوب صورت تراکیب سے شہباز شکار کرتے ہیں۔

''تیرا وجود الکتاب'' کے لیے صوفیائے کرام کے انتخاب کا یوں تذکرہ کرتے ہیں:

قدیم ادبی تذکروں میں صوفی شعرا کی فنی، علمی اور فکری حیثیت کا اعتراف بہت کم کیا گیا ہے اور مجازی شعرا ہی کو اہمیت دی گئی ہے۔ حقیقت نگار شعرا کی خصوصیات کلام کا اگر ذکر بھی ہو تو ان کی شاعری کے حمدیہ اور ناصحانہ پہلوؤں کی تو کچھ نہ کچھ نشاندہی کی گئی مگر نعتیہ گوشوں سے اغماض برتا گیا۔ یہ چشم پوشی دراصل اسلام سے گریز کی شعوری یا لاشعوری ادبی کوشش تھی جب کہ حضور ﷺ کے حوالے کے بغیر حمد، مجرد توحید اور ناصحانہ امور مجرد تصوف ہیں جن کا اسلام سے کوئی سا تعلق بھی نہیں ہے کیوں کہ ہمارا ہر عقیدہ اور ہر نظریہ رسولِ پاک ﷺ ہی سے وابستہ ہے۔ (حرفِ آغاز، ص ۹)

محمد اقبال جاوید نے زیرِ کتاب میں صوفیائے عظام کے سوانحی خدوخال اور ان کی متصوفانہ اور نعتیہ شاعری پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے اسمائے گرامی یوں ہیں۔ حضرت احمد جام ژندہ پیل، حضرت سید عبدالقادر جیلانی، حضرت معین الدین چشتی، شیخ سعدی شیرازی، حضرت قطب الدین بختیار کاکی، حضرت بوعلی قلندر، مولانا جلال الدین رومی، مولانا نورالدین جامی، حضرت امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت احمد رضا خاں، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی، قاضی محمد سلیمان منصور پوری، حضرت

بیدم وارثی، خواجہ محمد یار فریدی چشتی اس فہرست کو انھوں نے سنین عیسوی کے لحاظ سے ترتیب دیا ہے۔

مصنف کی محنت کی داد دینا پڑتی ہے کہ اس فہرست میں حضرت احمد جامؒ جیسی ہستی بھی ہے جس سے دنیا بہت کم واقف ہے لیکن ان کی ایک ہی نعت ان کے نام کو صوفیوں کے دلوں کے لیے روح کی غذا بنا دیتی ہے۔ حضرت احمد جامؒ کے نام سے ایک زمانہ آگاہ ہے مگر جس قدر ان کا نام مشہور ہے اتنے ہی لوگ ان کے حالات سے بے خبر ہیں اور جو باقی صوفیائے کرام ہیں ان کے نام، ان کے فقہی اور تبلیغی کارنامے، ان کی کرامات کے تذکروں سے تو دل مہک رہے ہیں مگر ان کی شاعری عوام کی نظروں سے اوجھل ہے۔ میرے خیال میں کتاب کا نام ''تیرا وجود الکتاب'' رکھنے سے مصنف کا مقصد ہی ان کی نعتیہ شاعری کو عام وخواص کے سامنے لانا تھا اور بلاشبہ وہ اپنی سعی میں کامیاب رہے ہیں مصنف احمد جام ژندہ پیل کا ذکر اس شعر سے زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے جس کے خالق سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

محمد اقبال جاوید کا کہنا ہے کہ احمد جام کی مقبولیت اور ہر دل عزیزی ان کی تصوف سے ان مٹ وفاداری کا ثبوت ہے۔ جو بندہ خدا کی راہ میں مٹنا ہی نہ جانتا ہو وہ بندہ ہی کیا ہے۔ یہی نہیں کہ جناب اقبال نے احمد جام کی تیرہ نعتیں رقم کی ہیں جو آج کے حال مست قارئین کے لیے گلدستۂ نو بہار ہیں۔ پروفیسر صاحب کا کہنا ہے کہ دکھ اور کرب انسان کو روحانی طور پر مضبوط سے مضبوط تر بنا دیتے ہیں احمد جام جیسا صوفی نجانے مصائب کے کن تپتے ہوئے راستوں سے آیا مگر اس آبلہ پائی نے اسے ہر گام پر بارگاہِ خداوندی میں پہلے سے کہیں زیادہ سرفرازی عطا کی ہے۔

غوث یگانہ سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ رضا اور فنا کے بلند مقام پر فائز تھے۔ محمد اقبال کہتے ہیں:

وہ مخبر صادق ہونے کے ساتھ ساتھ رشد و ہدایت کا ایک جامع ذریعہ تھے۔ وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ تزکیہ بھی فرماتے چلے جاتے تھے یوں کتاب وحکمت کے رموز بھی کھلتے چلے جاتے تھے اور قلب ونظر کی ظلمتیں بھی نور بنتی چلی جاتی تھیں اور منصبِ ولایت کا تقاضا بھی یہی تھا۔ (ص ۳۱)

شاہِ جیلان کا ذکر آتے ہی آپ لکھتے ہیں:

آپ کی حیاتِ مستعار کو اگر ''کمالِ عشق'' قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا بلکہ صدق آفرینی ہوگی کہ عشق کے عدد ۴۷۰ ہیں جو آپ کا سن پیدائش ہے اور کمال کے عدد ۹۱ ہیں اور ۹۱ برس کی عمر میں ہی آپ نے رحلت فرمائی۔ (ص ۱۹)

اس نکتہ آفرینی سے پروفیسر صاحب کی علم الاعداد سے واقفیت ظاہر ہوتی ہے۔ حضرتِ غوثؒ کی شاعری دیکھیے:

اے غبارِ خاکِ کویت سرمۂ چشم فلک
اے بتو محتاج خلق ہر دو عالم یک بہ یک

O

قصرِ رسالت از تو معمور
منشورِ لطافت از تو مشہور

O

غلامِ حلقہ بگوشم رسولِ ساداتم
ز ہے نجات نمودن حبیب آیاتم

حضرت سیدنا جیلانیؒ سلسلۂ قادریہ کے بانی تھے۔ خدا نے آپؒ کو غیر معمولی علوم دینیہ اور بے پناہ کرامتوں سے نواز رکھا تھا۔ انھوں نے اپنے ایک شعر میں فرمایا ہے۔ یہ اظہارِ واقعیت پر مبنی ہے۔ کیوں کہ اللہ والے کا قلم، صداقت رقم ہوتا ہے وہ کسی عالم میں بھی مبالغے کا شکار ہو کر دروغ کو فروغ کا رنگ نہیں دیا کرتا۔ وہ شعر یوں ہے ''میں خوشیوں کا بلبل اور ان کے تنوں کو خوشیوں سے پر کرتا ہوں اور عالم بالا میں باز اشہب ہوں۔

یہ شاعری کی تعلّی نہیں ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ آپ سے اس قدر خوارق کا اظہار ہوا کہ انھیں پڑھ کر عقل انسانی سراپا عجز بن جاتی ہے۔ (ص ۳۳)

صفحہ ۱۸۸ پر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ آپ تمام اکابرینِ ملت اسلامیہ کے نزدیک لائق تحسین ہیں۔ دیوبندی بریلوی کے جھگڑوں سے پاک تھے اس لیے نامور شخصیات نے آپ سے بیعت کی آپ نے حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی سے فرمایا کہ میں ہند میں ایک بڑے فتنے کو اٹھتے دیکھ رہا ہوں۔ میرے خیال میں تمہاری وہاں موجودگی بہت ضروری ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میری یہ خواہش ہے کہ میں آپ کو خلافت عطا کروں۔ سرکار گولڑوی نے عرض کیا حضور میں سیال شریف میں حضرت سید شمس الدین سیالوی سے بیعت ہوں۔ اس لیے میں حاجت محسوس نہیں کرتا۔ حضرت مہاجر مکی نے بار بار اصرار کیا تو سرکار گولڑوی نے کہا کہ میں اس صورت میں آپ کی جانب سے خلافت قبول کرتا ہوں کہ اسے من جانب اپنے پیر کی عطا کے سمجھوں گا۔ حضرت مہاجر مکی نے قبول فرمایا اور خلافت عطا کر دی (بحوالہ ''مہر منیر'' از مولانا محمد فیض) اس سے ہم جیسے محدود فکر رکھنے والوں کو بہت بڑا پیغام ملتا ہے۔

آپ کی ممتاز تصنیف ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' نہایت مشہور و معروف ہے اور تمام اہلِ سنت کا اس پر اجماع ہے۔ اگر جملہ علمائے اکرام اس پر اتفاق کر لیں تو کتنے ہی جھگڑے دم توڑ دیں۔ حضرت مہاجر مکی ارشاد فرماتے ہیں:

سب دیکھو نور محمد ﷺ کا سب بیچ ظہور محمد ﷺ کا
جبریل مقرب خادم ہے سب جا مشہور محمد ﷺ کا

عقیدت کی بلندی اور پختگی دیکھیے:

نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا یقیں ہے
ہوا ہے یہ سب کچھ برائے محمد ﷺ
باعثِ ایجاد عالم ہے تو ہی
موجب بنیاد آدم ہے تو ہی
نہ ہوتا اگر پیدا احمد کا نور
نہ ہوتا دو عالم کا ہرگز ظہور

ہم تبصرہ کی طوالت سے گریز کرنے کے لیے اشعار کے انتخاب سے گریز کر رہے ہیں۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید نے ایسا گلدستہ سجایا ہے جس میں رنگا رنگ پھول ہیں۔ان کے پیش نظر شخصیت کے ساتھ اس کا کلام بھی ہے اور وہ بھی نعتیہ کلام۔انھوں نے کہیں بھی صداقتوں کے حسن کو پامال کرنے کی کوشش نہیں کی۔اگر سہواً ایسا ہو گیا ہو تو رب غفور الرحیم معاف فرمانے والا ہے۔انھوں نے تعصب کی گرد چھان کر اکابر سے انصاف کیا ہے جو میرے بھی ہیں اور ان کے بھی ہیں مولانا احمد رضا خاں محدث بریلویؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حضرت رضا کی نعت گوئی میں عشق کی وارفتگی احترام کا دامن تھام کر چلتی ہے شعر کی جمالیاتی دل پذیری احتیاط کی انگلی پکڑ کر رواں دواں نظر آتی ہے۔ان کا علمی تبحر، دینی آگہی، قرآنی بصیرت اور روحانی گداز ایک دل آویز سلیقے کے ساتھ شعر کے سانچے میں ڈھلتا چلا جاتا ہے۔ان کے ہاں علم و شعور اور جذب و جنوں کا ایک خوب صورت امتزاج ہے۔الفاظ و تراکیب کی فاضلانہ جلوہ گری بھی ہے۔طویل بحروں میں عالمانہ افکار کا پرشکوہ اظہار بھی جا بجا ملتا ہے اور مختصر بحروں میں ایک والہانہ بے ساختگی بھی موجود ہے۔وہ بطور شاعر قاری اور ناقد کو اس درجہ متاثر کرتے ہیں کہ اس کے لیے ان کی شاعرانہ اور ساحرانہ گرفت سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔'' (ص ۲۳۸)

حضرت شاہ احمد رضا پر ان کا یہ مضمون تقریباً پچاس صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ہم مثالوں اور اشعار سے اس لیے گریز کر رہے ہیں کہ یہ اشعار تو پہلے ہی زبان زدِ عام ہیں۔

اسی طرح انھوں نے محمد سلیمان منصور پوریؒ کے حالات اور نعتیہ کلام پر بھی قلم اٹھایا۔ان کا بڑا احسان ہے کہ وہ ہمیں رحمت للعالمین ﷺ جیسی سیرت پاک کا تحفہ دے گئے ہے جس کا راقم نے متعدد مرتبہ مطالعہ کیا ہے اور اس کی اہمیت کو تسلیم کیا۔قاضی صاحب نے جہاں بڑے بڑوں سے تعلیم حاصل کی وہاں انھوں نے حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی سے بھی اکتسابِ فیض کیا جن سے آپ کا سارا گھرانا فیض حاصل کر چکا ہے۔شاید یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریر میں نعت کی بلاغت کے ساتھ عقیدت کی گہرائی اور خاندانِ اہلِ بیت سے بھی غیر معمولی محبت کا سبق ملتا ہے۔ان کے بعض پیراگراف تو اتنے خوبصورت اور رواں ہیں کہ میں اپنے مقرر شاگردوں کو ان کی تقریروں میں استعمال کرنے کی تلقین کرتا ہوں۔پروفیسر صاحب نے ان سے دونوں حیثیتوں (شخصیت اور فن) میں انصاف کیا ہے۔اب ایسے لوگ کہاں جو سب میں محبت و خلوص کی دولت تقسیم کرتے پھریں۔

حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کے حوالے سے کہتے ہیں:

حضرت مہر علی شاہ کی ذاتِ گرامی قدر اہلِ اللہ کے آخری سلسلے کی وہ نورانی کڑی ہے جس میں علمی بصارتیں اور قلبی بصیرتیں اپنے کمال کو چھوتی نظر آتی ہیں۔نتیجہ معلوم کہ ایک دنیا نے ان سے اکتسابِ فیض کیا۔ (ص ۲۶۹)

اسی طرح حضرت بیدم وارثی کے سلسلے میں بھی ان کا قلم عقیدت کے موتی بکھیرتا چلا جاتا ہے۔ان کے حوالے سے محمد اقبال جاوید کہتے ہیں:

بیدم کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے مسائلِ تصوف کو غزل کے علائم و رموز سے یوں نکھارا کہ مجاز سے معرفت پھوٹتی، ابھرتی اور پھیلتی محسوس ہوتی ہے۔حق یہ ہے کہ جذبہ اور گداز شاعری کو فسون و اعجاز بنا دیتے ہیں کہ دل کی دنیا اسے ابھرا ہوا نقش انتہائی پائیدار ہوتا ہے جب کہ بیان و بدیع کی کرشمہ سازیاں اس نقش حسیں کو تیر و نشتر بنا دیتی ہیں۔ (ص ۳۲۹)

عدم سے لائی ہے ہستی میں آرزوئے رسول ﷺ
کہاں کہاں لیے پھرتی ہے جستجوئے رسول ﷺ
تلاشِ نقشِ کفِ پائے مصطفیٰ ﷺ کی قسم
چنے ہیں آنکھوں سے ذراتِ خاکِ کوئے رسول ﷺ

(۳)

پروفیسر محمد اقبال جاوید اپنے علمی کاموں اور طرز نگارش کی طرفگی کے باعث ایک منفرد حیثیت رکھتے تھے۔ پروفیسر صاحب کی نثر، مولانا محمد حسین آزاد، ابوالکلام آزاد اور مولانا عبدالماجد دریابادی کی نثر کی طرح دل موہ لینے والی ہوتی ہے۔ ہمارے عہد میں علمی گہرائی اور نکتہ رسی کے حوالے سے اس قدر جذب وکشش رکھنے والی نثر لکھنے والوں میں محمد اقبال جاوید صاحب کا نام بہت ممتاز ہے۔

جس طرح مولانا ابوالکلام کی نثر کے لیے مولانا حسرتؔ موہانی نے کہا تھا:

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر
نظمِ حسرتؔ میں کچھ مزہ نہ رہا

اسی طرح راقم الحروف کو یہ احساس ہوتا ہے کہ پروفیسر موصوف کی نثر بہت سے شعرا کی شاعری کے چراغ گل کرنے کے لیے کافی ہے، بلکہ نثری نظم کا غلغلہ بلند کرنے والوں کو تو ان کی نثر سے اکتساب فیض کرنا چاہیے۔

''تیرا وجود الکتاب'' موصوف کی دسویں تصنیف ہے جب کہ کئی کتابیں زیر طبع ہیں۔ اس کتاب میں چودہ ایسے بزرگوں کی نعت گوئی کا جائزہ لیا گیا ہے جن کی زندگیاں سیرتِ سرکار دو عالم ﷺ پر عمل کی بہترین مثالیں پیش کرتی ہیں اور جن کی شاعری، ان کی کیفیات، احوال اور اعمال کی سچی عکاس تھی۔ آج کے تو شعراء، ادبا اور عوام الناس اس بات کا صحیح ادراک بھی نہیں کر سکتے ہیں کہ کوئی تحریر (بالخصوص تخلیقی نثر اور شعر) ''آئینہ حال'' بھی ہوسکتی ہے لیکن متصوفانہ شاعری کے سلسلے میں بالخصوص اور نعتیہ شاعری کے معاملے میں بالعموم بعض اہل سلوک نے ایسا ہی رویہ رکھا تھا کہ ان کی شاعری ان کے احوال کا آئینہ بنی رہی اور انھوں نے ایک لفظ بھی اپنی اصل کیفیتوں اور عملی حالتوں کے خلاف نہیں لکھا۔ آج چوں کہ نعت گوئی کا رواج عام ہے اور نعتوں میں بیان کیے جانے والے مضامین کی واقعاتی، حسی، احوالی اور عملی صداقتوں کی طرف دھیان دینے کا رویہ مفقود، اس لیے ضرورت محسوس کی گئی کہ نعت گو شعرا کو ایسے نعت گو شعرا کے شعری عمل (Poetic Work) سے بھی آگاہ کر دیا جائے جن کی نعت ''برائے شعر گفتن خوب'' نہیں تھی بلکہ نعت شہ کونین ﷺ ان کی کیفیات، احوال اور ان کی حب رسول ﷺ کا سچا اظہار تھی۔ ان کے الفاظ ان کے عمل کی روشنی سے جلا پاتے تھے اور ان کی شاعری سے ان کے اعمال تپش آمادہ ہو جاتے تھے۔ راقم الحروف نے ایک جگہ لکھا تھا ''نعت کے ذریعے حضور رسالت مآب ﷺ کی خدمت اقدس میں خراجِ عقیدت پیش کیا جاتا ہے اور خراج عقیدت پیش کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات پر مکمل طور پر عمل کیا جائے اور نعت میں استعمال کیے جانے والے الفاظ جوہر عمل سے قوت پاتے رہیں۔ ایسی نعت عہد رسالت مآب ﷺ کے تمام شعرا نے لکھی، جن میں عبداللہ بن رواحہؓ، حسان بن ثابتؓ، کعب زہیرؓ و کعب بن مالکؓ

وغیرہ قابل ذکر ہیں۔اس عہد کے بعد بہ تدریج الفاظ عمل کی قوت سے محروم ہوتے چلے گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ علم کے بغیر عمل وبال اور عمل کے بغیر علم ضال ٹھہرا..... پھر یوں ہوا کہ حروف کے کھوکھلے در و بام اور لفظوں کے بے بنیاد قصر تعمیر ہونے لگے، کیوں کہ اہل حال کی مسندوں پر اہل قال کے قبضے نے قحط الرجال کی مدت دراز کر دی اور باعمل باکمال آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔'' (اردو نعت اور جدید اسالیب ص ۱۵) آج مجھے یہ نکتہ اس لیے یاد آیا کہ پروفیسر محمد اقبال جاوید نے آج کے نعت گو شعرا اور نعت سے قلبی تعلق ظاہر کرنے والوں کے لیے اسلاف میں سے چند اہل حال کی نعتیہ شاعری کے نمونے پیش کیے ہیں۔مصنفِ علام فرماتے ہیں ''غیر شرعی ظاہر و باطن کے ساتھ نعت کہنا، ذوق نعت سے ایک خوفناک تلعب ہے۔سوچتا ہوں کہ ایسے لوگ تمازت آفتاب سے کیسے بچ سکیں گے کیوں کہ خراج عقیدت سے کہیں زیادہ خراج اطاعت مطلوب ہے۔'' (ص ۹۷)

''تیرا وجود الکتاب'' بیک وقت کئی زاویوں سے دیکھی جا سکتی ہے۔یہ کتاب نعت گو شعرا کا ایک تذکرہ بھی ہے۔ صوفیائے کرام کی واردات قلبی اور تعلق مع اللہ کی دستاویز بھی ہے۔نعت کے مافیہ (Content) کی صداقتوں کا احوال بھی ہے، تصوف کی شعری اساس کا اعلان نامہ بھی ہے۔انتخاب نعت کے حوالے سے ایک تنقیدی اور تحقیقی کاوش بھی ہے۔نثر کی لطافت اور بیان کی نظافت اس پر مستزاد۔

نعت گو شعرا کے تذکرے کے ضمن میں ہم اس کتاب میں چودہ شاعروں کا ذکر دیکھتے ہیں....(۱) حضرت احمد جام ژندہ پیلؒ (۲) حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ (۳) حضرت معین الدین چشتیؒ (۴) شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ (۶) حضرت بوعلی قلندرؒ (۷) حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ (۸) مولانا نورالدین جامیؒ (۹) حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (۱۰) حضرت مولانا احمد رضا خاںؒ (۱۱) حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ (۱۲) قاضی محمد سلیمانؒ منصور پوری (۱۳) حضرت بیدم وارثیؒ (۱۴) خواجہ محمد یار فریدی چشتیؒ۔

اس فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف موصوف نے بڑے اخلاص کے ساتھ اخیار امت کا انتخاب کیا ہے۔ان کے اس انتخاب سے اخلاص کے ساتھ ساتھ عملی سطح پر ان کا معروضی زاویۂ نظر بھی سامنے آتا ہے۔انھوں نے کسی اہم نام کو کسی مسلک کی جوئے کم آب کی نذر نہیں ہونے دیا ہے۔سب کو عشاق رسول ﷺ اور شمع رسالت ﷺ کے پروانوں کی حیثیت سے دیکھا ہے۔اس رویے سے ایک تاثر یہ بھی ملتا ہے کہ تذکرۂ نعت گویاں کے وسیلے سے مصنف اتحاد بین المسلمین کی فضا قائم کرنے کے متمنی ہیں۔

''تیرا وجود الکتاب'' کا مقصد تصنیف، مصنف نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔''قدیم تذکروں میں صوفی شعرا کی فنی، علمی اور فکری حیثیت کا اعتراف بہت کم کیا گیا ہے اور مجازی شعرا ہی کو اہمیت دی گئی ہے۔حقیقت نگار شعرا کی خصوصیات کلام کا اگر ذکر بھی ہوا تو ان کی شاعری کے حمدیہ اور ناصحانہ پہلوؤں کی تو کچھ نہ کچھ نشاندہی کی گئی مگر نعتیہ گوشوں سے اغماض برتا گیا۔یہ چشم پوشی دراصل اسلام سے گریز کی شعوری یا لاشعوری ادبی کوشش تھی، جب کہ حضور ﷺ کے حوالے کے بغیر حمد، مجرد توحید اور ناصحانہ امور مجرد تصوف ہیں جن کا اسلام سے کوئی سا تعلق بھی نہیں ہے کیوں کہ ہمارا عقیدہ اور ہر نظریہ رسول پاک ﷺ ہی سے وابستہ ہے۔'' (ص ۹)

مقصد تصنیف کا یہ اجمالی ذکر ہی تفصیلاً حقیقت نگار شعرا کے مذکور کا پیش خیمہ بنا ہے اور اس طرح کہ ''عشق محمدی ﷺ'' ایک زندہ قوت کے طور پر ان شعرا کی زندگیوں میں محرک اعمال حسنہ کے طور پر جاری اور ساری نظر آتا ہے۔ پروفیسر صاحب لکھتے ہیں ''ہمارے اسلاف علم وعمل میں پختہ ہو کر، توصیف رسالت مآب ﷺ کے لیے قلم اٹھانے کی ہمت کیا کرتے تھے اور ہم دین کی زیبائی اور عمل کی رعنائی کے بغیر صرف غزل کی ضمیر کا مرجع بدل کر اسے نعت بنانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔'' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف اپنی تصنیف کے ذریعے نعت گو شعرا کو حسن عمل کی طرف راغب بھی کرنا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے موصوف چراغ لے کر شہر کے گرد چکر لگاتے ہوئے یہ نعرہ لگا رہے ہیں:

کز دام و دد ملولم وانسانم آرزوست

لیکن انھیں اسلاف کے معیار کا کوئی آدمی نہیں ملتا تو اسلاف کے قصے سنا کر اپنا احساس و تاثر اس طرح حوالۂ قرطاس کرتے ہیں، '' کیسے شاداب زمانے تھے اور کیسی کیسی نایاب شخصیات عام تھیں دور حاضر کہ قرب قیامت بھی ہے اور فتنوں سے پر بھی اور ساتھ روحانی عظمتوں کے اعتبار سے قحط الرجال کا شکار بھی، اس میں ڈھونڈے سے کوئی ایسی نگاہ بھی میسر نہیں آتی جو سانس لینے والے مردوں کو زندگی کی رمق دے سکے۔ نہ چراغ رخ ہے، نہ شمع وعدہ، نہ موج صبا نہ باد بہار، کلیاں ہیں کہ سر شاخ سلگ رہی ہیں.... یا تو یہ دور ہی تہی دامن ہے یا ہماری طلب ہی ناقص ہے۔'' (ص ۴۸) اسی احساس نے کہ ہمارا عہد قحط الرجال کا شکار ہے، مصنف نے یہ داستان اخیار لکھوائی ہے۔

حضرت احمد جام ژندہ پیلؒ (۱۰۴۹ء۔۱۱۴۱ء) کا ذکر ان کے اس شعر سے ہوا ہے۔ جس کی شہرت تو بہت ہے لیکن جس کے خالق سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ اس شعر کی شہرت حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے حوالے سے اس قدر پھیلی کہ یہ شعر اپنے خالق کے نام سے بہت زیادہ آگے نکل گیا:

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

اس کے بعد حضرت احمد جامؒ کی تیرہ نعتیں زیب قرطاس کی ہیں اور ان پر تنقیدی بصیرت کے ساتھ تبصرہ بھی کیا ہے۔ اب کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیے:

اقبال و جاہ ما توئی پشت پناہ ما توئی
چوں عذر خواہ ما توئی، دریاب آخر کار ما

O

ہر کسے باہر کسے در التجا
من بسوئے مصطفیٰ ﷺ در التجا

O

حق رضا باد زآل و صحب او
کہ ہمہ ہادی اندو راہ نما

ان نعتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے مصنف نے بتایا ہے کہ عہد حاضر میں ''غم دوراں'' نعت کا موضوع بنتا ہے تو ''احمد جامؒ ایسا قدیم صوفی شاعر بھی آلام روزگار کی تلخیوں کے لیے اسی نگہ کرم کے لیے ترستا ہے اور اپنی ظلمتوں کو اجالنے کے لیے اسی شمع ضو بار کا تمنائی ہے۔'' احمد جامؒ ہی کی ایک نعت کے بارے میں لکھتے ہیں ''یہ نعت بہ یک وقت اپنے اندر رب العالمین کی رفعت، توحید کی عظمت، حدیث کی صداقت اور ان کے اپنے دل کی عقیدت کا ایک دل آویز اظہار ہے کہ کائنات کی وسعتیں ان کی ذات اور بات میں سمٹتی محسوس ہوتی ہیں۔'' (ص ۱۸)

ایک نعت جس کا مطلع ہے:

اے شب گیسوئے تو روزِ نجات
خاک پایت چشمۂ آبِ حیات

پر جو تبصرہ کیا ہے اس سے پروفیسر اقبال جاوید کے تنقیدی شعور اور آگاہیٔ فن کا بھرپور اندازہ کیا جا سکتا ہے وہ فرماتے ہیں ''یہ نعت افکار عالیہ کے اعتبار سے بھی اور حسن بدیع کے لحاظ سے بھی فن کا ایک نادر نمونہ ہے۔ تشبیہات و استعارات کا جمال منتہائے کمال پر پہنچ کر لودے رہا ہے۔ حضور ﷺ کے دہن مبارک سے بکھرنے والے پھولوں کو راح و روح دل کہنا، صنعت تجنیس کی شان بڑھا رہا ہے۔ دوسری طرف ہوا کی بے قراری کا باعث حضور ﷺ کے غصے اور پہاڑ کے ثبات و قیام کو حلم رسالت مآب ﷺ کی وجہ سمجھنا، صنعت حسن تعلیل کا ایک نادر نمونہ ہے۔'' (ص ۲۴) ان تنقیدی آرا سے پتا چلتا ہے کہ صاحب تذکرہ تحسین (Apprciation) کلام کے قدیم اسلوب سے اور قدیم شعرا کے فن کی باریکیوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے قارئین کو بتاتے ہیں کہ صوفیائے کرام نے اپنی تحریر، تقریر اور عمل سے واضح کیا کہ تصوف کی اساس ''قرآن وسنت'' ہے۔ تصوف پر پڑنے والے یونانی، ہندی، یہودی اور مسیحی اثرات سے بھی اقبال جاوید پوری طرح آگاہ ہیں اور اسلامی تصوف کو ان کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے ہمارے صوفیائے کرام نے جو راہ اختیار کی اس کے نقوش بھی ان کے لوح دل پر واضح ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا تھا ''جس شخص نے تصوف سے پہلے قرآن حفظ نہ کیا ہو اور حدیث میں سند حاصل نہ کی ہو، اسے دوسروں کی رہنمائی کا کوئی حق نہیں۔'' (ص ۲۹) یہ قول نقل کرنے کے بعد پروفیسر صاحب لکھتے ہیں ''تاریخ جانتی ہے کہ صوفیائے کرام کی اکثریت قرآن وحدیث کی منتہی تھی۔ زبان وقلم کی بہترین صلاحیتوں سے متصف تھی، طبعی موزونیت کی بنا پر بیش تر صوفیا بہترین شاعر بھی تھے۔ وہ فلسفہ اور منطق کی گہرائیوں اور کمزوریوں دونوں سے کما حقہٗ آشنا تھے۔ دوسری طرف ذکر وفکر اور مجاہدات ومراقبات نے ان کے علم کو حسن عمل کی دل آویزیوں سے نوازا تھا۔'' (ص ۲۹)

حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ (۱۰۷۷ء ۔ ۱۱۶۶ء) حنبلی فقہ کے پیرو اور قادری سلسلے کے بانی تھے۔ آپؒ کے تذکرے میں اقبال جاوید صاحب نے عجیب نکتہ بیان کیا ہے، لکھتے ہیں ''آپؒ کی حیات مستعار کو اگر ''کمالِ عشق'' قرار دے لیا جائے تو بے جا نہ ہوگا بلکہ صدق آفرینی ہوگی کہ عشق کے عدد ۴۷۰ ہیں، جو آپ کا سن پیدائش ہے اور کمال کے عدد ۹۱ ہیں اور ۹۱ برس ہی کی عمر میں آپؒ نے رحلت فرمائی''۔ (ص ۳۳) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پروفیسر صاحب نے کتاب میں ہر ہر نکتے پر خاصا غور وفکر کیا ہے اور یہ کہ موصوف کو علم الاعداد سے بھی شغف ہے۔

شیخ جیلانیؒ کے اشعار ملاحظہ ہوں:

خدام ترا غلام گشتہ
کیخسرو و کیقباد و فغفور

☆

روشن ز جود تست کونین
اے ظاہر و باطنت ہمہ نور

☆

ہر کس بہ جہاں گناہگار ست
گشتہ بہ شفاعت تو مغفور

☆

محی بہ غلامئے تو زد لاف
از راہِ کرم بدار معذور

☆

در مقام قاب قوسینت خدا کردہ سلام
تو رسایندی سلام حق بامت یک بہ یک

☆

از خدایت رحمت و از تو شفاعت روز حشر
در نجات عاصیان امت تو نیست شک

حضرت معین الدین چشتیؒ (۱۱۴۱۔۱۲۳۶ء) کے بارے میں مصنف نے بتایا ہے کہ ہندوستان میں تبلیغِ دین متین کے سلسلے میں معین الدین چشتیؒ نے پچاس سال میں یہاں کی زبانیں بھی سیکھیں اور رسوم ورواج کا بھی مطالعہ کیا اور ہندی تہذیب میں، موسیقی کی اہمیت کے پیش نظر سماع کو اسلامی سانچے میں ڈھال کر اپنے سلسلے میں رائج کیا۔ لیکن ساتھ ہی پروفیسر صاحب نے اس بات کی طرف بھی دھیان دلایا ہے کہ ''سماع'' اس وقت کی اہم ضرورت تھی اور یہ کہ ہر بوالہوس کے واسطے اسے خود بزرگوں نے جائز قرار نہیں دیا ہے۔ حضرت معین الدین چشتیؒ کی نعتیہ شاعری کا انتخاب بھی ہے، جس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

یا رسول اللہ شفاعت از تو میدارم امید
باوجود صدہزاراں جرم در روز حساب
اندران روزے کے بہر انتقام عاصیاں
آتش دوزخ بر افروزد علم از التہاب

در خیال من نمی گنجد تمنائے بہشت
دارم از فضلت امید رستگاری از عذاب

اس کلام پر مصنف کا تبصرہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے ''حضرت معین الدین چشتیؒ کی طبعی موزونیت فکری پاکیزگی اور شعری جمال، تصوف ہی کا فیض ہے۔ ان کا کلام اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی ایک شاعرانہ تمنا ہے، یہی ان کے دل کی دھڑکن ہے، یہی ان کی نگاہوں کی تمنا ہے، یہی ان کی روح کی لرزش ہے اور یہی ان کے سلگتے مصرعوں کی پکار ہے اور نعتِ رسول پاک ﷺ اس تمنا، اس لرزش اور اس پکار کی تکمیل کا واحد ذریعہ ہے۔'' (ص ۶۳)

شیخ سعدی شیرازیؒ (۱۱۸۴۔۱۲۹۲ء) کے احوال بھی لکھے ہیں اور شاعری کے نمونے بھی دیئے ہیں۔ ایک نعت:

چہ وصف کند سعدیؔ نا تمام
علیک الصلوٰۃ اے نبی ﷺ السلام

کے ضمن میں لکھتے ہیں ''درج بالا سلام میں بعض امور محل نظر ہیں۔ غالباً ایسی ہی باتوں کے پیش نظر شبلی کے شعرالعجم میں اس امر پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ ابن جوزی کی شاگردی کے باوجود سعدیؒ کے قلم سے بعض ایسی احادیث کا ذکر ہوا ہے جو اہل تحقیق کے نزدیک موضوعات میں سے ہیں (ص ۷۲) اس طرح مصنف نے اپنی تاریخی باخبری اور دینی آگہی کے ساتھ ساتھ مضامین.....کی تنقید، تنقیح اور چھان پھٹک پر زور دیا ہے۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ (۱۱۸۶۔۱۲۳۶ء) کے احوال واشغال کے سلسلے میں وہ واقعہ بھی مذکور ہوا ہے کہ آپ کا وصال حضرت احمد جامؒ کا شعر سماعت کرتے ہوئے قوالی کے دوران ہوا تھا۔ حضرت احمد جامؒ کا شعر ہے:

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زمان از غیب جانِ دیگر است

(یہ شعر حضرت احمد جامؒ کے تذکرے میں نقل کیا جا چکا ہے) اور آپؒ کی وصیت کے پورا کرنے کی غرض سے سلطان التمش نے آپؒ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ نمونۂ کلام میں بہت سے اشعار اور نعتیہ غزلیں نقل کی گئی ہیں۔ دو شعر تبرکاً یہاں درج کیے جاتے ہیں:

یا محمد ﷺ مہر و مہ را نور چوں روئی تو نیست
کور بادا آنکہ او چشم دل سوئی تو نیست
یا محمد ﷺ ہر کسی را کعبہ جائے دیگر است
قطبؔ دیں را کعبۂ مقصود جز کوئی تو نیست

حضرت بوعلی قلندرؒ (۱۲۰۵ء۔۱۳۲۴ء) کی حیاتِ مقدسہ کے حوالے سے لکھتے ہوئے ان کی شاعری پر جب آتے ہیں تو مصنف بڑے خوب صورت انداز میں یہ نکتہ بیان کرتے ہیں... ''جب کوئی صاحب تصوف، شعر کی وادی میں قدم رکھتا ہے تو اس کا ہر شعر حقیقت کا پرتو اور پاکیزگی کی تصویر بن کر قاری کے دل میں اتر جاتا ہے۔'' (ص ۱۰۲) ظاہر ہے یہ جملہ حضرت بوعلی قلندرؒ کی شعریات (Poetics) پر پورے طور سے صادق آتا ہے۔ آپؒ کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

غیر صلوٰت و سلام و نعت تو
بو علی را نیست ذکر دل نشیں

اسی تسلسل میں مولانا جلال الدین رومیؒ (۱۲۰۷ء۔۱۲۷۳ء) اور مولانا نورالدین جامیؒ (۱۴۱۴ء۔۱۴۹۲ء) کے احوال وآثار کے ساتھ ان کی شاعری پر لکھا ہے۔ یہ دونوں بزرگ شعری دنیا میں اتنے معروف ہیں کہ ان پر دو چار فقروں میں بات کرنا ان کے شاعرانہ مرتبے سے فروتر بات ہوگی، لہٰذا اصل کتاب سے رجوع کیجئے۔

حضرت امداداللہ مہاجر مکیؒ (۱۸۱۸ء۔۱۸۹۹ء) کے تذکرے میں لکھا ہے۔ ''آپ کی عظمت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ آپ کے خلفائے کرام میں ایسی ایسی نادر شخصیات موجود ہیں جن کی محراب عظمت میں تاریخ دعوت وعزیمت جھکتی اور جن کے حضور میں عفت قلب ونظر دوزانو نظر آتی ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی سے لے کر مولانا قاسم نانوتویؒ تک۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ سے لے کر مولانا اشرف علی تھانویؒ تک اور مولانا سید مہر علی شاہ گولڑویؒ سے لے کر مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تک، سپہر دین ودانش کے کتنے ہی ماہتاب ہیں، جنھوں نے ذہن ودل کی فضاؤں کو اس مہر ضیا پاش سے منور کیا۔'' (ص ۱۹۱) اس طرح یہ معلوم ہوا کہ حضرت مہر علی شاہ صاحبؒ بھی علمائے دیوبند کے پیر بھائی تھے اور پیر صاحب حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کا مسلک بھی پروفیسر صاحب نے ہفت مسئلہ کی سند کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

''حق یہ ہے کہ زیارت مقابر انفراداً واجتماعاً دونوں طرح جائز اور ایصالِ ثواب، قرأت وطعام بھی جائز اور تعیین بہ مصلحت بھی جائز، سب مل کر بھی جائز رہا۔ مشرب فقیر کا اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر ومرشد کی روح مبارک کو ایصال ثواب کرتا ہوں، اول قرآن خوانی ہوتی ہے اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہوئی تو مولود پڑھاتا ہے، پھر ماحضر کھانا کھلایا جاتا ہے اور اس کا ثواب بخش دیا جاتا ہے۔'' (ص ۱۹۳)

یہ وہ مسائل ہیں جنھوں نے بلاوجہ ذہنوں کو الجھا رکھا ہے اور امت میں افتراق کی صورت پیدا کر رکھی ہے۔ نمونہ کلام:

ہے بلبل دل شائق گلروئے پیمبر ﷺ
بے دیکھے نہ ٹھہرے گا یہ مضطر کسی صورت
دل میں کافی ہے خیالِ رخِ انور تیرا
شمع ومصباح کی اس گھر میں ہے تنویر عبث
مدینہ کعبہ صفت محترم ز عالم شد
ز افتخار قیامِ تو یا رسول اللہ ﷺ

اقبال جاوید صاحب لکھتے ہیں ''آپؒ نے نعت میں جو کچھ لکھا وہ رسمی تکلفات سے مبرا ہے۔ حالاں کہ ان کے دور میں ہر کتاب کے آغاز کے لیے حمد ونعت رسماً کہی جاتی تھی مگر آپ نے شعر وسخن کی دنیا میں نعت کو ایک مستقل حیثیت سے اختیار بھی کیا اور پیش بھی کیا۔'' (ص ۲۰۳)

حضرت احمد رضا خاںؒ (۱۸۵۶ء۔۱۹۲۱ء) کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں ''حضرت رضا کی نعت گوئی میں، عشق کی وارفتگی، احترام کا دامن تھام کر چلتی ہے۔ شعر کی جمالیاتی دل پذیری، احتیاط کی انگلی پکڑ کر رواں دواں نظر آتی

ہے۔ان کا علمی تبحر، دینی آگہی، قرآنی بصیرت اور روحانی گداز ایک دل آویز سلیقے کے ساتھ شعر کے سانچے میں ڈھلتا چلا جاتا ہے۔ان کے ہاں علم وشعور اور جذب وجنوں کا ایک خوبصورت امتزاج ہے۔الفاظ وتراکیب کی فاضلانہ جلوہ گری بھی ہے، طویل بحروں میں عالمانہ افکار کا پرشکوہ اظہار بھی جا بہ جا ملتا ہے اور مختصر بحروں میں ایک والہانہ بے ساختگی بھی موجود ہے۔'' (ص ۲۲۸) رضا بریلوی کے کلام پر یہ تبصرہ پروفیسر صاحب کی شعری جمالیات سے آگاہی اور ان کے شعری آدرش کی بھرپور عکاسی کر رہا ہے۔کتاب کے بیس صفحات حضرت احمد رضاؒ کے کلام کے انتخاب کے لیے مختص کیے گئے ہیں۔آپؒ کے کلام کا کیا نمونہ پیش کیا جائے، سلام کے دو شعر ہی کافی ہیں:

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آ گیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
وہ دہن جس کی ہر بات وحیٔ خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ (۱۸۵۹۔۱۹۳۷ء) کا یہ شعر شہرۂ آفاق شعر ہے:

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا
گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں

پروفیسر صاحب کا بیان ہے کہ ۱۸۹۰ء میں حضرت مہر علی شاہ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد وہیں قیام کا سوچ رہے تھے لیکن آپ کے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے آپ کو فتنۂ قادیانیت کے ظہور کی پیشگی اطلاع دے کر آپ کو اس فتنے کے سدباب کے لیے واپس ہندوستان بھجوا دیا۔حضرت مہر علی شاہؒ کے ملفوظات کے حوالے سے ایک مبارک خواب بھی سنایا ہے جس میں حضور ﷺ نے آپؒ سے فرمایا ''غلام احمد میری احادیث کو تاویل کی قینچی سے کتر رہا ہے، تم خاموش بیٹھے ہو اس کا تعاقب اور تدارک کرو۔'' (ص ۲۷۱) ان واقعات سے حضرت مہر علی شاہ صاحبؒ کے روحانی مرتبے کا اندازہ بہ خوبی کیا جا سکتا ہے۔آپؒ کے علمی مراتب کے اظہار کے لیے یہی بتا دینا کافی ہے کہ علامہ اقبالؒ نے شیخ اکبرؒ کے افکار کی وضاحت، حضرت ہی سے چاہی تھی۔(ص ۲۷۱) کلام سے تبرکاً دو شعر نقل کرتا ہوں:

ساربانا ں، مہربانا ں راہیا
شالا جیویں، خیر تھیوے ماہیا

☆

آکھیں جا انہاں پیاریاں دل جانیاں
گوڑھے نیناں والیاں مستانیاں

مصنف کہتے ہیں ''ساربان اور ناقے سے سوز دل میں ڈوبی ہوئی کیف افزا باتیں کرنا، اس ممدوح ﷺ بے مثال کے کمال جمال کا پتا دیتا ہے جس کی بارگاہِ ناز عرش سے بھی نازک تر ہے اور جس کے دیار حسیں کے کانٹے گلاب و یاسمیں سے بھی زیادہ نازک اور ریشمی ہیں۔'' (ص ۲۸۲)

قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ (۱۸۶۷ء۔۱۹۳۰ء) کے بارے میں مصنف نے بتایا ہے کہ وہ مسلکاً اہل حدیث تھے۔انجمن اہل حدیث کے صدر بھی رہے۔آپ کی وسیع القلبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ جمعہ تو مسجد اہل حدیث میں ادا فرماتے تھے،لیکن درس قرآن محلے کی مسجد حنفیہ میں دیتے تھے اور تمام نمازیں بھی وہیں پڑھتے تھے۔مدینہ شریف میں امام مسجد نبوی نے خواب میں سرور کائنات ﷺ کا حکم پا کر، قاضی صاحبؒ کی جوتیاں سیدھی کیں۔آپؒ کی تصنیف ''رحمۃ للعالمین'' کے صلے میں آپؒ کو عالم رویا میں حضرت قاسم نانوتویؒ کے توسل سے بارگاہ بے کس پناہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔''غایت المرام'' لکھنے کے انعام میں حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی خواب میں زیارت اوران نفوس قدسیہ کی خوشنودی حاصل ہوئی۔حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے ہی آپ کو تین پیشن گوئیاں کرنے کا حکم دیا اور آپؒ نے مرزا غلام احمد قادیانی کو وہ تینوں پیشن گوئیاں لکھ کر بھجوادیں (۱) تمھیں حج نصیب نہیں ہوگا۔(۲) تم سے اس کتاب (غایت المرام) کا جواب نہیں دیا جائے گا۔(۳) تمھاری موت میری موت سے قبل ہوگی۔(واضح رہے کہ میں نے تینوں جملوں میں آپ کا صیغہ تم سے بدل دیا ہے۔) جناب اقبال جاوید نے لکھا ہے ''ان کی طرز تحریر، ادبی اور شاعرانہ ہوتے ہوئے بھی مبالغہ آفرینی سے پاک ہوتی تھی۔نثر ہو یا نظم ان کا قلم احتیاط کے دامن کو تھامے رہتا تھا اور جب ذکرِ رسالت مآب ﷺ کا ہو تو اس کے لیے احتیاط، ادب اور سوجھ بوجھ اور بھی لازم ہو جاتی ہے۔ارادت کے اپنے مقام بھی ہیں اور اپنے حدود بھی حقیقت کو بڑھا کر، مبالغہ بنا دینے کا نام عقیدت نہیں، بلکہ توہین آمیز بدعت ہے۔'' (ص ۳۰۰) یہ بات پروفیسر صاحب کی قلمی اور علمی دیانت کی عکاس ہے۔حضرت قاضی صاحب کے افکارِ عالیہ کے تذکرے میں پروفیسر صاحب نے بتایا ہے کہ قاضی صاحبؒ لفظ ''عشق'' کے ذریعے حضور ﷺ سے اپنے قلبی تعلق کو ظاہر کرنا معیوب جانتے تھے کیوں کہ ''عشق'' میں نفسانیت کا ظہور ہوتا ہے۔قرآن وحدیث میں تعلق خاطر کے اظہار کے لیے لفظ ''حب'' استعمال ہوتا ہے اس لیے حضور ﷺ کے لیے ''محبت'' کہنا چاہیے۔نمونہ شعر:

شان محمدی ﷺ سے اندھے ہیں اہل ظلمت
وہ نور حق ہے جس سے دارالسلام چمکا
تعلیم مصطفیٰ ﷺ نے تجھ کو کیا منور
بخت سیاہ تیرا اے عقل خام چمکا
روح حیات سلیماں حب نبی ﷺ ہے یارب
نور یقیں عطا کر فوق المرام چمکا

قاضی صاحب کے روحانی ترفع اور توسل کے ساتھ ان کے اہل حدیث ہونے کا ذکر کرتے ہوئے بھی پروفیسر صاحب کی طرف سے انھیں بھرپور خراج عقیدت پیش کرنا اور احتراماً ان کا ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ صاحب کتاب کا معیار انتخاب ''حب رسالت ﷺ'' کے سوا کچھ نہیں۔اتحاد بین المسلمین کے لیے یہ جذبہ، یہ معروضی نقطۂ نظر اور یہ معیار انتخاب، قابل تحسین بھی ہے اور لائق تقلید بھی۔

حضرت بیدم وارثیؒ (۱۸۸۲ء۔۱۹۳۶ء) کے شعری سرمائے ''مصحف بیدم'' میں، پروفیسر صاحب کو صرف گیارہ

نعتیں ملیں جن کا اجمالی جائزہ اور تجزیاتی تذکرہ انھوں نے کیا، وہ فرماتے ہیں، گو یہ نعتیہ سرمایہ بہت مختصر ہے مگر یہ ان کی قلبی محبتوں اور روحانی لرزشوں کا آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ ان ادبی خصائص سے بھی بہرہ ور ہے جنھیں نہ اہل نظر، نظر انداز کر سکتے ہیں نہ تماشائی... یہ ممکن ہے کہ احتیاط کے تقاضوں نے نعت کے میدان میں ان کے قلم کو سر بہ گریباں اور خود انھیں انگشت بہ دنداں رکھا ہو اور انھیں حرف حرف سنبھلنا اور لفظ لفظ سوچنا پڑا ہو اور یوں بات مختصر رہ گئی ہو... بہر کیف یہ سرمایہ اس قابل ضرور ہے کہ نعت کی دنیا میں بیدم کو زندہ بھی رکھ سکے، ان کے مقام کا تعین بھی کرا سکے اور ان کے لیے بہترین زادراہ بھی ثابت ہو سکے۔'' (ص ۳۴۰) احتیاط نعت کے ضمن میں پروفیسر صاحب نے متعدد مقامات پر بات کی ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ عہد حاضر کے شعراء اس احتیاط شعاری کی تقلید کریں۔ یہاں یہ نکتہ از خود پیدا ہو جاتا ہے کہ آج کے نعت گو شعرا میں سے کتنے ہوں گے جو ''حب رسول ﷺ'' کا وہ وفور اور وہ والہانہ پن حقیقی طور پر محسوس کرتے ہوں جو بیدم شاہ وارثی یا دوسرے بزرگوں کے ہاں پایا جاتا ہے، اس کے باوجود ان کے ہاں نعت نگاری میں کمیت (Quantity) کے بجائے کیفیت (Quality) کو ترجیح دینے کا رجحان پایا جاتا ہے تو اس کی کوئی خاص ہی وجہ ہوگی۔ آج کے نعت نگاروں کو اس نکتے پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ بیدم شاہ وارثی کے کلام سے تبرکاً دو شعر نقل کیے جاتے ہیں:

عدم سے لائی ہے ہستی میں آرزوئے رسول ﷺ
کہاں کہاں لیے پھرتی ہے جستجوئے رسول ﷺ
تلاشِ نقش کف پائے مصطفیٰ ﷺ کی قسم
چنے ہیں آنکھوں سے ذرات خاک کوئے رسول ﷺ

خواجہ محمد یار فریدی چشتیؒ (۱۸۸۲ء۔ ۱۹۴۷ء) کے شعری کمال کا احوال، کتاب مذکور میں اس طرح رقم ہوا ہے ''حضرت محمد یار فریدیؒ کی شاعرانہ تاب وتب، اہل دل اور اہل نظر کے لیے سرور و کیف اور رنگ و نور کی ایک کہکشاں ہے۔ فارسی، اردو اور سرائیکی، تینوں زبانوں میں ان کا اظہار عالمانہ، گرفت فن کارانہ اور آہنگ صوفیانہ ہے۔'' (ص ۳۵۲) ایک اور جگہ لکھتے ہیں ''جب ایک صوفی کو حق آگاہی کی سعادت نصیب ہو جاتی ہے تو پھر اس کے دل کی دھڑکن اس وجود ذی جود ﷺ کے حضور میں سراپا سپاس ہو جاتی ہے۔ جس کے لطفِ عمیم کے بغیر انسانی شعور و آگہی کی ہر کوشش بے ہدف ہے۔ حضرت فریدیؒ کی بصارت کو جب بصیرت نصیب ہوئی تو وہ بے ساختہ اس نعمتِ عظمیٰ کے لیے یوں سراپا تشکر نظر آتے ہیں: (ص ۳۶۰)

ارچہ بے کارم بکروم کار را
صد ہزار الحمد آں دلدار را
تا ثنا خواں محمد ﷺ گشتہ ام
رشک می آید بمن ابرار را
گرچہ حسّاں نیستم سحباں نیم
مدح او شیریں کند گفتار را

جن کو یہ شدید احساس ہو کہ حضور ﷺ کی مدح گفتار کو شیریں کر دیتی ہے وہ کردار کے سنوارنے میں بھی ہمیشہ

کوشاں رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان اہل دل کی نعت نگاری ان کے افکار کے ساتھ ساتھ ان کے اعمالِ حسنہ کی بھی عکاس ہوتی ہے اور اسی لیے ان کے اشعار دلوں میں ترازو ہو جاتے ہیں، بلکہ بیش تر تو ایسا ہوتا ہے کہ ان کی باتیں دلوں کو اس طرح منور کرتی ہیں کہ دلوں سے نکلنے والی روشنی سے ان کے اعمال بھی مستنیر ہوتے ہیں۔ نعت کہنے، نعت سننے اور نعت کی ترویج و اشاعت کا یہی مقصد وحید ہے، جو صوفیائے کرام کی نعتیہ شاعری سے ہمیشہ پورا ہوتا رہا ہے اور ہمیشہ پورا ہوتا رہے گا۔ یہی تاثر ہے جو اس کتاب کے مطالعے سے لوح دل پر مرتسم ہوتا ہے۔

''تیرا وجود الکتاب'' ایک ایسی کتاب ہے جو آج کے نعت نگاروں کے لیے مشعلِ راہ اور محرکِ اعمال صالحہ ہو سکتی ہے اور نیتوں میں اخلاص پیدا کرنے کا باعث بھی۔ سلسلۂ گفتگو کا اختتام میں ان دو بزرگوں کے اشعار پر کرنا چاہتا ہوں جن کا مختصر ذکر بھی میں اس مطالعے کا حصہ نہیں بنا سکا۔

در دل ہر امتی کز حق مزہ است
روئے و آواز پیمبر ﷺ معجزہ است

(ہر امتی کے دل میں جو حق کا ذوق ہے اس کے لیے حضور ﷺ کا چہرہ مبارک اور آواز مبارک معجزہ ہے کہ اس سے حق کا ذوق تازہ ہو جاتا ہے) مولانا جلال الدین رومیؒ

السلام اے آنکہ نابودم دریں محنت سرائی
در سرم سودا و در جام تمنائی تو بود

(سلام آپ ﷺ پر کہ جب اس دنیا میں میرا نام و نشان بھی نہ تھا، اس وقت بھی میرے سر میں آپ ﷺ کا سودا ہے اور میرے دل میں صرف آپ ﷺ کی آرزو تھی) مولانا نورالدین جامیؒ۔

(۴)

پروفیسر محمد اقبال جاوید کی کتاب ''تیرا وجود الکتاب'' ۲۰۰۱ء میں فروغِ ادب اکادمی گوجرانوالہ کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ اردو ادب کے گلستانِ نقد و نظر میں پروفیسر محمد اقبال جاوید ایسی ہوائے بہار ہیں جو کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کی شاعری نمانثر سے ایسی رنگینی، دلکشی رعنائی و روانی کی خوشبو پھوٹتی ہے جو قاری کو فنی طور پر مسحور نہیں کرتی بلکہ فکری اور فنی حوالے سے بھی نادر و نایاب خیالات کے دریچے وا کرتی ہے۔ ''تیرا وجود الکتاب'' چودہ باعمل صوفی بزرگوں کی نعت پر مشتمل فکر و فن کا تجزیہ اور ان کی نعت کے اجزائے ترکیبی پر بحث ہے مگر زمانی حوالے سے یہ ایک ہزار سالہ نعت کی روایت کا مکمل فکری نچوڑ اور عشق و وجدان کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ان بزرگوں کے افکار اور شب و روز ہمیں نعت لکھنے سے پہلے تزکیہ نفس کا جو سبق دیتے ہیں اس کی تشریح ہی ''تیرا وجود الکتاب'' کا مرکزی موضوع ہے۔

۱۰۴۹ء سے ۱۹۴۷ء تک دور میں مولانا نورالدین جامیؒ ۱۴۱۴ء تا ۱۴۹۲ء سے حضرت امداد اللہ مہاجر مکی ۱۸۱۸ء تا ۱۸۹۹ء تک صرف ۴۰۰ سو سال کا ایک لمبا Gape دکھائی دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس دور میں بھی کوئی صوفی نعت گو ہوا ہو مگر اس کا کلام زمانے کی دست برد سے نہ بچ سکا ہو۔ مگر اس زمانی اندھیرے کے بعد نعت رسول ﷺ کا وجدان اور فکری سفر پھر اسی طرح سے شروع ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو ہمارا یقین کامل ہو جاتا ہے کہ یہ عرصہ کسی ولی اور صاحب حال و قال بزرگ سے

خالی نہیں گزرا۔ ''تیرا وجود الکتاب'' میں جن صوفی بزرگوں کے حالاتِ زندگی اور کلام کو پیش کیا گیا ہے ان کے نام بالترتیب اس طرح ہیں۔ حضرت احمد جام ژندہ پیلؒ ۱۰۴۹ء، ۱۱۴۱ء، حضرت سید عبدالقادر جیلانی ۱۰۷۷ء ۱۱۶۶ء، حضرت معین الدین چشتیؒ ۱۱۴۱ء ۱۲۳۶ء شیخ سعدی شیرازیؒ ۱۱۸۴ء، ۱۲۹۲ء، حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ ۱۱۸۶ء ۱۲۳۶ء، حضرت بوعلی قلندر ۱۲۰۵ء، ۱۳۲۴ء، مولانا جلال الدین رومیؒ ۱۲۰۳ء، ۱۲۷۳ء، مولانا نورالدین جامیؒ ۱۴۱۴ء، ۱۴۹۲ء، حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ ۱۸۱۸ء، ۱۸۹۹ء حضرت احمد رضا خاںؒ ۱۸۵۶ء، ۱۹۲۱ء، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی ۱۸۵۹ء، ۱۹۳۷ء، قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ ۱۸۶۷ء، ۱۹۳۰ء، حضرت بیدم وارثیؒ ۱۸۸۲ء، ۱۹۳۶ء، خواجہ محمد یار فریدی چشتیؒ ۱۸۸۲ء، ۱۹۴۷ء۔ ان بزرگوں میں کسی کے سازِ دل سے ''زرحمت کن نظر برحال زارم یارسول اللہ ﷺ'' کی صدا آتی ہے تو کسی کی روح ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' جیسا روح پرور نغمہ سناتی ہے۔ کوئی ''محمد سر سے پا تک مظہرِ حسن الٰہی ہیں'' کے سراپا رہا ہے تو کوئی اج سک متراں دی ودھیری اے'' کی درد بھری لے اٹھا رہا ہے۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید نے ''تیرا وجود الکتاب'' لکھ کر نصف صدی کے فارسی نعتیہ ادب کے مطالعہ سے، نئی نسل کو فارسی ادب کی چاشنی، خوبصورتی اور فکری گہرائی و گیرائی سے روشناس کرایا ہے۔ ایسی کتابیں ہی دراصل کسی قوم کے نوجوانوں کی فکر کو بدلتی، ان کو اپنی فکری تاریخ سے آشنا کر کے جہاں ان کو سرشاری عطا کرتی ہیں وہاں قدیم اصطلاحوں جدید ترکیبوں اور خوبصورت نثر لکھنے کے فن سے روشناس کراتی ہیں۔

''تیرا وجود الکتاب'' ایسی صاف شفاف ندی ہے جس میں ہم اپنے گزرے ہوئے ایام کی واضح تصویر دیکھ سکتے ہیں اور موجودہ دور کے علم بردارانِ نعت کے شب و روز کی حقیقتوں کو بھی پرکھ سکتے ہیں۔ ان صوفی بزرگوں میں بہت سے لوگ ایسے تھے جن کو عوام و خواص صرف تصوف، معرفت اور طریقت کے حوالے سے ہی جانتے تھے۔ نعت گوئی رسول ﷺ کے پہلو سے بہت کم لوگوں کو شناسائی تھی اور ان کے نعتیہ افکار سے تو شاید ان کے مریدین بھی واقف نہ ہوں۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید نے ان کے افکار ترجمہ کے ساتھ پیش کر کے، ان بزرگوں کی زندگیوں کو ہمارے لیے نعتِ رسول اور عشقِ محمد ﷺ کے حوالے سے منزل قرار دیا ہے اور پھر ان کی نعتوں پر اس طرح بات کی ہے کہ جدید نقادوں کو تنقید کا ایک نیا فن بھی عطا کیا ہے۔ فارسی کے اس سمندر سے آپ نے حکمتوں، تلازموں، تشبیہوں، استعاروں، علامتوں اور سیرتِ رسول ﷺ کے ایسے تاریخی اور روشن پہلو نکالے ہیں جو آنے والی نسل کو ہمیشہ کے لیے بھولتے جا رہے تھے۔

''تیرا وجود الکتاب'' دورِ حاضر کے نعت گو اور نعت خواں شعراء کرام کے لیے فکری اور فنی حوالے سے مشعل راہ اور منارۂ نور ہے۔ مدحتِ رسول اللہ ﷺ کا سنجیدہ قاری جسے اس ہجومِ عاشقانِ رسول ﷺ میں کھرے اور کھوٹے کی پہچان بھی مشکل نظر آ رہی تھی۔ میرا یقین ہے بلکہ ایمان ہے کہ ''تیرا وجود الکتاب'' کو اسی محبت اور عشق کے ساتھ جس محبت، خلوص اور عشق سے یہ لکھی گئی ہے، پڑھنے کے بعد اس کے اندر ایسا ذوق پیدا ہوگا جو اسے سچائی اور صداقت کی پہچان میں فرق محسوس کرنے میں مدد دے گا۔ ''تیرا وجود الکتاب'' جہاں بھٹکے ہوئے آہو کے دل میں پھر سوئے حرم چلنے کی چنگاری جلاتی ہے وہاں اسے ان بزرگوں کے توکل اور عشق سے بھی کچھ حصہ عطا کرتی ہے اور حکمت و علم کے گمشدہ موتی بھی جو کہ اسی کی میراث تھے اسے عطا کرتی ہے۔

☆

''کعبے پر پڑی جو پہلی نظر''

پروفیسر محمد اقبال جاوید محقق و مرتب ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ اسلوب بھی ہیں اور ان کا اسلوب (بعض مقامات پر استثنا کے ساتھ) نہایت دلکش اور تاثر سے بھرپور ہوتا ہے۔ پھر آپ کا کام نوعیت کے اعتبار سے بھی دیگر بہت سے محققین سے کئی وجوہ سے مختلف ہے، ایک تو حرمین آپ کی دل چسپی کا بڑا مرکز ہیں، اسی نسبت سے قرآنیات، سیرت اور متعلقاتِ سیرت بھی آپ کی دل چسپیوں کا خاص محور ہیں۔ دوسرے انہوں نے ترتیب و تدوین کے کام میں بھی اپنے وسعتِ مطالعہ اور ذوقِ طبع سے کام لے کر محقق کی محنت، پیشکش کی ندرت اور اسلوب کی نفاست سمو دی ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں بھی ان کے اسلوب کے تمام اجزائے ترکیبی نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہ کتاب بیت اللہ کے بارے میں زائرین کے تاثرات کا قیمتی گل دستہ ہے، جس میں ۱۰۵۰ء سے لے کر ۲۰۰۵ء کے ادوار کا اس جامعیت کے ساتھ احاطہ کیا گیا ہے کہ ہزار سال کی مسلمانوں کی تہذیبی تاریخ کی جھلکیاں بھی اس مجموعے کا حصہ بن گئی ہیں۔ اس مجموعے میں جن عظیم تاریخی شخصیات کی نگارشات کے اقتباسات شامل ہیں ان میں حکیم ناصر خسرو... ابنِ بطوطہ، خواجہ محمد معصومؒ، شاہ ولی اللہ، نواب مصطفیٰ، قاضی سلیمان منصور پوری، نواب صدیق حسن خاں، مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، مولانا غلام رسول مہر، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالحسن ندوی، محمد حسین ہیکل، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا منظور نعمانی، ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر محمود الحسن عارف اور مولانا ناظم ندوی جیسے اسما شامل ہیں۔

کتاب نثر اور نظم دونوں اصناف سخن کا احاطہ کرتی ہے، چنانچہ حصہ نظم میں جن اساطین کی نمائندگی شامل ہے ان میں سے چند اسما یہ ہیں حمید صدیقی، ماہر القادری، مولانا سید ابوذر بخاری، نعیم صدیقی، شورش کاشمیری، حافظ لدھیانوی، سعود عثمانی، صبیح رحمانی اور لیث قریشی۔

اس مجموعے کی ایک خوبی یہ ہے کہ ان مصنفین کے کوائف بھی زیادہ تر درج کر دیئے گئے ہیں۔ جن کے اقتباسات کتاب کا حصہ ہیں۔ اس التزام نے کتاب کے معنوی اہمیت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

آغاز میں الحمدللہ کے زیرِ عنوان فاضل مرتب نے دو صفحات تحریر کیے ہیں، ایک اقتباس آپ بھی ملاحظہ کیجیے:

''ہر تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے کہ وہی ہر تعریف کا حقیقی مستحق ہے۔ تحسین پر حسن کا حق ہے مگر ہر حسن، اسی کے حسین ہونے کی بنا پر نظر افروز ہے۔ الحمداللہ ہی ایک ایسا پسندیدہ کلمہ ہے جس سے میزان بھرتی اور نعمتیں بڑھتی ہیں۔ سچ یہ ہے کہ اسی کی نگہ لطف سے دل کو بینائی، زبان کو رعنائی اور سوچ کو سچائی ملتی ہے۔ اسی کے التفات سے رفتار میں وقار اور کردار میں اعتبار ابھرتا ہے۔ حمد، ذکر کی ایک حسین کہکشاں اور یاد کی ایک دل آویز قوسِ قزح ہے۔ اسی سے تصور مہکتا اور درد چہکتا

ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تصور کا حسن چھن جائے تو دل ایک پارۂ سنگ ہے اور یاد کی رنگینی باقی نہ رہے تو زندگی ایک کرب ناک شبِ تنہائی ہے۔ حمد دل کی سعادت، جبیں کا نور اور نطق کی معراج ہے۔ یہ سینے میں گداز بن کر اترتی، آنکھوں میں شبنم بن کر تیرتی اور روح میں لطافت بن کر نکھرتی ہے۔ یہ ہم خاکیوں کا اعزاز بھی ہے اور قدسیوں کا شعار بھی۔ یہ فطرت کے بے تاب سینے کی ہوک اور چاہت سے لبریز دل کی تڑپ ہے۔ یہ عمل کا حسن اور ایمان کا نور ہے۔ اسی سے نیاز کو ناز اور سجدوں کو گداز ملتا ہے، اسی سے حضورِ ناز میں دعا مستجاب اور شوق باریاب ہوتا ہے۔ یہ نجات کا پروانہ اور مغفرت کا وثیقہ ہے۔ یہ تحدیثِ نعمت اور نیازِ عبدیت ہے۔ یہ عبدِ مجبور کا سہارا اور عبدِ شکور کا فخر ہے۔''

کتاب سلیقے سے مرتب کی گئی ہے، درمیان میں بیت اللہ کی بعض یک رنگی تصاویر بھی شامل ہیں، البتہ جلد بندی مزید توجہ چاہتی ہے۔

☆

''نعت میں کیسے کہوں''

(۱)

''نعت میں کیسے کہوں'' از خود عظیم پیغام ہے نعت گو شعرا کے نام۔ نعت شناسی کے دعویداروں کے نام اور ان قارئین کے نام جو نعت کو خلوصِ دل سے بخشش و سرخروئی کا سامان سمجھتے ہیں۔ نعت کیا ہے اس کا عملی مفہوم کیا ہے اسی تصور کو لے کر یہ کتاب آگے بڑھتی ہے۔ اس کے مصنف معروف اہلِ قلم نقاد نعت پروفیسر محمد اقبال جاوید ہیں۔ ۱۶۸ صفحات کی اس کتاب کو نعت ریسرچ سینٹر کراچی نے معیاری انداز میں شائع کیا ہے۔ سالِ اشاعت ۲۰۰۹ء ہے۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید نے اس کتاب میں نعت و مدحت کے ایسے شہ پارے بھر دیئے ہیں جن میں زمانے بھر کا ادبی، تاریخی، علمی اور صوتی حسن سمٹ آیا ہے۔ اس کی تائید میں ان کی ایک مختصر سی تحریر نذر قارئین کرنا چاہتا ہوں۔ کتاب کے آغاز میں اختصاریہ کے عنوان سے لکھتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ اختصاریہ کتاب میں شامل مندرجات کے متعلق ہے۔

آغاز میں ظہور قدسی کے متعلق نعتیہ نثر پارے ہیں، شبلی نعمانی سے آغا شورش کاشمیری تک۔ اس کے بعد نعت کیا ہے ۹۲ جملے ہیں۔ مؤلف کے قلم سے ـــــ پھر نعت کے بارے میں مختلف شعرا کے ۱۹۲ شعار ہیں کہ ۹۲ نبی کریم ﷺ کے اسمِ گرامی کا عددی مجموعہ ہے۔ آخر میں ایک تحریر ہے ''نعت کہیے مگر احتیاط کے ساتھ'' اور درمیان میں ''آدابِ نعت گوئی'' کے بارے میں اہلِ فکر و دانش کے ۳۱۳ نثر پارے ہیں کہ بدری صحابہ کرامؓ کی تعداد بھی اتنی ہی تھی۔ شبلی سے شورش کاشمیری تک کے شہ پارے پیش کرنے کے بعد محمد اقبال جاوید کے لفظوں کی جولانی دیکھیے۔

''ان نعتیہ شہ پاروں کے مالک منوں مٹی کے نیچے جا چکے ہیں۔ موت کے ہاتھوں ان کی آنکھیں بند، نطق چپ اور قلم ساکت ہو چکے ہیں مگر ان کی تحریریں بول رہی ہیں۔ ان کے ادب پاروں کی تابانیاں رفعت عقد اوجِ ثریا اور سنگینیٔ گردشِ ایام پر خندہ زن ہیں۔ یہ فیض ہے اس ذاتِ اقدس کا جس کی چوکھٹ پر وہ ثنا خواں رہے ہیں اور جہاں سے کبھی کوئی مایوس نہیں لوٹا۔ وہاں تو سکوت بھی بار پاتا اور آہوں کو بھی پذیرائی ملتی ہے۔'' آگے نعت کیا ہے؟ ۹۲ جملے ہیں ہر جملہ بول رہا ہے۔ بے جان کاغذ کو حیاتِ نو بخش رہا ہے۔ خاموش کاغذ کو سدا بہار گویائی دے رہا ہے۔ نمازِ نیاز کا پیغام دے کر قارئین کے دلوں کو ایمان کی حرارت سے لبریز کر رہا ہے۔ جملے کیا ہیں؟ لمحوں سے صدیاں کشید ہو رہی ہیں۔ ہر لفظ بتا رہا ہے کہ ہر دور دورِ نعت ہے اور میں اس دور کا نمائندہ ہوں۔ غرض کہ عشق و عقیدت کی برسات ہے کہ ان جملوں سے نم لے کر برستی ہی جا رہی ہے۔

''آدابِ نعت گوئی'' کے عنوان سے پروفیسر اقبال جاوید نے ۳۱۳ نثری شہ پاروں کے ستارے بکھیر دیئے ہیں۔ ہر ستارہ اس شان سے جگمگا رہا ہے کہ سورج کو اس کے سامنے خجالت کا احساس ہوتا ہے۔ ہم ان شہ پاروں کو پڑھتے جاتے

ہیں اور دلوں کو وجد و کیف سے آباد کیے جاتے ہیں بعض پیرے اتنے روشن، منور اور جگمگا دینے والے ہیں کہ آنکھوں کی بات تو ایک طرف رہی فکر و نظر کو تابنا کی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ یہ حصہ کتاب کی جان ہے۔ ہمارے لیے کتنا آسان ہوگا کہ سیرت نبوی ﷺ کی تقریریں کرنے والوں کو اس قدر آسانی سے مواد مہیا کر دیا کریں گے۔

آگے ہے ''نعت اشعار کے آئینے میں'' یہ ۱۹۲ اشعار ہیں اسمِ محمد ﷺ کے اعداد کی روشنی میں خصوصیت یہ ہے کہ ان نعتوں کے ۱۹۲ اشعار ایسے منتخب کیے ہیں جن سے نعت کے مطالب و مفاہیم اور تقدس کی جلوہ آرائی ہوتی ہے۔ راقم (محمد اکرم رضا) کی ایک نعت بھی شامل ہے عقیدت کی دل کشی کے لیے دو اشعار درج ہیں:

نعتِ سرکار مرے دور کی پہچان بھی ہے
میری بخشش کا سر حشر یہ سامان بھی ہے
نعت ہے حکمِ الٰہی کی سراسر تعمیل
یہ ہے ایمانِ رضا سنتِ حسّان بھی ہے

آخری مضمون ہے ''نعت کہیے مگر احتیاط کے ساتھ'' جو نعت کے حوالے سے ہمیں محبت و عقیدت کا احسن ترین اسلوب بخشتا ہے مگر نعت گو شعراء کو صراطِ حق پر گامزن کرنے کے آداب و احتیاط کا پیغام بھی دے رہا ہے۔ چند سطور ملاحظہ ہوں:

''ضرورت اس امر کی ہے کہ غزل باوضو ہو کر نعت بن جائے مگر غزل باوضو نہیں ہو سکتی جب تک کہ شاعر خود باوضو نہ ہو۔ چنانچہ ضروری ہے کہ شاعر نعت کہنے سے پہلے حضور ﷺ سے تعلق کی کوئی صورت پیدا کرے اور اس صورت کی اولین منزل اتباعِ رسول ﷺ ہے جس میں اہم ترین چیز نماز ہے کہ وہ مومن و کافر میں حدِ امتیاز ہے۔ نماز حمد و ثنا اور درود و سلام کا ایک شرعی انداز ہے اور نعت اسی درود و سلام کا غنائی اظہار اور مترنم شکل ہے۔ گویا جب تک دل کا آئینہ شفاف نہ ہو اس میں جمالِ رسالت جھلک نہیں سکتا اور مکدر آئینہ نہ کوئی عکس سمیٹ سکتا ہے اور نہ کوئی جھلک دکھا سکتا ہے۔ (ص ۱۶۴)

جناب اقبال جاوید سرکارِ دو عالم ﷺ کی یاد میں کھوئے رہنے والے خوش بخت انسان ہیں۔ اللہ کریم اور رسولِ رحیم ﷺ نے خوب نوازا ہے۔ نثری نعت اپنی جگہ لفظی نعت بھی کانوں میں رس گھولتی رہتی ہے۔ یہ لوگ غنیمت ہیں جو دوسروں کی اصلاح کرنے سے پہلے اپنا احتساب کرتے ہیں کہ کوئی جملہ ایسا تو ادا نہیں ہو گیا جو محبوبِ دو عالم ﷺ کو ناگوار گزر سکتا ہو۔

اس کتاب کا بڑا باب تو ۳۱۳ شہ پاروں کا انتخاب ہے۔ مگر انھوں نے شروع میں جو ۹۲ جملے تحریر کے ہیں۔ وہ بھی الفاظ کی پختگی، افکار کی گہرائی اور حسنِ عنایت کا عکس جمیل اور نعت کے تجمل کی داستان لیے ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند جملے تبرکاً نذر قارئین ہیں:

نعت ـــــ سے لفظ معتبر ہو جاتے ہیں
نعت ـــــ جیسے بہار موسمِ گل میں ہو گل بکف
نعت ـــــ کہی نہیں کہلوائی جاتی ہے

نعت ـــــــ بے خزاں خزانوں کی امین ہے
نعت ـــــــ ازل انوار بھی ہے اور ابد آثار بھی

اور آخر میں

نعت میں کیسے کہوں ان کی رضا سے پہلے
میرے ماتھے پہ پسینا ہے ثنا سے پہلے

(۲)

''نعت میں کیسے کہوں!'' ایک سوال مع جواب ہے، ہم تو پروفیسر محمد اقبال جاوید کی عبارت آرائی بلکہ طرزِ مرصع کے پرانے قتیل ہیں۔ بار بار اس طرزِ خاص کو اپنانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے، میرا خیال ہے عطا حسین خان تحسین بھی نوطرزِ مرصع کا جدید ایڈیشن تیار کرنا چاہیں اور محمد حسین آزاد ''آبِ حیات'' کی سبیل لگانے پر اصرار کریں یا خلیل جبران نثری شاعری میں الہامی شاعری دہرانا چاہیں تو بھی پروفیسر صاحب موصوف کی اس تصنیف کے آگے سپر ڈال دیں۔ یہ ہم جیسے اُردو سیکھنے والوں کے لیے مفید بلکہ مجرّب ہے۔ لیکن یہ احساس ہوتا ہے کہ مندرجات اور عنوان کے درمیان کچھ فاصلہ زیادہ ہے۔ (شفقت رضوی ص، ۴۹۴)

☆

''دل جس سے زندہ ہے''

مولانا ظفر علی خاں کے مشہور زمانہ کلام سے چنیدہ شعر

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہیں تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہیں تو ہو

کے عنوان سے مزین ۸۸ صفحات پر مشتمل یہ مختصر مگر جامع کتاب، اپنے اندر ایک دنیا سمیٹے ہوئے ہے۔ جسے نعت ریسرچ سنٹر ۳۰۶ بی بلاک نمبر ۱۴ گلستان جوہر کراچی نے خوبصورت انداز میں شائع کیا ہے۔ نامور محقق محترم جناب پروفیسر محمد اقبال جاوید نے بڑے ہی موثر انداز میں مولانا ظفر علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ خدمات کو منظر عام پر لانے کا اہتمام کیا ہے۔ جگہ جگہ مولانا کی بارگاہ رسول ﷺ سے وابستگی کے اظہار کے لیے ان کے نعتیہ اشعار پیش کیے گئے ہیں۔ عاشق رسول معظم ﷺ جناب علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مولانا ظفر علی خاں کی دوستی اور مل کر اشعار کہنے کا ذکر بھی بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ ویسے انداز تحریر پر اگر غور کریں تو کسی بھی صورت قاری کا دل کتاب کو چھوڑنے کا ارادہ نہیں کرتا۔ میں کتنا درست کہہ رہا ہوں یہ تو پڑھنے کے بعد ہی پتا چلے گا۔ میں پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب کے چند جملے درج کر رہا ہوں توجہ فرمائیں صفحہ نمبر ۵۲ یہ قرآن حضور ﷺ کے فضائل کو اس انداز سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے کہ وہ بیان خود ایک نوع سے نعت بن جاتا ہے۔ مولانا ظفر علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی نعت سرائی کے اکثر مقامات آیات قرآنی سے انوار سمیٹتے نظر آتے ہیں۔

کتاب کے آخر میں مولانا کی زندگی میں، ان کی نعت گوئی کے بارے میں لکھا ہوا جناب مرزا محمد منور کا ایک مضمون جو ۶ دسمبر ۱۹۵۴ء کو ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور سے شائع ہوا تھا، لگایا گیا ہے۔ جس سے نمونہ کے طور پر ایک اقتباس درج کر رہا ہوں صفحہ نمبر ۷۹ ارض وسما، سال و ماہ.... اوج ثریا.... سواد طور..... منشائے یعقوب علیہ السلام ..... ترانہ داؤد علیہ السلام وغیرہ اسی ذاتِ واحد کے مختلف پرتو ہیں۔ لیکن اگر جلوۂ الٰہی کو اصل صورت میں دیکھنا چاہو تو وہ فقط سرکارِ دو عالم ﷺ کے نور جبیں میں ہے۔

جو اس کو صورت اصلی میں دیکھنا چاہو
محمد ﷺ عربی کی جبیں کے نور میں ہے

آخر میں ہم پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اس پیش قیمت کاوش پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

☆

''شعری التجائیں''....ایک مطالعہ، ایک تاثر

اسلوب کو فنی موشگافیوں سے الگ کر کے دیکھا جائے تو یہ پیش کش کا انداز اور اظہار مافی الضمیر کا ایک مخصوص ڈھب ہے، جو تحریر کو روشن بھی کرتا ہے اور اسے امتیاز و اختصاص بھی عطا کرتا ہے۔ ہماری اس گھڑی ہوئی تعریف کی رو سے صرف وہی قلم کار صاحبِ اسلوب ٹھہرتے ہیں جن کی تحریر میں فکر کی لو، زبان کی چاشنی میں گندھی ہوئی ہو، جس سے صرف سماعتیں اور بصارتیں ہی محظوظ نہ ہوں، قلوب و اذہان بھی منور ہوں۔ لکھنے کو تو کیا نہیں لکھا گیا؟ اور کس کس نے نہیں لکھا؟ مگر کتنی تحریریں اپنے اسلوب کا تعارف بنتی ہیں، یہ اہلِ قلم اور باذوق قارئین سے مخفی نہیں۔ اسلوب اپنی پہچان بھی ہوتا ہے اور اپنے قلم کار کی بھی اور پہچان بھی ایسی کہ کسی اچھے اقتباس سے سارے حوالے ہٹا دینے کے باوجود اس کے لکھنے والے کا نام قارئین کے ذہن سے محو نہیں کیا جا سکتا۔

اردو میں یہ فخر بہت سوں کو عطا ہوا ہے، مگر مسرت کا اور بعض کے لیے عبرت کا مقام یہ ہے کہ اردو کے اچھے پسندیدہ اور مقبول صاحبانِ اسلوب میں مذہبی پہچان رکھنے والوں کی کثرت ہے۔ کون ہے جو عبدالماجد دریابادی اور مولانا مناظر احسن گیلانی کے اسلوب سے واقف نہیں؟ اور کون ہے جو مولانا ابوالکلام آزاد کی نثر کو بھول سکتا ہے؟ یہ فہرست اسی قدر نہیں، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، چودھری افضل حق اور مختار مسعود سے لے کر سید ابوالخیر کشفی تک یہ ایک کہکشاں ہے، جو درحقیقت کہکشاں در کہکشاں ہے کہ ان میں سے ہر کہکشاں سے ایک نئی کہکشاں پھوٹتی اور جنم لیتی دکھائی دیتی ہے۔

راقم کے تعلقِ خاطر کو سردست نظر انداز کرتے ہوئے اگر اس فہرست میں پروفیسر محمد اقبال جاوید کو بھی شامل فرما لیں تو اس نظامِ شمسی کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

اگر راقم کے اس جملے کو دعویٰ تصور کیا جائے تو ''شعری التجائیں'' اس کی دلیل ہے جو دلیلِ قطعی کا پیرہن رکھتی ہے۔

کتاب کا پورا نام ہے ''شعری التجائیں حرمین شریفین میں یاد آنے والے کیف آفریں اشعار۔ تاثراتی توضیحات کے ساتھ۔''

یوں یہ کتاب تالیف بھی ہے، تصنیف بھی اور اس کتاب کا قاری عمدہ اشعار اور زندہ نثری اقتباسات کے حسنِ انتخاب سے بھی محظوظ ہوتا ہے اور فاضل مولف و مصنف کے تخلیقی سرمائے سے بھی۔ اس طرح یہ کتاب ایک تالیف بھی ہے، تصنیف بھی اور تخلیق بھی۔

فاضل مؤلف کو ایک سے زائد بار حرمین شریف کی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔ حاضری کے ان لمحات

میں انہیں جو اشعار یاد آتے رہے، ان کو فکر وفن کے سانچے میں ڈھال کر مؤلف نے پیرہن کتاب میں اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ کتاب کا مختصر تعارف تو یہی ہے مگر کتاب میں صرف یہی کچھ نہیں ہے، حسن انتخاب بھی درست، حسن اہتمام بھی صحیح، اسلوب بھی بجا مگر کتاب کا اصل تاثر اس کیفیت سے بنتا ہے جو کتاب کی سطر سطر میں نظر آتا ہے جو کتاب کا خاصہ ہے مگر بیان سے ماوراء کم از کم ہم سا قلم نارسا اس کیفیت کو بیان کرنے کی سکت نہیں رکھتا۔ اپنی بات کی وضاحت کے لیے چند اقتباسات ناگزیر ہیں کہ دعویٰ دلیل کے بغیر آج کل دعویٰ ہی نہیں سمجھا جاتا۔

حرم میں پہلی بار حاضری کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر صاحب کا قلم اپنے جذبات کو یوں زندگی عطا کرتا ہے:

خوش نصیب ہوں کہ عمر بھر جس عظیم گھر کی جانب منہ کر کے غائبانہ نماز ادا کرتا رہا آج وہ گھر نگاہوں کو طراوت عطا کر رہا ہے اور میری جبین نیاز، جس میں بہ قول اقبال، ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں، اُس آستان ناز پر ہے جس سے بڑا آستاں کوئی اور نہیں کہ یہ اس کا آستاں ہے جو بہ ہر اعتبار عظیم و جلیل اور بہ ہر نوع بزرگ و برتر ہے۔ جبیں کو جو فخر یہاں جھکنے میں نصیب ہوتا ہے اس کو محسوس تو کیا جا سکتا ہے لفظوں میں نہیں ڈھالا جا سکتا کہ:

کسی کا آستاں اونچا ہے اتنا
کہ سر جھک کر بھی اونچا ہی رہے گا

اور یہ فخر اپنا نہیں ہے، بلانے والے کی عطا ہے کہ اس نے سر کو سجدے کے لیے اپنے گھر کی دہلیز عطا کی ہے اور اس آستاں کی خاک وہ خاک ہے جس پر جبینِ شوق عمر بھر نازاں رہ سکتی ہے اور میرے لیے تو یہی ناز فکری بالیدگی اور روحانی شادابی کا باعث ہے:

تصور عرش پر ہے، وقف سجدہ ہے جبیں میری
مرا اب پوچھنا کیا، آسماں میرا، زمیں میری (۱)

پھر پروفیسر صاحب کا ذہن دیارِ حرم میں ہماری زندگی سے اور قریب ہو جاتا ہے۔ وہ حالات پر کڑھتا، رب کائنات کے دربار میں استغاثہ کرتا اور اپنے قاری کی فکر کو جھنجھوڑتا ہے۔ اس طرح ان کی تحریر عصری مسائل کا بھی تعاقب کرتی نظر آتی ہے۔ ایک مقام پر روشن خیالی اور جدت پسندی پر بات کرتے ہوئے اپنے ہاں سے مٹتی اور ختم ہوتی تہذیبی اقدار و روایات کا مرثیہ یوں لکھتے ہیں:

دور حاضر روشن خیالی کے سانچے میں کچھ یوں ڈھل گیا ہے کہ بے حیائی نگاہوں کے راستے دلوں میں گھر کرتی جا رہی ہے۔ دینی قدروں سے لگاؤ ختم ہو گیا ہے۔ نسلِ نو ہنود و یہود کی ثقافت کو اپنا کر خود کو ترقی پسند سمجھ رہی ہے، حال آں کہ نہ قرآن پاک سے زیادہ کوئی انقلابی اور ترقی پسند ضابطۂ حیات ہے اور نہ مومن سے زیادہ کوئی روشن خیال۔ قرآن پاک کا دعویٰ ہی یہ ہے کہ وہ ظلمات کو نور عطا کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ ذرائع ابلاغ، عریانی و فحاشی کے علم بردار ہیں۔ اخبار سے لے کر بازار تک نگاہ کو سنبھلنا اور اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا ہے۔ شیطان کے زہریلے تیر چل رہے ہیں اور ہوس چھپ چھپ کے نہیں بلکہ علانیہ سینوں میں تصویریں بنا رہی ہیں۔ نتیجہ معلوم کہ نگاہیں خائن اور دل شرابی ہو گئے ہیں، بلکہ سینوں کے اندر اندھے ہو کر رہ گئے ہیں:

ہو چشم اگر کور، کریں شمس و قمر کیا
بوجہل کا ہادی نہیں قرآنِ مبیں بھی (۲)

نکتہ آفرینی پروفیسر صاحب کے اسلوب کا خاص تعارف ہے، سامنے کی بات سے نکتہ پیدا کرنا اور سادہ سے واقعے میں جواہر تلاش کر لینا ان کا امتیاز ہے۔ حرم نبوی کی توسیع کا ذکر ہے۔ مگر نکتہ آفرینی ملاحظہ کیجیے:

غالباً امام مالکؒ، مدینہ منورہ میں گلیوں کے درمیان میں نہیں بلکہ مکانوں کی دیواروں کے ساتھ ساتھ چلتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ عین ممکن ہے کہ ان راستوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوشِ پا ہوں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر پاؤں آ جائیں۔

اچھا ہی کیا سعودی اربابِ اختیار نے، کہ ہولے ہولے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے کم و بیش پورے مدینے کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں سمیٹ لیا کہ اب کوئی جوتی پہن کر مدینے میں نہیں پھر سکتا کہ پورا مدینہ مسجد ہے، جائے عبادت بھی اور جائے ادب بھی۔ گویا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نقوش پا ہیں جہاں سر بھی جھک رہے ہیں اور دل بھی۔ اصغر گونڈوی نے کبھی کہا تھا:

چلوں کہ جانِ حزیں کو نثار کر ڈالوں
نہ دیں جو اہلِ شریعت جبیں کو اذنِ سجود

اور اب چوں کہ پورا مدینہ سجدہ گاہ بن گیا ہے اس لیے جبیں کو کسی ''اذنِ سجود'' کے حصول کی ضرورت نہیں رہی بلکہ اب تو ''حکمِ سجود'' ہے۔ (۳)

زندہ تحریر وہی ہوتی ہے جس کا تخلیق کار خود بھی لکھتے ہوئے وجد میں رہے اور پڑھنے والوں کو بھی اپنے ساتھ بہا لے جائے۔ زندہ تحریر کو نظر انداز کرنا کسی قاری کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ محبوب کے قدموں میں جان دینے کا تصور کوئی نیا نہیں، مگر دیکھیے پروفیسر محمد اقبال جاوید نے اسے کس طرح پیش کیا ہے:

جان تو بہ ہر نوع جانی ہے کہ وہ آنی جانی شے ہے، جان محبوب کے قدموں میں جائے تو اس کا جانا حسن، سکون اور طمانیت کا مظہر ہے، جگر مرادآبادی یاد آ گئے۔ بہ تصرفِ ادنیٰ:

جان ہی دے دی، جگر نے آج پائے ناز پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

جنگِ احد میں ایک صحابیؓ زخمی ہو گئے تھے۔ ان کی زندگی کا شعلہ آخری لپک لے رہا تھا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ادھر سے ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کوئی خواہش ہو تو بتاؤ۔'' جاں بلب صحابیؓ نے اپنا زخمی جسم گھسیٹا اور سر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر رکھ دیا اور اپنی جان، جان آفرین کے حوالے کرتے ہوئے، احد کے دامن میں، نعت کا مقطع، اپنے خون کی سرخی سے لکھ دیا:

منم و ہمیں تمنا کہ بہ وقتِ جاں سپردن
بہ رخِ تو دیدۂ باشم، تو درونِ دیدہ باشی (۴)

نعت کا معاملہ ہو یا ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہار نسبت، اظہار عقیدت اور اظہار محبت کا معاملہ، آہنگِ قلم کو تھامنا اور جذبات کو پابند شریعت رکھنا ایک مشکل فریضہ ہے۔ یہاں قلم کی لرزش عقیدے کی لغزش میں تبدیل ہو جاتی ہے اور عقیدت عقیدے میں ڈھل کر گم راہیوں کا سامان بن جاتی ہے۔ پروفیسر صاحب اس جانب بھی تنبیہ فرماتے ہیں اور اہل قلم کو بہ جا طور پر اس جانب متوجہ کرتے ہیں:

کاش ہم اپنی علمی لاعلمی اور عملی بے مائیگی کے اعتراف کے ساتھ ''قصہ مختصر'' کریں اور عقیدت وارادات کے زعم میں بات نہ بڑھائیں بلکہ اپنی عقیدت کو بینائی عطا کریں کہ اندھی عقیدت، غلو بن کر ایمان کھو بیٹھتی ہے۔ نعت ایک ایسی توصیف ہے جو مبالغے سے دامن بچاتی اور تاریخی سچائیوں کے ساتھ ساتھ چلتی ہے اور ایک ایسا ناز ہے جو نیاز کی ادائیں سنبھالے ہوئے ہے۔ نعت ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے جس پر دل کی ساری محبت اور نگاہ کی ساری ارادت مرتکز ہو جاتی ہے۔ نعت گوئی ایک ارفع اور نازک مقام ہے۔ ارفع اس لیے کہ جس ذات اقدس ﷺ کی تعریف مالک کون ومکاں کرتے ہوں، اس کا حق کیسے ادا ہو سکتا ہے اور نازک اس لیے کہ احتیاط کے تقاضے کڑے ہیں، قلم اور زبان کی ہلکی سی لغزش ایمان کے آبگینے کو ٹھیس پہنچا سکتی ہے۔ عرفی نے کہا تھا:

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا است
آہستہ، کہ رہ، بردمِ تیغ است قدم را

کاش ہم سمجھیں کہ تلوار کی دھار پر چلنے کے لیے بینائی کے ساتھ ساتھ انتہائی دانائی بھی مطلوب ہے۔ (۵)

کتاب کا اختتام پروفیسر محمد اقبال جاوید نے اپنی جواں سال مرحومہ بیٹی کے تذکرے پر کیا ہے، جس کی اس مجموعے سے نسبت یہ ہے کہ وہ بھی حرمین کی حاضری میں ان کی شریکِ سفر رہیں، ایک عمر کے سفر زیست کے تمازت کے لیے ایک باپ اپنی بیٹی کے لیے جس قدر بھی گہرے جذبات کا اظہار کر سکتا ہے، وہ اس باب کا حصہ ہیں۔ مرحومہ کے لیے ان سطور میں دعائے خیر ہے اور تین بچوں کی صورت میں اس کی باقیاتِ صالحات کے لیے نیک تمنائیں، بلند خواہشات اور دبے دبے لہجے میں بعض تحفظات بھی، جو درحقیقت ان معصوم بچوں کے لیے نہیں، اس معاشرے کے لیے ہیں جس میں انھوں نے اپنی آرزوؤں کے خوابوں کو تعبیر کرنا ہے۔ المیہ ایک گھر کا نہیں پورے معاشرے کا ہے، جس کی معاشرت نے ہم سے اقدار، تہذیب، تحفظ اور شناخت سب کچھ سلب کر لی ہے۔ الامان، الحفیظ۔

کتاب اپنا تعارف خود ہے، جس کا صحیح تعارف اس کے مکمل مطالعے کے بغیر ممکن نہیں۔ جذبات سے پُر، اظہار سے لب ریز، فکر سے مملو اور احساس سے منور یہ کتاب ندوۃ المعارف لاہور سے شائع ہوئی ہے اور دارالکتب، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور سے دستیاب ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شعری التجائیں: ص ۵۷
۲۔ ایضاً، ص ۹۸
۳۔ ایضاً، ص ۱۹۸
۴۔ ایضاً، ص ۲۱۱
۵۔ ایضاً، ص ۲۴۱

☆

''لوح بھی تو، قلم بھی تو''

راز کاشمیری گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے انہوں نے تمام عمر اپنا رشتہ ادب کے ساتھ بڑا گہرا اور مضبوط رکھا غزل، حمد و نعت اور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ لکھا ''لوح بھی تو، قلم بھی تو'' ان کا نعتیہ مجموعہ ہے جو کہ ان کی وفات کے بعد پروفیسر غلام رسول عدیم اور پروفیسر محمد اقبال جاوید نے ترتیب دیا تھا۔ ۱۶۰ صفحات کی اس کتاب کو عثمان اکیڈمی گوجرانوالہ نے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا اس میں حمد و مناجات کے علاوہ ۱۷ نعتیں ہیں۔ نعتِ رسولِ مقبول ﷺ جو کہ عاشقوں کے لیے نشاطِ روح بھی ہے اور فلاحِ دارین کا باعث بھی۔ سکون قلب بھی ہے اور روح کی بلند پروازی کے لیے ایک ذریعہ بھی، شاعروں کی شاعری کی جان بھی ہے اور شان بھی، راز کاشمیری نے بھی نعت کو دل کے سکون اور روح کے قرار کے لیے استعمال کیا اور اس کو عبادت سمجھا۔

شاعر کے نزدیک رسول کریم ﷺ کا تکلم حسنِ فصاحت اور تبسم روحِ صباحت ہے آپ کی ہر ہر ادا جاں پرور اور روح افزا ہے اور شاعر نے اپنی نعت میں انہیں خیالوں کو ایک خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔ راز کاشمیری کی نعت کے موضوعات میں بڑا تنوع اور فکری پھیلاؤ ہے۔ آپ لفظوں سے نہیں بلکہ خیالوں کی رعنائی اور خوبصورتی سے نعت میں رنگ بھرتے ہیں اور اسی سے ویرانۂ حیات کو شاداب رکھتے ہیں۔ آپ نے نعت کے زیادہ تر موضوعات کو قرآن پاک سے اخذ کیا ہے کہ قرآن بھی تو سراسر نعت حبیب ﷺ کبریا ہی ہے۔ آپ اپنی نعت میں پیروئ رسول ﷺ کو بار بار تکرار کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ یہ نعت رسولِ مقبول ﷺ کی ایک ایسی عملی و ابدی شکل ہے کہ جس کا سفر کبھی ختم نہیں ہوتا کیونکہ سنت رسول ﷺ کو زندہ کرنا اور زندہ رکھنا ہی نعتِ حبیب کبریا ہے۔

''لوح بھی تو، قلم بھی تو'' میں نعت رسول ﷺ کے لیے راز کاشمیری نے نبیٔ کریم ﷺ کے بڑے خوبصورت اور پیارے پیارے ناموں کو بڑے پیارے انداز اور خوبصورت انداز میں استعمال کر کے اپنی نعت کو بڑا پیارا اور خوبصورت بنا لیا ہے کہ ان کی نعت میں محبوب خدائے وحدہٗ لاشریک کے ناموں کی جگمگ نے مہکا دیا ہے۔ آپ نے سراپائے رسول ﷺ کو بیان کرنے کے لیے دنیا کے محبوبوں اور نازنین کے حسن کو بیان کرنے والا کوئی لفظ بھی استعمال نہیں کیا بلکہ قرآن پاک میں آئے سارے الفاظ سے اپنی نعت کو تابندگی زندگی اور رعنائی بخشی ہے یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان کی نعت آج کی جدید نعت کا مقابلہ کر رہی ہے۔

وردِ زباں اسمائے محمد ﷺ، حماد ﷺ، و محمود اور احمد ﷺ
زمزمہ پیرا ہے دل میرا، صلی اللہ علیہ وسلم

O

آپ ہیں نور الہدیٰ، بدرالدجی، شمس الضحیٰ
آپ سے پر نور ہیں لیل و نہارِ زندگی

O

لوحِ جہاں پر حرفِ منور، امّی لیکن علم کا مصدر
دشتِ بلا میں خیر کا دریا، صلی اللہ علیہ وسلم

رازکاشمیری اسوۂ رسول ﷺ کی بات بڑی شدت اور گہری عقیدت سے کرتے ہیں اور اس عملی نعت کا صلہ دنیا سے مانگنے کے قائل نہیں ہیں بلکہ اپنے ہم عصروں اور نئی نسل کو بھی یہی ابدی اور اعلیٰ پیغام دیتے ہیں کہ نعتِ رسول ﷺ کا صلہ ذوقِ نعت رسول کی بلندی کے سوا اور کچھ نہ مانگو کہ یہی زندگی ہے۔ اسی سے افکار میں روشنی آتی ہے اور یہی روزِ محشر ذریعۂ شفاعت ہوگی۔

آپ ﷺ کا اسوہ دولتِ ایماں، آپ ﷺ کی سیرت حاصلِ قرآں
ہم پر بس تقلید ہے لازم، کفر ہے ان پر نکتہ چینی

O

اس سے بڑی نہیں کوئی دولت جہان میں
کچھ بھی سوائے عشقِ رسولِ خدا نہ مانگ
ہے سیرتِ رسول ﷺ بہر گام رہ نما
راہِ طلب میں اور کوئی نقشِ پا نہ مانگ

O

''لوح بھی تو، قلم بھی تو'' اسمائے محمد ﷺ کی خوبصورت تشریح بھی ہے اور سیرت رسول ﷺ کی تبلیغ و اشاعت بھی اور اس کے ساتھ ساتھ سیرت رسول ﷺ کے کئی خوبصورت پہلوؤں کی تشریح بھی، خاص طور سے وہ پہلو جن کی آج نئی نسل کو اشد ضرورت ہے۔ وہ ہے سنت رسول ﷺ میں عفو و درگزر کی عادت کہ آج کا ہر فرد اپنی قوتِ برداشت کھو بیٹھا ہے کیونکہ اس کے سامنے عفو و درگزر کی مثالیں نہیں ہیں۔ وہ اپنے ہادیٔ برحق کی زندگی سے دور ہوتا جا رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں آئے دن نفرتوں کے اندھیرے بڑھتے جا رہے ہیں اور پیار کے دیئے بجھتے جاتے ہیں۔

رازکاشمیری نے اپنی نعت میں سیرت رسول ﷺ کے خوبصورت پہلوؤں کی تشریح سے معاشرے میں بڑھتی ہوئی نفرت کو کم کرنے کی شعوری اور کامیاب کوشش کی ہے کہ اس کے علاوہ اور کوئی حل نہیں، کوئی نظریہ نہیں، کوئی ازم نہیں، جو کہ آج کے فکری اندھیروں کو کم کر سکے۔

دنیا کا ہر فلسفہ جانچا، ہم نے پرکھا ہر نظریہ
آپ کی ہر اک بات یقینی، باقی سب کچھ غیر یقینی

O

اسوہ ہے رآز یہ بھی رسولِ کریم ﷺ کا
اپنے عدوئے جاں کے لیے بھی برا نہ مانگ

O

ان کی گفتار کو افکار کو، کردار کو رآز
نکہت و نور کا اور خیر کا مصدر کہنا

O

آفتابِ رسالت کا فیضان ہے
میرے دل میں ہے شام و سحر روشنی

O

چودہ صدیوں سے ہماری رہ نمائی کے لیے
آپ کے ہیں نقشِ پا آراستہ پیراستہ

O

حسنِ تہذیب و تمدن، جلوۂ احسان و عدل
شہرِ علم و دانش و حکمت، وقارِ زندگی

☆

پروفیسر اقبال جاوید کی نعت شناسی

نعت شناسی سے مراد کسی صاحب علم کی وہ خوبی ہے جو اسے نعتیہ شاعری کے رموز وغوامض سے آگاہی کے لیے اللہ رب العزت نے عطا کی ہوا اور وہ اس کا اظہار بھی کر رہا ہو۔ جس طرح شعر کہنے والا شاعر اور شعر سماعت یا قرأت سے اس شعر کے جملہ مفاہیم اور معانی سے آگاہی حاصل کر سکنے والا شخص ''سخن فہم وسخن سنج'' کہلاتا ہے۔ بالکل اسی طرح کوئی شخص شعری دنیا کی بہترین صنف ''نعت'' سے آگاہی کا ثبوت فراہم کر کے ''نعت شناس'' کا رتبہ پالیتا ہے۔

شعر فہمی کے لیے تو صرف زبان دانی، صرف ونحو، عروض اور علم بدیع، نیز قدیم وجدید شعرا کے دواوین کی ورق گردانی ہی ضروری ہے۔ لیکن نعت شناسی کے لیے ان تمام اوصاف کے ساتھ ساتھ قرآن وسنت اور دینی تاریخ کے درست اور مستند احوال سے آگاہی بھی لازمی اور ناگزیر ہے۔ عام شاعری کے نقاد کے لیے متداول علوم سے آگاہی کافی ہے لیکن نعت کے نقاد کے لیے شاعری کے جملہ لوازم کے ساتھ ساتھ دینی علوم اور فکرِ اسلامی کی تاریخ سے بھی استفادہ کرنا ضروری ہے۔ پھر جس طرح نعت گو شاعر کے لیے گداز قلب ہونا ضرری ہے اور اس کی فکر میں سوئے حرم سفر کرنے کا داعی ہونا لازمی ہے اسی طرح نعتیہ شاعری کے نقاد کے لیے بھی یہ اوصاف بدرجۂ اتم لازمی ہیں۔

تاریخ لسانیات سے پتا چلتا ہے کہ کم وبیش ہر زبان میں نثر سے قبل شاعری کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ اردو میں بھی شعری نمونے پہلے ملتے ہیں نثر لکھنے کا دور بعد میں آیا۔ نعتیہ شاعری میں بھی یہی اصول کارفرما رہا۔ نعتیہ شاعری تو اردو کی ابتدا ہی سے کسی نہ کسی سطح پر لکھی جاتی رہی لیکن اس شاعری کے حوالے سے نثری ادب جو اس شاعری کی پرکھ، اس کی تاریخ کی تدوین یا اس شاعری کی تحسین کے لیے لکھی جاتی وہ بہت بعد میں سامنے آئی۔

اردو میں پہلا سنجیدہ تحقیقی کام جو ''نعتیہ شاعری'' کے حوالے سے منصۂ شہود پر آیا وہ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاقؔ کا وہ مقالہ تھا جو انھوں نے ناگ پور یونیورسٹی (بھارت) میں بعنوان ''اردو میں نعتیہ شاعری'' پیش کیا تھا اور جس پر انھیں ۱۹۵۵ء میں پی ایچ۔ڈی کی ڈگری عطا کی گئی تھی۔

پاکستان میں نعت پر اولین تحقیقی مقالہ افسر صدیقی امروہوی کا تھا جو ''اردوئے قدیم اور نعت گوئی'' کے عنوان سے ۱۹۶۳ء میں ''ماہ نو'' کی اشاعت خصوصی میں منظر عام پر آیا۔ یہ مقالہ گو کہ بہت مختصر تھا لیکن اپنی علمی نہج، تحقیقی راست سمتی اور تنقیدی دیانت کے حوالے سے پاکستان میں نعت کے حوالے سے لکھا جانے والا غالباً پہلا سنجیدہ مقالہ تھا۔

اس کے بعد مختلف چھوٹے موٹے مقالے لکھے جاتے رہے۔ نومبر ۱۹۷۳ء میں ''سیارہ ڈائجسٹ'' کا رسول ﷺ نمبر شائع ہوا جس میں شمیم احمد کا مضمون ''نعت گوئی اور اس کا فن'' اس موضوع پر ایک قابلِ ذکر کاوش تھی۔ لیکن علمی لحاظ سے

ستھرا کام ڈاکٹر فرمان فتح پوری صاحب نے ''اردو نعتیہ شاعری'' پر کتاب لکھ کر کیا، جو ۱۹۷۴ء میں طبع ہوئی۔

ممتاز حسن صاحب نے ''خیر البشر ﷺ کے حضور میں'' کے نام سے نعتوں کا انتخاب کیا جو ۱۹۷۵ء میں طبع ہوا۔ اس کا مقدمہ ممتاز حسن صاحب کے علمی انہماک، قلبی گداز اور فکری راست سمتی کا آئینہ تھا۔

اس کے بعد ہی یعنی ۱۹۷۹ء میں، معنوی لحاظ سے وقیع اور صوری اعتبار سے خوب صورت نعتیہ انتخاب وجود میں آیا جسے پروفیسر اقبال جاوید نے ''مخزن نعت'' کے نام سے شائع کیا۔ اس انتخاب کا مقدمہ بعنوان ''ثنائے خواجہ ﷺ، نعتیہ شاعری....ایک نظر میں'' کے زیرِ عنوان لکھا گیا تھا جو اس موضوع پر ایک خوبصورت اضافے سے کم نہ تھا یہ مقدمہ ہی غالباً اقبال جاوید صاحب کی نعت شناس کی حیثیت کی تشہیر اور قبولیت کا نقطۂ اولین ہے۔ اسی مقدمے کی خواندگی نے مجھے ان کے قلم کی تاثیر، علمی دیانت، شعر فہمی کی صلاحیت اور اظہار کے خوبصورت اسلوب کے حوالے سے ان کا گرویدہ بنا دیا۔

اس مضمون میں، میں ان کی مختلف تحریروں سے ان کے اسلوبِ نگارش، شعر فہمی، قلبی گداز اور منہاجِ تنقید پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔ خیال رہے کہ میرا موضوع بڑا وسیع اور ہشت پہلو ہے لیکن میری تحریر میں صرف چند اشارے ہی آسکیں گے۔ اللہ کرے اقبال جاوید صاحب کی علمی خدمات اور نعت شناسی کے مطالعے کے لیے کوئی صاحب ہمت سامنے آجائے، تو شاید یہ کام کسی حد تک سلیقے اور شرح وبسط کے ساتھ ہو سکے۔

ثقافتی عمل میں قلم اور قلم کاروں کا کام وہی ہوتا ہے جو زمین میں بیج بونے کے حوالے سے کسان کا ہوتا ہے۔ کسان زمین میں بیج بو کر لوگوں کی وقتی بھوک مٹانے کا بندوبست کرتا ہے۔ اس کے بوئے ہوئے بیج سے کشت زار جلد لہلہانے لگتا ہے۔ لیکن پھر جلد ہی اس کی کٹائی بھی ہو جاتی ہے۔ قلم کاروں کا بویا ہوا بیج انسانی ذہنوں میں صدیوں فکری زاویوں کی شکل میں پھول اور پھل لاتا رہتا ہے اور علم، فکر، تدبر، راست سمتی، خیر، عشق، آگہی، طریق ادب اور تسلیم ورضا کے جذبات جیسے اربوں کھربوں پھل اسی کھیتی سے برآمد ہوتے رہتے ہیں جو صدہا برس، بلکہ جب بھی علم وادب کا چرچا قائم رہتا ہے اس وقت تک بارآور رہتے ہیں۔ پروفیسر اقبال جاوید نے بھی اپنے قلم کے ذریعے روح کے ترفع، دل کی جلا اور ذہن کی ضیا کا سامان بہم پہنچایا ہے اور حرف ولفظ کی شکل میں فکر کے وہ بیج بوئے ہیں کہ ان شاء اللہ ان کے بوئے ہوئے بیج کے ذریعے لہلہانے والی کھیتی سے زمانہ فیض یاب ہوتا رہے گا۔

اقبال جاوید صاحب نے نعت اور متعلقاتِ نعت پر اتنا لکھا ہے کہ دیکھ دیکھ کر حیرت بھی ہوتی ہے اور اس میدان میں قدم رکھنے والے مجھ ایسے تازہ واردانِ بساطِ ادب کو ان پر رشک بھی آتا ہے۔

پروفیسر موصوف کا اسلوبِ نثر نگاری ''رومانوی'' ہے۔ اردو میں یہ رجحان سجاد حیدر یلدرم، محمد حسین آزاد، مہدی افادی، علامہ شبلی نعمانی، نیاز فتح پوری، مولانا ابوالکلام آزاد، مجنوں گورکھ پوری، شورش کاشمیری اور مختار مسعود سے ہوتا ہوا پروفیسر اقبال جاوید تک آیا ہے۔ رومانوی اسلوب میں بات کے فافیہ Content کے ساتھ ساتھ (بلکہ غیر مذہبی ادب میں تو مافیہ کی راست سمتی کی بھی کوئی قید نہیں) بیان میں ندرت اور حسنِ اظہار کا خیال زیادہ رکھا جاتا ہے۔ یہاں ایک پھول کا مضمون سو رنگ سے باندھنے کا رجحان غالب رہتا ہے۔ اس اندازِ نگارش میں اسلوب کی دل آویزی ہی قاری کا دل موہ لیتی تھی۔ اقبال جاوید اگر افسانوی ادب لکھنے کی طرف مائل ہوتے تو خلیل جبران خلیل کے اسلوب کے ایک اہم نمائندے

کی حیثیت سے پہچانے جاتے۔ رومانویت سے مملوفکری رو میں ازخود رفتگی کا عمل ہوتا ہے جو ادیب کو لفظوں کے گلستان، حروف کے باغیچوں اور اصوات کے چمن زاروں میں لے جاتا ہے اور ادیب اپنی حس لطیف کے دامن میں شعری نوعیت کے نثر پاروں کے پھول چنتا رہتا ہے۔ ایسی نثر صاحبانِ ذوق کے لیے حسن وفکر کا سرمایہ ہوتی ہے۔

جہاں تک پروفیسر اقبال جاوید کے تنقیدی منہاج کا تعلق ہے تو یہ تنقیدی منہاج بھی ان کے اسلوب نگارش کی طرح تاثراتی ہے۔ تاثراتی تنقیدی طریق کار کو لوگوں نے تنقیدی منہاج کے طور پر قبول کرنے میں پس وپیش تو کی لیکن اس طریق سے دامن بچانا ممکن نہ ہوسکا کیوں کہ یہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔ ظاہر ہے کائنات کی رعنائی کو دیکھ کر انسان یہی کہہ سکتا ہے:

حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

اور بہت زیادہ شخصی تداخل (میں ذاتی طور پر اس لفظ کو Personal Involvement کے معنی میں استعمال کرتا ہوں) ہوا تو کہنے لگتا ہے:

مائیم و تحیر و خموشی
و آفاق ہمہ بہ گفتگویت

(ہم ہیں ہماری حیرت ہے اور خاموشی! جب کہ تمام کائنات تیری ہی گفتگو میں مصروف ہے)

ظاہر ہے یہ تاثر فطری ہے اور اظہار میں حیرت چاہتا ہے۔ تاثراتی تنقید میں بھی فن پارے کے پوشیدہ حسن کی نقاب کشائی میں نقاد کے قلبی احساسات جھلکتے ہیں کہ فن پارے کے حسن سے پہلے وہ خود مسحور ہوتا ہے پھر کہیں جا کر دوسروں سے کہتا ہے:

اک نظر تم مرا محبوب نظر تو دیکھو

تاثراتی تنقید میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری، مہدی افادی، نیاز فتح پوری، فراق گورکھ پوری، مجنوں گورکھ پوری، محمد حسن عسکری وغیرہم کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ نعت میں تاثراتی تنقید کا لوہا منوانے والوں میں ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی مرحوم کا نام سدا زندہ رہے گا۔ (ان شاءاللہ)

پروفیسر اقبال جاوید صاحب مشرقی ادبیات کے متخصص ہونے کے باعث کوئی لفظ انگریزی کا استعمال نہیں کرتے۔ ان کی تحریر میں عربی فارسی کے بھی مانوس اور عام فہم الفاظ ہی آتے ہیں۔ انھی چند نکات کو پیش نظر رکھ کر میں نے اپنا نظام فکر مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس کا خاکہ اس مضمون کی شکل میں آپ کے ذوق جمال فن کی نذر کرتا ہوں۔

''مخزن نعت'' میں ''عرض تمنا'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

اگر میں شاعر ہوتا تو نعت کہتا، مگر یہ وہ عطیۂ ربانی ہے جو عطا ہوتا ہے، لیا نہیں جاتا، پھر سوچا کہ میں اگر نعت کہہ نہیں سکتا تو کم از کم وہ قلم تو چوم سکتا ہوں جنھیں فطرت نے نعت گوئی کی توفیق بخشی ہے کہ شاید عقیدت کے یہ بوسے میرے لیے توشۂ آخرت ہو جائیں:

سجا کر لخت دل سے کشتیٔ چشم تمنا کو
چلا ہوں بارگاہِ عشق میں لے کر یہ نذرانہ (۱)

اس عرض تمنا نے اقبال جاوید صاحب کی اپنی آرزو کی کنہ اور تمنا کی اساس بیان کر دی اور دیانت داری سے ان صاحبان قلم کے نام سے بھی آگاہ کر دیا جن کے تحریری کارناموں سے انھیں اپنے خیال کو واقعہ بنانے کا حوصلہ ہوا تھا۔ انھوں نے اس ضمن میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری، جناب ممتاز حسن اور شمیم احمد صاحب کا تذکرہ کیا ہے۔ نعت کے ضمن میں اپنی راست فکری کو وہ ان الفاظ میں قلم بند کرتے ہیں:

میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ نعت کو بطور صنف سخن، ادب میں خاص مقام ملنا چاہیے، شبلی نے شعرالعجم میں فارسی شعر و سخن کی تاریخ و تفصیل بیان کی ہے مگر فن نعت کا انھوں نے بھی جائزہ نہیں لیا، جب کہ نعت گوئی کے سلسلے میں فارسی شاعروں کی کاوشیں ایک مستقل ادبی مقام رکھتی ہیں۔ حال ہی میں پنجاب یونی ورسٹی لاہور، نے تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، سولہ ضخیم جلدوں میں مرتب کی ہے، یہ ایک قابل قدر ادبی کارنامہ ہے۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ اصناف ادب میں نعت بحیثیت صنف سخن یہاں بھی نظر انداز ہوگئی ہے۔ نقادوں کے مختلف ادبی جائزوں میں بھی نعت گو حضرات کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا جاتا، جب کہ:

شاعری کیا ہے دلی جذبات کا اظہار ہے
دل اگر بیکار ہے تو شاعری بے کار ہے

تو کیا نعت، ساز دل کا رنگین۔ موثر اور پاکیزہ نغمہ نہیں ہے؟ انھی خیالات کے پیش نظر میں نے زیر نظر مجموعہ ترتیب دیا ہے۔ (مخزن نعت، ص۲)

اس ذاتِ گرامی کا تذکرہ، اپنے اندر صداقت اور تاثیر کے جو خطوط رکھتا ہے کوئی عام توصیفی صنف سخن اس کی گرد کو بھی نہیں چھو سکتی۔ اس لیے دیگر اصناف سخن کے مقابلے میں، نعت دل کے درد کا ایک ایسا بے ساختہ اظہار ہے کہ اس کے اندر عقیدت و ارادت کی ایک دنیا سمٹ جاتی ہے۔ نعت اسوۂ رسول ﷺ کا ایک دلآویز عکس ہے۔ یہ ایک ایسی توصیف ہے جو مبالغے سے دامن بچاتی اور تاریخی سچائیوں کے ساتھ ساتھ چلتی ہے اور ایک ایسا ناز ہے جو نیاز کی ادائیں سنبھالے ہوئے ہے۔ نعت ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے جس پر دل کی ساری محبت اور نگاہ کا سارا پیار مرتکز ہو جاتا ہے۔ نعت نے مسلمانوں کو اس لحاظ سے مرکزیت عطا کی ہے کہ ہر مسلمان کا مدعا ایک ہی ذات گرامی ہے:

ہر راہ پہنچتی ہے تری چاہ کے در تک
ہر حرف تمنا ترے قدموں کی صدا ہے (۲)

یہ تھا وہ جذبۂ دل اور وہ تپش عشق محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، جو مخزن نعت کا محرک بنا۔ نعتیہ شاعری کے حوالے سے ادبی خیانت، قلمی بددیانتی اور فکری کجروی کیوں عام ہوئی اور اقبال جاوید اور ان سے قبل اور بعد کے تمام لکھاریوں نے کیوں یہ شکوہ کیا کہ نعت کی طرف اہلِ علم، تاریخ ادب کے مؤلفین اور نقادانِ ادب نے توجہ نہیں دی؟ ..... اس کی متعدد وجوہات سمجھ میں آتی ہیں۔ مثلاً (۱) شعراء کا تبرکاً نعت کہنا۔ (۲) نعتیہ شاعری کا عمومی رواج نہ ہونا۔

(۳) نعتیہ مشاعروں کا فقدان۔ (۴) ہیئتی اعتبار سے نعت کی وسعت۔ (۵) نعتیہ شاعری میں صداقتِ بیان کی پابندی۔ (۶) غزلوں، قصیدوں اور نظموں کے دواوین کی طرح نعتیہ کلام کا الگ شائع نہ ہونا۔ (۷) نعت کے اختصاصی شعرا کی کمی۔ (۸) نعت میں عوامی جذبات کے عمومی اور معمولی ادبی اسلوب میں اظہار کی فراوانی۔ (۹) پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد ادب پر اشتراکی رجحان کا غلبہ۔

بہرحال وجوہات کچھ ہوں، نعت کو ادبی سطح پر قابل قبول بنانے کی مساعی میں پھسپھسی شاعری کرنے والے متشاعروں کی بہتات بھی نعت کو ادبی صنف سخن منوانے میں مانع رہی ہے اور اب بھی ہے۔ تاہم اب اچھے شعرا کی نعتیہ شاعری کی طرف بڑھتی ہوئی توجہ سے یہ امید بندھ چلی ہے کہ نعتیہ شاعری کو صنف سخن تسلیم کیے جانے میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں وہ ان شاءاللہ جلد دور ہو جائیں گی۔

اقبال جاوید صاحب کی نعت شناسی کے شواہد خود ان کی تحریروں میں دیکھیے:

حضور ﷺ کی شان میں کہا جانے والا ہر کلمہ نعت ہے۔ مگر اصطلاحاً ہم ایسی ہر منظوم کوشش کو نعت کہتے ہیں جس میں ستائشِ رسول ﷺ کی دل آویزی ہو۔ (۳)

ایک جگہ لکھتے ہیں:

نعتیہ شاعری، کیف خیال، عفت احساس اور پاکیزگیٔ تصور کا ایک صداقت آفرین اظہار ہے جس کا مقابلہ کوئی سی تصوراتی شاعری نہیں کر سکتی یہاں محبت کی جملہ وسعتوں کو سمیٹ کر اور چاہت کی جملہ بے قراریوں کو سنبھال کر ہر نوع کے مبالغے سے دامن بچا کر چلنا پڑتا ہے ورنہ حصولِ سعادت کے بجائے متاع ایمان کے سلب ہو جانے کا خدشہ رہتا ہے۔ بیدل نے کہا تھا:

زلاف حمد و نعت، اولیٰ است برخاک ادب خفتن
سجودے می تواں بردن، درودے می تواں گفتن

عہدِ رسالت مآب ﷺ کے در و دیوار، اشجار و کہسار اور آثار و اماکن، خوش قسمت تھے کہ وہ ہر لمحہ انوار سے مستنیر تھے اور اس دور کی آنکھوں کے کیا کہنے جنھیں راستے کی لذتیں بھی نصیب تھیں اور اس وجود پر انوار ﷺ کی زیارت بھی جو فی الواقع جمالِ الٰہی کا آئینہ تھا.... جب کہ متاخرین کی قسمت میں تصور، رعنائی طلب کا سوز اور چاہت کا اضطراب ہی رہ جاتا ہے اور اس اضطراب کا حامل نہ ہر دل ہوتا ہے اور نہ ہر قلم اس کا عکاس۔ (۴)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

جس طرح قرآن کی تفسیر اس وقت تک ناممکن ہے جب تک مفسر، مقامِ رسالت سے کما حقہ، آگاہ نہ ہو۔ اسی طرح نعت بھی اس وقت تک نہیں کہی جا سکتی جب تک حضور ﷺ سے روحانی وابستگی نہ ہو۔ محض روایتاً یا رسماً نعتیہ اشعار لکھ دینا اور بات ہے اور دل کی بے چین کیفیتوں، آنکھوں کی بے قرار آرزوؤں اور روح کی متلاطم لہروں کا قلم کی نوک پر مچل کر روشنائی کے قطرے میں سمٹ جانا دوسری بات ہے۔ (۵)

کسی بھی صنف ادب کی معرفت، دراصل ''تنقیدی بصیرت'' کی نشان دہی کرتی ہے۔ تنقیدی بصیرت جب نعتیہ

ادب کے کھرے کھوٹے سکوں کی پرکھ کے لیے استعمال ہوگی تو وہ ''نعت شناسی'' کہلائے گی۔ اقبال جاوید صاحب کی نعتیہ شعری کائنات میں تنقیدی بصیرت کہاں تک کارفرما رہی ہے اس کا مشاہدہ کرنے کے لیے ہمیں ان کے اس ارژنگِ دلبری کی سیر کرنی ہوگی جو انھوں نے نگارخانۂ فن کے طور پر سجایا ہوا ہے۔

اقبال جاوید صاحب نے ''مخزن نعت'' مرتب کی تو ان کا تنقیدی شعور اس میں اس طور کارفرما رہا ہے کہ انھوں نے اپنے شعری آدرش اور نعتیہ شاعری کے معیارات کو اصول بنا کر اپنے مرتب کردہ مجموعے میں شعرا کرام کو مناسب جگہ دی۔ کسی بھی طرح کا ادبی تحریروں کا انتخاب، ایک بڑا اور اہم تنقیدی عمل ہے۔ اس قسم کی کاوشوں میں نقاد اپنی رائے دے یا نہ دے اس کا مرتب کردہ انتخاب اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہوتا ہے کہ مرتب نے اپنے ذوق جمال، شعری معیارات، زبان کے لوچ، افکار کی خاص سطح اور بیان کے خاص اسلوب کو پسند کرنے کے بعد ادبی نثر یا شعری نمونوں کا انتخاب کیا ہے۔

غالب نے یوں ہی نہیں کہہ دیا تھا:

شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

بہرکیف غالب کو اس کے انتخاب شعر نے اسے رسوا کیا ہو یا شہرت دی ہو لیکن اقبال جاوید کے انتخاب نے ان کی تنقیدی بصیرت اور ان کے بیان کی خوبیاں اس طور پر ظاہر کی ہیں کہ ان کے لیے دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔

حضرت بصیریؒ کے کلام پر مختصر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت بصیریؒ نے قصیدہ بردہ لکھا، وہ اپنے اندر جو تاریخی صداقت، فکری عظمت، لسانی وقار اور روحانی لگاؤ لیے ہوئے ہے اس نے اسے ایک ایسی قابل قدر کاوش بنا دیا ہے کہ بعد میں آنے والے عربی، فارسی اور اردو نعت گو شعرا نے اس شمعِ فکر سے اپنے چراغ جلائے۔(۶)

غلام امام شہید کے ہاں دل کے گداز کے ساتھ ساتھ جو لفظی شکوہ ہے وہ قدیم فارسی کے قصیدہ گو شاعروں کی یاد تازہ کر رہا ہے۔ ان کی نعتیں پڑھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ خیال وسعتیں اور دل کی عقیدتیں، الفاظ و تراکیب کے خوش نما پیرہن میں سمٹ کر تغزل کا معیار ہوگئی ہیں۔ (۷)

محسن کاکوروی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

ان کا مشہور قصیدہ لامیہ پڑھ کر حضرت کعب بن زہیرؓ یاد آجاتے ہیں جنھوں نے اپنے نعتیہ قصیدے میں باقاعدہ تشبیب، گریز اور مدح کا لحاظ رکھتے ہوئے، بہترین ادبی اور فنی روایات قائم کی تھیں۔ انھوں نے تشبیب میں عرب کی مقامی علامتوں کا ذکر کیا تھا۔ محسن کے اس قصیدے میں مقامی ہندوانہ رنگ، ماحول اور روایات کا ذکر بھی اسی انداز کی یاد تازہ کر رہا ہے۔ قصیدے کی تشبیب میں عموماً فارسی شعرا کا تتبع کیا جاتا ہے۔ مگر محسن نے ایک نیا اسلوب اپنایا۔ وہ مقامی رنگوں اور علامتوں کا استعمال ہے۔ اگر ان علائم و رموز کو گریز کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو مفہوم نکھر آتا اور بات واضح ہوتی چلی جاتی ہے۔ (۸)

نقاد کا منصب یہ بھی ہے کہ وہ پہلوؤں کی دی ہوئی آرا کو پرکھے اور ان کی توضیح و تشریح کر کے ان کے حسن و قبح کو آشکارا کرے جہاں اس کی اپنی رائے قدما کے تصورِ تنقید سے ٹکراتی ہو تو وہ اپنی رائے بھی دے اور اس کی دلیل بھی۔

اقبال جاوید صاحب نے اقبال کے حوالے سے لکھتے ہوئے یہی طریق اپنایا ہے، وہ لکھتے ہیں؛

کہتے ہیں کہ فنی لحاظ سے اگر غالب نہ ہوتے تو اقبال بھی نہ ہوتے۔ مگر حقیقت یہ کہ مقصدی نقطۂ نظر سے اگر حالی نہ ہوتے تو اقبال بھی نہ ہوتے۔ حالی نے جس بنیاد پر شعر وسخن کی قوسِ قزح سجائی، اقبال نے اس میں رنگ ونور کا اضافہ کیا۔ با قاعدہ اور روایاتی نعت نہ حالی کے ہاں ہے اور نہ اقبال کے ہاں، اقبال نے پیغمبر اسلام ﷺ کی شخصیت کو مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے محرک کے طور پر پیش کیا۔ چوں کہ ان کی پوری شاعری قومی اور ملّی ادب ہے اس لیے ان کے ہاں نعت الگ عنوان سے کوئی خاص چیز نہیں ہے۔ اقبال قوم کے حال زار پر خون کے آنسو روتے ہیں تو انھیں مولائے یثرب ﷺ کے سوا کوئی اور چارہ ساز نظر نہیں آتا۔ اس ایک ذات پر ان کی نگاہیں مرتکز اور اسی ایک چوکھٹ پر ان کے قدم رک جاتے ہیں کہ منزل مقصود وہی ہے۔ (۹)

مولانا احمد رضا خاںؒ کے لیے لکھتے ہیں:

ان کے نعتیہ کلام میں، جذبات کی شدت ہے مگر انداز کا حسن لیے ہوئے۔ عشق کا عمق ہے مگر اسلوب کی سادگی کے ساتھ، ارادت کا جذبہ ہے مگر تغزل کی نشتریت میں چھپا ہوا، عشقِ رسول ﷺ کا جو والہانہ پن، مولانا کی شخصیت اور شاعری میں نظر آتا ہے اس نے ان کی نعت گوئی کو ایک مستقل ادبی حیثیت دے دی ہے کیوں کہ وہی فن پارہ عظیم ہوتا ہے جو فن کار کی شخصیت کا سچا اور اجلا عکس ہو۔ (۱۰)

حفیظ تائبؔ کے ذکر میں لکھتے ہیں:

حفیظ تائبؔ کا ذکر کیے بغیر اردو کا کوئی نعتیہ تذکرہ مکمل نہیں ہوسکتا۔ انھیں پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کا وجود۔ تغزل کا غازہ اور لطافت کا آنچل لے کر، بطحا کے ذروں میں تحلیل ہو رہا ہے۔ (۱۱)

حافظ مظہر الدین کے کلام پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:

حافظ مظہر الدین ایک اہل دل بزرگ ہیں۔ عشقِ رسول ﷺ انھیں ورثہ میں ملا ہے۔ ان کا نعتیہ کلام گدازِ فکر کا ایک ایسا مرقع ہے کہ وہ خود بخود نگاہ میں جچتا اور روح میں سماتا چلا جاتا ہے۔ اسلاف کی کہی گئی نعتوں میں عشق کا جذبہ بدرجۂ اتم موجود ہے۔ مگر تغزل کا وہ لوچ نہیں جو جدید شعرا کے ہاں ہے۔ خدا کرے کہ جدید شعرا کے دل بھی اسلاف کے سوز و درد سے معمور ہو جائیں۔ اگر آج کے شاعر کو ساز کے ساتھ سوز بھی مل جائے تو سونے پر سہاگا ہے۔ تاہم حافظ مظہر الدین کے ہاں درِ دل شعر کے سانچے میں ڈھل کر حسن ہو گیا ہے۔ گویا وہ قدیم وجدید کا ایک حسین امتزاج ہیں۔ (۱۲)

ناقدین کی نعتیہ شاعری سے بے اعتنائی کے ضمن میں وہ اپنا خیال ظاہر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

ناقدین غالباً نعت کو ایک ''منظوم وعظ'' سمجھتے ہیں۔ اسی لیے انھوں نے بطور صنفِ سخن اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ حالاں کہ شعری ادب میں قصائد کا اپنا مقام ہے۔ قصیدہ بھی کسی شخصیت ہی کی مدح سرائی کا دوسرا نام ہے، مگر نعت قصیدے سے بہت مختلف ہے۔ قصیدے میں ایک عام آدمی کی تعریف اس مبالغے سے کی جاتی ہے کہ خوب صورت الفاظ، دروغ کو فروغ کا رنگ دے دیتے ہیں مگر نعت کے حدود مقرر ہیں اس میں حد سے بڑھنا بے ادبی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ (۱۳)

مقامِ رسالت کی رفعتوں کا خیال آتا ہے تو اقبال جاوید صاحب کا قلم اس طرح موتی بکھیرتا ہوا نظر آتا ہے:

یہ مقامِ رسالت کی وسعتیں اور نزاکتیں ہیں کہ کوئی سا قلم بھی ان عظمتوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ ضیائے اوّلیں بھی ہیں اور شاہ کارِ آخریں بھی۔ کائنات حسن بھی ہے اور حسنِ کائنات بھی۔ شعلۂ طور معرفت بھی ہیں اور شمعِ حریم دلبری بھی۔ آپ صبح آگہی بھی ہیں اور ایسا خورشید یقین بھی کہ اس کی ضوفشانی سے باطل کی ظلمتیں کافور ہو جاتی ہیں۔ آپ ﷺ سرتاجِ انبیا بھی ہیں اور الطاف حق کے قاسم بھی، کمالِ رحمت باری کی انتہا بھی ہیں اور ٹوٹے ہوئے دلوں کا آسرا بھی۔ غرض ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ (۱۴)

دراصل خوب سے خوب تر کی تلاش، عملی تخلیق کا جوہر ہے... نعت عشق کی سرمستیوں، دل کی دھڑکنوں اور نگاہوں کی سجدہ ریزیوں کے گرد گھومتی ہے، مگر اس میدانِ عشق و سرور میں بھی شاعر ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ وہ اپنے مقام کو بھی پہچانتے ہیں اور ممدوح کی عظمتوں سے بھی آشنا ہیں۔ عاشق محبوب پر فدا ہونے کو سب سے بڑا فخر سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک آستانِ ناز کا سنگ در، خوش قسمت ہے کہ محبوب اس پر پاؤں رکھ کر گزرتا ہے اور اسے قدم بوسی کا شرف ملتا ہے۔ (۱۵)

اقبال جاوید صاحب نے شعری کائنات میں نعتیہ شاعری کے ایسے نمونے پیش کرنے کے ساتھ ساتھ جو نعت گو شعرا کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہو سکتے ہیں کچھ ایسے نعت گو شعرا کے احوال بھی بیان کرنے کا بیڑا اٹھایا جن کی شاعری کامل طور پر ان کے عمل سے اور قلبی احوال سے مطابقت رکھتی ہے۔ دراصل یہ شعرا صرف شعرا نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق صوفیوں، ولیوں اور علمائے کرام کے اس گروہ سے ہے جن کے لیے دین کے ظواہر بھی باطنی دنیا سے مطابقت رکھے بغیر قابل قبول نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی دنیا میں ان اہلِ دل کی شہرت صاحبانِ طریقت اور سچے محبانِ مصطفیٰ ﷺ کی ہے۔ ''تیر او جود الکتاب'' جناب اقبال کی ایسی ہی کاوش ہے جس میں نعت نگاروں کے کلام اور احوالِ عشق رسول ﷺ کا تذکرہ بڑے والہانہ طرز پر کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں حضرت احمد جام ژندہ پیلؒ، حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت معین الدین چشتیؒ، شیخ سعدیؒ شیرازی، حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ، مولانا جلال الدین رومیؒ، مولانا نور الدین جامیؒ، حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت احمد رضا خاںؒ، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ، قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ، حضرت بیدم وارثیؒ اور خواجہ محمد یار فریدی چشتیؒ کے نعتیہ اشعار کے ساتھ ساتھ ان کے روحانی احوال اور حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس سے ان کا مبنی بر صدق تعلق زیر بیان آیا ہے اس کتاب کا مقصدِ تحریر بیان کرتے ہوئے انھوں نے خود بتایا ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ شعرا کو باور کروایا جائے کہ نعت صرف کلام نہیں بلکہ عمل کی مطابقت اور حضور ﷺ سے گہرا قلبی تعلق بھی چاہتی ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

ضروری ہے کہ نعتیہ اشعار میں جذبے کا والہانہ پن بھی ہو اور شعری شعور کا بانکپن بھی۔ لفظی دروبست بھی دل آویز ہو اور اظہار کا انداز بھی ذہانت کا آئینہ.. سب سے بڑی احتیاط یہ کہ محبت منتہائے کمال پر پہنچ کر بھی مبالغے کے طلسم خانے میں نہ بھٹکے۔ (۱۶)

دورِ حاضر کے نعتیہ سرمائے میں خلوص تخلیق اور فقدان عمل کا شکوہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہمارا (الا ماشاء اللہ) ظاہر قرآن و سنت کے مطابق نہ باطن، نہ حقائق قرآنی کا ہمیں کوئی خاص فہم ہے اور نہ انوارِ رسالت ﷺ سے ہمیں کوئی خاص علاقہ۔ مگر نعتوں کے ڈھیر ہیں کہ لگتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ کیا

بات ہوئی کہ دورِ نعت کا ہے اس لیے نعت کہنا چاہیے جب کہ ہر دور ہی نعت کا دور رہا ہے کہ درود وسلام کا سلسلہ ازل انوار بھی ہے اور ابد آثار بھی اور نعت درود وسلام ہی کی شعری شکل ہے۔(۱۷)

اگر ایک نعت گو قرآن پاک کی ملہمانہ بصیرتوں اور صاحب قرآن کی فصیحانہ بلاغتوں سے انوار نہیں سمیٹ سکتا۔ اگر وہ قرآن مجید کے انداز نعت گوئی سے بھی شناسائی حاصل نہیں کرنا چاہتا۔ اگر وہ صحابہ کرامؓ کے دور کی نعت سرائی کے مطالعہ سے بھی بے توفیق ہے اور اگر شمائلِ ترمذی تک بھی رسائی نہیں تو کم از کم ان بزرگوں کے اندازِ مدحت ہی کو ایک نظر دیکھ لے جو دھرتی کے اس ظلمت کدے میں اللہ کا نور تھے، جن کا ہر سانس عبادت کا مرقع تھا، جو دینی اقدار کے مظہر اور شرعی آداب کے نمائندہ تھے، جن کی عالمانہ عظمت اور مومنانہ بصیرت تاریخ کی ایک بے غبار صداقت تھی۔ جنھیں فطرت نے قلبِ سلیم کے ساتھ ساتھ اس طبعی موزونیت سے بھی نواز رکھا تھا جسے شعر وادب کہتے ہیں۔ جن کی راتیں اشکوں سے منور اور جن کے دن یادوں سے معطر رہتے تھے، جن سے اللہ تعالیٰ راضی تھا کہ وہ اس کے محبوب ﷺ کی ہر ادا سے رنگ ونور سمیٹتے تھے اور جن سے ایک دنیا نے علم کے اسرار اور معرفت کے انوار لیے۔ وہ سب سچے صوفی تھے۔ کمالِ تصوف یہ ہے کہ سالک ، رضائے الٰہی کے سانچے میں ڈھل کر بے نیازِ آرزو ہو جائے۔ دل ہر آرزو سے خالی ہو کر محبوب حقیقی کا خلوت کدہ بن جائے یوں اس کا سینہ ایک ایسا آئینہ خانہ ہو کہ جدھر نظر جائے وہی نظر آئے جو مقصود نظر بھی ہے اور محبوب نظر بھی۔ گویا ایک حسن کے سامنے ہر حسن بے حقیقت ہو کر رہ جائے:

ہر شاہدی کہ در نظر آمد بہ دلبری
در دل نیافت راہ کہ آنجا مکانِ تست (۱۸)

اس کے بعد وہ ''تیرا وجود الکتاب'' کا مقصد تحریر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

نعتیہ انوار اولیائے کرام کے سوانحی تذکار سے ہم آہنگ ہیں اور اس کی تدوین کا مقصود بھی یہی ہے کہ ان عظیم وجلیل شخصیات کے حالات اور نعتیہ شہ پاروں کو دیکھ کر دور حاضر کے نعت گو سنبھلنے اور سنورنے کی کوشش کریں کہ یہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے کہ آج قرطاس وقلم کی اس وادیٔ جمیل میں حکایت زیادہ ہے اور حقیقت کم۔ گفتار میں کردار کی آنچ لو نہیں دے رہی۔ بات دل سے نہیں اٹھ رہی کہ وہ دل کے دروازوں پر دستک دے سکے:

جسے سن کے روح مہک اٹھے، جسے پی کے درد چہک اٹھے
ترے ساز میں وہ صدا نہیں، ترے میکدے میں وہ مے نہیں (۱۹)

ادبی تاریخ کے مطالعے اور تذکروں کی ورق گردانی سے بھی اقبال جاوید صاحب کو یہ تاثر ملا کہ ''صوفی شعرا کی فنی، علمی اور فکری حیثیت کا اعتراف بہت کم کیا گیا ہے اور مجازی شعرا ہی کو اہمیت دی گئی ہے۔ حقیقت نگار شعرا کی خصوصیات کلام کا اگر ذکر بھی ہوا تو ان کی شاعری کے حمدیہ اور ناصحانہ پہلوؤں کی تو کچھ نہ کچھ نشان دہی کی گئی مگر نعتیہ گوشوں سے اغماض برتا گیا۔ یہ چشم پوشی دراصل اسلام سے گریز کی شعوری یا لاشعوری ادبی کوشش تھی۔ جب کہ حضور ﷺ کے حوالے کے بغیر حمد، مجرد توحید اور ناصحانہ امور مجرد تصوف ہیں جن کا اسلام سے کوئی سا تعلق بھی نہیں ہے کیوں کہ ہمارا ہر عقیدہ اور ہر نظریہ رسول پاک ﷺ ہی سے وابستہ ہے۔ ان کے بغیر ہر بات ''بولہبی'' ہے۔(۲۰)

حضرت احمد جام ژندہ پیلؒ کی ایک نعت کے حوالے سے اپنی انتقادی ذمہ داری نبھاتے ہوئے اقبال جاوید صاحب اس کی تشریح وتعبیر کرتے ہیں۔تشریح وتعبیر کی ضرورت اس لے پیش آئی ہے کہ نعت فارسی میں ہے اور آج کل فارسی کیا اردو بھی صحیح طور پر پڑھنا عام پڑھے لکھوں کے لیے مشکل ہوگیا ہے۔سچ کہا تھا حضرت اکبرالہ آبادی نے:

دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

چنانچہ آج اپنی زبان، اپنی ثقافت اور اپنے دین سے جو بیزاری نظر آرہی ہے اس میں ہمارے نظامِ تعلیم کی صدفی صد بے جہتی، لایعنیت اور شعوری طور پر اپنی زبان، ثقافت اور دین سے دوری کی روش کو دخل ہے۔ یہ تو خیر ایک جملۂ معترضہ تھا بات ہورہی تھی کہ اقبال صاحب نے فارسی نعت کی تشریح بھی فرمائی ہے۔

پہلے نعت کے منتخب اشعار ملاحظہ ہوں:

آں امام الیقین و مرشدِ دیں
ہادی و مہدی ست و راہ نما
او بحق است و حق زوئے قائم
در مکان و زماں بہر دوسرا
ہم از و شد رموز عالم ملک
ہم ز وے شد ظہور ایں اشیا
مصطفیٰ ﷺ خاتم النبیین بود
دیں زوے شد زدین کفر جدا
حق رضا باد ز آل و صحب او
کہ ہمہ ہادی اند و راہ نما

اس کی توضیح کے سلسلے میں لکھتے ہیں: ''یہ نعت اس حقیقت کے گرد گھومتی ہے کہ حضور ﷺ وجہِ تکوین کائنات ہیں۔ صداقت جہاں کبھی تھی، جہاں آج ہے اور جہاں کل ہوگی وہ صادق ہی کا فیض ہے۔آپ کی ذاتِ گرامی ﷺ اتنی مکمل ہے کہ آپ کے دم ہی سے صفات کی تکمیل ہوئی، صفات کو مرتبہ ملا، صفات کو تقدس ملا، پہچان ملی، عروج ملا، ایک عام آدمی سچ بولے تو ہم اس سچ کی تحقیق کر سکتے ہیں عقل کے ذریعے سے مشاہدے کے ذریعے سے لیکن ایک پیغمبر اور خاص طور پر حضور اکرم ﷺ کی صداقت ہماری تحقیق سے بلند وماورا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ جو صادق تک پہنچ گیا صداقتیں خود اس تک پہنچ جاتی ہیں۔حضور ﷺ حق ہیں اور حق ان سے قائم ودائم ہے یہاں بھی اور وہاں بھی۔حسنِ عمل ان کے اُسوہ کی پیروی کا دوسرا نام ہے....آل نبی ﷺ اور اصحابؓ نبی ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے شاعر کا قلم بے ساختہ اس صداقت کو آشکار کر جاتا ہے کہ اس وجود مسعود سے تعلق رکھنے والے اصحاب ستاروں کی تاب وتب لیے ہوئے ہیں اور ہر ستارہ گم راہوں کو راستہ دکھانے اور کم نصیبوں کا مقدر سنوارنے پر قادر ہے۔(۲۱)

حضرت بیدم شاہ وارثی رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ سرمائے پر نظر ڈالتے ہوئے اقبال جاوید صاحب کو احساس ہوتا ہے

کہ ''مصحف بیدم'' میں کل گیارہ نعتیں ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

گو یہ نعتیہ سرمایہ بہت مختصر ہے مگر یہ ان کی قلبی محبتوں اور روحانی لرزشوں کا آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ ان ادبی خصائص سے بھی بہرہ ور ہے جنھیں نہ اہل نظر، نظر انداز کر سکتے ہیں نہ تماشائی... یہ ممکن ہے کہ احتیاط کے تقاضوں نے نعت کے میدان میں ان کے قلم کو سر بگریباں اور خود انھیں انگشت بدنداں رکھا ہو اور انھیں حرف حرف سنبھلنا اور لفظ لفظ سوچنا پڑا ہو اور یوں بات مختصر رہ گئی ہو..... بہر کیف یہ سرمایہ اس قابل ضرور ہے کہ نعت کی دنیا میں بیدم کو زندہ بھی رکھ سکے ان کے مقام کا تعین بھی کرا سکے اور ان کے لیے بہترین زادِ راہ بھی ثابت ہو سکے۔ حق یہ ہے کہ اس مختصر سے نعتیہ سرمائے سے ان کے شوق نعت گوئی کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر بے تاب اور بے حساب ہے اور سچ یہ ہے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں کمیت نہیں کیفیت دیکھی جاتی ہے۔ (۲۲)

بیدم وارثی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نعت جس کا مطلع ہے:

آئی نسیم کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کھنچنے لگا دل سوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

پر تبصرہ کرتے ہوئے اقبال جاوید صاحب فرماتے ہیں:

بیدم وارثی کی اس نعت میں ایک کیف بداماں نغمگی ہے۔ تراکیب کا حسن نمایاں ہے۔ وہ کمال عشق و مستی میں حضور ﷺ ہی کی چوکھٹ کو اپنی منزلِ مراد قرار دیتے اور انھی کے رخِ زیبا کو اپنا مصحف ایمان سمجھتے ہیں کہ انھی کے وسیلے سے ہمیں عرش و فرش کے مالک حقیقی اور مدبر حقیقی کا پتا چلا۔ ان کے نزدیک رسول پاک ﷺ کے قامتِ رعنا کے روبرو طوبیٰ بے حیثیت ہے اور آپ ہی کا خمِ ابرو محراب حرم ہے اور یہی وجہ ہے کہ روئے کعبہ بھی سوئے محمد ﷺ ہے اور انھی عنبریں گیسوؤں کا فیض ہے کہ عرب کا صحرا ایک عالم کو نکہتیں بانٹ رہا اور ادھر سے آنے والی بادِ صبا شاخِ نہال دل کے لیے وجہ نمو اور غنچہ ہائے خاطر کے لیے باعثِ ابتسام بنی ہوئی ہے۔ (۲۳)

مولانا روم کے ارژنگِ فکر و فن میں داخل ہوتے ہیں تو یوں ستائش کرتے ہیں:

مولانا روم باتوں باتوں میں بات پیدا کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ حکایات و واقعات سے نتائج اخذ کرنے کا فن ہی نہیں جانتے بلکہ اپنے عالمانہ اور والہانہ انداز سے قاری کے دل و دماغ کو مسخر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ قصداً نعت نہیں کہتے بلکہ جہاں حضور ﷺ کا ذکر آتا ہے تو اکثر دل کا لگاؤ، قلم کی نوک پر لو دینے لگ جاتا ہے اور وہ بے ساختہ توصیف رسالت مآب ﷺ کا حق ادا کرنے میں محو ہو جاتے ہیں اور حق یہ ہے کہ ایسے مقام رسمی نعت گوئی سے کہیں بلند اور حقیقی نعت گوئی سے بہت قریب ہوتے ہیں۔ ان کا انداز تکلف سے مبرا ہے نتیجہ معلوم کہ واقعیت، حسن بن کر دل کے ایوان سجاتی چلی جاتی ہے اور قاری محض ایک شعر یا ایک مصرع پڑھ کر نشاط و کیف کی وہ دولت پا لیتا ہے جو نعت سرائی کا مقصود و مدعا ہے جب کہ رسمی نعت پڑھ کر بعض اوقات طبیعت متکیف ہونے کے بجائے منقبض ہو جاتی ہے۔ (۲۴)

رومانی احساس جب روحانی کائنات کی فضاؤں پر چھا جاتا ہے تو تاریخی واقعات میں بھی حسن و لطافت آمیز منظر نگاری وجود میں آجاتی ہے۔ اقبال جاوید صاحب نے بھی ایک واقعہ اسی رومانوی احساس کے زیر اثر قلم بند کیا ہے:

جنگ احد میں ایک صحابیؓ زخمی ہوکر گر پڑے، ان کی زندگی کا شعلہ آخری لپک لے رہا تھا کہ رسالت مآب ﷺ کا گزر ادھر سے ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کوئی خواہش ہو تو بتاؤ، جاں بلب صحابیؓ نے اپنا زخمی جسم گھسیٹا اور سرحضور ﷺ کے قدموں پر رکھ دیا اور اپنا دم توڑتے ہوئے دامنِ احد کی ریت پر نعت کا مقطع اپنے خون کی سرخی سے لکھ دیا:

منم و ہمیں تمنا کہ بوقت جاں سپردن
بہ رخ تو دیدہ باشم تو درون دیدہ باشی

پروفیسر اقبال جاوید کا قلم سدا بہار ہے۔ وہ مسلسل نعت کے حوالے سے لکھ رہے ہیں اور کئی برس سے لکھ رہے ہیں۔ ان کی نگارشات ماہ نامہ ''نعت'' لاہور ''شام وسحر'' کے نعت نمبروں، مفیض گوجرانوالہ کے نعت نمبر اور ''نعت رنگ'' کے علاوہ مختلف کالجوں سے نکلنے والے پرچوں میں فکری خوشبو اور اسلوبیاتی ضیائیں بکھیرتی رہی ہیں۔ مختلف کتب پر بھی آپ نے تقاریظ لکھی ہیں اور فلیپ بھی قلم بند کیے ہیں۔ مختلف ادبی شخصیات کے نعتیہ کارناموں پر بھی آپ نے خامہ فرسائی کی ہے۔ ''بیسویں صدی کے قرآن نمبر''، ''بیسویں صدی کے رسول ﷺ نمبر''، اور ''کعبہ پر پڑی جب پہلی نظر'' جیسی کتب بھی آپ کے علمی و تحقیقی معیار کی بلندی اور دینی رجحان کی سمت نمائی کے لیے کافی ہیں۔

محمد متین خالد صاحب کی کتاب ''شہیدان ناموس رسالت ﷺ'' کی تقدیم بہ عنوان ''سر بیچ کر متاعِ دل و جاں خریدنا'' لکھتے ہوئے تحفظ ناموس رسالت کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کی تڑپ رکھنے والوں کے کچھ واقعات اس طرح حوالۂ قرطاس کیے ہیں کہ قاری پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے:

اللہ تعالیٰ، ناموس نبوت ﷺ کے تحفظ کے سامان خود فراہم کیا کرتے ہیں۔ ہم ایسے لوگ تحریریں لکھتے اور تقریریں کرتے رہ جاتے ہیں اور قدرت کسی سادہ دل کے جگر میں آگ لگا کر اس کے ایمان کو عمل کا خوش رنگ نقش بنا دیتی ہے کہ لالے کی حنابندی فطرت کا محبوب مشغلہ ہے:

دہد حق، عشقِ احمد ﷺ، بندگانِ چیدۂ خود را
بہ خاصاں می دہد شہ، بادۂ نوشیدۂ خود را

اس سلسلے میں دو واقعات محفوظ کرنا چاہتا ہوں۔ ایک کے راوی پروفیسر عطاء الرحمٰن عتیق (سابق صدر شعبۂ اردو گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ) ہیں۔ ۱۹۵۳ء میں ختم نبوت کی تحریک زوروں پر تھی۔ سیالکوٹ دارالعلوم شہابیہ میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دیگر اکابرین جمع تھے۔ پروفیسر موصوف تب وہاں ایک کم سن طالب علم تھے اور مہمانوں کی خدمت پر مامور تھے۔ محفل میں مرزا قادیانی ملعون زیر بحث تھا کہ پروفیسر صاحب نے شاہ جی سے اچانک مخاطب ہو کر کہا کہ ''حضرت! جب اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، آپ تبھی اسے قتل کر دیتے تو ان تقریروں کی نوبت نہ آتی۔'' یہ سن کر شاہ جیؒ زار زار رونے لگ گئے اور کافی دیر آبدیدہ اور گلوگیر رہے.... تاریخ نے یہ حقیقت بھی محفوظ رکھی ہے کہ جب علامہ اقبالؒ نے غازی علم الدین شہیدؒ کے شگفتہ چہرے کی آخری زیارت کی تو وہ بے اختیار کہہ اٹھے تھے کہ ''اسیں گلاں ای کردے رہے، تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا۔''

دوسرا ایمان افروز واقعہ پروفیسر میاں محمد یعقوب (شعبۂ اردو نیشنل سائنس کالج گوجرانوالہ) یوں بیان کرتے ہیں:

۶۷۔۱۹۶۶ء کی بات ہے میں لاہور کے سنٹرل ٹریننگ کالج میں بی ایڈ کا طالب علم تھا۔ وہاں ہمارے ایک بزرگ پروفیسر تھے چودھری فضل حسین، انھوں نے یہ واقعہ کلاس روم میں سنایا... میں بیروت کی یونی ورسٹی میں زیرِ تعلیم تھا اور وہاں ہندوستان (تقسیم سے قبل) کے بہت سے طلبہ و طالبات زیرِ تعلیم تھے۔ ان میں سے ایک لڑکی (نام نہیں بتایا) بہت شوخ و شنگ اور الٹرا ماڈرن قسم کی تھی۔ اس کا تعلق ہندوستان کے کسی مسلمان نواب گھرانے سے تھا۔ وہ خود شاید فیشن کے طور پر کمیونزم کی پرچارک تھی۔

ایک دن ٹک شاپ پر اسلام اور کمیونزم کی بحث چل رہی تھی کہ اس ناہنجار لڑکی نے حضور ﷺ کی شان میں ایک آدھ نازیبا لفظ کہہ دیا۔ میں نے اسے بے نقط سنائیں، بہت برا بھلا کہا اور ہمیشہ کے لیے اس سے قطع کلامی کر لی۔ پھر یوں ہوا کہ مجھے (پروفیسر فضل حسین) اور اس نابکار لڑکی کو جو اپنی امارت اور حسن پر بہت نازاں تھی، دورانِ تعلیم ہی میں برص کا حملہ ہوا۔ اس نے اپنے حسن کو بچانے کے لیے اس وقت کے اعلیٰ ترین ڈاکٹروں اور ہسپتالوں سے رجوع کیا لیکن برص پھیلتا چلا گیا اور وہ خود بھی پھیلتی چلی گئی، یعنی بے اندازہ موٹی ہوگئی۔ ہندوستان واپسی پر اس کا کہیں رشتہ نہ ہو سکا اور اپنی مضحک ہیئت کذائی کی وجہ سے اس نے گھر سے نکلنا بھی چھوڑ دیا اور وہ جو کبھی جانِ محفل ہوا کرتی تھی، سوسائٹی میں نسیاً منسیا ہوگئی۔ ادھر واپسی کے بعد میں نے جہلم کے ایک معمولی سے ڈاکٹر سے علاج کروایا اور اللہ کے فضل سے چہرے پر ایک آدھ داغ کے سوا شفا ہوگئی۔

تقریباً ساری کلاس نے سوال کیا، ''سر! اسے تو رحمۃ للعالمین ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کے سبب یہ سزا ملی۔ آپ پر برص کیوں حملہ آور ہوا؟''

بوڑھے پروفیسر کے جواب نے نہ صرف کلاس کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا بلکہ سب کو آنسوؤں سے رلایا۔ فرمایا، ''مجھے اس وجہ سے برص ہوا کہ میں نے گالیوں پر اکتفا کیوں کی اور اسے اسی دم قتل کیوں نہ کر دیا۔ (۲۶)

میں نے کہیں عرض کیا ہے کہ انتخاب بھی شعورِ نقد کا شاخسانہ ہوا کرتا ہے۔ انتخاب سے طبیعت کا میلان اور منتخب شے کے حوالے سے فکری رجحانات کا اندازہ ہوتا ہے۔ پروفیسر اقبال جاوید نے ناموسِ رسالت کے ضمن میں درج بالا عبرت آموز واقعات سنا کر یہ پیغام دیا کہ وہ ایسے زندہ ضمیر مسلمانوں کی اکثریت دیکھنے کے متمنی ہیں جو حبِ رسول ﷺ کے عملی تقاضے پورے کرنے والے ہوں۔

ان خیالات کے اظہار سے پروفیسر اقبال جاوید نے ثابت کر دیا ہے کہ ان کی ''نعت شناسی'' میں تنقیدی منہاج ''تحریک آمیز'' ہے انگریزی میں اسے Suggestive Criticism کہہ سکتے ہیں۔ اسی تنقید کو اصلاحی زاویئے سے دیکھا جائے تو کسی حد تک ''مقننِ تنقید'' بھی ہے۔ اب اگر پروفیسر اقبال جاوید کے طریقِ اظہار کی مجموعی طور سے کچھ صفات بیان کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ ''ان کی نثر رومانوی ہے، طریقِ تنقید تاثراتی ہے، مقصدِ اظہار اصلاحی اور تحریک آمیز ہے، جس میں ہلکا سا عکس، مقننِ تنقید کا بھی پایا جاتا ہے''.....اور یہ سب کچھ ان کی دردمند شخصیت کا اظہار ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد اقبال جاوید، مخزن نعت، علمی کتاب خانہ، کبیر سٹریٹ، اردو بازار لاہور، ۱۹۷۹ء

۲۔ ایضاً ص ۲۱

۳۔ ایضاً ص ۷

۴۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید، تیرا وجود الکتاب، ۸۸، سٹیلائٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ، ۲۰۰۱ء، ص ۲۸۴

۵۔ مخزن نعت، ص ۲۰

۶۔ ایضاً ص ۹

۷۔ ایضاً ص ۱۳

۸۔ ایضاً ص ۱۴

۹۔ ایضاً ص ۱۵

۱۰۔ ایضاً ص ۱۶

۱۱۔ ایضاً ص ۱۸

۱۲۔ ایضاً ص ۱۸

۱۳۔ ایضاً ص ۲۲

۱۴۔ ایضاً ص ۲۵

۱۵۔ ایضاً ص ۲۸

۱۶۔ ایضاً ص ۷

۱۷۔ ایضاً ص ۷

۱۸۔ تیرا وجود الکتاب، ص ۹

۱۹۔ ایضاً ص ۹

۲۰۔ ایضاً ص ۹

۲۱۔ ایضاً ص ۲۱

۲۲۔ ایضاً ص ۳۴۰

۲۳۔ ایضاً ص ۳۴۱

۲۴۔ ایضاً ص ۱۱۸

۲۵۔ اوج، نعت نمبر، گورنمنٹ کالج، شاہدرہ، لاہور، جلد۲، ۹۳، ۱۹۹۲ء ترتیب وتدوین ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، ص ۹۷

۲۶۔ محمد متین خالد، شہیدانِ ناموسِ رسالت ﷺ، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۲۱

حرفِ اعتذار

ایک ہی موضوع پر، مختلف اوقات میں لکھے گئے مضامین میں، بعض جملوں اور اشعار کی تکرار ہو جایا کرتی ہے، جسے ایک بشری تقاضا تصور فرمایا جائے، ممنون رہوں گا۔

☆

پروفیسر

محمد اقبال جاوید

کی

تصانیف و تالیفات

- مخزنِ نعت
- مرقع چہل حدیث
- اُردو کے دس عظیم شاعر
- بیسویں صدی کے رسول نمبر ﷺ
- تیرا وجود الکتاب ﷺ
- بیسویں صدی کے قرآن نمبر
- تعمیرِ ادب
- نقشِ ادب
- ادبی مجلّہ مہک ۔ سیرت نمبر ﷺ
- ادبی مجلّہ مہک ۔ اقبال نمبر (۲ جلدیں)
- ادبی مجلّہ مہک ۔ گوجرانوالا نمبر
- لوح بھی تو، قلم بھی تو (ﷺ)
- نگارشاتِ شورش
- مضامینِ شورش
- حرفِ راز
- قرآنِ حکیم ۔ اُردو منظومات کے آئینے میں
- نعت میں کیسے کہوں؟
- کعبہ پہ پڑی جب پہلی نظر
- قلم کے چراغ
- مولوی محمد شریفؒ ۔ علم و معرفت کے تناظر میں
- اُردو قواعد و انشاء
- شعری التجائیں
- دل جس سے زندہ ہے
- قرآنِ حکیم ـــــ ایک طالبِ ہدایت کی نظر میں
- کتھے مہر علی، کتھے تیری ثنا
- ارمغانِ راتھر
- مختار مسعود ۔ مکاتیب کے آئینے میں
- تحمید و تحسین
- تحسینِ رسالت ﷺ